بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ
تجلی
دیوبند

سفرِ حق کی ۳۰ ویں منزل دور

اور

تیسویں منزل کا پہلا اقدام

فی شمارہ ——— تین روپے

عمومی زرِ تعاون چھ ماہ کیلئے ——— تیرہ روپے
" ایک سال کیلئے ——— چوبیس ۲۴ روپے
" دو سال کے لئے ——— بیالیس ۴۲ روپے
" تین سال کے لئے ——— ساٹھ ۶۰ روپے
" چار سال کے لئے ——— پچھتر ۷۵ روپے
" پانچ سال کیلئے ——— نوّے ۹۰ روپے

خصوصی زرِ تعاون حسبِ ہمت اور حسبِ توفیق (یعنی کمی زیادتی دونوں گوارہ) غیر ممالک سے بذریعہ بحری ڈاک دو پونڈ۔

ایڈیٹر

حسن احمد صدیقی

فاضل دیوبند

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے سال بھر کے لئے ازراہِ تعاون جو رقم ارسال کی تھی اس کی مدت ختم ہو چکی ہے۔ تجلی کو اگر آپ نے اپنے اور اپنے اہلِ خانہ کے لئے مفید محسوس کیا ہو تو چوبیس روپے روانہ کر کے تعاون کی مدت میں توسیع کرنے کی اجازت دیں ورنہ بذریعہ خط تجلی سے اپنا رشتہ منقطع کرنے کی اطلاع کر دیں۔ اگر آپ نے کوئی جواب نہ دیا تو اگلا شمارہ ہم وی۔پی کر دیں گے اور وی۔پی وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہو گا۔

تجلّیات

نقادِ اعظم | | مولانا عامر عثمانی نور اللہ مرقدہ

مستقل

دست

حضرت معاویہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ (بخاری ومسلم بحوالہ مشکوٰۃ کتاب العلم) ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما دیتا ہے اور میری حیثیت فقط ایک تقسیم کرنے والے کی ہے عطا جو کچھ بھی کرتا ہے اللہ ہی کرتا ہے۔

یہاں علم اور معلومات کا ذکر نہیں ہے دین کی سمجھ بوجھ کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ علم، مطالعہ، معلومات کی کثرت اور اصول و فروع کی واقفیت الگ شئے ہے اور سمجھ بوجھ، فہم و تدبر اور بصیرت و تفقہ الگ۔ "فقہ" کا لفظ اسی تفقہ سے نکلا ہے یعنی وہ چیز جو فکر و تدبر اور سمجھ بوجھ کا حاصل ہو۔ اس انعامِ الٰہی سے مشرف ہونے والے بندے کو فقیہ کہتے ہیں اور اسی کی جمع ہے فقہاء۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ فقاہت ایک اعلیٰ درجے کی قابلِ فخر شئے ہے جس میں فقاہت پائی جائے سمجھیے کہ اللہ نے اس کے حق میں بھلائی کا ارادہ فرمایا۔ بھلائی کے ارادے کا مطلب یہ ہے کہ اسے دین و دنیا میں سرخروئی نصیب ہوگی۔ دنیا میں اگر بظاہر کوئی بڑا مرتبہ اور مقام عیش اسے حاصل نہ ہو تب بھی آخرت کے اعتبار سے وہ صاحب نصیب ہے۔ دنیا کے عیش والم اگرچہ آخرت کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے لیکن ایک بات اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ اللہ کے جو نیک بندے اللہ سے لو لگائے ہوئے ہوتے ہیں اور دنیا طلبی کے عوض ان کے دل و دماغ میں آخرت اور رضائے الٰہی کی طلب بسی ہوئی ہے وہ اگر دنیا کے آلام و آفات میں گرفتار بھی ہوں تو ان کے قلب و روح ان آلام و آفات سے کچھ زیادہ اثر پذیر نہیں ہوتے۔ کوئی بہت بڑا دنیاوی نقصان ہم دنیاداروں کے قلب و روح پر جتنا برا اور گہرا اثر ڈالتا ہے اس کا عشر عشیر بھی ان پر نہیں پڑتا اور باطنی سکون و طمانیت کی وہ دولت انھیں نصیب رہتی ہے جو مسرت کی داخلی بنیاد ہے۔ اس طرح دنیا کے نقصانات و مصائب میں گھر کر بھی وہ راضی برضا اور مطمئن اور شاکر و مسرور رہتے ہیں۔ ازمئی ۷۲ء

احوالِ واقعی

اس میں کوئی شک نہیں کہ ۱۹۷۸ء میں ادارہ تجلی جس بد نظمی کا شکار رہا ہے اسکی نظیر ماضی قریب و بعید کے کسی سن میں نظر نہیں آتی۔ مولانا عامر عثمانیؒ کے زمانہ میں بھی تجلی لیٹ چھپتا تھا اور انکی وفات کے بعد بھی تجلی بسا اوقات تاخیر ہی سے منظرِ عام پر آیا۔ لیکن یہ تاخیر غیر معمولی نہیں ہوتی تھی۔ بس زیادہ سے زیادہ دو ماہ یا اڑھائی ماہ۔ لیکن ۱۹۷۸ء میں تاخیر کا سلسلہ حدوں سے متجاوز ہو گیا جولائی کے بعد تین مہینے کا مشترکہ شمارہ چھاپا گیا اور وہ بھی بروقت منظرِ عام پر نہ آسکا۔

یہ شمارہ اگست ستمبر اکتوبر کے مہینوں پر مشتمل تھا گویا کہ اسے اکتوبر کے اوائل یا اواخر میں قارئین تک پہنچ جانا چاہیئے تھا۔ لیکن وائے قسمت اور دوائے بیچارگی کہ یہ شمارہ مزید دو ماہ لیٹ ہو کر قارئین کی خدمت میں پہونچ سکا اور اسی طرح ہمارے قارئین کو پانچ چھ ماہ کی مسلسل کوفت اور جھلاہٹ سے دو چار ہونا پڑا۔

ان چند مہینوں میں جو خطوط ہمیں ملے ہیں وہ بڑے دلچسپ اور معنی خیز ہیں۔ بعض میں شکایتیں ہیں اور بعض میں صلواتیں۔ بعض مہذب قسم کی گالیوں سے بہرہ ور ہیں اور بعض مشفقانہ نصیحتوں سے لبریز۔

خیر کچھ بھی ہو یہ تمام خطوط اپنی اپنی جگہ یہ ثبوت مہیا کر دیتے ہیں کہ تجلی قارئین کو حد درجہ محبوب ہے۔ اس کا لیٹ ہونا مستقل ایک غم ہے جسے قارئین گوارہ نہیں کر پاتے اور جھلاہٹ میں نہ جانے کیا کیا کہہ ڈالتے ہیں۔

غور و فکر کرنے پر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تجلی کا حلقۂ قارئین ایک پھیلی ہوئی برادری کے مماثل ہے جس میں سبھی طرح کے افراد ہوتے ہیں۔ بعض شریف بعض نیم شریف اور بعض غیر شریف۔

بعض حضرات نے صرف شکایتوں تک اپنے غصہ کو محدود رکھا۔ اور بعض حضرات نے فرطِ جھلاہٹ میں تعلق ہی منقطع کر لیا۔ اور سزا کے ساتھ ساتھ بطورِ "سود" کچھ گالیاں اور کچھ الزامات بھی عطا فرمائے۔ بعض ارباب خیر نے یہ کیا کہ بجائے شکایت اور اظہار تکرار کے بطور تعاون کئی سال کا چندہ پیشگی روانہ کر دیا اور راہِ حق میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کی۔ ہم ان سبھی حضرات کے شکر گزار ہیں اول الذکر کے اسلئے کہ انہوں نے شکایتیں کر کے اپنائیت کا ثبوت دیا ثانی الذکر کا اسلئے کہ انہوں نے تعلق ختم کر کے یہ تاثر دیا کہ تعلق تو صرف ایک ہی مضبوط اور پائیدار ہے۔ باقی تمام تعلقات فانی اور ناپائیدار ہیں۔ جو کبھی ہوتے اور کبھی نہیں۔ ثالث الذکر کا اسلئے کہ انہوں نے ہمدردی اور غم خواری کا مظاہرہ کر کے ہمیں انسانیت کی اعلیٰ قدروں سے روشناس کرایا۔

تجلی کی اس غیر معمولی تاخیر کے باوجود ہمارے ارادوں پر اوس نہیں پڑی ہمارے ارادے اب بھی مستحکم ہیں۔ اور ہمیں اپنے رب سے یہی امید ہے کہ وہ تجلی کی بد نظمی کو دور کر کے ہمیں سرخرو ہونے کا موقعہ ضرور دے گا۔

توجہ طلب

خاندانوں اور یار دوستوں کے مابین جتنے بھی جھگڑے نمودار ہوتے رہتے ہیں ان سب کی بنیاد بالعموم غلط فہمی ہی ہوتی ہے۔ غلط فہمی کے بادل جب چھٹ جاتے ہیں حالات پھر درست ہو جاتے ہیں اور دوستی کے آسمان پر پھر محبت و اخوت کا سورج چمکنے لگتا ہے۔

غلط فہمی تعلقات کے حق میں زہر قاتل کی حیثیت رکھتی ہے۔ غلط فہمیوں کے ہوتے ہوئے تعلقات خوشگوار نہیں رہ سکتے پھر یہ بھی ایک اظہر من الشمس حقیقت ہے کہ جو شخص غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے نقصان زیادہ تر اسی کے حصہ میں آتا ہے۔

ارسطو نے کہا تھا۔ غلط فہمی انسان کو تمام تر فوائد سے محروم کر دیتی ہے جو فائدہ دوسروں کی ذات سے پہونچنے والا ہوتا ہے وہ غلط فہمی کی وجہ سے کلیۃً مفقود ہو جاتا ہے۔ آج گھر گھر میں تکرار کا لا متناہی سلسلہ جاری ہے عوام و خواص سبھی خانہ جنگیوں کا شکار ہیں۔ تعلقات کے شیشوں پر بغض و عداوت کی گرد جم کر رہ گئی دل دل میں خصومت و تنفر کے بیکراں طوفان موجزن ہیں۔ ہر شخص کی زبان پر شکایتوں اور گالیوں کی ریل پیل ہے اور یہ سب کچھ عام طور پر غلط فہمی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

ہماری دسیوں لوگوں سے ان بن رہتی ہے اور ہم ہمیشہ ہی دوسروں ہی کو قصوروار تصور کرتے ہیں لیکن جب ہم دل کی نگاہوں پر سنجیدگی اور انصاف کی عینک چڑھا کر واقعات کی گہرائی میں جھانکتے ہیں تو اسوقت ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ہم دوسروں کے بارے میں غلط گمان قائم کئے بیٹھے تھے ورنہ ہمارے حریف اتنے برے نہیں جتنی ہمیں بدگمانی تھی۔

غلط فہمی سے حتی الامکان بچیئے اور دوسروں کے بارے میں ہمیشہ حسن ظن سے کام لیجئے۔

آپ یقین کریں یا نہ کریں لیکن یہ ایک واضح اور بیّن حقیقت ہے کہ ہم جس شخص کے بارے میں جیسا بھی نظریہ قائم کر لیتے ہیں وہ بالآخر ہمارے حق میں ویسا ہی ثابت ہوتا ہے۔

ایک شخص اپنی فطرت و جبلت اور عادات و اطوار کے اعتبار سے کتنا بھی برا کیوں نہ ہو لیکن اگر آپ اسکو ایک اچھا انسان تصور کرتے ہیں تو یقیناً وہ آپ کے ساتھ بھلائی اور اچھائی کا معاملہ اختیار کر لے گا اور حتی الامکان وہ آپ کے لئے ایک اچھا انسان بننے کی کوشش کرے گا۔

کسی کو دشمن اور دوست بنانا لاریب انسان کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے اور کسی کو دشمن اور دوست بنانے میں بلاشک خیالات و آراء کو بہت بڑا دخل ہے۔ آپکو تو معلوم ہی ہو گا کہ خیالات اور عقائد ہر معاملہ میں "اصل" اور "اساس" کی حیثیت رکھتے ہیں اور انکا اپنا ایک خارجی اثر ہوتا ہے: کیا آپ نے یہ شعر نہیں سنا۔؟

نہ تھے جب مہرباں مجھ پر نہ ہیں اب مجھ سے برگشتہ
وہ میری خوش گمانی تھی یہ میری بدگمانی ہے

بقیہ۔ شری بلراج مدھوک

مسلمانوں سے آٹھ گنا زیادہ ہیں یہ فرق اتنا معمولی نہیں ہے کہ چند برسوں میں مٹ جائے اور مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کے برابر ہو جائے۔ تعداد برابر تو ایک ہی صورت میں ہو سکتی ہے کہ مسلمان مرنا چھوڑ دیں اور بچے برابر پیدا کرتے رہیں۔ اور ہندو روز مرتے رہیں اور بچوں کا کنٹرول ان کے یہاں یکسر بند ہو جائے۔ اس کے علاوہ کسی بھی صورت میں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کے برابر نہیں ہو سکتی۔

مسلمانوں کی تعداد میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور ہوا ہے لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ انہوں نے ضبط تولید پر کسی بھی درجہ میں عمل نہیں کیا، بلکہ اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ آئے دن انھیں مارا کاٹا جاتا ہے۔ اور فطرت کا مزاج یہ ہے کہ جس چیز کو جتنا ختم کیا جاتا ہے وہ اتنی ہی پیدا ہوتی ہے۔ اور اتنی ہی بڑھتی ہے۔ سامنے کی مثال انسانی اعضاء میں بالوں کی ہے۔ یہ تمام اعضاء کے مقابلے میں سب سے زیادہ کٹتے ہیں اور تمام اعضاء کے مقابلے میں سب سے زیادہ بڑھتے ہیں۔ اگر بلراج مدھوک صاحب فطرت کے مزاج سے واقف ہیں اور معقول تعداد میں عقل رکھتے ہیں تو انھیں چاہئے کہ "مسلم کش" فسادات کے سلسلہ کو روکنے کی کوشش کریں۔ ورنہ وہ یہ یقین کرلیں کہ مسلمانوں کو جتنا مارا جائے گا وہ اتنی ہی تعداد میں بڑھتے چلے جائیں گے۔ اور بھلا مشیت سے ٹکرا جانے کی ہمت کس میں ہے؟

اندرا گاندھی کی گرفتاری

ہندوستان کی سابقہ وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کو ثابت شدہ جرائم، دھاندلی اور دیدہ دلیری کی پاداش میں جیل بھیج دیا گیا تھا اور انھیں پارلیمنٹ سے خارج کر کے ان کے بتائے ہوئے طور طریقوں کی لاج رکھی گئی تھی۔

ان کی گرفتاری کے وقت اس بات کا اندیشہ تھا کہ ہندوستان کے کونے کونے میں "تخریب پسند" اور "اندرا پرست" حضرات توڑ پھوڑ، چوری اور سینہ زوری کا مظاہرہ کر کے امن و عافیت کو غارت کرنے کی فکر میں لگیں گے۔ اور دنیا کی نظروں میں یہ دھول جھونکنے کی کوشش کریں گے کہ اندرا کی گرفتاری سارے ہندوستان کے حق میں "آفت کبریٰ" سے کم نہیں ہے۔ شر پسند حضرات نے قسم قسم کی شرارتیں کیں اور سنجیدہ قسم کے اندرا نوازوں نے از خود گرفتاریاں دیکر سیاسی شرافت اور نمک حلالی کے ثبوت فراہم کئے۔ لیکن یہ سب کچھ ادنیٰ پیمانے پر ہوا۔ جبکہ اندیشہ یہ تھا کہ یہ سب کچھ اعلیٰ پیمانے پر ہوگا اور اتنے "عشاق" گرفتاری کی قربانی دیں گے کہ ہندوستان کی جیلوں کا طول و عرض تنگ پڑ جائے گا اور جیلوں کی گہرائی سے "ھل من مزید" کی آواز ابھرنے لگے گی۔ "عاشقین اندرا" کی ارواح و اجسام مقید ہونے کے لئے بے تاب رہیں گے۔ لیکن حالات و واقعات نے اندیشوں کو شکست فاش دے دی۔ اور یہ حقیقت ابھر کر پھر ایک بار سامنے آگئی کہ دنیا طاقت اور چڑھتے سورج کی پوجا کرتی ہے۔ غروب ہونے والے سورج کی طرف کوئی دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ اندرا جی جب اقتدار کی مسند پر جلوہ افروز تھیں تو اس وقت انکے چاہنے والے اور ان کی محبت میں سیاسی نغمے الاپنے والوں کی تعداد حد سے متجاوز تھی۔ لیکن جب سے وہ اقتدار سے محروم ہوئی ہیں اس وقت سے انکے نام کا وظیفہ پڑھنے والوں کی تعداد کافی گھٹ گئی ہے۔

ہندوستان میں جہاں ۶۵ کروڑ انسان رہتے ہوں صرف تیرہ ہزار [۱۳] انسانوں کی گرفتاری کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

کسی لیڈر و رہنما کی گرفتاری پر شر پھیلانے کو دنیا کا کوئی بھی سنجیدہ اور باشعور آدمی گوارہ نہیں کر سکتا۔ اندرا جی کے اندھے اور عقل سے بیگانہ عاشقوں نے غلط انداز میں مظاہرے کئے۔ بسیں اور گاڑیاں لوٹیں۔ عوام کو پریشان کیا۔ اور سڑکوں پر جنگلی بندروں کی طرح ناچ کود کر یہ ثابت کر دیا کہ اندرا جی کی پشت پر شریفوں کا نہیں کمینوں کا ہاتھ ہے۔ ان حرکا

لنات نے اندراجی کی ذلت و منکبت میں کچھ اضافہ ہی
ہے۔ انصاف اور قانون پسندی کا تقاضہ تو یہ تھا کہ
راجی کی گرفتاری پر لوگ خوش ہوتے اس تصور کے
ہ کہ ان کے ہندوستان میں جرم اور سزا سب کیلئے
، درجہ رکھتے ہیں۔ کسی بھی جمہوریت نواز اور سیکولرزم
انسان کے لئے یہ بات زیبا نہیں ہے کہ وہ کسی بڑے
کی گرفتاری کو خلافِ آئین قرار دے۔ جرم بہرحال
ہے خواہ اس کا کرنے والا معمولی درجہ کا چپراسی ہو
لی درجہ کا وزیر۔

جنتا حکومت سے بہت سی شکایتوں کے باوجود
کہنے میں کوئی عذر نہیں کہ اس نے اندراجی کو گرفتار
کے جمہوریت اور انصاف کو ایک نئی تازگی بخشی ہے۔

جن حضرات نے اندراجی کی خاطر گرفتاریاں دی
انہوں نے جمہوریت اور انصاف کی قدر و قیمت گھٹانے
شش کی ہے لیکن انھیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ
فراد کی واویلا نہ قانون کا قد گھٹا سکتی ہے اور نہ
ریت کو ہلکا کر سکتی ہے۔

اندراجی کی گرفتاری پر مولانا اسعد مدنی نے بھی
اری کا ثبوت دیا۔ اور اس جیل کی ہوا کھا آئے جسکے
سے وہ ہمیشہ خائف رہتے تھے۔ ان کی گرفتاری سیاسی
پر کتنی ہی مفید ثابت ہو لیکن مذہبی طور پر اسے حماقت
بالت کے سوا کوئی دوسرا نام دینا غلط ہی ہوگا۔ مسلمانوں
لئے بزدلی اور اندراجی کے لئے بہادری والی بات لوگوں
میں نہیں آئی اور وہ حسبِ عادت مولانا اسعد صاحب
ب ملامت اچھالنے پر مجبور ہو گئے۔ دیوبند کے بعض
نواز حضرات نے ایک جلوس بھی نکالا تھا جو دو درجن
پر مشتمل تھا۔ اس تعداد نے از خود یہ بات ثابت کر دی
اندراجی کی حیثیت عوام کی نظروں میں "چوسے ہوئے
ہ سے زیادہ نہیں ہے۔ جمعیۃ العلماء کی طرف سے ایک جلسہ
منعقد ہوا تھا جس میں اندراجی کی تعریف میں زمین و
ن کے قلابے ملائے گئے تھے۔ ایک شاعر صاحب
نے داڑھی اور شیروانی کی موجودگی میں اندراجی کی تعریف
و تحسین اس انداز میں کی کہ شریعت کو بھی پسینے چھوٹ گئے۔
انہوں نے فرمایا تھا کہ ہم اندراجی کی ذات کی خاطر نہیں
بلکہ ان کی کچھ صفات کی خاطر جیلوں میں گھسے تھے۔

غالباً ان صاحب کو یہ معلوم نہیں ہے کہ کچھ نہ کچھ صفات
تو کتّے اور بلیوں میں بھی ہوتی ہیں لیکن ان کچھ صفات کی
وجہ سے ان کی "ارذلیت" ختم نہیں ہو جاتی برا بہرحال
برا ہی ہے خواہ اس میں کچھ اچھائیاں بھی ہوں۔

آغازِ سخن

حسن احمد صدیقی

(۱) الٰہ آباد ہائی کورٹ کے ایک فیصلہ پر سرسری گفتگو۔
(۲) دونو باجی کیوں دُبلے۔
(۳) شری بلراج مدھوک کی بچکانہ منطقیں۔
(۴) شریمتی اندرا گاندھی کی گرفتاری۔

ہندوستان کی چھوٹی بڑی عدالتوں میں ہونے والے فیصلوں کو ہم ہمیشہ ہی عقیدت و احترام کی نظروں سے دیکھتے آئے ہیں اور یہ کہنے ہیں ہمیں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ انصاف و دیانت سے لاپروائی کے اس دورِ ہلاکت میں بھی ہماری عدالتوں کو انصاف نوازی اور دیانت پروری کا شرف حاصل رہا ہے۔ اور ایک ہم ہی کیا۔ ہندوستان کا ہر ہر مسلمان اس بات کو جانتا اور مانتا ہے کہ اس کے ملک کی عدالتیں بے انصافی اور بد دیانتی کو کسی طور پر انگیز نہیں کرتیں بلکہ ظلم و زیادتی کو رفع دفع کرنے اور مظلوم و ناتواں انسانوں کی فریاد رسی کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی رہی ہیں — قابلِ فخر ہے ہمارے لئے یہ بات کہ ہمارے ملک کی عدالتوں میں جو فیصلے کئے جاتے ہیں وہ سوجھ بوجھ اور عدل و انصاف پر مشتمل ہوتے ہیں۔

ہم یہ کہنے کی حماقت تو نہیں کر سکتے کہ ہماری عدالتوں میں ہونے والے فیصلے آسمانی فیصلے ہیں کہ ان میں کوئی جھول ہی باقی نہیں رہتا البتہ یہ کہنے میں ہمیں کوئی تامل محسوس نہیں ہوتا کہ ہماری عدالتوں میں دیدہ و دانستہ انصاف اور دیانت کا خون نہیں کیا جاتا اور جان بوجھ کر کوئی ایسا محل تعمیر نہیں کیا جاتا جو کسی کی مقتول تمناؤں کی ہڈیوں پر قائم ہو۔

لیکن نیرنگیِ زمانہ کہیے یا کاتب تقدیر کا نوشتہ ہمیں اپنے ہی کانوں سے یہ بات سُننی پڑی کہ الٰہ آباد ہائی کورٹ نے مساجد و مقابر کے بارے میں کوئی ا[illegible] فیصلہ صادر کیا ہے کہ جسے مبنی برانصاف اور مبنی [illegible] سوجھ بوجھ کہتے ہوئے زبانیں لرز جاتی ہیں — عدالت عالیہ کے اس فیصلہ کی رُو سے مساجد و مقابر کی شر[عی] حیثیت ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس فیصلہ کے ذریعہ ہندوستان کی سابقہ روایات کے یکسر خلاف حکومت کو یہ حق دیدیا گیا ہے کہ وہ مفادات عامہ کے تحت کسی بھی مسجد اور کسی بھی قبرستان کو اکوائر کر سکتی ہے اور اس کی جگہ شفاخانے، اسکول، پارک، اور سڑکیں وغیرہ تعمیر کرا سکتی ہے۔

یہ فیصلہ الٰہ آباد ہائی کورٹ کی لکھنؤ بینچ نے د[و] ججوں جسٹس ہری سروپ اور جسٹس ایس ڈی رمانی نے پٹیشن نمبر ۲۷/۱۹۷۲ (محمد علی خاں بنام اسپیشل لینڈ ایکوزیشن افسر لکھنؤ نگر مہاپالیکا وغیرہ) کے سلسلہ میں کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ مساجد کی شرعی حیثیت کو تو تہس نہس کر ہی دیتا ہے لیکن ساتھ ساتھ یہ اسلام کے اس نظریہ و عقیدے کو بھی پامال کر دیتا ہے کہ جس جگہ ایک بار مسجد تعمیر ہو جائے پھر وہاں کسی اور چیز کی تعمیر جائز نہیں

خواہ وہ تعمیر مسجد کے مفادات ہی پورے کرنے لئے عمل میں آئی ہو۔

مسجد کی اہمیت کا اندازہ اس روایت سے کیا جا سکتا ہے ہیں فخر کائنات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے م اس ذات کی جسکے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے بارہا میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں نماز کا حکم دوں۔ پھر ن اذان دے پھر میں کسی شخص کو لوگوں کا امام مقرر کر دوں اس ان لوگوں کی طرف جاؤں جو جماعت کیلئے مسجد میں نہیں ہوتے اور پھر میں انکے گھروں میں آگ لگا دوں۔

یہ للکار اور یہ تیور اس شخص کے ہیں جو اپنے شقی سے دشمن کو کبھی بددعا دینے کا قائل نہیں تھا۔ تپتے ہوئے انوں میں جس نے گمراہ اور ضلالت پسند انسانوں السیاں تماد حشیوں اور درندوں کا بخشا ہوا ہر زخم الیکن کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لایا۔ گالیاں اور کھا کر بھی دعائیں دینے والے انسان کا لب و لہجہ تو ... اور پھر اندازہ لگائیے کہ شارع کی نظروں میں کی کیا وقعت اور کیا مقام ہے؟ قرآن حکیم میں ایک یہ فرمایا گیا ہے کہ مسجد کو آباد تو وہی لوگ کر سکتے ہیں للہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے کے ساتھ نماز و ادا کرنے کے خوگر ہوں اور ان کی خاص الخاص صفت یہ ہو کہ وہ اللہ کے سوا کسی کے سامنے جھکنے اور اس سے زدہ ہونے کے قائل نہ ہوں۔

بے شک اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ قدم قدم جدیں بنالی جائیں اسلئے کہ کسی بھی چیز کی کثرت اس کی ت و عظمت کو فنا کر دیتی ہے لیکن اسلام کسی طور پر یہ رہ کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا کہ جو عمارتیں مسجد کے تصور قائم ہو جائیں انھیں منہدم کر کے وہاں کوئی اور دنیاوی عمل میں آجائے۔ نفل نماز پڑھنے نہ پڑھنے کا ہر مسلمان ختیار ہے۔ زید اگر نفل نماز نہیں پڑھتا تو کوئی حرج نہیں بکر اگر نفل نماز کی نیت باندھ کر توڑ دیتا ہے تو وہ گنا کہلائے گا تاوقتیکہ وہ اس کی قضا نہ کرلے۔ یہ بات مسلمات میں سے ہیکہ ہر نفل شروع ہونے کے بعد فرض کے برابر ہو جاتی ہے اور اسے ——— ادھورا چھوڑ دینے کی صورت میں اسکی قضا کرنا لازم و ضروری ہو جاتی بس یہی حال مساجد کا بھی سمجھ لیجئے۔ محلہ در محلہ مسجد بنالینا بالکل ضروری نہیں لیکن جب کوئی مسجد بن ہی جائے تو اسکی حفاظت یقیناً ضروری ہے۔ خواہ اس کے نتیجہ میں اپنی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

ایک روایت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کی مذمت بیان کی ہے جو مسجدوں میں دنیا کی باتیں کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ سوچنے کی بات ہیکہ جب اسلام مسجد میں دنیا کے ذکر کو پسند نہیں کرتا تو وہ اس بات کو کیسے انگیز کرلے گا کہ مساجد ہی کو دنیاوی عمارات میں متبدل کر دیا جائے۔

یہی وجہ ہیکہ دنیا بھر کے سارے مسلمانوں کو خواہ وہ نمازی ہوں یا بے نمازی خواہ وہ پرہیزگار ہوں یا فاسق و فاجر مسجدوں سے والہانہ قسم کا تعلق ہوتا ہے۔ وہ یہ گوارہ کر سکتے ہیں کہ ان کے ٹھکانے اور رہائش گاہیں نذر آتش ہو جائیں۔ لیکن وہ ہرگز ہرگز یہ گوارہ نہیں کر سکتے۔ کہ کوئی مسجد کی ایک اینٹ بھی انکی موجودگی میں کھسکا لے۔

خواص تو خواص ہی ٹھہرے عامۃ المسلمین بھی اس بات سے واقف ہوں گے کہ دفعہ ۲۵ کے تحت تمام طبقوں کو اپنے اپنے مذہب پر چلنے کی آزادی حاصل ہے۔ اس بنیادی وضاحت کے ساتھ کہ حکومت ہند مذہبی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرے گی۔ مسلم پرسنل لا بورڈ سے بھی حکومت نے اس بات کی یقین دہانی کی تھی کہ وہ مذہبی امور میں کسی طرح کی مداخلت کرنے کی مرتکب نہیں ہوگی۔ لیکن اسکے باوجود بھی الہ آباد ہائی کورٹ نے ایک ایسا فیصلہ صادر کر ڈالا ہے جو ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کے لئے باعث رنج اور باعث تاسف ہے۔

اس غیر متوقع فیصلے نے ہمیں اتنی حیرت عطا نہیں کی جتنے متحیر ہم اس تعبیر کو پڑھکر ہوئے جو دفعہ ۲۵ کے

بارے میں موصوف ججوں نے معیّن کی ہے موصوف ججوں کی رائے کی مطابق اسکی واحد تعبیر یہ ہے کہ کسی قانون کے ذریعہ کسی مذہب کے ماننے اس پر عمل کرنے اور اسکی تبلیغ و اشاعت کرنے کو ممنوع قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کتنی حیرتناک ہے یہ تعبیر کہ ایک طرف تو مذہب کے ماننے والوں کو اپنے اپنے مذہب پر چلنے کی کھلی اجازت عطا کردی جائے۔ اور دوسری طرف مذہب کے کسی ایک جُز اور کسی فریضہ کو ہیچ بتا کر رکھ دیا جائے۔ زید کو جب اس بات کی اجازت مرحمت کردی گئی کہ وہ اپنے مذہب پر عمل کرنے کے لئے آزاد ہے۔ تو پھر زید کی بنائی ہوئی مسجد کو کسی بھی قانون اور کسی بھی دفعہ کے تحت "لاحیثیت" قرار دینا زید اور اسکے مذہب کے ساتھ ایک طرح کا مذاق ہے۔

انہوں نے مزید یہ بھی فرمایا ہے کہ۔

> اس دفعہ کا تعلق کسی فرد کے عقیدے اور اسکے عمل سے ہے اور ایکوزیشن کا تعلق زمین سے ہے لہٰذا اگر زمین کے کسی مخصوص ٹکڑے کا ایکوزیشن کرلیا جائے جیسے بطور مسجد استعمال کیا جاتا ہے تو دفعہ ۲۵ میں دیا گیا حق مجروح نہ ہوگا۔

(بحوالہ ہفت روزہ عوام دہلی)

اس عبارت نے مزید حیرت کا سامان فراہم کردیا ہے۔ اسکا تو صاف مطلب یہ ہوا کہ دفعہ ۲۵ کے تحت جو آزادی اور تحفظ کی ضمانت مذہبی امور کے باب میں دی گئی ہے وہ محدود بھی ہے اور مشروط بھی۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوا کہ عقیدے پر چلنے کی اجازت تو دفعہ ۲۵ کے تحت حاصل ہوگئی لیکن قانون نے کسی عقیدے کو بے لگام نہیں چھوڑا بلکہ اسکی انتہا اور حد معین کردی گئی۔ کہ فلاں معاملہ میں عقیدہ قابلِ اعتبار اور فلاں معاملہ میں ناقابلِ اعتبار۔

تیرہ سو سال کی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کے عقیدے کی ابتدا و انتہا قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے۔

کسی عدالت اور کسی قانون کی ممنونِ کرم نہیں ہیں ... اچھی طرح جانتے ہیں کہ خدا اور رسول نے جس چیز کو جا... کردیا ہے وہ رہتی دنیا تک جائز ہی رہے گی اور ... ناجائز قرار دیدیا ہے وہ ہمیشہ ناجائز کہلائے گی۔ چ... دنیا بھر کی ساری عدالتیں اسے جائز باور کرانے ... میں سرگرداں ہوں۔ اور جو افراد حرام شدہ کسی ... جائز سمجھیں گے وہ دائرۂ اسلام سے خارج قرار پ... سود خوری اسلامی نقطۂ نظر سے حرام ہے۔ اب جو سود خوری کی حلت کا قائل ہو جائے تو اسے د... اسلام کا خارج سمجھنا پڑے گا۔ اسی طرح مساجد کی حر... مسلمات میں سے ہے۔ ادب واحترام کا تقاضہ یہ ہے ... مساجد ہمیشہ مساجد ہی رہیں اور انھیں توڑ پھوڑ ... کسی اور کام میں استعمال نہ کیا جائے۔ فلھذا جو م... انکے انہدام اور ان کی بجائے دنیاوی عمارات کو جـ... خیال کرتا ہو اسکے ایمان کو مردہ نہیں تو کم از کم علا... شدیدہ کا شکار تو سمجھنا ہی پڑے گا۔

دفعہ ۲۵ کے تحت مذہبی امور میں آزادی د... وقت اگر یہ توضیح بھی کردی گئی ہوتی کہ عقیدے کی ا... ارباب آئین متعین کریں گے تب تو یہ جائز ہوتا ک... مذہب کے سلسلہ میں آزادی مرحمت فرما کر اس ... کسی جز پر حدِّ امتناع لاگو کردی جاتی۔ لیکن جب یہ ... کے کسی ورق میں اسطرح کی توضیح وتشریح موجود نہیں ... تو پھر موصوف ججوں کی یہ تعبیر غلط قرار پائے گی کہ جس ... صاف صاف مطلب یہ نکلتا ہو کہ کوئی بھی عقیدہ ز... کے کسی ٹکڑے سے وابستہ نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ عق... اور تاریخی طور پر یہ غلط ہے۔ دنیا میں ان گنت مقا... ایسے ہیں کہ جن سے مختلف مذاہب کے ماننے والو... کا عقیدہ وابستہ ہے۔ اور وہ ان مقامات کو دل ... جان اور اپنی عزت وآبرو سے زیادہ عزیز سمجھتے ...

ہم جج صاحبان کی خدمت مودبانہ انداز میں گذارش کریں گے کہ وہ مساجد اور مقامات متبر...

نہیں مسلمانوں کی آنکھوں سے دیکھیں تو پھر انھیں
ندہ ہوگا کہ ان مقامات کی حیثیت کیا ہے۔ وہ
زمین کا ایک حصہ نہیں بلکہ عقیدت و احترام کی
پناہ ہیں۔ ان کی حرمت کی خاطر مسلمانوں نے ہمیشہ
یاں دی ہیں۔ اور وقت پڑے گا تو ان مقامات
کی خاطر وہ قربانیاں دینے سے پھر دریغ نہیں
گے۔

ہم عجیب و غریب سمجھیں گے اس قانون کو جو باپ
نے اور اس پر چلنے کی اجازت دے لیکن جب
مانبردار بیٹا اس اجازت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے
کوئی دیوار چن لے تو قانون اس دیوار کے بارے
رائے ظاہر کرنے پر اتر آئے کہ ہم نے تمہیں باپ
نبرداری کی اجازت دی ہے۔ دیواریں چن
نہیں۔ ہم اس دیوار کو توڑ دیں گے تو وہ اجازت
ہوگی جو فرمانبرداری کے سلسلہ میں تمہیں
گئی ہے۔ گویا کہ بیٹے کو تو آزادی دیدی گئی
ب کو مقید کر دیا گیا۔ بالکل یہی نوعیت ہے اس
کی جو مذہبی امور میں دینے کے بعد اس شرط
ھ مشروط کر دی گئی کہ اس کا تعلق کسی زمین
ے سے وابستہ نہ ہو۔

دنیاوی قانون کی عنایت ہے کہ اس نے اپنی
فعہ کے تحت مسلمانوں کو انکے مذہب پر چلنے
زت دی — لیکن اگر یہ قانون اجازت نہ بھی
بھی مسلمان اپنے مذہب کے ایک ایک حکم
تے۔ اسلئے کہ انکے نزدیک اصل حیثیت
نوں کی جو آسمان پر مرتب کیا گیا ہے۔ زمین
جیہ پر نہیں — موصوف ججوں نے دفعہ ۲۵
عبیر متعین کی ہے اس سے ہمیں اتفاق نہیں۔
میں سوجھ بوجھ سے کام نہیں لیا گیا ہے: تاہم
یہ اصرار ہو کہ تعبیر درست ہے اور دفعہ ۲۵
فظ کی ضمانت دی گئی وہ معدود و محدود ہے

تو پھر ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ وہ قانون اپنے اندر ایک طرح کی خامی اور جھول رکھتا ہے جو مسلمانوں کو مذہب اسلام پر چلنے کی اجازت دینے کے ساتھ مسجدیں قائم کرنے اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنے کی ممانعت کرتا ہو کہ مسجدیں خدا کا گھر ہیں اور انھیں کسی اور کام کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا — انتہا یہ ہے کہ بڑی مسجد کو منہدم کرکے اس میں دکانیں تعمیر کرالینا بھی ناجائز ہے اس تصور کے ساتھ کہ ان دکانوں کی تمام ترآمدنی مسجد ہی کے کاموں میں صرف کی جائے گی۔ عجیب و غریب کہلانے کا مستحق ہے وہ قانون بھی جو ایک طرف تو ارباب مذہب کو مذہب پر چلنے کی اجازت دے اور پھر اپنی بخشی ہوئی اجازت کو اس منطق و فلسفہ کی سان پر چڑھادے جو قانون کی پشت پناہی تو کرتے ہوں لیکن ان احساسات کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہ ہوں جو ارباب مذہب کے دلوں کی گہرائی میں جاگزیں ہوتے ہیں۔

مزید سنیئے۔

> اسی طرح مقابر ہزار قابل احترام
> سمجھیں جائیں لیکن اس کے رکیوزیشن
> کا مطلب یہ نہیں لیا جاسکتا کہ کسی
> زندہ آدمی کے اس حق کو سلب کرلیا گیا
> ہے جو کسی مذہب کے ماننے اس پر عمل
> کرنے اس کی تبلیغ کرنے کے بارے میں
> اسے حاصل ہے۔ (بحوالہ مذکورہ)

گویا کہ سامانِ حیرت میں اور اضافہ کر دیا گیا۔ قارئین دیکھ رہے ہیں کہ ایک طرف موصوف ججوں نے خود ہی یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ مقابر صرف قابل احترام بلکہ ہزار بار قابل احترام ہیں اور دوسری طرف ایک ادائے بے نیازی کے ساتھ وہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ان قابل احترام مقابر کا رکیوزیشن کرلیا جائے

اور انھیں مسمار کردیا تو بھی ـــــ وہ حق مسلوب نہیں ہوتا جو انھیں مذہب کے باب میں قانون کی طرف سے حاصل ہے۔

ساری دنیا اس حقیقت سے واقف ہے کہ حق کو سلب کر لینا ایک الگ چیز ہے اور حق کو مجروح کردینا ایک الگ چیز۔ اسمیں کوئی ریب نہیں کہ پورے جسم کو ہلاک کردینے کے مقابلہ میں دو چار زخم پر قناعت کر لینے والا قاتل نہیں کہلا سکتا۔ اور ان زخموں کو قتل و موت سے تعبیر کرنا بھی درست نہیں ہوسکتا لیکن یہ کہدینا اور سمجھ لینا تو غلط ہی ہوگا کہ زخموں کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہوتی۔ جو قانون کسی کا حق سلب کر لینے کو غلط سمجھتا ہے وہی قانون حق کو زخمی کر کے کیسے مطمئن ہوسکتا ہے۔؟ ہم جانتے ہیں کہ مساجد و مقابر کی حیثیت وہ نہیں ہے جو اسلام کی ہے لیکن اسلام کے باب میں آزادی دیکر مساجد و مقابر کو "لاحیثیت" باور کرانا زخم لگانے کے مترادف ہے جو قتل محض نہ ہوتے ہوتے بھی باعث تکلیف ضرور ہے۔

اسی طرح کے منطق و فلسفہ سے بھری ہوئی عبارت کا ایک ٹکڑا پڑھنے کے بعد تو ہم حیرت کے سمندر میں غرق ہی ہوگئے۔ فرمایا گیا ہے۔

> مذہب پر عمل کی آزادی کا مفہوم تو یہ ہے کہ مذہبی اعمال کسی بھی جگہ زیر عمل لائے جاسکتے ہیں۔ یہ ہرگز نہیں ہے کہ کسی مخصوص جگہ پر ہی ان اعمال کے بجالانے کا حق تسلیم کیا جائے۔

(بحوالہ مذکورہ)

حیرت کے سمندر سے نکل کر ہم یہ گذارش کریں گے کہ جس حضرات کو آپ نے مذہب اسلام پر چلنے کی کھلی اجازت دے رکھی ہے اپنا فلسفہ پیش کرنے سے پہلے آپ ان کی بھی سُن لیتے۔ اور اس مذہب کی تعلیمات پر بھی سرسری نظر ڈال لیتے جسے آپ شجرِ ممنوعہ نہیں سمجھتے بلکہ دفعہ ۲۵ کے تحت اسے آزاد سمجھتے ہیں۔ اس مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ اچھے برے اعمال کے نتائج و عواقب جگہوں کے بدل جانے سے کچھ سے کچھ ہوجاتے ہیں۔ کوئی مسلمان گھر میں نماز پڑھتا ہے تو اسے ایک ہی نماز کا ثواب ملتا ہے۔ لیکن جب یہی نماز مسجد میں باجماعت ادا کی جاتی ہے تو ثواب ۲۷ گنا بڑھ جاتا ہے اور اگر یہی نماز شہر کی جامع مسجد میں پڑھی جائے تو ثواب پانچ سو گنا بڑھ جاتا ہے اور مسجد نبوی اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے والے ایک ہزار اور ایک لاکھ نمازوں کا ثواب تک لے جاتا ہے۔ اس تعلیم سے اندازہ ہوتا ہے کہ نیک عمل پر مختلف مقامات کی وجہ مختلف ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہی حال برے افعال کا بھی ہے۔ انکی قباحتیں بھی مقامات کے مختلف ہوجانے سے مختلف ہوجاتی ہیں۔ چوری بہرحال چوری ہے خواہ کہیں بھی ہو۔ لیکن ہر عقلمند آدمی جانتا ہے کہ کسی کے گھر میں چوری کرنا اتنا برا نہیں ہے جتنی بڑی بات یہ ہوگی کہ آدمی مسجد کی چٹائی چرا لے۔ اور مسجد میں چوری کرنا اتنا سنگین جرم نہیں ہے جتنا سنگین اور بھیانک جرم یہ ہے کہ کوئی شخص خانۂ کعبہ میں سے کچھ اٹھا لائے حقیقت یہ ہے کہ برائی اور بھلائی مقامات بدل جانے سے مختلف النوع صورت اختیار کرجاتی ہیں۔ کوئی شخص اگر قانون کو ناگزیر سمجھتے ہوئے اس بات کا قائل ہو کہ عدالتوں کی کوئی ضرورت نہیں مقدمات اپنے اپنے گھروں میں بھی نمٹائیں جا سکتے ہیں تو اس شخص کی عقل پر حیرت کرنی پڑے گی۔ اسلئے کہ جتنا ناگزیر وجود قانون ہے اتنا ہی ناگزیر وجودِ عدالت بھی ہے ـــ دنیاوی امور کے لئے الگ الگ دفاتر تو ناگزیر قرار پائیں اور عقل بھی انکی صحت پر صاد کردے۔ اور مذہبی امور انجام دینے کے لئے اگر ایک اور صرف ایک مقام تجویز کر کے اسے ناگزیر سمجھ لیا جائے تو

لوگ اسے خلافِ عقل اور خلافِ آئین ثابت
پر تل جائیں۔؟ الحیرت فالحیرت۔!
پھر آج تو معاملہ مسجد کا ہے۔ کل کو اسی قانون
کا سہارا لے کر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب یہ بات
مان لی گئی کہ مذہبی امور بجا لانے کے لئے کسی مخصوص
جگہ کی حاجت نہیں تو پھر فرضیت حج ادا کرنے کے
لئے دور دراز کا سفر کرنا اسراف بیجا ہے۔ ہونا
چاہیئے کہ اپنے اپنے مقامات پر ہی اس فرضیت
سے سبکدوشی حاصل کر لی جائے۔
اور پھر جب معاملہ "نفسِ مذہب" کا ٹھہرا
"اسلام" کا نہیں تو ہر مذہب اس منطق کی لپیٹ
میں آ رہے گا۔ مسجدوں کے ساتھ مندر بھی "لا حیثیت"
ہو جائیں گے اور پھر آگے چل کر گردواروں اور
مندروں کی بھی خیریت میں فرق آ کر رہے گا۔
ہم اتنا عرض کرنے کے بعد حکومت کی خدمت
میں عرض کریں گے کہ وہ موصوف ججوں کی طرف سے
کی گئی تعبیر و تاویل کا جائزہ لے۔ ممکن ہے کہ
بشریت وہ خطا پر مبنی ہو لیکن اگر یہ تعبیر
دفعہ ۲۵ میں دی گئی ضمانت و آزادی کے خلاف
ہے تو پھر یہ سمجھ لیجئے کہ قانون کے الفاظ میں ہی
سقم موجود ہیں۔ لہٰذا ان الفاظ میں مناسب ترمیم
اشد ضروری ہے۔ اور قانون کو اس اس پوزیشن
میں لے آنا ناگزیر ہے کہ اسلام کے شخصی قانون
سے نہ ٹکرائے۔
اس کے ساتھ ساتھ ہم ہندوستان کے تمام
مسلمانوں سے یہ گذارش کریں گے کہ وہ پُر امن
طریقے پر ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے خلاف
احتجاج کریں اور اپنی تجاویز حکومت کو ادا نہ
کریں تاکہ حکومت کو مساجد و مقابر کی شرعی
حیثیت کا اندازہ ہو سکے اور وہ اس سلسلہ
میں کسی اقدام کرنے سے گریز کرے۔ ہم واقف
ہیں کہ مساجد و مقابر اصلِ قانہ نہیں کہ ان پر حملہ
"بیت الاسلام" پر حملہ کرنے کے مترادف ہو لیکن
ہر دانشمند آدمی اس بات کو مانتا ہے کہ اگر
دروازے پر کسی غیر کا تسلط ہو جائے تو پورے گھر
کی سالمیت خطرے میں آئے بغیر نہیں رہتی۔

ونوبا جی کیوں دُبلے ؟

ہمارے آزاد ہندوستان میں فرقہ وارانہ کدورت
اور علاقہ وارانہ رسّہ کشی جتنی تیزی اور پھرتی کے ساتھ بڑھتی
چلی جا رہی ہے اس کا اندازہ ہر صاحبِ نظر کو ہے۔ ہر صاحبِ
نظر آدمی اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ ہمارا بھارت ایک
ایسا وحشت کدہ بن کر رہ گیا ہے جہاں ہر روز قتل و غارت
گری کی لرزہ خیز داستانیں اور ظلم و بربریت کے خونچکاں
ڈرامے جنم لیتے ہوں۔
جدھر دیکھیئے مظالم ہیں۔ آگ و خون کی قیامتیں ہیں۔
وحشت اور افراتفری ہے۔ ہمارے اس آزاد تالاب میں
ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل رہی ہے۔ اور ہر مگرمچھ تانا
شاہی کی تپِ دق میں مبتلا ہے۔
ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ بھی دن بدن بڑھتا
چلا جا رہا ہے۔ فسادات کا لفظ تو ہم نے عرفِ عام کا خیال
کرتے ہوئے بول دیا ہے ورنہ ان حادثوں پر فسادات کا
اطلاق نہیں ہوتا جن میں کسی ایک ہی طبقہ پر گھونسے لاتے
برستی ہوں۔ ایک ہی طبقہ کی جانیں جاتی ہوں اور ایک طبقہ
کے مال و منال کو لوٹا جاتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے حادثوں
پر "فساد" کا نہیں بلکہ غارت گری، ڈکیتی اور بربریت کا
اطلاق ہوتا ہے۔ مگر مجبوری عرفِ عام کی وجہ سے ہم ان
حادثوں کو "فسادات" ہی کا نام دینے پر مجبور ہیں۔
کانگریس کے دورِ اقتدار میں بھی مسلمانوں کیلئے عرصۂ
حیات تنگ تھا۔ ان کی شہ رگ سے اسوقت بھی خون کے فوارے

چھوٹتے تھے۔ اور خنجر ستم کو بار بار استعمال کرنے کی وجہ سے ان کے بدن لہولہان ہو جاتے تھے۔ اور جنتا کے دور حکومت میں بھی بہادر اکثریت کمزور اقلیت پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتی رہتی ہے۔ اور پولس والے مسلمانوں ہی کی گردنیں مروڑتے نظر آتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں عرصۂ دراز سے لاٹھی اور بھینس کا فلسفہ عام ہو گیا ہے۔ اور عدل و دیانت اور اخلاق و انسانیت کی تمام تر قدریں گندی سیاست کے قدموں میں دم توڑ چکی ہیں۔

بنارس، بہار شریف وغیرہ کے فسادات میں مسلمانوں پر جو بیتی اس سے ہند اور بیرون ہند کے سبھی حضرات واقف ہیں۔ اور سبھی کا مشترکہ تاثر یہ ہے کہ زیادتی مسلمانوں ہی پر ہوئی ــ اور پولس نے کھلے عام اکثریت کا ساتھ دیا ــ اور مقدمات کے نرغوں میں اقلیت کو گھسیٹا گیا۔ اور اقلیتوں ہی کو مجرم گردانے کی شرافت کا مظاہرے ہوئے ــ علیگڑھ کے فساد نے پچھلے تمام زخم تازہ کر ڈالے وہی لوٹ مار، وہی غارت گری، وہی رقصِ شرر، وہی خیانت اور سنگدلی کے مظاہرے کہ جن کی شناعت بیان کرنے کے لئے لغت میں الفاظ ہی نہیں۔ پھر وہی لاقانونیت، وہی بے انصافی اور وہی جانب داری۔

لیکن اس سے زیادہ افسوسناک بات تو یہ ہے کہ عین اس وقت جب علیگڑھ میں مسلمانوں کے خون سے پھاگ کھیلا جا رہا تھا۔ اور شیاطین کا ایک گروہ انسانی قدروں کو پامال کر رہا تھا اس وقت آچاریہ ونوبا جی کو گائے کی فکر کھائے جا رہی تھی ــ اور وہ گاؤکشی کی روک تھام کیلئے بھوک ہڑتالیں اور سیاسی نوعیت کے ایجی ٹیشن کرنے کے لئے پرتول رہے تھے۔ بھوک ہڑتال انہوں نے شروع بھی کر دی تھی جو وزیراعظم شری مرارجی ڈیسائی کی مداخلت کی وجہ سے بے موت مر گئی۔ حیرت ہے ونوبا جی جیسے بھگتوں کی عقل نارسا پر جو ایک جانور کے ذبیحہ پر تو واویلے کرتے ہیں۔ لیکن ان انسانوں کی زندگیوں کا ادنیٰ خیال بھی نہیں کرتے جنھیں جبر و طغیان کے دہکتے ہوئے دوزخ میں پھینک دیا جاتا ہے

اور ان کے معصوم بیوی بچے ان کی لاشیں اور قبریں دیکھنے سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ اخلاق و انسانیت کا تقاضہ تھا کہ جب کچھ انسان بھیڑیئے بن کر انہی جیسے انسانوں کو رہے تھے۔ اور ان کے احساسات کو اپنے قدموں سے عمداً روند رہے تھے تو ونوبا جی اپنی آنکھوں سے لہو کے قطرے ٹپکا کر مسلمانوں پر کی جانے والی زیادتیوں پر افسوس کرتے لیکن افسوس کہ انہوں نے اس سلسلہ میں آنکھوں سے لہو تو درکنار سیاہی پانی کی ایک بوند ٹپکانی گوارہ نہیں۔ اور مسلمانوں کی جانوں کو حقیر اور بے حیثیت ثابت کرنے کے لئے گائے کا رونا رونے لگے۔ اور حکومت وقت سے یہ فریاد کرنے لگے کہ گاؤکشی پر پابندی کی جائے۔ اور گاؤکشی کو قانوناً ناجائز قرار دیا جائے

خدا جانے کہ ونوبا جی کی فریاد کا حشر کیا ہو۔ ممکن وہ کارگر ہی ثابت ہوا اور جنتا حکومت گائے کے ذبیحہ کو حرام قرار دیدے۔ اگر ایسا ہی ہوا تو یہ مالکانِ رقاب کی کھلی ناانصافی ہوگی۔ ہندوستان جیسے سیکولر اور جمہوریت کا نعرہ لگانے والے ملک میں ایک طبقہ کے احساسات کا خیال کرتے ہوئے دوسرے طبقہ کے جذبات اور معتقدات کو یکسر نظرانداز کرنا اخلاق و دیانت کی کسی قسم سے میل نہیں رکھتا۔ ہندو گائے کا احترام کرتے ہیں اور اسے ماں سمجھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کا مذہب گائے کے ذبیحہ کی کھلی اجازت دیتا ہے اور اسے ایک جانور ہی باور کرتا ہے

اب قانون سازوں کو چاہیئے کہ وہ دونوں ہی طبقوں کے احساسات کا لحاظ رکھیں اور دونوں کے مذہب کو سامنے رکھکر قانون مرتب کریں۔

ابتک جن علاقوں میں گاؤکشی پر پابندی عائد کی گئی ہے ان علاقوں میں مسلمانوں نے گاؤکشی سے آخری حد تک احتراز کیا ہے۔ محض احترامِ قانون کی بنا پر اگر بعض اور علاقوں میں گائے کے ذبیحہ کو حرام قرار دے دیا گیا تو انشاءاللہ وہاں کے تمام مسلمان گاؤکشی سے احتراز کریں گے اسلئے کہ انکو اپنے ملک کا ہر وہ قانون عزیز ہے جو ان کے شخصی قانون

…قتل وجبر سے نہ ٹکرائے۔ ہندوستان اور ہندوستانی …کی خاطر مسلمانوں نے بے شمار قربانیاں دی ہیں۔

ونوبا جی جیسے سیاسی بھگت مسلمانوں کی کسی قربانی کا …اس نہیں کرتے اسلئے کہ ان کے نزدیک مسلمان گائے …یا دوسرے جانوروں کے مقابلہ میں بے حیثیت ہے۔

حیرت ہوتی ہے ایسے بھگتوں پر جو جانوروں کی "جیو ہتھیا" …پاپ سمجھتے ہوں لیکن انسانوں کے بے دریغ قتل عام …بھی انھیں کوئی تکلیف نہ پہونچتی ہو۔ گائے کی خاطر بھوک …ہڑتال کرنے والے ان سیاسی پنڈتوں نے ان گنت انسانوں …رگ مفاجات پر ایک وقت کا بھوجن چھوڑنا گوارہ نہیں …جو لوگ انسانوں سے کسی طرح کی کوئی ہمدردی نہیں …ہے اور ان کے قتل عام پر ایک وقت کی روٹی نہیں …سکتے انھیں کسی جانور کی خاطر بھوک ہڑتالیں کرنے …کا کس قانون کی رُو سے حاصل ہے۔؟؟

…ری بلراج مدھوک کی بچکانہ منطقیں

ہمارے ملک میں ایسے رجعت پسندوں کی تعداد …ہے جو اس ملک میں رہنے والی اکثریت کو مسلمانوں …خوف زدہ کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کے دل ودماغ میں …بٹھانا چاہتے ہیں کہ مسلمان رفتہ رفتہ اپنی تعداد و طاقت …اضافہ کر رہے ہیں تاکہ آئندہ چل کر وہ اکثریتی فرقہ کو …ختم کر سکیں۔ انہی رجعت پسندوں میں سے ایک شری …مدھوک بھی ہیں۔ بلکہ انھیں رجعت پسندوں کا "امام" …سمجھئے۔ ان کا عالم بھی یہ ہے کہ اپنے بیمار اندیشوں اور …منطقوں سے ہندوؤں کو خوف زدہ کرتے رہتے ہیں …بھی بے مغز تحریر سے یہ ثابت کرتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں …تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور یہ اضافہ …ایک دن ہندوؤں کے حق میں قیامت صغریٰ ثابت …انھیں یہ بھی اندیشہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی تعداد اسی رفتار سے بڑھتی رہی تو ہندوستان کہیں پاکستان نہ بن جائے۔ کچھ مدت پہلے کی ایک اشاعت میں انہوں نے ارشاد فرمایا تھا کہ۔

آج اس دیش میں ہندوؤں اور ہندو مہنتوں کا ذکر کرنا بھی فرقہ وارانہ جرم ہوگیا ہے۔ لیکن مجرم کہلانے کے ڈر سے میں خاموش رہنا بھی مجرمانہ لاپرواہی سمجھتا ہوں اس لئے کہ مسئلہ اتنا نازک ہے کہ میں اپنے دیش واسیوں کو اس سے آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں میرے لئے زیادہ مدت تک آنکھیں بند کرنا ناممکن ہے۔ میں نے آج سے پہلے ایک بار نہیں درجنوں بار کہا ہے کہ پریوار نیوجن (ضبط تولید) کے بنا دیش کی ترقی ناممکن ہے لیکن اس سے بڑھکر بھی ایک دوسرا خطرہ بھی ہے کہ مسلمان اور عیسائی پریوار نیوجن کو نہیں مان رہے ہیں۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیوں نہیں مان رہے ہیں جب کہ پاکستان، ایران، انڈونیشیا میں ایسا کیا جارہا ہے۔ یہ سب کے سب مسلم دیش ہیں لیکن ہم نے آج تک یہ نہیں سُنا کہ وہاں کے کسی مولوی مُلّا اور کسی کٹر مسلمان نے اس پر اعتراض کیا ہو کہ پریوار نیوجن اسلام کے خلاف ہے۔ ایسی حالت میں ہندوستان مسلمانوں کی نیت پر میں کیوں نہ شک کروں

(بحوالہ پرتاپ)

اندازہ کیجئے کہ ایک بے بنیاد اندیشے اور ایک واہی تصور کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ معقول سوچ بوجھ نہ رکھنے والے ہندو خوف و ہراس میں گرفتار ہوئے بغیر نہ رہیں۔ ادنیٰ درجہ کی معلومات رکھنے والا ہر شخص اس بات سے واقف ہے کہ پچھلے چند برسوں میں جتنا اضافہ مسلمانوں کی تعداد میں ہوا ہے اتنا ہی اضافہ ہندوؤں کی تعداد میں بھی ہوا ہے ــــ بلکہ ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ بڑھی ہے۔ اور اب بھی ہند…

سیرت سرورِ عالم

اخلاقی تعلیمات

قصۂ فرعون و موسیٰ علیہ السلام | دنیا بھر میں یہ ہولناک تاریخی واقعہ مشہور رہا کہ فرعون اور اس کا لشکر خدا کے عذاب میں گرفتار ہو کر سمندر میں غرق ہوا تھا، اور عرب میں یہود و نصاریٰ کثرت سے موجود تھے جن کے ذریعہ سے سارے ہی اہل عرب جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُس کے پاس نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، اور انہوں نے حیرت انگیز معجزے دکھا کر اسے دعوت حق دی تھی، مگر وہ کسی معجزے کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لایا تھا۔ خود قریش کے لوگ حضرت موسیٰ کے ان معجزوں سے واقف تھے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ

ان کو وہ معجزے کیوں نہ دئے گئے جو موسیٰ کو دیے گئے تھے"؟ (القصص۔ ۴۸)۔ اسی بنا پر قرآن میں جگہ جگہ حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا جس سے اچھے اور بُرے کردار اپنی خصوصیات کے ساتھ پوری طرح واضح ہو کر لوگوں کے سامنے آ گئے۔

فرعون کے جرائم اس میں ایک ایک کر کے گنائے گئے ہیں۔" اس نے زمین میں بڑی سرکشی کی۔ اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا، اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا تھا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا" (القصص۔ ۴) یعنی اس کی حکومت کا قاعدہ یہ نہ تھا کہ قانون کی نگاہ میں ملک کے سب باشندے یکساں ہوں اور سب کو برابر کے حقوق د جائیں، بلکہ اس نے سیاست کا یہ طرز اختیار کیا تھا کہ ما باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کیا جائے، کسی کو مراعات و دے کر حکمران گروہ ٹھیرایا جائے۔ اور کسی کو محکوم بنا کر د اور پیسا جائے۔ اس دوسرے گروہ میں خصوصیت کے سا بنی اسرائیل پر اس نے ظلم وستم کی انتہا کر دی۔ ان کے لڑکو کو وہ قتل کرتا اور لڑکیوں کو جیتا چھوڑ دیتا تھا تاکہ رفتہ رف کی نسل ختم ہو جائے اور ان کی عورتیں مصریوں کے تصرف میں آ کر مصری نسل پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائیں۔ اسی بنا پر ج حضرت موسیٰ ایک اسرائیل گھر میں پیدا ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی والدہ کو اشارہ کیا کہ جب اس بچے کے قتل کا خطرہ لا تو اسے ایک ٹوکری میں رکھ کر دریا میں ڈال دینا (القصص

خود اپنی مصری قوم کے ساتھ اس کا جو معاملہ تھا کی پوری تصویر سورۂ زخرف کے صرف ایک فقرے میں کھینچ دی گئی ہے۔" اس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور انہو نے اس کی اطاعت کی، درحقیقت وہ تھے ہی فاسق لو (الزخرف ۵۴) اس میں فرعون کی سیاست اور اس گری ہوئی اخلاقی حالت، دونوں کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے

جب کوئی شخص کسی ملک میں اپنی مطلق العنانی چلانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے لیے کھلم کھلا ہر طرح کی چالیں، چلتا ہے، ہر فریب اور مکر و دغا

سے کام لیتا ہے، کھلے بازار میں ضمیروں کی خرید و فروخت کا کاروبار چلاتا ہے، اور جو بکتے نہیں انہیں بے دریغ کچلتا اور روندتا ہے، تو خواہ وہ زبان سے یہ بات کہے یا نہ کہے، اپنے عمل سے صاف ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ درحقیقت اس ملک کے باشندوں کو عقل اور اخلاق اور مردانگی کے لحاظ سے ہلکا سمجھتا ہے اور اس نے ان کے متعلق یہ رائے قائم کی ہے کہ میں ان احمقوں، بزدلوں اور بے ضمیر لوگوں کو جدھر چاہوں ہانک کر لے جا سکتا ہوں۔ پھر جب اس کی یہ تدبیریں کسی ملک میں کامیابی کے ساتھ چل جاتی ہیں اور اس ملک کے باشندگان اس کے دست بستہ غلام بن کر رہ جاتے ہیں تو وہ اپنے عمل سے ثابت کر دیتے ہیں کہ اس خبیث نے جو کچھ انہیں سمجھا تھا، واقعی وہ وہی کچھ ہیں۔ اور ان کے اس ذلیل حالت میں مبتلا ہونے کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ بنیادی طور پر "فاسق" ہوتے ہیں۔ ان کو اس سے کچھ بحث نہیں ہوتی کہ حق کیا ہے اور باطل کیا، انصاف کیا ہے اور ظلم کیا، سچائی اور دیانت اور شرافت قدر کے لائق ہے یا جھوٹ اور بے ایمانی اور رذالت۔ ان مسائل کے بجائے ان کے لیے اصل اہمیت صرف اپنے ذاتی مفاد کی ہوتی ہے جس کے لیے وہ ہر ظالم کا ساتھ دینے، ہر جبار کے آگے دبنے، ہر باطل کو قبول کرنے اور ہر صدائے حق کو دبانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔" (تفہیم القرآن جلد چہارم، الزخرف حاشیہ ۵۰)

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ اس کے دربار میں اللہ جل شانہ کے پیغمبر کی حیثیت سے پہنچے اور فرعون کے سامنے ایسے صریح معجزے پیش کیے جن کے متعلق ایک بیوقوف سے بیوقوف آدمی بھی یہ گمان نہیں کرسکتا تھا کہ یہ جادو کے کرشمے ہیں، لیکن وہ محض اپنی کبریائی کے زعم میں جادو ہی کہتا رہا اور اس کے درباری اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔ عصا کے اژدھا بن جانے کو تو خود اس کے بلائے ہوئے ماہر جادوگروں نے مان لیا کہ یہ ان کے فن کی چیز نہیں بلکہ خدا کا معجزہ ہے۔ رہے دوسرے معجزات، مثلاً حضرت موسیٰؑ کے پیشگی اعلان کے مطابق پوری سرزمین مصر میں قحط برپا ہونا اور ان کی دعا ہی سے اس کا دور ہونا، ان کے اعلان پر سارے ملک میں بارشوں کا ہولناک طوفان آنا اور ان کی دعا ہی سے اس کا ختم ہونا، ان کے اعلان پر ٹڈی دل کا خوفناک حملہ ہونا اور ان کی دعا ہی سے اس کا دفع ہونا، اسی طرح ان کے اعلان کے مطابق جوؤں اور سرسریوں کا عذاب، مینڈکوں کا عذاب اور خون کا عذاب باری باری پورے ملک میں آنا اور صرف ان کی دعا سے ان کا ملنا، اس شبہ کی ادنیٰ گنجائش بھی نہ چھوڑتا تھا کہ یہ کسی ساحر کی جادوگری ہے بلکہ ان مسلسل واقعات سے صاف ظاہر ہو جاتا تھا کہ ایسے کام نہ آج تک کوئی جادوگر کر سکا ہے اور نہ کر سکتا ہے، بلکہ یہ صریحاً اللہ رب العالمین کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عذاب کے آنے پر فرعون اور اس کے اہل دربار حضرت موسیٰؑ سے کہتے کہ آپ کو اپنے رب کے ہاں جو منصب حاصل ہے اس کی بنا پر دعا کیجیے کہ یہ عذاب ہم پر سے ٹل جائے تو ہم آپ کی بات مان لیں گے، مگر جب وہ ٹل جاتا تو وہ اپنے عہد سے پھر جاتے تھے (الاعراف ۱۳۴-۱۳۵، الزخرف ۴۹-۵۰) قرآن میں صاف کہا گیا ہے کہ وہ اپنے دلوں میں یقین رکھتے تھے کہ حضرت موسیٰؑ حق پر ہیں اور پھر ظلم و سرکشی کی وجہ سے انکار کیے چلے جا رہے تھے (النمل ۱۴) یہ حقیقت اس وقت بالکل کھل گئی جب فرعون اپنے لشکروں سمیت غرق ہونے لگا اور اس نے پکار کر کہا کہ "میں مان گیا کہ کوئی خدا اس کے سوا نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں اسلام لانے والوں میں سے ہوں" (یونس ۹۰)۔

اس طرح حق کو حق جان لینے کے باوجود اس نے اور اس کے درباریوں نے باطل پرستی اور ظلم و تکبر کی حد کر دی۔

"اس کے درباریوں نے اس سے کہا کہ کیا حضور اس موسیٰ اور اس کی قوم کو اسی طرح چھوڑے رکھیں گے کہ یہ ملک میں فساد پھیلائیں اور آپ کی اور آپ کے معبودوں کی بندگی چھوڑ دیں؟

اس نے کہا، نہیں، ہم ابھی حکم دیتے ہیں کہ ان کے لڑکوں کو قتل کیا جائے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے۔ (الاعراف۔ ۱۲۷)۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کی پیدائش سے پہلے جو حکم جاری ہوا تھا وہ پھر سے تازہ کیا گیا اور نیا حکم یہ دیا گیا کہ جو جو لوگ موسیٰؑ کے ساتھ ایمان لانے والے ہوں ان کے لڑکوں کو قتل کیا جائے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے (المومن۔ ۲۵)۔ اس نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ اگر میرے سوا تو نے کسی کو خدا مانا تو میں تجھے قید کر دوں گا۔ (الشعراء۔ ۲۹)۔ اپنے بھرے دربار میں کہا کہ "اے سردارو، میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا کوئی اور خدا بھی ہے" (القصص ۳۸) بڑے دھڑلے سے اعلان کیا کہ "میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں" (النازعات ۲۴)۔ نہایت بے خبری کے ساتھ اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ میرے لئے ایک اونچی عمارت تو بنا میں اس پر چڑھ کر دیکھوں تو سہی کہ موسیٰ کا خدا کہاں ہے (القصص ۳۸، المومن ۳۶۔ ۳۷) حتیٰ کہ ایک مرتبہ اس نے حضرت موسیٰؑ کے قتل کا فیصلہ کر ڈالا اور اپنے اہل دربار سے کہا "چھوڑو مجھے کہ میں اس موسیٰ کو قتل کر دوں اور یہ اپنے رب کو پکار دیکھے" (المومن ۲۶)۔

ایک کردار یہ ہے جو اس قصے میں فرعون اور اس کے اعیان سلطنت اور اس کی قوم کا نظر آتا ہے۔ دوسرا ایک نہایت عبرت انگیز اور سبق آموز کردار ساحران مصر کا ہے جو اپنے دین کی حمایت میں حضرت موسیٰ کا مقابلہ کرنے کے لئے سارے ملک سے جمع ہو کر آئے تھے۔ جب وہ آتے ہیں تو فرعون سے کہتے ہیں کہ سرکار اگر ہم جیت گئے تو کچھ انعام تو ملے گا نا؟ وہ کہتا ہے انعام ہی نہیں ملے گا بلکہ تم تو ہمارے مقربین میں شامل ہو جاؤ گے۔ مگر وہی جادوگر جب حضرت موسیٰؑ کے معجزے سے اپنے جادو کو مغلوب ہوتے دیکھ کر جان لیتے ہیں کہ یہاں جادو نہیں بلکہ خدائی طاقت کام کر رہی ہے، تو سجدے میں گر جاتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں کہ ہم نے مان لیا رب العالمین کو، موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب کو۔ اب ان کے اندر یکلخت اتنا بڑا انقلاب واقع ہو جاتا ہے کہ فرعون انہیں ہاتھ پاؤں کٹوانے اور سولی پر چڑھا دینے کی دھمکی دیتا ہے اور وہ اس کی کسی دھمکی کی پروا نہیں کرتے، اس سے صاف کہتے ہیں کہ تجھے جو کچھ کرنا ہے کر لے، ہم اب تیری خاطر ان کھلی صداقتوں سے جو ہم نے دیکھ لی ہیں اور اپنے خالق سے منہ نہیں موڑ سکتے (الاعراف ۱۱۳ تا ۱۲۶، طٰہٰ ۷۰ تا ۷۳، الشعراء ۴۱ تا ۵۱)۔

ایک اور کردار فرعون کے درباریوں میں سے ایک رئیس کا ہے۔ وہ دل میں ایمان لا چکا تھا اور اسے چھپائے ہوئے تھا مگر جب فرعون نے حضرت موسیٰ کے قتل کا ارادہ کیا تو وہ دربار میں بے خوف اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا "کیا تم لوگ ایک شخص کو صرف اس بنا پر قتل کر دو گے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے"۔ اس کے بعد اس نے ایک طویل اور پر زور تقریر کی جو سورۃ المومن کی آیت ۲۸ سے ۴۴ تک مسلسل نقل کی گئی ہے۔ اس تقریر میں اس نے کھلم کھلا فرعون اور اس کی سلطنت کے اعیان و ارکان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور ان کو سیدھا راستہ اختیار کرنے کی نصیحت کی اور اس بات کی کچھ پروا نہ کی کہ اس حق گوئی کا کیا نتیجہ اس کو دیکھنا پڑے گا۔

سب سے زیادہ شاندار کردار اس میں حضرت موسیٰؑ کا آتا ہے۔ وہ ایک ایسی قوم کے فرد تھے جو مدتوں سے ذلت کی آخری حد کو پہنچا دی گئی تھی اور اتنی جان بھی نہ رکھتی تھی کہ اپنے بچوں کے قتل پر اف تک کر سکے۔ خود حضرت موسیٰ پر ایک مصری کے قتل کا الزام تھا جس میں ان کے وارنٹ نکلے ہوئے تھے اور وہ ملک چھوڑ کر کئی سال تک مدین میں پناہ گزین رہے تھے۔ اس حالت میں جب اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی مقرر کر کے اور بس ایک لاٹھی اور ید بیضا کا معجزہ دے کر فرعون جیسے جبار کی حکومت سے جا ٹکرانے کا حکم دیا تو وہ اللہ کی مدد کے بھروسے پر کسی لاؤ لشکر کے بغیر اس کے دربار میں جا کھڑے ہوئے۔ اس کی کسی دھمکی سے مرعوب نہ ہوئے۔ اس کے کسی جبر و ظلم کے آگے نہ دبے۔ سالہا سال تک مسلسل سخت سے سخت حالات کا مقابلہ کرتے رہے۔ اور جب فرعون نے علانیہ ان کے قتل کا ارادہ کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر اس کی دھمکی کو اس کے منہ پر مار دیا کہ اِنّی عذت بربی وربکم من کلِ متکبر

ؤمن بیوم الحساب میں نے پناہ
ہے اور تمہارے رب کی ہر اس متکبر سے جو روزِ حساب پر
نہیں رکھتا" (المومن ۲۷)۔
ی تاریخی مثالیں اس طرح قرآن میں دوسری بہت سی
شالیں پیش کرکے یہ اچھی طرح واضح کر دیا گیا کہ اسلام
ر دار اور اخلاق کے انسانوں کو پسند کرتا ہے اور کیسے
ء اس کو ناپسند ہیں۔ مثلاً ایک طرف حضرت داؤد
ن علیہما السلام ہیں جو تختِ شاہی پر متمکن ہونے کے
خدا ترسی و آئینِ بندگی سے ذرا نہیں ہٹتے، غرور و تکبر کے
شکر اور اطاعت کے طریقے پر قائم رہتے ہیں، اور
وا نہیں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کو
ا یش ڈالا گیا ہے، فوراً عاجزی کے ساتھ اپنے رب کے
لے جاتے ہیں (ص ۱۷ تا ۴۳۔ النمل ۱۹، ۴۰۔ ص ۲۴۔ ۳۵
یا ہے جو ایک مشرک قوم کی فرمانروا ہونے کے باوجود
ے سے آگاہ ہو جاتی ہے تو بلا تامل اسے قبول کر لیتی ہے
کی کچھ پروا نہیں کرتی کہ اس کی مشرک قوم اس کا ساتھ
یا نہیں (النمل ۴۴)۔ سورۂ یٰسین کا ایک مردِ حق پرست
ا کی قوم تین تین پیغمبروں کی شدید مخالفت کرتی ہے
یں سنگسار کر دینے پر آمادہ ہو جاتی ہے، مگر وہ اس
ے حالت میں بھی شہر کے ایک حصے سے دوڑتا ہوا آتا ہے،
غمبروں کی بات مان لینے کی تلقین کرتا ہے، اس کی گمراہی
ے ساتھ ثابت کرتا ہے، اپنے ایمان کا صاف صاف
رتا ہے، اور اس کی پاداش میں اپنی جان سے ہاتھ
ھتا ہے، پھر بھی اس کے دل سے ظالموں کے حق میں
نہیں نکلتی، بلکہ وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش اس کی قوم
اب بھی جان لیں کہ کس چیز کی بدولت اس کے رب
اسے عزت اور مغفرت نصیب ہوئی (آیات ۱۳ تا ۲۷)۔
کہف ہیں جو ایک مشرک قوم کے ظلم سے اپنا ایمان بچا
لیے محض خدا کے بھروسے پر ایک غار میں جا چھپتے ہیں
بات کی کوئی فکر نہیں کرتے اس پناہ گاہ میں وہ کب
مہار رہ سکیں گے۔ انہیں فکر ہوتی ہے تو بس یہ کہ وہ

ایمان کے راستے سے نہ ہٹنے پائیں (الکہف ۱۳ تا ۲۰)۔
دوسری طرف قارون ہے جو حضرت موسیٰ کی قوم کا ایک فرد تھا، مگر دنیا پرستی کی خاطر فرعون کے مقرب درباریوں میں شامل ہو گیا تھا۔ اس نے حرام کی دولت کے انبار جمع کئے اور ان پر خوب اترایا۔ نیک لوگوں نے اسے بھلائی کی تلقین کی تو اس نے یہ کہہ کر ان کی بات رد کر دی کہ مجھے جو کچھ ملا ہے وہ میری قابلیت کا نتیجہ ہے۔ دنیا پر فریفتہ لوگ اس کی شان و شوکت دیکھ کر اسے بڑا نصیبے والا سمجھتے اور تمنا کرتے کہ کاش ہمیں بھی یہ شان نصیب ہو۔ مگر جب اللہ نے اسے اور اس کے محل اور اس کی دولت کو زمین میں دھنسا دیا تو وہ ان لوگوں کے لیے عبرت بن گیا جو اس کا مرتبہ پانے کی آرزو رکھتے تھے۔ (القصص ۷۶ تا ۸۲) قوم سبا ہے جس کے ملک کو اللہ نے جنت بنا رکھا تھا۔ مگر جب اس نے اللہ کی ناشکری کا راستہ اختیار کیا تو اللہ نے ایک خوفناک سیلاب سے اس کو باغ جھاڑ جھنکاڑ بن گئے، اور وہ ایسی پراگندہ ہوئی کہ عرب میں اس کی پراگندگی ضرب المثل بن کر رہ گئی (سبا ۱۵ تا ۱۹)۔
سب سے زیادہ تر بدتر مثال یہود کی پیش کی گئی جنہوں نے خدا کی نافرمانیاں کرکے تاریخ میں دو بار فسادِ عظیم برپا کیا اور اس کی سزا یہ بھگتی کہ ایک مرتبہ بابل و آشور کے سخت گیر حکمرانوں نے انہیں غارت کیا اور دوسری مرتبہ رومیوں نے انہیں فلسطین سے نکال کر دنیا بھر میں پراگندہ کر دیا (بنی اسرائیل ۴ تا ۷) اسی آخری پراگندگی کے بعد وہ عرب میں پہنچے تھے اور ان کا ایک ایک اخلاقی عیب اہلِ عرب کے سامنے تھا جس کی نشان دہی کر کے قرآن نے لوگوں کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان صفات کے انسانوں کو سخت ناپسند کرتا ہے، وہ جان بوجھ کر اپنی دنیوی اغراض اور خواہشات کے لئے خود اپنے مذہب کے تعلیمات کے خلاف اس بھروسے پر گناہ کرتے تھے کہ ہمیں تو معاف کر ہی دیا جائیگا — (الاعراف ۱۶۹) وہ کہتے تھے کہ امیّوں (یعنی غیر یہودیوں) کے مال مار کھانے اور ان کے ساتھ بدمعاملگی کرنے میں ہم پر کوئی گناہ عائد نہیں ہوتا (آل عمران ۷۵) ان کے علماء اور درویش لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے تھے (توبہ ۳۴)

سود خواری ان میں عام تھی حالانکہ ان کے دین میں اس سے منع کیا گیا تھا (النساء/۱۶۱) انہوں نے جادو ٹونے اور سفلی عملیات کا شیطانی کاروبار پھیلا رکھا تھا اور اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جھوٹ منسوب کرنے تھے (البقرہ ۱۰۲)۔ ان کے اندر ہر طرح کی برائیاں پھیلی ہوئی تھیں مگر انہوں نے یہ طریقہ چھوڑ دیا تھا کہ ایک دوسرے کو بُرے کاموں سے روکیں، اسی لیے وہ اخلاقی پستیوں میں گرتے چلے جا رہے تھے (المائدہ ۷۹) اور یہ وہ عیب ہے جسے قرآن نے تمام قوموں کی بربادی کا ایک عام سبب بیان کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ ہود میں پچھلی قوموں کے پے در پے مبتلائے عذاب ہونے کے واقعات بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ "کیوں نہ ان قوموں میں جو تم سے پہلے گذر چکی ہیں ایسے اہل خیر موجود رہے جو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے؟ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم، جن کو ہم نے ان قوموں میں سے بچا لیا، ورنہ ظالم لوگ تو انہی مزوں میں پڑے رہے جن کے سامان انہیں فراوانی کے ساتھ دیے گئے تھے اور وہ مجرم بن کر رہے۔ تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو ناحق تباہ کر دے حالانکہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں" (آیات ۱۱۶، ۱۱۷)۔

وہ برائیاں جن کی قرآن مذمت کی گئی یہ ایک اسلوب تھا جس سے قرآن نے تاریخی واقعات کے پیرایے میں اپنی اخلاقی تعلیمات کو بیان کیا۔ اس کے بعد دوسرا اسلوب یہ ہے کہ اس نے براہ راست ان بُرے اوصاف اور اعمال اور اخلاق کی مذمت کی جو قریش، اور عرب اور عام انسانی معاشرے میں پائے جاتے تھے۔ یہ ایسی برائیاں تھیں جن کو اچھا کہنے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ ان کے مقابلے میں اس نے بتایا کہ وہ اچھے اوصاف، اخلاق اور اعمال کیا ہیں جن سے اسلام افراد اور معاشرے کو آراستہ دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ بھی ایسی خوبیاں تھیں جنہیں فضائل اخلاق ماننے سے انکار کر دینا بھی کسی کے بس میں نہ تھا۔

اب ہم پہلے اُن بُرائیوں کو بیان کریں گے جن کی قرآن میں مذمت کی گئی اور لوگوں کو بتایا گیا کہ اسلام ان سے انسانی زندگی کو پاک کرنا چاہتا ہے۔

—— "تباہی ہے ہر اُس شخص کے لیے جو (منہ در منہ) لوگوں پر طعن اور (پیٹھ پیچھے) بُرائیاں کرنے کا خوگر ہے، جس نے مال جمع کیا اور اُسے گن گن کر رکھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اُس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا" (الہمزہ ۱ تا ۳)

—— "تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کی جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا دینے پر نہیں اکساتا (یعنی نہ خود اپنے نفس کو اس پر آمادہ کرتا ہے نہ دوسروں کو اس بات پر اکساتا ہے کہ غریب و محتاج لوگوں کی بھوک مٹانے کے لیے کچھ کریں)، پھر تباہی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لیے جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں، جو ریا کاری کرتے ہیں اور معمولی ضرورت کی چیزیں لوگوں کو دینے سے گریز کرتے ہیں (الماعون)۔

—— انسان کا حال یہ ہے کہ اُس کا رب جب اسے آزمائش میں ڈالتا ہے (اور آزمائش کی خاطر) اسے عزت اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنا دیا۔ اور جب وہ اسے آزمائش میں ڈالتا ہے (اور اس بنا پر) اس کا رزق تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ہرگز نہیں (یعنی یہ معیارِ عزت و ذلت نہیں ہے) بلکہ تم لوگ یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو نہیں اکساتے، اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو، اور مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو" (الفجر ۱۵ تا ۲۰)۔

—— جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں" (النساء۔ ۱۰)۔

—— تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی فکر نے غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ (اسی فکر میں) تم لبِ گور تک پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں (یہ کوئی بھلائی نہیں ہے) عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا" (التکاثر ۱ تا ۳)۔

—— اور کسی ایسے شخص کے دباؤ میں نہ آؤ جو بہت

بتانے والا بے وقعت آدمی ہے، طعنے دیتا ہے، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے، بھلائی سے روکتا ہے، ظلم و زیادتی میں حد سے گزر جانے والا ہے، سخت بداعمال ہے، جفاکار ہے اور ان سب عیوب کے ساتھ بداصل ہے۔ (اس کا کہا نہ کرو محض اس لئے کہ) وہ بہت مال و اولاد رکھتا ہے۔" (القلم۔ ۱۰ تا ۱۴)۔

۔۔۔۔۔۔ "تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لئے جو لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو انہیں گھاٹا دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ایک بڑے دن یہ اٹھا کر لائے جانے والے ہیں؟ اس دن جب کہ سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔" (المطففین ۱ تا ۶)

۔۔۔۔۔۔ "انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو۔" (الرحمٰن ۹)۔

۔۔۔۔۔۔ "قیامت کے روز اہل جنت مجرموں سے پوچھیں گے کہ کیا چیز تمہیں دوزخ میں لے گئی تو وہ کہیں گے کہ ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے، اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ لہٰذا آج نہ یہاں اس کا کوئی یار غم خوار ہے اور نہ اس کے لئے زخموں کے دھوون کے سوا کوئی کھانا جسے خطاکاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا۔" (الحاقہ ۳۴ تا ۳۷)۔

۔۔۔۔۔۔ "وہ کہتا ہے میں نے ڈھیروں مال اڑا دیا۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ کسی نے اس کو نہیں دیکھا۔" (البلد ۶۔۷)۔

ڈھیروں مال اڑا دینے سے مطلب ہے اپنی دولت مندی کی نمائش اور اپنے فخر اور بڑائی کے اظہار کے لیے خوب مال خرچ کرنا ہے اور آخری فقرے کا مطلب یہ ہے کہ یہ فخر کرنے والا کیا سمجھتا ہے کہ کوئی یہ دیکھنے والا نہیں ہے کہ اس نے یہ دولت کس طرح حاصل کی اور کن کاموں میں کس نیت سے اس کو اڑا دیا۔

۔۔۔۔۔۔ "جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اپنے اس خرچ کے بعد کسی پر کوئی احسان نہ جتاتے ہیں نہ (اس شخص کو جسے انہوں نے مال دیا ہے کوئی) دکھ دیں، اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی رنج اور خوف کا موقع نہیں۔ ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر چشم پوشی اُس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے اذیت دی جائے۔" (البقرہ ۲۶۲۔ ۲۶۳)

۔۔۔۔۔۔ "اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح ضائع نہ کرو جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے۔" (البقرہ ۔ ۲۶۴)۔

۔۔۔۔۔۔ "جو لوگ اس مال میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے اپنے فضل سے اُن کو دیا ہے وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ بلکہ یہ اُن کے لیے بہت بُرا ہے۔ جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کرتے ہیں وہی قیامت کے روز اُن کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔" (آل عمران ۱۸۰) بخل صرف یہی نہیں ہے کہ آدمی اپنا مال نہ اپنی ذات پر خرچ کرے اور نہ اپنے بال بچوں پر۔ بلکہ بخل یہ بھی ہے کہ وہ اپنا سب کچھ اپنے عیش و آرام، اپنی دلچسپیوں اور تفریحوں اور اپنی دولت مندی کی نمائش پر اڑاتا رہے مگر کسی نیک کام پر خرچ کرنے کے لیے اس کا دل آمادہ نہ ہو۔

۔۔۔۔۔۔ "اللہ ایسے لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور اور اپنی بڑائی پر فخر کرنے والے ہیں، جو بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کرنے کے لیے کہتے ہیں اور اللہ نے جو کچھ اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اُسے چھپاتے ہیں۔" (النساء ۳۶ ۔ ۳۷)۔

۔۔۔۔۔۔ "جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچ گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔" (التغابن ۱۶)

۔۔۔۔۔۔ "لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر اور زمین پر اکڑ کر نہ چل۔ اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز پست رکھ۔ سب آوازوں سے زیادہ بری آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے۔" (لقمان ۔ ۱۸ ۔ ۱۹)۔

۔۔۔۔۔۔ "اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ دیا ہے اس کی تمنا نہ کرو۔" (النساء ۳۲)۔

یعنی کسی کو اپنے مقابلے میں کسی حیثیت سے بڑھا ہوا دیکھ کر بے چین ہو جانا ہی رشک وحسد اور رقابت کی اصل جڑ ہے۔ جس کے باعث آدمی دوسرے سے جلنے لگتا ہے، اپنی بھلائی کے لیے اس کی برائی چاہتا ہے، اور جو فضل یا تفوق جائز طریقے سے اسے نہیں ملتا اسے حاصل کرنے کے لیے ناجائز طریقے اختیار کرتا ہے۔

—— "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، لوگوں سے کہو کہ میرے رب نے تو حرام کیے ہیں بے شرمی کے کام خواہ کھلے ہوں یا چھپے، اور گناہ اور ناحق کی زیادتی، اور یہ کہ تم اللہ کے نام پر وہ بات کہو جس کے من جانب اللہ ہونے کا [illegible] نہیں ہے" (الاعراف ۳۳)۔

—— "اللہ کے نام کو ایسی قسمیں کھانے کے لیے استعمال نہ کرو جن سے مقصود نیکی اور تقویٰ اور لوگوں کے درمیان اصلاح کے کاموں سے باز رہنا ہو" (البقرہ ۲۲۴)۔

—— "اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم نے اس سے کوئی عہد کیا ہو اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد توڑ نہ ڈالو جبکہ تم اللہ کو اپنے اوپر کفیل ٹھیرا چکے ہو۔ اللہ تمہارے سب افعال سے باخبر ہے۔ تمہاری حالت اس عورت کی سی نہ ہو جائے جس نے آپ ہی محنت کے ساتھ سوت کاتا اور آپ ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ تم اپنی قسموں کو اپنے معاملات میں مکر و فریب کا ہتھیار بناتے ہو تاکہ ایک قوم دوسری قوم سے بڑھ کر فائدے میں رہے۔ حالانکہ اللہ تو اس (عہد و پیمان) کے ذریعہ سے تم کو آزمائش میں ڈالتا ہے" (النحل ۹۱، ۹۲)۔

—— "اور جو لوگ اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں اور ان رابطوں کو کاٹتے ہیں جنہیں جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے (آخرت میں) برا ٹھکانا ہے" (الرعد ۲۵)۔

—— "بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے بگاڑ دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ یہی کچھ وہ کیا کرتے ہیں" (النمل ۳۴)۔

—— [illegible] افلاق برائیوں کی گئی ہے وہ یہ کہ ایک دوسرے کا مذاق اڑانا، ایک دوسرے پر طعنہ زنی کرنا، لوگوں کے برے برے لقب رکھنا، بے جا گمان کرنا، دوسروں کے حالات کا تجسس کرنا اور پیٹھ پیچھے دوسرے کی برائی کرنا [illegible]۔

—— "[illegible] پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے جہالت و نادانی کی بنا پر اپنی اولاد کو قتل کیا" (الانعام [illegible])۔

—— "اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر کلونس چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے، کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لیے رہے یا اسے مٹی میں دبا دے" (النحل ۵۸، ۵۹)۔

—— "قیامت کے روز جب خدا کے حضور لوگوں کی پیشی ہوگی تو زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ تو کس [illegible] ماری گئی" (التکویر ۹)۔

—— "جو شخص خود کوئی جرم یا گناہ کرے اور اسے کسی بے گناہ پر تھوپ دے اس نے بڑے بہتان اور گناہ کو سمیٹ لیا" (النساء ۱۱۲)۔

—— "تم کسی خائن کے حامی نہ بنو... اللہ کسی [illegible] کار اور معصیت پیشہ کو پسند نہیں کرتا" (النساء ۱۰۵)۔

—— "خائن اپنی خیانت سمیت قیامت کے [illegible] حاضر ہو جائے گا پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور لوگوں پر کوئی ظلم نہ ہوگا" (آل عمران ۱۶۱)۔

—— "جانتے بوجھتے ایک دوسرے کی امانتوں میں خیانت نہ کرو" (الانفال ۲۷)۔

—— "جو سود تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے اموال میں [illegible] ہو اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی خوشنودی کے لیے دو اسی کے دینے والے درحقیقت مال بڑھاتے ہیں" (الروم ۳۹)۔

—— "آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل ط

[illegible]

ۓ بنسد

ھاؤ الا یہ کہ لین دین ہو تمہارے درمیان آپس کی رضامندی
ب دوسرے کو ہلاک نہ کرو۔۔۔۔ تم میں سے جو ظلم زیادتی کے
یسا کرے گا اس کو ہم ضرور آگ میں جھونکیں گے"
اء ۲۹ - ۳۰)۔

——— "آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں
ھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے اُن کو اس غرض کے لیے
رو کہ لوگوں کے مالوں کا کوئی حصہ جان بوجھ کر گناہ کے
ر کھا جاؤ" (البقرہ - ۱۸۸)۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ
ں کو رشوت دے کر ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش
و، اور یہ بھی کہ عدالت میں یہ جانتے ہوئے کہ مال دراصل
ے شخص کا ہے، محض اس بنا پر معاملہ نہ لے جاؤ کہ وہ
ں اپنی ملکیت کا ثبوت نہ دے سکے گا، یا تم کوئی ہیر پھیر
ے مقدمہ جیت جاؤ گے۔

——— "گواہوں کو شہادت دینے سے انکار نہ کرنا
یۓ جب وہ گواہی کے لیے بلائیں جائیں۔۔۔۔ اور شہادت کو چھپاؤ
، جو اسے چھپائے اس کا دل گناہ گار ہے" (البقرہ ۲۸۲-۲۸۳)۔

——— "جھوٹی بات کہنے سے پرہیز کرو" (الحج ۳۰)۔ اسی میں جھوٹی
ت بھی آجاتی ہے جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
جھوٹی

ہی شرک باللہ کے برابر رکھی گئی ہے"

——— "جو بھلائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائے
ر جو برائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائے گا" (النساء ۸۵)
اس کی بھلائی یا اس کی برائی میں وہ بھی حصہ دار ہوگا

——— "سورۂ نور میں آیت ۴ سے ۲۳ تک پاک دامن عورتوں
ر جھوٹے بہتان گھڑنے، اُن کو سننے اور آگے پھیلانے اور معاشرے
ں فحش کی اشاعت کرنے کی سخت مذمت کی گئی ہے جس کی
یلات کو چھوڑ کر طولِ کلام سے بچنے کے لیے ہم صرف آیات کے
لے پر اکتفا کر رہے ہیں۔ اور یہ معاملہ صرف عورتوں ہی کی
نک خاص نہیں ہے، مردوں پر بہتان لگانا بھی ویسا ہی گناہ
یسا عورتوں پر بہتان لگانا۔

——— "بیویوں کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو" (النساء ۱۹)

"اگر عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو آئے تو یا بھلے
طریقے سے رخصت کر دو۔ ان کو ستانے کے لیے نہ روک رکھو تاکہ اُن پر
زیادتی کرو جو ایسا کرے گا وہ اپنے اوپر آپ ظلم کرے گا" (البقرہ ۲۳۱)

——— "عورتوں سے ان کے سرپرستوں کی اجازت کے ساتھ نکاح
کرو اور ان کے مہر معروف طریقے سے ادا کرو کہ وہ حصارِ نکاح میں
محفوظ ہو کر رہیں، آزاد شہوت رانی نہ کرتی پھریں اور نہ چوری چھپے
آشنائیاں کریں" (النساء ۲۵)۔

——— "عورتوں سے اِس بات کا عہد لو کہ وہ اللہ کے ساتھ
کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی
اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ
کر نہ لائیں گی اور کسی امر معروف میں (اے نبی) تمہاری نافرمانی
نہ کریں گی" (الممتحنہ - ۱۲)۔ بہتان گھڑ کر لانے سے مراد دو باتیں
ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی عورت دوسری عورتوں پر غیر مردوں سے
آشنائی کا الزام لگائے اور اس کا چرچا کرے۔ دوسرے یہ کہ وہ
بچہ تو کسی کا جنے اور شوہر کو دھوکے میں رکھے کہ بچہ اس کا ہے۔

——— "اے بنی آدم، ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے
تاکہ تمہارے جسم کے قابلِ شرم حصوں کو ڈھانکے اور زینت کا
ذریعہ بنے۔۔۔۔۔ اے بنی آدم تم کو شیطان فتنے میں نہ ڈالے جس
طرح اس نے تمہارے والدین (آدم و حوا علیہما السلام)
کو جنت سے نکالا تھا اور ان کے لباس ان پر سے اُتروا دیے
تھے تاکہ ان کی شرم گاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھول دے"
(الاعراف ۲۶ - ۲۷)۔

——— "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہو کس نے حرام کر دیا
اللہ کی اُس زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی ہے اور کھانے پینے کی
پاک چیزوں کو" (الاعراف ۳۲)۔ "رہبانیت کی بدعت (عیسائیوں نے خود
نکالی، ہم نے اُسے اُن پر فرض نہیں کیا تھا" (الحدید ۲۷)۔

——— "کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے تم نشہ آور چیز بھی بناتے ہو
اور اچھا رزق بھی حاصل کرتے ہو" (النحل ۶۷) یعنی اللہ نے جو اچھا رزق دیا تھا
اسے تم ایک برے کام، نشہ پیدا کرنے والی چیز بنانے کے لیے استعمال کرتے ہو۔
یہ برے اخلاق و اوصاف اور اعمال جن کی قرآن میں مذمت کی گئی تھی
ان کی برائی سے انکار کرنا کسی کے لیے ممکن نہ تھا۔ قریش اور اہلِ عرب میں سے
کوئی شخص یہ دعویٰ کرنے کی ہمت رکھتا تھا کہ اس کا معاشرہ ان برائیوں سے پاک تھا۔

تجلی کی ڈاک

حسن احمد صدیقی

ذوالفقار علی بھٹو کے ایک مرید محترم

سوال:

اسلام دوسروں پر کیچڑ اچھالنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

جب کہ آپ نے اپنے رسالہ میں کیچڑ کا نشانہ سابق وزیر اعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو کو بنایا ہے۔ جس کے متعلق اسلامی دنیا کی بڑی شخصیتوں نے یہ القاب دئے تھے۔

شاہ فیصل صاحب مرحوم۔

"بھٹو میرا چھوٹا بھائی ہے۔ اس کی نگرانی میں پاکستان بہت آگے آیا ہے۔ اور آگے جارہا ہے۔

لیبیا کے کرنل معمر القذافی بھٹو صاحب کو اپنا بڑا بڑا بھائی تصور کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ آپ لوگ یہ باور کرنا چاہتے ہیں کہ صرف ہندوستانی کانگرس اور ہندو لوگ ہی بھٹو کی حمایت کرتے ہیں۔

شاید اس وقت آپ کے کان بہرے تھے برطانوی پارلیمنٹ کے ممبران نے اپنی پارلیمن میں بھٹو کے حق میں بل پیش کیا۔ اس وقت بہرے اور اندھے تھے جب دنیا میں ہر طرف کی رہائی کے لئے آوازیں اٹھیں۔ اور سخت ا ہوا۔ اور آج بھی جاری ہے۔

بھٹو کے بارے میں زیادہ لکھنے کی ضرو مناسب نہیں سمجھتا ہوں کیونکہ دنیا بھٹو کو بخو ہے اس نے اسلام کی سربلندی کے لئے بڑی جا کی ہے۔

اب لیجئے سنئے اپنی جماعت اسلامی کے کچھ باتیں۔

بھٹو کے دورِ حکومت میں مولانا مودودی غلطیاں اور خامیاں اپنے قلم سے عام کرتے لیکن آج خاموش کیوں ہیں۔

ج پاکستان میں زنا، شراب، جوا، غنڈہ
ر زنی، چوری بند ہے۔ نہیں آج ان کو ڈھونڈو

آج وہ ایک لفظ کہیں گے تو ان کی انتھک
سے بنایا ہوا جنرل ضیاء الحق انہیں کوڑوں
ں سے مالا مال کر دے گا جماعت اسلامی

شن آنے پر ہی حزب اختلاف نے نظام
عرہ کیوں دیا کیا اس وقت تک وہ جنم
پائے تھے۔ اب ضیاء کی حکومت کو نظام
مانگ کیوں نہیں کرتے ہیں۔ کیا صرف
سزا دینے سے نظام مصطفےٰ قائم ہو جاتا
عمل جماعت اسلامی والوں کو نظام
سے غرض نہیں تھی بلکہ اقتدار سے غرض تھی
نصیب نہ ہوا۔
"نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم"
بھٹو صاحب نے آپ کے مودودی کو دعوت نہیں
و آپ کی ہی سرپرستی میں ایک کمیٹی تشکیل
و اسلامی دستور چھ مہینے میں مرتب کرے۔
ے مودودی نے کیا کیا تھا وہ آپ کو معلوم ہے
ن کے کرتوتوں کو چھپانے کی ناکام کوشش
ں میں کرتے ہیں۔
تشدد پر یقین نہیں رکھتے ہیں) لیکن سڑک
وں اور سرکاری املاک کو آگ لگائی خون

جماعت اسلامی اور اس کے ساتھی مسجدوں میں
تے تھے اور باہر آکر یہ بھول کر اس کے برعکس
تھے۔
نے بھٹو کو الزام دیا ہے کہ انہیں ملاؤں سے
اگر ہو گی تو ضرور ہونی چاہیئے۔ کیوں کہ ملاؤں
ہر جگہ ضعیف ہے کیوں! وہ پیچھے میں غالب پیش

کروں گا اپنے کشمیر سے لیکر پاکستان تک۔
جب شیخ عبداللہ کشمیر کی حق خود اختیاری
مانگتے تھے تو یہی ملّا لوگ ان کے مخالف ہو گئے۔ اس
لئے کہ انہوں نے بڑھکر اقتدار حاصل کر لیا تھا۔
سنہ ۱۹۵۲ء میں جب ـــ غلام محمد نے شیخ صاحب
کے خلاف "Conspiracy case" مرتب
کیا تو صرف ملّا لوگ ہی کثرت میں ملیں گے جنہوں
نے جھوٹی شہادتیں دے کر شیخ صاحب کو جیل
بھجوا دیا۔ اور اقتدار ہاتھ میں لیا۔
کشمیر کی سرکاری مشنری میں آپ کو صرف
ملّا لوگ ہی اعلیٰ عہدوں پر ملیں گے اگر مبارک
شاہ شیخ صاحب سے غداری نہ کرتے تو وہ آج
سوڈان میں سفیر نہ ہوتے ایس ایس قادری معمولی
لکھا پڑھا آدمی آئی۔ اے۔ ایس آفیسر شہادت کی
بناء پر ہی بنے اور بہت سارے آفیسر ہیں جو اسی کی
بدولت آج مزے اٹھا رہے ہیں۔
اب پاکستان:۔ بھٹو صاحب نے ایک غلطی کی
تھی کہ ایک ملّا صاحب (کوثر نیازی) کو اپنی وزارت
میں لیا تھا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ جب تک بھٹو کی
وزارت تھی تو کوثر نیازی کیا تھے اور جب وزارت
ہاتھ سے گئی تو موقعہ پرست کوثر صاحب ضیاء سے
ہاتھ ملانے لگے۔
اور بھی دلائل ہمارے پاس ہیں مگر وقت کی کمی کے باعث
میں زیادہ لکھ نہیں سکا۔ اگر اس کا مختصر جواب
ملا تو آئندہ اور بھی بہت کچھ لکھوں گا۔ اب آپ خود
ہی اپنی پارٹی کے کردار سے واقف ہو جائیں گے۔

جوابات:۔

شاہ فیصل صاحب مرحوم کے چھوٹے اور کرنل قذافی
کے بڑے بھائی کے جو سیاہ کارنامے طشت از بام
ہو چکے ہیں ان سے آپ بھی یقیناً واقف ہو چکے ہونگے

قرطاسِ ابیض کے چند اوراق پڑھنے کے بعد آپ کا ذہن یقیناً کافی حد تک بدل گیا ہوگا۔ اور وہ بھٹو جیسے آپ فرشتہ اور معصوم عن الخطا سمجھنے کی غلطی میں مبتلا تھے آپ کے نزدیک بھی النسانوں کی لائن میں آگئے ہونگے اور ان النسانوں کی لائن میں جن کا نامۂ اعمال سیاہ کرتوتوں سے لبریز ہوا کرتا ہے۔

لیکن اگر عقیدت اور وارفتگی کی گرفت ابھی تک ڈھیلی نہیں پڑی ہے اور ہنوز آپ بھٹو صاحب کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہیں تو پھر ہمیں مجبوراً یہ کہنا پڑے گا کہ اسلامی قانون سے اور "ملاؤں" کی جماعت سے چونکہ آپ کو خدا واسطہ کا بیر ہے لہٰذا ہر وہ شخص جو اسلام اور علمائے اسلام کا بدخواہ ہے وہ آپ کے نزدیک معصوم ہے مظلوم ہے فرشتہ ہے۔ اگرچہ گناہوں کی پوٹ اس کی بغل میں دبی ہو۔

برا ہو شیطانِ لعین کا کہ وہ اچھے خاصے آدمی کو باؤلا بنا دیتا ہے۔ اور پھر اس سے اسلام کے خلاف ایسی ایسی خدمات لیتا ہے کہ علم و عقل دونوں ہی حیرت کے سمندر میں ڈوب جاتے ہیں۔ آپ کو فطرتاً ہم برا نہیں سمجھتے۔ لیکن مغربی تعلیم کے بناؤ سنگھار عریاں تہذیب کے نقش و نگار، اور ارتداد کی ظاہری چمک دمک نے آپ جیسے ان گنت مسلمانوں کو اپنی بانہوں میں جکڑ رکھا ہے ـــ لہٰذا آپ اسلام پسند حضرات کے خلاف نعرے بلند کرنے اور خدا بیزار لوگوں کی تعریف میں قصیدے الاپنے پر مجبور ہیں۔

شاہ فیصل مرحوم اور کرنل قذافی کی طرف جو القاب آپ نے منسوب کئے ہیں انھیں ثابت کرنا بھی آپ ہی کی ذمہ داری میں داخل ہے۔ آپ ہی کو یہ وضاحت کرنی تھی کہ یہ روایتیں آپ کو کہاں سے ہاتھ لگی ہیں کہ انہوں نے بھٹو کو بڑے اور چھوٹے بھائی کے القاب عطا کئے۔ پھر اگر یہ ثابت ہو بھی جائے کہ بھٹو صاحب شاہ فیصل مرحوم کے چھوٹے اور قذافی صاحب کے

بڑے بھائی ہیں تو کیا محض انھیں ان کے بھائی ہونے کے ناطے ساری خطاؤ مبرّا سمجھ لیا جائے۔ اور اگر آپ کے یہ ہے کہ بھٹو اتنے اچھے اور لاجواب آ شاہ فیصل مرحوم اور کرنل قذافی بھی ا بھائی کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں او ہیں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیۓ محترم یہ نوٹ کر لیجئے کہ ہمارے نزدیک ش اور کرنل قذافی خدا اور رسول کے ہیں کہ جو ان کی زبان سے نکل جائے اسے سینہ سے لگالیں۔ اور پھر اس کے خلاف سمجھنے کو حرام سمجھیں۔

شاہ فیصل صاحب مرحوم کی عظم دیانتداری میں ہمیں کوئی کلام نہیں۔ وہ ایک عالی مرتبت لیڈر تھے ایک خداترس او پسند مسلمان تھے۔ دنیا بھر کے مسلمانوں خواہ تھے ـ اور بہت سی ایسی خوبیاں ان میں جمع تھیں کہ جن پر انھیں ڈھیروں اجر کم ہے۔ لیکن ان اچھائیوں اور خوبیوں کا ہرگز نہیں ہے کہ وہ اپنی زبان سے جو کچھ اسے وحی سمجھ لیا جائے اور وہ جس شخصیہ میں جو رائے دے دیں اسے عینِ حق سمجھ کر سے پکڑ لیا جائے۔

شاہ فیصل مرحوم کتنے ہی مدبر سہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رتبہ تو نہ آنحضورؐ کی تو شان ہی نرالی تھی۔ ان کا تدبر عام انسانوں کے مقابلہ میں بالکل ایسا ہی قطرہ کے سامنے سمندر۔ وہ آخری حد تک دار تھے اور آخری حد تک دانش مند۔ یہ کے باوجود بھی بعض منافقین کے بارے میں نے جو رائے قائم کی تھی وہ مبنی بر صواب

چنانچہ جب ان لوگوں کے بارے میں آپ
ئے یہ ہوئی کہ یہ مسلمان ہیں تو باری تعالیٰ نے
فاظ تنبیہ کی کہ مردوا علی النفاق لاتعلمھم
علمھم۔ نفاق ان کے دلوں میں گھر کر چکا ہے
افقت پر جمے ہوئے ہیں لیکن تم نہیں جانتے
ہم واقف ہیں۔
اندازہ کیجئے کہ جب خدا کا رسول۔ لوگوں
میں بھول کر سکتا ہے تو پھر دوسرے انسانوں
حیثیت ہے۔؟ وہ کیوں کسی کو سمجھنے میں
نہیں کر سکتے۔؟
ویسے ہمیں یقین ہے کہ اگر شاہ فیصل اِس
ندہ ہوتے اور وہ اپنے چھوٹے بھائی کے
رناموں کی لمبی چوڑی فہرست ملاحظ کرتے
ھیں بھی افسوس ہوتا اور وہ بھی اپنے اس
ے بھائی کی بعض حرکات کے خلاف آواز
نے پر مجبور ہوتے۔ اس لئے کہ وہ انصاف
تھے۔ اور ہر انصاف پسند آدمی جرم کو جرم
تا ہے خواہ اس کا مرتکب اس کا اپنا ہی کیوں

آپ نے فرمایا ہے کہ بھٹو نے اسلام کی سربلندی
بڑی جدوجہد کی ہے۔ کہاں؟ یہ آپ نے
یا پاکستان میں تو وہ اسلام کے مخالف تھے
س شخص کے مخالف تھے جو اسلام کی رٹ
ممکن ہے کہ انہوں نے کسی اور مقام پر اسلام
ندی کے لئے بھاگ دوڑ کی ہو۔ ہمیں انکار نہیں۔
وری تھا کہ آپ اس مقام کا اتہ پتہ تو تحریر
ر جہاں بھٹو صاحب اسلام کی خاطر سرگرداں
وں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ "سرقلم" کرنا ہی آپ
دیک سربلندی کے ہم معنی ہو۔ اگر یہ درست
پھر آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ ٹھیک
ہے۔

اپنے خط کے آخری حصہ میں آپ نے جماعت اسلامی،
مولانا مودودی اور عام علماء کو جن عنایتوں
سے نوازا ہے وہ یقیناً آپ کے شایانِ شان ہے۔
اب تک کے حالات اور واقعات تو یہی کہتے ہیں
کہ ذوالفقار علی بھٹو کے شیدائیوں میں صرف وہ
لوگ شامل ہیں جو اسلام اور اسلام پسندی کے
سخت مخالف ہیں۔ اور ہر اس شخص کو آڑے ہاتھ
لینا چاہتے ہیں جو اسلامی طور طریقوں کی طرف مائل
ہو۔ اگر آپ بھٹو کے شیدائی ہیں تو پھر جو کچھ آپ
نے لکھا ہے وہ آپ کے شایانِ شان ہے ہم بھٹو
کے ہر شیدائی کے بارے میں یہ یقین رکھتے ہیں کہ
"ملاؤں" کی آڑ میں اسلام اور اسلام پسندی کی
مخالفت ضرور کرے گا۔ اور دورانِ مخالفت میں
ایسی زبان بھی ضرور استعمال کرے گا جس کے لفظ لفظ
سے جہالت اور غنڈہ گردی کی بو آتی ہو۔

اندازِ فکر کی غلطی

سوال ۲:۔ ماسٹر منظور احمد ٹیچر مڈل اسکول علی نگر بالی

جب آدم علیہ السلام کا پتلا اللہ تعالیٰ نے تیار
کیا تو آدم علیہ السلام نے آنکھیں کھول دیں اور اللہ
نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم سب آدم کو سجدہ کرو تو
سبھی نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے نہیں کیا۔ اس پر
اللہ نے کہا کہ آخر تم کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے
روکا۔ تو ابلیس نے کہا کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا
ہے اور اِسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اس لئے میں اس سے
اچھا ہوں، بڑا ہوں (یعنی ابلیس کے کہنے کا مطلب یہ تھا
کہ آدم سے اونچا ہوں اور آدم میرے مقابلہ میں کمتر
اور نیچے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے اس کے گلے میں
لعنت کا طوق ڈال دیا اور کہا کہ جا یہاں سے اترا اور
بڑائی کا گھمنڈ مت کر (اس کے بعد تا قیامت راندہ

درگاہ ہوگیا) مولانائے محترم وہ موجودہ مسلمان بھی جو اپنے کو اونچا سمجھتے ہیں اور یہ سمجھ کر اپنے سے نیچی ذات والوں کے پیچھے نماز پڑھنا گوارہ نہیں کرتے اور کبھی نماز پڑھنے کا اتفاق ہو بھی جائے تو دل میں کراہت محسوس کرتے ہیں۔ اور ہر جگہ اُونچے ذات اپنے کو افضل اور برتر سمجھتے ہیں نیچے ذات والے کو خراب اور کمتر سمجھتے ہیں۔ اور نہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہیں نہ شادی کرنا چاہتے ہیں اس لئے کہ وہ اپنے کو افضل قرار دیتے ہیں۔ تو پھر ابلیس اور ان مسلمانوں میں کیا فرق ہے؟ گھمنڈ اور غرور میں یہ بھی مبتلا ہیں۔

جوابِ ۲ :-

اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ ابلیس غرور اور شدتِ احساسِ برتری کی وجہ سے مارا گیا۔ لیکن اس کے راندہ درگاہ ہونے کی اصل وجہ غرور و تکبر نہیں بلکہ خدا کے حکم کی عدمِ تعمیل تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ حکم خداوندی سے سرتابی کا سبب غرور واستکبار ہی بنے ہوں لیکن یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ اسے راندۂ درگاہ محض اس لئے قرار دیا گیا کہ اللہ جل شانہٗ کے حکم سے انحراف کیا تھا۔ غرور اور گھمنڈ یقیناً بہت بُری صفتیں ہیں اگر یہ صفتیں کسی مسلمان کی زندگی کا جزء بن جائیں تو یقیناً قابلِ افسوس بات ہے لیکن ان صفتوں کی وجہ سے کسی بھی مسلمان کو ابلیس کے برابر میں لاکر کھڑا کر دینا بڑی تکلیف دہ قسم کی زیادتی ہے۔

جہاں تک مسلمانوں میں اس کی اونچ نیچ کا سوال ہے تو وہ یقیناً معیوب ہے۔ اور اس کی اصلاح ہونی چاہیئے لیکن ذات پات کے جھگڑوں اور نسلی امتیازات کے ناروا جذبوں کی وجہ سے کسی بھی مسلمان کو ابلیس لعین کا ہمسر باور کرانا سوفی صد غلط ہے۔ نماز اور اس طرح کے دوسرے مذہبی فرائض میں تمام مسلمان یکساں حیثیت کے حامل ہیں کوئی کسی سے برتر نہیں۔ اور اگر برتر ہے تو محض نسل اور خاندان کی وجہ سے نہیں بلکہ علم اور تقوے کی وجہ سے ہے۔ خدا کے نزدیک بھی وہی شخص زیادہ مکرم اور افضل ہے جو تقوے اور تقدس میں دوسروں سے بڑھا ہوا ہو خواہ وہ پٹھان ہو یا تیلی۔

جہاں تک بیاہ شادی کا مسئلہ ہے تو اس بارے میں کسی پر زور زبردستی نہیں کی جاسکتی۔ ہر شخص کو اختیار رہے کہ وہ اپنا اور اپنی اولاد کا رشتہ زوجیت قائم کرتے وقت نسلی امتیاز کو پیش نظر رکھے۔ اگر زید پٹھان ہے اور وہ اپنی لڑکی کی شادی تیلی لڑکے سے کرنا مناسب نہیں سمجھتا تو زید پر تنقید کے ڈھیلے اچھالنا درست نہ ہوگا یہ الگ بات ہے کہ زید کی یہ روش اسلامی تعلیم کے برخلاف ہو۔ اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ رشتے قائم کرتے وقت دین و تقوٰی کو ملحوظ رکھو۔ اگر بکر متقی پرہیزگار اور برسر روزگار ہے اور اس میں ظاہراً کوئی خرابی بھی موجود نہیں ہو تو زید کو اپنی لڑکی کی شادی اس سے کردینی چاہیئے اور اس کے تیلی ہونے کو معیوب نہیں سمجھنا چاہیئے لیکن اگر زید اس سے اپنی بچی کی شادی نہ کرے اور اپنی لڑکی کے لئے کسی پٹھان لڑکے ہی کو ترجیح دینا ضروری سمجھے تو بھی اسے مطعون نہیں کیا جائے گا البتہ یہ غلط ہوگا کہ نسل پرستی کی خاطر آدمی اپنی لڑکیوں کی شادی بے کردار لڑکوں سے کردے۔ اور ان لڑکوں کو نظر انداز کردے جو دیندار اور پرہیزگار تو ہوں لیکن ہوں تیلی اور انصاری۔

باعثِ افسوس بات یہ ہے کہ ہمارے معاشرہ میں نسلی لڑائی دو طرفہ ہے۔ یعنی کسی ایک فریق کو قصوروار قرار نہیں دیا جاسکتا۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ

کچھ لوگوں نے از خود یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ پست اور مفضول ہیں۔ وہ اپنا قد اونچا کرنے کے لئے اپنے نام کے آگے پیچھے خود ساختہ القاب فٹ کر لیتے ہیں۔ یا اپنی نسل ہی کو بدل دیتے ہیں۔ ان حرکات کے باوجود بھی ان کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ اسلام میں نسلی امتیاز کی کوئی حیثیت نہیں۔ اگر فی الواقع انھیں اسلامی تعلیمات کا اتنا خیال ہے تو وہ اپنی نسل کو چھپانے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟ جب بنگاہ اسلام سب مسلمان برابر کا درجہ رکھتے ہیں تو پھر اپنی حقیقت پر پردہ ڈالنا اور خواہ مخواہ ہی خود کو سید، شیخ، انصاری، قریشی، عباسی وغیرہ باور کرانا حقیقت پسندی اور شریعت پرستی کی کس قسم سے تعلق رکھتا ہے؟

پھر یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرے میں بہ خیالِ خویش جن لوگوں نے خود کو چھوٹا سمجھ رکھا ہے وہی حسد اور تعصب کے اندر مبتلا ہیں ان کا عالم یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ نسلی اونچ نیچ اور ذات پات کے جھگڑوں کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے اور دوسری طرف برادری کے نام پر انجمنیں بناتے ہیں مدرسے قائم کرتے ہیں۔ اور نسلی امتیازات کو فروغ دیتے ہیں۔

ہم نہیں جانتے کہ آپ کا تعلق کس برادری سے ہے لیکن آپ کا انداز تحریر ـــ یہ ثابت کرتا ہے کہ ہو نہ ہو آپ ان لوگوں سے متعلق ہیں جنہوں نے از خود اپنے آپ کو چھوٹا سمجھ رکھا ہے اور جو خود ہی احساسِ کمتری کے دام میں پھنسے ہوئے ہیں۔

آپ مانیں یا نہ مانیں لیکن ہے یہ حقیقت کہ ہندوستان میں بسنے والی بعض مسلم قوموں نے یہ تاثر قائم کر دیا ہے کہ نسلی امتیازات کی ایک حقیقت ہے۔ اگر حقیقت نہیں ہے تو لوگ اپنی حقیقت پر پردے تاننے کی کوششیں کیوں کرتے رہتے ہیں اور اس تاثر کو قائم کرنے میں پیش پیش وہی حضرات ہیں جو ایک طویل عرصہ سے احساسِ کمتری کا شکار ہونے کے ساتھ ساتھ بدترین قسم کے تعصب میں مبتلا ہیں۔ اور نوبت بایں جا رسید کہ ہر جماعت اور ہر برادری اپنے آپ ہی کو لائق اور فائق سمجھتی ہے۔ اور بقیہ بندگانِ خدا کو ہیچ اور بے حیثیت۔ فلہذا یہ کہنا ہی پڑے گا۔

آج کے دور میں ہر شخص ہے مجرم یارو
آج کے دور میں کس کس کو سزا دی جائے

کیوں کی بیماری

سوال ۳ :- غلام نبی ڈار طالب علم بی۔ یو۔ سی۔ ہندوارہ

جب کہ تمام نمازوں میں سجدہ کیا جاتا ہے۔ نمازِ جنازہ میں سجدہ کیوں نہیں کیا جاتا ہے۔ رکوع کے متعلق بھی کیا رائے ہے۔

آپ ہماری ادبی غلطیوں کو معاف فرمائیں گے

جواب ۳ :-

روایاتِ صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کی نماز ادا کرتے ہوئے نہ رکوع کیا ہے اور نہ سجدہ۔ بس اسی لئے ساری امت نمازِ جنازہ میں نہ رکوع کی قائل ہے نہ سجدے کی۔ اس کی علت کیا ہے؟ اس بارے میں دماغ کھپانے سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہے کہ اتنی دیر میں ہم کسی اچھی کتاب کا ایک صفحہ پڑھ لیں۔

لفظ کیوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ آج ہم آپ کو نمازِ جنازہ میں رکوع اور سجود نہ ہونے کی علت بتا دیں تو کیا گارنٹی ہے کہ کل آپ دوسرے مسائل کے بارے میں کیوں والی رٹ نہیں لگائیں گے آخر اس کیوں کا جواب کہاں تک دیا جا سکتا ہے

مثلاً اگر آپ نے کسی موقعہ پر یہی پوچھ لیا کہ زکوٰۃ ڈھائی فی صد ہی کیوں دی جاتی ہے اور دن میں پانچ ہی نمازیں کیوں فرض ہیں تو ہم بغلیں جھانکنے کے سوا کیا کرسکیں گے۔ محترم اس کیوں کے چکر میں نہ خود پڑیئے نہ دوسروں کے کیوں کا جواب دینے پڑیئے۔ نقل اور اتباع کو ملحوظ رکھئے۔ جو کام خدا کے رسول نے کیا ہے اسے کرنا باعثِ فلاح ہے خواہ اس کام کی غرض و غایت ہماری سمجھ میں نہ آئے۔

تفہیم القرآن پر تفسیر بالرائے کا الزام

سوال :- محمد خواجہ معین الدین۔

امید کہ مولانا خیر و عافیت سے ہی ہوں گے۔ ماہنامہ تجلی کا بہت پرانا قاری ہوں اب بھی پابندی تجلی کا مطالعہ جاری ہے، ہماری کچھ الجھنیں ہیں جن کا تشفی بخش جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔ یہاں ہمارے دوست احباب میں ایک ملنے جلنے والے صاحب بے چینی کی لہر پیدا کر رہے ہیں۔ اور جماعت اسلامی و تفہیم القرآن پر علمائے دیوبند کے توسط سے کیچڑ اچھال رہے ہیں پھر صاحب موصوف کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ وہ جماعت کے سارے لٹریچر کا مطالعہ بھی کر چکے ہیں۔ صاحب موصوف ایم۔ اے۔ اردو ہیں اور ایک جونیئر کالج میں لائبریرین ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نلکنڈہ میں چند علمائے دیوبند رہتے ہیں جو تفہیم القرآن کو کتاب الرائے سے زیادہ درجے کی کتاب نہیں سمجھتے۔ علماء کا کہنا ہے کہ وہ کتاب اس تلبیس اردو ہے جسکو بڑی خوش اسلوبی سے لکھا گیا ہے اور الفاظ کے الٹ پھیر سے عوام کی توجہ کا مرکز بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ورنہ تفاسیر میں تفہیم کا کوئی مقام نہیں ہے۔ کیا واقعی علماء دیوبند کی رائے تفہیم القرآن کے بارے میں یہی ہے اور تفہیم القرآن کے سلسلہ میں مولانا زکریا صاحب بھی اسی طرح کے خیالات کی ترجمانی کرتے ہوئے ایک کتاب لکھے ہیں۔ کیا واقعی تفہیم القرآن کتاب الرائے ہے۔ نیز یہ بھی فرمایئے کہ تفسیر بالرائے کسے کہتے ہیں۔

جواب :-

لائبریرین صاحب نے جماعت اسلامی کی کتابیں ضرور پڑھی ہوں گی لیکن ہم وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھیں جماعت اسلامی کی چند ہی کتابیں دیکھنے کی توفیق نصیب ہوئی ہے۔ سارا لٹریچر تو کیا اگر وہ لٹریچر کا ½ حصہ بھی پڑھ لیتے تو ان کی بدگمانیاں بڑی حد تک دور ہو جاتیں۔ اور جماعت اسلامی کے بارے میں ان کا زاویہ فکر بدل جاتا۔ بشرطیکہ جماعت اسلامی سے انھیں خدا واسطہ کا بیر نہ ہو۔ اس لئے کہ جن حضرات کو جماعت اسلامی سے خدا واسطہ کا بیر ہے اور جن کی باگ ڈوریں غلطی سے ابلیس لعین کے ہاتھوں میں پہونچ گئی ہیں وہ تو ہر حال میں جماعت کے خلاف زہر اگلتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ لوگ جماعتِ اسلامی کے اس درجہ دشمن ہو چکے ہیں کہ اگر خدا اور اس کا رسول زمین پر آکر اس جماعت کی برأت کریں تو بھی یہ لوگ جماعت اسلامی کو مسلمانوں کی جماعت کہنے کی غلطی نہیں کریں گے۔ خیر یہ تو ہیں ہی اپنی اپنی کھال میں مست لیکن لائبریرین صاحب جیسے حضرات کی روش پر رونا آتا ہے کہ انھیں بھی شیطان نے اپنا آلۂ کار بنا لیا ہے اور ان سے وہ امت مسلمہ میں تفرقہ پھیلانے کی خدمت لے رہا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ علمائے دیوبند نے کب

کس موقعہ پر اور کس علاقہ میں تفہیم القرآن کو متفقہ اتفاقی طور پر تفسیر بالرائے قرار دیا ہے۔ ہمیں تو یہ بے پر کی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر بالفرض مان بھی لو کہ علمائے دیوبند نے تفہیم القرآن کے بارے میں تفسیر بالرائے کا فتویٰ داغا ہے تو بھی تفہیم القرآن تفسیر بالرائے نہیں ہو جاتی۔ اس لئے کہ دیوبند علماء کو منجانب اللہ ایسی کوئی سند حاصل نہیں ہو گئی ہے کہ ان کا فرمان خدا اور رسول کے فرمان کے برابر ہو۔ وہ جسے گمراہ کہدیں وہ گمراہ اور جسے مسلمان سمجھ لیں وہ مسلمان۔ جسے حق کہدیں وہ حق اور جسے باطل قرار دے دیں وہ باطل۔ تفہیم القرآن کوئی آسمانی صحیفہ نہیں ہے کہ اس میں جو کچھ بھی موجود ہے وہ حق ہی حق ہے۔ اس میں غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ اور ان سے کھلے عام اختلاف کرنے کی گنجائش ہے لیکن بغیر دلیل کے یہ فرما دینا کہ یہ تفسیر تفسیر بالرائے ہے خبط اور دیوانگی کا ثبوت دینا ہے۔ لائبریرین صاحب اپنے من پسند علماء سے کم از کم ایک بار یہ تو دریافت کر لیں تفسیر بالرائے کہتے کسے ہیں پھر انھیں اندازہ ہو گا کہ جن نام نہاد مولویوں نے تفہیم القرآن کے بارے میں تفسیر بالرائے کا غل مچا رکھا ہے۔ ان بے چاروں کو یہ تک معلوم نہیں کہ تفسیر بالرائے کا اطلاق کس تفسیر پر ہوتا ہے۔ اور تفسیر و توضیح کے قواعد و شرائط کیا ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی زمانہ میں دیوبندی عالم بڑے روشن فکر، بیدار مغز، خدا ترس اور معاملہ فہم ہوا کرتے تھے۔ مگر اب ایسا نہیں ہے۔ گردش زمانہ نے انھیں اس مقام پر لا کر کھڑا کیا دیا ہے جس مقام پر اعلیٰ حضرت بریلوی کی فوج کھڑی ہوئی ہے۔ ان نام نہاد دیوبندیوں میں سے کتنے ہی ایسے ہیں کہ ان کا خانۂ دماغ تاریکیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور ان کے دلوں سے خوف خدا

اس طرح گم ہو گیا ہے کہ بذریعہ خوردبین بھی اس متاعِ گم گشتہ کا سراغ نہیں لگایا جا سکتا۔

کمالِ جہالت کی انتہا ہے کہ بعض مولوی نما حضرات دو ٹکے کے انسان نہ ہوتے ہوئے بھی تفہیم القرآن جیسی مرصع اور مدلل تفسیر کو تفسیر بالرائے کہنے کی حماقتیں کر رہے ہیں۔

رہے مولانا زکریا صاحب تو وہی کونسے معیار حق ہیں یا اتنے بڑے عالم ہیں کہ وہ جو کچھ بھی زبان سے نکال دیں امتِ مسلمہ کے لئے اس پر ایمان لانا ضروری ہو۔ ہمیں معلوم ہے کہ انہوں نے اپنے ایک مقدس صحیفہ" میں تفہیم القرآن پر تفسیر بالرائے کی پھبتی کسی ہے اور بانی جماعت کو نشانہ بناتے ہوئے جذبۂ اکرامِ مسلم یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ ان کے اعتراضات کا جواب ہم عنقریب تفصیل سے دینے والے ہیں۔ سر دست تو یہ نوٹ کیجئے کہ حلقۂ علماء میں مولانا زکریا کا احترام بحیثیت عالم اور محقق کے نہیں ہوتا۔ بحیثیت بزرگ کے ہوتا ہے لہٰذا ان کے تمام فرمودات کو تبرک سمجھ کر اگر سینہ سے لگا لیا جائے تو بات اور ہے ورنہ ان سب کو حقائق سمجھ کر دل میں پناہ دینے کی غلطی تو کوئی نہیں کر سکتا۔ فضائل کے دفتر کے دفتر مرتب کر دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مولانا زکریا صاحب حقائق و مسائل کے میدان میں بغیر ٹھوکر کھائے دوڑ لگا لیں گے۔

یہ چند باتیں گوش گذار کرنے کے بعد ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ تفسیر بالرائے کا اطلاق کسی تفسیر پر ہوتا ہے۔

(۱) اسلاف کی تفسیروں اور عربی زبان و ادب کے معروف تقاضوں سے پہلو تہی کر کے آیات قرآنیہ کی ایسی تفسیر بیان کرنا کہ جس کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے کوئی سند اور دلیل موجود نہ ہو۔

بقیہ صفحہ ۶۷ پر

چوتھی قسط

اشفاق حسین

ارشد القادری کی فتنہ انگیز شریعت کا جائزہ

وسیلہ کی بحث

مولانا ارشد القادری نے اپنی کتاب "شریعت" میں بعنوان "وسیلہ کی بحث" مولانا حقانی کی بعض متضاد باتوں پر گرفت کی ہے جس قسم کے وسیلہ کو انھوں نے غیر شرعی قرار دیا ہے اس سے اختلاف کرتے ہوئے ارشد صاحب نے اپنے دلائل پیش کئے ہیں۔

اس سلسلہ میں ہمارا خیال ہے کہ مولانا پالن حقانی صاحب نے اس مسئلہ میں مداہنت اور نرمی سے کام لیا ہے اور وسیلہ کی تردید میں انھوں نے جو کچھ لکھا وہی برحق اور درست ہے اور یہ بات صحیح نہیں کہ اگر ایسا کیا گیا تو حرج نہیں ہے" وسیلہ کی یہ تائید و حمایت اصولی طور پر بھی غلط ہے اور ان کی دوسری تحریروں اور تقریروں سے ٹکراتی بھی ہے ہم نے حقانی صاحب کی نمائش میدان حیدرآباد میں وسیلہ کے موضوع پر کی گئی، تاریخی تقریر سنی ہے جو کہ انھوں نے تقریباً ڈھائی تین لاکھ کے کثیر اور عظیم اجتماع میں فرمائی تھی، اس تقریر میں انھوں نے وسیلہ کی نفی اور تردید میں قوی تر اور ناقابل تردید قرآنی دلائل پیش فرمائے تھے، لیکن شریعت یا جہالت، میں ان کا موقف کمزور ہے اور بحث بھی نہایت مختصر فرمائی ہے، ہمیں امید ہے کہ وہ کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں بغیر کسی مداہنت کے وسیلہ پر تفصیلی روشنی ڈالیں گے اور اسلام کے حقیقی اور خالص موقف کی کسی

کچھ کریڈیٹ کے بغیر وضاحت فرمائیں گے مترجم نے یہاں مولانا پالن حقانی صاحب سے اختلاف کیا ہے، لیکن یہ اختلاف ارشد صاحب کریں میں نہیں بلکہ اس کی حیثیت ان سے حرف اختلاف اور دوری سے ہے، مولانا اسلام صاحب لکھتے ہیں۔

"کسی مزار پر جاکر..... یا فلاں زندہ بزرگ کے اعمال صالحہ کی برکت سے میرا یہ کام پورا کردے تو جائز ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین، پریشان حال مسلمانوں کا واسطہ دے کر خدا سے دشمنوں پر فتح کی دعا مانگی تھی۔

(شریعت یا جہالت صفحہ ۳)

مولانا پالن حقانی صاحب کی یہ بات کہ مزار پر اپنے لئے دعا مانگی جاسکتی ہے نہیں ہوسکتی۔ ہوسکتا ہے کہ بعض فقہاء اور علماء نے اس کی اجازت دی ہو۔ لیکن ہر بات کا صحیح اور حرف آخر ہونا ضروری نہیں، یہ طرز فکر و عمل احتیاط کے خلاف اور خصوصاً جب کہ شرک اور قبر پرستی کا دور دورہ ہے۔ موجب فتنہ و فساد ہے، اگرچہ قبر کے پاس دعا اللہ ہی سے مانگی جائے لیکن ماحول، صورت حال، موقع اور وقت انتہائی نازک ہوتا ہے اور شیطان کو اس وقت دراندازی کا ایک اچھا موقع ہاتھ آجاتا ہے۔ اس وقت انسان کے دل و دماغ میں مشرکانہ اور وسوسے پیدا کرکے توحید خالص سے دور کرنا شیطان اور اس کی ذریت کے لئے آسان ہوجاتا ہے۔ خدا کی طرف سے کسی قبر میں جو رحمت، فضل اور انعام الٰہی کا نزول ہوتا ہے اس کا تعلق صرف صاحب قبر ہی کی ذات تک محدود ہوگا زندہ، غیر متعلق اور غیر مستحق افراد سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوسکتا اور پھر فیضان الٰہی کا نزول قبر پر ہی طے شدہ اور متفقہ امر نہیں بلکہ اس میں اختلاف ہے کہ عالم برزخ قبر ہی ہے یا کوئی اور مقام پر اور کسی کی قبر کے بارے میں سوائے انبیاء اور عشرہ مبشرہ وغیرہ کو چھوڑ کر قطعیت سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہاں خدا کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہورہا ہے۔

یقیناً رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور پریشان حال مسلمانوں کا واسطہ دے کر خدا سے کفار پر فتح کی دعا مانگی تھی۔ لیکن اس واقعہ کا تعلق دعاؤں میں مروجہ وسیلہ سے نہیں ہوسکتا، حضور نے ایسی دعا نہیں مانگی کہ یا اللہ ان مسلمانوں کے وسیلہ، طفیل یا حرمت و حق سے فتح و نصرت عطا فرما۔ جیسا کہ ان دنوں مروج ہے!

ایک مشہور حدیث ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ وہ شخص جو جنگ کی صفوں میں ہے اسے بھی اتنا ہی حصہ ملے گا، جتنا کمزوروں اور لاچاروں کو ملتا ہے، حضور نے ارشاد فرمایا کہ اے سعدؓ! تمہیں جو کچھ فتح اور رزق ملتا ہے وہ تمہارے کمزوروں کی وجہ سے ملتی ہے.... انکی دعا، تقویٰ، نماز اور اخلاص کی وجہ سے،،

(بحوالہ اصحاب صفہ۔ ابن تیمیہؒ)

غالباً لاو طار اردو ترجمہ دُرمختار جلد اوّل، باب استسقاء میں ہے۔

اور توبہ کریں اور مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت کریں اور ضعیفوں اور بوڑھوں اور

اور لڑکوں کے ذریعہ سے بارش کی دعا کریں ان لوگوں کے ذریعہ کرنے کے یہ معنیٰ ہے کہ ان کو آگے کر دیں تاکہ وہ دعا مانگیں۔ اور جوان آمین کہیں ...» (ص ۲۹۴)

مسلم کی حدیث ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ میں یہ دعا مانگی تھی کہ اے اللہ۔ اگر مسلمانوں کی اس قلیل تعداد کا جنگ میں خاتمہ ہو جائے تو روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔

پس ہمیں فتح و نصرت عطا فرما ۔"——

شاید مولانا حقانی نے ان ہی واقعات کیطرف اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان کا کوئی تعلق دعاؤں میں مروجہ وسیلہ سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نے قبولیت دعا اور کامیابی کے لئے ایک اہم بات کا ذکر فرمایا ہے کہ اگر شکست ہو گئی، یوں ہوگا اور فتح ہو گی تو ایسا ہوگا۔ پس میری دعا قبول کر ...... اور فتح نصیب فرما۔ !

بنی اسرائیل کے تین افراد اور غار کی دعا سے بھی دعاؤں میں دوسروں کے اعمال صالحہ اور برکت کے وسیلہ کی تائید میں ... استدلال نہیں کیا جا سکتا —— جب کہ بنی اسرائیل کے افراد دعا میں اپنے ہی نیک اور اخلاص پر مبنی اعمال کا ذکر کرتے ہیں۔ کسی دوسرے کے نہیں۔ اور پھر حضورؐ نے یہ واقعہ وسیلہ کی ترغیب کیلئے نہیں بلکہ اخلاص اور عمل کی تلقین کے لئے ذکر فرمایا تھا، اگر اسی طرح کوئی شخص اپنی نیکیوں اور اعمال صالحہ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا و فریاد کرے تو اس کی کوئی مخالفت نہیں کر سکتا۔

امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ سے کسی کا وسیلہ لینا جائز نہیں ... کو اس کے نام و صفات سے پکارو، بلکہ ... درست نہیں کہ الٰہی بحق فلاں نبی یا ... فرشتہ میری حاجت روائی کر ... اور ...

فقہ حنفی کی ایک اور معروف ... کتاب "ہدایہ" میں ہے۔

یہ مکروہ ہے کہ آدمی اپنی دعا ... فلاں بحق انبیاء و رسل کیے کیونکہ ... کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے۔"

لفظ واسطہ اور وسیلہ کے مفہوم ... محل استعمال کے لحاظ سے فرق ہے۔ اس ... میں حقانی صاحب اور ارشد صاحب نے غلطی کی ہے فرض کیجئے میں کسی ... سے سوال کرتا ہوں کہ فلاں شخص بیمار ... مجھے اس کی خدمت اور علاج وغیرہ ... سلسلے میں اتنے روپیوں کی ضرورت ... گویا میں نے ایک بیمار کے واسطے سے ... کی بیماری اور تکلیف کا احساس د... پیسہ طلب کیا ہے جو کہ ایک فطری ا... واجبی امر ہے۔ اس کے برخلاف اگر ... ایسا کہوں کہ فلاں شخص آپ کا محبوب ... مقرب ہے اس کے طفیل۔ صدقہ یا ... سے مجھے بھی عنایت کیجئے، تو یہ بات ... صورت سے قطعی مختلف ہو گی۔ اور ان ... کو دعاؤں میں وسیلہ کی بحث کے ... میں گڈمڈ اور خلط ملط کر دیا جاتا ہے ... ان میں جو فرق ہے اسے ملحوظ ... بغیر غلط استدلال کیا جاتا ہے،

آداب و قبولیت دعا کا مسنون ... اور محمود طریقہ یہ ہے کہ دعا سے پہلے

...حمد و ثنا کی جائے اس کی صفات اور
...ن کا واسطہ دیا جائے اور پھر نبی صلی
...علیہ وسلم پر درود بھیجا جائے اور
...ر دعا مانگی جائے اور آخیر میں بھی
...درود بھیجا جائے یہی دعا کا اسلامی اور
...سے خالی اور رحمت پر مبنی طریقہ
...ہے۔

...انی و ناسمجھی کی باتیں

مولانا پالن حقانی صاحب

...بات کتنی معقول اور صحیح ہے:
"دعا کے وقت کسی قسم کا واسطہ وسیلہ
...شریعت میں حکم نہیں ہے اور نہ
اس کی ضرورت ہے کیوں کہ وہ ہر
... سنتا ہے۔"

(شریعت یا جہالت صفحہ ۳۱)

...اس مبنی برصحت بیان پر مولانا ارشد
...دری تنقید کرتے ہیں کہ جب حدیث
...بت ہو گیا کہ نیک بندوں کا واسطہ
...کر دعا مانگنا سنت ہے تو اس سے
...نہیں کیا جا سکتا۔"

(ملاحظہ ہو "شریعت" صفحہ ۶۷)

...ہم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ واسطہ اور
...وسیلہ کے مفہوم میں فرق پایا جاتا ہے
...ں حدیث سے حقانی صاحب نے
...دلال کیا ہے وہ محل نظر ہے اور شریعت
...نیک بندوں کے اعمال اور جاہ و حرمت
...وسیلے سے دعا مانگنے کی کوئی دلیل
...نہیں پائی جاتی۔ اس لئے اس
...استدلال کو وسیلہ کی تائید و جواز
...پیش کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس کا
...ین ثبوت ایک یہ بھی ہے کہ ان احادیث

اور اس کے فکری و عملی تقاضوں سے صحابہ کرام ہم سے زیادہ علم و احساس رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے وفات شدہ نیک بندوں کے وسیلہ اور جاہ حرمت سے دعا نہیں مانگی!

ارشد صاحب مذکورہ بیان کے اس فقرہ پر کہ:

" نہ خدا کو "وسیلہ" کی ضرورت ہے۔"

عامیانہ اور جاہلانہ طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ فقرہ بڑے غضب کا ہے، آج بالکل پہلی بار اس نکتے سے ہم روشناس ہوئے کہ معاذ اللہ! خدا کو بھی "ضرورت" پیش آتی ہے!

وسیلے کی چوں کہ اسے ضرورت نہیں ہے، اس لئے یہ کام عبث اور فضول ہے اور نماز روزہ کی اسے ضرورت ہے اس لئے وہ ضروری ہے"

(شریعت، صفحہ ۶۸)

علمی دھاندلی اور فریب دہی کی حد ہو گئی۔! حقانی صاحب نے یہ کہاں لکھا ہے کہ خدا کو بھی کسی چیز کی ضرورت پیش آتی ہے؟ — وہ تو اس کے برعکس یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ خدا کو کسی کے واسطے، وسیلے اور سفارش کی کوئی ضرورت نہیں خدا سمیع و بصیر اور قریب حاضر و ناظر ہے، قدیر اور قادر مطلق ہے اور رحمن و رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام ایسی صفات اور قدرتوں کا حامل اور مالک ہے کہ دعاؤں کو سننے اپنے بندوں پر رحم کرنے اور ان کی حاجتوں کو پوری کرنے کے لئے اسے کسی کی سفارش واسطے اور وسیلے کی ضرورت نہیں۔ تف ہے

اہل بدعت پر جو اللہ رب العلمین کو جو کہ لامحدود صفات اور قدرتوں کا مالک ہے ایک معقولیت پسند عہدہ دار سے بھی کم تر سمجھتے ہیں۔ جو کسی کی سعی و سفارش سے نہیں بلکہ اپنے علم، رحم اور معقولیت کی بنیاد پر حاجتیں پوری کر دیتا ہے! افسوس کہ ان لوگوں نے خدا کی قدر جیسی کرنی.. چاہیئے تھی۔ نہیں کی (حالانکہ) اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا زبردست (قوت والا) اور غالب ہے"

(الحج ۷۴)

جس طرح قبر پرستوں کا یہ عقیدۂ باطلہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء کی سفارش اور وسیلہ کے بغیر اللہ تعالےٰ دعا قبول نہیں فرماتا — ایسا ہی عقیدہ مشرکین کا بھی تھا کہ وہ اپنے معبودوں یعنی انبیاء اور مرحوم بزرگوں کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ "یہ اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں"

(یونس ۱۸)

اس عقیدہ کی اللہ تعالےٰ اس طرح تردید فرما رہا ہے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی مددگار ہے اور نہ سفارشی"

(انعام ۵)

مولانا حقانی صاحب کے زیر گفتگو بیان کے آخری فقرہ پر ارشد صاحب یوں... چوٹ کرتے ہیں۔

وسیلہ کی چوں کہ اسے (یعنی اللہ کو) ضرورت نہیں ہے اس لئے یہ کام عبث اور فضول ہے اور نماز، روزہ کی اسے ضرورت ہے، اس لئے وہ ضروری ہے"

(شریعت ۶۸)

اس حقیقت کی وضاحت کر دی ہے کہ جس طرح محدود علم یا قدرت والے نامعقول اور بے رحم بادشاہ رعایا کی حاجت روائی اور فریاد کیلئے واسطہ۔ وسیلہ، اور سعی و سفارش کی ضرورت ناگزیر ہوتی ہے اسی طرح خدا تعالےٰ کو کسی کے واسطہ، وسیلہ اور سفارش کی ضرورت نہیں۔ بلکہ وہ ہماری دعا و فریاد اپنے علم، قدرت اور رحم صفات کی بناپر قبول کرتا ہے! مروجہ وسیلہ کا یہ وہ تصور ہے جو خدا کی صفات، العلیم، القدیر، الرحیم کی نفی اور تردید کرتا، اور بادشاہوں اور افسروں کی طرح محدود علم، کمزور قدرت اور برے اخلاق کی غمازی کرتا ہے۔!

یہ کس نے کہا ہے، کہ نماز، روزہ کی اللہ کو ضرورت ہے؟ اس لئے وہ ضروری ہے؟ اللہ تعالےٰ کو ہماری نماز اور روزہ کی بھی قطعاً ضرورت نہیں، بلکہ ان عبادات کی ہماری اصلاح، ہدایت اور نجات کیلئے ہم ہی کو ضرورت ہے،! اگر شریعت میں ماتم کی اجازت ہوتی تو ہم قارئین کرام کو ارشد القادری کی اس شرمناک جہالت اور جسارت پر ماتم کا مشورہ دیتے۔ اگر ہو سکے تو قارئین کرام ارشد صاحب کے اس جملہ کو خون کے آنسوؤں سے پڑھنے کی کوشش کریں یا پڑھنے کے بعد کم از کم جگر تھام لیں کہ — وہ علم و حکمت کے ہیرے موتی اس طرح بکھیرتے ہیں: "جب کہ بندوں کا حال بھی اس سے مخفی نہیں۔ وہ ہر وقت دیکھتا ہے اور جانتا ہے۔ جوہ

گا وہ خود کرے گا، کسی کے کہنے، سُننے
آخر ضرورت کیا ہے؟
(شریعت صہ ۶۸)
اگر یہ کسی سڑک چھاپ دوا فروش
بول ہوتا تو ہم بچوں کو تالیاں بجانے
مشورہ دیتے، لیکن چوں کہ ایک علامہ
ہر کا قیمتی قول ہے اس لئے یہ جواب
یے بغیر نہیں رہ سکتے کہ خدا کی جن صفات
ر قدرتوں کا ارشد صاحب نے ذکر کیا
وہ ماشاء اللہ۔ جزاک اللہ صحیح و درست
ں۔ یہ اور بات ہے کہ انھوں نے ان
نوں کو طنزاً کہا ہے، پھر بھی اللہ تعالےٰ
، دعا فریاد اور آہ وزاری کرنا
ننا اور اس کے آگے ہاتھ پھیلانا۔ خدا کا
ایت پسندیدہ عمل اور عبادت ہے۔
عا مانگنے کے بعد مراد اور مدعا کا پورا
نا صرف ورى نہیں کہ اس سے صبر و ثبات
ر شکر کی صفات پیدا ہوتی ہیں، قلب
تزکیہ اور تقویٰ حاصل ہوتا اور گناہ
ف کئے جاتے ہیں، اور بالآخر ثوابِ
آخرت اور نجاتِ جنت نصیب ہوتی ہے
عا صرف اللہ تعالےٰ کو سُنانے اور مدعا
ہر کرنے کے لئے ہی نہیں ہوتی بلکہ اس
ے ان مذکورہ فائدوں، برکتوں اور
اجر و ثواب کے لئے بھی مانگی جاتی ہے دُعا
بدل دُنیا میں نہیں تو آخرت میں تو ضرور
نصیب ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا۔ بندے کی دعا کبھی رد نہیں
جاتی، بعینہٖ قبول کی جاتی ہے یا اس کے
ابر کوئی دوسری چیز عطا کی جاتی ہے
دُعا قبول نہ کر کے اس کا معاوضہ آخرت
میں عطا کیا جاتا ہے۔!

قرآن سے شرمناک جہالت

مولانا ارشد القادری کی ایک اور جاہلانہ اور عامیانہ گرفت
اور اسلام کے ایک اہم ترین مسئلہ اور موضوع
سے متعلق ان کے علم و فہم کی حقیقت ملاحظہ
ہو کہ وہ لکھتے ہیں:-
" ایک طرف تو آپ نے اپنی اس
کتاب میں بتوں کے حق میں نازل ہونے
والی تمام آیتوں کو انبیاء و اولیاء کے
مزارات پر منطبق کیا ہے "
(شریعت، صہ ۶۹)
بریلوی، بدعتی اور قبوری علماء کا یہی
وہ بنیادی جہل اور علمی نقص ہے جس کی
بدولت وہ بزرگ پرستی، قبر پرستی
اور شرکِ جلی میں مبتلا ہو گئے۔ ان کا خیال
ہے کہ شرک بت پرستی کا نام ہے اور
مشرکین مکہ اور یہود و نصاریٰ سورج
چاند اور بتوں وغیرہ جیسی بے جان
اشیاء کی پوجا کرتے اور انھیں بالذات
نافع و ضار اور متصرف کائنات سمجھتے تھے
لیکن چونکہ ہم بتوں کو نہیں بلکہ خدا کے
محبوب و مقرب بندوں، انبیاء اولیاء
شہداء اور مرحوم صالحین کو ـــ بالذات
نہیں، بلکہ بالعرض خدا کی دین و عطا سے
سمیع الدعا اور حاجت روا سمجھتے ہیں،..
اس لئے اس عقیدہ پر شرک کا اطلاق نہیں
ہو سکتا۔!
گمراہ علماء و مشائخ کا یہ سرمایہ باطل
اور غیر قرآنی عقیدہ قبور کو شریعت کے بنیادی پتھر کی حیثیت دے رکھا لیکن یہ

اور بودا ہے کہ قرآن کی صرف ایک ہی دلیل سے ٹوٹ جاتا ہے اور قبوری شریعت کی ساری عمارت جو کمزور بنیاد پر قائم ہے زمین بوس ہو جاتی ہے!

مولانا ارشد القادری ہی کی طرح حضرت مولانا پالن حقانی کی مخالفت میں حیدرآباد کے ایک مشہور عالم سابق امیر جامعہ نظامیہ اور موجودہ صدر دائرۃ المعارف عثمانیہ یونیورسٹی، مولانا سید عبدالوہاب بخاری نے بھی ایسا ہی بیان دیا تھا کہ "اسلام نے ظاہری شرک و بت پرستی کو مٹا دیا آج کوئی مسلمان ایسا نظر نہیں آئیگا۔ جو پتھر یا کسی دوسری معدنیات سے بنائے ہوئے بتوں کے اطراف چکر لگاتا ہو، یا ان کے سامنے سر جھکاتا ہو"

(رہنمائے دکن، ۷ مئی ۱۹۷۵ء)

اس بیان کا جائزہ ہم نے "الحق" کی ایک خصوصی اشاعت میں پیش کیا تھا۔ لیکن چوں کہ شرک جیسے اہم ترین مسئلہ کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے مشرکین کے معبودوں کی حقیقت کا جاننا انتہائی ضروری ہے۔ اس لئے ہم اس مسئلہ اور موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس کی یہاں قدرے تفصیل سے وضاحت کرتے ہیں:۔

مشرکین کے بتوں اور معبودوں کی حقیقت

یہ ایک اٹل اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب اول یعنی مشرکین مکہ اور یہود و نصاریٰ، لکڑی، پتھر اور دھاتوں کے بے جان بتوں اور مرئی و غیب مرئی اور غیبی طاقتوں کو ہی نہیں بلکہ انبیاء، اولیاء، شہداء اور مرحوم بزرگوں کو بھی سمیع الدعا، غیب دان اور حاجت روا سمجھتے تھے۔ وہ جن بتوں کے سامنے مراسم عبودیت ادا کرتے اور جن سے دعا و فریاد کرتے تھے وہ درحقیقت انبیاء اور اولیاء کی شبیہ اور مظاہر تھے اس لئے وہ بت پرست نہیں بلکہ درحقیقت انبیاء اور اولیاء پرست تھے، اور آج جو مشرکین پائے جاتے ہیں، وہ بھی بتوں اور مورتیوں کی نہیں۔ بلکہ اپنی قوم کے اکابر اور بزرگوں کی پرستش کرتے ہیں، آخر، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت موسیٰؑ، اور حضرت عیسیٰؑ، حضرت بی بی مریم، حضرت عزیرؑ، کرشن جی، رام چندر جی اور شنکر جی وغیرہم انسان ہی تو تھے، جن کی تصاویر اور بت بنائے گئے ایسی صورت میں اہل کتاب اور اہل ہنود کو محض بت پرست کہنا ظاہر ہے کہ ایک شرمناک جہالت اور خطرناک گمراہی ہے اسی طرح جو مسلمان بزرگوں کی قبروں، چھلوں اور علموں کے آگے مراسم عبودیت جیسے سجدہ و طواف، دعا و فریاد نذر و نیاز اور قربانیاں ادا کرتے ہیں وہ اینٹ اور پتھر اور دھاتوں سے بنی اشیاء کو نہیں بلکہ اس بزرگ کو کرتے ہیں۔ جو قبر میں مدفون ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"تم لوگ خدا کو چھوڑ کر جنھیں (مد

لئے) پکارتے ہو ، وہ تو تمہاری ہی طرح ، (کے انسان اور بے اختیار) بندے ”

(اعراف - ۱۹۴)

اسی طرح سورہ کہف میں ہے :

” کیا منکرین حق یہ خیال کرتے ہیں کہ سوائے میرے بندوں کو بھی کارساز ہیں“ (رکوع ۱۱)

سورۃ الفرقان میں ہے ۔

” اور (لوگوں نے) اس کے سوا اور ... بنا لئے ہیں ، جو کوئی بھی چیز پیدا نہ کر سکتے ، اور خود پیدا کئے گئے ہیں ... نہ اپنے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار رکھتے ہیں ۔ اور نہ مرنا ۔ ان کے اختیار میں ہے اور نہ جینا اور نہ موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنا ان کے اختیار میں ہے“ (... ۳)

سورہ نحل میں ارشاد الٰہی ہے :

” اور جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ... وہ کسی چیز کے خالق نہیں ، بلکہ وہ مخلوق ہیں ۔ مردہ ہیں نہ کہ زندہ ... ان کو نہیں معلوم نہیں کہ انھیں کب دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا“

(ع ۳)

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ کیا ان ... ں سے بتوں اور بت پرستی کی نفی تردید ہوتی ہے یا خدا کے نیک اور ... یدہ بندوں ۔ انبیاء ، شہداء اور اولیا ۔ ظاہر ہے کہ سورج ، چاند ، دھاتوں پتھروں کے بتوں اور مورتیوں میں ... ان سے بچنے اور نفع حاصل کرنے کا جذبہ نہیں پایا جاتا اور نہ ان بے جان اشیاء پر پیدائش ، موت ، اور دوبارہ جی اٹھنے کے الفاظ کا اطلاق ہو سکتا ہے بلکہ ان آیتوں سے اس حقیقت کی وضاحت ہوتی ہے ، کہ مشرکین اپنے انبیاء اور بزرگوں کو ان کی وفات کے بعد انہیں سمیع الدعا ، غیب داں اور نافع و ضار سمجھتے تھے ، اور اللہ تعالیٰ ان باتوں کی یہاں نفی اور ابطال کر رہا ہے ۔

سورہ بنی اسرائیل میں ہے ۔

جن کو یہ لوگ (مشرکین اور منکرین حق مدد کے لئے) پکارتے ہیں ۔ وہ تو خود اپنے رب کے حضور قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کرتے رہتے ہیں ۔ کہ ان میں سے زیادہ کون اللہ سے قریب ہو جاتا ہے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں ،

(آیت - ۵۷)

کیا بتوں اور مورتیوں پر اس آیت کا اطلاق ممکن ہے ؟ ظاہر ہے کہ پتھروں اور دھاتوں سے بنے ہوئے بتوں کے بارے میں عبادت ، خوف خدا اور عذاب آخرت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی فرشتے اس آیت کے مصداق ہیں کہ وہ معلوم ہوتے ہیں ان میں شر اور گناہ کا مادہ نہیں پایا جاتا ۔ اور وہ ہمیشہ اللہ کی عبادت اور اطاعت ہی میں ... مشغول رہتے ہیں ۔ اس لئے ان کے عذاب سے ڈرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا !

اسی طرح سورہ توبہ میں ہے ۔

” انھوں نے اپنے علماء و مشائخ اور

مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا، حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، وہ پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ خدا کا شریک ٹھیراتے ہیں۔"

(آیت ۳۱)

کیا علماء و مشائخ اور مسیح ابن مریم پر بتوں کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ اسی طرح سورہ آل عمران میں ہے:

"اللہ کے بندے ہرگز تم کو یہ تعلیم نہیں دے سکتے، کہ تم ملائکہ اور انبیاء کو رب قرار دو، کیا کوئی اللہ کا (وہ نیک اور موحد) بندہ تم کو حکم دے گا کہ تم مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو جاؤ۔"

(آل عمران ع ۸)

ان آیتوں میں اس حقیقت کی وضاحت ہو رہی ہے کہ مشرکین اپنے انبیاء، اولیاء، علماء اور خدا کے دیگر نیک بندوں سے دعاء فریاد کرتے تھے اور ان کی قبروں پر سجدہ طواف کے ذریعہ ان کی عبادت کرتے تھے، قرآن مجید میں ہر وہ مرئی وغیر مرئی، زندہ، مُردہ، جان دار وبے جان چیز جس کو مشرکین اپنا معبود اور مستعان سمجھتے تھے، ان کے لئے (من دون اللہ) اور "غیر اللہ" جیسے جامع وسیع المعنی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن میں تمام قسم کے باطل، جھوٹے اور خود ساختہ معبود آ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب یہ کہتا ہے کہ میرے سوا کوئی سمیع لدعا، عالم الغیب اور نافع و ضار نہیں

کائنات میں ایسی کوئی چیز اور ہے ہی نہیں۔ جو عبادت اور استعانت کے لائق ہو، تو ان عمومی باتوں کی زد میں تمام قسم کے الٰہ و معبود آ جاتے ہیں۔ جن میں سورج، چاند، ستارے، جن، فرشتے اور انبیاء، اولیاء، شہداء، اور صالحین اور ان کی قبریں، تعزیئے، جھنڈے، تصویریں اور بت — سب ہی داخل اور شامل ہو جاتے ہیں۔ اور یہ تخصیص نہیں کی جا سکتی کہ یہ آیت فلاں معبود کی نفی کرتی ہے اور فلاں آیت سے فلاں بت کی تردید ہوتی ہے۔!

سورہ نوح آیت ۲۳ میں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر، اور سورہ نجم ع ۱ میں لات اور عُزّیٰ جیسے مشہور بتوں کا ذکر آیا ہے اس سلسلے کی احادیث اور مفسرین سلف کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین کے یہ بُت اور معبودان باطل درحقیقت انبیاء و مرحوم صالحین تھے، چنانچہ سورہ نوح کی مذکورہ آیت کی تفسیر اس حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے اور ہمارے موقف اور عقیدہ و تصور کی تائید و تصدیق حدیث سے بھی ہو جاتی ہے،

یہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بزرگوں کے نام تھے، جب وہ لوگ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوم کو یہ بات سمجھائی کہ جہاں یہ لوگ بیٹھے تھے، وہاں کچھ نشان کھڑے کر لو اور ان کے نام ان بزرگوں کے نام پر رکھ لو، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اور اس وقت ان کی عبادت نہیں ہوئی مگر جب یہ لوگ مر

اور علم جاتا رہا، تو ان کی عبادت ہونے لگی،

(بخاری)

کیا ہمارے صوفیا و مشائخ کی نظر سے بخاری کی حدیث نہ گزری ہوگی، یا وہ تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں کہ قبر پرستی کی نفع اندوز کاروبار ماند نہ پڑنے پائے عوام بھی جہالت اور غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ شرک تو بت پرستی کا نام ہے۔ قرآن میں صرف بتوں کی پوجا سے منع کیا ہے! سورہ نجم آیت ۲۰ کی تفسیر میں امام ابن جریرؒ لکھتے ہیں۔"

"حضرت ابن عباسؓ، حضرت مجاہدؒ حضرت ابو صالح فرماتے ہیں کہ لات ایک بزرگ تھے جو حاجیوں کو ستو گھول کر دیا کرتے تھے، جب ان کا انتقال ہوا تو انہوں نے ان کی قبر پر لوگوں نے اعتکاف کیا اور اس کی پرستش کی،"

(تفسیر ابن جریر)

امام فخر الدین رازیؒ سورہ یونس عہ ۱۸ "ھٰؤلاء شفعاؤنا عند اللہ" "یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"جب بت پرستوں نے اصنام کو اپنے انبیاء و اکابر کی صورتوں پر بنایا تھا اور خیال کرتے تھے کہ جب وہ ان کی عبادت میں مشغول ہونگے تو یہ اکابر اللہ کے پاس ہماری سفارش کریں گے، اسکی نظیر اکثر لوگوں کی اپنے بزرگوں کی قبروں سے مشغولیت ہے اس اعتقاد سے کہ اگر ہم ان قبروں کی تعظیم کریں گے۔ تو اللہ کے نزدیک ہمارے شفیع ہوں گے،

(تفسیر کبیر)

یہ امام ابن جریرؒ اور امام فخر الدین رازیؒ ظاہر ہے کہ نہ تبلیغی تھے نہ دیوبندی اور نہ وہابی بلکہ یہ حضرات اس دور کے ہیں۔ جبکہ ابن تیمیہؒ اور محمد بن عبد الوہابؒ کے جد اعلیٰ بھی ابھی اس دنیا میں تشریف نہ لائے تھے ان سلف صالحین کا یہ عقیدہ و نظریہ ہے کہ مشرکین کے بت در حقیقت انبیاء اور اولیاء ہی تھے، ان کے معبودان باطل در اصل خدا کے نیک اور مقرب بندے تھے، انھیں حاجت روا اور شفیع قرار دینا گویا شرک اور بت پرستی میں مبتلا ہونا ہے،!

علامہ عینیؒ شرح بخاری جلد ۹، تفسیر مظہری جلد ۹ اور علامہ سید محمود آلوسی بغدادیؒ اپنی تفسیر "روح المعانی" میں یہ روایت نقل فرماتے ہیں کہ:

"اور جب یہ پیر ستو شاہ فوت ہو گئے تو عمرو بن لحیی نے کہا کہ یہ ولی پتھر میں سما گئے ہیں، مرے نہیں لوگوں نے پتھر کی عبادت شروع کر دی، اور اس پر ایک مکان بنا دیا"

(تفسیر روح المعانی)

چنانچہ آج بھی بہت سارے مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے، کہ اولیاء اللہ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں! ان سے مدد مانگنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ سے دعا و فریاد کرنا! مذکورہ تصریحات سے اس حقیقت

کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ مشرکین ... پتھروں اور دھاتوں کے بنے ہوئے صرف بتوں ہی کی پوجا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان انبیاء اور اولیاء کی دُعا و فریاد، سجدہ و طواف اور نذر و نیاز وغیرہ کے ذریعہ عبادت کرتے تھے جن کے یہ بُت تھے!

بُتوں کی نہیں، نبیوں اور ولیوں کی بے اختیاری

اب اس سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ ہوں:-

"حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب جان کنی کا عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری ہوا تو آپؐ نے چہرے پر چادر کھینچ لی۔ جب سانس گھٹتا چادر ہٹا دیتے، اسی عالم میں فرمایا:- یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔" یہ کہہ کر آپ اُمت کو اس طرح کی حرکتوں سے ڈرا رہے تھے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف بھی کھلی رکھی جاتی لیکن اسی خوف سے کہ اسے عبادت گاہ بنا لیا جائے، بند رکھا گیا"

(بخاری و مسلم)

ایک اور حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔

"اے اللہ میری قبر کو بُت نہ بنا دینا جسے پوجا جائے، اللہ کا سخت غضب آئے، اس قوم پر جو اپنے نبیوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیں۔" (معطاء مالکؒ)

خبردار ہو! تم سے پہلے لوگوں نے اپنے انبیاء و صالحین کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا تھا۔ خبردار! تم ہرگز قبروں کو عبادت گاہ نہ بنانا۔ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں"

(مسلم)

اس سلسلے کی ایک اور اہم اور حدیث ہے کہ حضرت اُمّ حبیبہؓ اور اُمّ [illegible] نے حبش کے دو ایسے گرجاؤں کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کیا جس میں انھوں نے تصاویر دیکھی [illegible] اس پر حضورؐ نے فرمایا:-

"ان لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب ان میں کوئی مرد صالح مر جاتا تو اس کی قبر کو سجدہ گاہ بنا لیتے ہیں۔ اور اس کی تصویریں نقش کر لیتے ہیں، یہی قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔"

(بخاری، مسلم)

اب ہم بریلوی، غالی اور قبوری دوستوں، صوفیا اور مشائخ اور ان کے نمائندے خصوصی علامہ "ارشد القادری" سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ ان احادیث میں بتوں اور مورتیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ انبیاء اور صالحین اور ان کی قبروں کا جنھیں مشرکین اور اہل کتاب نے اپنا معبود و مستعان اور خدائی میں شریک و دخیل قرار دے لیا تھا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی ہے۔

"تم بھی آخر کار اپنے سے پہلے کی

اور طریق اختیار کرلو گے"

(بخاری و مسلم)

اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:-

"سچ فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے، ہم نے اپنی آنکھوں سے ضعیف الایمان مسلمان دیکھے ہیں۔ جنہوں نے صالحین کو ارباب من دون اللہ بنا لیا ہے اور یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اولیاء قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے"

(التفہیمات الالٰہیہ جلد دوم)

اس سلسلے میں حضرت شاہ صاحب مزید وضاحت کرتے ہیں۔

"جو لوگ حاجتیں طلب کرنے کے لئے اجمیر یا سالار مسعود کی قبر یا ایسے ہی دوسرے مقامات پر جاتے ہیں۔ وہ اتنا بڑا گناہ کرتے ہیں کہ قتل اور زنا کا گناہ اس سے کمتر ہے آخر اس میں اور خود ساختہ معبودوں کی پرستش میں کیا فرق رہ گیا ہے؟ جو لوگ لات اور عزیٰ سے حاجتیں طلب کرتے تھے۔ ان کا فعل ان لوگوں کے فعل سے آخر کس طرح مختلف تھا"

(التفہیمات الالٰہیہ۔ جلد دوم)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ان مذکورہ تصریحات سے اس حقیقت کا پتہ ملتا ہے۔ کہ مشرکین مکہ اور یہود و نصاریٰ بت پرست نہیں بلکہ اولیاء و انبیاء پرست تھے اور اسی پرستش کو شرک جلی کا آج کے بہت سے علماء

وعوام شکار ہیں!

اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور صاف و صریح حدیث شریف ہے:-

"قیامت نہ آئے گی۔ یہاں تک کہ لات عزیٰ کی پوجا ہو"

(بخاری)

مولانا **ابوالکلام** آزاد اس حدیث کی تفہیم اپنی مشہور کتاب "تذکرہ" میں یوں فرماتے ہیں۔

"وہ شخص بیوقوف ہی ہوگا جو اس حدیث کا یہ مطلب لے کہ لات و منات جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں توڑ پھوڑ دیا تھا، وہ ٹکڑے پھر سے جمع ہو کر سالم بت کی شکل اختیار کریں گے اور قیامت کے قریب ان ہی بتوں کی پرستش ہوگی۔!

بلکہ اس حدیث کا اطلاق موجودہ بزرگ پرست اور قبر پرست مشرکانہ معاشرہ پر ہوتا ہے!

اللہ تعالیٰ سورہ انبیاء رکوع ۷ میں ارشاد فرماتا ہے۔ کہ مشرکین اللہ کے سوا جن جن کی عبادت کرتے ہیں وہ سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے"

جب یہ آیت نازل ہوئی تو ایک مشرک نے حضور سے طنزاً سوال کیا تھا۔ کہ ہم فرشتوں کو پوجتے ہیں یہود حضرت عزیز علیہ السلام کو اور نصرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو۔ تو کیا یہ سب بھی جہنم میں جلیں گے، ؟ حضور نے اس کے جواب میں فرمایا کہ جس نے اپنی عبادت کرائی۔ وہ

بدوں کے ساتھ جہنم میں جائے گا اور
نکہ یہ بزرگ اپنی عبادت نہیں کراتے
تھے، اور لوگ انھیں شیطان کی ترغیب
پوجتے تھے. اس لئے وہ جہنم میں نہیں
ئیں گے.

(تفسیر ابن کثیر)

مشہور تاریخی واقعہ اور حدیث ہے کہ
فتح مکہ کے بعد جب صحابہ کرام خانہ کعبہ کے
در گئے تو انھوں نے دیکھا کہ وہاں
حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت
عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت بی بی مریم
وغیرہم کا بت اور تصاویر ہیں، اور رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک
بیت اللہ میں داخل نہ ہوئے، جب تک
صحابہ کرام نے تمام بتوں اور تصویروں
کا خاتمہ نہ فرما دیا!

اس سلسلے میں مزید دلائل و شواہد
پیش کرنا اور صفحات سیاہ کرنا گویا ان
م علماء کا منہ کالا کرنا اور ان کے چہرے
مزید سیاہی ملنا ہے جو یہ جاہلانہ بکواس
تے ہیں کہ مشرکین بتوں کی عبادت
تے تھے، اور شرک دراصل بت پرستی
اور پتھروں کی پوجا کا نام ہے!

یہ ہے ان کا علم و فہم جس کے بل بوتے
توحید خالص کے علمبرداروں کو خارج
اسلام قرار دیا جاتا ہے، !

ایک اہم اور بنیادی مسئلہ

توحید اور شرک کی حقیقت

سمجھنے کے لئے اس بات سے واقف ہونا انتہائی
ضروری ہے کہ مشرکین کے شرکاء اور باطل
معبود کون تھے؟ لیکن ارشد صاحب اس
حقیقت سے شرمناک حد تک جاہل ہیں
کے سبب توحید اور شرک کا علم نہیں
رکھتے. جب وہ اسلام کے بنیادی اور اہم
ترین عقیدہ اور مسئلہ سے بے خبر ہیں تو ان
کا علماءِ دیوبند، تبلیغی جماعت اور جماعت
اسلامی پر کیچڑ اچھالنا اور ان جماعتوں میں
کیڑے نکالنا۔ ایسا ہی ہے جیسا کہ چاند پر
تھوکنا اور شیشے کے گھر میں بیٹھ کر قصر شاہی
پر سنگ باری کرنا! ارشد صاحب اور دیگر
بریلوی اور قبوری علماء کی یہ پوزیشن اور
طرز عمل ایسا ہی ہے جیسے کوئی تار عنکبوت
کی آڑ میں شیر کو نشانہ بنائے۔!

ارشد صاحب کا ایک حکم نادری

وسیلہ کی بحث کے
اختتام پر تانے شاہی
حکم صادر فرماتے ہیں

"اب ان کے اندر (یعنی حقانی صاحب
کے) ذرا بھی غیرت ہو گی تو مسلمانوں کے
سامنے وسیلے کے خلاف لب کشائی نہیں
کریں گے"

(شریعت ص ۶۹)

وسیلہ سے متعلق ہم نے امام اعظم ابوحنیفہؒ
کا فتویٰ گذشتہ صفحات میں
درمختار اور ہدایہ کے حوالہ سے پیش
کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ امام رازیؒ تفسیر
کبیر میں اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی مشہور
کتاب "غنیۃ الطالبین" میں اللہ تعالیٰ سے
صرف اس کی ذات و صفات کے ذریعہ دعا
مانگنے کی ہدایت کرتے، اور کسی مخلوق
کے وسیلے سے دعا مانگنے سے منع کرتے

ں، انشاء اللہ ہم اس کی تفصیلات اپنے مستقل مضمون "الوسیلہ کے اسلامی اور غیر اسلامی تصورات" میں پیش کریں گے، ایسی صورت میں ہم علامہ ارشد القادری سے یہ معلوم کرنا چاہیں گے کہ امام اعظمؒ اور ... خلافت کا یہ فتوے جو فقہ حنفی کی قدیم معروف مستند کتابوں میں درج ہونے کے باوجود وہ حقانی صاحب کو وسیلے کے خلاف لب کشائی سے کیوں منع فرماتے ہیں؟ انھیں... چاہیئے تھا کہ پہلے کسی علمی دلیل سے اس فتوے کا رد کرتے اور پھر حقانی صاحب کو للکارتے! کیا ارشد صاحب، مولانا حقانی صاحب کی اندھی و جاہلانہ مخالفت اور ہٹ دھرمی میں اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ وہ جلیل القدر ائمۂ حنفی فقہ کی قدیم و مستند کتابوں اور امام رازیؒ و شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے!

مسئلہ علم غیب

کتاب کے آخر میں علم غیب کے مسئلہ پر بحث کی گئی ہے اور اس کا آغاز ہی ایک شرمناک دھاندلی سے کیا گیا ہے! یہ حقیقت دن کے سورج کی طرح عیاں ہے کہ نہ صرف علمائے دیوبند اور حقانی صاحب بلکہ دنیا بھر کے تمام جلیل القدر علمائے سلف و خلف، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا رد کل اور ہمہ دانی کی نفی اور تردید کرتے ہیں۔ اور حقانی صاحب نے بھی کتاب میں پانچ ابواب کے تحت ترسٹھ صفحات پر اہل بدعت کے اس غیر قرآنی اور صریح مشرکانہ عقیدہ کا ابطال کیا ہے۔ لیکن دن کو رات اور رات کو دن ثابت کرنے کے ماہر علامہ ارشد القادری نے مولانا حقانی کی ایک تحریر سے وہ مفہوم نکالا ہے جس سے وہ چیخ چیخ کر اپنی بیزاری اور مخالفت کا اظہار اور اس حقیقت کا اعلان کر رہے ہیں کہ اگرچہ اللہ ہی عالم الغیب ہے لیکن پھر بھی وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی امت کے بعض اولیاء کرام کو بھی ماضی، حال اور مستقبل کی تمام نہیں بلکہ بعض اور چند باتوں سے آگاہ کر دیتا ہے، لیکن مولانا ارشد القادری اس کے برعکس بات حقانی صاحب کے سر زبردستی تھوپتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بتائیے! اب یہاں کونسی بات باقی رہ گئی، جس پر بحث کی جائے، رسول اللہ کے لئے سارا علم غیب تو انھوں نے مان ہی لیا"

(شریعت ص۷)

اس اعلان کے بعد وہ خود یعنی علامہ ارشد القادری ہی لکھتے ہیں۔

"...... تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ علم غیب رسولؐ ــــ کے انکار میں انھوں نے کس طرح کے دجل و فریب سے کام لئے ہیں"

(شریعت ص۱۷)

جب حقانی صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام غیب کا عالم تسلیم کرتے ہیں تو پھر ارشد صاحب کا مذکورہ بیان کیا معنیٰ رکھتا ہے۔ کیا ان کے بیانوں میں تضاد و ٹکراؤ نہیں کہ ایک مقام پر وہ یہ لکھتے ہیں کہ حقانی صاحب رسول اللہ

ے لئے سارا علم غیب تسلیم کرتے ہیں کہ
رو ہی ارشد صاحب لکھتے ہیں. کہ حقانی
حب علم غیب رسولؐ کا انکار کرتے ہیں؟
حقیقت تو یہ ہے کہ مولانا حقانی صاحب
، زیر گفتگو بیان میں ان کے مدعا کی تعبیراتی
ان سے اڑ دو میں یا تو قدرے غیر واضح
جمانی کی گئی یا کتابت کی غلطی سے ایک
ہ لفظ چھوٹ گیا، جس سے ان کا مافی
ضمیر واضح نہ ہو سکا، لیکن ان کی تمام تحریریں
ر اس سلسلہ کی وضاحتیں اور دلیلیں ان
حقیقی موقف اور عقیدہ کی واضح طور
شاہد ہیں، اگر ارشد صاحب کی جگہ
ئی اور ہوتا تو وہ یہاں فراغ دلی کا
ہرہ کرتے ہوئے کہتا کہ اگرچیکہ حقانی
حب کا یہ عقیدہ نہیں۔ اس تحریر سے
ں کا مدعا کسی وجہ سے غیر واضح ہے اور
ن کا معروف اور حقیقی عقیدہ تو یہ ہے!
نے قدیم زمانے کے بہادروں اور تیغ
ں کے بارے میں سنا تھا، کہ اگر ان کے
سن کے ہاتھ میں تلوار نہ ہو تو پہلے خود
سے ہتھیار بند کرتے اور پھر اس پر حملہ
ر ہوتے تھے، اور اگر مقابلہ کے دوران
، مد مقابل کی تلوار کہیں پھنس جائے،
وہ ہاتھ روک لیتے تھے، اور تلوار کھینچ
لنے میں مدد دیتے، اور پھر اس پر
کرتے تھے! لیکن ارشد صاحب کی کمظرفی
. علمی کمزوری ملاحظہ ہو، کہ وہ ترجمہ کے
ر اور کتابت کی غلطی سے بھی بھرپور یہ
رہ اٹھا کر حقانی صاحب پر اوچھا حملہ کرتے
ادراکی جانب غلط باتوں اور تضاد بیانیوں
منسوب کر کے شور و غوغا مچاتے ہیں یہ

بھی کوئی علمیت قابلیت اور ہمت کی با
ہے؟

قبولیتِ حق کی رُکاوٹیں

علم غیب کے مسئلہ پر

عالم اسلام کے جلیل القدر علمائے سلف
و خلف، مقربین، محدثین اور فقہائے نے
کثیر اور قوی علمی، عقلی اور تاریخی دلائل
و شواہد پیش کیا ہے کہ ہر وہ شخص جو خوف
خدا اور فکر آخرت کے ساتھ تھوڑی بھی
سمجھ رکھتا ہے ان حقائق کو قبول کئے بغیر
نہیں رہ سکتا۔ اس موضوع پر تقویۃ الایمان
میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے خوب
دلائل پیش فرمائے تھے، دور کیوں جائیے
علامہ طیب قاسمی، مولانا منظور نعمانی،
مولانا غلام اللہ خان صاحب مولانا محمد
سرفراز خاں اور مولانا عامر عثمانیؒ وغیرہم
کی کتابیں، مضامین اور جوابات دو دو
دو چار کی طرح اس مسئلہ کی وضاحت
کرتے ہیں. اور خود ارشد القادری کی کتاب
"زلزلہ" کا جواب میں بریلوی فتنے کا
نیا روپ اور "زلزلہ در زلزلہ" میں بھی مسئلہ
علم غیب پر قیمتی اور بصیرت افروز گفتگو
کی گئی اور وزنی دلائل پیش کئے گئے ہیں
اللہ تعالےٰ فاضلین دیوبند پر دنیا و آخرت
میں فضل فرمائے کہ انھوں نے مسئلہ علم غیب
کے بارے میں جو تحقیق کی اور وزنی اور
قیمتی مواد فراہم کیا ہے، کسی اور فرد و
جماعت اور جامعہ نے نہیں کیا. ہمارا خیال
ہے یہ سب کتابیں اور مضامین مولانا ارشد
القادری اور دیگر علمائے بدعت اور حاملین
قبوری شریعت نے ضرور ملاحظہ فرمائے

جھے۔ لیکن جس طرح مدعی نبوت مرزا غلام مد قادیانی کو اپنی جھوٹی نبوت اور نزول یٰ کے ڈھونگ اور جھوٹ کی حقیقت کا پورا احساس تھا اور وہ ان تمام آیات و احادیث کی صداقت کا علم و احساس رکھتے تھے، جو عقیدہ ختم نبوت سے متعلق فی ہیں، لیکن اس کے باوجود سب کچھ جانتے و سمجھتے ہوئے بھی مرتے دم تک وہ مدعی ت ہی رہے! قارئین غور کریں کہ ئد اس کی وجہ کیا ہے؟ درحقیقت دنیاوی ادات اہل حق سے بغض و عناد، تعصب ہٹ دھرمی اور جھوٹے وقار کا مسئلہ لیت حق میں سدّ راہ بنا ہوا تھا۔ آپ نتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چچا ابو طالب کو آپ سے کتنی شدید محبت ، وہ عمر بھر حضورؐ کے پشت پناہ اور خواہ بنے رہے لیکن بستر مرگ پر جب ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں شہادت پڑھنے کی تلقین کی تو وہ محض لیت حق سے اس لئے باز رہے کہ قوم سمجھے گی کہ ابو طالب نے مرتے وقت اپنے ئی دین کو خیرباد کہدیا؟ —— چنانچہ ندانی عصبیت اور قوم میں بدنامی کا خوف البیت حق میں مانع رہا، اسی طرح ہمارا خیال لانا مولانا ارشد القادری اور دیگر بریلوی اور ی علماء علم غیب سے متعلق حقیقت نفس ی سے بخوبی واقف ہیں۔ لیکن جو اسباب محرکات ابو جہل، ابو طالب، اور مرزا غلام قادیانی کی راہ حق میں مزاحم تھے وہی قبوری علماء کی گمراہی اور حق سے دوری ہیں، ورنہ بات تو دو اور دو چار کی بالکل واضح، صاف اور آسان ہے، جسطرح دوپہر کے سورج کا انکار قابل تعجب ہے۔ اسی طرح اس حقیقت کی تکذیب بھی ہمیں ایک عجوبہ سے کم نظر نہیں آتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا مکمل اور مفصل اور ہمہ گیر علم حاصل تھا۔ علمائے بدعت کی حالت یہ ہے کہ وہ اہل حق کے صحیح اور معقول دلائل کا نامعقول رد کرنے کے لئے قرآن پڑھتے ہیں تاکہ متعلقہ آیات کو توڑ مروڑ کر پیش کریں۔ یہاں قرآن مجید کی ہمیں وہ آیات بے ساختہ یاد آجاتی ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ منکرین حق کے بارے میں فرماتا ہے، کہ یہ اندھے، بہرے، گونگے اور جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی، اور سختی اور سیاہی مسلط ہو چکی ہے۔ اب وہ ہدایت نہیں پا سکتے!

جہالت و شقاوت کی انتہا

مولانا ارشد القادری لکھتے ہیں۔

"انھیں (یعنی حقانی صاحب کو) اچھی طرح معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو علم غیب ہم مانتے ہیں، وہ عطائی ہے، یعنی خدا کی عطا سے ہے لیکن انھوں نے ان تمام آیتوں کو جن میں مخلوق کے لئے علم غیب ذاتی کی نفی ہے، علم غیب عطائی کے انکار میں پیش کیا ہے، اس طرح انھوں نے اصل حقیقت کو چھپا کر آنکھوں میں دھول جھونکنے کی مذموم کوشش کی ہے۔"

(شریعت، ص ۱۱)

(بقیہ مضمون ص ۵۳ پر ملاحظہ فرمائیں)

ایک انٹرویو — مجیب الرحمٰن شامی

سید ابوالاعلیٰ مودودی سے

گزشتہ دنوں پاکستان میں، دنیائے اسلام کے عظیم مفکر جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے اسلام اور پاکستان کے موضوع پر ایک انٹرویو لیا گیا تھا۔ یہ انٹرویو "قومی ڈائجسٹ" (پاکستان نے) اگست ۱۹۷۸ء کے شمارے میں شائع کیا تھا۔ چونکہ مولانا نے اسلام اور پاکستان کے تعلق سے بڑی موثر اور پر مغز گفتگو کی ہے اس وجہ سے مفید یہ سمجھا گیا کہ قارئین تجلی تک بھی یہ انٹرویو پہنچ جائے (ادارہ تجلی)

عصر کی نماز ختم ہوئی، تو سید مودودی اپنے کمرے میں جانے کے لئے اٹھے، لیکن نقاہت اس قدر تھی کہ لڑکھڑا سے گئے، چلنا دوبھر سا ہو گیا، جماعت کے ایک قومی ہیکل کارکن ساتھ ہی بیٹھے تھے، فوراً اٹھے اور سہارا دینے کی کوشش کی، سید مودودی اس پر رکے اور مخصوص ٹھہرے ہوئے لہجے میں ان سے کہا۔

"آپ تشریف رکھئے، جب تک چل سکتا ہوں، اپنے ہی پاؤں پر چلوں گا، کسی کا سہارا نہیں لوں گا۔"

اس دن مدیر "جسارت" برادرم محمد صلاح الدین کے ہمراہ میں ۵۔اے ذیلدار پارک میں مولانا سے ملنے گیا تھا، انتہائی مختصر ملاقات کا شرف ہی مل سکا۔ مولانا اس دن بہت مضمحل تھے۔ بیماری کی شدت ان پر غلبہ پانے کی سر توڑ کوشش کر رہی تھی، لیکن ان کا بے پناہ عزم اس شدت کا سر توڑ رہا تھا ——— میں نے برادرم صلاح الدین کی طرف دیکھا اور وہ میری طرف دیکھنے لگے۔ سید کا یہ فقرہ ان کی پوری زندگی کی تصویر تھا ——— "کسی انسان کا سہارا نہیں لوں گا۔"

سید مودودی کے فکر و نظر کے بعض زاویوں سے شدید اختلاف بھی ممکن ہے، ان کی سیاسی زندگی کے کئی فیصلوں پر بھرپور تنقید بھی ہو سکتی ہے، لیکن اس بات سے اختلاف ممکن نہیں کہ وہ صرف ایک شخص نہیں، ایک شخصیت ہیں اور شخصیت ساز بھی۔ وہ ایک عہد ہیں اور عہد ساز بھی، وہ ایک تاریخ ہیں اور تاریخ ساز بھی

——— اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات قرار دے کر نافذ کرنے کی جنگ انھوں نے اس شان سے لڑی ہے کہ آج دنیا بھر میں اس کی گونج ہے، اس "عہدِ خبر" میں اسلام کی تعلیمات کو اس طرح پیش کیا اور اسلامی اقدار کی برتری اس انداز سے ثابت کی اور اشتراکیت اور سرمایہ داری پر اس درجہ عملی اعتراضات اٹھائے اور انہیں اسلام کے سامنے اس طرح تہی دست ثابت کیا کہ زمانے نے حیرت سے انگلیاں دانتوں تلے دبالیں ——— آج دنیا بھر میں "اسلامی انقلاب" کا نعرہ گونج رہا ہے اور لاکھوں، کروڑوں نوجوان، بوڑھے اور لڑکے اس انقلاب کا ہراول دستہ بنے سرگرم سفر ہیں، تو اس کے پس منظر میں سید مودودی کی آواز بلند، بہت بلند ہے۔

مجھے یہ سعادت اور فخر حاصل ہے کہ میں نے گزشتہ ۸، ۹ برس کے دوران سید مودودی کے ساتھ ہزاروں لمحے گزرے ہیں، ملاقاتوں کی تعداد میں گننے پر بھی نہیں گن سکتا۔ ان کے ہاں "رعب داب" نہیں، شفقت و محبت ہے اور اسی شفقت اور محبت نے مجھے بہت سے موضوعات پر بے تکلف گفتگو کا حوصلہ بھی بخشا ہے ——— لیکن اس تفصیل کا یہ محل نہیں اور نہ جناب سید کی زندگی کے واقعات بیان کرنا اور ان کی جدوجہد کی تفصیل میں جانا اس وقت مقصود ہے، ان کی زندگی کا کوئی مرحلہ راز تو نہیں ہے ۷۵ سالہ سید مودودی اب عملی سیاست میں سرگرم نہیں ہیں۔ جوڑوں کے درد نے انہیں گھیر تو لیا ہے لیکن تھکا نہیں سکا۔ وہ کتنی ہی تکلیف میں کیوں نہ ہوں، ان کے چہرے کی مسکراہٹ ختم نہیں ہوتی چہرہ بدستور کھلا رہتا ہے۔ اب جماعتِ اسلامی کی امارت کا بوجھ ان پر نہیں، لیکن ان کی رائے، پورے عالم اسلام پر اپنا ایک وزن رکھتی ہے۔ جب وہ کسی معاملے پر اظہارِ رائے کرتے ہیں، تو اسے کسی گروہ اور کسی جماعت کے حوالے سے نہیں، ان کی بے پناہ دانش، تجربے اور مشاہدے کے حوالہ سے سنا اور دیکھا جاتا ہے۔ وہ پاکستان کے بزرگ ترین سیاست دانوں میں سے ہیں اور علم و دانش کا بحرِ بیکراں ——— پاکستان کے آج کے حالات اور مسائل، خطرات اور مشکلات اور اسلامی قوتوں کی ذمہ داریوں کے موضوع پر میں نے ان سے گفتگو کا فیصلہ کیا اور حاضر ہو گیا۔ علالت کی وجہ سے وہ انٹرویو دینے پر آمادہ نہ تھے۔ لیکن میرے اصرار کے سامنے ان کے انکار نے وسعتِ ظرف کا مظاہرہ مناسب سمجھا۔ گھنٹہ بھر تک ان سے بات چیت ہوتی رہی، میں نے ان کی علالت کے پیشِ نظر طول، طویل، مباحث سے گریز کیا اور انہی باتوں پر توجہ مرکوز رکھی جن کا تعلق آج کے واقعات سے ہے۔

س: محترم مولانا! آج سے چالیس برس پہلے آپ نے جدید اسلامی ریاست کا جو تصور بڑی شدت کے ساتھ دنیا کے سامنے رکھا تھا۔ اس تصور میں رنگ بھرنے کے لئے آپ نے مسلسل جدوجہد کی اور اسلامی نظام کا نعرہ قریہ قریہ گونجنے لگا، ہزاروں لاکھوں مسلمان آپ کے ساتھ عملی طور پر شریک رہے ——— لیکن آج اگر ہم دیکھیں، تو ایک مکمل اسلامی ریاست ہنوز ایک خواب ہے۔ اس کی وجہ سے بے شمار ذہنوں میں فرسٹریشن پیدا ہوتی ہے آپ اس صورت حال کو کس زاویے سے دیکھتے ہیں اور کیا محسوس فرماتے ہیں؟

ج: دیکھئے ایک مکمل اسلامی ریاست کا قیام ابھی تک ایک خواب ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ عین ممکن ہے طویل جدوجہد نے بعض دلوں کو بجھا دیا ہو اور بعض ذہنوں کو فرسٹریٹ کر دیا ہو، لیکن یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ گزشتہ برسوں کے

دوران ہم اپنی منزل سے دور ہوئے ہیں۔ ایک وقت تھا کہ جدید پڑھے لکھے، مغربی تعلیم یافتہ افراد اسلامی نظام کا نام سنتے ہی مسکراتے اور طرح طرح کے طعن توڑتے تھے، کوئی اسے ملاؤں کی حکومت قرار دیتا تھا اور بار بار یہ بحث اٹھائی جاتی تھی کہ دین کو سیاست سے الگ تھلگ رہنا چاہیے اور کوئی اسلام کو ایک پرائیوٹ دین قرار دینے پر مصر تھا۔ اب صورت حال یہ ہے، دلائل سے ذہن مسخر کئے جا چکے ہیں۔ دانش مند طبقوں میں اسلامی نظام کے خدوخال بھی واضح ہیں۔ اور ان کے ذہنوں میں اس کے لئے تڑپ بھی پیدا ہو چکی ہے۔ باشعور کارکنوں کی وسعت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ درسگاہوں میں نوجوانوں کی بڑی تعداد کے دل جذبے سے معمور ہیں۔ آپ دیکھیں، تو زادہ راہ میں اس اضافے سے آنکھیں بند نہیں کی جا سکتیں۔ اسلامی نظام کا قیام کار آسان یقیناً نہیں ہے۔ جن افراد نے اس کو سہل سمجھا تھا، وہ تو دشواریوں کو دیکھ کر مایوس ہو سکتے ہیں، لیکن اس کام کی نوعیت اور وسعت کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے، تو پھر مایوسی کی کوئی وجہ نہیں اگر اس مقصد کے لئے ایک دو نسلیں جدوجہد کرتے ہوئے گزر جائیں، اور تیسری یا چوتھی نسل میں مکمل نتیجہ برآمد ہو، تو کوئی بعید از عقل بات نہیں ہے۔ جہاں جاہلیت کا پورا نظام اور اس کی ایک پوری عمارت انتہائی مضبوطی سے اپنی جگہ قائم ہو، وہاں اس کی بنیادیں کھودنا اور پھر نئی عمارت کی بنیاد ڈالنا، پلک جھپکتے ہیں تو ہو نہیں سکتا۔ اس کے لئے توان تھک محنت اور مسلسل کوشش کی ضرورت ہے

س: جناب! آپ نے مسلسل جدوجہد کی تلقین کرتے ہوئے کامرانیوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارا معاشرہ اخلاقی انحطاط کی زد میں ہے۔ اور عام لوگ اخلاقی قدروں سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ صورت اسلامی نظام کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ بنتی جائے گی۔ اس پہلو پر بھی غور فرمایا آپ نے؟

ج: یہ اعتراف کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہیئے کہ معاشرے پر اخلاقی اقدار کی گرفت مستحکم نہیں رہی، لیکن میں اسکو یوں کہوں گا کہ گزشتہ تیس برسوں سے اخلاقی اقدار کو سبوتاژ کرنے کی منظم کوشش کی جاتی ہے، حکومت کی سرپرستی میں یہ منصوبہ بڑے زور و شور سے بروئے کار لایا گیا۔ حکومتوں نے باقاعدہ منصوبے کے تحت ضمیر خریدے، انعام بانٹے، لائسنس اور پرمٹ برسائے، اور پھر ذرائع ابلاغ سے مسلسل فحاشی اور بے راہ روی کو فروغ دیا گیا، اس ملک کے عوام سے مایوس ہونے کے بجائے ان کی سخت جانی دیکھئے ان موسلا دھار فتنوں میں بھی ان کے ایمان کی چنگاریاں سلامت رہ گئیں۔ برصغیر میں جنگ آزادی بے پناہ ولولے سے لڑی گئی۔ مسلمانوں نے حصول پاکستان کے لئے وسائل اور توانیاں اس طرح کھپا دیں کہ تاریخ میں اس کی نظیر کم ہی ملے گی، لیکن ہوا کیا؟ تھوڑے ہی عرصہ بعد یہاں کرسیوں کی جنگ شروع ہو گئی۔ اور پاکستانی مسلمان انگریز کے بجائے اپنے نوکروں کے غلام ہو کر رہ گئے۔ ان کا کام یہ رہ گیا کہ ٹیکس ادا کر کے ان ملازموں کی بڑی بڑی تنخواہیں ادا کریں اور یہ نوکر حضرات سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں سے مل کر قوم کو مزید لوٹنے کا سامان کریں یہ عالی مقام نوکر صاحبان ایک منظم سیاسی جماعت بن گئے اور انہوں نے طے کر لیا کہ جس کا کھائیں گے، اسی کو غلام بنائیں گے انہی ملازموں کی کارفرمائیوں سازشوں اور منصوبہ بندیوں نے سیاسی سطح پر ایسی قیادتوں کو ابھارا جو عوام کا نام تو لیں، لیکن عوام سے ان کا کوئی سروکار نہ ہو، عوام کے نام پر عوام دشمنی کی انتہا کر دی جائے۔ گزشتہ سات برسوں میں تو ہم خصوصیت کے ساتھ یہی مظاہرہ بڑے زور و شور سے ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ پہلے پاکستان توڑا گیا اور پھر بچے کھچے ملک میں ہر قدر اور ہر مثبت تصور کو تاراج کیا گیا۔ خانہ جنگی کی ایسی فضا پیدا کی گئی کہ ہر شخص دوسرے کو کاٹ کھانے لگا، عوام کے شعور کو مفلوج کرنے، ان کے اخلاق کو تباہ کرنے، بداخلاقیوں کو باقاعدہ صنعت کی طرح فروغ دینے

...وں طبقے کی طرف سے بداخلاقی کی انتہائی پشت
...م قائم کرنے کے باوجود آپ نے دیکھا کہ پاکستان
...مرد اسلام کے نظام کو قائم کرنے کے لئے کس
...ھ کھڑے ہوئے ؟ کیا آپ نے وہ مائیں نہیں
...جنہوں نے اپنے بچوں کو قربان کرکے سجدۂ شکر
...کہ ان کی اولاد اللہ کی راہ میں کام آگئی ؟ کیا وہ
...نہیں دیکھے جو سینے ننگے کرکے گولی کھا...
...ہنستے مسکراتے گولیاں کھاتے رہے ؟ کیا
...نہیں دیکھے جو اپنے جوان شہیدوں پر آنسو
...نے سے انکاری تھے ؟ یہ سب مثالیں اسی
...ن ہیں، اسی ملک میں، ایک ہی سال پہلے خود دیکھی
...———— اسلام کے نام پر قوم پوری کی پوری جس
... کھڑی ہوئی تھی کیا اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ سب
... اور خامیوں کے باوجود "احساس زیاں" اندر ہے
... سینوں میں بے تاب ہیں ؟ کیا گزشتہ تحریک کو
...نوں سے دیکھ لینے والے اس سرزمین میں اسلام
...بل سے مایوس ہو سکتے ہیں ؟

...: مولانا ! آپ نے فرمایا ہے کہ گزشتہ تحریک،
...کے نام پر اٹھی تھی، لیکن جب کہ کہنے والے کہتے
...انتخابی دھاندلیوں کے خلاف تحریک تھی اور لوگوں
... ووٹ کا حق لینے کے لئے گریبانوں کے پرچم
... تھے ؟ اور یہ کہ قومی اتحاد بھٹو کے مظالم کے خلاف
... کا اعلان تھا اور یہی اس کا مقصد اور مقصود تھا ؟
... جو لوگ اس طرح کی بات کہتے ہیں، وہ پہلے بھی
... سے دانستہ آنکھیں بند کرکے ایسی ہی باتیں
...ہے ہیں۔ تحریک پاکستان کی بھی یہ تاویلیں کی جاتی
...کہ یہ اسلام کے انفاذ کے لئے خطۂ زمین کے حصول
...نہیں تھی، بلکہ ہندو سے نفرت کی پیداوار تھی یا اس
...ب معاشی تھے، حالانکہ اگر یہی بات ہوتی تو حصول
...ن کے لئے ہندوستان کے وہ مسلمان اس میں شریک
... کبھی پاکستان کے شہری بننے کی امید نہ کر سکتے تھے

اسی طرح گزشتہ سال کی تحریک کو محض بھٹو کی انتخابی دھاندلیوں پر ناراضی اور جمہوریت بحال کرنے کی خواہش کا نتیجہ قرار دینا قطعاً غلط ہے مسلمان جمہوریت کے لیے نہیں، بلکہ اسلام ہی کے لئے جان دے سکتا ہے اور جذبۂ شہادت ہی اسے سینہ تان کر گولی کھانے پر آمادہ کر سکتا ہے مسٹر بھٹو کے خلاف نفرت، دراصل اسلامی نظام کے لئے تڑپ تھی اور پاکستان قومی اتحاد اسی تڑپ کی علامت بن کر ابھرا تھا قومی اتحاد کا منشور اسلامی نظام کے مطالبے ہی کی وجہ سے عام مسلمانوں کے دلوں پر چھا گیا اس سے لوگوں کے سامنے یہ بات واضح ہوگئی کہ قومی اتحاد بھٹو کو اس لئے ہٹانا چاہتا ہے کہ اسے اسلامی نظام کا قیام مطلوب ہے۔ اصل مقابلہ مسٹر بھٹو کے طرز حکومت اور اسلامی نظام کے درمیان تھا لوگ قومی اتحاد کی آواز پر کارواں در کارواں لپکے تو یہ لپک اسلامی نظام کے لئے تھی اور جب بدترین انتخابی دھاندلی کا مظاہرہ کرکے قومی اتحاد کا راستہ روک دیا گیا، تو جذبات کے سمندر میں طوفان برپا ہوگیا۔ قومی اتحاد کے خلاف انتخابی دھاندلی کا مطلب تھا اسلامی نظام کے خلاف انتخابی دھاندلی، اسی بنا پر لوگ دیوانہ وار گولیاں کھانے نکل آئے یہ تحریک آزادانہ انتخاب کے حق میں اس لئے تھی کہ لوگ یہ آزادی اسلامی نظام برپا کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے اس طرح یہ تحریک دراصل نظام اسلام کے قیام کی تحریک تھی۔

س: مولانا، اس قدر عظیم الشان تحریک کے باوجود قومی اتحاد کے قائدین اپنے گروہی اختلافات سے آگے نہ بڑھ سکے۔ اوپر نہ اٹھ سکے کیا اس طرح یہ قربانیاں رائیگاں نہیں چلی گئیں ؟

ج: اس کا کسی کے پاس کیا علاج ؟ اگر کچھ لوگ اتحاد میں آئے ہی اسی لئے تھے مسٹر بھٹو کے جانے کے بعد انہیں اپنا تنہا پرچم بلند کرنا ہے تو انہیں کیسے روکا جا سکتا تھا ؟ اگر کچھ افراد نے گروہی مفادات کو مقدم کر لیا تو اس میں ان کا کیا قصور جو اتحاد کے اصل مقصد سے

آج بھی وابستہ ہیں۔ اور اسے نتیجہ خیز بنانا چاہتے ہیں؟

س: آپ کی ایک عمر جمہوریت کی جنگ لڑتے گزری ہے، اور آپ نے جمہوری راستے ہی کو اسلامی انقلاب کا راستہ قرار دیا ہے، اس پس منظر میں ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے فوجی انقلاب کے بارے میں آپ کا رویہ تائیدی کیوں ہے؟

ج: آپ کی بات درست ہے، جمہوری راستہ ہی کو میں اسلامی انقلاب کا راستہ قرار دیتا رہا ہوں، اور اب بھی اسی پر یقین رکھتا ہوں۔ لیکن ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کا فوجی اقدام جمہوریت کا راستہ بند کرنے نہیں آیا، اسے کھولنے آیا۔ سب کسے معلوم نہیں کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے پہلے کیا حالات پیدا کر دیئے گئے تھے۔ اور مسٹر بھٹو اپنے شخصی اقتدار کے لئے کتنے آگے نکل گئے تھے؟ پریس پر پابندیاں، ظالمانہ قوانین، بداخلاقی کا سیلاب، کرپشن کا طوفان، آئین کی بے حرمتی، اور پھر انتخابی دھاندلی کا باقاعدہ سرکاری منصوبہ، یہ سب کچھ جس حکومت نے کیا اور جس نے پوری کوشش کی کہ لوگوں کی آزادانہ رائے کو بروئے کار نہ آنے دے، وہ آخر کس معنی میں ایک جمہوری حکومت قرار دی جاسکتی ہے؟ جمہوریت تو نام ہی اس کا ہے کہ لوگ اپنی مرضی سے اپنے حکمراں چن سکیں اور اقتدار "گولی" کے بجائے "پرچی" کے ذریعے تبدیل ہو سکے۔ اگر پرچی کے ذریعہ تبدیلی اقتدار کا راستہ بند کر دیا جائے، تو درحقیقت یہ جمہوریت کا قتل ہے۔

بھٹو صاحب کے دور میں انتخابی دھاندلی کا ہمہ گیر اہتمام اور اسے روبہ عمل لانے کے لئے جبر و ظلم اور بددیانتی کا بے محابا استعمال اب محض ایک الزام نہیں، ثابت شدہ حقیقت ہے۔ حکومت پاکستان نے جو "قرطاس ابیض" شائع کیا ہے اس میں مسٹر بھٹو کی اور ان کے حواریوں کی تحریریں بول رہی ہیں۔ ان کی کارگزاریاں، ان کی سازشیں اور ان کی کارستانیاں سب عیاں ہو چکی ہیں۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ یہ کوئی جمہوریت تھی جس کا تختہ غیر جمہوری طریقے سے الٹا گیا؟

بھٹو صاحب نے نہ صرف انتخاب کو مذاق بنا کر آئین کو سبوتاژ کیا، بلکہ احتجاج کرنے والوں پر دہ وہ مظالم ڈھائے اور ملک کو خانہ جنگی میں ملوث کرنے کی وہ وہ سازشیں کیں کہ ان کے تصور ہی سے کپکپی آتی ہے۔ میں نے انتخابات سے پہلے ان صاحب کو سمجھانے کی کوشش کی، تحریک کے دوران میں بھی ان کو معقولیت کا راستہ دکھایا اور جب سخت ترین حالات میں انہوں نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو کارکنوں کے بپھرے ہوئے جذبات کے باوجود میں نے ان کو اپنے ہاں آنے سے نہ روکا، محض اس لئے کہ ممکن ہے اس شخص پر معقولیت کی کسی بات کا کوئی اثر ہو جائے۔ لیکن اسے اقتدار اتنا پیارا تھا کہ وہ اقتدار کے بغیر زندہ رہنے پر تیار ہی نہیں تھا اور اپنے اقتدار کے لئے ہر شخص کی زندگی چھین لینے میں بھی اسے کوئی ہچکچاہٹ نہ تھی۔ وہ جب قومی اتحاد کے قائدین سے مصالحت کی بات چیت کر رہا تھا، اس وقت اس نے اپنے جابرانہ اقدامات میں اصلاح کرنے اور اپنے آپ کو ایک بار پھر عوامی رائے کے سامنے پیش کرنے کے بجائے زیر زمین اسلحہ کی تقسیم اور اپنے کارکنوں کو مسلح کرنے کے منصوبے بنائے تاکہ پورے ملک میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکا دے۔ اگر اس کا اقتدار چند روز یا چند ہفتے رہ جاتا تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ حالات کا رخ کیا ہوتا، کہاں کہاں اور کس کس طرح آگ لگائی جاتی ——— ایسے عالم میں پاکستان کی مسلح افواج کو سامنے آنا پڑا۔ اور انہوں نے اسے اقتدار سے الگ کر کے حالات کو ایک مثبت رخ پر ڈالنے کی کوشش کی۔ افواج پاکستان کی اس کارروائی کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں، اول تو ہم نے خود اپنی آنکھوں سے سارے حالات دیکھے ہیں، ہم بیرون ملک رہنے والے کوئی بے خبر مبصر نہیں ہیں۔ دوسرے ملک کی بلند ترین عدالت سپریم کورٹ نے بھی دستاویزی شہادتوں کی بنیاد پر فوج کے اس اقدام کو قانون ضرورت کے مطابق حق بجانب قرار دے دیا ہے۔ سپریم کورٹ کے

کے بعد اب کسی اور فرد کو فیصلہ کرنے کا حق نہیں پہونچتا۔
یہ بات سامنے رہنی چاہیئے کہ ہمارے ملک میں جو انقلاب ۵ رجولائی ۱۹۷۷ء کو آیا، وہ پاکستان میں برپا ہونے والے "پہلے انقلابوں" اور دوسرے مسلمان اور ترقی پذیر ملکوں میں آنے والے فوجی انقلابوں سے بالکل مختلف ہے۔ پاکستان میں پہلے وہ فوجی انقلاب، افواج کے سالاروں کی ہوس اقتدار سے پیدا ہوئے تھے، جب کہ اس انقلاب کے سربراہ کو حالات نے مجبور کیا، کہ وہ آگے بڑھیں۔ دوسرے مسلمان اور ترقی پذیر ملکوں میں آنے والے انقلابوں سے یہ انقلابی کارروائیاں اس لئے مختلف ہیں:
(۱) ہمارے ملک میں کسی چھوٹے سے فوجی گروپ نے سازش کر کے اقتدار پر قبضہ نہیں کیا بلکہ سابق حکومت کے خلاف عوام کی عظیم الشان تحریک کے نتیجے میں فوج کو یہ اقدام کرنا پڑا۔ عوام نے اسلامی نظام کا مطالبہ شدت سے اٹھایا کہ ظالم اقتدار اس کے آگے نہ ٹھہر سکا۔ کسی دوسرے ملک میں یہ صورت رونما نہیں ہوئی۔ وہاں تو فوجی افسروں کی ایک چھوٹی سی اقلیت خفیہ سازش کے ذریعے اپنے طور پر یا کسی دوسرے ملک کی شہ پر اقتدار سنبھال لیتی ہے۔ اور پھر من مانے طور پر کارروائیوں کا آغاز کر دیتی ہے۔ نہ عوام کی رائے کا دخل انقلاب لانے میں ہوتا ہے، نہ انقلاب کے بعد کی کارروائیوں میں ان کی رائے کا احترام کرنے کا اہتمام ہوتا ہے۔
(۲) یہاں فوج کے سربراہ نے اقتدار سنبھالتے ہی قوم کی تمناؤں اور آرزوؤں سے ہم آہنگی کا اعلان کیا، اسلامی نظام قائم کرنے کا صاف صاف ارادہ ظاہر کیا، فوجی حکومت کو ایک ناگزیر برائی قرار دیتے ہوئے جمہوریت کی بحالی کو اپنی کوششوں کا مقصد قرار دیا، حالانکہ دوسرے ملک میں مسلمان عوام کی رائے کے بالکل برعکس نظام ٹھونسنے کی سازش ہوتی رہی ہے۔
(۳) بدعنوان حکمران کو فی الفور تہہ تیغ نہیں کیا گیا نہ اس کے خاندان کو گولی کا نشانہ بنایا گیا، بلکہ جو بھی کارروائی ہوئی، قانون کے ضابطوں کے تحت ہوئی۔
(۴) اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے سپرد کرنے کا اول روز ہی سے اعلان کیا گیا اور آج بھی سربراہ حکومت اپنے اس عہد پر قائم ہے۔

س: آپ نے بجا فرمایا، موجود مارشل لاء نے یقیناً اسلامی نظام قائم کرنے کا اعلان کیا تھا، لیکن ایک سال گزرنے کے باوجود کوئی عملی پیش رفت تو نظر نہیں آ رہی؟

ج: اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ بدظنی سے کام لیا جائے تو اس تاخیر کو بہت برے معنی پہنائے جا سکتے ہیں لیکن اگر بدظنی کے لئے معقول وجوہ موجود نہ ہوں، تو بے لاگ طریقے سے غور کر کے اس کے اسباب سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ اوّل تو سالہا سال کے بگڑے ہوئے نظام کو اکھاڑ پھینکنا اور اس کی جگہ نیا نظام قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے پھر حکومت کے نظام اور ملک کے اجتماعی نظام میں ایسے طاقت اور عناصر موجود ہیں جن کو یہ تبدیلی گوارہ نہیں ہے اور وہ ہمہ وقت مزاحمت کے لئے آمادہ ہیں، تاہم یہ غنیمت ہے کہ حکمران اور با اثر طبقوں میں ایسا عنصر بھی موجود ہے جو اس مزاحمت کے مقابلہ میں اس تبدیلی کا حامی ہے اور بہرحال یہ نیک فال ہے اگر اسلامی ذہن رکھنے والے تمام عناصر اس صورت حال کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے اس عنصر سے تعاون کریں، تو قدم آگے بڑھ سکتا ہے یہ بھی سامنے رہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل، اسلامی قوانین کی ترتیب و تدوین میں دن رات مصروف ہے۔ اس طرح گویا وہ علمی بنیاد فراہم ہو رہی ہے جس پر تعمیر کا آغاز ہوگا۔ اب کرنے کا کام یہ ہے کہ نظریاتی کونسل کی سفارشات کو، اس کی متعین کردہ ترجیحات کے مطابق، اور اگر کوئی مزید غور و خوض ضروری ہو، تو اس کے بعد، نافذ کرنے کی ابتدا کر دی جائے۔

س: جناب، جب آپ نے تعاون کی بات کی ہے تو مناسب نہ ہوگا اور اسلامی قوتیں حکومت کی ذمہ داریوں

یں شریک ہو کر عملی کارروائی اپنے ہاتھ سے انجام دیں؟

ج: اس کا انحصار تو اس بات پر ہے کہ ان قوتوں سے
وجودہ انتظامیہ کی پوری طرح مفاہمت ہو جائے جب
یسا نہ ہو، ان خطوط پر آگے نہیں بڑھا جا سکتا۔ میری
عا تو یہی ہے کہ یہ مفاہمت جلدی ہو جائے اور
ثر ثابت ہو۔ ویسے جہاں تک تعاون کا سوال ہے
حکومت میں شریک ہو کر بھی ممکن ہے اور اس سے باہر
کر بھی۔ اگر حکومت سازی میں شرکت نہیں ہوئی، تو اس کا
مطلب ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ حکومت اور اسلام کی
ی قوتوں میں کشاکش پیدا ہو جائے۔ اسلامی نظام کے لئے
ثر اقدامات کے حق میں باہر رہ کر بھی تعاون کیا جا سکتا ہے۔
تعاون اسلامی عناصر نے آج تک بھی کیا ہے، اور آئندہ
ی جاری رہ سکتا ہے۔ اس شرط کے ساتھ کہ جہاں کوئی
ئی نظر آئے گی یا اسلامی اقدار سے روگردانی ہوگی
ں تنقید بھی کی جائے گی۔

س: اپ جب جمہوری راستے پر گامزن رہنے کا عہد
ح بھی رکھتے ہیں۔ تو کیا مناسب نہیں ہوگا کہ فوراً نئے انتخابات
را دیئے جائیں؟

ج: جمہوریت انتخابات ہی کا نام تو نہیں ہے اگر ایسا
تا، تو سنہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بعد یہاں مثالی جمہوری
عاشرہ جنم لے چکا ہوتا۔ اصل ضرورت ایسے حالات
یدا کرنے کی ہے جن میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات
سکیں اور جمہوریت صحیح طور پر کام کر سکے۔ جن لوگوں نے
ہوریت کو اس سے پہلے قتل کیا ہے وہ ابھی دندناتے پھر
ہے ہیں۔ غارت گری سے لوٹی ہوئی دولت بھی ان کے
س موجود ہے اور ان میں سے اکثر اختیار کی کرسیوں پر
اجمان ہیں انتخاب سے پہلے ان کا محاسبہ مکمل طور پر
جانا چاہیئے تاکہ موجودہ مارشل لا ہمارے ملک کا آخری
رشل لا ہو اور آئندہ کبھی کسی کو یہ جرأت نہ ہو سکے کہ وہ حکومت
دگھر کی لونڈی بنا لے۔

س: مگر احتساب کے نام پر جو کارروائی ہو رہی ہے وہ تو
بلا کی سست ہے؟

ج: مجھے اس سست روی پر افسوس ہے میرا مد
ہے کہ اس کی رفتار کو تیز بھی کیا جائے اور موثر بھی بنا
سیاسی لوگوں کے ساتھ ساتھ انتظامیہ کے متعلقہ
پرزے بھی اس کے ساتھ ہدف ہوں۔ صرف انتخابات
حصہ لینے سے روکنا یا ملازمت سے الگ کر دینا کوئ
نہیں ہے۔ عبرتناک سزائیں دی جانی چاہئیں تاکہ آ
ان جرائم کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

س: کیا اس کے لئے آپ فوجی عدالتوں کا راستہ تج
کریں گے؟

ج: میں کوئی راستہ تجویز نہیں کروں گا، میرا مطا
تیز سے تیز تر، موثر سے موثر تر احتساب۔ اب یہ حکومت
چلانے والے دیکھیں کہ یہ مقصد کس طرح اور کس ذر
سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

س: جناب کیا آپ قومی اور صوبائی اسمبلیوں
انتخابات سے پہلے بلدیاتی انتخابات کے حق میں ہیں؟

ج: اس کے حق میں بھی دلائل دیئے جا سکتے ہیں ا
مخالفت میں بھی۔ میں اس بارے میں کوئی رائے ظاہر
کرنا چاہتا۔ مجھے تو صرف اس بات سے دلچسپی ہے
اسلامی نظام کی طرف تیزی سے قدم بڑھیں، اور آئندہ
لئے متوازن جمہوری معاشرہ قائم کرنے کے لئے زمین ا
کے ساتھ ہموار کی جائے۔

س: کیا آپ اس فیصلے سے مطمئن ہیں کہ آئندہ ع
انتخابات جداگانہ بنیادوں پر ہوں گے؟

ج: یہ نہایت صحیح اور اچھا فیصلہ ہے۔ ہمارا تو آغاز
ہی سے یہ مطالبہ رہا ہے کہ جداگانہ طریق انتخاب کو اختی
کیا جائے جب سنہ ۵۶ء کے دستور میں یہ مسئلہ معرض التوا
ڈال دیا گیا تھا۔ اس وقت میں نے مطالبہ کیا تھا کہ اس
مسئلے کا فیصلہ ابھی ہو جانا چاہیے۔ پھر جب مخلوط انتخاب
فیصلہ کیا جانے لگا۔ تو میں نے اس کی سخت مخالفت کی
اور خبردار کر دیا تھا کہ پہلا ہی مخلوط انتخاب پاکستان کا

فیصلہ کردے گا۔ اب یہ آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ کس طرح ایک ہی مخلوط انتخاب نے متحدہ پاکستان کو ختم کردیا، اور اب پاکستان کے نام پر صرف مغربی پاکستان ہمارے پاس رہ گیا ہے۔

س: آپ نے اہم مواقع پر ملک کو درپیش حقیقی خطروں کی واضح نشان دہی کی ہے، ابھی جیسا کہ مخلوط انتخاب کے نقصانات پر آپ نے کہا، پھر مجھے لاہور ہی کے ایک جلسے میں سنہ ۷۰ کی انتخابی مہم میں آپ کی تقریر یاد ہے، غالباً سنت نگر لاہور میں آپ نے انتباہ کیا تھا کہ اگر قومی جماعتیں انتخاب میں کامیاب نہ ہوئیں اور علاقائی جماعتوں کو اپنے اپنے علاقوں میں غالب اکثریت حاصل ہوگئی تو پھر فوج کے زور پر، ڈنڈے سے بھی، اس ملک کو ایک نہیں رکھا جا سکے گا۔ حالات نے آپ کی بات کو صحیح کر دکھایا۔ اس پس منظر میں میں اگر آپ سے گزارش کروں کہ کیا اس وقت بھی پاکستان کو کوئی حقیقی خطرہ درپیش ہے، تو آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟

ج: میں سمجھتا ہوں اس وقت بھی پاکستان کو بڑا خطرہ درپیش ہے، بہت بڑا خطرہ ــــــ اور وہ خطرہ یہ ہے کہ کہیں موجودہ فوجی حکومت ناکام نہ ہوجائے۔ اگر یہ ناکام ہوگئی۔ اور خدا نہ کرے کہ ایسا ہو ــــ تو کسی آئینی اور پرامن طریقے سے کوئی طاقت اس کی جگہ لینے کے لئے موجود نہ ہوگی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس صورت میں پیدا ہونے والے خلاء کو کون بھرے گا اور وہ کیا مقاصد اور عزائم لے کر آئے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس خلا میں باقی ماندہ ملک بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے۔

اسی لئے موجودہ مارشل لا انتظامیہ پر بھی لازم ہے کہ وہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھائے اور قوم کا وسیع تر تعاون حاصل کرے، اور سیاسی اور قومی عناصر پر بھی لازم ہے کہ موجودہ مارشل لا انتظامیہ کے اعلان کردہ مقاصد کی بنیاد پر اس سے مثبت تعاون کریں۔ اور اسے ناکامی کی راہ پر جانے سے محفوظ رکھیں۔

پیپلز پارٹی مسائل کا جو انبار چھوڑ گئی ہے اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ سابقہ انتظامیہ جس کو بھٹو صاحب کی حکومت انتہائی بددیانت اور بدکردار بنا کر چھوڑ گئی ہے اس کی پیدا کردہ مشکلات اور خرابیوں کا ابھی تک ازالہ نہیں ہوسکا ہے۔ فوجی حکومت کی "مجبوری" اور قابل تعریف "مجبوری" یہ ہے کہ وہ عوام کو دھوکا اور فریب دینے کے لئے ذرائع ابلاغ کو مسٹر بھٹو کی طرح استعمال نہیں کرسکتی، اس لئے جو بھی ملک میں خرابیاں رونما ہوتی ہیں، وہ عوام کے سامنے بے نقاب ہوکر آجاتی ہیں اور اس سے عوام میں بے چینی و بے اطمینانی بڑھ رہی ہے اس پر مزید یہ کہ پیپلز پارٹی کے کارکن جو حالات کو خراب کر کے ناجائز فائدے اٹھا رہے تھے وہ پہلے عوام کو فریب دے کر مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے اور اب وہی سرگوشیوں کی ایک مہم چلا کر اپنی ہی بدعنوانیوں کے نتائج پر عوام کو بے چین کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ ایسے حالات ہیں جن میں عوامی بے چینی کسی وقت بھی موجودہ حکومت کو ناکامی سے دوچار کرسکتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ معمولی سیاسی بصیرت رکھنے والا آدمی بھی اس امر کی ضرورت محسوس کرے گا کہ ملک کے پریشان کن مسائل حل کرنے میں حکومت سے تعاون کیا جائے، اور حکومت بھی کھلے دل کے ساتھ ملک کے خیرخواہوں کا تعاون حاصل کرے۔

س: اس وقت سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد ہے یہ پابندی عائد رہنی چاہیے یا آپ کے خیال میں اسے ختم کیا جانا چاہیے؟

ج: میرے خیال میں سیاسی سرگرمیوں پر پابندی ختم ہونی چاہیے۔ اسی طرح کھلے میدان میں تخریبی قوتوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، اور انہیں شکست فاش دی جا سکتی ہے۔ بھٹو کے اقتدار کو کھلے عام ہی تو ایسی شکست دی گئی تھی کہ اقتدار اور اس کے بے پناہ وسائل بھی اس کو سیاسی طور پر ہلاک ہونے سے نہ بچا سکے۔ اب جب کہ اس عنصر کی پشت سے سرکاری ذرائع اور وسائل ہٹ چکے ہیں کھلے میدان میں

روداد ابتلا ۔ احمد رائف مصری

میں نے دیکھا بڑے بھاری بھرکم اور صاحب عزت وجاہ لوگوں کو قلعہ میں لایا جاتا نگران کا جسمانی وزن یا علمی ومعاشرتی وقار اُن کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہ رکھتا تھا۔ فوج کے افسران کے کپڑے اتار دیتے اور لاٹھیوں سے ان پر ٹوٹ پڑتے۔ انہیں نہایت درد انگیز قاتلانہ ضربیں لگاتے، یہ دیکھے بغیر کہ یہ ضربیں جسم کے کس حصہ پر لگ رہی ہیں۔ اس قدر مارتے کہ وہ بیہوش ہو جاتے۔ وہ اپنی ہر نوعیت کی طاقت کھو بیٹھتے پھر اس حالت میں کہ ان کی شکلیں بگڑ چکی ہوتیں اور وہ برہنہ تن ہوتے انہیں افسروں کے سامنے کھڑا ہونے کا حکم دیا جاتا اور ان پر سوالات اور استفسارات کی بارش کی جاتی اور ساتھ ہی گھونسوں مکّوں اور پاؤں کی ٹھوکروں کی بارش بھی، اور گالیوں کی بوچھاڑ بھی۔ اپنے جرم سے بے خبر ملزم مسکین کا اپنا بیان کیا ہے۔ تفتیش کنندگان کو اس کی اس قدر پرواہ نہ ہوتی جس قدر انہیں اس بات کی پروا ہوتی کہ وہ یہ اقبال کرے کہ وہ حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش میں شریک تھا اور قبل اس کے کہ سازش کامیاب ہوتی اسے پکڑ لیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ مجھے خود ایک فوجی افسر نے قلعہ میں کہا تھا۔ "پوری قوم مجرم اور سازشی ہے، الّا یہ کہ کوئی اپنی برأت اور بے گناہی ثابت کردے۔"

یہ تدبیر کچھ وقت کے لئے تو کامیاب ہو جاتی تھی چنانچہ اگر کوئی شخص دروغ گوئی، افتراء پردازی اور خیالی سازشوں کے اختراع کا راستہ اختیار کر لیتا تو تازیانۂ تعذیب اس سے ہٹا لیا جاتا۔ مگر جلد ہی اُن لوگوں پر واشگاف ہو جاتا کہ وہ جھوٹا بیان دے رہا ہے اور وہ اُسے اور زیادہ وحشیانہ اور بہیمانہ تعذیب کے حوالے کر دیتے۔

اگست ۱۹۶۵ء کے آخری ایام میں قلعہ کی وحشتناک جیل کے اندر ایسے ہی حالات گزرتے رہے۔ آخر کار سمجھ گیا کہ میری گرفتاری کیوں عمل میں آئی۔

ملٹری انٹیلی جنس کے لوگ یحیٰ حسین کو گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ پہلے میں یحیٰ حسین کی طرف اشارہ کر آیا ہوں۔ اس نے جب اپنی گرفتاری کا شبہ ہوا تو وہ فرار ہو گیا۔ چنانچہ انٹیلی جنس والوں کے وتیرہ کے مطابق اب یحیٰ حسین کے طالب علمی کے زمانے کے دوستوں اور دورانِ ملازمت کے ساتھیوں کا گرفتار کیا جانا ناگزیر تھا۔ جونہی اس کے فرار کی اطلاع ملی چند ساعتوں کے اندر اس کے تمام احباب و اصحاب کو دھر لیا گیا۔ جس انسان کا بھی یحیٰ کے ساتھ کسی نوعیت کا کوئی تعلق تھا وہ اس زد میں آیا۔ زرعی کالج کے متعدد لوگ، ہوا بازی کی تربیت کے ادارہ کے متعدد افراد، اس کے ایسے جملہ دوست جو کالج

ـے سے باہر کے تھے، الغرض سب گرفتاریوں کی ...ل آ گئے۔ میں آخر الذکر قسم کے دوستوں میں ...گرفتار شدگان میں جن کی تعداد ایک سو سے بڑھ ...ا ایک ایسا انسان بھی تھا جس کے بارے میں ...ہا کی جا رہی تھی کہ اس کے ساتھ کس کس شخص کا ...بط تھا۔ بہرحال یہ گرفتاریاں طرفہ صورتوں سے ...ہیں

...الرؤف عبد الناصر، شریف خاندان کا چشم و چراغ ...جی کا والد سابقہ مجلس اعیان کا ممبر رہ چکا ہے۔ ...ے سے لے کر ۱۹۵۹ء تک سوئٹزرلینڈ میں رہا ہے ...جس کی تعلیم حاصل کرتا رہا ہے۔ کیمبرج ڈی اور ...میں بی اے کرنے کے بعد مصر واپس آیا، اور پھر ...میں کیا آئی کہ شہری ہوا بازی کے ادارے میں ...ے لیا۔ پائلٹ بن گیا۔ شارع القصر العینی پر اس ...سی کی دوکان بھی کھول لی۔ اس کے اوقات دو ...بٹ گئے دکان پر بھی بیٹھتا۔ اور ہوائی جہاز کی ...ازوں کے اندر پائلٹ کے طور پر ملک سے باہر ...تا رہا۔ اس پر پیسہ اور ہُن برسنے لگا اور اس نے خوب ...تھوں سے کمائی کی۔ دکان کی آمدنی بھی اور ...ک پروازوں کی بدولت ہلکی پھلکی تجارت سے ...سے اُسے کوئی واسطہ نہ تھا۔ سیاسی امور سے ...ق تھا۔ سیاست کا وہ ایک حرف بھی نہ جانتا تھا۔ ...ں بات سے کوئی غرض نہ تھی کہ کون اقتدار پر ...ور کون اقتدار سے نکلتا ہے۔ حکومت کس کا حق ...اس کا نہیں ہے۔ عیش و عشرت، لذت و تنعم اور ...الی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ امر واقع کے لحاظ ...ں کے اندر اس کے سوا کوئی عیب نہیں تھا کہ ...ری کی تربیت کے ادارے میں اس گروپ کا ...تھا جس میں یحییٰ حسین بھی شامل تھا۔

...رؤف کو تفتیش کے لیے لایا گیا جب وہ لندن ...تھا تو قاہرہ ایرپورٹ پر ہی اسے گرفتار کر لیا گیا تھا۔

ایرپورٹ پر اسے کہا گیا کہ صرف پانچ منٹ کے لیے اسے بلایا جا رہا ہے۔ بیگ سمیت اسے قلعہ لایا گیا اور اس قدر اُسے زدوکوب کیا گیا کہ قریب تھا کہ وہ دم توڑ دے۔ بعد میں عبد الرؤف نے خود مجھ سے یہ طرفہ حکایت بیان کی کہ اسے سر کے بل لٹکا کر مارا گیا۔ اسی حالات میں اس نے اپنے اور پائلٹ ساتھیوں کو وہاں الٹے لٹکا ہوا دیکھا مثلاً محمد الغنّام، خالد سیف، ضیاء الطوبجیا چنانچہ اس نے یہ قیاس کیا کہ شاید مصری ایر کمپنی کے اندر کرپشن اور بد اخلاقی بہت پھیل گئی ہے، اس لیے یہ حکومت کمپنی کے کارکنوں کی تادیب کرنا چاہتی ہے اور اسی غرض کے لیے یہ سب لوگ یہاں پہنچے ہوئے ہیں، یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ جب اس کے بیگ کی تلاشی لی گئی تو اس میں سے اعلیٰ قسم کی وسکی کی دو بوتلیں نکلیں۔ یہ اس امر کی واضح دلیل تھی کہ یہ شخص اسلام کی "تہمت" سے بری ہے۔ مگر یہ دلیل بھی اس کے کچھ کام نہ آئی۔

خالد سیف، زرعی کالج میں بھی اور ہوا بازی کے ادارے میں بھی یحییٰ حسین کا کلاس فیلو تھا۔ تفتیش کی تابڑ توڑ مار نہ برداشت کر سکا۔ اس نے تسلیم کر لیا کہ وہ اخوان المسلمون کی جماعت کا رکن ہے، حالانکہ اس نے اخوان کے بارے میں چند سرسری باتیں سن رکھی تھیں۔ بات یہاں پر ہی نہ رکی بلکہ جب اس سے یہ پوچھا گیا کہ اس کا اُسرہ (اخوان کے تنظیمی گروپ اُسرہ کہلاتے ہیں) کونسا ہے جس میں وہ شامل ہوتا رہا ہے، تو اس نے بتایا کہ "اخوان المسلمون کے دو قسم کے اُسرے ہوتے ہیں ایک خارجی اور دوسرے داخلی۔ اس کا تعلق خارجی اسرہ سے ہے" اس من گھڑت کی بنا یہ تھی کہ خالد سیف بیرون ملک بکثرت جاتا رہا تھا۔ جب اخوان کی مالی امداد کے بارے میں اس سے دریافت کیا گیا تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس نے خیال کیا کہ اب اس کا راز کھل جائے گا اور یہ لوگ سمجھ جائیں گے کہ میں سب جھوٹ گھڑ گھڑ کر بیان کر رہا ہوں۔ مگر جلد ہی اس نے حل سوچ لیا۔ اس نے

بتایا کہ وہ ایک روز لبریشن گراونڈ کے اندر واقع مسجد عمر
مکرم کے پاس کھڑا تھا کہ اس کے پاس ایک شخص آیا
جس کا نام اسے معلوم نہیں، اور آکر مجھ سے پوچھنے لگا:
کیا تم آخ (اخوان اپنے رکن یا رفیق کو آخ کہتے ہیں) ہو۔
میں نے جواب دیا: بے شک۔ اس کے بعد اس شخص نے
مجھ سے بیس قرش کی اعانت طلب کی۔ اور اسی جگہ دوسری
مرتبہ اس نے پچاس قرش مانگے۔ یہ ہے خالد سیف کی
تفتیشی رپورٹ۔ سادہ و مضحکہ خیز۔

تقریباً ۶ ماہ کے بعد یحییٰ حسین کے دوستوں میں سے
جو خوش نصیب انسان تھے وہ رہا ہو گئے۔ کچھ لوگ سال
کے بعد چھوٹے۔ کچھ نے دو سال گزارے۔ اور کچھ ایسے
بھی ہیں جو ان سطور کے رقم کرنے تک جیل میں پڑے ہیں
(یہ سطور ۵ نومبر ۱۹۶۹ء کو لیمان طرہ کی جیل میں بدھ کی شام
کو لکھی گئیں) یحییٰ حسین کی کہانی سنیئے۔ خفیہ پولیس کی جو
رپورٹ سیکورٹی کورٹ آف اسٹیٹ کو پیش کی گئی ہے
اس میں حسب دفعہ بارہ فوجداری بابت سال ۱۹۶۵ء
برائے تحفظ امن عامہ درج ذیل تفصیل دی گئی ہے:

۱:۔ تفتیش کے نتیجے میں ساتویں ملزم محمد ضیاء الدین
عباس الطوبچی نے اقرار کیا ہے کہ ملزم یحییٰ حسین اس کے
ساتھ ہی جماعت اخوان المسلمون کی خفیہ تنظیم کا رکن تھا۔
اور اس کا تعلق اس "اسرہ" (تنظیمی گروپ) سے تھا جو اس
کے مکان پر اجتماعات منعقد کیا کرتا تھا۔ اور یہ کہ ملزم یحییٰ
حسین اپنی ماہانہ آمدنی کا پانچ فیصد جماعت کو بطور اعانت
دیتا تھا۔ اور یہ کہ ملزم یحییٰ حسین نے اپنے گھر میں جاپانی
طرز کی کشتی اور کھیلوں کی تربیت حاصل کر رکھی تھی آتشیں
اسلحہ کے استعمال کا طریقہ بھی سیکھ رکھا تھا۔ اس نے
ایک خنجر بھی وصول کیا تھا۔ نیز اس نے علی عشماوی اور
زینب الغزالی سے بند تنظیمی نوعیت کے خطوط بھی وصول
کیے تھے تاکہ وہ ملک سے باہر جاتے وقت ساتھ لے
جائے اور اخوان المسلمون کے متعلقہ افراد کو جو جدّہ اور
خرطوم میں رہتے ہیں بھیج دے۔"

"علی عشماوی نے ۱۹۶۵ء میں یحییٰ حسین سے یہ کہا
تھا کہ وہ جب کسی پرواز میں بیرون ملک جائے
تو ایک بے آواز کا ریوالور اس کے لئے خرید لاتا
نیز ملزم یحییٰ حسین نے جون ۱۹۶۵ء میں علی عشماوی
مل کر قاہرہ کے بین الاقوامی ہوائی اڈے کے پاس
کا معائنہ کیا تاکہ اسے اڑانے اور تباہ کرنے کی کا
کی جا سکے۔ ملزم یحییٰ حسین ہی مختلف پاور ہاؤس
اندر ٹائم بم رکھا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ خفیہ تنظیم کا ا
رکن جو انجینئر ہے ملزم کے ساتھ ایرپورٹ کے جائزہ
لئے گیا۔ دونوں نے مل کر پھر پورا جائزہ لیا بجلی پید
کی مشینیں دیکھیں، ٹیلی فون کے کنکشن دیکھے۔ رڈا
کا جائزہ لیا اور جہازوں کو گائیڈ کرنے کا سسٹم د
اور یہ کہ علی عشماوی نے مذکورہ ملزم (یحییٰ حسین)
جولائی ۱۹۶۵ء میں یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ قاہرہ کے
اسٹیشن جائے اور صدر جمہوریہ جب ریل کے ذریعہ
کر رہے ہوں تو ان کی نگرانی کرے اور پھر اس بار
اپنی رپورٹ اسے پیش کرے۔ علی عشماوی نے اگر
کو ملزم کو یہ بھی کہا کہ اگر وہ — یعنی علی عشماوی — گ
ہو جائے تو اس کے بعد ملزم فاروق المنشاوی سے
قائم کرے اور اس سے ضروری ہدایات حاصل کر
چنانچہ علی عشماوی کی گرفتاری کے بعد ملزم یحییٰ حسین
فاروق المنشاوی سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش
اور جب ملزم اس سے رابطہ قائم نہ کر سکا تو ملزم
مذکور کو اطلاع کر دادی کہ وہ خرطوم فرار ہونے وا
چنانچہ اس کے بعد ملزم اور فاروق المنشاوی میں
رابطہ قائم نہیں ہو سکا۔"

(۲) "بارھویں ملزم فاروق عباس سید ا
اقرار کیا کہ ملزم یحییٰ حسین نے ۱۹۶۵ء میں اسے بت
کہ وہ اخوان المسلمون کی خفیہ تنظیم کا رکن ہے۔ او
تنظیم طاقت کے ذریعہ موجودہ حکومت کو بدلنا چا
ہے۔ اور یہ کہ ملزم جاپانی کھیلوں کی پریکٹس کر رہا

تنظیم کے احکام پر عملدرآمد کرنے کے لیے وہ طویل
فت پیدل طے کرنے کی ورزش بھی کر رہا ہے۔ ملزم
الحسین نے اسے ۔۔۔ یعنی فاروق عباس کو ۔۔۔ بھی
رہ دیا کہ وہ اس تنظیم میں شامل ہو جائے۔ اور یہ کہ
م نے ۲۲ اگست ۱۹۶۵ء کو اسے یہ کہا کہ فاروق المنشادی
بذریعہ ٹیلی فون رابطہ قائم کر کے اسے یہ اطلاع کر دی
ہے کہ تنظیم کے چند ارکان گرفتار کیے جا چکے ہیں۔ مگر
وق المنشادی سے رابطہ قائم کرنے کا اسے موقع
یں مل سکا۔۔۔۔ ختم شد۔"

یحیٰ حسین پر اسٹیٹ سیکورٹی کورٹ میں غائبانہ
مہ دائر کیا گیا۔ اس کورٹ کا سربراہ جمال الدین محمود
مقدمہ کی سماعت کے دوران جمال الدین محمود کا انتقال
گیا اور پھر میجر جنرل حسن التیمی کے سامنے دوبارہ مقدمہ
ں ہوا۔ کورٹ کی طرف سے یحیٰ حسین کو ۲۵ سال قید با
قت کی غائبانہ سزا سنائی گئی۔ وہ اس وقت سوڈان
کے باغات میں بیٹھا آزادی کے مزے لوٹ رہا تھا۔ اس
جن خطرناک جرائم "کا ارتکاب کیا تھا وہ یہ تھے کہ:
ں نے معائنہ کیا۔ رابطہ قائم کیا۔ پیغام پہنچایا۔ ملاقات
کہا۔ سُنا۔" لہٰذا عمر قید بامشقت کی سزا اسے ملنا
ہی پر تھی۔

پولیس کی ضمنی میں اس کے نام کے آگے لفظ "مفرور"
لکھا ہوا تھا اور وہ تنہا وہ شخص تھا جو صحیح معنوں میں مفرور
تھا۔ اور اس کے سوا باقی جتنے لوگوں کے ناموں کے آگے
مفرور لکھا ہوا تھا وہ مفرور نہ تھے مقتول تھے۔

قرآن اور حدیث

قرآن و حدیث میں کیا رابطہ ہے سنت کا مفہوم اور مقام
کیا ہے رسالت اور منصب نبوت کسے کہتے ہیں؟ ان ہی جیسے سیکڑوں
سوالوں کا مدلل جواب مولانا مودودی کی مؤثر اور دلنشین تحریر میں ملاحظہ
فرمائیں گے۔

قیمت ساڑھے پانچ روپے

تین نسخے منگانے والے کے لیے محصول ڈاک معاف

ملنے کا پتہ: مکتبہ تجلی دیوبند (یوپی)

ایک مدت سے نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے مجموعے کی
ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو مفید دل آویز، اور متاثر کن
ہونے کے ساتھ ساتھ کم قیمت بھی ہو۔
الحمدللہ ادارۂ تجلی نے اس ضرورت کو پورا کیا اور

سرود حجاز

کے نام سے

اس نوعیت کا ایک مجموعہ شائع کرنے کا شرف حاصل
کیا اس مجموعہ میں مولانا عامر عثمانی مولانا ماہر القادری اور
علامہ اقبال جیسے صحیح العقیدہ اور ماہرین فن حضرات کی
پر مغز کاوشیں اور کیف آور نعتیں شامل ہیں۔

قیمت صرف ایک روپیہ ۱/-

جو لوگ اس متبرک گلدستہ کو مفت تقسیم کرنا چاہیں
ان کے لئے ۶۰/- روپے سیکڑہ۔

ملنے کا پتہ۔ **مکتبہ تجلی دیوبند** (یوپی)

قادیانیت کے جیب و گریباں

مولانا عامر عثمانیؒ

کے مؤثر قلم سے قادیانیت کے تار
پود کا قلع قمع۔ اور ان کے
نظریات پر عالمانہ ضرب کاری
قیمت صرف سوا تین روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ تجلی دیوبند

آٹھویں صدی ہجری کے مشہور اسپینی مورخ

علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون المتوفی سنہ ۸۰۸ھ کی مستند تالیف

تاریخ ابن خلدون اردو

جو بیک وقت تاریخ عالم بھی ہے اور تاریخ اسلام بھی، علامہ ابن خلدون اسپین کا وہ عربی النسل مورخ ہے جس سے یورپ نے تاریخ سیکھی۔ تاریخ ابن خلدون کے مطالعہ سے ماضی کے تجربے، حال کے مسائل اور مستقبل کے اندیشے بیک نظر سامنے آجاتے ہیں۔ اس سے آپ کو قوموں کے عروج و زوال کے حقیقی اسباب معلوم ہونگے۔ یہ علم تاریخ کی کنجی اور فن تاریخ کی رہنما ہے جو عہد جاہلیت، دور رسالت، خلافت راشدہ، خلافت بنو عباس اور خلافت بنو امیہ کی مکمل تاریخ ہے جن میں علامہ ابن خلدون نے مصر و ایران اور روم و یونان کی قدیم تہذیبوں کا صحیح تجزیہ پیش کیا ہے۔ تاریخ ابن خلدون کے مطالعہ کے بغیر تاریخی مطالعہ نامکمل ہے،

اشاعتی پروگرام: ۔ اس عظیم تاریخ کی جلدیں قسط وار پیش کی جائیں گی ہر قسط کا ہدیہ دس روپے مستقل ممبران کے لئے محصولڈاک بذمہ ادارہ۔ ممبر بننے کیلئے صرف ایک کارڈ لکھ دیجئے۔ آپ کو ہر تیسرے ماہ دس روپے کی وی پی ارسال ہوگی جس کا وصول کرنا آپ کا شرعی اور اخلاقی فرض ہوگا۔

ہدیہ فی حصہ دس روپے

تاریخ ابن خلدون کے عظیم الشان ذخیرے کو ملت کے سامنے پیش کرنے اور پایۂ تکمیل تک پہونچانے کیلئے ادارہ کیساتھ تعاون درحقیقت ایک ملی اور قومی خدمت ہے خود ممبر بنئے اور دوسروں کو ممبر بنائیے

ہدیہ فی جلد ... روپے

باہتمام: (قاری) اخلاق احمد صدیقی ناظم ادارہ درس قرآن دیوبند یوپی

ادارہ درس اسلام مسجد قاضی دیوبند

(یوپی)

چند اہم اور قابلِ مطالعہ کتابیں

ہمارے اسلاف:۔ (از عبد العلی فاروقی)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی زندگی کے حالات اور اہم کارنامے۔ اندازِ بیان سہل، اسلوب انوکھا اور کتابت وطباعت معیاری۔ قیمت ۳

عورت اور پردہ جناب عبد العلی فاروقی کے قلم سے پردہ کے موضوع پر ایک مستند اور معیاری کتاب قیمت صرف ۱/۲۵

تحقیق مزید:۔ جناب محمود احمد عباسی کی مقبول عام اور مشہور ترین تصنیف جو ایک مدت سے نایاب تھی تازہ اڈیشن، کتابت معیاری، کاغذ عمدہ اور طباعت نفیس قیمت ۲۰/-

زلزلہ در زلزلہ:۔ زلزلہ کے نام سے اٹھائے گئے بریلوی فتنہ کا بھرپور اور کامیاب تعاقب، مفید، وقیع، اور دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ اثرانگیز بھی یہ ہے اس کتاب کا اجمالی تعارف۔ اسی کتاب کے بارے میں مشہور محقق قاضی اطہر صاحب نے روزنامہ انقلاب بمبئی کی ایک اشاعت میں یہ تحریر فرمایا تھا کہ یہ کتاب زلزلہ کے جواب میں لکھی گئی تمام کتابوں سے بہتر اور مفید ہے پہلا اڈیشن ختم ہوجانے کی وجہ سے کتاب مارکیٹ سے غائب رہی، اب حسن اہتمام کے ساتھ اسے پھر چھپایا گیا ہے۔

طباعت وکتابت عمدہ کاغذ معیاری
قیمت ۶/۵۰

مکتبہ تجلی۔ دیوبند

۲۴۷۵۵۴

تین مجرب تعویذات

خاتم مقطعات:۔ مخصوص ساعت میں کندہ کئے ہوئے حروف مقطعات کی چاندی کی ایک انگوٹھی خیر وبرکت رد سحر ترقی درجات، ترقی کاروبار، تسخیر حکام، حصول روزگار، قوت قلب استغنا دشمنوں سے حفاظت، حل مشکلات اور دیگر ضرورتوں کیلئے بہت مفید ثابت ہوئی ہے ہدیہ ۲۱/-

لوح عزیزی: ہر طرح کی بیہوشی، دردوں کیلئے حضرت شاہ عبد العزیز رحؒ سے منقول یہ دعا جو تانبے کی لوح پر کندہ کی جاتی ہے بہت فائدہ مند ہے۔ ہدیہ ۱۱/۰

مدنی تختی: بچوں کی ہر طرح کی حفاظت کیلئے چاندی کی تختی پر کندہ ہوئی دعائے استعاذہ مدت سے بزرگوں کے معمول میں ہے اور بیحد مفید ہے ہدیہ ۲۷/۰
محصول بذمہ طلبگار۔ محصول رجسٹری ۳/۰ محصول وی پی ۶/۰
رجسٹری کے ذریعہ منگانے کیلئے ہدیہ اور محصول ڈاک پیشگی آنا ضروری ہے

کاشانۂ رحمت، لال مسجد دیوبند (یوپی)

جناب شمس نوید عثمانی کے فکر انگیز قلم سے

مضامین کی تیسری قسط

کیا ہم مسلمان ہیں؟

کے عنوان سے شائع ہوچکی ہے

قیمت سات روپے ۷/-

مکتبہ تجلی دیوبند سے طلب کیجیے

راہ سمجھ بھی بیٹھیں تو ان کے سمجھنے سے یہ جماعت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ ان کی زبان اور سمجھ باطل کی کسوٹی نہیں ہے۔

مولانا عامر عثمانی والی بات بالکل اسی طرح ر کی اڑائی گئی ہے۔ جس طرح پورے معاشرہ یہ اڑی ہوئی ہے کہ مودودی صحابہ کے اور ندی رسول کے دشمن ہوتے ہیں۔

سالت کے کرشمے

ال ۶ :۔ عبدالعزیز خاں کوٹہ (راجستھان)

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مندرجہ ذیل ئلہ کے متعلق۔

شب قدر کے دوسرے روز ستائیس رمضان د نماز مغرب مسجد سے باہر زید نے عمر سے اکہ رات میں کسقدر عبادت کی عمر نے جواب بعد نماز تراویح مدرسہ میں بیٹھ گئے تھے حافظ نظمیں نعتیں سناتے رہے مجھے نیند آگئی۔ و گیا۔ پھر ڈھائی تین بجے آنکھ کھلی تو سیدھا ں میں گیا اور وضو کر کے کچھ نفلیں وغیرہ پڑھ زید وعمر کی یہ باتیں مسجد کے دروازہ پر بیٹھے ، دو تین آدمی سُن رہے تھے۔ ان میں سے ایک یا کہ کیا صبح کی نماز نہیں پڑھی عمر نے کہا صبح کی جماعت پڑھی ہے۔ پھر ان سننے والوں نے کہا ت سے بھائیوں نے تو رات بھر عبادت کی ح کی جماعت میں حاضر نہیں ہوئے۔ اب ان کی ت بھر کی عبادت بیکار گئی تمام کاتا کوتا بیکار ۔ یہ سن کر زید نے معترضین کو جواب دیا کہ ایسا نہ کہو اللہ تعالیٰ بڑا فضل والا ہے۔ وہ کی محنت کو برباد نہیں کرتا اس کے یہاں ثواب کمی ہے۔ اور شب قدر تو مغرب سے فجر تک رہتی ہے۔ اگر اول حصہ شب میں یا دوسرے حصہ شب میں کسی نے عبادت کر لی اور وہ عبادت مقبول ہو گئی اور پھر عبادت گذار عبادت کرتے کرتے سو گیا اور یہ اتفاق جماعت فجر میں شامل نہیں ہوا تو کیا اللہ تعالیٰ مقبول شدہ عبادت کو منسوخ کر دیں گے۔ اس پر معترضین نے پھر کہا کہ مولوی، مُلا کیا یونہی کہتے ہیں کہ اگر کوئی رات بھر عبادت کرے اور صبح کی نماز با جماعت نہیں پڑھے تو اس کی رات بھر کی عبادت ضائع ہو جاتی ہے۔ زید نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ ڈراوا ہے تاکہ اس خوف سے جماعت میں حاضر ہو جائیں۔ اگر یہ ڈراوا نہ ہوتا تو ہر شخص اس خوش فہمی میں ہوتا کہ میں نے رات بھر عبادت کر لی ہے۔ اس پر پھر معترضین نے کہا کہ جب تو قرآن شریف میں ڈراوا ہے۔ زید نے جواب دیا کہ ہاں قرآن شریف میں ڈراوا ہے اور کیا ہے۔ بات ختم ہو گئی۔ دوسرے روز کسی صاحب کے ہاں روزہ کشائی تھی بعد نماز عصر کسی نے کہا کہ روزہ کشائی میں چلو۔ معترضین نے کہا کہ ہمیں اپنے روزہ کا ثواب دوسرے کو نہیں دینا ہے۔ جو کسی کو روزہ کھلوانا ہے۔ وہ افطاری مسجد میں بھیجدے۔ زید نے کہا کہ آپ عبث ایسا کہتے ہو کہ جو روزہ اپنے گھر پر کھلواتا ہے۔ کھولنے والوں کے روزہ کا ثواب کھلوانے والوں کو مل جاتا ہے۔ روزہ افطار کرانے سے روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اس پر فوراً معترضین نے زید کو جواب دیا کہ تمہارا کیا اعتبار تم تو مسلمانیت سے خارج ہو۔ تمہارا تو قرآن پر ایمان ہی نہیں ہے۔ تم تو قرآن کو مانتے ہی نہیں ہو۔ تم تو کہتے ہو کہ قرآن میں تو ڈراوا ہے اور کیا ہے۔ زید نے کہا ہاں میں نے کہا تھا کہ قرآن میں ڈراوا ہے۔

نبیوں کے قصے ہیں۔
نافرمان لوگوں کے لئے ڈراوا ہے۔ نیک لوگوں کے لئے خوشخبریاں ہیں۔ اور بہت سی باتیں مجمل ہیں جن کی تشریح حدیث میں ہے۔ یا قرآن مجید کی تفسیر سے معلوم ہوتی ہیں۔ معترضین زید سے الجھتے رہے اور یہ کہتے رہے کہ تمہارا کوئی ایمان نہیں۔ تم تو مسلمان نہیں ہو۔ ہمارا بس ہوتا تو تمہاری گردن اڑا دی جاتی۔ اور زید بار بار بحالتِ غصہ کہتا رہا کہ ہاں ہاں قرآن مجید میں ڈراوا ہے۔ معترضین کا جوش بڑھتا رہا اور زید کا بھی۔ آخر زید نے کہا کہ آپ نہیں مانتے ہو تو میں کافر ہوگیا۔ اور میری بیوی کو طلاق ہوگئی۔ آخر آپ چاہتے کیا ہو۔ زید یہ کہہ کر خاموشی سے اپنے گھر آگیا۔ اب سوال یہ ہے کہ زید واقعی کافر ہوگیا یا نہیں۔ اور زید کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ اور اگر زید مجرم ہے تو اس کی شرعی سزا کیا ہے اور مسلمانوں کو زید کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیئے۔ جو بھی حکم شریعت ہو اس سے آگاہی دی جائے۔ تاکہ یہ جھگڑا ختم ہو۔

جواب:-

افسوس ہوتا ہے مسلمانوں کی جہالت وحماقت پر کہ وہ معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے سے الجھتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو کافر ثابت کرکے ایسے مطمئن ہوجاتے ہیں جیسے انہوں نے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دے دیا ہو۔ کافروں کو مسلمان بنانا تو اب ان کے بس کا نہیں رہا۔ لہٰذا مسلمانوں کو کافر بناکر خوش ہوجاتے ہیں۔ کہ چلو ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف تو ڈھکیل ہی دیا کفر سے اسلام کی طرف نہ سہی تو اسلام سے کفر ہی کی طرف سہی۔

جہاں تک رات بھر نفلیں پڑھ کر فج
جماعت ترک کردینے والی بات ہے تو اسلا
استحسان کی نظروں سے نہیں دیکھ سکتا۔ اس
رات بھر نفلیں پڑھنا نہ منجملۂ فرائض ہے نہ
سنن۔ البتہ جماعت سے نماز پڑھنا نہ صرف و
اور نہ صرف سنت بلکہ تمام صحابہ تابعین او
علماء وصلحاء کا متفقہ عمل رہا ہے جو حضرات ع
کی نماز باجماعت پڑھ کر سو جاتے ہیں اور پھر
نماز باجماعت ادا کر لیتے ہیں وہ یقیناً ان لوگ
سے بہتر ہیں کہ جو رات بھر نفلیں پڑھتے ر
اور صبح کی نماز گول کر جائیں۔ حضرت عمر فارو
کے زمانہ میں ایک صاحب صبح کی نماز میں نظر نہ
آئے تو عمر فاروق نے ان کے بارے میں تحقیق
کی۔ معلوم ہوا کہ آج رات بھر وہ عبادت میں
مشغول رہے لہٰذا بوقت سحر ان کی آنکھ لگ گ
عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ رات بھر جاگ کر عباد
کرنے سے بہتر یہ تھا کہ وہ فجر کی نماز باجماعت
ادا کر لیتے۔

فجر کی نماز باجماعت پڑھنا شب بیدار
بہ نسبت بہتر سہی لیکن یہ کہنا غلط ہوگا کہ چونکہ
فجر جماعت سے ادا نہیں کی لہٰذا رات بھر کی عباد
ضائع ہوگئی۔ کیا ممکن ہے کہ پروردگار قبولیت
نوازی دے البتہ یہ روش ہے غلط ہی کہ آ
رات بھر تو نفلیں پڑھتا ہے اور فرض اور واجب
ادائیگی کے وقت خراٹے لینے لگے۔

زید کا یہ کہنا بھی غلط نہیں ہے کہ قرآن حکیم
ترغیب وتبشیر کے ساتھ ساتھ ترہیب وتنذ
انداز بھی موجود ہے۔ جسے گاڑھی اردو میں دھمکی
ڈراوا ہی کہنا پڑے گا۔ قرآن حکیم نے تو آنحضو
صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صاف صاف
فرمایا ہے کہ اللہ نے انہیں بشارت دینے والا

ڈرانے والا بنا کر دنیا میں مبعوث کیا ہے۔ جو لوگ زید کی ان الفاظ کو کفریات سے تعبیر کر رہے ہیں ان کی کم علمی اور معانی قرآن سے بے خبری پر افسوس ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ حقیقتاً زید کی کوئی بات غلط نہیں۔ اس نے حقائق کو بیان کرنے میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان میں جھول ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کی بات کو غلط قرار نہیں دیا جا سکتا۔ زید ایسی باتیں زبان سے نکال کر قطعی کافر نہیں ہوا البتہ جو حضرات اسے کافر باور کرانے پر تلے ہیں ان کے نادانی پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اللہ انھیں سمجھ دے اور مسلمانوں کو کافر سمجھنے کی غلطی پر توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

دیدہ دلیری

سوال:- رشید احمد شحنہ یادگیر

یہاں پر مسلمانوں کی جانب سے ایک مولوی سید احمد قادری کار دواری کو بلایا گیا ہے۔ انہوں نے فاتحہ بارے میں کہا ہے کہ فاتحہ دلانا مستحب ہے۔ قرآن اور حدیث سے بتائیے کہ یہ بات کہاں تک صحیح ہے۔

جواب:-

حیرت کی بات ہے کہ غلط سلط باتیں تو کریں مولوی سید احمد قادری صاحب اور قرآن و حدیث سے ایڈیٹر تجلی۔ محترم آپ کو دلیل مولوی سید احمد صاحب ہی سے طلب کرنا چاہئے تھی تاکہ کچھ دیر تو انہیں شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا۔ ہم اسے دیدہ دلیری کے سوا اور کوئی نام نہیں دے سکیں گے کہ آدمی بے بنیاد باتوں کو سنت اور مستحب کہتا پھرے۔ ہمارے معاشرے میں "فاتحہ خوانی" کا جو سلسلہ رائج ہے اس کے بدعت ہونے میں کسی بھی صاحب نظر کو کوئی اشکال نہیں۔ رہے مولوی سید قادری جیسے حضرات تو فاتحہ ان کے لئے چونکہ "سرچشمۂ طعام" ہے لہٰذا اگر یہ فاتحہ کو فرض بھی قرار دیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

قربانی

سوال:- نظر علی بیاول

زید نے ایک گائے قربانی کے لئے خریدی۔ گائے خریدتے وقت تمام شرعی باتوں کا خیال رکھا گیا۔ گائے گیابھن تو نہیں اس کا خیال بھی رکھا گیا۔ گائے دیکھنے میں گیابھن بالکل نظر نہیں آ رہی تھی قصاب اور دوسرے افراد سے چھان بین کرنے کے بعد خریدی گئی کسی نے شبہ تک نہیں کیا کہ گائے گابھن ہے۔ لیکن جب قربانی کی گئی تو گیابھن نکلی۔ ایسی صورت میں آپ برائے کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں تفصیل سے فرمائیے کہ آیا قربانی ہوئی؟ اگر نہ ہوئی ہو تو قرآن و حدیث کی روشنی میں بتائیے غیب کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ برائے کرم تجلی میں شائع کرکے پریشانی کو دور کریں۔

جواب:-

قربانی درست ہو گئی لیکن آپ نے بچہ کے بارے میں تحریر نہیں کیا کہ وہ زندہ نکلا تھا یا مُردہ۔ ایسی صورت حال میں اگر بچہ زندہ نکلے تو اسے بھی ذبح کر دینا چاہئے اور اس کے گوشت کے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہیئے جو اسکی ماں کے گوشت کے ساتھ کرنا ہے۔ اور اگر بچہ مردہ ہو تو اس کے گوشت کو استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔ اور نہ تقسیم کرنا جائز ہے۔

دوسری قسط

حسن احمد صدّیقی

جادو اور جھاڑ پھونک کی غیر عالمانہ مخالفت کا جائزہ

نمبر ۵ کے ضمن میں ارشاد ہوتا ہے۔

> حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے جادو کے اثر کو زائل کرنے کے لئے صرف ایک لاٹھی ہی کافی ہوئی لیکن حضور اکرمؐ کے لئے ایک سال کی طویل مدت درکار ہوئی ہے۔ اور وہ بھی آپ کے بار بار دعا کرنے سے

ہم پھر وہی بات دہرائیں گے کہ جو شخص بیماریوں اور دوسری حقیقتوں کے صغر و کبر سے واقف نہ ہو وہی اس طرح کی بچکانہ باتیں کر سکتا ہے۔ اس پر قطعاً اس شخص کی مثال صادق آتی ہے جو دردِ سر کو "حاصل امراض" سمجھ بیٹھے ایسا شخص چونکہ دوسرے امراض کی حقیقتوں سے واقف نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب وہ ہسپتال میں پڑے ہوئے مریضوں کو دیکھتا ہے تو اسے حیرت ہونے لگتی ہے اور وہ فرطِ حیرت میں چیخ اٹھتا ہے کہ فلاں کی بیماری تو اناسین کی ایک گولی سے رفع ہو گئی تھی اور یہ لوگ دوائیں پر دوائیں اڑا رہے ہیں۔ انجکشن ٹھکوا رہے ہیں اس کے باوجود صحت مند ہونے کا نام نہیں لیتے اور صرف یہی نہیں کہ اس شخص کو حیرت ہوئی ہے اور یہ فرطِ حیرت میں چیختا بھی ہے بلکہ یہ علاج و تشخیص کے مابین فرق اور بُعد دیکھ کر تمام بیماریوں کا انکار کر بیٹھتا ہے۔

بالکل یہی حال مدیر الحق کا بھی ہے۔ انھوں نے جب جادو کی دو قسموں کے درمیان کمی زیادتی کا پایا۔ اور ان دونوں کا علاج بھی جب ایک دوسرے سے جداگانہ محسوس ہوا تو یہ نفسِ سحر ہی کا انکار کر بیٹھے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام سے متعلق قرآن حکیم میں جو واقعہ مذکور ہے اور احادیث میں آنحضورؐ سے متعلق جس واقعہ کا تذکرہ ملتا ہے ان کے درمیان کوئی تضاد نہیں۔ صرف جادو کی چھوٹی بڑی نوع کا فرق ہے جو نہ خلاف عقل ہے نہ خلاف روایات۔ موسیٰ علیہ السلام سے متعلق جو واقعہ نقل کیا جاتا ہے وہ صرف نظر بندی تھی۔ یعنی جادو کی معمولی قسم جس طرح دردِ سر بیماری کی معمولی قسم ہے۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جس واقعہ کا تذکرہ احادیث میں ملتا ہے وہ جادو کی بڑی قسم سے تعلق رکھتا ہے جس طرح بیماریوں میں ٹی بی اور کینسر بڑی بیماریاں ہیں۔ جسمانی بیماریوں میں معمولی قسم کی بیماریاں معمولی قسم کی علاج سے دور ہو جاتی ہیں۔ لیکن بڑی بیماریاں اس وقت تک دور نہیں ہوتیں جب تک جم کر علاج نہ کیا جائے اور کسی ماہر طبیب سے رجوع نہ ہو یہی حال جادو وغیرہ کا بھی ہے کہ اگر معمولی ہے تو معمولی سے دفاع کرنے میں صاف ہو جاتا ہے اور اگر غیر معمولی ہے تو غیر معمولی

رازمیں توڑ کرنا پڑتا ہے۔

آدمی غور و فکر سے کام لے تو ایک ہی واقعہ کہ جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اثرِ سحر کا ذکر کیا گیا ہے بہت سے عُقدے کھول دیتا ہے۔ اور ان غلط فہمیوں کو پارہ پارہ کر دیتا ہے جو رسول خدا سے متعلق بالعموم پائی جاتی ہیں یہ واقعہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے بعد سب سے زیادہ ارفع ہوتے ہوئے بھی تھے۔ انسان ہی۔ انسان جسطرح بعض عوارض کا شکار ہو جاتا ہے حضور بھی اسی طرح عوارض میں بتلا ہو جایا کرتے تھے۔

دوسرا سبق اس واقعہ سے ہمیں یہ ملتا ہے کہ رسولِ خدا پر بھی جو مصائب آتے تھے وہ بغیر جد و جہد کئے دور نہیں ہوتے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ ان کی بیماریاں اور دوسری پریشانیاں خود بخود در فو چکر ہو جائیں۔ بلکہ جس طرح عام انسانوں کو اپنے مصائب، امراض، عوارض دور کرنے کے لئے دعائیں اور دوائیں کرنی پڑتی ہیں اسی طرح رسولِ خدا کو دعائیں اور دوائیں کرنی پڑتی تھیں اور وہ بھی ان تمام مراحل سے گذرتے تھے جن مرحلوں سے گذر کر عوام الناس صحت یاب و کامران ہوتے ہیں۔

تیسرا سبق اس واقعہ سے ہمیں یہ ملتا ہے رسولِ خدا کا اسی طرح محتاج ہوتا ہے جس طرح عام لوگ محتاج ہوتے ہیں۔ اسے بھی حوادث کے چنگل سے نکلنے کے لئے بابِ رحمت "کھٹکھٹانا" پڑتا ہے جھکنا پڑتا ہے رو رو کر خواستیں پیش کرنی پڑتی ہیں۔ وہ عظیم ترین ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کے بارگاہ میں خود کو حقیر ترین ثابت کرتا ہے۔ اور پھر اپنی عاجزی و انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے استعانت طلب کرتا ہے۔

چوتھا سبق اس واقعہ سے ہمیں یہ ملتا ہے کہ رسولِ عالم الغیب نہیں تھے اگر وہ عالم الغیب ہوتے تو انھیں خود اس بات کا علم ہو جاتا کہ وہ بیمار نہیں ہیں بلکہ جادو کی لپیٹ میں ہیں۔ اور جادو کرانے والا فلاں ابن فلاں ہے۔

پانچواں سبق ہمیں اس واقعہ سے یہ ملتا ہے کہ رسولِ خدا مختارِ کل بھی نہیں تھے اگر وہ مختارِ کل ہوتے تو انھیں اللہ سے دعائیں مانگنے کی ضرورت کیا تھی وہ خود ہی اپنی پریشانی کو دور فرما لیتے۔

چھٹا سبق۔ اس واقعہ سے ہمیں یہ ملتا ہے کہ رسولِ خدا اگر قادرِ مطلق ہوتے تو گھر بیٹھے وہ پتلا وغیرہ حاضر کر لیتے لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ انھیں سلسلہ میں صحابہ کرام کا تعاون طلب کرنا پڑا۔ تب جا کر وہ چیزیں ہاتھ لگیں۔

ساتواں سبق اس واقعہ سے ہمیں یہ ملتا ہے کہ دین کا اصل محافظ پروردگار ہی ہے۔ اگر پروردگار دینِ اسلام کا محافظ نہ ہوتا تو مسحور ہونے کی حالت میں آنحضور سے کچھ ایسی حرکات سرزد ہو جاتیں جو دین کے بارے میں بدگمانی اور پروپیگنڈے کا باعث بنتیں۔ انتہائی کرب اور بے چارگی کے عالم میں بھی ایک لفظ بھی تعلیمات اسلام کے خلاف زبان سے نہ نکالنا اس بات کی کھلی علامت ہے کہ محافظ دین خدا تعالیٰ ہی ہے۔ کوئی پیغمبر، کوئی ولی اور کوئی جماعت نہیں۔

صاحبِ مضمون نے نمبر ۵ کے ضمن میں یہ بھی فرما ڈالا ہے۔

یہ تمام روایات معوذتین کی اہمیت بتانے کے لئے گھڑی گئی ہیں۔

لاحول ولا قوۃ۔ ایک جہالت کا دفاع کرنے کے لئے قیصر صاحب کو کتنے "علموں" کا انکار کرنا پڑ رہا ہے۔ ان کے اس فرمودے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معوذتین بجائے خود اہم نہیں۔ بلکہ یار لوگوں نے کچھ روایات گھڑلی تھیں جن کی بنا پر معوذتین میں کچھ اہمیت پیدا ہو گئی ہے۔ اور امام بخاریؒ جیسے محدثین عظام بھی ان کے نزدیک "یار لوگوں" میں شامل ہیں۔ اس لئے کہ ان روایات کو بیان کرنے کا جرم تو امام بخاری سے بھی سرزد ہوا ہے۔

نمبر ۱۴ کے ضمن میں فرمایا گیا ہے۔

معوذتین میں سوائے (من شر النفثت فی العقد) (اور گرہوں میں پھونک مارنے والیوں کے شر سے) کے کوئی آیت اور لفظ بھی جادو سے متعلق نہیں ہے۔ پھر ان دونوں سورتوں کو پڑھنے کی کیا ضرورت تھی۔ بالخصوص سورۂ الناس کا پڑھنا تو فضول ہی قرار پاتا ہے۔

ہے کوئی دنیا میں ایسی جہالت جو اس جہالت کی ہمسری کر سکے۔؟

ان دونوں سورتوں کے معنی و مطلب سے واقف ہونے کے باوجود یہ فرمانا کہ اس میں صرف ایک جملہ ہی تو ایسا ہے جس میں گرہ میں پھونک والی سے پناہ مانگی گئی ہے۔ اعلیٰ درجہ کی جہالت اور خالص قسم کی نادانی ہے۔ قارئین ذرا ان دونوں سورتوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

کہو کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔ اور رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے اور گرہ میں پھونک مارنے والیوں کے شر سے اور حاسد کے شر سے جبکہ وہ حسد کرے۔

کہو کہ میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب انسانوں کے بادشاہ انسانوں کے حقیقی معبود کی اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو بار بار پلٹ کر آتا ہے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

یہ ہے معوذتین کا لفظی ترجمہ۔ اس ترجمہ پر سرسری نظر ڈال لینے ہی سے اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ معوذتین الفاظ کے اعتبار سے انتہائی مختصر اور مجمل دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن معنی و مفہوم کے اعتبار سے انتہائی وسیع اور ہمہ گیر ہیں۔ ان دونوں سورتوں کا ورد رکھنے والا دراصل دنیا بھر کے تمام شر اور فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتا رہتا ہے۔ خالق کائنات کا یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے چند الفاظ میں ایک وسیع و ہمہ گیر مضمون سمیٹ دیا ہے کہ ورد رکھنے والا معمولی زحمت میں مبتلا ہوئے بغیر غیر معمولی مقصد حاصل کر لیتا ہے اور ان تمام مصیبتوں اور آفتوں سے محفوظ ہو جاتا ہے جو ہزار صورتوں اور ہزار پہلوؤں میں سمٹی ہوئی ہوتی ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جادوگروں کے شر سے پناہ مانگنے کے لئے ان سورتوں میں ایک ہی جملہ استعمال ہوا ہے۔ لیکن یہ "ایک جملہ" برائے نام "کہلانے" کا مستحق اس لئے نہیں ہے کہ معوذتین کوئی لمبی چوڑی سورتیں نہیں ہیں۔ مختصر سورتیں ہیں اور ان میں اجمال واختصار کا لحاظ رکھتے ہوئے جملہ آفتوں سے اللہ کی پناہ مانگنے کا سبق دیا گیا ہے۔ یہ جملہ اگر سورۂ بقرہ اور آل عمران میں ہوتا تو بے شک قیصر صاحب کو یہ کہنے کا حق حاصل تھا کہ اتنے سارے جملوں اور کثیر التعداد آیات کے بیچ میں اس ایک جملے کی حقیقت ہی کیا ہے لیکن واضح رہے کہ یہ بات قیصری صاحب کے منہ سے اچھی لگتی ہے۔ جو روایات کو نظر انداز کرنے میں ماہر معلوم ہو رہے ہیں۔ کوئی اور مسلمان بھلا یہ جرأت کیسے کر سکتا ہے کہ قرآن کے کسی ایک نقطہ کو بھی بے حقیقت سمجھ لے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ معوذتین بھی ایک آیت ہی ہی۔ لیکن ہے تو سہی۔ اور یہ ایک آیت یہ ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہے کہ جادو اور ٹوٹکوں کا اثر ہوتا ہے اور اس سے پناہ مانگنے کی دعاء سکھائی گئی ہے۔

ہٹ دھرمی اور دیدہ دلیری کا دامن تھامے بغیر یہ کہنا دشوار ہی ہو گا کہ معوذتین کو برائے دفع سحر کے لئے پڑھنا خلاف عقل ہے۔ قرآن حکیم میں ایک جگہ دعا مانگنے کا مختصر اور جامع طریقہ بایں الفاظ سکھایا گیا۔

ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وّفی الآخرۃ حسنۃ وّقنا

اب النار۔
اس مختصر سی دعا میں بندہ اپنے رب سے سب مانگ لیتا ہے "فی الدنیا حسنۃ" کے دائرہ دنیا کی تمام جائز راحتیں اور انسان کی تمام ضرورتیں جائز تمنائیں داخل ہیں۔ روزگار کی ترقی، رزق فراخی، عزت و حشمت کا سرمایہ، سکون و طمانیت دولتیں، بیوی بچوں کی محبت اور راحت و آرام کی شقیں بھی اس میں سمٹی ہوئی ہیں۔ اور اس طرح "فی الآخرۃ حسنۃ" کے دائرہ میں ہر وہ نعمت سرفرازی داخل ہے جو حساب و کتاب کے بعد منجانب اللہ مل سکتی ہے۔

اب اگر کوئی شخص اپنی دنیاوی زندگی میں سکون راحت اور حسن و خوبی پیدا کرنے کے لئے مذکورہ دعا مانگنے پر قانع ہو تو اسے نادان سمجھنا نادانوں کا شیوہ ہو سکتا ہے عقلمندوں کا بالکل نہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دعا میں نہ رزق کا ذکر ہے نہ سکون زندگی کا نہ روزگار کا ذکر ہے نہ مدارج کا۔ لیکن اس کے باوجود اس ایک جملہ میں وہ سب کچھ سمٹا ہوا ہے جو ہزار جملوں میں نہیں سما سکتا۔ بالکل اسی طرح معوذتین کے اختصار میں جو تفصیل پیوستہ ہے اس انکار کی مجال کسی صاحب ہوش کو نہیں ہو سکتی۔ لیکن کیا کیا جائے کہ عین ہوش کی حالت میں قیصر صاحب معوذتین کی غیر مفیدیت کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس کی ہمہ گیریت انکار فرما کر اپنی کج فکری کا ثبوت فراہم کر دیتے ہیں۔

"ومن شر النفثت فی العقد" میں صاف طور سے گرہوں کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے لہذا جادو اور اس کے اثرات سے نجات پانے کے لئے ان سورتوں کو ورد رکھنا اور انھیں پڑھ پڑھ کر پھونکنا خلافِ عقل و نیت کیسے ہو سکتا ہے؟

نمبر ۷ کے ضمن میں ارشاد ہوتا ہے کہ

فرشتوں کے ذریعہ کنوئیں کے اندر پتھر کے نیچے کھجور کے خوشہ میں آپ کا پتلا رکھا ہوا ہونے کی اطلاع مل جانے کے بعد کنوئیں کا پانی نکالنے کی بات بھی محل غور ہے کیا اللہ اپنے حکم سے یا فرشتوں کے ذریعہ اس کو نہیں نکال سکتا تھا۔ یا خود حضور صحابہ کرامؓ کے ذریعہ اسے نہیں نکال سکتے تھے۔

یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی صاحب یہ فرمانے لگیں کہ جنگ بدر میں رسولِ خدا کا بہ نفس نفیس شرکت کرنا بھی محل غور ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ کفار کی گردنیں نہیں مروا سکتے تھے۔ یا انھیں اپنی قدرت کاملہ سے تہس نہس نہیں کر سکتا تھا۔

آخری جملے کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لئے کہ احادیث کا معمولی طالب علم بھی اس بات سے واقف ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پتلا وغیرہ صحابۂ کرامؓ کے ذریعہ ہی کنوئیں سے حاصل کیا تھا۔

(تیسری قسط اگلے شمارہ میں)

(تیسری قسط اگلے شمارہ میں)

بیان و تفصیل ملکیت وغیرہ متعلق ماہنامہ تجلی۔

مقام اشاعت۔ اسلامیہ بازار دیوبند۔ ضلع سہارنپور (یو.پی) وقفۂ اشاعت۔ ماہانہ طابع (فی الحال محبوب پریس) پٹنہ۔ محبوب پریس لال مسجد دیوبند) پرنٹر۔ حسن احمد صدیقی۔ پبلشر۔ نسیم فاطمہ۔ پروپرائٹر۔ نسیم فاطمہ۔ ایڈیٹر و تنظیم کار۔ حسن احمد صدیقی۔ وطنیت۔ ہندوستان۔ میرے علم و یقین کی حد تک مندرجہ بالا تفصیل مبنی بر صداقت ہے۔ حسن احمد صدیقی۔
ایڈیٹر تجلی دیوبند۔ (یوپی)

مسجد سے میخانے تک

ملا ابن العرب مکی

لیجیے حضور، آج تک آپ ملا سے ڈائری سنتے آئے تھے آج فتویٰ بھی سن لیجیے فتوے کی شان نزول یہ ہے کہ آٹھ دن ہوئے ایڈیٹر صاحب نے ایک خط دیتے ہوئے فرمایا کہ ملا! یہ استفتا آیا ہے اس کا جواب تم [illegible] ملا یکدم حیران رہ گیا اور عرض کیا۔

"کیا مفتی صاحب انتقال فرما گئے؟"

ایڈیٹر صاحب نے جھلا کر فرمایا۔

"نکو منت۔ مفتی صاحب نے یہ استفتا یہ کہہ کر لوٹا دیا ہے کہ اس کا جواب ان کے بس کا نہیں۔ اس سے صرف ملا ہی نبٹ سکتا ہے"

میری حیرت اور بھی بڑھی۔ عرض کیا۔

"کیا مفتی صاحب کو نہیں معلوم کہ [illegible] علم محض دیوبند سے دلی تک ہے اور فتویٰ نویسی کے لیے جن کتابوں کی ضرورت ہوتی ہے ان کا حجم اور وزن یا دیکھ کر ہی فدوی کو بخار چڑھتا ہے۔ آخر کس خطا کی سزا میں فتویٰ نویسی کا فرض مجھے سونپا جا رہا ہے؟"

فرمایا۔

"یہ سب میں نہیں جانتا۔ مجھے تو مفتی صاحب نے حکم دیا ہے کہ یہ استفتا آپ کے حوالے کر دوں اور آپ لکھنے کی تاکید کر دوں۔ اگر تم عذر کرو گے تو نصف تنخواہ کاٹ لی جائے گی۔

[illegible]

"تنخواہ کا اس سے کیا تعلق [illegible] جواب لکھ دوں گا؟"

ایڈیٹر صاحب نے مسکرا کر خط مجھے دے دیا اور [illegible] تنخواہ کی خاطر میں مجبور ہوں کہ جواب لکھوں [illegible] یہ ظاہر ہے کہ شرعی معاملات میں بے پڑھے تو [illegible] جا سکتا لہذا [illegible] حضرت مفتی [illegible] میں دوڑ گیا اور سارا ماجرا عرض کیا۔ فرمانے لگے

"آپ کی تحریک [illegible]"

[illegible]

فرمایا "[illegible]"

[illegible]

میرا دل دھڑکنے لگا [illegible] کہ پوری تنخواہ [illegible] کر کام چلتا ہے [illegible] دیدیے تو اللہ حافظ ہے بڑی عاجزی اور انکسار والحاح سے عرض کیا۔

"حضرت! آپ تو ما شاء اللہ دار العلوم سے [illegible] دوسو [illegible] بیوی بچوں کا سال میں ایک ایک جوڑا بنتے ہیں۔ فدوی محض ایک سو بیس میں [illegible] اور سال بھر میں بیوی کے دس اور بچوں کے بے تعداد [illegible]

نے پڑتے ہیں۔ آخر مجھ غریب کا خون چوس کر آپ کو ملے گا؟"

پارہ تیز ہو گیا۔ بھویں تن گئیں۔ پُر جلال آواز میں فرمایا:۔

"زندیق! ملحد! ہمیں خون چوسنے والا کہہ کر علماء حق کی توہین کرتا ہے۔ یاد رکھ اگر یہی تیری بد زبانیاں ہیں تو تیرے خلاف ایک دو نہیں دس فتوے لکھیں گے جنت کے آس پاس بھی تجھے پھٹکنے نہ دینگے۔"

میں نے لجاجت سے عرض کیا:۔

"قبلہ محترم! آپ تو ناراض ہو گئے۔ میرا مطلب تھا ...روپے کی بجائے کچھ مٹھائی کھٹائی پر اکتفا کر لیجئے؟"

ٹھنڈے ہو کر بولے:۔

"تیرے بال بچوں پر ترس آتا ہے۔ خیر صرف دس روپے نقد دے اور ایک سیر مٹھائی بھوانی حلوائی کی دوکان سے منگا۔ چائے کے لئے علیحدہ سے دو روپے دلوا۔"

مجھ بد نصیب کو حضرت کی نرمی و رعایت سے ...یہ اچانک بہت خوشی ہوئی لیکن اس خیال سے کہ بھوانی کی مٹھائی تین روپے سیر آتی ہے اور دوسری ...نوں پر ڈیڑھ روپے سیر مل جاتی ہے۔ عرض کیا:۔

"میرے خیال میں یہ جو اپنے بازار میں کئی مسلمان حلوائی بیٹھتے ہیں ان سے کیوں نہ لے لی جائے مٹھائی؟ ...ن کے پاس بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ ممکن ہے کچھ ثواب بھی مل رہے۔"

فرمایا: "اپنے کو ثواب کی ضرورت نہیں۔ ...کے فضل سے اوراد و نوافل ہی کا اتنا ثواب جمع ہے کہ بچ رہے گا۔ بھوانی کی مٹھائی کا جواب نہیں ہے اصلی گھی کی بناتا ہے۔"

قہر مولوی برجانِ ملا۔ دو روپے چائے کے اور تین مٹھائی کے فوراً نکال کر دیدیئے۔ مگر دس نقد اس وقت نہیں تھے۔ ہاتھ جوڑ کر کہا:۔

"حضرت! دس پھر لے لیجئے گا۔ مہینہ ختم ہے مشکل سے گوشت تک ادھا آ رہا ہے۔"

غضب ناک ہو کر بولے:۔

"چار سو بیس کہیں کا! دس ابھی لوں گا اور نقد لوں گا۔ فتوے کو مذاق سمجھ رکھا ہے تم لوگوں نے!"

بڑی مشکل آئی۔ دس موجود نہیں اور فتویٰ بغیر دس کے ملتا نہیں۔ بہت سوچ کر عرض کیا:۔

"اچھا کسی کی ضمانت دلوا دوں؟ تنخواہ ملتے ہی روپے دے دوں گا۔"

بولے "چلو ضمانت دلواؤ ـــ مگر یاد رہے اب دس نہیں بعد میں پندرہ لوں گا!"

بہ مشکل تمام مولوی حیران علی سے ضمانت دلوائی اور قبلہ رو ہو کر بیٹھ گیا کہ اب گوہر مقصود حاصل ہو گا۔ حضرت ممدوح داڑھی میں انگلیوں کا خلال کر رہے تھے اور میں بد نصیب سراپا شوق بنا ہوا تھا کہ اب لبہائے مقدس حرکت میں آئیں اور اب علوم شرعیہ کا دھارا بہہ نکلے۔ لیکن حضرت نے فرمایا:۔

"چائے پانی ہولے تب انشاء اللہ کچھ بیان کروں گا"

میں نے کہا ـــ "چائے پانی آپ کرتے رہیئے گا۔ مجھے شرعی جوابات بتا دیجئے تاکہ رخصت ہو جاؤں"

بولے ـــ "نہیں جب تک ناشتہ نہ ہو جائے طبیعت کھلتی نہیں ہے۔ میری عادت ہے کہ علمی عقدہ کشائیوں سے قبل بطور استحباب و تورع منہ میٹھا کر لیتا ہوں اور اوپر سے چائے کے گھونٹ لے لے کر مشکل سے مشکل علمی مسائل کی گرہیں کھولتا چلا جاتا ہوں"

انجام کار مٹھائی آئی۔ چائے بنی۔ حضرت نے استفتاء پڑھا اور ترتیب وار ہر شق کے شرعی جوابات بتائے۔ یہ جوابات میں نے حافظے میں بٹھا لئے اور اب ناظرین کی خدمت میں استفتاء اور جواب دونوں حاضر ہیں۔

استفتاء یہ ہے:

"کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین امور مندرجہ ذیل میں اور کیا حکم ہے خدا و رسول کا اشخاص ذیل کے بارے میں (۱) بھوپال میں

مسماۃ قیصری پیر بن گئی ہیں۔ وہ لوگوں کو مرید کرتی ہیں اور لوگ اُن کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور اُن کے ہاتھ چومتے ہیں۔ مسماۃ مذکورہ نوجوان اور نوعمر غیر شادی شدہ ہیں۔

(۲) مسماۃ قیصری کبھی کبھی نماز پڑھتی ہیں اور مرد مُریدوں کی امامت کرتی ہیں۔

(۳) مسماۃ مذکورہ اپنے ساتھ ایک نوجوان غیر محرم کو رکھتی ہیں جو اُن کے پاس ہر وقت رہتا ہے۔ اُنھیں کے کمرے میں سوتا ہے۔ ان کی خدمت کرتا ہے اُن کے کپڑے دھوتا ہے۔ اس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ نامرد ہے۔

(۴) مسماۃ مذکورہ کے مُریدین کہتے ہیں کہ ان کی پیرائی کا مرتبہ حضرت مریمؑ کے برابر ہے اور قریب ہے کہ اللہ انکو ہر طرح بی بی مریم کے برابر کردیوے۔

(۵) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسیح اور مہدی اُن کے گھر سے پیدا ہوگا۔

(۶) مسماۃ مذکورہ بہت عالم ہیں اور شاعر ہیں ان کا ایک دیوان چھپ چکا ہے وہ عربی، فارسی اور انگریزی خوب جانتی ہیں۔

(۷) مسماۃ مذکورہ کا دعویٰ ہے کہ ان کو الہام ہوتا ہے۔ اور غیر کی خبریں بتا دیتی ہیں۔

(۸) لاؤڈ اسپیکر پر مردوں کے سامنے باہر جاکر تقریریں کرتی ہیں۔

(۹) مسماۃ مذکورہ اپنے اعمال کے ثبوت میں حجانی بی بی کا نام لیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو خرقہ خلافت بخشی تھی۔ اور حضرت رابعہ نے نہانے کی حالت میں جب کہ وہ برہنہ تھیں اپنے ایک مرید کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔

(۱۰) بھوپال شہر میں کمرے اور کٹنی اور جبل پور اور آلہ آباد میں قیصری خانم کے مریدین بڑھتے جارہے ہیں۔ ان میں بعض لوگ مولوی، حافظ قاری ہیں اور امامت بھی کرتے ہیں۔ ان کی امامت ہے؟

براہ کرم بتائیے کہ یہ کیا معاملات ہیں اور ان بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ ان دعووں میں اہ ماننا کیسا ہے اور مریدین گمراہ ہیں یا ہدایت پر؟ پیرائی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اپنے رسالے تجلی اُن مسائل کا جواب دے کر سرفراز فرمایا جاوے تاکہ زیادہ سے زیادہ مخلوق خدا خبردار ہو اور ثو و خطا کا فیصلہ کرسکے۔ جواب نمبروار عنایت ہو

محمد الحسن چودھری۔ معرفت حاجی بیدل صاحب
گنج۔ کٹنی۔ مدھیہ پردیش

جوابات حسب ترتیب درج ذیل ہیں۔ جواب ہر شق کے ساتھ سوال کی وہی شق دُھراتے جایئے

(۱) مسماۃ قیصری بیگم کو ملّا کا سلام۔ بعد شو ملاقات کے واضح ہو کہ آپ نے بڑا ہی اچھا کیا جو کی گدّی سنبھال لی۔ مردانہ پیروں اور مریدوں کے لہ اب فرسودہ اور بے مزا بن چکے ہیں۔ عورت — اور کنواری عورت پیر ہو تو ثوابِ آخرت کے ساتھ ر کا لطف بھی حاصل ہوتا رہتا ہے۔ اور آنجنابہ نے دستہائے نازک چومنے کا جواز ان مریدوں کو دیدیا تو اس سے رومانس میں بھی اضافہ ہوگیا اور جذبۂ تنہا کی بھی پاس داری ہوگئی۔ اللہ آپ کی قبر کو نور سے بھ آپ نے مردوں کے اس گھٹیا خیال پر کاری ضرب لگ ہے کہ مرد عورت سے افضل اور اقویٰ ہے۔ عورت نہ مردوں کے برابر ہے بلکہ اُن کی پیر بھی بن سکتی ہے۔ جزاک اللہ!

(۲) عالمگیری اور ردالمحتار وغیرہ میں صاف لکھدیا۔

اذا فضل المرأة علی الرجال	جب عورت علم و عبادت
فی العلوم والعبادات فجاز لہا	کہ بازی لیجائے تو اسکے لئے مر
ان یکون اماما للرجال. واذ	بنجانا جائز ہے۔ اور جب ر

...ب النار۔
اس مختصر سی دعا میں بندہ اپنے رب سے سب کچھ لیتا ہے "فی الدنیا حسنة"، کے دائروں میں دنیا کی تمام جائز راحتیں اور انسان کی تمام ضرورتیں اور تمنائیں داخل ہیں۔ روزگار کی ترقی، رزق کی فراخی، عزت وحشمت کا سرمایہ، سکون وطمانیت کی دولتیں، بیوی بچوں کی محبت اور راحت وآرام کی حقیقیں بھی اس میں سمٹی ہوئی ہیں۔ اور اس طرح "فی الآخرة حسنة" کے دائروں میں ہر وہ نعمت وسرفرازی داخل ہے جو حساب وکتاب کے بعد جناب اللہ مل سکتی ہے۔

اب اگر کوئی شخص اپنی دنیاوی زندگی میں سکون وراحت اور حسن وخوبی پیدا کرنے کے لئے مذکورہ دعا مانگنے پر قانع ہو تو اسے نادان سمجھنا نادانوں کا شیوہ ہو سکتا ہے عقلمندوں کا بالکل نہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دعا میں نہ رزق کا ذکر ہے نہ سکون زندگی کا نہ روزگار کا ذکر ہے نہ بلند درجات کا۔ لیکن اس کے باوجود اس ایک جملہ میں وہ سب کچھ سمٹا ہوا ہے جو ہزار جملوں میں نہیں سما سکتا۔ بالکل اسی طرح معوذتین کے اختصار میں جو تفصیل پیوست ہے اس انکار کی مجال کسی صاحب ہوش کو نہیں ہو سکتی۔ لیکن کیا کیا جائے کہ عین ہوش وحواس کی حالت میں قیصر صاحب معوذتین کی غیر مفیدیت کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس کی ہمہ گیریت سے انکار فرما کر اپنی کج فکری کا ثبوت فراہم کر دیتے ہیں۔

ومن شر النفثٰت فی العقد۔ میں صاف طور سے جادوگروں کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے لہذا جادو اور اس کے اثرات سے نجات پانے کے لئے ان سورتوں کو ورد رکھنا اور انھیں پڑھ پڑھ کر پھونکنا خلافِ عقل بات کیسے ہو سکتا ہے؟

نمبر ۷ کے ضمن میں ارشاد ہوتا ہے کہ

فرشتوں کے ذریعہ کنوئیں کے اندر پتھر کے نیچے کھجور کے خوشہ میں آپ کا پتلا رکھا ہوا ہونے کی اطلاع مل جانے کے بعد کنوئیں کا پانی نکالنے کی بات بھی محلِ غور ہے کیا اللہ اپنے حکم سے یا فرشتوں کے ذریعہ اس کو نہیں نکال سکتا تھا۔ یا خود حضورؐ صحابہ کرامؓ کے ذریعہ اسے نہیں نکال سکتے تھے۔

یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی صاحب یہ فرمانے لگیں کہ جنگ بدر میں رسولِ خدا کا بنفسِ نفیس شرکت کرنا بھی محلِ غور ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ کفار کی گردنیں نہیں مروا سکتے تھے۔ یا انھیں اپنی قدرت کاملہ سے تہس نہس نہیں کر سکتا تھا۔

آخری جملے کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لئے کہ احادیث کا معمولی طالب علم بھی اس بات سے واقف ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پتلا وغیرہ صحابۂ کرامؓ کے ذریعہ ہی کنوئیں سے حاصل کیا تھا۔

(تیسری قسط اگلے شمارہ میں)

بیان وتفصیل ملکیت وغیرہ متعلق ماہنامہ تجلّی۔

مقام اشاعت۔ اسلامیہ بازار دیوبند۔ ضلع سہارنپور (یو پی)، وقفۂ اشاعت۔ ماہانہ طابع (فی الحال محبوب پریس) پتہ۔ محبوب پریس لال مسجد دیوبند) پرنٹر۔ حسن احمد صدیقی۔ پبلشر۔ نسیم فاطمہ۔ پروپرائٹر۔ نسیم فاطمہ۔ ایڈیٹر و تنظیم کار۔ حسن احمد صدیقی۔ وطنیت۔ ہندوستان۔ میرے علم ویقین کی حد تک مندرجہ بالا تفصیل بنی برصداقت ہے۔ حسین احمد صدیقی۔
ایڈیٹر تجلّی دیوبند۔ (یو پی)

مسجد سے میخانے تک

ملاّ ابن العرب مکی

لیجئے حضور، آج تک آپ ملاّ سے ڈائری سنتے آئے تھے آج فتویٰ بھی سُن لیجئے فتوے کی شانِ نزول یہ ہے کہ آٹھ دن ہوئے ایڈیٹر صاحب نے ایک خط دیتے ہوئے فرمایا کہ ملاّ! یہ استفتا آیا ہے اس کا جواب لکھ دو۔ خاکسار اکدم حیران رہ گیا اور عرض کیا:۔

"کیا مفتی صاحب انتقال فرما گئے؟"

ایڈیٹر صاحب نے جھلا کر فرمایا:۔

"بکو مت۔ مفتی صاحب نے یہ استفتا یہ کہہ کر لوٹا دیا ہے کہ اس کا جواب اُن کے بس کا نہیں۔ اس سے صرف ملاّ ہی نبٹ سکتا ہے"

میری حیرت اور بھی بڑھی۔ عرض کیا:۔

"کیا مفتی صاحب کو نہیں معلوم کہ خادم کی تعلیم محض دیوبند سے دلّی تک ہے اور فتویٰ لکھنے کے لئے جن کتابوں کی ضرورت ہوتی ہے ان کا حجم اور موٹاپا دیکھ کر ہی فدوی کو بخار چڑھتا ہے۔ آخر یہ کس خطا کی سزا میں فتویٰ نویسی کا فرض مجھے سونپا جا رہا ہے؟"

فرمایا:۔

"یہ سب میں نہیں جانتا۔ مجھے تو مفتی صاحب نے حکم دیا ہے کہ یہ استفتا آپ کے حوالے کر دوں اور جواب لکھنے کی تاکید کر دوں۔ اگر تم عذر کرو گے تو نصف تنخواہ کاٹ لی جائے گی۔"

"ا...... ر...... ر...... یہ" میں گھبرا اٹھا۔

"تنخواہ کا اس سے کیا تعلق؟ — لائیے خط لائیے۔ ضرور جواب لکھ دوں گا۔"

ایڈیٹر صاحب نے مسکرا کر خط مجھے دیدیا اور اب نصف تنخواہ کی خاطر میں مجبور ہوں کہ جواب لکھوں اور ظاہر یہ ظاہر ہے کہ شرعی معاملات میں بے پرکی تو اڑائی نہیں جا سکتی لہٰذا آج علی الصباح حضرت مفتی خشیۃ اللہ کی خدمت میں دوڑا دوڑا گیا اور سارا ماجرا عرض کیا۔ فرمانے لگے

"آپ کی تنخواہ کیا ہے؟"

میں نے کہا "ایک سو بیس روپے۔"

فرمایا "نصف اس کے ساٹھ ہوتے ہیں۔ ا... تیس مجھے دیدو تو ابھی لکھوا دوں"

میرا دل دھڑکنے لگا۔ حال تو یہ ہے کہ پوری تنخواہ میں بھی دس بیس اُدھار لے کر کام چلتا ہے تیس دیا دیئے تو اللہ حافظ ہے بڑی عاجزی اور انکسار والحاح سے عرض کیا:۔

"حضرت! آپ تو ماشاء اللہ دارالعلوم سے ا... دو سو پاتے ہیں اور بیوی بچوں کا سال میں ایک ایک جوڑا بناتے ہیں۔ فدوی محض ایک سو بیس میں گذارا اور سال میں بیوی کے دس اور بچوں کے بے تعداد جوڑ...

پڑتے ہیں۔ آخر مجھ غریب کا خون چوسکر آپ کو
گا۔"
پارہ تیز ہوگیا۔ بھویں تن گئیں۔ پُر جلال آواز میں فرمایا:۔
"زندیق! ملحد! ہمیں خون چوسنے والا کہہ کر علماء حق
توہین کرتا ہے۔ یاد رکھ اگر یہی تیری بدزبانیاں ہیں
تیرے خلاف ایک دو نہیں دس فتوے لکھیں گے
جنت کے آس پاس بھی تجھ پھٹکنے نہ دیں گے۔"
میں نے لجاجت سے عرض کیا:۔
"قبلہ محترم! آپ تو ناراض ہو گئے۔ میرا مطلب تھا
تیس روپے کی بجائے کچھ مٹھائی کھٹائی پر اکتفا کر لیتے۔"
ٹھنڈے ہوکر بولے:۔
تیرے بال بچوں پر ترس آتا ہے۔ خیر صرف دس
روپے نقد دے اور ایک سیر مٹھائی بھوانی حلوائی کی دوکان
سے منگا۔ چائے کے لئے علیحدہ سے دو روپے دلوا۔"
مجھ بد نصیب کو حضرت کی نرمی و رعایت سے
اگرچہ اچانک بہت خوشی ہوئی لیکن اس خیال سے
بھوانی کی مٹھائی تین روپے سیر آتی ہے اور دوسری
دکانوں پر ڈیڑھ روپے سیر مل جاتی ہے۔ عرض کیا:۔
"میرے خیال میں یہ جو اپنے بازار میں کئی مسلمان
حلوائی بیٹھتے ہیں ان سے کیوں نہ لے لی جائے مٹھائی؟
ان کے پاس بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ ممکن ہے کچھ
ثواب بھی مل رہے۔"
فرمایا: "اپنے کو ثواب کی ضرورت نہیں۔
خدا کے فضل سے! ورا دو نوافل ہی کا اتنا ثواب جمع
ہے کہ بچ رہے گا۔ بھوانی کی مٹھائی کا جواب نہیں ہے
اصلی گھی کی بناتا ہے۔"
قہر مولوی برجانِ ملّا۔ دو روپے چائے کے اور تین
مٹھائی کے فوراً نکال کر دیئے۔ مگر دس نقد اس وقت
نہیں تھے۔ ہاتھ جوڑ کر کہا:۔
"حضرت! دس پھر لے لیجئے گا۔ مہینہ ختم ہے
کل سے گوشت تک اُدھا آرہا ہے۔"

غضب ناک ہوکر بولے:۔
"چار سو بیس کہیں کا! دس ابھی لوں گا اور نقد لوں
گا۔ فتوے کو مذاق سمجھ رکھا ہے تم لوگوں نے!"
بڑی مشکل آئی۔ دس موجود نہیں اور فتویٰ بغیر دس
کے ملتا نہیں۔ بہت سوچ کر عرض کیا:۔
"اچھا کسی کی ضمانت دلوا دوں؟ تنخواہ ملتے ہی
روپے دے دوں گا۔"
بولے "چلو ضمانت دلواؤ ــ مگر یاد رہے اب
دس نہیں بعد میں پندرہ لوں گا!"
بہ مشکل تمام مولوی حیران علی سے ضمانت دلوائی
اور قبلہ رو ہوکر بیٹھ گیا کہ اب گوہر مقصود حاصل ہوگا۔
حضرت ممدوح داڑھی میں انگلیوں کا خلال کر رہے تھے
اور میں بد نصیب سراپا شوق بنا ہوا تھا کہ اب لبہائے
مقدس حرکت میں آئیں اور اب علوم شرعیہ کا دھارا
بہہ نکلے۔ لیکن حضرت نے فرمایا:۔
"چائے پانی ہولے تب انشاء اللہ کچھ بیان کروں گا۔"
میں نے کہا "چائے پانی آپ کرتے رہیئے گا۔
مجھے شرعی جوابات بتا دیجئے تاکہ رخصت ہو جاؤں۔"
بولے ــ "نہیں جب تک ناشتہ نہ ہو جائے
طبیعت کھلتی نہیں ہے۔ میری عادت ہے کہ علمی عقدہ
کشائیوں سے قبل بطور استحباب و تورع منہ بیٹھا کر
لیتا ہوں اور اوپر سے چائے کے گھونٹ لے لے کر مشکل سے
مشکل علمی مسائل کی گرہیں کھولتا چلا جاتا ہوں۔"
انجام کار مٹھائی آئی۔ چائے بنی۔ حضرت نے استفتاء
پڑھا اور ترتیب وار ہر شق کے شرعی جوابات بتائے۔
یہ جوابات میں نے حافظے میں بٹھا لئے اور اب ناظرین
کی خدمت میں استفتاء اور جواب دونوں حاضر ہیں۔
استفتاء یہ ہے:۔

"کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین
اُمور مندرجہ ذیل میں اور کیا حکم ہے خدا و رسول
کا اشخاص ذیل کے بارے میں (۱) بھوپال میں

مسماۃ قیصری پیر بن گئی ہیں۔ وہ لوگوں کو مرید کرتی ہیں اور لوگ اُن کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور اُن کے ہاتھ چومتے ہیں۔ مسماۃ مذکورہ نوجوان اور نو عمر غیر شادی شدہ ہیں۔

(۲) مسماۃ قیصری کبھی کبھی نماز پڑھتی ہیں اور مرد مُریدوں کی امامت کرتی ہیں۔

(۳) مسماۃ مذکورہ اپنے ساتھ ایک نوجوان غیر محرم کو رکھتی ہیں جو اُن کے پاس ہر وقت رہتا۔ اُنھیں کے کمرے میں سوتا ہے۔ ان کی خدمت کرتا ہے اُن کے کپڑے دھوتا ہے۔ اس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ نامرد ہے۔

(۴) مسماۃ مذکورہ کے مُریدین کہتے ہیں کہ ان کی پیرانی کا مرتبہ حضرت مریمؑ کے برابر ہے اور قریب ہے کہ اللہ انکو ہر طرح بی بی مریم کے برابر کر دیوے۔

(۵) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسیح اور مہدی اُن کے گھر سے پیدا ہوگا۔

(۶) مسماۃ مذکورہ بہت عالم ہیں اور شاعر ہیں ان کا ایک دیوان چھپ چکا ہے وہ عربی، فارسی اور انگریزی خوب جانتی ہیں۔

(۷) مسماۃ مذکورہ کا دعویٰ ہے کہ ان کو الہام ہوتا ہے۔ اور غیر کی خبریں بتا دیتی ہیں۔

(۸) لاؤڈ اسپیکر پر مردوں کے سامنے باہر جا کر تقریریں کرتی ہیں۔

(۹) مسماۃ مذکورہ اپنے اعمال کے ثبوت میں مجانی بی بی کا نام لیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو خرقہ خلافت بخشی تھی۔ اور حضرت رابعہ نے نہانے کی حالت میں جب کہ وہ برہنہ تھیں اپنے ایک مرید کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔

(۱۰) بھوپال شہر میں کم، اور کٹنی اور جبل پور اور آرہ آباد میں قیصری خانم کے مریدین بڑھتے جا رہے ہیں۔ ان میں بعض لوگ مولوی، حافظ، قاری ہیں اور امامت بھی کرتے ہیں، ان کی امامت ہے؟

براہ کرم بتائیے کہ یہ کیا معاملات ہیں اور ان بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ ان دعووں میں اہ ماننا کیسا ہے اور مریدین گمراہ ہیں یا ہدایت پر ا پیرانی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اپنے رسالے تجلی اُن مسائل کا جواب دے کر سرفراز فرمایا جاوے تاکہ زیادہ سے زیادہ مخلوقِ خدا اجر دار ہو اور ثو و خطا کا فیصلہ کر سکے۔ جواب نمبر وار عنایت ہو

محمد الحسن چودھری۔ معرفت حاجی بیدل صاحب گنج۔ کٹنی۔ مدھیہ پردیش

جوابات حسب ترتیب درج ذیل ہیں۔ جواب ہر شق کے ساتھ سوال کی وہی شق دُھراتے جائیے

(۱) مسماۃ قیصری بیگم کو ملّا کا سلام۔ بعد شو ا ملاقات کے واضح ہو کہ آپ نے بڑا ہی اچھا کیا جو کی گدّی سنبھال لی۔ مردانہ پیروں اور مریدوں کے ٹ اب فرسودہ اور بے مزا بن چکے ہیں۔ عورت — اور کنواری عورت پیر ہو تو ثوابِ آخرت کے ساتھ دا کا لطف بھی حاصل ہوتا رہتا ہے۔ اور آنجنا بہ نے ا دستہائے نازک چومنے کا جواز ان مریدوں کو دیدیا تو اس سے رومانس میں بھی اضافہ ہو گیا اور جدید تہذ کی بھی پاس داری ہو گئی۔ اللہ آپ کی قبر کو نور سے بھ آپ نے مردوں کے اس گھٹیا خیال پر کاری ضرب لگ ہے کہ مرد عورت سے افضل اور اقویٰ ہے۔ عورت نہ مردوں کے برابر ہے بلکہ اُن کی پیر بھی بن سکتی ہے۔ جزاک اللہ!

(۲) عالمگیری اور درمختار وغیرہ میں صاف لکھدیا۔

اذا تفضل المرأة على الرجال	جب عورت علم و عبادت
في العلوم والعبادات فجاز لها	کی بازی لیجائے تو اسکے لئے مرا
ان يكون اماما للرجال. واذ	بننا جائز ہے۔ اور جب

ت هٰذہ المرأة صاحبادة فیضا
ب فی قتلہ لان المجادة
معصوماً نسبتاً ا ہ

جونو مردو کی اسکی اقتدا میں دوگنا ثواب ملتا ہے کیونکہ کنواری عورت بمقابلہ شادی شدہ عورت کے زیادہ معصوم ہوتی ہے۔

پس مس قیصری بیگم کی امامت زندہ باد اور مردوں
نا ثواب مبارک باد!

مس قیصری بیگم کے کمرے میں اگر کوئی نوجوان
سوتا ہے تو اس میں واویلا کی کیا بات ہے۔
دی شدہ فلم ایکٹرسوں کو جب یہ حق حاصل ہے
ے شب خوابی کے کمروں میں وہ جب جسے چاہیں
ں تو ایک رسیدہ نیک بی بی کو کیوں یہ حق نہیں
آخر کیا خدا کا کام کرنے والی نیک بی بی کے حقوق
وں سے بھی کم ہونے چاہئیں؟

رہا اس محرم کا نامرد ہونا تو ظاہر ہے کہ اس طرح
یک معاملات میں دور بیٹھا ہو مفتی کیا فیصلہ ہو
ہے۔ اس کے بارے میں خود قیصری بیگم ہی کا بیان
ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کسی مرد کا مرد یا نامرد ہونا عالمگیری
مختار وغیرہ میں نہیں لکھا۔ بلکہ اس کا واحد ذریعہ
ہ اور صرف تجربہ ہے۔

یہ پیش بندی نہایت عاقلانہ ہے۔ مس قیصری
ب عبادت و ریاضت کے ذریعہ سلوک دولایت
لیں طے کر رہی ہیں تو آخر ایک نہ ایک دن منزل
ی آنی ہی ہے۔ امریکہ کی ایک خاتون نے بھی
ہوئے اپنے بارے میں یہی کہا تھا۔ لیکن ان کے
والے اور امریکن سوسائٹی کے لوگ چونکہ روحانی
پست ہیں۔ اس لئے انھوں نے ان خاتون کے
سے بغیر باپ کے پیدا ہونے والے بچے کو عیسیٰ
نے سے انکار کر دیا اور ان خاتون کو بی بی مریم
کی بجائے محض "سوسائٹی گرل" ماننے پر اکتفا
۔ مس قیصری کا معاملہ جدا ہے۔ وہ بفضلہ تعالیٰ
ور مریدوں کی فطرت میں اعتراض و انکار ہوتا ہی نہیں۔

وہ بالیقین مس قیصری کو مثیل مریم تسلیم کر لیں گے اور
مستقبل قریب میں پیدا ہونے والا خداداد بچہ مثیل
مسیح مانا جائے گا وہ کہا ہے نا:۔

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید!

حاشیہ رد المحتار میں ہے:۔

قول المرشد واجب التسلیم والانقیاد وان یکون مخالف الشریعۃ بظاہراً لان المرشد یکون محرماً باسرار الشرعیۃ والرموز الدینیۃ۔

مرشد کے قول کو تسلیم کرنا اور ماننا واجب ہے اگرچہ بظاہر وہ شریعت کے خلاف ہو کیونکہ مرشد اسرار شریعت اور رموز دین سے خوب واقف ہوتا ہے

(۵) اس میں الجھن کیا ہے۔ آخر قادیان سے نبی پیدا ہو سکتا ہے۔
تو اس قیصری کے گھر سے مسیح و مہدی پیدا ہو جانے میں کونسا استحالہ؟

(۶) ماشاء اللہ۔ الحمد للہ۔ اللّٰھم زد فزد۔

(۷) بڑی خوشی کی بات ہے۔ دیو بند میں بر میر (ان) د
منشعب پڑھنے والے کو جب الہام ہو جاتا ہے کہ
مودودی کافر ہیں اور جماعت اسلامی گمراہ ہے تو مس
قیصری بیگم کو الہام کیوں نہ ہو گا۔ چیونٹی تک کو الہام ہوتا
ہے مس قیصری تو پھر انسان ہیں۔ ہمارے محلے میں
ایک ڈاکٹر ہیں انھیں بیسیوں برس سے الہام ہوتے
چلا جا رہا ہے اور ان کا نام ہی ڈاکٹر الہامی ہے۔ لہٰذا
مس قیصری کا الہام زندہ باد۔

(۸) اس میں بھی کوئی شرعی قباحت نہیں مراقی
الفلاح میں ہے۔

اذا فسدت المعاشرۃ من شر الرجال فیجوز للمرأۃ ان تسعیٰ لاصلاح المعاشرۃ جهراً او سراً علانیۃ۔ فاذا کان الضرورۃ مقتضیاً لخطابۃ العامۃ علی آلۃ المکبر الصوت فیجوز للمرأۃ ان تخطب۔

جب معاشرہ مردوں کی شرارت سے فاسد ہو جائے تو عورت کیلئے جائز ہے کہ معاشرے کی اصلاح کی کوشش کرے ڈھکے چھپے اور کھلے بندوں علانیہ۔ پس جب لاؤڈ اسپیکر پر کسی خطبۂ عام کی ضرورت درپیش ہو تو جائز ہے عورت کیلئے کہ خطبہ دے!

(۹) جمالی بیگم کو خاکسار جانتا نہیں۔ لیکن جب قیصری بیگم
فرما رہی ہیں تو ضرور یہ کوئی برگزیدہ خاتون ہوں گی۔ خواجہ

نے اگر قیصری صاحبہ کو خرقۂ خلافت بخشا ہے تو
طول عمری بھی ثابت ہوتی ہے جو بجائے خود ایک
ہے۔ اور اگر خواب میں ایسا ہوا ہے تب بھی
ا ئقہ نہیں خواجہ اجمیری کے چاہنے والوں سے
ستا ہے کہ جیسے انہوں نے خرقۂ خلافت عطا کیا
سجدہ بھی کرنا جائز ہے اور وہ عالم الغیب والشہادۃ
نا ہے۔

حضرت رابعہ کا قصہ۔ تو اگر اس سے رابعہ بصری
تو ضرور قیصری بیگم نے یہ بات حالتِ جذب میں
ن کا مطلب بہت گہرا ہوگا۔ میرے علم کی حد تک
رابعہ بصری ایک بلند مرتبہ مومنہ تھیں جن
نا یہ کہنا کہ انھوں نے حالتِ برہنگی میں کسی
لیا تھا شیطان کے سوا کسی کا کام نہیں ہو سکتا۔
ہ اہل اللہ کے الفاظ استعارہ و کنایہ ہوتے ہیں
عمیق و لطیف معانی اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اس
معاملہ کو خدا ہی کے سپرد کرنا بہتر ہے۔

یہ ہر زمانے میں بہت سے گدے مولوی
قاری بن کر مولویوں کی نیک نامی کا باعث
نے ہیں۔ لیکن قیصری بیگم کی امامت میں نماز
والے مولویوں اور حافظوں وغیرہ کے بارے
ہنا ذرا مشکل ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ لوگ
ں خشک امامت پر مس قیصری کی رنگین اور
امامت کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی نمازوں میں
ضوع پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر
ری جوان ہونے کے ساتھ حسین بھی ہیں تو پھر
ی بات ہے کہ اللہ جمیل و یحب الجمال اللہ جمیل
ل کو پسند فرماتا ہے۔ بہت سے لوگ حسنِ حقیقی
کے لئے حسنِ مجازی کی سیڑھی لگاتے ہیں اور
یہ لوگ طوائفوں تک سے راہِ سلوک و طریقت
کا کام لیتے ہیں۔ پس کچھ لوگ اگر ایک حسین
رت کے مرید ہو کر اس کے پیچھے نماز میں

پڑھنے لگیں تو میں اور آپ کون قاضی لگے ہیں کہ
فضول بال کی کھال نکالیں۔

فتویٰ سعبدیہ نفیسیہ میں ہے:-

وجمال المرأة یمکن ان یصیر	اور ممکن ہے کہ عورت کا حسن حسنِ حقیقی
وسیلة لحصول حسن الحقیقیة	کے حصول کا ذریعہ بن جائے اور بعض عورتوں
وفی غناء لبعض النساء یکون	کے گانے میں ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ
کیفیة لطیفة لطیوان الروح	اس کے سہارے روح بسیط کیلئے آسمان سلوک
البسیطة الی جو السماء السلوک	کی وسیع فضا میں اڑنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہ ہے آپ کے استفتاء کا شرعی جواب۔ مجھے نہیں معلوم
کہ میں نے جو حوالے کتابوں سے دیئے ہیں وہ کس جلد اور
کس باب میں ہیں۔ میں تو کہہ ہی چکا ہوں کہ یہ معارف
و معلومات مجھے پیسے خرچ کر کے حاصل ہوئے ہیں اور
ان میں کوئی نقص ہو تو اس کی ذمہ داری حضرت مفتی
خشیت اللہ کے سر ہے۔

فتویٰ ختم ہو گیا۔ اب ذرا سی داستان اور
سُن لیجئے۔ دوسری تاریخ کو مفتی صاحب مذکور نے
مجھے راستے میں پکڑا اور جھٹ کہا "لاؤ ملا پیسے تنخواہ
مل گئی ہوگی۔"

مجھے یاد بھی نہ رہا تھا کہ تنخواہ ملنے پر اکدم پندرہ
روپے مفتی صاحب کو دینے ہیں۔ مطالبہ سُنتے ہی دل
دھڑکنے لگا۔ سوچا کہ کس طرح انھیں ٹالوں بمشکل ایک
ترکیب ذہن میں آئی۔ سرگوشی کے انداز میں عرض کیا۔
"حضرت پیسے تو آپ کے میں نے تنخواہ ملتے ہی الگ رکھدیئے
تھے۔ چلئے گھر تک۔ چلئے ابھی لے لیجئے ــــ مگر آپ نے
فوٹو بھی دیکھا مس قیصری کا؟"

مفتی صاحب کا چہرہ ایسا کھل گیا گویا بادل چھٹ
دھوپ نکل آئی۔ بیتابی سے بولے "کیا فوٹو بھی بھیجا ہے
مستفتی نے؟"

میں نے کہا "ارے صاحب! بس یہ سمجھ لیجئے
عورت کیا ہے قیامت ہے۔ اللہ اکبر۔ کیا جمال ہے۔"
مفتی صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچا ــــ

چلو بیٹھک میں بیٹھیں گے۔ یہاں بازار میں گفتگو ٹھیک نہیں۔"

میں نے کہا۔ "آپ چلئے میں گھر سے آپ کے واجب پے اُٹھا لاؤں۔"

بولے "پھر لانا۔ اب تو ذرا چلو۔"

اور ہم دونوں ان کی بیٹھک میں پہنچ گئے۔ حضرت نے فرمایا۔ "لاؤ دکھاؤ وہ فوٹو۔"

"فوٹو؟" میں نے اندازِ تجاہل سے کہا "فوٹو یہاں کہاں ہے۔ وہ تو ایڈیٹر صاحب تجلی کے قبضہ میں ہے۔"

بولے "تو لاؤ نا ان سے ذرا ہم بھی تو دیکھیں۔"

عرض کیا۔ "وہ آسانی سے تھوڑی دیدیں گے۔ موقع پاکر چرانا پڑے گا مجھے۔ مگر آپ کیا کریں گے فوٹو دیکھ کر؟"

داڑھی میں خلال کرتے ہوئے مسکرائے۔

"نیک بی بی کا فوٹو دیکھنا باعثِ سعادت ہوگا۔ سچ بتاؤ کیا واقعی قیصری بیگم بہت خوبصورت اور جوان ہیں؟"

"بے پناہ خوبصورت — اور عمر شاید بیس سال ہوگی"

مفتی صاحب کے چہرہ پر نور کا اضافہ ہوگیا۔ پُرشوق لہجے میں بولے:۔

"اللہ کی دین ہے جسے چاہے نواز دے۔ بیس سال کی عمر میں ولایت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ جانا معمولی بات نہیں ہے۔ آج فوٹو ضرور دکھلانا۔ ساتھ میں مستفتی کا پتہ بھی دینا۔"

"ضرور لیجئے گا — اور آپ اگر بھوپال جانا چاہیں تو مس قیصری کے مریدوں میں ایک میرے گہرے دوست بھی ہیں انکا پتہ دیدوں گا۔"

"سچ؟"

"بالکل سچ۔ یہ میرے دوست بڑے خاص مرید ہیں۔ اکثر خلوت وجلوت میں اپنی مرشدہ کے ساتھ رہتے ہیں۔"

تھوڑی سی جھجک کے ساتھ فرمایا:۔

"تو کیا ہوا آؤں؟ وہ آیتِ قرآنیہ ہے نا کہ سیروا فی الارض (زمین میں سیر سپاٹے کرو) اسی کی تعمیل ہو جائے گی۔"

میں نے کہا "بے شک۔ لیکن میرا انعام؟"

مسکرا کر بولے:۔

"چل پندرہ معاف کئے!"

"شکریہ!"

اور وہ دن سو آج کا دن — حضرت مفتی صاحب روز دروازے پر آتے ہیں اور قلدوسی کہلوا دیتا ہے کہ بھوپال گیا ہوا ہے۔ خدا جانے انجام کیا ہوا! ناظرین دعائے خیر فرمائیں۔

شریعت کا جائزہ کا بقیہ

یقیناً ہم بخوبی جانتے ہیں کہ آپ حضرات، یا ہر دور کے مشرکین، اپنے معبودوں یعنی انبیاء اور اولیاء میں غیب ذاتی اور حاجت روائی کی صفات اور قدرتیں ذاتی نہیں بلکہ عطائی اور ربانی ہی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ اس عقیدہ کو شرک ہی قرار دیتا ہے! دنیا میں آج تک کوئی مشرک ایسا واقع نہیں ہوا جو اپنے خود ساختہ معبودوں اور شریکوں یعنی انبیاء اور شہداء و صالحین کو بالذات غیب داں اور نافع وضار و متصرف کائنات سمجھتا ہو۔ اس لئے مرشد صاحب کی یہ بات افسوس ناک جہالت و گمراہی پر مبنی ہے کہ قرآن مجید میں علم غیب ذاتی کی نفی کی گئی ہے عطائی کی نہیں۔

اس کا ایک لمحے کے لئے بھی ٹکنا ممکن نہیں۔ عوام کا سیلاب
سے ایک بار پھر تنکے کی طرح بہالے جائے گا۔ یہ عنصر اور
اس کے پڑے میں کام کرنے والے کمیونسٹ ایسے
جرثومے ہیں جو کھلی ہوا لگتے ہی مر جاتے ہیں۔ ان کے لئے
سب سے زیادہ سازگار حالات وہ ہوتے ہیں جن میں
کھلا سیاسی عمل بند ہو اور یہ اندر ہی اندر جڑیں کاٹتے
رہیں۔ اس لئے سیاسی سرگرمیوں سے پابندی
ہٹا لینی چاہیئے، تاکہ عوام ایک بار پھر عوام دشمنوں
کو سبق سکھا سکیں۔

س: مولانا! ہمارے معاشرے میں طبقاتی منافرت
پھیلانے کی کوششیں زوروں پر ہیں جہاں کمیونسٹ
اس کے لئے سرگرم ہیں۔ وہاں سرمایہ داروں کا رہنا
سہن اور طرزِ معاشرت بھی اسے ہوا دے رہا ہے۔
کروڑوں عوام تو چھوٹے چھوٹے تنگ و تاریک
مکانات میں روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کرتے ہیں،
لیکن چند ہزار گھرانے اس طرح ٹھاٹھ باٹ سے
اپنے دن گزار رہے ہیں کہ دنیا کے کسی معاشرے
میں اس تعیش کا تصور ممکن نہیں۔ کیا اس طرزِ
معاشرت کو جڑ سے اکھاڑ دینے کی ضرورت نہیں؟

ج: یہ طرزِ معاشرت نودولتیوں کا ہے ہمارے
ملک میں حرام کی کمائی سے جنم لینے والا نودولتیوں
کا ایسا وسیع طبقہ پیدا ہو چکا ہے، جو شاہزادوں
کے سے ٹھاٹھ باٹھ سے رہنا باعث فخر سمجھتا ہے۔
حرام کی آمدنیوں سے بڑی بڑی کوٹھیاں تعمیر ہوتی
اور معاشرے کے سینے پر مونگ دلتی ہیں۔ اس لئے
ہم ہمیشہ سے مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ حرام کے
دروازے بند کئے جائیں اور حلال کے دروازے
کھولے جائیں۔ بھٹو کے عہد میں تو رزقِ حرام کی اس
قدر فراوانی ہوئی کہ خدا کی پناہ۔ ایک طرف حرام کی کمائی
پر پلنے والے گروہ پیدا کئے گئے اور دوسری طرف لوگوں
کو ورغلانے کے لئے طبقاتی منافرت پیدا کی گئی اور
علمی حقائق سے لوگوں کی توجہ ہٹا کر انہیں نفسیا
تی ہیجان میں مبتلا کر دیا گیا   میں نے کئی برس
پہلے آپ ہی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ اسلام ڈ
اکٹر کا نشتر ہے۔ جو لوگ اس نشتر کو قبول کرنے
پر تیار نہیں ہیں وہ ڈاکو کے خنجر کے لئے تیار ہو جائیں
میں اب بھی ان لوگوں کو خبردار کرتا ہوں کہ برا وقت
سے پہلے اپنے آپ کو بدل ڈالو، اپنے طرزِ معاشرت
کو بدل ڈالو۔ اپنے خیالات کو، اپنے معاش کو، اپنی
ثقافت کو اسلام کے رنگ میں رنگ لو۔

مجھے طبقات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے میں تو
انسان کو انسان کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہوں
میں اس کی زندگی کے سارے پہلوؤں پر یکساں زور
دیتا ہوں۔ کسی ایک زاویے پر زیادہ زور دینے
کا مطلب تو یہ ہے کہ ہاتھ کی ایک انگلی گز بھر کی کر دی جائے
اور باقی جوں کی توں رہیں ہمیں ہر ہر شعبۂ زندگی میں ایک
انقلاب برپا کرنا ہے اور یہی انقلاب ڈاکو کے خنجر سے
محفوظ رکھ سکتا ہے۔

س: جناب آپ سرحدوں کے ساتھ بڑھتے ہوئے
کمیونسٹ خطرے کو دیکھ رہے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہ
ہو گا کہ ہم یہاں منصوبے ہی بناتے رہیں اور کوئی د
کر ہو جائے؟

ج: یہ تو آپ نے ایسی ہی بات کی کہ مکان بنانے
کے دوران اگر زلزلہ آ جائے تو — یعنی خدانخواستہ
آگیا، تو اس سے بھی نبٹ لیں گے، لیکن بنیادی
ضرورت تو یہ ہے کہ ہم اپنا مکان مضبوط بنائیں،
اس کی بنیادیں گہری کھودیں، اس کا نقشہ اچھا بنائیں
یقین رکھیے، اگر کوئی قوم اپنے نظریے پر قائم رہتی
ہو تو دنیا کی کوئی طاقت اسے مغلوب نہیں کر سکتی۔
جو کچھ کرنا ہے، وہ یہ ہے کہ ہم اپنی دنیا کو اس طرح تعمیر کریں
کہ ہمارا معاشرہ اسلام کے خصوصی رنگ میں رنگ
جائے، احتیاج اور غربت دور ہو، اخلاق بلند ہو

ہوا اسلام کی برکتیں ہر شخص محسوس کرے آپ نے دیکھا نہیں کہ مشرقی جرمنی کا اشتراکی معاشرہ مغربی جرمنی کے سرمایہ دارانہ معاشرے کو شکست نہیں دے سکا۔ سرحدیں ملی ہوئی ہیں، لیکن مغربی جرمنی کے رہنے والے مشرقی جرمنی کی طرف بھاگ کر نہیں جاتے اور مشرقی جرمنی سے جس کا داؤں لگتا ہے بھاگ جاتا ہے۔ اشتراکی معاشرہ جب سرمایہ دارانہ مغربی معاشرے کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا، اس کا آزادانہ مقابلہ نہیں کر سکتا، تو اسلامی معاشرے کے سامنے تو سرمایہ دارانہ معاشرہ کہیں ہیچ ہے۔ اسلامی انقلاب کے ثمرات کا مقابلہ اشتراکی کیسے کر سکتے ہیں۔ تو اس لئے کرنے کا کام یہی ہے کہ اپنے معاشرے کو اس کے مقصد حیات تک لے جائیں، پھر کسی سے کوئی خطرہ نہیں۔

س: مولانا اب آخری سوال۔ ابھی خبر آئی ہے کہ مغرب میں ٹیوب کے ذریعے بچے کی پیدائش کا تجربہ کیا گیا ہے اس تجربے پر آپ کی رائے؟

ج: اس میں کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اس سے آگے چل کر حرامی بچے پیدا کرنے کا کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ فطرت کے عمل میں اس مداخلت سے ناقص الجسم یا ناقص الذہن بچے پیدا ہوں اور اخلاقی طور پر لازماً وہ ڈاکٹر بھی اس کے ذمہ دار ٹھہرائے جائیں گے جو اس طرح کے بچے پیدا کرنے کا ذریعہ بنیں گے۔ خود مغربی ممالک کے ڈاکٹروں کی رائے بھی ایسے طریقوں سے بچے پیدا کرنے کے حق میں نہیں ہے۔ چوہوں اور بندروں کو اس طرح کے تجربات کا تختہ مشق بناتے بناتے یہ لوگ انسانی نسل کو اپنے تجربات کا تختہ مشق بنانے پر اتر آئے ہیں۔ اسے شرف انسانی کا احترام کیسے کہا جا سکتا ہے؟

Regd. No. SHN|L-13|NP- 172—78

بانی مولانا عامر عثمانی مرحوم

ماہنامہ

تجلّی

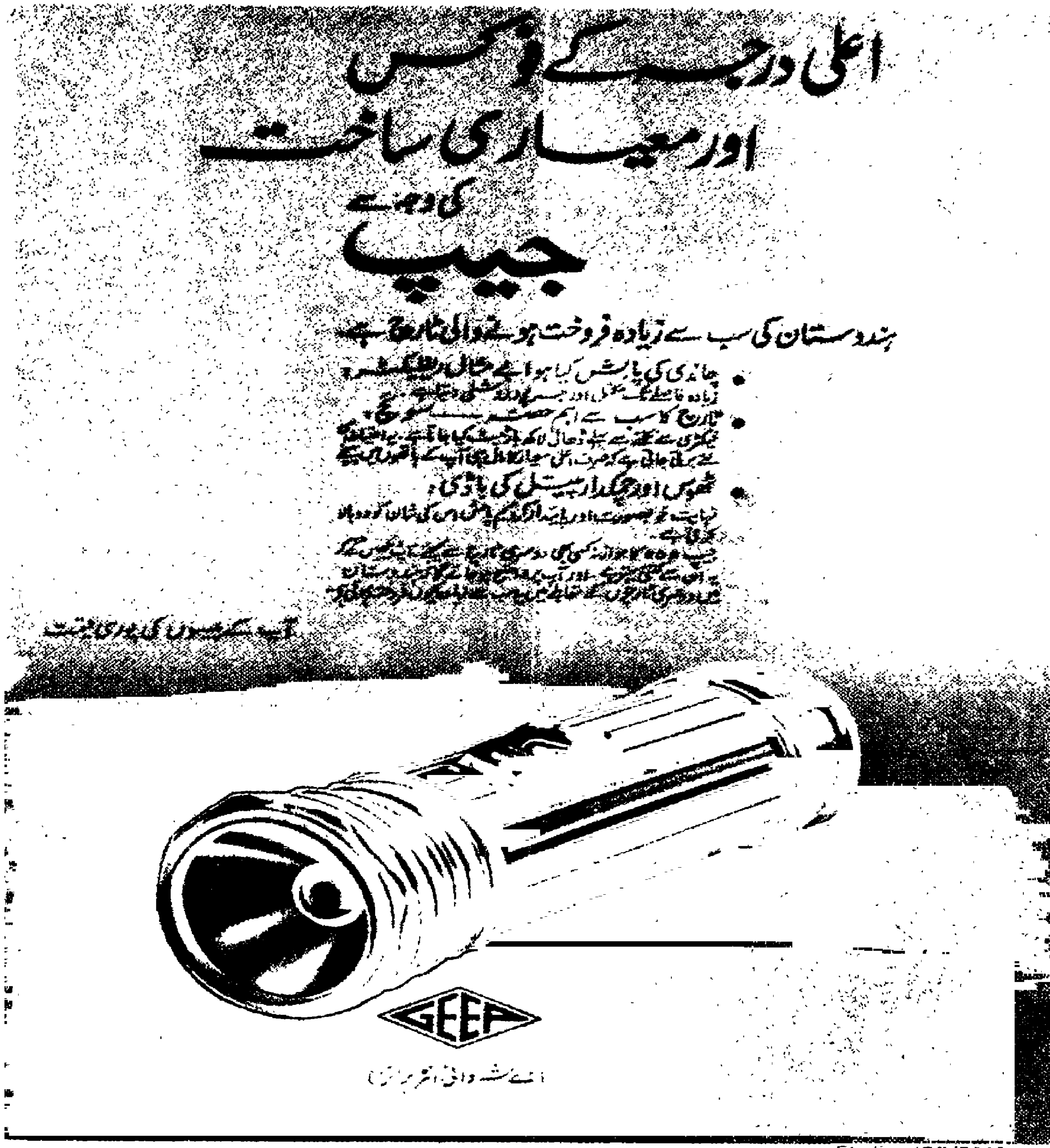
دیوبند

تاریکیوں میں ایک چراغ

مدیر

حسن احمد صدّیقی

جنوری ۔ فروری سنہ ۱۹۸۰ء



Sterling/GF/3098

سن اجراء ۱۹۴۹ء

جلد : ۳۲ شمارہ : ۱، ۲

فہرست مضامین

پرنٹر، پبلشر نسیم فاطمہ ۔ مطبوعہ بمبئی آرٹ پریس ۔ دہلی
مقامِ اشاعت دیوبند

نیک خواہشات کے ساتھ

احوالِ واقعی

تجلی پانچ مہینے بند رہا۔ یہ پانچ مہینے کی مدت ہمارے لئے پانچ ہزار سال سے کم نہ تھی۔ مت پوچھئے کہ اس عرصہ میں ہم کس طرح کی کشاکش اور تذبذب کا شکار رہے لیکن حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ تجلی کو بند کرنا پڑا۔

اللہ کا فضل و انعام ہے اس نے ایک بار پھر ہمیں چراغ جلانے کی استطاعت بخشی۔ خدا کرے اب یہ چراغ ایک رات کے لئے بھی بجھنے نہ پائے۔

زیر نظر شمارہ سے نہ صرف ہم نے تجلی کے انداز اس کی شکل و صورت کو بدل دیا ہے بلکہ اس کے سائز میں نمایاں تبدیلی کر دی ہے۔ قارئین ایک سال کے لئے تو تو یہ سائز گوارا کریں ہی گے۔ اگر بالاتفاق انھیں اس سائز سے اتفاق نہ ہو تو جنوری ۲۰۰۱ء سے تجلی کا سائز پھر تبدیل کر دیا جائے گا۔

تجلی نے جماعت اسلامی کی حمایت میں ایک عمر کھپا دی ہے۔ لیکن اب بعض قارئین کی توجہ دلانے سے اس بات کا اندازہ ہوا کہ ہم کبھی کبھی جماعت اسلامی کی غیر ضروری وکالت بھی کر گذرتے

نیک خواہشات کے ساتھ

احوالِ واقعی

تجلی پانچ مہینے بند رہا۔ یہ پانچ مہینے کی مدت ہمارے لئے پانچ ہزار سال سے کم نہ تھی۔ مت پوچھئے کہ اس عرصہ میں ہم کس طرح کی کشاکش اور تذبذب کا شکار رہے لیکن حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ تجلی کو بند کرنا پڑا۔

اللہ کا فضل و انعام ہے اس نے ایک بار پھر ہمیں چراغ جلانے کی استطاعت بخشی۔ خدا کرے اب یہ چراغ ایک رات کے لئے بھی بجھنے نہ پائے۔

زیر نظر شمارہ سے نہ صرف ہم نے تجلی کے انداز۔ اسکی شکل و صورت کو بدل دیا ہے بلکہ اس کے سائز میں نمایاں تبدیلی کردی ہے۔ قارئین ایک سال کے لئے تو تو یہ سائز گوارا کریں ہی گے۔ اگر بالاتفاق انھیں اس سائز سے اتفاق نہ ہو تو جنوری ۸۱ء سے تجلی کا سائز پھر تبدیل کردیا جائے گا۔

تجلی نے جماعت اسلامی کی حمایت میں ایک عمر کھپادی ہے۔ لیکن اب بعض قارئین کی توجہ دلانے سے اس بات کا اندازہ ہوا کہ ہم کبھی کبھی جماعت اسلامی کی غیر ضروری وکالت بھی کر گذرتے

تھے۔ ظاہر ہے کہ اب اسی طرح کی تمام جماعتوں پر شرمسار ہونا پڑ رہا ہے جو آنکھیں بند کر کے کی گئی تھیں۔ مولانا مودودی سے ہمیں کبھی اختلاف نہیں رہا۔ لیکن جماعت اسلامی ہند کے بعض ارکان وافراد کے طور طریق و معاملات ضرور محل نظر ہیں، جس کی تفصیل آئندہ شماروں میں آپ ملاحظہ فرماتے رہیں گے۔

تبلیغی جماعت کے بارے میں بھی ہم نے کئی بار قلم کاری کی ہے اگرچہ تبلیغی جماعت سے ہمیں کوئی اختلاف نہیں۔ اور اگر اختلاف ہے تو وہ غیر محدود نہیں۔ اختلاف تبلیغی جماعت کے ان افراد وہمدردان سے تھا جو غلو اور افراط وتفریط کا شکار تھے۔ لیکن بعد میں اندازہ ہوا کہ گروہی عصبیت کی اس بیماری میں صرف تبلیغی جماعت کے افراد ہی نہیں دوسری جماعتوں کے افراد بھی مبتلا ہیں۔

ثابت یہ ہوا کہ بند کمروں میں بیٹھ کر قلم چلانے والے کسی جماعت کے افراد کے بارے میں صحیح اور متوازن رائے قائم نہیں کر سکتے۔

ہم اپنے قارئین کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ ہم نے جماعتِ اسلامی کا ساتھ ازراہِ خلوص دیا تھا۔ اور کبھی ہم اگر اس کی مخالفت پر بھی مجبور ہوئے تو وہ بھی ازراہِ خلوص ہی ہوگا۔ ہم نہ جماعتِ اسلامی کے وظیفہ خوار غلام تھے نہ کسی اور جماعت کے وظیفہ خوار غلام بن سکتے ہیں۔ ہمارا فرض اپنے قارئین تک صحیح اور حق بات پہونچانا ہے۔ انھیں صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرنا ہے انھیں بتانا ہے کہ اسلام کیا ہے۔ خدا اور رسول کی خوشنودی کن مراحل سے گذر کر حاصل ہو سکتی ہے۔ انشاء اللہ ہم اپنے اس فرض سے کبھی غفلت نہیں کریں گے۔

آغازِ سخن

مارچ کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند کا صدسالہ جشن ہونے والا ہے اس موقعہ پر ہم خاص طور سے اس بات کی کوشش کریں گے کہ اکابرینِ دیوبند کا مختصر طور پر تعارف کرادیا جائے اور ان کی خدمت پر اجمالی روشنی ڈال دی جائے تاکہ ان کی عظمت ورفعت کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ اس کے لئے ممکن ہے کہ ہمیں نمبر نکالنا پڑے، اگر نمبر کی تیاریاں نہ ہو سکیں تو پھر عام ہی شمارے کو قدرے ضخیم کر کے صدسالہ جشن پر مضامین اکھٹے کر دیئے جائیں گے، بہرحال امید کی جاسکتی ہے کہ مارچ کا تجلی دارالعلوم دیوبند کے صدسالہ جشن کی وجہ سے اہمیت وخصوصیت کا حامل ہوگا۔

ہمیں افسوس ہے کہ موجودہ شمارہ میں تجلی کی ڈاک اور کھرے کھوٹے جیسے اہم مضامین شاملِ اشاعت نہ ہو سکے۔ لیکن ان دونوں مضامین کی غیر حاضری آخری غیر حاضری ہے آئندہ ان دونوں مضامین کو اہتمام وپابندی کے ساتھ شریکِ اشاعت کیا جاتا رہے گا۔

اللہ کے بھروسہ پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اب تجلی انتہائی پابندی کے ساتھ ہر ماہ جلوہ گر ہوتا رہے گا۔ قارئین سے استدعا ہے کہ وہ ادارہ کی مجبوریوں اور معذوریوں کے پیشِ نظر پچھلی ناغاؤں اور سلسلۂ تاخیر کو یکسر فراموش کردیں اور اس بات کی امید رکھیں کہ ان کا محبوب رسالہ ہر ماہ نئی نئی دلچسپیوں کے ساتھ ان کی خدمت میں پہونچتا رہے گا۔

حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

کلامِ محبّت

عامر عثمانی مرحوم

خوشا نادانیٔ اربابِ دانا
قفس کو کہہ رہے ہیں آشیانہ

تمنا اور اتنی احمقانہ
مرا سر اور اُن کا آستانہ

حریفِ صد فتوحاتِ زمانہ
محبّت کی شکست فاتحانہ

محبت اک بندشِ جاودانہ
محبت میں نہ کچھ کھونا نہ پانا

کبھی دن کا اُجالا بھی فسردہ
کبھی شب کا اندھیرا بھی سُہانا

چمن میں جی رہا ہوں مثلِ شبنم
مری تقدیر ہے آنسو بہانا

کوئی اے کاش غنچوں کو بتا دے
بہت مہنگا پڑے گا مسکرانا

محبت خود ہی خرمن خود ہی بجلی
ہے اس کی زندگی جلنا جلانا

محبت کو خطا ٹھہرانے والو
محبت ہے گناہِ عارفانہ

گزارے ہیں کچھ ایسے دن بھی عامر
ملا کیفِ حضوری غائبانہ

نیک خواہشات کے ساتھ

اختر علی

چوک بازار۔ بریلی (یو۔پی)

نیک خواہشات کے ساتھ

انور علی

اشرف مینشن۔ اولڈ نظیر آباد۔ لکھنؤ

پہلی قسط　　　سیرِ شاہِ اُمم

حلیہ مبارکؐ اور گفتار

آپ کا قد متوسط اور جسم کا ہر حصہ متوازن تھا۔ آپ کا رنگ سفید تھا لیکن اس میں سُرخی کی آمیزش تھی۔ پیشانی کشادہ تھی اور دونوں بھوئیں آپس میں متصل تھیں، ناک قدرے لمبی تھی۔ چہرہ بہت زیادہ بھاری نہیں تھا منہ کشادگی لئے ہوئے تھا۔ دانتوں کے درمیان کچھ فاصلہ تھا۔ گردن لمبی تھی۔ سر بڑا تھا سینہ کافی چوڑا تھا۔ سر کے بال نہ بالکل سیدھے اور نہ بہت زیادہ پیچ دار داڑھی آپ کی گھنی تھی۔ آنکھیں بڑی، سیاہ اور سرمئی تھیں آپ کے شانے پر گوشت تھے سینۂ مبارک پر بالوں کی ایک لمبی لکیر تھی جو ناف تک پھیلی ہوئی تھی۔ آپ دیکھنے میں بہت خوبصورت اور پُرکشش معلوم ہوا کرتے تھے۔

عبداللہ بن سلام رضؓ نے جب پہلی بار آپ کا دیدار کیا تو بے اختیار چیخ اُٹھے کہ خدا کی قسم یہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ جابر ابن سمرہؓ ایک بار کبھی چودھویں شب میں چاند کو دیکھتے اور کبھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے

حسنِ چاند اور حسنِ نبی میں مقابلہ کرتے ہوئے وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ چاند ایک داغ لئے ہوئے ہے اور چہرۂ نبی قطعی بے داغ ہے۔

آپ کا پسینہ خوشبودار تھا۔ آپؐ کی جلد انتہائی نرم و نازک تھی۔ انسؓ بن مالک کا بیان ہے کہ آپ کی جلد مبارک ریشم و حریر سے زیادہ نرم تھی۔ آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوت واقع تھی۔ آپ تیل بالوں میں پابندی سے ڈالتے تھے اور ایک دن ناغہ کیساتھ کنگھی کیا کرتے تھے۔ آخیر عمر میں داڑھی کے چند بال سفید ہو گئے تھے۔ بعض روایات کے مطابق ان کی تعداد بیس سے زائد نہ تھی آپ تیز رفتاری کے ساتھ چلتے تھے۔ اور چلتے وقت قدرے جھکے رہتے ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے فراز سے نشیب کی طرف آرہے ہوں۔

آپ کی آواز بہت شیریں اور دل آویز تھی۔ آپ جب گفتگو کرتے تو مخاطب پر جادو کی سی کیفیت طاری ہو جاتی۔ آپ کی باتیں محبت کا رس لئے ہوئے ہوتیں۔ اتنا آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر بولتے کہ اگر کوئی آپ کی گفتگو لکھنا چاہے تو بآسانی لکھ سکے۔ آپ کی ہنسی سنجیدگی سے مالا مال ہوتی۔ آپ کبھی قہقہہ مار کر نہیں ہنسے

آپ کا عام لباس چادر، قمیص اور تہمبند تھا۔ پائجامہ آپ نے کبھی استعمال نہیں فرمایا۔ آپ موزے پہننے کے عادی نہ تھے لیکن نجاشی نے چرمی کے موزے آپ کو تحفۃً دیئے تھے۔ وہ آپ نے کبھی کبھی پہنے ہیں۔

آپ عمامہ پہننے کے عادی تھے۔ اور بالعموم عمامہ کالے رنگ کا ہوتا تھا۔ عمامے کے نیچے ٹوپی ضرور ہوتی تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں اور مشرکین میں امتیاز

یہی تو ہے کہ وہ عمامہ بغیر ٹوپی کے باندھتے ہیں۔ سفید رنگ آپ کو بے حد مرغوب تھا سبز رنگ کو بے حد پسند فرماتے تھے۔ زرد رنگ سے بھی انسیت تھی البتہ سرخ رنگ سے آپ نفرت فرماتے تھے اور اس رنگ کو آپ صرف عورتوں کے لیے مخصوص سمجھتے تھے۔

خوشبو آپ کو بیحد پسند تھی اور بدبو سے آپ کی طبیعت بہت بیزار ہوتی تھی۔ خوشبو کا تحفہ آپ نے کبھی واپس نہیں فرمایا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مردوں کے لیے ایسی خوشبو ہونی چاہیے کہ جو خوب پھیلے مگر اس میں رنگت نہ ہو مراد عطر تھا اور عورتوں کے لیے ایسی خوشبو ہونی چاہیے جس میں رنگت تو ہو پھیلاؤ نہ ہو، مراد مہندی تھی۔

آپ کے جوتے چپل کے طرز پر ہوتے تھے۔ ان میں صرف ایک تلا ہوتا تھا۔ آپ کا بستر چمڑے کا ہوتا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

(جاری)

دینی زندگی تن آسانیوں کا کام نہیں

خدا کی راہ میں چلنا تن آسان اور نازک مزاج لوگوں کا کام نہیں۔ بلند مقاصد کے حصول میں بہت زحمتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ بہت زخم کھانے پڑتے ہیں راہ رو میں شجاعت ہمت اور قوت ہونی ضروری ہے سست عناصر لوگ

شیرِ خدا نہیں بن سکتے۔

نیک خواہشات کے ساتھ

حکیم ابوالکلام
ریتی کا پُل۔ گورکھپور

نیک خواہشات کے ساتھ

افتخار علی انصاری
پُرانی کوتوالی۔ اعظم گڑھ

تربیّت و ارتقا کے دو قوانین

انسانوں کی تعلیم و تربیت میں دو باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیئے اوّل یہ کہ انسان ایک مخصوص مزاج رکھتا ہے پیدائش اور ماحول کا اختلاف افراد کے طبائع میں اختلاف پیدا کرتا ہے اس لیئے سب کے لیئے ایک ہی تعلیم مؤثر نہیں ہو سکتی دوسری بات اصولِ تدریج ہے جو فرد جس منزلِ حیات اور جس درجۂ ارتقا میں ہے اس کی صلاحیتیں بھی اس کے مطابق ہوتی ہیں۔ فطرت میں ہر درجہ کا قانون الگ ہے تمام پرندوں کے لیئے ایک ہی قسم کی غذا موزوں نہیں اسی طرح طفل شیرخوار کی غذا دودھ ہے۔ اگر اس کو روٹی کھلا دی جائے تو مر سکتا ہے جب اس کے دانت نکل آئیں گے۔ وہ خود روٹی کا طالب ہو گا۔ جب تک کسی پرند کے بچہ کے پر نہیں نکلتے جرأت پرواز اس کو بلی کا نوالہ بنا دے گی پر نکل آئیں گے تو وہ بے تکلف اڑنے لگے گا۔ اور بخوبی اپنی حفاظت کر سکے گا۔ غرض کہ جہاں زندگی ہے وہاں دو قوانین موجود ہیں۔ ایک قانونِ تنوع اور دوسرا قانونِ تدریج ان میں سے کسی ایک کو نظر انداز کرنا موجب ہلاکت ہے۔

⁂

نیک خواہشات کے ساتھ

نگارخانہ عظمت

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن عامر جمحی رضی اللہ عنہ کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا:-

"میں تم کو حمص کا والی مقرر کرنا چاہتا ہوں"

حضرت سعیدؓ نے معذرت کی "مجھے اس آزمائش میں نہ ڈالئے"۔

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا۔ "خدا کی قسم میں تم کو نہیں چھوڑوں گا۔ تم لوگوں نے میری گردن خلافت کا طوق ڈال کر پابند کر دیا ہے اور اب مجھے اکیلا چھوڑنا چاہتے ہو"۔

غرض آپ نے انہیں کو حمص کا والی بنا کر روانہ کر دیا۔

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

"جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شام کے سفر کے موقعہ پر حمص تشریف لے گئے تو حمص کے لوگوں سے آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا عامل کیسا ہے انہوں نے جواباً عرض کیا کہ ان سے ہم لوگوں کو چار شکایتیں ہیں۔

پہلی شکایت تو یہ ہے کہ جب دن چڑھ آتا ہے تب باہر نکلتے ہیں اور امورِ مملکت میں مشغول ہوتے ہیں۔

دوسری شکایت یہ ہے کہ رات میں اگر کوئی فریادی پہنچتا ہے تو اس کی فریاد نہیں سنتے،

تیسری شکایت یہ ہے کہ مہینہ میں ایک دن ایسا ہوتا ہے کہ یہ معاملات

ومسائل نمٹانے کے لئے گھر سے نہیں نکلتے۔
چوتھی شکایت یہ ہے کہ کسی دن ان پر موت کی سی کیفیت طاری ہوتی ہے ہم لوگ دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں۔
آپ نے حضرت سعید بن عامرؓ کو بلاکر شکایت کرنے والوں کا سامنا کرایا اور جو شکایت انہوں نے کی تھی وہ بیان فرمائیں۔ حضرت سعید بن عامرؓ نے جواباً عرض کیا کہ میرے پاس کوئی ملازم یا خادم نہیں ہے میں خود ہی آٹا گوندھتا ہوں اور خمیرا اٹھنے تک انتظار کرتا ہوں پھر اپنی روٹی پکاکر وضو کر کے گھر سے باہر نکلتا ہوں اس لئے مجھ کو نکلنے میں دیر ہوتی ہے
دوسری شکایت کا آپ نے جواب دیا کہ شب و روز کی تقسیم کر رکھی ہے دن کا پورا حصہ ان لوگوں کے کام کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ ان کے کاموں میں مشغول رہتا ہوں لیکن رات اللہ کے لئے مخصوص کر کر رکھی ہے رات میں اس کام میں مشغول ہوتا ہوں اس لئے رات میں کسی فریادی کی فریاد نہیں سنتا۔
تیسری شکایت کا جواب دیتے ہوئے آپ نے کہا کہ میرا پاس کوئی خادم نہیں کہ وہ میرے کپڑے دھویا کرے اور نہ دوسرے کپڑے ہی ہیں کہ میلے کپڑے اتار کر صاف جوڑا پہن لیا کروں مہینہ میں ایک دن میں خود ہی اپنے کپڑے دھوتا اور صاف کرتا ہوں پھر ان کو خشک کرتا ہوں جب خشک ہو جاتے ہیں تب ان کو پہن کر باہر نکلتا ہوں۔
چوتھی شکایت کا جواب دیتے ہوئے آپ نے کہا، میں حضرت حبیب انصاریؓ کی شہادت کا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا جب ان کے ہاتھ پیر کاٹ کر کھجور کے تنے میں لگا یا گیا اور ان سے دریافت کیا گیا کہ "کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہارے بجائے یہ حشر (نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کیا جاتا؟" تو انہوں جواب دیا کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ" میں اپنے بال بچوں میں رہوں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر میں کوئی کانٹا بھی چبھے"، اس جواب پر ان کو

پھانسی دے دی گئی۔ مجھے جب اس دن کی یاد آجاتی ہے اور یہ خیال آتا ہے کہ میں اس موقعہ پر اپنے شرک سے وجہ سے حضرت خبیبؓ کی کوئی مدد نہیں کرسکا تھا تو خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا جرم کبھی معاف نہ فرمائے گا۔ اس خیال کے ساتھ ہی میری حالت غیر ہو جاتی ہے۔

یہ جوابات سنکر سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ (والی حمص) کے پاس ایک ہزار دینار بھیجے اور کہلایا کہ یہ رقم تم اپنی ضروریات پر صرف کرو، حضرت سعید بن اہلیہ نے کہا "الحمد اللہ ہم کو اس رقم کی ضرورت نہیں۔ اس رقم کو دوسرے حاجت مندوں میں تقسیم کردو۔"

چنانچہ آپ نے اپنے ایک معتمد آدمی کو بلاکر رقم اس کے حوالہ کی اور کہا کہ اتنے دینار فلاں یتیم کو۔ اتنے فلاں بیوہ کو اتنے فلاں مسکین کو اپنے فلاں مصیبت زدہ کو پہنچادو۔ چند دینار اپنی اہلیہ کے حوالہ کر کے آپ نے ان سے کہا کہ یہ تم خرچ کرو یہ کہہ کر اپنے فرائض امارات کی بجا آوری کے لئے باہر چلے گئے۔

نیک خواہشات کے ساتھ

رسول اکرمؐ کی

اشفاق حسین

بُنیادی دعوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اوّلین مقصد، حضورؐ کی بنیادی دعوت اور انسانیت کے نام آپؐ کا اہم ترین پیغام وہی ہے جو قرآن اور اسلام کی بنیادی دعوت ہے اور جو تمام انبیاء و رسل کا اپنی اپنی قوموں کے لئے پیغام الٰہی تھا۔ جسے کلمہ توحید معرفتِ الٰہی، تصورِ الوہیت اور دعوتِ عبودیت کے مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے کہ: اے انسانو! صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو، اسی سے دعا و فریاد کرو۔ اس کی ذات و صفات میں کسی مخلوق ہستی کو شریک و دخیل نہ کرو۔ اس کے علاوہ کوئی معبود اور عبادت اور استعانت کے لائق نہیں! اس سلسلہ کی آیات ہیں۔

آیاتِ قرآنی

"اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی ہی عبادت کرو اور معبودانِ باطل سے بچے رہو" (نحل)

" اور ہم نے آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں بھیجا۔ لیکن اس کو یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور صرف میری ہی عبادت کرو" (انبیاء)

" اے محمدؐ! آپ ان سے علانیہ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں اللہ کی توحید کی طرف بلاتا ہوں" (بنی اسرائیل)

" اے لوگو! اللہ کی عبادت کرو جو تمہارا رب ہے" (بقرہ)

"کہو، اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔" (آل عمران)

احادیث نبوی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اولین مقصد اور بنیادی دعوت کی وضاحت درج ذیل احادیث سے بخوبی ہوجاتی ہے۔

" ہرقل بادشاہ نے ابوسفیان سے پوچھا کہ یہ آدمی (یعنی رسول اللہؐ) تم سے کیا کہتا ہے۔؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ یہ شخص ہم سے کہتا ہے کہ اللہ کی بندگی سے اور اقتدار، اختیارات اور فرمان روائی میں کسی چیز کو بھی شریک وسہا جھی نہ قرار دو۔ اور تمہارے باپ دادا کا جو عقیدہ تھا۔ اور وہ جو کچھ کرتے تھے اسے چھوڑ دو" (بخاری)

حضرت عمر بن عنبہؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ میں۔

آپ کی نبوت کے ابتدائی زمانہ میں گیا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کیا ہیں؟ حضور صلعم نے فرمایا کہ : میں نبی ہوں۔ میں نے کہا نبی کیا ہوتا ہے؟ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ تعالےٰ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے پوچھا کیا پیغام دے کر اس نے آپ کو بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا" مجھے اللہ تعالےٰ نے اس غرض سے بھیجا ہے کہ میں لوگوں کو صلہ رحمی کی تعلیم دوں۔ اور بُت پرستی ختم کر دی جائے۔ اور اللہ کی توحید اختیار کی جائے۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔"
(مسلم)

مفسرین سلف کی تصریحات

عقیدہ توحید، دین اسلام کا مرکز و محور، اس کی تمام تعلیمات احکامات ہدایات اور عبادات کی روح و بنیاد ہے توحید ہی کے اقرار و اعلان سے ایک انسان دائرہ اسلام میں داخل ہوتا اور اس کے انکار اور تردید سے وہ کافر اور مشرک ہوتا ہے۔ عقیدہ توحید ہی بخشش اور نجات کا سب سے بڑا ذریعہ اور وسیلہ ہے؛

حافظ ابن کثیرؒ "معروف" کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

" اس سلسلے کی اہم ترین چیز وہ ہے جس کو دے کر اللہ نے آپؐ کو مبعوث فرمایا تھا۔ یعنی یہ کہ خدائے واحد کی بندگی کا حکم دیں اور اس کے سوا" ہر ایک کی بندگی سے منع کریں۔ جیسا کہ آپ سے پہلے بھی خدا کے رسول یہی تعلیم لے کر آئے تھے۔" (تفسیر ابن کثیر۔ سورہ اعراف آیت : ۱۵۷)

علامہ بغوی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔ :

" آپؐ معروف کا حکم دیتے ہیں" — یعنی ایمان کا حکم دیتے ہیں۔ اور منکر سے منع کرتے ہیں۔ یعنی شرک سے منع کرتے ہیں"

(معالم التنزیل)

امام ابن جریر طبری ؒ فرماتے ہیں:

"معروف سے مراد ہے اللہ پر ایمان اور امر و نواہی میں اس کی لازمی اطاعت۔ یہی وہ معروف ہے جس کا آپ ﷺ ان کو حکم دیتے ہیں۔ انھیں منکر سے منع کرتے ہیں۔ یعنی خدا کے ساتھ شرک کرنے سے منع کرتے ہیں۔"

(جامع البیان فی تفسیر القرآن)

حضرت عبداللہ بن عباس رض فرماتے ہیں۔

"تم بہترین اُمّت ہو جسے لوگوں کے لئے نکالا گیا ہے۔ تم ان کو معروف کا حکم دیتے ہو — یعنی اس بات کا کہ گواہی دیں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں۔ اور اقرار کریں جو دین اس نے نازل کیا ہے، وہ حق ہے اور اس بنیاد پر تم ان سے جہاد کرتے ہو، کیوں کہ سب سے بڑا معروف لا الٰہ الا اللہ ہے"

(جامع البیان فی تفسیر القرآن)

ایمان اور عمل۔ لازم و ملزوم ہے

قرآن میں ایمان کا ذکر ہمیشہ عمل صالح کے ذکر سے پہلے کیا گیا ہے جس سے ایمان اور اعتقاد کی عظمت اور اہمیت اور اسلام کے اثرات اور نتائج کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور پھر ایمان کے بعد عمل کا بیان اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ عمل۔ ایمان کا لازمی ثمرہ اور فطری تقاضہ اور ردِ عمل ہے اور ایمان کی صحت کے بغیر عمل قبول نہیں کیا جا سکتا۔

ملاحظہ ہو کہ اس سلسلے میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

"ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے۔ اس بات کی خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے بہشت کے باغ ہیں۔" (بقرہ)

" وہ لوگ اللہ پر آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں۔ یہی لوگ نیک بندوں میں سے ہیں۔"

(آل عمران)

" جو لوگ ایمان لائے اور عمل کرتے رہے ان کے لئے خوشحالی اور عمدہ ٹھکانا ہے۔"

" جو لوگ ایمان لائے اور کام بھی نیک کرتے رہے، تو ہم نیک عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔"

(کہف)

عقیدہ، توحید، اور دیگر ایمانیات اور بنیادی تصورات پر اسلام اسی لئے زور دیتا ہے کہ اس کے بغیر عمل صالح، خدا کی عبادت و اطاعت اور فرمانبرداری ممکن نہیں۔ عمل بگاڑ اور اخلاقی بے راہ روی کا سب سے بڑا سبب توحید اور آخرت سے متعلقہ عقائد میں فساد اور بگاڑ ہے، اور ایمان صحیح۔ اور عمل صالح کا سب سے بڑا محرک اور مؤثر وسیلہ ہے!

علماء کرام کی تصریحات

علامہ سید سلیمان ندوی رح لکھتے ہیں:۔

" انسان کے تمام افعال، اعمال، حرکات کا محور اس کے خیالات ہیں۔ یہی اس کو بناتے بگاڑتے ہیں۔ یہ عام خیالات درحقیقت اس کے پختہ اور غیر متزلزل اور غیر مشکوک اصولی خیالات پر مبنی ہوتے ہیں۔ انہی اصولی خیالات کو عقائد کہتے ہیں۔ یہی وہ نقطہ ہے جس سے انسانی عمل کا ہر خط نکلتا ہے اور اس کے دائرۂ حیات کا ہر خط اسی پر جا کر ختم ہوتا ہے۔ ہمارے تمام افعال حرکات ہمارے ارادہ کے تابع ہیں۔ ہمارے ارادہ اور خیالات کا محرک ہمارے جذبات ہیں۔ اور ہمارے خیالات اور جذبات پر ہمارے اندرونی عقائد حکومت کرتے ہیں۔ عام بول چال میں ان ہی چیزوں کی تعبیر ہم " دل " کے لفظ سے کرتے ہیں۔ اسلام کے معلم (صلی اللہ علیہ وسلم)

نے بتایا کہ انسان کے تمام اعضاء میں اس کا دل ہی نیکی بدی کا گھر ہے۔
فرمایا:
" انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو اگر درست ہے تو تمام بدن درست ہے اور اگر بگڑ گیا تو تمام بدن بگڑ گیا۔ وہ ٹکڑا دل ہے"

(بخاری کتاب الایمان)

(بشیر النبی)

" مولانا مودودی رقم طراز ہیں:-

" اسلام تہذیب میں ایمان کا تصور صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ انسان چند ما بعد الطبعی حقائق کا اقرار کرلے اور بس! بلکہ ہر ایک ہمہ گیر حیثیت کا حامل ہے۔ یہ ایک عقیدہ ہے جو قلب پر چھا جاتا ہے اور رگوں میں، خون میں گردش کرنے لگتا ہے ایک جذبہ ہے جو سینہ کو مضطرب و متلاطم رکھتا ہے ایک فکر ہے جو ذہن و دماغ کا سانچہ ہی بدل دیتا ہے اور ایک عملی نظام کی قوتِ نافذہ ہے جو تمام اعضاء و جوارح کو اپنے تسلط میں لے کر پوری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں انقلاب لے آتی ہے"۔

(اسلامی تہذیب)

تاریخ شاہد

چنانچہ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ نزول قرآن سے قبل جبکہ عرب شرک و بت پرستی میں مبتلا تھے۔ ان میں تمام اختلافی خرابیاں پورے شباب اور عروج پر موجود تھیں۔ وہ انتہا درجے کے شرابی، زانی، جواری، خونی اور شقی تھے۔ ان میں ظلم، بربریت اور ہٹ دھرمی کا دور دورہ تھا۔ لیکن جب اسلام آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سعی و جہد کے نتیجہ میں انھوں نے مشرکانہ فکر و عمل کو خیر باد کہا اور توحید خالص کو اپنا لیا ـــــ تو دنیا جانتی ہے کہ ان میں کم سے کم مدت میں سیرت و اخلاق اور عمدہ کردار کا کتنا عظیم الشان اور

پائیدار انقلاب برپا ہوا! عرب کا یہ اخلاقی انقلاب صرف اسلام کی اخلاقی تعلیمات کا مرہون منت نہ تھا۔ بلکہ اس اصلاحی اور اخلاقی کایا پلٹ میں توحید خالص نے مرکزی اور اہم ترین کردار ادا کیا۔ اگر مشرکین عرب میں شرک کے ابطال اور توحید خالص کے اثبات کے بغیر صرف اخلاقی وعظ کیا جاتا تو صدیاں گزر جانے کے بعد بھی کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوتا!

امریکہ اور برطانیہ وغیرہ عیسائی ممالک میں حکومت اعلیٰ سطح پر متعدد بار شراب بندی کی کوشش کی گئی۔ اس سلسلے میں تمام تعلیمی۔ ترغیبی اور اشاعتی ذرائع اور وسائل استعمال کئے گئے۔ اور شراب کے خلاف کروڑوں کے بجٹ سے وسیع پیمانے پر مؤثر پروپیگنڈہ کیا گیا۔ اور اس کے جسمانی اور دنیاوی نقصانات کو سمجھا یا گیا ـــ لیکن شراب بندی کے خلاف اس سعی وجہد پر" مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ..." کا اطلاق ہوا۔ اور یہ تحریک متعدد بار ناکام ہوگئی!

دور جدید کے عیسائیوں اور مادہ پرستوں سے زیادہ دورِ نبوی کے" مشرکین " شراب سے شغف رکھتے تھے، لیکن ان کے عقیدہ کی اصلاح کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے یہ اعلان کیا کہ شراب قطعاً حرام کر دی گئی ہے تو مورخین نے لکھا ہے کہ اس وقت مدینہ کی گلیوں میں شراب بارش کے پانی کیطرح بہنے لگی اور برسوں سے شراب کے عاشق قوم نے یک لخت شراب کو طلاق مغلظہ دے دی۔

◯ اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو سمجھیئے کہ آپ نے جو زرِ تعاون روانہ کیا تھا اس کی مدت ختم ہوچکی ہے اگر تجلی سے رشتہ برقرار رکھنے کا ارادہ ہو تو چوبیس ۲۴ روپے بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیں ورنہ پھر خط کے ذریعہ رشتہ منقطع کرنے کی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں ہم پرچہ 28/= روپے سے وی پی کر دیں گے۔ اور وی پی۔ چھڑانا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔

حسن احمد صدیقی

انتخاب حدیث

والدین کے حقوق

اخبرنی قال سمعت ابا عمرو الشیبانی یقول حدثنا صاحب هذه الدار وأومأ بیده الی دار عبداللہ قال سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای العمل احب الی اللہ عزوجل قال الصلوۃ علی وقتها قلت ثم ای قال ثم بر الوالدین قلت ثم ای قال ثم الجهاد فی سبیل اللہ۔

ابوعمر شیبانی نے عبداللہ ابن مسعودؓ کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس گھر والے نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ میں نے حضورؐ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کونسا عمل زیادہ پسند ہے آپ نے فرمایا کہ نماز کو صحیح وقت میں ادا کرنا میں نے کہا پھر کونسا عمل؟ آپؐ نے فرمایا کہ والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا۔ میں نے کہا پھر کونسا عمل آپ نے فرمایا کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔

(الادب المفرد)

٭ ٭ ٭ ٭

اس روایت سے نماز کو صحیح وقت پر ادا کرنے والدین

کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے اور بوقت ضرورت اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کی اہمیت و فضیلت ظاہر ہوتی ہے اس روایت سے دوسری عبادات و معاملات کی تحقیر نہیں ہوتی۔ البتہ یہ مترشح ہوتا ہے کہ عبادات میں بنیادی اہمیت کی حامل وہ نماز ہے جو اپنے صحیح وقت پر ادا کرلی جائے۔ اور حقوق العباد کے سلسلے میں خصوصیت والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کو حاصل ہے اور قربانیوں کی طویل ترین فہرست میں سرِ فہرست آنے والی قربانی جہاد فی سبیل اللہ ہے جو ہر قربانی کی روح اور ہر جذبۂ فدائیت کی اساس ہے۔

اس روایت میں ایک لطیف سا اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ جو شخص نماز کو صحیح وقت پر ادا کرنے کا خوگر نہ ہو اس سے اس بات کی قطعًا توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی اور عبادت کو بحسنِ خوبی انجام دے سکے گا۔ نماز سب سے زیادہ اہم اور بنیادی عبادت ہے اس سے غافل رہنے والا مسلمان کسی دوسری عبادت کی طرف مومنانہ انداز میں راغب ہو ہی نہیں سکتا۔ جب کہ دوسری تمام عبادات کی حیثیت نماز کے مقابلہ میں ثانوی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح جو شخص ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ نہیں کرتا اس سے یہ توقع کرنا فضول ہوگا کہ وہ کسی اور کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرے۔ خدا کے بعد والدین ہی سب سے زیادہ محسن و ہمدرد ہوتے ہیں۔ وہ مختلف اور متنوع قسم کی تکالیف اٹھا کر اولاد کی پرورش کرتے ہیں۔ ان کے حقوق ادا نہ کرنے والا شخص کسی اور کے حقوق و فرائض کیسے پہچان سکتا ہے۔؟

اللہ کے راستہ میں جہاد وقت کی اہم ضرورت اور ایمان کا تقاضہ ہوتا ہے۔ جو شخص آڑے وقت میں جہاد فی سبیل اللہ سے جان چرائے اس سے کسی اور قربانی کی توقع کرنا فضول ہی ہوگا۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رغم أنفہ رغم انفہ قالوا یارسول اللہ من قال من ادرک والدیہ عندہ الکبراو احدھما فدخل النار

(الادب المفرد)

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار یہ ارشاد فرمایا کہ اس کی ناک خاک آلود ہو صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ کس کی؟ آپ نے فرمایا اس کی جس نے حالتِ پیری میں اپنے والدین کو یا والدین میں کسی ایک پایا اور پھر بھی دوزخ میں گیا۔

تفہیم۔ ماں باپ کی خدمت انتہائی ضروری ہے بالخصوص بڑھاپے کی حالت میں جب وہ عمر کے کچھ خاص تقاضوں کی وجہ سے زندگی کے مختلف میدانوں میں قدم قدم پر سہاروں کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ ماں باپ کی خدمت ایک طرح کی عبادت ہے اس لئے کہ یہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں کی جاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ ووصینا الانسان بوالدیہ حُسنا ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی۔ جو شخص اللہ کی اس وصیت سے سرتابی کرے گا ظاہر ہے کہ اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہوگا۔

ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ نماز روزے کے بہت پابند نظر آتے ہیں۔ لیکن والدین کے احساسات کی قطعی پروا نہیں کرتے ادب واحترام تو بعد کی چیز ہے۔ ان کے ساتھ وہ برتاؤ بھی نہیں کیا جاتا جو عام انسانوں کے ساتھ کیا جانا چاہیئے۔ در اصل اس قسم کے لوگ "عبادت" کے مفہوم سے واقف نہیں۔ انھیں یہ نہیں معلوم ہے کہ عبادت اللہ کے ہر حکم کی تعمیل کو کہتے ہیں۔ اور اللہ کے کسی بھی حکم سے اعراض و انحراف ایمان کی کمزوری کی علامت ہے جو لوگ نماز تو پابندی سے پڑھتے ہیں اور والدین کو ستاتے ہیں وہ کسی طور مومنِ کامل کہلانے کے حقدار نہیں۔ بلکہ وہ بدترین قسم

کے مجرم ہیں۔ اور انھیں اپنے کئے کی سزا رسول اللہ کے فرمان کے مطابق بھگتنی پڑے گی۔

عن سھل بن معاذ عن ابیہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من بر والدیہ طوبیٰ لہ زاد اللہ عز وجل فی عمرہ

(الادب المفرد)

حضرت معاذ اپنے والد سے روایت کرتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ماں باپ سے بھلائی کرے اس کے لئے یہ خوشخبری ہے کہ اللہ جل شانہٗ اس کی عمر میں برکت عطا کرتے ہیں۔

تفہیم:۔ برکت کا مطلب یہ نہیں کہ اگر عمر پچاس سال مقدر ہو چکی ہو تو آدمی پچاس کی بجائے ساٹھ سال کی عمر میں فوت ہوگا نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی پچاس سالہ زندگی میں دین و دنیا کے اتنے سارے کارنامے انجام دے گذرے گا کہ دوسرا آدمی سو سال کی زندگی پاکر بھی اتنے کارنامے انجام نہیں دے سکتا۔

عن عبد اللہ ابن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الکبائر أن یشتم الرجل والدیہ فقالوا کیف یشتم اباہ وامہ

(الادب المفرد)

عبد اللہ ابن عمرؓ راوی ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ والدین کو گالی دینا بڑے گناہوں میں ایک گناہ ہے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی اپنے والدین کو گالی کیسے دے سکتا ہے جب کوئی کسی کے والدین کو گالی دے گا تو وہ شخص اس کے والدین کو گالی دے گا

تفہیم:۔ یہ بات تو معمولی سی ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کی عزت و تکریم کرے بڑی بات تو یہ ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اس

بات پر مجبور کر دے کہ وہ اس کے ماں باپ کا ادب و احترام کریں۔ اور ان کی شان میں کسی طرح کی گستاخی کے مرتکب نہ ہوں۔ اور ایسا اسی وقت ممکن ہے کہ اپنے والدین کی عزت و تکریم کا خواہش مند دوسرے حضرات کے بڑوں کے ساتھ ادب و احترام کا برتاؤ کرے کسی کے والدین کو گالی دے کر اس بات کی آرزو کرنا کہ اس کے والدین گالیوں اور تہمتوں کی یلغار سے محفوظ رہیں نیم کے درخت سے آم کی تمنا کے مترادف ہے دوسروں کے والدین کے ساتھ بےادبی اور گستاخی کے ساتھ پیش آنے کا صاف اور کھلا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنے والدین کو گالیاں دلوانے کی راہیں ایجاد کر رہے ہیں۔

عن ابن عمر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال ان البرالبر ان یصل الرجل اھل ودابیہ۔

عبداللہ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی باپ کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔

٭ ٭ ٭ ٭

تفہیم۔ زندگی میں ماں باپ کی خدمت کرنا اور ان کی وفات کے بعد ان کے دوستوں اور شناساؤں سے اچھا برتاؤ کرنا ہی سعادت مندی کی علامت ہے۔ جس شخص کو اپنے والدین سے محبت ہوتی ہے اسے والدین کے احباب و متعلقین سے بھی محبت ہوتی ہے اس روایت میں ایک فطری امر کی تلقین کی گئی ہے دراصل اسلام ہے ہی ایک فطری مذہب وہ اپنے پیرو کاروں کو کسی ایک جگہ بھی غیر فطری کام پر نہیں اکساتا والدین کے دوستوں سے محبت و نیکی کا برتاؤ فطرت و شرافت کا عین تقاضہ ہے جو اس سے سر مو بھی انحراف کرے اس کی شرافت وسعادت مندی میں شک کرنا غلط نہیں۔

٭ ٭ ٭

روزمرہ زندگی میں کام آنے والی ایک اہم طبّی کتاب

رموزِ علاج و تشخیص

از جناب حکیم گنگا رام صاحب گاندھی

"رموزعلاج و تشخیص" عام بیماریوں کے علاج کے سلسلہ میں ایک اہم اور قابلِ قدر کتاب ہے، جس میں مصنّف موصوف نے اپنے زندگی بھر کے تجربات کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔ دورِ حاضر میں حکیم گاندھی صاحب کا شمار مشاہیر اطبائے یونانی میں کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب نہ صرف عام گھروں کی ایک روزمرہ ضرورت ہے، بلکہ طبیب صاحبان کے لیے بھی مفید ہے۔ اس کے بارے میں چند دانشوروں اور ماہرِ فن معالجین کی آرا مختصراً ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

مولانا محمد مسلم صاحب ایڈیٹر روزنامہ "دعوت" دہلی "حکیم گنگارام صاحب گاندھی فن طب کے قدیم اساتذہ میں سے ہیں۔ انھوں نے "رموزعلاج و تشخیص" میں روزمرہ پائے جانے والے امراض کی علامتوں اور ان کے آسان علاج پر ایک مختصر لیکن سیر حاصل کتاب لکھ کر ہزاروں خاندانوں کی ضرورت کو پورا کر دیا ہے ..... موصوف کو ایک حاذق طبیب کی حیثیت سے تشخیص پر عبور حاصل ہے۔ اسے بھی مختلف امراض کے ضمن میں انھوں نے بیان فرما دیا ہے۔"

حکیم عبدالقوی دریابادی۔ ایڈیٹر "صدق جدید" لکھنو "یہ کتاب طبّی درسگاہوں میں داخلِ نصاب کیے جانے کے قابل ہے۔"

حکیم ترلوک ناتھ اعظم۔ سابق پرنسپل بھوپندر طبیہ کالج پٹیالہ "حکیم گنگارام صاحب گاندھی کی ہستی قابلِ احترام اور مایۂ ناز ہے۔ ان کا معیارِ فن بہت بلند ہے۔ ان کی کتاب میں طبی معلومات کا نچوڑ نہایت اختصار کے ساتھ لیکن جامع طور پر شائع کیا گیا ہے۔"

ڈاکٹر مدن سروپ گپتا۔ ممبر سنٹرل کونسل آف انڈین میڈیسن "آپ نے اپنے سالہاسال کے تجربات کو آسان زبان میں تحریر فرما کر واقعی فن کی خدمت کی ہے۔ یہ کتاب اطبا اور طلبا دونوں کے لیے کارآمد ہے۔"

پروفیسر جگن ناتھ آزاد صدر شعبۂ اُردو جموں یونیورسٹی "یہ کتاب علاج و تشخیص کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی خوبیوں سے لبریز ہے۔"

حکیم رام لبھایا۔ ممبر بورڈ آف انڈین میڈیسن "یہ کتاب لکھ کر حکیم صاحب نے جہاں طب یونانی کی بڑی خدمت کی ہے، وہاں طب یونانی کے طلبا پر بھی بہت احسان کیا ہے۔"

کتابت و طباعت عمدہ۔ قیمت گیارہ رُپے پچیس پیسے۔ علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ "تجلّی" دیوبند۔ ضلع سہارنپور (یو۔پی)

مستقل عنوان

مسجد سے میخانے تک

از ملا ابن العرب مکی

ڈھم ڈھم ڈھم .... لیجیے ڈھنڈورا پٹ گیا۔ ڈھنڈورچی کہہ رہا ہے:-

"کل بعد عشاء پیر جنگل شاہ کے میدان میں

زبردست مناظرہ! ملّا اور صوفی کی نوک جھونک!

دیوبندیوں اور بریلویوں کی کشتی! "ڈھم ڈھم ڈھم!

قصہ یوں تھا کہ صوفی ٹاٹ شاہ بریلوی سے مولوی اگر مگر دیوبندی نے یوں کہا کہ یار! تجلّی نے ناطقہ بند کر دیا ہے۔ کمبخت تمہاری قبروں اور نذرو فاتحہ سے بھی لوگوں کو بھڑکا رہا ہے۔ اور ہم علماءِ حق کی حدودِ سلطنت میں بھی بغاوت کی آگ بھڑکا رہا ہے آؤ اسے مل کر جہنم رسید کریں۔

صوفی صاحب نے فرمایا۔ بات تو ٹھیک ہے لیکن مودودیت کے موضوع پر بحث لاحاصل ہے۔ ہر بات میں قرآن و سنت کی ٹانگ اڑائی جاتی ہے۔ ایسا کرو مناظرہ بلا موضوع طے کر لو اور ادھر ادھر کے لطیفوں سے ایڈیٹر تجلی کو ہرا پھینکو پھر بڑے بڑے پوسٹر شائع کرو۔ کہ ایڈیٹر تجلی کو شکستِ فاش۔ وغیرہ وغیرہ۔

مولوی صاحب نے فرمایا مجھے منظور ہے کچھ بھی ہو میں تو تجلی کے ایڈیٹر کو ذلیل وحقیر کرنا چاہتا ہوں۔ مناظرہ اگر اس نے نامنظور کیا تو تب بھی اخبار اور پوسٹروں میں اس کی شکست چھاپیں گے۔

صوفی صاحب نے کہا مگر میری یہ شرط ہے کہ جو کچھ میں مناظرہ میں کہوں تم لازماً اس کی طرفداری کرنا۔ خواہ دیو بندیت کے خلاف ہو یا موافق ؟

مولوی صاحب نے کہا منظور ! میں تو سو فیصدی تمہاری تائید کروں گا۔ بس ایڈیٹر تجلی کو ہرادو۔

اب ایڈیٹر تجلی کو دعوتِ مناظرہ کا خط بھیجا گیا — خدا سمجھے ایڈیٹر تجلی کو، مجھ بدنصیب سے فرمایا :-

”لو ملاّ آج تمہیں جوھر دکھانے کا موقع ملا ہے لکھ دو خط منظور ہے نامناظرہ !“

میں نے عرض کیا — ”آپ مناظرہ کریں گے“ ؟

فرمایا — ”میں نہیں تم ! .... بس انکار کی گنجائش نہیں مناظرہ تمہیں کرنا ہوگا ......“ ”تم ضرور کرو گے :“

میں نے لاکھ انکار کیا مگر توبہ وہ ایڈیٹر تجلی کہاں جو مان جائیں کہنے لگے اگر نہیں مانتے تو نہ صرف ملازمت سے الگ۔ بلکہ گذشتہ دوسالوں کی تنخواہ واپس کرو — اس کے علاوہ بوقلندر رحمۃ اللہ علیہ سے تمہاری بیعت فسخ کرتا ہوں !

میں نے گھبرا کر کہا۔ نہیں۔ مجھے منظور ہے۔ میں مناظرہ کروں گا۔ اور مناظرہ طے ہوگیا۔

جمعرات کا دن۔ جمعرات کی رات۔ عشار کی نماز محلّے کی مسجد میں پڑھ کر آیا اور بیوی کو وصیت کی۔

”دیکھو نیکبخت۔ میرا وقت آگیا ہے دونوں بچے تمہارے سپرد۔ کیش بکس کی کنجی یہ لو۔ بارہ روپے ایک روپیہ فی سال کے حساب سے انس ہیں۔

جمع کئے ہیں۔ کھدّر کا کفن ان میں ہو جائے گا۔ کہا سُنا معاف کرنا دوسری شادی مت کر لینا کہ فی الحال میرا ارادہ قبر میں بھی زندہ رہنے کا ہے"

اس کے بعد میں پیشارہ جنگل کی طرف آیا۔

آمنے سامنے دو اسٹیج لگے تھے۔ درسیوں بنڈے روشن تھے آدھا شہر ڈھل آیا تھا۔ میں ایک اسٹیج پر چڑھ آیا تھا اور تعلیم الاسلام حصّہ اوّل جو میں اپنے ساتھ مناظرہ میں کام لینے کے لئے ساتھ لایا تھا سامنے رکھ لیا۔ تھوڑی دیر میں ٹریکٹر کی آواز آنی شروع ہوئی اور کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے سے کتابوں کا بھرا ہوا ایک ٹریکٹر چلا آرہا ہے۔ جس کے پیچھے ایک کھلی بوگی جڑی ہوئی ہے اور اس میں کتابیں لدی ہیں۔ صوفی صاحب ڈرائیوری کر رہے تھے۔ اور مولوی صاحب پیچھے بیٹھے تھے اسٹیج کے قریب اسے روکا گیا اور دونوں حضرات موٹے موٹے عصا ہاتھ میں لئے اترے۔ ان کے سروں پر بڑے بڑے عمامے اور جسموں پر لمبی آستینوں والے ٹخنوں تک کے جُبّے تھے۔ ہاتھوں میں کئی ضخیم کتابیں تھیں۔ شان سے اسٹیج پر چڑھے اور فوراً ہی اسٹیج کے سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں نے سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر زور سے کہا:-

"حضرت صوفی ٹاٹ شاہ زندہ باد! حضرت مولانا اگر گل صاحب زندہ باد!"

حاضرین نے یک زبان ہو کر نعرے لگائے اور میں اسٹیج پر کھلا بیٹھا گویا کاٹھ کا اُلّو حسرت و حیرت سے یہ منظر دیکھتا رہا۔

صوفی صاحب نے میکروفون منہ کے قریب کرتے ہوئے بلند آواز سے کہنا شروع کیا:-

بھائیو! ایڈیٹر تجلّی نے چوڑیاں پہن لیں۔ اپنی جگہ اس غریب ملّا کو (یہ کہتے ہوئے میری طرف اشارہ کیا) بھیجدیا ہے ہم زبردست علمائے وانقیا کیا اس نا چیز دبیکس سے مناظرہ کریں۔ آپ دیکھتے ہیں یہ کتابوں سے بھرا ہوا ٹریکٹر؟ اور ہمارے ہاتھوں کی موٹی کتابیں؟ ہر کتاب تجلّی کی خرافات کے لئے از بسکہ کافی ہے اور یہ سب کتابیں پڑھ کر ہی ہم نے جانا ہے

کہ ایڈیٹر تجلی گمراہ وزندیق ہے!"

میں اس تمہیدی تقریر پر ضبط نہ کرسکا۔ اپنا مائیکروفون منہ کے قریب کرتے ہوئے تعلیم الاسلام حصہ اوّل ہاتھ میں اٹھاتے ہوئے عرض کیا۔

بھائیو! ایڈیٹر تجلی کیوں زحمت فرماتے جبکہ ان کا یہ ادنیٰ... خادم پیر بو قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے فضل سے تنہا مناظرہ کو کافی ہے۔ یہ کتاب آپ دیکھ رہے ہیں؟ تعلیم الاسلام حصہ اوّل! قیمت ڈھائی آنہ! اگر اسی سے اس بھرے ٹریکٹر کی ہر موٹی کتاب کا جواب نہ لادوں تو میرے بال بچوں تک پہ لعنت!"

لوگوں نے تالیاں بجائیں۔ میں نے کہا مناظرہ شروع ہو۔ صوفی صاحب نے مولوی صاحب سے کچھ کھسر پھسر کی پھر مائیکروفون پر بولے:۔

اچھا بھائیو! مناظرہ تو بعد میں ہوگا پہلے میں آپ حضرات سے یہ بتادوں کہ تجلی جس دیوبند کی پیداوار ہے وہ "دیوبند" حقیقت میں کس قدر پیدائشی طور پر غلط ہے۔! یعنی یوں سمجھئے کہ دیوبند میں چھ حروف ہیں۔ ان چھ حرفوں کی حقیقت میں زبانِ شعر میں واضح کروں گا۔ اگر ملّا ابن العرب نے شعر ہی میں اس کا جواب دیدیا تب مناظرہ شروع ہوگا ورنہ نہیں!

لوگوں نے کہا ٹھیک ہے"۔۔۔ اور میرے ہوش اڑ گئے کہ یہاں تو بیت بازی کرنی پڑے گی۔ خیر صوفی صاحب کی آواز گونجی۔

سنو بھائیو۔ دیوبند کے ہر ہر حرف کی اصلیت سنو:۔

دغا کی دال ہے یا جرج کی ہے یے اسمیں — وطن فروشی کا واؤ بدی کی بے اس میں

جو اس کے نون میں نارِ جحیم غلطاں ہے — تو اسکی دال سے دہقانیت نمایاں ہے

ملے یہ حرف تو بیچارہ دیوبند بنا
بڑے خمیر سے یہ شہر ناپسند بنا

مجمع چیخ اٹھا۔۔۔ واہ واہ! سبحان اللہ خوب کہا ہے۔

میں نے بو قلندر کا نعرہ مارا اور مائیکروفون سے منہ لگا کر کہا:۔

بھائیو! اگر تم نے پہلے ہی طے کرلیا ہے کہ فریق مقابل کی ہر بات پر داد

داد دو گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم سب ملکر مجھ پر تنہا چڑھ آئے بھیئ شریفوں اور بہادروں کا نہیں ظالموں اور بزدلوں کا شیوہ ہے!"

مجمع میں کچھ بھنبھناہٹ ہوئی اور کئی طرف سے آوازیں آئیں:۔

"نہیں ملا صاحب آپ گھبرائیں نہیں ہم غیر جانبداری سے مناظرہ سنیں گے۔ آپ کھلکر جواب دیجئے۔"

اس کے ساتھ ہی کچھ نوجوان کھڑے ہو گئے اور کہا:۔

"دیکھئے سامعین یہ واقعی کمینہ پن ہوگا۔ اگر ہم ایک شخص کے خلاف ہو جائیں گے۔ خاموشی اور انصاف سے دونوں کو سنیئے ___ اگر اب کسی نے جانبداری برتی تو آپ جانتے ہیں ہم بھولو پہلوان کی اولاد ہیں تسمہ لگا نہیں چھوڑیں گے۔"

اب تو مجمع پر سکوت طاری ہو گیا۔ فدوی کی ہمت بندھی۔ یا بوقلندر کا نعرہ مارا اور عرض کیا:۔

"بھائیو ابو قلندر کے نعرے پر ناراض نہ ہونا۔ یہ بریلوی لوگ" یا عبدالقادر" وغیرہ کے نعرے مارتے ہیں۔ حالانکہ شاہ عبدالقادر جیلانی رح بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ لیکن مرحوم بزرگ خدا نہیں ہوتے۔ چنانچہ میں دکھاؤں گا کہ صوفی صاحب کے کوئی مددان کے مرحوم بزرگ نہیں کر سکیں گے۔ اس کے برخلاف میرے پیر بوقلندر رحمۃ اللہ علیہ، جو اصل میں میری ہی اولاد ہیں۔ یعنی ان کی تولید میرے ہی دل و دماغ کے باہمی معاشقہ سے ہوئی ہے میری اس قدر مدد فرماتے ہیں کہ...... بس دیکھتے جائیے۔"

میں اصل میں یہ تھوڑی سی تقریر تھوڑا سا وقت لینے کے لئے کر رہا تھا۔ چنانچہ ادھر تقریر ہوتی رہی اور ادھر دماغ صوفی صاحب کے اشعار کا جواب تیار کرتا رہا ___ آخر کار عرض کیا۔

"بھائیو! اب میں صوفی صاحب کی مسدس کا جواب عرض کرتا ہوں میرا خطاب صوفی صاحب اور ان کے معاون اگر گل صاحب سے ہے۔ جو حضرت دیوبندی ہونے کے باوجود صوفی صاحب کے جوڑی دار بنگئے

ہیں ـــــ لیجئے قبلہ سنئے:۔

دغا کی "دال" کو کہتے ہو تم دغا کی ہے
علاج چشم کراؤ بڑی خطا کی ہے

یہ "دال" دولتِ دنیا و دیں سے ہے معمور
دماغ و دیدہ و دل اس سے ہو گئے پرنور

غضب ہے، "ے" تمہیں یاجوج کی نظر آئی
ضرور ڈوب گئی ہے تمہاری بینائی

نظر جماؤ کہ یادِ خدا کی "ے" ہے یہ
یقین و شرب دمین و صفا کی "ے" ہے یہ

کہا جو "واؤ" کو تم نے "وطن فروشی" کا
ثبوت دید یا اپنی گناہ کوشی کا

ادب کر، ذکر وضو کا وفا کا "واو" ہے یہ
وقار و وعظ و وصالِ خدا کا "واو" ہے یہ

بدی کی "بے" جسے کہتے ہو تم شرارت سے
وہ ہے بہشت بریں برکت و بہار کی "بے"

جو تم نے "نون" میں نارِ جحیم ہی دیکھی
تو کیا قصور، تمہاری تو عاقبت ہے یہی

سنو کہ "نون" ہے یہ نزہت و نفاست کا
نماز و نعت کا نیکی کا نور و نعمت کا

جو تم نے "دال" میں دہقانیت کی بو سونگھی
تو سمجھو اپنی غلاظت ہی ہو بہو سونگھی

ارے یہ "دال" دیانت کی دوستی کی ہے
درود کی ہے دعا کی ہے دلکشی کی ہے

بڑے ہی پاک عناصر سے دیوبند بنا
عدو کی جان جلی شہر دل پسند بنا

یہ اشعار آپ تو نے مسلسل پڑھ لئے۔ لیکن یہ عملاً اس تسلسل سے نہیں پڑھے گئے بلکہ مجمع نے واہ واہ کے ساتھ مکرر سے مکرر کا شور کیا اور فدوی کو ہر شعر کی تکرار سے اگلے شعر کی گھڑنت کا موقعہ ملتا رہا۔ مجمع اب بڑی حد سے میرا مدح خواں بن گیا تھا۔ اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے زور سے کہا:۔

"حضرت صوفی صاحب کی مسدس کا جواب میں دوازدہ سورے سے دیدیا ہے۔ اب ذرا مبکر دہ سورے کا جواب بھی سلے بریلی کی شان میں صوفی صاحب ہی کی زبان و اسلوب میں عرض کیا ہے:۔

سناؤں تم کو بریلی کے سب حروف کا حال
کہ حرف حرف میں پنہاں ہے فطرت دجال

جو "بے" ہے اس میں تو بنیاد بدعتوں کی ہے

دوسرا مصرعہ نہیں پڑھا گیا۔ کیوں کہ سامنے اسٹیج کی طرف سے ہو حق کا شور بلند ہوا۔ جیسے کچھ لوگ لڑ رہے ہوں..... چند منٹ بعد قدرے سکون ہوا تو معلوم ہوا کہ صوفی صاحب نے جس شاعر سے اپنی مسدس لکھوائی تھی وہ اسے ساتھ لائے تھے تاکہ موقع پر کام دے۔ چنانچہ میرے خوبی اشعار پر صوفی صاحب نے اس سے کہا کہ فوراً جواب دو ــــ اس نے کہا کہ میں فی البدیہہ نہیں کہہ سکتا۔ تب صوفی صاحب نے اپنے عصا کی نوک اس کے رسید کرتے ہوئے کہا کہ دس روپے واپس کرو جو تمہیں دیئے گئے تھے۔ وہ عصا کی چوٹ سے بھنّا گیا اور اپنے بڑے بھائی کالو پہلوان کو آواز دی کہ ذرا لینا صوفی کی خبر۔ صوفی صاحب نے یہ رنگ دیکھا تو نرمی سے بولے کہ اچھا جانے دو گول ہو جاؤ۔ پھر انہوں نے جلدی سے مبکر وفون پر کہا:۔

"اچھا بھائیو مناظرہ شروع ہوتا ہے شعر بازی ختم!"

مجمع چیخا ــــ "نہیں صاحب ملا کی ہوگی ــــ ہاں ملا صاحب!"

"فدوی سنا سکتا ہے" میں نے کہا "لیکن صوفی صاحب جواب کا وعدہ کریں تب!"

صوفی صاحب نے سنی ان سنی کر کے کہا:۔

اب میں حضرت قطب الاولیاء زبدۃ الاتقیا حضرت مولانا اگر گُل مدظلہ العالی سے گذارش کروں گا کہ وہ اپنے افاضات عالیہ سے حاضرین کو سرفراز اور ملا کو پامال و مغلوب فرمائیں۔ بولو لوگو نعرۂ تکبیر۔

مشکل سے پانچ آدمیوں نے اللہ اکبر کہا۔ مولوی اگر گُل کھڑے ہو گئے، مگر چہرہ مرجھایا ہوا اور آواز لرزیدہ تھی فرمایا:۔

میں حضرت مخلص فی الدین مبلغ اعظم فاضل اجل صوفی ٹاٹ شاہ صاحب قبلہ ہی سے آغازِ مناظرہ کی گذارش کروں گا۔"

اور جہاں سے اٹھے تھے وہیں بیٹھ گئے۔ اب پھر صوفی صاحب کھڑے ہوئے۔ مجھے ان حرکتوں سے اچھی طرح محسوس ہو گیا کہ دم خم

ڈھیلے ہیں۔ ذرا اور گڑ بڑانے کے لئے فوراً کھڑے ہوکر میکروفون سے منہ لگایا۔

بھائیو! میں بہت تھک گیا ہوں۔ میرے حریفوں نے ایک دوسرے کے لئے جو وزنی القاب استعمال فرمائے ہیں وہ مجھ جیسے کمزور آدمی کو تھکا دینے کے لئے بالکل کافی ہیں۔ اگر اب میں نے ایک قوالی پڑھ کر اپنی تھکن دور نہ کی تو ضرور میرا ہارٹ فیل ہوجائے گا۔ کیوں بھائیو اجازت ہے؟

"صوفی اور مولوی صاحب بولے" ہرگز نہیں!

لیکن مجمع چیخا ——" ضرور ضرور"! —— اور صوفی اینڈ کو کی آواز دبکر رہ گئی —— میں کھنکارا اور گنگنایا پھر عرض کیا:۔

دیکھئے صاحبان۔ قوالی کا مزا تو ہارمونیم اور طبلے اور کھنگروں کے ساتھ ہے۔ لیکن یہ چیزیں اس وقت کہاں! تاہم آپ لوگوں کو اجازت ہے کہ تالی یا کسی اور چیز سے تھاپ دے لیں۔ عرض کرتا ہوں:۔

چھائیں گھٹائیں، مہکیں فضائیں، عرسوں کا آیا رنگیں مہینہ
اب دن کٹیں گے قوالیوں میں، راتوں کو ہوگا جشنِ شبینہ

ہم صوفیوں نے ہندوستان میں صدہا بنائے دیسی مدینے
دیوبندیوں کے حصہ میں آیا لے دیکے تنہا عربی مدینہ

جو مانگنا ہے قبروں سے مانگو، نذریں چڑھاؤ، سجدے گذارو
خالق کی مسندیں ہیں، عرش وکرسی، قبریں ہیں عرش وکرسی کا زینہ

اللہ قادر بیشک ہے، لیکن سنتا نہیں وہ بے واسطے کے
خواجہ پیا کو آواز دینا جب ہو بھنور میں تیرا سفینہ

دو چار ساغر پینے دو واعظ، روکو نہ ان کو قوال ہیں یہ
ہم اہلِ دل کے سردار ہیں یہ، انکے ادب کا سیکھو قرینہ

زارِ تصوف رمزِ طریقت کیا خاک سمجھیں اہلِ شریعت
ہم صوفیوں کی ہر صوفیت پر حجت ہے علم سینہ بسینہ

بڑی فلک پیما داد اور وجد و حال فضا میں یہ قوالی ختم ہوئی تو صوفی صاحب نے فرمانا شروع کیا۔

خرافات بہت ہو چکیں۔ اب مناظرہ شروع ہوتا ہے میرا پہلا سوال ملا سے یہ ہے کہ کیا آپ شاہ ولی اللہ کو اپنا رہنما اور بزرگ مانتے ہیں؟"

میں نے عرض کیا۔ میرے رہنما تو آپ سے پونے چودہ سو برس پہلے ہو گذرے ہے۔ ہاں شاہ ولی اللہؒ کو زبردست عالم اور عابد و زاہد اور فہیم و دانشمند مانتا ہوں۔"

"چلو یوں ہی سہی۔" فرمایا" بہرحال آپ کے نزدیک وہ قابل تعریف تھے۔ اچھا حاضرین بھائیو! انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے۔ "تفہیمات الالٰہیہ" ۔ اس کا ترجمہ ہوا اللہ کی تفہیمات تو گویا شاہ صاحب اپنی تحریروں کو اللہ کا کلام سمجھتے تھے کیوں کہ یہ کتاب انھی کی لکھی ہوئی ہے بس جو شخص خدائی کا دعویٰ کرے وہ لائق تعریف ہوا یا مستحق ذم؟ بولو بھائیو! ہے نا وہ کافر؟"

تھوڑا سا مجمع بولا۔ "ہاں یہ تو ٹھیک ہے"

مجھے ایسی بیہودہ بات کی توقع نہیں تھی۔ فوراً کھڑے ہو کر عرض کیا:-

" اس کا جواب تعلیم الاسلام کے حصۂ اوّل صفحہ ۲ سے ابھی عرض کرتا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے میرے چند سوال ہیں"

صوفی چیخے۔ " ہرگز نہیں۔ سوال بعد میں کرنا پہلے جواب دو!"

میں نے کہا۔ " دیکھئے صوفی صاحب اور معزز حاضرین! مناظرہ میں ہمیشہ ترتیب ضروری ہوتی ہے صوفی صاحب کے اعتراض سے پہلے مولوی صاحب نے صوفی صاحب کے کچھ القلاب ارشاد کئے تھے جنسے تھک کر مجھے قوالی پڑھنی پڑی تھی۔ لہٰذا موجودہ اعتراض سے مقدم

وہ پاس مجھے انہی کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے ضرور فرمایئے۔" مجمع نے کہا۔

اچھا سنیئے" میں نے کہا" مولوی صاحب نے پہلا خطاب صوفی صاحب کو" مخلص فی الدین" کا دیا ہے ـــــ آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ" خلاص" ختم ہو جانے اور بٹ جانے کو کہتے ہیں۔ مخلص کے معنے ہوئے خلاص ہو جانے والا۔ گویا صوفی صاحب کا دین خلاص ہوا ـــــ بتایئے جب ان کے جوڑی دار ہی انھیں دین سے فارغ تسلیم کر رہے ہیں تو کیا ثابت نہیں ہوا کہ یہ بے دین ہیں؟"

مجمع نے قہقہہ لگایا ـــــ میں نے کہا:۔

ابھی ٹھہریئے ـــــ دوسرا خطاب" مبلغ اعظم" کا دیا گیا تھا ـــــ مبالغہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ کسی چیز کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کا نام ہے۔ لہذا مبلغ کے معنیٰ ہوتے ہیں بڑھا چڑھا کر پیش کرنے والا ـــــ پس صوفی صاحب کو مبالغہ کرنے والا خود ان کے جوڑی دار نے ہی مان لیا ـــــ علاوہ ازیں مبلغ کا مادہ تعلیم الاسلام صفحہ ۱۲ پر مبلغ بھی لکھا ہوا ہے۔ گویا مبلغ علیہ السلام یعنی نقدی۔ تو گویا صوفی صاحب دین کے نہیں روپے کے.. عاشق ہیں!"

مجمع بھی زور سے ہنسا ـــــ میں نے کہا:۔

" ابھی ٹھہریئے ـــــ تیسرا خطاب" فاضل اجل" دیا گیا ہے ـــــ فضلا ر آپ جانتے ہی ہیں کسے کہتے ہیں۔ وہ تین مرتبہ ناک سے اوپر کو سانس لیجئے بات واضح ہو جائے گی ـــــ تو گویا آپ خود سمجھ لیجئے صوفی صاحب کو کیا درجہ ان کے دوست مولوی صاحب نے دیا ـــــ اور" اجل" پر بھی خیال کیجئے۔ ظاہر ہے کہ اجل کے معنیٰ" موت" ہیں گویا مولوی صاحب کے نزدیک ان کے دوست صوفی صاحب کی موت فضلہ کے وقت واقع ہو گی!"

مجمع لوٹ پوٹ ہو گیا۔ صوفی اینڈ کو بہت پیچ و تاب کھائے ـــــ جھلائے۔ مگر

شور وشر میں کسی نے توجہ دی۔ ۔ ۔ ۔ کچھ سکون ہوا تو صوفی صاحب کی آواز سنائی دی:-

"حاضرین! یہ مردود ملّا بالکل واہی تواہی بکتا ہے......"

کالو پہلوان کے بڑے صاحب زادے نے قطع کلام کرتے ہوئے غضبناک آواز میں کہا:-

یہ گالیاں نہیں چلیں گی۔ مردود کہنے کا کسی کیا حق ہے۔ ملّا نے علمی اعتراض کئے ہیں۔ علمی جواب دیجئے"

صوفی صاحب کچھ جواب دینے لگے تھے کہ میں نے کہا:-

" حاضرین! میں پھر سخت تھک گیا ہوں۔ ایک قوالی کی اجازت چاہوں گا۔"

"ہرگز نہیں" یہ صوفی صاحب کی آواز تھی۔ مگر مجمع چیخا — " بال صاحب ضرور ہوگی۔ ضرور ہوگی"

اور میں شروع ہوگیا۔ ملاحظہ ہو:-

بخشش نہ ہوگی بندگیِ اولیاء بغیر
قبلہ نظر نہ آئے گا قبلہ نما بغیر

فیضِ قبورِ کلیرِ و اجمیر کی قسم
اپنی تو کٹ رہی ہے مزے سے خدا بغیر

خواجہ سے لو لگی ہے تو قرآں سے عشق ہے
پیتے نہیں شراب بھی ہم فاتحہ بغیر

جب عرس ہی نہیں تو صلوٰۃ و زکوٰۃ کیا
ہوتی نہیں صفائیِ باطن غنا بغیر

میں فاتحہ پڑھوں گا پلاؤ کی قاب لا
ملتا نہیں ثوابِ عبادت غذا بغیر

ملّا ہمیں بھی جبّہ و دستار لاکے دے
چلتا نہیں ہے کام نمود و ریا بغیر

اب کی بھی مجمع نے خوب خوب مزا لیا۔ صوفی اینڈ کو کے قلبِ حزیں پر جو کچھ گذر رہی تھی اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ اب وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے حضرت اب کی آپ کھڑے ہوں! — نہیں حضرت اب کی آپ بیان فرمائیں — نہیں حضرت آپ — نہیں.....

آخر کار صوفی صاحب اٹھے آواز میں لرزہ تھا۔
حاضرین! ملا کی شرارتوں میں آپ بھی آ گئے دیکھئے یہ کسطرح ہمارے وزندار اعتراض کے جواب سے جان چرا رہا ہے۔"
خاکسار نے جواب دیا:-
" صوفی صاحب آپ کے اعتراض کا جواب بھی حاضر کرتا ہوں مگر ابھی تو ان خطابات کی تشریح باقی ہے جو آپ نے شروع میں ہی مولوی اگر گل صاحب کو بخشے تھے۔ یعنی قطب الاولیاء اور زبدۃ الاتقیاء"
" نہیں نہیں" صوفی صاحب چیخے " یہ بکواس بند کرو۔ اصل موضوع پر آؤ"
مجمع کے بہت سے لوگ بولے — " ہم ان خطابوں کی بھی تشریح سنیں گے۔ آپ فرمائیے ملا صاحب!"
"جی عرض کرتا ہوں" میں نے صوفی صاحب کے ستے ہوئے چہرے پر حسرت سے نظر کرتے ہوئے مجمع سے خطاب کیا — دیکھئے۔ قطب صاحب کی لاٹ آپ لوگوں نے دیکھی اور سنی ہوگی — کیوں صاحب؟"
ملا جلا جواب ملا — جی ہاں دیکھی ہے — سنی ہے"
تو اسے ایک بہت بڑے سپہ سالار حضرت اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے بنایا تھا پس اس کا نام "قطب الاولیاء" رکھا گیا اب میں پوچھتا ہوں کہ صوفی صاحب نے مولوی اگر گل کو قطب الاولیاء کس لحاظ سے کہا۔ ذرا مولوی صاحب کا قد ناپیئے اگر اس قدر کے بیس مولوی بھی ترتیب سے برابر رکھ دیئے جائیں تو قطب کی چوٹی نہیں پہنچ سکتے۔"
صوفی صاحب نے دوسو ڈگری کا غصہ ظاہر کرتے ہوئے کہا:-
" بالکل غلط ہے کہ قطب کی لاٹ کسی سپہ سالار نے بنائی تھی۔ میں ابھی کتاب کھول کر اس کی تاریخ بتاتا ہوں۔ یہ قطب الدین ایبک نے بنوائی ہوگی —
"خیر خیر" میں نے انھیں ٹرکیٹر کی طرف بڑھے دیکھ کر کہا۔

"خیر خیر" میں نے انھیں ٹریکٹر کی بڑھتے دیکھ کر کہا ــــ آپ کتاب نہ لائیں میں مانے لیتا ہوں یہ قطب الدین نے بنوائی۔ مگر آپ کے مولوی اگر گل قطب کیسے ہو سکتے ہیں۔ قطب تو اینٹ پتھر کا مجموعہ ہے ــــ کیوں بھائیو! قطب کی لاٹ اینٹ پتھر سے بنی ہے نا؟"

"جی ہاں ...." مجمع نے جواب دیا۔

"وہ آدمی تو نہیں ہے نا"؟۔

"جی نہیں لاٹ ہے!"

"بس تو پھر ــــ مولوی اگر گل لاٹ کیسے ہو سکتے ہیں۔!.....

خیر اب دوسرے القاب کی تشریح سنیئے۔ زبدہ کا مخفف ہے زبیدہ مولوی صاحب کا نام کیسے ہو سکتا ہے جبکہ میری کا ننھیالی نام یہی ہے آخر کسی مرد کا نام زبیدہ آپ نے کبھی سنا ہے؟"

"کبھی نہیں"۔ مجمع بولا ــــ فتو حلوائی کے منجلے لڑکے نے کھڑے ہو کر کہا "زبیدہ تو میری مرحوم جورو کا نام تھا" مولا بخش قصائی نے کہا ــــ "زبیدہ میرے بڑے لونڈے کی جُروا ہے!"

"بس تو صاحبان۔ صوفی صاحب کی قابلیت کا اندازہ کر لیجئے اچھے خاصے ڈاڑھی مونچھ والے مولوی صاحب کو زبدہ یعنی کہ چھوٹی زبیدہ کہہ رہے ہیں ــــ اور "اتقیا" پر غور فرمائیے "تقیہ" شیعہ حضرات کا مذہبی عقیدہ ہے۔ یعنی جب ضرورت سمجھو جھوٹ بول لو، دھوکا دے لو دغا کر جاؤ......"

ایک شیعہ دوست بیچ میں بول اٹھے :-

"یہ تشریح غلط ہے ...... تقیہ بے شک ہمارا عقیدہ ہے مگر جھوٹ ...."

"خیر میں نے قطع کلام کیا ــــ "جھوٹ کو چھوڑیئے میں کہتا ہوں تقیہ تو آپ کا عقیدہ ہے نا؟"

"بیشک ہے" انھوں نے کہا۔

" تب میں حاضرین سے عرض کروں گا کہ آپ سب لوگ ماشاء اللہ اہلِ سنت جماعت ہیں.... شیعوں کے نام پر تین طلاق!"

تو بھائیو! تقیا اسی کو کہتے ہیں جو تقیہ پر ایمان رکھتا ہو گیا مولوی اگر گل شیعہ ہیں!"

کالو پہلوان کے لونڈوں نے شور مچایا:-

" مولوی اگر گل مردہ باد۔ ملا اور ہم سنت جماعت زندہ باد!"

صوفی اینڈ کو پر عجیب حسرت و یاس کا عالم طاری تھا۔ بمشکل اگر گل کھڑے ہوئے اور کانپتی ہوئی آواز میں زور زور سے کہا

" نہیں بھائیو...... قسم پاک پروردگار کی میں شیعہ نہیں ہوں..... شیعوں پر لعنت....."

ابھی وہ اور کچھ نہ کہہ پائے تھے کہ بیچ مجمع سے تین چار شیعہ حضرات کھڑے ہو کر چیخے:-

"لعنت تم پر تمہارے ساتھی پر....."

مجمع میں چاروں طرف بھوحق شروع ہو گئی۔ قریب تھا کہ شیعہ سنی سوال پر جوتا چل جائے کہ میں نے میکروفون سے منہ لگا کر گلے کا سارا زور صرف کرتے ہوئے کہا:-

" لوگو میں مرا.... دیکھو میرا ہارٹ فیل ہونے والا ہے۔ اگر میں مر گیا تو پولیس تم سب کو دھرلے گی۔ لہٰذا خموشی سے میری تازہ قوالی سنو...... ہاں دیکھو کہا ہے:-

زاہد الجھ کے رہ گیا روزہ نماز میں | ہم لے اڑے نجات کو نذر و نیاز میں

مطلع کے ساتھ ہی مجمع پرسکون ہو کر ماٹل بہ قوالی ہو گیا۔

کرنا ہے وجد و حال تو خواجہ کے در پہ آ | نغمے کہاں دھرے ہیں شریعت کے ساز میں

ہمنے تو اپنے خواجہ سے جنت بھی مانگ لی | تو کھو گیا فقہ کے نشیب و فراز میں

قوالیوں کی تان پہ ہے عرش کا سفر | گویا کہ اڑ رہا ہوں ہوائی جہاز میں

کس کا گناہ، کیسی شریعت، کہاں کا دین | میں ہوں اسیر خواجہ کی زلفِ دراز میں

[illegible] غائب
[illegible] آواز سنائی دی...... مجھے جھٹکا
[illegible] نعرے بلند ہوئے۔

"مولوی کوڑی بھاگ گئے! ـــــ ملا کی زندہ باد! تجلی والوں کی جے ہو"

اب میں نے کہا ـــــ بھائیو دیکھ لیا آپ نے مناظرہ کون جیتا؟ ـــــ اب مجھے اجازت دیجئے"

بہت سے لوگ چیخے ـــــ صاحب ایک قوالی اور ہوگی... ضرور ہوگی...... ابھی ہوگی ...."

مجبور ہو کر کہنا پڑا ـــــ "اچھا صاحب! قوالی بھی لیجئے مگر ذرا لنگڑی ہے یعنی مثلث عرض کرتا ہوں :-

جو پہلی بے لکھی اس نے دوباو پھر لف لکھا ۔۔۔ تبارانون لکھکر پھر جمایا جیم کا نقشا
جو خط دیکھا تو سیدھا تھا مگر نکلا جناب الٹا

بظاہر میکشی ہے فی الحقیقت خوشخیالی ہے ۔۔۔ تصور کر کو خواجہ تیری آنکھوں کا چڑھا ہو
مزے بھی لوٹتے ہیں اور لیتے ہیں ثواب الٹا

دل احمق اگر آنسو بہاتا ہے بہانے دو ۔۔۔ حسینوں کی گلی میں سر کھپاتا ہے کھپانے دو
بھٹکتا آئیگا تم دیکھنا خانہ خراب الٹا

بھری برسات میں پینے سے ہمکو روک مت واعظ ۔۔۔ یہ ہے توہین فطرت کی تو ہمکو ٹوک مت واعظ
ارے بارش میں خود موجود ہے لفظ شراب الٹا

نہ جانے کہاں سے کچھ لوگ پھولوں کے ہار لے آئے تھے جو میرے گلے میں ڈالے گئے اور کچھ دیر کے لیے مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے میں بہت بڑا لیڈر ہوں اور عالمی کونسل میں بہتر گھنٹے تقریر کر کے آرہا ہوں پھر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں پیر زکوڑی ہوں اور سب حاضرین میرے مرید ہیں...... اور پھر میں راستہ بھر یہ سوچتا ہوا چلا آیا کہ کیوں نہ تجلی کی نوکری چھوڑ دوں قوالی پڑھنی شروع کر دوں اور راستہ ہی میں جب یہ خیال آیا کہ بیوی نے بارہ روپے کا کھدر برائے کفن نہ منگالیا ہو تو سرپٹ دوڑ پڑا.......

نیک خواہشات کے ساتھ

TAJALLY
DEOBAND U.P: INDIA
Regd. SHN

ادباش وشادزی اے سرزمینِ دیوبند — ہند میں اِسلام کا تو نے کیا پرچم بلند
(مولانا ظفر علی خاں مرحوم)

دیوبند
اور
دارُالعُلوم دیوبند

۱۸۵۷ء کے بعد مُلک وملّت کی نشأۃ ثانیہ کے علَم بردار

دارُالعُلوم دیوبند

کے

اِجلاسِ صد سالہ کے مُبارک موقع پر
اِدارۂ تجلّی کی طرف سے نذرانۂ عقیدت

ماہنامہ **تجلّی** دیوبند

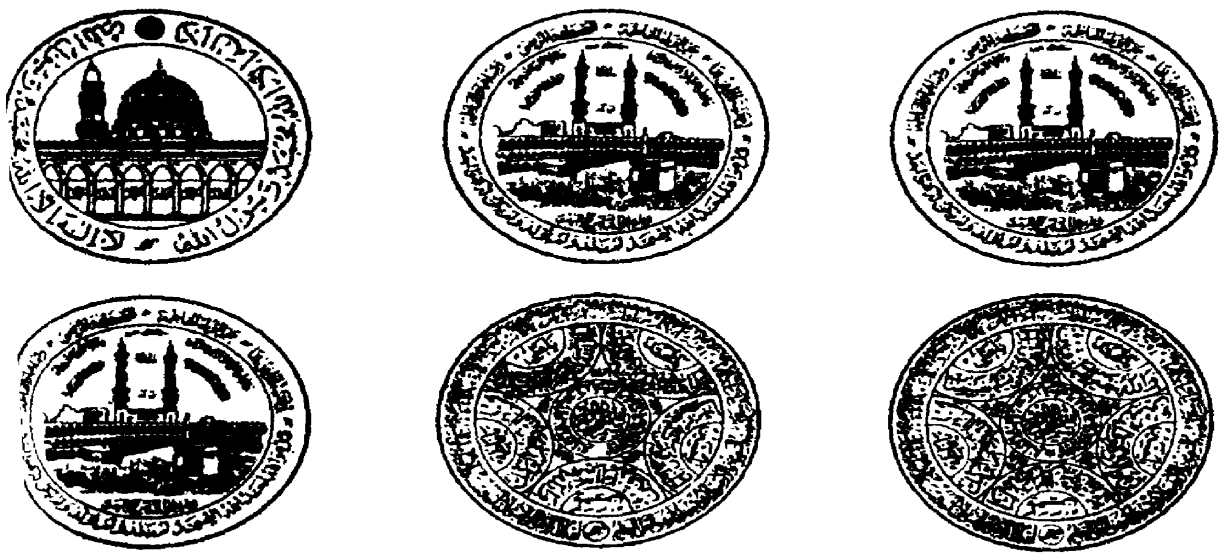
اشاعت خاص

BOMBAY MERCANTILE CO-OPERATIVE BANK LIMITED

ANTILE CO-OPERATIVE BANK BUILDING, 78, MOHAMEDALI ROAD, BOMBAY-400 003
TELEX: ZAIN 011-3924 PHONE: 325961 (4 LINES)
GRAMS: "KHAZANCHI" CHINCHBUNDER BOMBAY-400 009

OUR BULLION DEPARTMENT

FOR ALL AUSPICIOUS OCCASSIONS
SILVER COINS OF 999 PURITY



خالص چاندی کے سکّے نادر و نایاب تحفے

حج وزیارات اور خوشی کی تقریبات کے موقعوں پر ۱۵، ۲۰ اور ۲۵ گرام کے خالص چاندی کے سکے جن پر آیات قرآنی اور شبیہ مقامات
بینک کی تمام شاخوں سے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

ચોકખી ચાંદીના સીક્કાઓની અમુલ્ય ભેટ

ઝીયારતના મોકા ઉપર તથા બીજા ખુશીના અવસર ઉપર ભેટ-સોગાદ આપવા લાયક ઉપર બતાવ્યા મુજબ
૨૫ ગ્રામ, ૨૦ ગ્રામ તથા ૧૫ ગ્રામ વજનના પવીત્ર લખાણોમાં કલમાનાં ચોકખી ચાંદીના સીક્કાઓ
બેંકની દરેક શાખાઓમાંથી મળી શકશે.

Pure Silver Coins-An incomparable Present

spicious occasion of Haj and Ziyarat, pure silver coins with embossings of Quranic verses and inscriptions of sacred Islamic monuments weighing 25 gms. 20 gms. 15 gms. are available at all the branches of the bank.

DOSEINI S. DOCTOR
CHAIRMAN

ZAIN G. RANGOONWALA
MANAGING DIRECTOR

ماہنامہ تجلی دیوبند

اشاعت خاص

نوادر دار العلوم دیوبند

مرتب حسن احمد صدیقی فاضل دارالعلوم دیوبند

قیمت ۱۵/=

امریکہ، انگلینڈ، نائجیریا، کینیڈا، فرانس، انڈونیشیا اور ملیشیا سے بذریعہ ڈاک ۳ پونڈ، سعودی عرب قطر وغیرہ سے بذیعہ بحری ڈاک ۱ پونڈ

ہندوستان کیلئے سالانہ قیمت ۴۴ روپے اور پاکستان کے لئے ۴۰ روپے

دفتر ماہنامہ تجلی دیوبند یوپی

منصور دیوبند

فہرستِ مضامین

دیوبند کی شخصیات

مدارسِ اسلامیہ کا آغاز

اسلام میں مدارس کا آغاز مساجد سے ہوا ہے، مسجدِ نبوی سے ملحق وہ مشہور چبوترہ تھا جو تاریخ میں "صفّہ" کے نام سے موسوم ہے، صحابہ کرامؓ میں سے یہاں جو حضرات فروکش ہوتے تھے وہ اصحابِ صفّہ کہلاتے تھے، اُن کی تعلیم کے لئے معلم مقرر تھے، اسلام کی دعوت و تبلیغ کیلئے جب کہیں مبلّغ بھیجنا ہوتا تو یہی لوگ بھیجے جاتے۔ [۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تعلیم و تدریس کی جو اہمیت تھی اس کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ مسجدِ نبوی میں تشریف لائے تو آپ نے وہاں صحابہ کرامؓ کے دو حلقے دیکھے، ایک حلقے میں لوگ تلاوت و دعاء میں مشغول تھے، اور دوسرے حلقے میں قرآن مجید کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا، آپؐ نے فرمایا:۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا [۲] میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں!

یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے حلقۂ درس میں تشریف فرما ہو گئے۔

چوتھی صدی ہجری تک تعلیم و تدریس کا کام اسی طرح مساجد سے لیا جاتا رہا، اس زمانے

---

[۱] سیرۃ النبی جلد اوّل ص ۲۱۵ طبع اول نامی پریس کانپور۔

[۲] سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء۔

میں مساجد کے پہلو بہ پہلو مدارس و مکاتب کے قیام کا مذاق عام تھا۔ اس چیز نے ایسا قبولِ عام حاصل کیا کہ اب تک کم و بیش یہ سلسلہ ہر اسلامی ملک کی مسجدوں میں جاری ہے۔

مدارس کا آغاز

موجودہ شکل کے باقاعدہ مدارس کا آغاز اسلام کی تاریخ میں پانچویں صدی ہجری سے ہوتا ہے عام خیال ہے کہ دنیائے اسلام میں پہلا مدرسہ نظام الملک طوسی (وفات ۴۸۵ھ / ۱۰۹۲ء) نے بغداد میں مدرسہ نظامیہ کے نام سے قائم کیا تھا، یہ صحیح نہیں ہے، درحقیقت قدرت کی جانب سے اس اوّلیت کا شرف افغانستان کے نامور فرماں روا سلطان محمود غزنوی (وفات ۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء) کے لئے مقدر تھا[1]، چنانچہ ۴۱۰ھ / ۱۰۱۹ء میں سلطان محمود غزنوی نے اپنے پایۂ تخت غزنی میں ایک جامع مسجد تعمیر کی جو اپنی نفاست اور خوبصورتی کے لحاظ سے عروسِ فلک کے نام سے مشہور تھی، مسجد کے ساتھ سلطان نے مدرسہ کی عمارت بھی تعمیر کرائی تھی، مدرسہ کے ساتھ کتب خانہ بھی تھا جو نادر الوجود کتابوں سے معمور تھا، مسجد اور مدرسہ کے اخراجات کے لئے سلطان نے بہت سے دیہات وقف کر دیئے تھے، ابوالقاسم فرشتہ کا بیان ہے۔

درجوار آں مسجد مدرسہ بنا نہادہ و بنفائس کتب و غرائب نسخ موشح گردانیدہ دیہات بسیار بر مسجد و مدرسہ وقف فرمودہ[2]

مسجد کے قریب مدرسہ قائم کیا، مدرسہ کے کتب خانہ میں عمدہ اور کم یاب کتابیں جمع کیں، مسجد اور مدرسہ کے اخراجات کے لئے بہت سے دیہات وقف کر دیئے۔

* * * * * * *

---

[1] البدایہ والنہایہ ابن کثیرؒ کی روایت کے مطابق مصر کے حکمران الحاکم بامر اللہ کے عہدِ حکومت (۳۸۶ھ تا ۴۱۱ھ / ۹۹۶ء تا ۱۰۲۰ء) میں اگرچہ اس قسم کے مدرسہ کا سراغ ملتا ہے جس میں حکومت کی جانب سے محدثین اور فقہا تعلیم کے لئے مقرر کئے گئے تھے، مگر دو تین سال کے بعد خود اس نے اس مدرسہ کو منہدم کرا دیا، تفصیل کے لئے دیکھئے البدایہ والنہایہ ابن کثیر جلد ۱۱ ص ۳۴۲ مطبعۃ السعادۃ اور حاشیہ تاریخ الکامل ابن اثیر حالات ۳۹۵ھ [2] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۳۲ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ

سلطان کی اس مثال سے امرار اور ارکانِ دولت میں بھی مدارس قائم کرنے کا شوق پیدا ہوا اور تھوڑے ہی عرصے میں غزنی کے اطراف وجوانب میں بے شمار مدرسے قائم ہو گئے۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ :۔

بمقتضائے الناس علیٰ دین ملوکہم ہر یکے از امرار واعیانِ دولت بر بنائے مسجد و مدارس ورُباطات وخوانق مبادرت نمودند [1]	بادشاہ کی تقلید میں (بمصداق الناس علیٰ دین ملوکہم (لوگ اپنے بادشاہوں ہی کے راستے پر چلتے ہیں) امرائے سلطنت مسجدیں، مدرسے رُباطیں اور خانقاہیں تعمیر کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے لگے۔

غزنی اس زمانے میں اپنی آبادی کی کثرت اور تمدنی ترقی میں عالم اسلام کے سب سے بڑے مرکز اور خلافتِ عباسیہ کے پایۂ تخت بغداد کا مقابلہ کر رہا تھا، پوری دنیا سے اہلِ فضل و کمال، متبحر علمار اور باکمال شعرار اس کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔

سلطان محمود غزنوی کے فرزند سلطان مسعود (۴۲۲ھ/۱۰۳۰ء - ۴۳۲ھ/۱۰۴۰ء) نے بھی اپنے نامور باپ کی روایات کو برقرار رکھا چنانچہ اس نے اپنی حدودِ مملکت میں بکثرت مدارس قائم کئے۔ فرشتہ کا بیان ہے :۔

دراوائلِ سلطنت او در ممالکِ محروسہ چنداں مدارس ومساجد بنیاد نہاد ند کہ زبانِ بیاں از تعداد آں عاجز و قاصر ست [2]	اپنے عہدِ حکومت کے شروع میں اس نے ممالکِ محروسہ میں اسقدر مدرسے اور مسجدیں بنوائیں کہ انکی تعداد بیان کرنے سے زبان عاجز و قاصر ہے

ابوریحان بیرونی کی مشہور کتاب قانونِ مسعودی اسی سلطان مسعود کی جانب منسوب ہے۔

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۳۰ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ [2] ایضاً ص ۴۴

حسن احمد صدیقی
فاضل دارالعلوم دیوبند

احوال واقعی

کافی دنوں سے یہ خواہش دل میں مچل رہی تھی کہ دارالعلوم دیوبند کے جشن صدسالہ کے موقعہ پر تجلی کا " دارالعلوم نمبر" نکالا جائے۔ لیکن دارالعلوم کی وسعت اور اس کے کارناموں کے پھیلاؤ کی وجہ سے ہم ۱۰ر فروری سنہ ۸۰ء تک دارالعلوم نمبر نکالنے کا ارادہ نہ کر سکے تھے۔

۱۰ر فروری کو ایک صاحب کی توجہ دلانے پر ہم نے بزرگانِ دارالعلوم دیوبند کی تصانیف ٹٹولیں۔ اور تب ہمیں یہ اندازہ ہوا کہ دارالعلوم دیوبند صرف ایک مدرسہ نہیں بلکہ ایک بہت بڑی تحریک ہے۔ اور اس تحریک نے اللہ کے بے شمار بندوں کو راہِ ضلالت سے اٹھا کر راہِ ہدایت پر گامزن کر دیا ہے دارالعلوم دیوبند کی عظمت وتقدس کے ہم پہلے بھی قائل تھے۔ لیکن جس زمانہ میں ہم جماعتِ اسلامی کے قریب رہے اس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند سے دوری رہی۔ اور اس سے وابستہ عقیدت دن بدن پھیکی پڑتی گئی۔

لیکن اللہ کا فضل وکرم ہے کہ جماعتِ اسلامی کے افراد کے قریب جاکر ہمیں یہ اندازہ ہوگیا کہ دُور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ جماعتِ اسلامی سے متأثر ہونے اور پھر اس سے بدگمان ہو جانے کی وجوہات بیان کرنے کا یہ موقعہ نہیں۔ ان باتوں کو ہم کسی اور صحبت میں واشگاف کریں گے سرِ دست تو ہمیں یہ واضح کرنا تھا کہ جماعتِ اسلامی سے دور ہوتے ہی ہم اپنے پاس آگئے۔

اپنے ادارہ کے پاس آ گئے۔ اس مادرِ علمی کے پاس آ گئے جو اگر اپنے سینہ کی غذاؤں سے کمک نہ پہونچاتی تو کوئی جماعتِ اسلامی کوئی تبلیغی جماعت کوئی جمعیۃ العلماء ہندوستان میں پنپ نہیں سکتی تھی۔

۷ر فروری ۸۰ء کو ہمارے حوصلوں میں گرمی پیدا ہوئی۔ اور ۹ر فروری ۸۰ء کو ہم نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جشنِ صدسالہ کے موقعہ پر ہم تجلی کا دارالعلوم نمبر ضرور نکالیں گے خواہ اس سلسلہ میں ہمیں کتنی ہی مشکلات سے گذرنا پڑے۔

وقت بہت کم تھا۔ صرف ایک مہینہ ـــ ایک مہینہ کی قلیل مدت میں تو عام شمارہ بھی صحیح معنوں میں مرتب نہیں ہوتا۔ اور پھر خاص نمبر۔ اور خاص نمبر بھی ایسے عظیم ادارہ سے متعلق جس کی عظمتوں اور رفعتوں کا بیان سیکڑوں صفحات میں سمیٹ دینا ممکن نہ ہو۔ تو پھر بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ دارالعلوم دیوبند کی ایک سو اٹھارہ تاریخ کا جائزہ ہم ایک مہینے میں لے لیں۔ اور ہمارا کاتب اس جائزہ کو ایک مہینہ کے اندر اندر حسنِ کتابت سے نواز دے ـــ اور پھر اربابِ پریس خلافِ معمول عنایت کرنے کی ٹھان لیں اور ہفتہ عشرہ میں تجلی چھاپ کر ہمارے حوالہ کر دیں۔ دارالعلوم دیوبند کی جسمانی و روحانی وسعت کاتب کے قلم کی سست رفتاری پریس والوں کی بے نیازی اور اپنی نااہلی و کم مائیگی کے احساس کے ساتھ یہ یقین بھی فصیلِ دل پر جلوہ گر تھا کہ ہماری دنیا میں ہر بیڑہ اللہ کی مدد سے پار ہوتا ہے۔ اللہ اگر چاہے تو خشکی میں بھی سفینے چل سکتے ہیں۔ اللہ اگر چاہے تو ہم جیسے نااہل اور بے مایہ انسان کا قلم برق رفتاری کے ساتھ چل سکتا ہے ـــ اور دماغ کے سوتے کھل کر حرف ریزی کر سکتے ہیں۔

چنانچہ اللہ کے سہارے پر قلم اٹھا لیا گیا اور اللہ کی ذات سے یہ امید وابستہ کر لی گئی کہ جشنِ صدسالہ تک ہم دارالعلوم نمبر پیش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

ہماری خواہش تھی کہ ہم تاریخ دارالعلوم کے ساتھ ساتھ تاریخ دیوبند پر بھی کچھ روشنی ڈالیں۔ اور ان شخصیتوں کے کردار کو بھی اجاگر کریں جو اگرچہ دارالعلوم دیوبند سے کسی طرح کی کوئی نسبت نہیں رکھتے تھے لیکن تھے صاحبِ عظمت اور صاحبِ عرفاں ـــ چنانچہ اللہ کے بھروسہ

پر ہم نے دیوبند کی تاریخ اور دیوبند کی چیدہ چیدہ عظیم ہستیوں پر مواد جمع کرنے کا بھی فیصلہ کر ہی لیا۔ نمبر کا آغاز ہم نے دیوبند ہی سے کیا ہے۔ دیوبند کی مجمل تاریخ بیان کرنے اور دیوبند کی اہم شخصیتوں کا مختصر تعارف کرانے کے بعد ہم نے دارالعلوم کا ذکر چھیڑا ہے ـــــ جو ہمارا اصل موضوع ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ مختلف تحریروں کو پیشِ نظر رکھ کر کوئی دستاویز مرتب کر دینا کوئی ایسا کارنامہ نہیں کہ جو تحسین و ستائش کے لائق ٹھہرے۔ اور جس پر انعام و اکرام کی بارشیں ہونے لگیں۔ لیکن ہمارا مقصد کبھی یہ نہیں رہا کہ ہمارے قارئین ہماری خدمت میں داد و تحسین کی سوغات پیش کریں اور عوام الناس ہماری کمر تھپ تھپا کر عش عش کرنے کا فریضہ انجام دیں۔ ہمارا مقصد کل بھی یہی تھا۔ اور آج بھی یہی ہے کہ ہم بھولے بھٹکے لوگوں کو ہدایت کی راہیں دکھانے کی خدمت انجام دیتے رہیں۔ اور اس پروردگار سے اجر کی امید رکھیں۔ جس کی بخشی ہوئی توفیق اور جس کے عطا کردہ علم و فہم سے ہم تجلی کو زندہ رکھنے کے قابل ہیں۔ کون ہماری تعریف کرتا ہے اور کون برائی اس کی پرواہ نہیں کل تھی نہ آج ہے۔ مدح و ذم سے بالاتر ہو کر ہم خدمتِ حق انجام دیتے رہے ہیں اور ذرا رُخ بدل کر یہی خدمت ہم انشاء اللہ عمر بھر انجام دیتے رہیں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ دارالعلوم نمبر صرف ایک خواہش کی تکمیل اور صرف ایک فریضہ کی ادائےگی کی وجہ سے مرتب کیا گیا ہے اس میں کوئی ندرت اور کوئی خوبی موجود نہیں ہے تاہم اگر کسی قاری کو اس میں کوئی خوبی اور انفرادیت نظر آئے تو اسو وہ اکابر دیوبند کا فیض سمجھے تجلی کا مدیر اس سلسلہ میں قطعًا تعریف و تحسین کا حقدار نہیں۔ ہمارا کام فقط اتنا ہے کہ ہم نے مختلف کھانوں کو ایک دسترخوان پر جمع کر دیا ہے ـــــ اصل کارنامہ تو ان حضرات کا ہے جنھوں نے دیوبند اور دارالعلوم پر تاریخیں لکھنے کی خدمات انجام دیں۔ اور جو ہم جیسے نااہل قلم کاروں کے لئے تحقیق و تفحص کا گراں قدر اور بیش بہا سرمایہ چھوڑ کر دنیا سے روپوش ہو گئے۔ پروردگارِ عالم ان حضرات کو اپنی خاص الخاص نعمتوں اور رحمتوں سے سرفراز کرے اور ہمیں ان کارناموں سے مستفیض ہونے کے مواقعات عطا فرمائے۔

محبوب رضوی صاحب مرحوم نے (اللہ انھیں غریقِ رحمت کرے تاریخ دیوبند اور تاریخ دارالعلوم دیوبند لکھکر دیوبند اور دارالعلوم کی بے لوث خدمت انجام دی۔

دارالعلوم۔ اور دیوبند کے موضوع پر ان دونوں کتابوں کو اہمیت اس لئے یقیناً حاصل رہے گی کہ یہ اپنے موضوع پر بسم اللہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مرحوم نے یہ دونوں کتابیں مرتب کرکے اس موضوع پر قلم اٹھانے والوں کے لئے سہولتیں پیدا کردی ہیں۔ وہ ان کتابوں کو "حرفِ آخر" کہنے اور سمجھنے کی غلطی کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے خود یہ فرمایا کہ تاریخ دارالعلوم کا نقشِ ثانی تاریخ دارالعلوم کے نقشِ اوّل سے بدرجہا بہتر ثابت ہوگا۔

الا افسوس فالا افسوس کہ نقشِ ثانی کی نوبت نہ آسکی۔ اور محبوب رضوی صاحب دنیائے فانی سے سدھار گئے۔[۱]

محبوب رضوی صاحب مرحوم کے جمع کردہ حوالوں سے ہمیں بہت فائدہ ہوا۔ مذکورہ... حوالوں کے ہوتے ہوئے ہمیں مواد جمع کرنے میں بڑی سہولت ملی۔ اور وقت کی قلت کے احساس نے ہمیں جس کرب دیاس میں مبتلا کر دیا تھا اس سے نجات حاصل ہوگئی۔

ہم نے حتی المقدار یہ کوشش کی ہے جہاں جہاں محبوب رضوی صاحب نے اختصار واجمال سے کام لیا ہے وہاں وہاں ہم بسط وتفصیل سے کام لیں اور جہاں انھوں نے تفصیلی گفتگو کی ہے وہاں ہم اجمالی گفتگو پر اکتفا کریں۔ اس طرح ان تینوں کاوشوں کا اجتماع دیوبند اور دارالعلوم کا مکمل تعارف کرانے میں انتہائی کامیاب ثابت ہوگا۔

دیوبند کی تاریخ پہلی بار ۲۷ سال پہلے ۱۹۵۳ء میں مرتب ہوئی تھی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن آج سے ۸ سال قبل ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا تو مولف نے اس میں کچھ اضافے کئے۔ مولف دنیا سے

---

[۱] ۲۵ مارچ ۱۹۸۰ء کو ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنے کیلئے گھر سے نکلے۔ نماز پڑھکر واپس آرہے تھے کہ راستے میں دل کا دورہ پڑا۔ اور گھر پہونچتے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

چل بسے۔ اور تاریخ دیوبند کے تیسرے ایڈیشن کی نوبت نہ آسکی۔ اگر تیسرا ایڈیشن چھپنے کی نوبت آجاتی تو مولف کو تاریخ دیوبند میں بے شمار جگہوں پر کچھ اضافے کرنے پڑتے۔ سنہ ۱۹۵۳ء سے سنہ ۱۹۷۲ء تک دیوبند کی عمارتوں، شخصیتوں، ماحول، وغیرہ میں اتنی تبدیلی رونما نہیں ہوئی جتنی سنہ ۱۹۷۲ء سے سنہ ۱۹۸۰ء تک رونما ہوچکی ہے ان آٹھ سالوں میں قصبہ کا اور جشن صدی کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند کا ناک نقشہ بالکل ہی بدل گیا۔ ضرورت تھی کہ سنہ ۱۹۸۰ء میں ایک نئی تاریخ مرتب ہوتی لیکن محبوب رضوی صاحب کے گزر جانے کے بعد شاید کوئی اس موضوع پر قلم اٹھانے کا صحیح معنوں میں اہل نہیں۔

ہمارے قلم میں یہ صلاحیت کہاں کہ ہم محبوب رضوی صاحب کی تاریخ کو پایۂ تکمیل تک پہونچا دیں البتہ طالب علمانہ انداز میں ہم نے ان حقائق و واقعات پر روشنی ضرور ڈالدی ہے جو سنہ ۱۹۷۲ء کے بعد کی پیداوار تھے۔ اس طرح شاید" برائے نام "تاریخ دیوبند اور تاریخ دارالعلوم کی کچھ تشنگی دور ہوسکے۔

ناسپاسی ہوگی اگر ہم اپنے ان جملہ کرم فرماؤں کا شکریہ ادا نہ کریں جنکے بیش بہا تعاون اور قیمتی مشوروں کی روشنی میں ہم نے "دیوبند اور دارالعلوم نمبر" کو مرتب کیا ہے۔ اگر وہ اپنا تعاون نہ دیتے۔ اور ان کے قیمتی مشورے اگر شامل حال نہ ہوتے تو دیوبند اور دارالعلوم نمبر کی تدوین و ترتیب میں ہمیں خاص دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا

اللہ کا فضل و کرم ہے کہ جو خواہش دل میں مچل رہی تھی

وہ معاونین کے معاونت سے پایۂ

تکمیل کو پہونچی

تجلی کے گذشتہ شمارہ میں اس بات کا اظہار کیا گیا تھا کہ تجلی کا دور اوّل ختم ہوا سنہ ۴

سے تجلی کے دورِ ثانی کا آغاز ہوا ہے۔ تجلی کی حق پرستی اور حق بیانی دورِ ثانی میں انشاء اللہ کچھ اور شدید ہو جائے گی۔ تجلی نے جب اور جن حضرات کو "اربابِ حق" سمجھا ان کا ساتھ دینے اور ان کی راہوں کا کوڑا کرکٹ صاف کرنے میں تامل نہیں کیا ہے۔ انشاء اللہ العزیز تجلی کی یہ فطرت دورِ ثانی میں بھی برقرار رہے گی۔ اور قارئین تجلی تجلی کو کسی باطل کے سامنے لیٹتا اور جھکتا ہوا محسوس نہیں کریں گے۔ خدا کرے کہ تجلی کا دورِ ثانی ہمارے اور ہمارے تمام قارئین کے حق میں بہر لحاظ مفید متبارک اور متبیض ثابت ہو۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل
باطلا وارزقنا اجتنابہ

مدحِ طیب

ازقلم جناب مولانا قاری عبدالعزیزؒ

طیب الصورت ہیں آپ اور طیب الاخلاق ہیں　　آپ اپنے نام کے ہر طور سے مصداق ہیں
آپ کی تحریر ہے رشکِ فسونِ سامری　　آپ کی تقریر میں اعجازِ نطقِ دلبری
آپ کا حسنِ عمل انموذجِ اسلاف ہے　　آپ کی ہستی یقیناً جامع الاوصاف ہے
ایشیا میں منفردِ علم و عمل کی درسگاہ　　کہہ رہی ہے آپ ہیں اس دور میں ملت پناہ
آپ نے اس دور میں سمجھا ہے ملت کا مزاج　　آپ پر نازاں ہے روحِ قاسمؒ و محمودؒ آج
آپ ہیں بے شک وحید العصر اے والا جناب　　عالموں میں آپ کا ممکن نہیں کوئی جواب

آپ کا تقویٰ ہے فرشتوں سے فزوں پاتے ہیں ہم
آپ کے صدق و دیانت کی قسم کھاتے ہیں ہم

مارچ اپریل سنہ ۶

دیوبند

دیوبند رقبہ اور آبادی کے اعتبار سے ایک چھوٹی سی بستی ہے لیکن چونکہ اس چھوٹی سی بستی کو علمی اور دینی امتیاز و تخصص حاصل ہے اس لئے یہ بستی اپنی ہم قد بستیوں پر مسلمہ طور پر فائق ہے اس بستی کا مختصر جسم اور اس مختصر جسم میں علمی اور دینی کارناموں کے تکثر کی وجہ سے یہ کہنا سو فی صد درست ہوگا کہ بقامت کہتر بہ قیمت بہتر۔ دیوبند کو جو کچھ شہرت نصیب ہوئی وہ دارالعلوم کی وجہ سے ہوئی لیکن دارالعلوم کے قیام سے پہلے بھی دیوبند بزرگانِ دین کی توجہ کا مرکز رہا۔

دیوبند کے چاروں طرف بزرگانِ دین کے جو مزارات موجود ہیں وہ اس بات کی شہادت دینے کے لئے بہت کافی ہیں کہ دیوبند اولیا اللہ کی فیوض و برکات سے دارالعلوم کے قیام سے پہلے بھی محروم نہیں تھا۔

دیوبند کی قدامت کو ثابت کرنے کے لئے ڈھیروں دلیلیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن ہم صرف بتانے پر اکتفا کریں گے کہ دیوبند ہزاروں سال قبل آباد ہو چکا تھا۔ بعض شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ طوفانِ نوح کے بعد یہ قصبہ آباد ہوا۔ مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ بھی دیوبند کو طوفانِ نوح فوراً بعد کی بستیوں میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ الہدیۃ السنیہ میں وہ رقم طراز ہیں۔ کہ

ل مولانا مرحوم نے بڑی بستی غالباً اس لئے فرمایا ہوگا کہ دوسرے قصبوں کے مقابلہ میں اس کا رقبہ بڑا ہے۔

سے تجلی کے دورِ ثانی کا آغاز ہوا ہے۔ تجلی کی حق پرستی اور حق بیانی دورِ ثانی میں انشاء اللہ کچھ اور شدید ہو جائے گی۔ تجلی نے جب اور جن حضرات کو "ارباب حق" سمجھا ان کا ساتھ دینے اور ان کی راہوں کا کوڑا کرکٹ صاف کرنے میں تامل نہیں کیا ہے۔ انشاء اللہ العزیز تجلی کی یہ فطرت دورِ ثانی میں بھی برقرار رہے گی۔ اور قارئین تجلی تجلی کو کسی باطل کے سامنے لچتا اور جھکتا ہوا محسوس نہیں کریں گے۔ خدا کرے کہ تجلی کا دورِ ثانی ہمارے اور ہمارے تمام قارئین کے حق میں بہر لحاظ مفید متبارک اور متیمن ثابت ہو۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل

باطلا وارزقنا اجتنابہ

مدح طیب

از قلم جناب مولانا قاری عبدالعزیز

طیب الصورت ہیں آپ اور طیب الاخلاق ہیں
آپ اپنے نام کے ہر طور سے مصداق ہیں

آپ کی تحریر ہے رشکِ فسونِ سامری
آپ کی تقریر میں اعجازِ نطقِ دلبری

آپ کا حسنِ عمل انموذجِ اسلاف ہے
آپ کی ہستی یقیناً جامع الاوصاف ہے

ایشیا میں منفرد علم و عمل کی درسگاہ
کہہ رہی ہے آپ ہیں اس دور میں ملت پناہ

آپ نے اس دور میں سمجھا ہے ملت کا مزاج
آپ پر نازاں ہے روحِ قاسمؒ و محمودؒ آج

آپ ہیں بے شک وحید العصر اے والا جناب
عالموں میں آپ کا ممکن نہیں کوئی جواب

آپ کا تقویٰ فرشتوں سے فزوں پاتے ہیں ہم
آپ کے صدق و دیانت کی قسم کھاتے ہیں ہم

مارچ اپریل ۷۰ء

دیوبند

دیوبند رقبہ اور آبادی کے اعتبار سے ایک چھوٹی سی بستی ہے لیکن چونکہ اس چھوٹی سی بستی کو علمی اور دینی امتیاز و تخصص حاصل ہے اس لئے یہ بستی اپنی ہم قد بستیوں پر مسلمہ طور پر فائق ہے اس بستی کا ▲ کا مختصر جسم اور اس مختصر جسم میں علمی اور دینی کارناموں کے تکثر کی وجہ سے یہ کہنا سو فی صد درست ہوگا کہ بقامت کہتر بقیمت بہتر۔ دیوبند کو جو کچھ شہرت نصیب ہوئی وہ دارالعلوم کی وجہ سے ہوئی لیکن دارالعلوم کے قیام سے پہلے بھی دیوبند بزرگانِ دین کی توجہ کا مرکز رہا۔

دیوبند کے چاروں طرف بزرگانِ دین کے جو مزارات موجود ہیں وہ اس بات کی شہادت دینے کے لئے بہت کافی ہیں کہ دیوبند اولیاء اللہ کی فیوض و برکات سے دارالعلوم کے قیام سے پہلے بھی محروم نہیں تھا۔

دیوبند کی قدامت کو ثابت کرنے کے لئے ڈھیروں دلیلیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن ہم صرف یہ بتانے پر اکتفا کریں گے کہ دیوبند ہزاروں سال قبل آباد ہو چکا تھا۔ بعض شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ طوفانِ نوح کے بعد یہ قصبہ آباد ہوا۔ مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ بھی دیوبند کو طوفانِ نوح فوراً بعد کی بستیوں میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ الہدیۃ السنیۃ میں وہ رقم طراز ہیں کہ

▲ یہاں مولانا مرحوم نے بڑی بستی غالباً اس لئے فرمایا ہوگا کہ دوسرے قصبوں کے مقابلہ میں اس کا رقبہ بڑا ہے۔

دیوبند کورۃ قدیمۃ وقصبۃ عظیمۃ ومدینۃ کریمۃ وبلدۃ فخیمۃ کانھا اوّل عمران عمر بعد الطوفان ذات المعاھد الوسیعۃ والمساجد الرفیعۃ والمعالم المشھورۃ والمقابر المزورۃ الآثار المحفوظۃ والاخبار المسعود وأ نبیہ مرصوصۃ وامکنۃ محصوصۃ

دیوبند ایک قدیم ترین اور بڑی بستی ہے۔ یہ بستی شرفار کی بستی ہے ایک عظیم الشان شہر ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے طوفانِ نوح کے فوراً بعد بسنے والی بستیوں میں سے ہے اس کی عمارتیں اور مسجدیں انتہائی وسیع بلند وبانگ ہیں۔ یہ بستی آثار اور مزاراتِ بزرگان سے بہرہ ور ہے اس کے آثار محفوظ اور اقدار مبارک معروف ترین ہیں۔ اس میں پختہ اور مضبوط عمارتیں ہیں۔

اور بھی بہت سے شواہد وقرائن سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ دیوبند ہزاروں برس پہلے آباد ہو چکا تھا۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ تاریخ اور جغرافیہ میں اس کو آباد کرنے والے کا نام ونشان کہیں نظر نہیں آتا۔ اس کی ابتدائے آبادی کا پتہ نہ چلنا بھی اس بات کی علامت ہے کہ یہ آبادی قرنہا قرن پہلے وقوع پذیر ہو چکی تھی۔ جس کا پہلا سرا ملنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ خیر اگر وقت کا مورخ دیوبند کی قدامت کو ثابت کرنے میں ناکام ہو بھی جائے تو بھی دیوبند کی عظمت وفوقیت میں کوئی فرق اور اختلال واقع نہیں ہوتا۔ دیوبند کی قدامت کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات ہیں۔ جو اپنی جگہ مسلم اور طے شدہ ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے دیوبند دوسرے قصبات اور بستیوں میں نمایاں اور الگ تھلگ ہی محسوس ہوتا رہے گا۔

جہاں دیوبند کی اور بہت سی خصوصیات ہیں وہیں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ چاروں طرف اولیا اللہ اور مشائخ عظام کے مزارات کا ایک جال بکھرا ہوا ہے۔ جن کے برکات وفیوض سے دیوبند اور اس کے قرب وجوار کی فضائیں ہمیشہ منور ومعطر رہی ہیں۔

کلیر، گنگوہ، نانوتہ، انبہٹہ، تھانہ بھون، جھنجھانہ، کیرانہ، پھلت، منگلور اور شاملی وغیرہ میں بزرگانِ دین کے مزارات مقدسہ کی وجہ سے ہر دور میں بشام و سحر انوار الٰہی کی بارشیں پے بہ پے ہوتی رہتی ہیں۔

تیرہویں صدی عیسوی کے بعد تبلیغ دین اور اشاعتِ علم کا جتنا کام ان قصبات میں ہوا ہے۔ شاید اتنا کام ہندوستان بھر میں کہیں نہیں ہوا۔ تاریخ دیوبند کے مصنف اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تیرہویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ان اضلاع میں مسلمان بسنے شروع ہو گئے تھے، کلیر گنگوہ نانوتہ تھانہ بھون کیرانہ منگلور وغیرہ قصبات شمالی ہند میں مسلمانوں کی وہ قدیم بستیاں ہیں جن میں بہت سے اولیاء اللہ مشائخ عظام اور علماء کرام آسودہ خواب ہیں۔ ان حضرات کی برکت سے اس سرزمین کو یہ شرف حاصل ہے کہ مسلمانوں میں قدیم زمانہ سے دینداری اور اتباعِ شریعت کا جذبہ دوسرے مقامات سے کہیں زیادہ کارفرما رہا ہے۔

یہاں کے مسلمانوں نے دین و مذہب کے نام پر سب کچھ قربان کر دینے کو ہمیشہ اپنا مقصدِ زندگی سمجھا ہے ان اضلاع اور خصوصاً دیوبند کی سرزمین کی فضا میں قال اللہ اور قال الرسول کی آوازیں اسلام کی زندگی کا واضح ثبوت ہیں۔ دینی خدمات کی بیشتر تحریکوں میں ان اضلاع کے مسلمانوں نے دل کھول کر حصہ لیا ہے۔ اور اس مبارک فرض کو انجام دینے میں وہ ہمیشہ دوسروں سے آگے رہے ہیں۔ غالباً اسی کا نتیجہ ہے کہ پچھلی صدی میں اس سرزمین کو دینی سرگرمیوں کے مرکز بننے کا شرف حاصل رہا ہے۔

(تاریخ دیوبند ص ۲۵)

دوسرا ایڈیشن

. دارالعلوم اور مختلف کتب خانوں کے قیام کے بعد تو اشاعت اسلام اور تبلیغ دین

کی کوئی حد نہیں رہی۔ علم و بزرگی کا وہ وہ ظہور اور شیوع ہوا ہے کہ جس کی نظیر تلاش بسیار کے بعد بھی کہیں نہیں ملتی۔ انشاء اللہ اس کا تفصیلی ذکر عنقریب آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

دیوبند کی وجہ تسمیہ

(۱) بعض حضرات کا کہنا ہے کہ دیوبند کا پہلا نام دیوی بلاس تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں سندری دیوی کا بہت بڑا مندر واقع ہے جو "دیوی کنڈ" کے نام سے مشہور و معروف ہے اور پہلے ایک بہت بڑا جنگل بھی تھا۔ جسے " بلاس " کا نام دیا جاتا تھا۔ ان دونوں بڑی چیزوں کی رعایت کرتے ہوئے اس بستی کو " دیوی بلاس " کے نام سے پکارا جاتا تھا

(۲) منشی نند کشور نے سہارنپور کی تاریخ لکھتے ہوئے ضمناً دیوبند کا بھی تذکرہ کیا ہے چنانچہ دیوبند کی وجہ تسمیہ کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ۔

وجہ تسمیہ قصبہ میں بہت سی روایات زبانِ زد ساکنین قصبہ کے ہیں مگر قرینِ قیاس وجہ تسمیہ کی یہ معلوم ہوئی کہ پہلے اس قصبہ پر جنگل لق ودق تھا ایک جگہ معروف " دیبی کنڈ " اور دوسرا جنگل " بلاس " اس موقعہ واقع تھا ان دونوں کے سبب سے بنام نہاد دیوبند مشہور ہوا پہلے اس کو " دیبی بن " کہتے تھے[1]۔

(۳) ایک روایت یہ بھی ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے دیوبند کے قلعہ[2] میں دیوؤں کو بند کیا تھا۔

---

[1] تاریخ سہارنپور مطبوعہ ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۶ء ص ۲، ۲۰، ۱۶ بحوالہ تاریخ دیوبند۔

[2] برسہا برس پہلے دیوبند میں ایک بہت بڑا قلعہ تھا جو اب منہدم بلکہ معدوم ہو چکا ہے (باقی برصفحہ ۲۱)

اسی وجہ سے اس کا نام دیو۔ بند۔ پڑا۔

(۴) ایک روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے دیوبند کے باشندوں کی فریاد پر ایذا دینے والے ایک بڑے جن کو دیوبند میں واقع اسی کنویں میں مقید کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے اس کا نام دیوبند مشہور ہوا۔ چنانچہ دیوبند میں ایک زمانہ تک یہ بات بھی زبان زد رہی ہے۔ کہ اسی کنویں کو پھر کسی موقعہ پر کھودا گیا تو وہاں جن کے اثرات ظاہر ہوئے۔ تفصیل جاننے کے لئے ملاحظہ ہو مولانا اصغر حسین میاں صاحبؒ کی تالیف حیات شیخ الہند اس طرح کی بہت سی روایات ہیں۔ جن سے دیوبند کی وجہ تسمیہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان روایات میں سے کسی ایک روایت کو بھی آنکھیں بند کر کے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ صدق و کذب کا امکان ہر روایت میں موجود ہے۔ تاہم ان روایت کے پیش نظر اس بات کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ پہلے یہ بستی "دیوی بلاس" یا پھر "دیوی بند" کے نام سے مشہور تھی۔

راقم الحروف کے خیال کے مطابق دیوبند کا پہلا نام دیوی۔ بن۔ تھا۔ جو دیو۔ ۔ ۔ بن سے مرکب ہو کر بنا تھا۔

اس بستی میں جگہ جگہ بڑے بڑے بن تھے۔ جن میں قاضی فضل اللہ شیر کی بنی کو نما ں مقام

(بقیہ صہ) البتہ اس کے کچھ نشانات موجود ہیں۔ جہاں یہ قلعہ واقع تھا۔ وہاں کچھ پرانی عمارتیں پائی جاتی ہیں۔ جن کا ہیولی اور وضع قطع اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ یہ عمارتیں مذکورہ قلعہ سے متعلق تھیں۔ جس علاقہ میں مذکورہ قلعہ کے نشانات موجود ہیں وہ علاقہ محلہ قلعہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس قلعہ کا ذکر آئین اکبری میں ان الفاظ موجود ہے۔ دیوبند قلعہ از خشت پختہ دارد۔

(آئین اکبری دوم ص ۱۴۳)

حاصل تھا۔ یہ بن اپنے آخری دور میں بنی کے نام سے مشہور رہی۔ اس بنی کا کچھ حصہ شاہ ولایتؒ کے مزار کے ارد گرد ابھی تک موجود ہے۔

دیوی کنڈ ہندوں کا مقام تھا۔ اور بنی مسلمانوں کے علاقہ میں واقع ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مسلمان بزرگ سے منسوب تھی۔

دیوبند کے نام میں دونوں قوموں کے مقامات کی رعایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا نام دیوی بن قرار پایا۔ جو کثرتِ استعمال کی وجہ سے تغیراتِ تلفظ کی زد میں آکر دیوی بن سو (بقول محبوب رضوی صاحبؒ) دے بن اور پھر دیوبند ہوگیا۔ بالکل اسی طرح جسطرح شاہ ہارون پور — آج تغیراتِ تلفظ کا شکار ہوکر سہارنپور بن گیا ہے[1]۔

دیوبند کا محل وقوع

دیوبند سہارنپور کے جنوب میں واقع ہے۔ دیوبند کے جنوب میں مظفر نگر، مشرق میں بجنور اور مغرب میں ہریانہ کا ضلع کرنال واقع ہے۔ سہارنپور کے مشرق میں دریائے گنگا بہتا ہے اور مغرب میں دریائے جمنا دیوبند ان دونوں دریاؤں کے درمیان دوآبہ میں واقع ہے[2]۔

دیوبند کی آب وہوا

مجموعی حیثیت سے دیوبند کی آب وہوا انتہائی خوش گوار ہے ہمالیہ پہاڑ کے قریب ہونے اور گنگا وجمنا کے سنگم کی وجہ سے دیوبند اور اس کے آس پاس کا علاقہ بے حد زرخیز ہے یہاں کا پانی انتہائی ٹھنڈا اور شیریں ہوتا ہے۔ شمالی ہند کے عام موسم کی طرح وسط اکتوبر سے وسط فروری تک سردی کا

---

[1] شاہ ہارون چشتیؒ نامی ایک بزرگ نے سہارنپور کو بسایا تھا۔ انہی بزرگ کے نام پر آبادی کا نام مشہور ہوا۔ سہارنپور کا تاریخی نام "شہر پر زیب" ہے۔

[2] بحوالہ تاریخ دیوبند ص۲۲

موسم رہتا ہے۔ وسمبر اور جنوری میں کڑاکے کی سردی پڑتی ہے۔

وسطِ فروری سے وسطِ جون تک گرمی کا موسم رہتا ہے۔ مئی اور جون کے مہینوں میں گرمی پورے شباب پر ہوتی ہے۔ بادِ سموم کے گرما گرم جھونکیں بہت سی دشواریاں پیدا کر دیتے ہیں۔ ؎

وسطِ جون سے وسطِ اکتوبر تک برسات کا موسم رہتا ہے۔ بارشیں ایک سال خوب اور ایک سال برائے نام ہی ہوتی ہیں۔

دیوبند اور اس کے قرب و جوار کے علاقہ میں ۲۱ جون کو دن سب سے بڑا اور رات سب سے چھوٹی ہوتی ہے۔ اس تاریخ میں ۵ بجکر ۳۲ منٹ پر آفتاب طلوع ہوجاتا ہے اور ۷ بجکر ۲۸ منٹ پر غروب ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ۲۲ دسمبر کو دن سب سے چھوٹا اور رات سب سے بڑی ہوتی ہے۔ اس تاریخ میں ۷ بجکر ۱۷ منٹ پر آفتاب طلوع ہوتا ہے اور ۵ بجکر ۲۹ منٹ پر غروب ہوتا ہے۔ ۲۱ مارچ اور ۲۳ ستمبر کو دن اور رات بالکل برابر ہوجاتے ہیں۔

طرزِ آبادی

دیوبند کا طرزِ آبادی بالکل انوکھا ہے اس کے مشرقی حصے میں ہندوں کی آبادی ہے جو ہندوواڑے کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس کے مغربی حصے میں مسلمان آباد ہیں۔ غالبًا آبادی کو بساتے وقت اس کے نام کی بڑی حد تک رعایت کی گئی ہے۔ اوپر کی سطروں میں ہم نے یہ بات واضح کی تھی کہ دیوبند دو لفظوں سے مرکب ہو کر بنا ہے ایک دیوی اور دوسرا بن مثًا ہم نے اس بات کی وضاحت بھی کر دی ہے کہ دیوی سے مُراد دیوی کُنڈ ہے۔ جو ایک بہت بڑا مندر ہے اور بن سے مراد ایک بنی ہے جو شیر افضل کی بنی کے نام موسوم ہے۔ اتفاق کہیے یا کرشمۂ آبادکاری کہ دیوی کنڈ دیوبند کے مشرق ہی میں

؎ کئی سالوں میں موسم میں کچھ تبدیلی سی ہوگئی ہے۔ گرم گرم لوئیں چلنے کا سلسلہ تقریبًا موقوف ہے۔ بڑی بھی پہلے جیسی نہیں پڑتی۔ تاہم گرمی کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہے۔ (بحوالۂ مذکورہ)

واقع ہے اور شیر افضل کی بتی دیوبند کے مغربی حصّے میں ہے جو مسلمانوں کا علاقہ ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دیوبند کی طرزِ آبادی دیوبند کے نام کے ساتھ کافی حد تک مطابقت رکھتا ہے۔ اس سلسلہ کی دوسری حیرتناک بات یہ ہے کہ دیوبند کی آبادی میں ہندو اور مسلمان برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ان دونوں قوموں میں جس درجہ اتفاق پایا جاتا ہے اس کی نظیر ومثال ہندوستان بھر میں نظر نہیں آتی۔ اس وقت دیوبند کی آبادی لگ بھگ ساٹھ ہزار ہے جس میں تیس ہزار سے کچھ زائد مسلمان ہیں باقی ہندو ہیں سکھوں کی حیثیت یہاں آٹے میں نمک کے برابر جیسی ہے۔ جو قابلِ ذکر ہے

اگر دارالعلوم نہ ہوتا؟

دارالعلوم دیوبند نے برصغیر پاک وہند کی تاریخ میں جو انمٹ نقوش ثبت کیے ہیں، وہ محتاجِ تعارف نہیں، برصغیر کی تاریخ سے ذرا سی دلچسپی رکھنے والا ہر شخص اس حقیقت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ابنائے دارالعلوم فکر وعمل کے ہر میدان میں قیادت وراہنمائی کے منصب بلند پر فائز رہے ہیں۔ فکر وعمل کا کوئی گوشہ ایسا ہوگا جو فضلائے دارالعلوم کی حیرت انگیز جد وجہد کا رہینِ منت نہیں۔ یا پھر یہ کہ برصغیر ہی نہیں بلکہ اکنافِ عالم میں فرزندانِ دارالعلوم نے جانگداز مصائب برداشت کر کے دینی ملی اور قومی خدمات کے پرچم نصب کیے بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے فضلاء دارالعلوم کی ہمہ جہت خدماتِ عظیم کو احاطۂ تحریر میں لایا جانا ممکن ہی نہیں بالاختصار عرض کیا جا سکتا ہے کہ اگر دارالعلوم دیوبند نہ ہوتا تو :- ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بظاہر ناکام ہو جانے والی شکستہ دل مسلمان قوم کی دینی وقومی روایات کا تحفظ نہ ہوتا۔ تعلیماتِ ولی اللّٰہی کی وسیع پیمانے پر نشر واشاعت کا اہتمام نہ ہوتا اور تحریکِ سید احمد شہیدؒ کو برگ وبار میسّر نہ آتے۔

حسن احمد صدیقی

مزاراتِ دیوبند

دیوبند کی بہت سی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہاں اولیاء اللہ کے مقدس مزارات کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ ان مزارات میں جو حضرات مدفون ہیں۔ ان کے بارے میں عجیب وغریب قسم کے واقعات مشہور ہیں۔ جن کی تصدیق وتردید کا کوئی معتبر ذریعہ ہمارے پاس نہیں۔

عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ جو واقعات تاریخی کتابوں کا جُز بن جائیں۔ بس وہی قابلِ اعتبار ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ تصور خوش فہمی اور خوش عقیدگی کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

ضروری نہیں تاریخ کی کتابوں میں درج شدہ تمام واقعات حقائق پر مبنی ہوں — رطب و یابس سے تاریخ کی کوئی کتاب خالی نہیں — اور یہ بھی ضروری نہیں کہ تاریخ کی کتابیں اپنے دور کے تمام حقائق و وقائع پر محیط ہوں۔ بہت سی سچائیاں بہت سی تاریخی کتابوں میں درج ہونے سے محروم ہیں۔ مورخین کی مخصوص ذہنیت کی وجہ سے یہ حقیقت مسلّم ہے کہ بے شمار جھوٹی باتیں تاریخ کا جزبن جاتی ہیں — اور مورخین کی جانب داری یا عدمِ واقفیت کی بنا پر لاتعداد سچی باتوں کو کوئی مقام حاصل نہیں ہوپاتا — مورخین نہ عالم الغیب ہوتے ہیں نہ فرشتے بعض چیزیں از راہِ بشریت اور از راہِ خودغرض نظرانداز کر دیتے ہیں۔ اور بعض باتیں معلومات کی محدودیت کی وجہ سے خود ہی نظرانداز رہتی ہیں۔ دیوبند کے بعض مزارات کی طرف جو واقعات منسوب کئے گئے ہیں ان کا عجب و غرائب مسلم لیکن ان کی تردید کرنا محض اس بنا پر قرینِ صواب نہیں ہوسکتا کہ ان کا ذکر مقامی طور پر لکھی جانے والی کسی تاریخ میں نہیں۔ مزارات اور اربابِ مزارات کے بارے میں جو روایتیں متواتر طور پر سننے کو ملی ہیں ہم ان سبکو

تاریخ وفات	اسمائے گرامی	جائے مزار	
۵ رشعبان ۷۴۲ھ	حضرت علاؤالدین سہروردیؒ	متصل دیوی کنڈ	
۶ ربیع الاول ۸۰۰ھ	حضرت قالو قلندرؒ	سبزی منڈی	
۶ ربیع الاول ۹۹۹ھ	شیخ شہاب بخاریؒ شاہ ولایت صاحب	شاہ ولایت	
۷ رشعبان ۹۶۰ھ	حضرت شاہ جلال الدین صاحبؒ	محلہ شاہ جلال	
۵ رشوال ۱۰۳۳ھ	مولنا محمد ابراہیم قادری صاحبؒ	سرائے پیرزادگان	
۱۱ ذیقعدہ ۱۰۴۲ھ	حضرت شاہ معروفؒ	لائن پار	
۹ رشوال ۱۰۹۵ھ	سید عالم شاہ صاحبؒ	شاہ ولایت	
۵ رشوال ۱۰۹۶ھ	بسم اللہ شاہ صاحبؒ	" "	
۱۳ صفر ۱۱۰۲ھ	حضرت شاہ فرید محمد دیوبندیؒ	گوجرواڑہ دیوبند	
۲۶ رجب ۱۲۲۲ھ	حضرت شاہ رمزالدین صاحبؒ	محلہ شاہ رمزالدین	
۱۲ رجب ۱۲۳۵ھ	حضرت شاہ حسام الدینؒ	نزد جامع مسجد قلعہ	
۱۴ جمادی الثانی	حضرت بندگی معروفؒ	محلہ نئی سڑک	
۲۶ رمضان ۱۳۰۰ھ	مولانا محمد گل صاحبؒ	قبرستان قاسمی	
۱۳ رشعبان ۱۲۰۳ھ	حضرت میاں جی نور میاں خطیب الوقت	گوجرواڑہ	
۱۵ ذی قعدہ ۱۲۵۰ھ	حضرت شاہ قطب الدینؒ	نزد کلاں ڈاک خانہ	
۴ جمادی الثانی ۱۲۹۶ھ	مولانا قاسم نانوتویؒ	چھبیلی کی چوکی	
	حضرت سائیں بہادر قطب وقت	گوجرواڑہ	
	حضرت شہدا صاحبؒ	ڈیر سید حسن	
	قادر شاہ ابدال صاحبؒ	گوجرواڑہ	
	اللہ دیا مجذوب صاحبؒ	" "	
	سلمان شاہ مجذوبؒ	" "	

تاریخ وفات	اسمائے گرامی	جائے مزار	
۶ر محرم سنہ۱۳۲۶ھ	حضرت ابوالبرکات	جنگل چوکی	
〃 〃	مولانا انوارالحق صاحب	قبرستان قاسمی	
۶ محرم سنہ۱۳۲۹ھ	مولانا حکیم بشیراحمد صاحب	شیر کی بنی	
۲۹ر ذی الحجہ سنہ۱۳۳۲ھ	مولانا حاجی عابد حسین رح	عابدی قبرستان	
۲ر جمادی الثانی سنہ۱۳۲۷ھ	مولانا فضل الرحمٰن صاحب رح	قبرستان قاسمی	
۱۵ر جمادی الثانی سنہ۱۳۳۲ھ	مولانا ذوالفقار علی صاحب	قبرستان قاسمی	
۱۰ر محرم سنہ۱۳۲۷ھ	مولانا غلام رسول صاحب رح	قبرستان قاسمی	
۱۸ر ربیع الاوّل سنہ۱۳۳۹ھ	مولانا محمود الحسن صاحب رح	قبرستان قاسمی	
۱۳ر رجب سنہ۱۳۴۰ھ	مولانا اعزاز علی صاحب رح	قاسمی قبرستان دیوبند	
۱۷ر جمادی الثانی سنہ۱۳۴۷ھ	مفتی عزیزالرحمٰن صاحب رح	〃 〃	
۶ر محرم سنہ۱۳۲۶ھ	شاہ نصیرالدین شہید	محلہ گوجرواڑہ	
۱۳ر صفر سنہ۱۳۴۷ھ	مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رح	قبرستان قاسمی	
	حضرت پیر غائب رح	محلہ نئی سڑک	
	حضرت شاہ رشید احمد صاحب رح	عابدی قبرستان	
	حضرت سراج الدین قتال رح	منگلور چوکی	
۱۲ر رمضان سنہ۱۳۵۰ھ	مولانا نبی حسن رح	قبرستان قاسمی	
شعبان	شمس الدین شاہ معروف بہ ننگی پیر	ابوالمعالی	
	مولانا فریدالدین عثمانی	متصل مدنی گیٹ دارالعلوم	
یکم شوال	حضرت سکندر رح	محلہ پٹھان پورہ	
۹ر صفر سنہ۱۳۵۵ھ	مولانا حافظ محمد لیٰسین صاحب رح	قبرستان قاسمی	
۱۴ر ربیع الاوّل	حضرت شاہ نظام الدین میاں جی رح	محلہ کوٹلہ	

	جائے مزار	اسمائے گرامی	تاریخ وفات
	محلہ شاہ جلال	مولانا شہاب الدین قادریؒ	سنہ ۱۳۰۰ھ
	مسجد نعمان دیوبند	ملا محمود صاحبؒ	سنہ ۱۳۰۴ھ
	بھیلی کی چوکی	میاں جی منے شاہؒ	۱۵ر صفر سنہ ۱۳۱۰ھ
	" "	مولانا شاہ محمد حسنؒ	۱۲ر جمادی الثانی سنہ ۱۳۱۲ھ
	سرائے پیرزادگان	حاجی سید محمد انور چشتی صابریؒ	۲ جمادی الاول سنہ ۱۳۱۳ھ
	متصل مونی گیٹ دارالعلوم	شیخ الوعلی والد مولانا قاسمؒ	
	متصل شیر کی بنی	قاضی فضل اللہ بشیرؒ	۷ر رجب سنہ ۱۳۱۹ھ
	بڑے بھائیان	شیخ معز الاسلامؒ	سنہ ۹۰ ھ
	قاسمی قبرستان	مولانا سید حسن صاحبؒ	سنہ ۱۳۸۱ھ
	" "	حضرت مولانا قاری حفظ الرحمن صاحبؒ	۱۴ر جنوری سنہ ۱۹۶۹ء
	" "	مولانا سید مبارک علیؒ	
	" "	حافظ ناظم احمد صاحبؒ	
	" "	مولانا راشد حسن عثمانیؒ	
	" "	محدث وقت حضرت مولانا شریف حسن صاحبؒ	۲ر جون سنہ ۱۹۷۷ء
	" "	سید محبوب رضویؒ	۲۵ مارچ سنہ ۱۹۷۹ء
	" "	علی اکبر عثمانیؒ	۱۱ر ستمبر سنہ ۱۹۷۸ء
	" "	قاری محمود صاحب	
	" "	مولانا عبدالاحد صاحب محدث دارالعلوم	سنہ ۱۹۷۹ء
		صوفی سعید حسن عثمانی	سنہ ۱۹۷۷ء

تاریخ وفات	اسمائے گرامی	جائے مزار	
	مولانا عبد الوحید صاحبؒ	قبرستان قاسمی	
یکم شوال سنہ ھ	حضرت شاہ حسینؒ	مسجد روغن گراں	
	حضرت اکبر شہیدؒ	محلہ قلعہ	
	حضرت خواجہ صاحبؒ	" "	
	بھولن شاہ دیوبندیؒ	محلہ بھولن شاہ	
۱۵ جمادی الاول	مولانا قاری محمد طاہر قادریؒ	قبرستان قاسمی	
۱۳ جمادی الاول ۱۳۷۲ھ	مولانا یعقوب الرحمن عثمانیؒ	" "	
۲۴ ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ	حضرت نذیر احمد دیوبندیؒ	عابدی قبرستان	
۱۷ ذی الحج ۱۳۷۳ھ	مولانا سید فضل الحق صاحبؒ	قبرستان قاسمی	
۱۲ جمادی الثانی ۱۳۷۷ھ	مولانا حسین احمد مدنیؒ	" "	
۲۱ ذی الحج ۱۳۷۷ھ	حضرت حاجی آلہ حسنؒ	عابدی قبرستان	
۲ سنہ ۱۳۷۸ھ	حضرت پیر جی عبد الحیؒ	" "	
	مولانا مشتاق احمد مؤلف نصاب جدید فارسی	" "	
۲۶ ستمبر ۱۹۳۴ء	حضرت مولانا محمد حسنؒ برادر شیخ الہندؒ	قاسمی قبرستان	
" "	حضرت مولانا عبد الخالق صاحبؒ	شاہ ولایت	

بزرگوں سے متعلق جو باتیں مشہور ہیں۔ ہم ان پر کسی طرح کا کوئی تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ یہ فیصلہ ہم نے قارئین پر چھوڑ دیا ہے وہ جس روایت کو چاہیں قبول کریں اور جسکو چاہیں رد کر دیں۔ قارئین یہ یقین رکھیں کہ بیان کردہ روایات میں سے کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں ہے کہ جو زبان زد اور مشہور عام نہ ہو۔

شیخ علاؤالدین سہروردیؒ

دیوبند میں بزرگوں کے مزارات کا ایک جال بکھرا ہوا ہے ان میں کے بہت سے مزارات ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں صحیح طور پر یہ تحقیق نہیں کہ ان میں کون بزرگ مدفون ہیں۔ کچھ مزارات ایسے بھی ہیں کہ جن میں دفن شدہ بزرگوں کے نام تو ثابت ہیں، لیکن ان کا تاریخ وفات کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں۔ دراصل دیوبند کے اکثر مزارات کتبوں اور تختیوں سے محفوظ ہیں[۱]

تحقیق شدہ بزرگوں میں سب سے زیادہ پرانا مزار شیخ علاؤالدین سہروردیؒ کا ہے۔ یہ مزار مجنوں والے پر واقع ہے اور شاہ جنگل باس کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ شیخ علاؤالدین سہروردیؒ کی وفات آج سے چھ سو انتالیس برس پہلے ۶۳۹ھ ۱۳۴۱ء میں ہوئی تھی۔

شیخ علاؤالدین کے بارے میں یہ بات کافی حد تک مشہور ہے کہ یہ علامہ ابن جوزیؒ کے شاگرد تھے اور فارسی کے مشہور شاعر شیخ سعدیؒ کے ہم سبق تھے۔ مولانا سید محمد میاں صاحبؒ نے بھی شہرتِ عامہ کی بنیاد پر اپنی مشہور تالیف علماء ہند کا شاندار ماضی میں شیخ موصوف کو علامہ ابن جوزیؒ

---

[۱] لفظ محفوظ ہم نے دانستہ لکھا ہے کسی زمانے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ تھا کہ قبریں پختہ کرانے یا کچھ قبروں پر پختہ کتبے لگانا منجملہ بدعات ہے۔ چنانچہ اسی مسلک کے پیش نظر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی وصیت تھی کہ ان کی قبر پکی نہ ہو اور نہ کچی قبر پر کسی قسم کا کوئی کتبہ ہو۔ مولانا کے مریدوں نے مولانا کی وصیت و مسلک کا احترام کیا اور ان کی قبر کو کسی بدعت سے ہمکنار کرنے کی غلطی نہیں کی۔

لیکن دیوبند میں اب اس بدعت کے بارے میں نرم گوشہ پیدا ہو گیا ہے۔

کاشا گرد لکھا ہے۔

شیخ علاؤ الدینؒ کو شیخ شہاب الدینؒ سے بیعت ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اور شیخ شہاب الدینؒ نے انھیں خلافت سے بھی نوازا تھا۔

شیخ علاؤ الدین صاحبؒ سلطان محمد تغلق کے زمانے میں دیوبند تشریف لائے تھے، اور پھر عمر کے آخیر تک دیوبند ہی میں مقیم رہے اور دیوبند ہی میں انتقال ہوا۔

یہ بات بھی مشہور ہے کہ گلستاں بوستاں کے خالق شیخ سعدی شیرازی شیخ موصوف سے ملنے کے لئے ایک بار دیوبند حاضر ہوئے تھے۔

دیوبند کے لئے قابلِ فخر بات یہ ہے کہ اس کے دامن میں سلسلۂ سہروردی کے موسس کا فیض یافتہ ایک بزرگ محوِ خواب ہے۔

شاہ جنگل باس (شیخ علاؤ الدینؒ) کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی کے پچاس سال اس طرح گذارے کہ ان کی تہجد تک قضا نہیں ہوئی۔

ان کی بزرگی صرف کثرتِ عبادت تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ انھوں نے شریعت کے ایک ایک حکم پر عمل کیا، اور اس بزرگی اور عظمت و رفعت ہی کی حالت میں وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

شیخ علاؤ الدین سے بہت سی کرامتیں منسوب کی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک کرامت یہ بھی ہے کہ ایک بار ایک ہاتھی سوار نے یہ گستاخی کی کہ ایک ان کے مزار پر کھڑے ہوئے برگد کے پتے اس حال میں توڑنے شروع کئے کہ وہ ہاتھی ہی پر چڑھا ہوا تھا۔ اچانک زمین پھٹی اور وہ شخص ہاتھی سمیت زمین میں دھنس گیا۔

۱۹۵۰ء میں جب اس برگد کو کاٹا جا رہا تھا۔ تو اس وقت بھی ایک واقعہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ کاٹنے والے شخص نے نیچے کھڑے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس مزار کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ جو اس مزار کی توہین کا مرتکب ہوتا ہے وہ کسی آفت کا شکار ہو جاتا ہے لیکن میں آج برگد پر بیٹھا برگد صاف کر رہا ہوں اور بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔

بس اتنا کہنا تھا کہ غش آیا اور وہ زمین پر آگرا۔ اور پھر کئی دن تک اس پر بے ہوشی طاری رہی ۔ اس واقعہ کے چشم دید راوی ابھی تک زندہ ہیں۔ اور راقم الحروف نے براہِ راست ان سے یہ واقعہ سنا ہے۔

اس طرح کے واقعات من گھڑت بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ بزرگوں کی کرامات دلائل و براہین سے ثابت ہیں اس لئے ان کے مبنی بر صداقت ہونے میں کوئی استبعاد بھی نہیں۔

شاہ ولایتؒ آپ کا نام شیخ شہاب الدین تھا۔ لیکن آپ شاہ ولایت کے نام سے مشہور ہوئے آپ کو جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی سے بیعت ہونے کا شرف حاصل تھا۔

محلہ ابو المعالی میں نصر شہید کے مزار کے بالکل سامنے ایک ہندو بڑھی کے مکان میں آپ مقیم رہے عمر کے آخیر میں آپ نے دیوبند کے اسی حصے اپنا ٹھکانہ بنا لیا تھا۔ جہاں آج آپ کا مزار ہے۔ ۶ ربیع الاول ۸۰۸ھ مطابق ۱۳۷۶ء کو یہیں آپ کی وفات ہوئی۔

ہندو بڑھیوں کا مذکورہ گھرانہ نسلاً بعد شاہ ولایت صاحبؒ کی مجاوری کرتا رہا قریباً ڈیڑھ سو سال سے اب کی مجاورت کے فرائض مسلمانوں کا ایک خاندان انجام دے رہا ہے۔

شیخ معز الاسلام صدیقی دیوبند کے شیوخ صدیقی کے مورثِ اعلیٰ تھے۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی بابرکت صحبتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تھے۔ دیوبند میں آپ کی آمد ۸۰۰ھ کے اوائل میں بتائی جاتی ہے آپ نے دیوبند میں تین مسجدیں بنوانے کی خدمت انجام دی۔ قلعہ کی مسجد، چھتے کی مسجد اور آدینی مسجد تینوں شیخ صدیقی صاحب ہی کی بنوائی ہوئی تھیں۔

آپ نے مساجد کی تعمیر کے علاوہ خدمتِ خلق کے اہم اور گراں قدر فریضے انجام دیئے۔ دیوبند کے اکثر کنوئیں ان ہی کی یادگار ہیں۔ اللہ نے انھیں اولاد بھی خوب عطا کی۔ خاندان ان کا خوب پھلا بڑی قابلِ ذکر بات ہے کہ کوئی نہ کوئی انفرادیت اور خصوصیت ان کی تمام

اولادوں میں نمایاں رہی۔ مشہورِ زمانہ شاعر علامہ انور صابری جو ان ہی کی اولاد میں شامل ہیں علاوہ ازیں راقم الحروف (حسن احمد صدیقی) کے والد بزرگوار محمد ہاشم بھی ان ہی کی ذریات میں سے تھے۔[1] اور ان کی نمایاں خصوصیت سنتِ رسول سے والہانہ قسم کی وابستگی تھی ــــ والدِ محترم ایک صاحبِ دل صاحبِ اتقاء انسان تھے اور انھیں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہونے کا شرف حاصل تھا۔

قالو قلندرؒ قالو قلندرؒ صاحب کے بارے میں تفصیلات معلوم نہ ہوسکیں ــــ البتہ ان کا ایک شعر زبان زد ہے۔ جو ان کے مزار پر بھی کندہ ہے۔

قالو قلندر است بدروازہ دیوبند
آئندگانِ رحمت و باشندگانِ رنج

سبزی منڈی میں ایک چائے کے ہوٹل کے عقب میں ان کا مزار ہے۔ وفات ۱۲۴۲ھ میں ہوئی۔ ان کے مزار کی زیارت کرنے لئے دور دور سے لوگ آتے ہیں۔

شیخ ابوالوفا عثمانی دیوبند کے خاندان کے مورث اعلیٰ ہیں۔ ذہانت وفطانت انھیں وافر مقدار میں عطا ہوئی تھی۔ اور ذہانت وفطانت کا جوہر ان کی

---

[1] شیخ معزالاسلام کی اولاد میں میاں جی امام علی نام کے ایک بزرگ گذرے ہیں۔ صدیقی خاندان کی جڑ پود ان ہی سے چلی بڑھی ہے۔ مفتی شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان بھی ان کی اولاد میں سے تھے۔ مفتی صاحب مولانا یٰسین صاحب کے صاحب زادے تھے۔ اور مولانا یٰسین صاحب کا سلسلۂ نسب شیوں کے بعد میاں جی امام علی صاحب سے مل جاتا ہے۔ مفتی شفیع صاحب نسلاً صدیقی ہیں۔ لیکن اُن کے تمام صاحبزادے مولانا شبیر احمد عثمانی سے عقیدت مندی کی وجہ سے خود کو اور مفتی شفیع صاحب کو عثمانی باور کراتے ہیں۔ ادارہ درسِ قرآن کے بانی مبانی قاری اخلاق احمد صدیقی بھی میاں جی علیؒ کی اولاد میں سے ہیں۔

میں بھی برابر منتقل ہوتا رہا۔ ان کی اولاد میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جیسے جلیل القدر علماء پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ ابوالوفا صاحب کی اولاد کو خاص برکتوں سے نوازا۔ شیوخ میں عثمانیوں کا خاندان خوب پھلا پھولا۔ اور آج بھی شیخ زادوں میں سب سے زیادہ تعداد عثمانیوں کی ہے۔ شیخ ابوالوفا عثمانی کے فرزند ارجمند قاضی فضل اللہ شیرؒ نے قاضی کی مسجد تعمیر کرائی تھی۔

سید احمد شہیدؒ ۱۲۳۱ھ میں دیوبند تشریف لائے۔ تو ان کا قیام قاضی کی مسجد کے دالان میں رہا۔ اور اسی زمانہ میں عثمانی خاندان کے اکثر افراد سید صاحبؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ اور پھر بعض افراد نے ان کے ساتھ مختلف معرکوں میں حصہ لیا۔

ملا محمودؒ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے استاد تھے۔ میرٹھ کے ایک مکتب میں ملازم تھے۔ اور وہاں تدریس کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ مولانا قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم کا قیام عمل میں آجانے پر انہیں دیوبند روانہ کیا۔ اور انہوں نے چھتے کی مسجد میں دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے طالب علم مولانا محمود الحسن صاحبؒ کو پہلا سبق پڑھا کر درس و تدریس کی ابتدا کی۔

ملا محمود اصلاً دیوبندی ہی تھے۔ روزگار کی وجہ سے میرٹھ میں مستقلاً ہو گئے تھے۔ حدیث فقہ میں انہیں کامل دسترس حاصل تھی۔ ان کی قابلیت و استعداد کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی رائے یہ تھی۔

در حدیث و فقہ و تفسیر و اصول۔ شہرۂ کامل بدار ، در فحول زلیعی ولوذعی دریائے علم۔ منبع خلق و تواضع کانِ علم

در حدیث و فقہ و تفسیر و اصول ☆ شہرۂ کامل بدار و در فحول
زلیعی و لوذعی در یائے علم ☆ منبع خلق و تواضع کانِ علم

۱۳۰۳ھ ، مطابق ۱۸۸۶ء میں آپ کی وفات ہوئی قاسمی قبرستان میں آپ ابدی نیند سو رہے ہیں۔

مولانا شاہ عظمت علی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عظمت علیؒ انتہائی متقی اور پرہیزگار عالم دین تھے دارالعلوم دیوبند کے دوسرے مہتمم مولانا رفیع الدین صاحبؒ کے بھانجے تھے۔

مولانا عظمت علی صاحب اپنے وقت کے صوفیا اور اولیاء میں ممتاز سمجھے جاتے تھے ۱۲۹۹ھ میں آپکی وفات ہوئی بڑ ضیاء الحق پر آپ کا مزار ہے۔

مولانا فضل اللہؒ

دسویں صدی ہجری میں صدیقی شیوخ کا ایک خاندان ٹونک (راجستھان) سے آکر دیوبند میں آباد ہوا اس خاندان کے مورث اعلیٰ مولانا فضل اللہ صاحب تھے مولانا فضل اللہ صاحب جس محلہ میں آکر مقیم ہوتے تھے وہ ٹونک کی نسبت سے آج تک ٹانکان کہلاتا ہے یہ خاندان دارالعلوم کا شروع ہی سے ہمدرد و معاون رہا ہے۔ اس خاندان کی ایک محترمہ خاتون ہر سال دارالعلوم دیوبند کے پورے علماء کی دعوت ضرور کیا کرتی تھیں۔ اسی خاندان میں مولانا حکیم عبدالقادر صاحب گذرے ہیں۔ جو طبیب حاذق ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ والے بھی تھے۔

ان کے صاحب زادے ہیں حکیم عبدالقدوس صاحب۔ حکیم عبدالقدوس صاحب کے ہاتھوں میں اللہ نے بڑی شفاء دی ہے موصوف کو شیخ الحدیث مولانا ذکریا صاحب سے بیعت ہونیکا شرف حاصل ہے مولانا فضل اللہ صاحب اکبر بادشاہ کی طرف سے عیدین کے خطیب مقرر کئے گئے تھے۔ خطیب عیدین ان کا لقب تھا۔ ۱۶۱۵ء میں آپ کی وفات ہوئی۔

صوفی سعید حسن عثمانیؒ

آپ دارالعلوم دیوبند کے سب سے کامیاب ترین سفیر تھے ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے آپ کو مولانا حسین احمد مدنی سے بیعت ہونیکا شرف حاصل تھا آپ آل انڈیا خلافت کمیٹی کے چیرمین مقرر ہوئے ۱۹۳۶ء میں انگریزوں کے خلاف تقریر کرنے کے جرم میں گرفتار ہوئے اور ڈھائی سال قید بامشقت کی سزا برداشت کی۔

آگرہ کی کانگریس کے صدر بھی رہے اور مجلس احرار کی صدارت کی ذمہ داریاں بھی آپ نے نبھائیں۔ ضلع آگرہ میں آپکے سوا کسی کو جیل جانیکی سعادت نصیب نہیں ہوئی آپ ۱۹۶۰ء میں وفات پائی۔

حسن احمد صدیقی

دیوبند کی تاریخی مسجدیں

ہر مسلمان کے لئے "اللہ کا گھر" بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ دیوبند کی تاریخ پر بات چیت ہو اور مسجدوں کا ذکر نہ آئے۔ دیوبند کی تمام مسجدوں کا تعارف کرانا تو "کارے دارد" والی بات ہوگی۔ اس لئے کہ دیوبند جیسی چھوٹی سی بستی میں جس کی آبادی ۱۹۸۰ء میں اگر ۶۰ ہزار کے قریب ہو سکی ہے ایک سو ساٹھ مسجدیں موجود ہیں۔ اور شاید اسے کرامت ہی کہیں گے کہ یہ سب کی سب آباد ہیں۔ ہر مسجد میں پانچوں وقت کی نماز باجماعت ہوتی ہے اور ہر مسجد میں باقاعدہ امام اور موذن اپنے اپنے فرائض انجام دینے میں لگے ہوئے ہیں۔

ادینی مسجد

دیوبند کی آبادی میں سب سے پرانی مسجد اور سب سے پہلی مسجد "آدینی مسجد" ہے۔

یہ مسجد بڑے بھائیاں میں واقع ہے۔ مشہور ہے کہ اس مسجد کو شیخ معز الاسلام نے بنوایا تھا اس مسجد کے بیرونی حصے میں موصوف کا مزار موجود ہے۔

فارسی زبان میں جمعہ کو "آدینہ" کہا جاتا ہے۔ سب سے پہلے جمعہ کی نماز اسی مسجد میں پڑھی جاتی تھی۔ اسی وقت سے اس کا نام آدینی (جمعہ والی) مسجد پڑ گیا۔ مسجد میں جمعہ کی نماز اب بھی ہوتی ہے اور عام مساجد سے کچھ دیر بعد ہوتی ہے تاکہ وہ لوگ جمعہ کی نماز سے محروم نہ رہ جائیں جو کسی وجہ سے جامع مسجد وغیرہ میں جمعہ کے لئے حاضر نہ ہو سکے ہوں،

نئی تعمیر کے بعد جو کتبہ اس مسجد کی دیوار پر لگایا گیا ہے اس میں یہ عبارت کندہ ہے۔

"یہ قدیم جامع عرف مسجد آدینی ابتدائے آبادی قصبہ دیوبند سے قائم ہے ۱۳۶۵ھ میں تعمیر میں اضافہ ہوا۔

ابتدائے آبادی سے مُراد مسلمانوں کی ابتدائے آبادی مراد ہے۔ دیوبند کی ابتدائے آبادی مُراد نہیں۔ اس لئے کہ دیوبند تو مذہب اسلام کے مبعوث ہونے سے بہت پہلے آباد ہو چکا تھا۔ اس کی تفصیل شروع کے صفحات میں گذر چکی ہے۔

چھتّے کی مسجد

یہ مسجد دارالعلوم دیوبند کے قرب میں واقع ہے ۱۲۸۳ھ میں اسی مسجد میں واقع انار کے درخت کے نیچے دارالعلوم دیوبند کا آغاز ہوا تھا۔ اور دو "محمود دوں" نے تعلیم و تعلّم کی بسم اللہ کی تھی۔

اس مسجد کے آس پاس درختوں کا جھنڈ تھا۔ اور ایک خطرناک قسم کا موڑ تھا۔ اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے اسے چھتّے کی مسجد کا نام دیا جاتا ہے حالانکہ دیوبند کی سرزمین سے "بنوں" اور جھبنوں کا وجود تقریباً ختم ہو چکا ہے اور درختوں کے جھنڈ اور روایتی چھتّے اب ڈھونڈنے سے بھی نظر نہیں آتے۔ برائے نام ایک بنی شاہ ولایت صاحبؒ کے ارد گرد موجود ہے۔

چھتّے کی مسجد ہمیشہ سے اولیاء و صوفیاء کے قیام کا مرکز بنی رہی ہے اس کے حجرے بزرگانِ دین کے مقدس وجود سے کسی دور میں خالی نہیں رہے۔

دارالعلوم دیوبند کے مشہور بزرگ حضرت عابد حسین صاحبؒ کا قیام عام طور پر اسی مسجد کے ایک حجرے میں رہا کرتا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ بھی مدتوں اسی مسجد میں مقیم رہے۔ آج کل دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب اسی مسجد کے حجرے کو اپنا ٹھکانہ بنائے ہوئے ہیں، اور ان کی وجہ سے مسجد کا احا

قال اللہ اور قال الرسول کی مقدس و متبارک صداؤں سے گونجتا رہتا ہے۔
جب سے محمود الحسن صاحب نے اس مسجد کو اپنا ٹھکانا بنایا ہے۔ مسجد میں سکینت و روحانیت ایک عجیب فضا قائم ہوگئی ہے۔ پروردگار موصوف کے وجود کو تا دیر قائم رکھے۔

قلعہ کی مسجد یہ مسجد سکندر شاہ لودھی ۸۹۴ھ وفات ۹۲۳ھ کے عہد حکومت میں تعمیر ہوئی۔ یہ محلہ قلعہ میں واقع ہے اسی لئے مسجد قلعہ کے نام سے مشہور ہے۔

مسجد خانقاہ یہ مسجد اکبر کے اوائل حکومت کی یادگار ہے۔ یہ مسجد چونکہ محلہ خانقاہ میں واقع ہے، اس لئے مسجد خانقاہ کے نام سے مشہور و معروف ہے اس مسجد کا گنبد اسی طرح حسین و جمیل ہے جس طرح شاہجہاں عہد کی مسجدوں کے گنبد خوبصورت اور دیدہ زیب ہوتے ہیں۔ اس مسجد میں سرخ رنگ کا کتبہ لگا ہوا ہے کتبہ فارسی زبان میں ہے۔ اسے پڑھکر معلوم ہوتا ہے کہ اس مسجد کی بنیاد ۱۵۵۷ء مطابق ۹۶۵ھ میں رکھی گئی

مسجد سرائے پیرزادگان یہ مسجد عہد جہانگیر کی یادگار ہے سکھوں کی لوٹ مار اور غارت گری نے اس مسجد کو زبردست نقصان پہونچایا تھا لیکن حاجی محمد انور صاحب نامی ایک بزرگ نے اس کی از سر نو تعمیر کرائی۔ یہ تعمیر ۱۸۶۸ء میں ہوئی

مسجد عالمگیری یہ مسجد عہد اورنگ زیبؒ کی یادگار ہے یہ مسجد ۱۰۷۰ھ مطابق ۱۶۶۰ء میں تعمیر ہوئی، یہ مسجد محلہ ابوالمعالی میں واقع ہے۔

قاضی کی مسجد دیوبند کے شیوخ عثمانی کے مورث اعلیٰ ابوالوفا صاحب عثمانی کے صاحب زادے قاضی فضل اللہ مرحوم نے نوی صدی ہجری میں مسجد کو تعمیر کرایا تھا اسی مسجد کے دالان میں حضرت سید احمد شہیدؒ نے دس روز تک اپنے مریدوں کے ساتھ قیام فرمایا تھا۔

جامع مسجد اس مسجد کی بنیاد ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں رکھی گئی تھی۔ یہ مسجد چا

میں بن کر تیار ہوئی تھی۔ یہ مسجد انتہائی وسیع اور کشادہ ہے اس میں ۲۵ ہزار مسلمان ایک وقت میں نماز ادا کر لیتے ہیں۔

اس مسجد کے موسس حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ تھے۔ جس وقت اس مسجد کو تعمیر کرانے کی تحریک چل رہی تھی۔ اس زمانہ میں چندے کی ترغیب کے لئے ایک اشتہار چھاپ کر دیوبند اور قرب وجوار میں پھیلایا گیا تھا۔ اس اشتہار کا مضمون یہ تھا۔

"حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ نے خواب میں دیکھا کہ اس مقام پر جہاں اب جامع مسجد واقع ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور آپ کے سامنے ایک تشت رکھا ہوا ہے جو دودھ سے بھرا ہوا ہے۔ داہنی جانب ایک شخص ہے جو روپیہ لا لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انبار لگا رہا ہے۔ آپ نے حاجی صاحبؒ سے ارشاد فرمایا کہ "یہاں مسجد بنانا شروع کردو"

اسی زمانے میں مشہور واعظ مولانا عبدالرب دہلویؒ دیوبند تشریف لائے اور اپنے مواعظ میں جامع مسجد کی تکمیل کی تحریک کی اہلِ شہر پر مولانا کے واعظ کا بہت اثر ہوا، مگر جب عمارت کا تخمینہ لگایا تو کم وبیش ایک لاکھ روپے کا ہوا، اتنی بڑی رقم کا فراہم ہونا آسان نہ تھا۔ لوگ متحیر تھے آخر ایک جگہ متعین کر کے سب لوگ رات کو جمع ہوئے اور بارگاہِ رب العزت میں دعا کی، لوگوں میں تعمیر مسجد کا ایسا جذبہ پیدا ہو گیا کہ انھوں روپے کے علاوہ زیور، کپڑے، برتن، لکڑی، اینٹ چونا، غرض جو جس سے بن پڑا اس نے لاکر رکھ دیا۔ حاجی صاحبؒ مہتمم تعمیر قرار پائے۔ اور مولانا عبدالخالق تحصیل چندے پر مامور کیئے گئے۔

جامع مسجد کا سنگِ بنیاد شاہ مراد علی نے رکھا تھا شاہ مراد علی انصاری برادری سے تعلق رکھتے تھے مشہور ہے کہ عمر کے آخیر میں ۴۰ سال تک ان کی تہجد قضا نہیں ہوئی۔

طیبہ مسجد

ادارہ درسِ قرآن کے بانی حافظ اخلاق احمد صدیقی نے ۹ ستمبر ۱۹۷۴ء کو حدود کی خط کشی کی۔ حضرت مفتی محمد حسن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند نے قبلہ کی سمت متعین کر کے دعا فرمائی۔ ۱۲ ستمبر بعد نمازِ عصر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سے سنگِ بنیاد رکھوایا گیا۔

اس کے بعد حافظ اخلاق احمد صاحب اور ان کے صاحب زادے مولوی وقار احمد صاحب نے چندے کی مہم چلائی۔

۱۹۷۶ء میں مسجد بن کر تیار ہو گئی پھر ۱۹۷۸ء میں اس کے اوپر کی منزل تیار ہوئی۔

اس مسجد کے موسس اور ناظم حافظ اخلاق احمد صاحب ہیں۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا معمول اسی مسجد میں نماز پڑھنے کا ہے۔

دیوبند اور دارالعلوم سے نکلنے والے پرچے

سب سے پہلے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے "آئینہ دارالعلوم" کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ کا اجرا کیا۔ یہ رسالہ چند سالوں تک جاری رہنے کے بعد بند ہو گیا۔

اس کے بعد ۱۳۳۱ھ میں دارالعلوم دیوبند کی طرف سے القاسم کا اجرا عمل میں آیا۔ یہ ماہنامہ گیارہ سال تک جاری رہنے کے بعد بند ہو گیا۔ ۱۳۳۲ھ میں الرشید نامی ایک ماہنامہ دارالعلوم ہی سے نکالا گیا۔ جو چند سالوں تک اپنی روشنی بکھیرنے کے بعد روپوش ہو گیا۔ ۱۹۴۲ء کے بعد کئی پرچے نکلے اور بند ہو گئے ان میں قابلِ ذکر پرچوں کے نام یہ ہیں، قاسم العلوم، خالد ہادی، مہاجر، انصار، استقلال وغیرہ۔

۱۹۴۹ء میں ہادی اور تجلی نکلنے شروع ہوئے۔ ہادی چند سالوں کے بعد بند ہو گیا تجلی بدستور جاری ہے۔ ۱۹۶۰ء میں "اسلامی دنیا" نمودار ہوا لیکن اسے بھی دوام نصیب نہ ہو سکا۔ دیوبند

دیوبند کے تعلیمی ادارے

دیوبند میں اسکول کے نام پر بے شمار ادارے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ سب کا ذکر کرنا تو مناسب نہیں ہوگا۔ چند اداروں کا تعارف کرانا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔

تحصیلی اسکول

دیوبند کے موجودہ اسکولوں میں سب سے زیادہ پرانا اسکول۔ تحصیلی اسکول ہے اس اسکول کی بنیاد دارالعلوم دیوبند کے قیام سے پہلے سولہ سال قبل ۱۸۵۰ء میں رکھی گئی تھی۔

ابتداء میں چالیس بچے اس اسکول میں داخل ہوئے تھے اور دو ٹیچروں سے تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ اس اسکول کی عمارت چونکہ تحصیل کے قرب میں واقع ہے اس لئے یہ تحصیلی اسکول کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔

انٹر کالج

دیوبند میں پرائمری اور پرائیویٹ اسکولوں اور نرسریوں کے علاوہ ایک بڑا انٹر کالج بھی موجود ہے۔ جو آنجہانی بابو ہرپت رائے کی یادگار ہے۔ اس کا پورا نام ہرپت رائے انٹر کالج ہے اس کی بنیاد ۱۹۰۶ء میں رکھی گئی تھی۔ ابتداء میں صرف آٹھویں کلاس تک تعلیم ہوا کرتی تھی۔ اب انٹرمیڈیٹ تک تعلیم ہوتی ہے۔[1]

---

[1] بحوالہ تاریخ دیوبند

انٹر کالج کی عمارت دیوبند کے شمالی حصے میں واقع ہے۔ یہ عمارت ہندو اور مسلمانوں کے مشترکہ اثاثہ سے تیار کی ہے اس عمارت نے بھی دیوبند کے ہندو مسلم اتحاد میں روح پھونکنے کا کام انجام دیا ہے۔

اسلامیہ ہائیر اسکنڈری اسکول

ہرپت رائے انٹر کالج کے علاوہ کچھ چھوٹے موٹے پرائمری اور تحصیلی اسکول بھی دیوبند میں قائم تھے لیکن مسلم بچوں کی ابتدائی تعلیم کا الگ سے کوئی بندوبست نہیں تھا جس کی وجہ سے مسلمان بچوں کو قدرے دشواری کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں شیخ ضیاء الحق مرحوم اور سید محمد محتشم مرحوم کی متفقہ کوششوں سے "اسلامیہ" اسکول کی بنیاد پڑی۔

آپس کی گندی سیاست نے اس اسکول کو آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔ لیکن اب پھر ترقی کے امکانات روشن ہیں۔

سنسکرت مہاودیالیہ

یہ ادارہ دیوی کنڈ پر واقع ہے اس کی بنیاد ۱۹۱۵ء میں ڈالی گئی تھی۔ یہ ادارہ خاص ہندو مت کی تبلیغ کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ اس میں مقامی طلباء کے علاوہ بیرونی طلباء بھی زیر تعلیم رہتے ہیں۔ غریب طلباء کے قیام و طعام کا بندوبست ادارہ کرتا ہے یہ ادارہ عام چندوں سے چلتا ہے۔

پبلک نرسری

۱۹۶۰ء میں مولانا اسعد صاحب کی سرپرستی میں بچوں کا ایک اسکول قائم ہوا ہے اس کے بانی سابانی محمد حسیب صاحب صدیقی ہیں اور اس اسکول کے اصل کرتا دھرتا تنویر قدوسی صاحب ہیں جن کی کوششوں سے اسکول کے نظم و نسق اور تعلیم و تربیت میں کافی نکھار پیدا ہو گیا ہے۔

یہ اسکول مسلمان بچوں اور بچیوں کو جدید تعلیم سے روشناس کرانے کے لئے قائم ہوا۔ اور اپنے اس مقصد میں یہ بڑی حد تک کامیاب ہے۔ یہ اسکول محلہ ابو المعالی میں "کوٹھی والی" میں قائم ہے۔

دیوبند کے کتب خانے

دیوبند کے کتب خانوں کو ملک بھر میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ علمی، دینی، اصلاحی اور تحقیقی انداز کی بے شمار کتابیں دیوبند سے شائع ہو چکی ہیں۔ دیوبند میں تراجم و شروحات کا کام تو ایک وسیع پیمانے پر ہوا ہے۔ اگر دیوبند کو شروحات و تراجم کا مرکز کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا۔

عربی۔ فارسی کی بہت سی درسی غیر درسی کتابوں کی ان گنت شرحیں دیوبند سے شائع ہو چکی ہیں۔ اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔

دیوبند میں لیتھو پریس کی سات مشینیں تقریباً سولہ گھنٹے روز چلتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود کام کنٹرول میں نہیں آپاتا۔ چنانچہ دیوبند کی لاتعداد کتابیں دہلی کے پریسوں میں چھپ کر تیار ہوتی ہیں۔ دیوبند میں اب تک علمی اور تحقیقی کام کس قدر ہوا ہے اس کا صحیح اندازہ لگانا تو ناممکن ہے تاہم ذیل میں ہم مشہور کتب خانوں کے نام اور ان کی مطبوعات کی تعداد نوٹ کر رہے ہیں۔ اس سے دیوبند کی علمی و دینی خدمات کا کچھ نہ کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ دیوبند میں کتب خانوں کی تعداد ننانوے سے متجاوز ہے۔ ہم ان کتب خانے کے

تعارف پر اکتفا کر رہے جو مشہور و معروف ہیں اور طباعتِ کتب کا کام برابر انجام دے رہے ہیں۔

ہم نے ان کتب خانوں کے بانی مبانی اور تاریخ بنا کا ذکر بھی کر دیا ہے تاکہ مُحابہ اندازہ بھی ہو سکے کہ کارِ خیر کی بنیاد کس نے رکھی اور یہ کارِ خیر کتنی مدت سے جاری ہے۔

نام کتب خانہ	بانی مبانی	سنگِ بنیاد	تعداد مطبوعات
مطبع قاسمی	مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی	سنہ ۱۹۱۵ء	
کتب خانہ اعزازیہ	مولانا سید احمد صاحب	سنہ ۱۹۱۸ء	۳۰۰
کتب خانہ رحیمیہ	مولانا اسحاق احمد صاحب	سنہ ۱۹۳۸ء	۱۵۰
مجتبائی کتب خانہ	غالب احسن صاحب		۲۷۰
کتب خانہ امدادیہ	محمد علی صاحب رح	سنہ ۱۹۳۸ء	۱۲۵
ہاشمیہ کتب خانہ	مولانا شوکت صاحب	سنہ ۱۹۴۶ء	۲۵
ادارہ ہادی	قاری انعام الٰہی صاحب رح	سنہ ۱۹۴۶ء	۲۰۰
کتب خانہ نعیمیہ	خواجہ بلال صاحب	سنہ ۱۹۴۸ء	۱۲
مکتبہ نظامیہ	مولانا شوکت علی صاحب	سنہ ۱۹۵۲ء	۳۸
مکتبہ تجلی	مولانا عامر عثمانی صاحب رح	سنہ ۱۹۵۰ء	۴۴
راشد کمپنی	مولانا راشد حسن صاحب رح	سنہ ۱۹۵۰ء	۱۸۰
فیض القرآن	مولانا یعقوب الرحمٰن صاحب عثمانی رح	سنہ ۱۹۵۱ء	۳۸
کتب خانہ فخریہ	مولانا اعزاز علی صاحب رح	سنہ ۱۹۵۲ء	۱۸
تاج المعارف	مولانا سالم صاحب قاسمی		۳۶
مکتبہ اسلامیات	مولانا عبداللہ جاوید صاحب		۴۴
کتب خانہ قاسمی	مولانا اسلم صاحب رمزی		

نام کتب خانہ	بانئ مبانی	سنگِ بنیاد	تعداد مطبوعات
		سنہ ۱۹۵۵ء	۳۶
ادارہ اشرف المواعظ	حافظ اخلاق احمد صاحب	سنہ ۱۹۵۶ء	۲۵
جامعہ اشرفیہ	اظہار احمد صاحب تھانوی	سنہ ۱۹۶۰ء	۱۳
ادارہ تفسیر القرآن	مولانا سید احمد صاحبؒ	سنہ ۱۹۶۰ء	۲۵
سالم کمپنی	حافظ سالم صاحب		
مسعود پبلشنگ ہاؤس	حافظ طیب صاحبؒ	سنہ ۱۹۶۵ء	۸۰
جمہور بک ڈپو	فاروق جوہر خاں صاحب	سنہ ۱۹۶۲ء	
مکتبہ تھانوی	وقار علی صاحب	سنہ ۱۹۶۳ء	۳۰
مرکز ادب	حکیم مشرف صاحب	سنہ ۱۹۶۴ء	۱۰
مکتبہ نعمانیہ	حافظ محمد طیب صاحب	سنہ ۱۹۶۴ء	
درس قرآن	حافظ اخلاق احمد صاحب	سنہ ۱۹۶۵ء	۱۰
مجلس معارف القرآن	دارالعلوم دیوبند		۵
مکتبہ نور	مولانا مقبول احمد بنارسی	سنہ ۱۹۶۵ء	۶
مصطفائیہ کتب خانہ	حافظ محمد سالم صاحب	سنہ ۱۹۶۷ء	۱۰۰
فرقانیہ بک ڈپو	فرقان احمد صاحب	سنہ ۱۹۶۸ء	۱۲
ادارہ تالیفاتِ اولیا	مولانا حبیب اللہ صاحب	سنہ ۱۹۷۰ء	۵۰
احمد کمپنی	مولانا واجد حسین صاحب	سنہ ۱۹۷۰ء	۷
درسِ اسلام	حافظ اخلاق احمد صاحب	سنہ ۱۹۷۰ء	۵

نام کتب خانہ	بانی یا مالک	سنگِ بنیاد	تعداد مطبوعات
اصلاحی کتب خانہ	مولانا نیاز الدین اصلاحی صاحب	سنہ ۱۹۷۴ء	۱۲
قرآن منزل	محمد اسلم عثمانی رح	سنہ ۱۹۷۷ء	۲
اسعد بک ڈپو	اسعد صاحب	سنہ ۱۹۷۸ء	۱۰
ادارہ درسِ حدیث	قاری اخلاق احمد صاحب	سنہ ۱۹۷۰ء	۱۰
ادارہ قرآنی مراسلاتی کورس دیوبند	قاری اخلاق احمد صاحب	سنہ ۱۹۷۵ء	۱۲
عظیم بک ڈپو	عمر فاروق عثمانی صاحب	سنہ ۱۹۷۷ء	۸
دانش بکڈپو	نسیم پرویز صدیقی صاحب	سنہ ۱۹۷۸ء	۲۵
ادارہ اختری	مسرت علی صاحب	سنہ ۱۹۷۹ء	۶
دارالکتاب	مولانا ندیم الواجدی صاحب	سنہ ۱۹۷۹ء	۴
عربک ٹیچنگ سینٹر	مولانا ندیم الواجدی	سنہ ۱۹۷۹ء	۳
مکتبہ حجاز	مولانا سعیدی احمد پالنپوری		۱۰
مکتبہ رحمت	مولانا ریاست علی بجنوری		۶
محمودیہ کتب خانہ	حافظ قاری جلیل الرحمٰن		۸۰
اشاعت منزل	مولانا عبدالرؤف عالی		۱۰
مکتبہ اشاعت العلوم	مولانا اصغر حسین رح		۱۵
مکتبہ دینیہ	مولانا اسعد صاحب مدنی		۳۴
شعبہ تصنیفات علمیہ مدرسہ اصغریہ	مولانا سید خلیل الرحمٰن		۵

حسن احمد صدیقی

دینی اور رفاہی ادارے

ادارہ - مرکز المعارف دیوبند

ادارہ مرکز المعارف ۱۹۶۳ء میں قائم ہوا، اس کی بنیاد دارالعلوم کے فاضل اور استاد مولانا محمد عقیل صاحب نے رکھی جنھیں دیوبند کی سرزمین میں پیدائش کے ساتھ علمائے دیوبند سے بھرپور استفادہ کا شرف حاصل ہے۔

ادارہ مرکز المعارف مدارس عربیہ کے طلبار کی قوت استعداد میں اضافہ کرنے اور انھیں بین الاقوامی زبانوں سے روشناس کرانے کی غرض سے وجود پذیر ہوا ہے۔ یہ ادارہ اپنے یوم تاسیس ہی سے ایک تعلیمی انسٹی ٹیوشن کی حیثیت سے مسلسل علمی خدمات انجام دے رہا ہے۔

جن مقاصد کے تحت اس انسٹی ٹیوشن کا قیام عمل میں آیا تھا الحمد للہ وہ ان مقاصد میں برابر کامیابی کی منزلیں طے کر رہا ہے۔

مرکز المعارف کا اہم مقصد یہ ہے کہ مدارس عربیہ کے فاضلین کو علوم عصریہ اور بین الاقوامی زبانوں کی تعلیم دی جائے تاکہ وہ تبلیغ دین کا کام بطریق احسن انجام دے سکیں۔ اور اقوام عالم کے سامنے اسلام کا صحیح تعارف اور اسکی حقیقی تصویر پیش کر کے سکون و طمانیت قلبی کی متلاشی انسانیت کو الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کا پیغام سرمدی پہنچا سکیں۔ اپنے مقاصد کے حصول کیلئے مرکز المعارف اپنے یوم اوّل سے ہی بی۔ اے کے معیار کا ایک انگلش کالج چلا رہا ہے جس میں مدارس عربیہ کے فضلا کی ایک بڑی تعداد کو انگلش زبان کی تربیت دی جاتی ہے تاکہ وہ اس بین الاقوامی زبان کے

ذریعہ غیر عوام تک اسلام کا پیغام ہدایت پہنچا سکیں۔ مرکز المعارف نے اپنی علمی سرگرمیوں کا دائرہ اپنے شہر تک ہی محدود نہیں رکھا۔ بلکہ اس نے اپنے علمی عرفان کو وسعت دینے کے لئے کئی مراسلاتی نصابوں کا اجراء کیا۔ جن میں جدید عربی زبان کا مراسلاتی کورس خصوصی اہمیت کا حامل ہے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ جدید عربی کی تعلیم کا یہ مراسلاتی طریقہ براعظم ایشیا کی اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے مرکز المعارف دیوبند نے رائج کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ آج اس مراسلاتی کورس کا فیضان ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچ رہا ہے۔

جدید عربی کی تعلیم کا یہ کام ایک بہت ہی آسان وسہل اور جدید ترین تعلیمی اصولوں اور نفسیاتی طریقوں پر مرتب کورس کے ذریعہ انجام دیا جارہا ہے۔ اردو کے علاوہ ہندی اور انگلش میڈیم سے بھی عربی کی تعلیم جاری ہے اسی لئے غیر مسلم حضرات اور اردو نہ جاننے والا طبقہ بھی مرکز المعارف سے استفادہ کررہا ہے۔ مرکز المعارف نے اپنی تعلیمی سرگرمیوں کو مردوں کی تعلیم ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ تعلیم نسواں پر بھی خصوصی توجہ دی اور ۱۹۶۹ء میں عزیزہ گرلز اسکول کے نام سے ایک اسکول قائم کیا گیا۔ جس میں مسلم لڑکیاں نہایت صاف ستھرے اور خالص دینی ماحول میں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی اور دینی تعلیم حاصل کررہی ہیں۔ مرکز المعارف نے تعلیم نسواں کے اس فیضان علمی کو دیوبند کی چہار دیواری سے نکال کر ملک کے کونے کونے میں پھیلانے کا ایک بڑا منصوبہ بنایا اس منصوبہ کو روبکار لانے کے لئے اسلامک کالج کی بنیاد ڈالی جس میں مسلم لڑکیوں کے لئے ایک ایسا کم خرچ اور آسان وسہل مراسلاتی کورس جاری کیا گیا جو کہ خالص دینی اسلامی تعلیم کے ساتھ ساتھ تعلیم نسواں کے دوسرے اہم اور ضروری تقاضوں کو مکمل طور پر پورا کرتا ہے۔ الحمد للہ اسلامک کالج کا یہ مراسلاتی کورس نہایت مقبول ہورہا ہے اور ملک میں کالج کے امتحانی سینٹر بڑی تیزی سے قائم ہورہے ہیں۔ دینی تعلیم کے اس کورس کو اس انداز سے مرتب کیا گیا ہے کہ لڑکیوں کے علاوہ لڑکے بھی اس سے پورے طور پر مستفیض ہورہے ہیں۔

تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ مرکز المعارف نے تنظیم ائمہ مساجد کے نام سے ایک اور ادارہ

کی تاسیس کی ہے اس تنظیم کا مقصد یہ ہے کہ ملک میں پھیلی ہوئی مساجد کے ائمہ کو تعلیمی، تبلیغی اور اصلاحی تربیت دی جائے تاکہ وہ اپنے اپنے شہروں میں تعلیم، تبلیغ اور اصلاح کا کام انجام دے سکیں۔ اس سلسلہ میں ملک کے مختلف شہروں کے ائمہ سے رابطہ قائم کیا گیا ہے اور ان کی طرف سے بڑے حوصلہ افزا خطوط موصول ہو رہے ہیں۔

ادارہ کے بانی سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ عنقریب مذکورہ پروگرام کو آخری اور تکمیلی صورت دے دی جائے گی۔

عربی ٹیچنگ — خط و کتابت کے ذریعہ عربی بول چال کی مشق

عربی زبان اپنی دینی، ادبی اور تاریخی خصوصیات کے لحاظ سے امّ الالسنہ (زبانوں کی ماں) کہلاتی ہے گذشتہ چند برسوں کے دوران اس زبان نے ترقی کی ایک نئی سمت تلاش کی ہے۔ عالم عرب نے صنعتی ترقی کے میدان میں تیزی سے قدم بڑھائے ہیں۔ اس انقلاب کیلئے عرب ممالک کو بیرونی دنیا کے ماہرین کی ضرورت ہے بڑی تعداد میں لوگ وہاں جا رہے ہیں۔ مگر عربی زبان سے ناواقفیت کی بنا پر انہیں بہت سی ایسی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جو زبان سے تعلق رکھتی ہیں۔

ہم مسلمانوں کیلئے عربی زبان کی اہمیت کا ایک بڑا پہلو یہ بھی ہے کہ یہ ہماری مذہبی زبان ہے قرآن پاک اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک احادیث اسی زبان میں ہیں عربی زبان سیکھ کر مسلمان اپنے مذہب سے قریب تر ہو سکتے ہیں اور قرآن و حدیث کو براہِ راست سمجھ سکتے ہیں۔

دیوبند علم و فن کا مرکز ہے، ایشیا کا سب سے بڑا دینی تعلیمی ادارہ اسی سرزمین پر قائم ہے عربی زبان کی تعلیم یہاں کا امتیاز رہی ہے لیکن یہ تعلیم صرف وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جن کے

اوقات میں وسعت ہو اور وہ کچھ دنوں کے لئے یہاں رہیں وہ لوگ جو اپنی مصروفیتوں اور اقتصادی پریشانیوں کے باعث دیوبند یا کسی اور جگہ جانے کے متحمل نہیں ہو سکتے اس زبانِ مبارک سے محروم رہ جاتے ہیں۔ دیوبند کے ایک با صلاحیت نوجوان واصف حسین عرف مولانا ندیم الواجدی صاحب نے اس کمی کو شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر عربک ٹیچنگ کی بنیاد ڈالی۔ یہ ادارہ خط وکتابت کے ذریعہ عربی زبان کو عام کرنے کی خدمت انجام دینے میں لگا ہوا ہے اور اپنے مقصد میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہے۔ اس ادارہ نے عربی سکھانے والی کتابوں کا ایک "کورس" بھی تیار کیا ہے جو انتہائی مفید اور انتہائی کامیاب ثابت ہو رہا ہے۔

مراسلاتی تعلیم کی فیس برائے نام، اور مراسلاتی کورس کی قیمت کم سے کم رکھی گئی ہے تاکہ امیر غریب سبھی طرح کے شائقین بھرپور فائدہ اٹھا سکیں، عربی زبان کو عام کرنے کا اقدام چونکہ ایک قابلِ تحسین اقدام ہے۔ لہذا یہ ادارہ بہر طور عوام کی حوصلہ افزائی اور اکابرین کی سرپرستی کا مستحق قرار پاتا ہے۔

مسلم فنڈ دیوبند مسلمانوں کو سود کی لعنت سے بچانے کیلئے قائم ہوا۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے صاحبزادے مولانا اسعد صاحب اس کے بانی مبانی ہیں۔ زیور رکھکر قرض دینے کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ مسلم فنڈ کے طریقہ کار اور اس کے بعض جزیات سے ہمیں اختلاف ہے ہر ماہ بعد "قرض دار" سے ڈیڑھ فی صد رقم وصول کرنے پر سود کا شبہ ہوتا ہے[1] جو ہم جیسے ٹھیٹ دیوبندیوں کیلئے ناقابلِ برداشت ہے لیکن مسلم فنڈ سے قصبہ کے مسلمانوں کو جو فائدہ پہونچا ہے اس کا انکار نصف النہار کے وقت سورج کا انکار کر دینے کے برابر ہے۔

---

[1] یہ پہلو بڑا افسوسناک ہے کہ جو ادارہ تمام مسلمانوں کو سود کی لعنت سے بچانے کے لئے منصۂ شہود پر آیا تھا وہ سودی لین دین کے معاملہ میں "ذکی الحس" ثابت نہیں ہوا۔

مدرسہ اسلامیہ عربیہ اصغر دارالمسافرین دیوبند

دیوبند کی قدیم ترین اور اولین درسگاہ

خاندانِ اہلِ بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جسمانی و روحانی قرب و تعلق رکھنے والے بزرگوں میں
بانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی آل و اولاد میں سے ایک بزرگ سید غلام رسول شاہ ۱۱۰۵ھ
نداد سے دیوبند تشریف لائے اور اس طرح علوم نبوت کا جو دھارا حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے
اطہر سے ابلا تھا وہ بغداد کو سیراب کرتا ہوا دیوبند کی زمین پر بہنے لگا۔

یہ اس دور کی بات ہے کہ جب دیوبند جہالت کا مسکن تھا اور انتہا یہ تھی کہ کنویں کی طہارت
نلا تیا نے اور نماز جنازہ پڑھانے والا کوئی عالم نہ ملتا تھا۔ جمعہ کی نماز صرف ایک جگہ دینی مسجد میں
تی تھی۔ خاندان سادات کے اس جلیل القدر بزرگ کے ورود مسعود سے جہالت کے اندھیروں
م و معرفت کی ایک چھوٹی سی شمع روشن ہوئی۔ اور ان کے مقدس ہاتھوں سے ایک دینی مکتب
د پڑی جو تعلیمات قرآن و حدیث کی اولین درسگاہ تھی۔ درحقیقت دیوبند کے بعد کے تمام
لے اسی اولین درسگاہ علم کی شعاعیں ہیں۔ اس درسگاہ اولین علم کی آبیاری سید غلام رسول
ماحب کے سید غلام علی میاں صاحب پھر حضرت سید حسام الدین میاں صاحب اور آپ
ر سید شاہ شمس الدین میاں صاحب نے کی۔ یہاں تک یہ چراغ حضرت میاں جی منے شاہ
ب کے نورِ معرفت سے محفوظ فانوس میں جلنے لگا۔ حضرت سید عبداللہ شاہ عرف میاں جی
نا ہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی نگاہیں "معرفت آگاہ" اور حضرت مولانا
م صاحب نانوتوی کی نظر میں وہ بزرگ تھے۔ جنھیں کبھی گناہِ صغیرہ کا بھی تصور نہیں آیا۔
۱۲۸۳ھ میں انھیں کے مبارک ہاتھوں سے دارالعلوم کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ (القاسم،
بد، دارالعلوم نمبر) حضرت میاں جی منا شاہ صاحب کو ایسی مقبولیت عطا ہوئی تھی کہ اس درسگاہ

میں آپ کے پاس مسلم وغیر مسلم بکثرت بلا امتیاز فیضِ علم حاصل کرتے تھے۔ یہ سلسلہ حضرت میاں جی صاحب کی وفات ۱۳۱۰ھ تک چلتا رہا۔ اور اس عظیم علمی خدمت کے جانشین حضرت شاہ محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہوئے جنہیں حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ مکرمہ سے خرقۂ خلافت عطا فرمایا تھا۔ آپ نے اپنے فیوض و برکات سے عوام و خواص کو اسقدر مستفیض فرمایا کہ حضرت میاں جی منا شاہ صاحب کا عہدِ مبارک تازہ ہو گیا ۱۳۱۲ھ میں آپ کے وصال کے بعد یہ عظیم الشان ذمہ داری آپ کے علمی و روحانی کمالات کے جامع، عارف باللہ حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب محدث دارالعلوم کے سپرد ہوئی۔ اور آپ نے اس چراغ کو اس شان سے روشن کیا کہ "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" کا منظر قائم ہو گیا۔ آپ نے اپنی زمین میں اس درسگاہ علم و معرفت کی نہایت عمدہ عمارت تعمیر کرائی۔ بالائی حصے درسگاہ اور نیچے کے حصے ذاکرین شاغلین اور طلباء دین کی اقامت کے لئے مخصوص فرمائے۔ اور اس دارالمسافرین دارالعلوم دیوبند کے مسند درسِ حدیث سے لاکھوں تشنگانِ علم و معرفت کو آپ نے فیض پہنچایا۔ ۲۲ محرم ۱۳۶۴ھ میں آپ کا راندیر ضلع سورت میں انتقال ہوا۔ اور اسی خاک کے ذروں میں یہ آفتابِ کامل پوشیدہ ہو گیا۔ آپ کے بعد صاحبزادۂ باکمال حضرت الجامع سید محمد بلال صاحب مدظلہ اس کی سرپرستی فرما رہے ہیں اور حضرت مولانا سید خلیل حسین میاں صاحب دامت برکاتہم کے اہتمام میں تعمیر و ترقی کی بلندیوں کی سمت محوِ سفر ہے۔ یہی موقعہ ہے کہ بزرگوں کی اس عظیم یادگار کو "مدرسہ اسلامیہ اصغریہ دارالمسافرین دیوبند" کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ اور حدیث و قرآن اور جدید تعلیم کے ساتھ تبلیغ و دعوت کے مبارک کام کو پوری قوت و اہتمام کے ساتھ مکمل فروغ حاصل رہا ہے اور یہ کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ علم و معرفت کی جو ندی شروع میں اپنے مقام سے خاموشی، آہستگی کے ساتھ رواں ہوئی تھی۔ وہ راستے کے تمام نشیب و فراز طے کرتی ہوئی اب متلاطم دھارے کی صورت میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اور نزدیک دور ملک و بیرون ملک کے تمام دست دمن، اور صحرا و چمن پر پھیل چکی ہے۔

مدرسہ اسلامیہ اصغریہ دارالمسافرین دیوبند۔ قرآن وحدیث کی پائیدار علمی خدمت کا روشن عنوان ہے تعلیم کے شعبے سے پانچ سو طالبانِ علوم نبوت کو فیض یاب اور قرآن پاک کو تجوید کی اعلیٰ معیاری تعلیم کے ساتھ رائج وکامیاب بنانے کا مبارک کام ہو رہا ہے۔

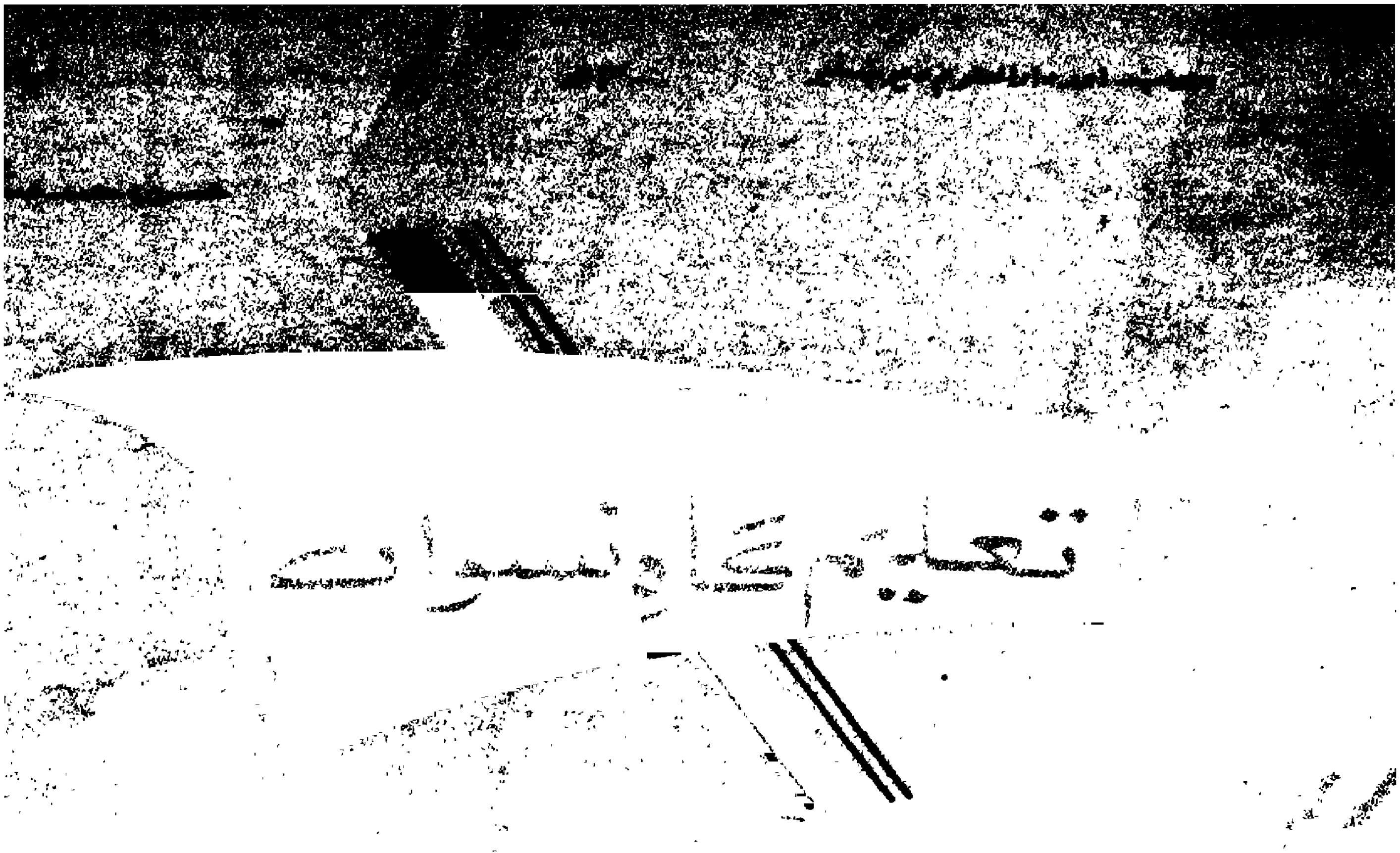
دعوت وتبلیغ کے شعبے سے لاکھوں بندگانِ خدا کے دلوں میں ایمان ویقین کی محنت کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ "شعبۂ تصنیفات علمیہ" سے حدیث وقرآن کے معارف و بلند پایہ تحقیقات کا اتنا اونچا کام ہو رہا ہے جسے انشاء اللہ آئندہ اور موجودہ علمی دینی نسل کا سرمایۂ حیات کہا جاسکتا ہے۔

جامعہ دینیات اردو

انیسویں صدی کے وسط سے عام مسلمانوں خصوصاً لڑکوں اور لڑکیوں کی دینی تعلیم کا مسئلہ بڑی اہمیت اختیار کئے ہوئے ہے۔ مسلم معاشرے میں دینیات کی نوعیت نے اس مسئلہ کو زیادہ اہم بنا دیا ہے۔ ایسے حالات میں ایک ایسے تعلیمی نظام کی ضرورت ہے جو زیادہ سے زیادہ ہمہ گیر ہو، اور جس کے ذریعہ سے اسکولوں اور کالجوں کے مسلمان طلباء اور طالبات مروجہ تعلیم کے ساتھ ساتھ بقدر ضرورت دینی معلومات حاصل کر سکیں۔ اس مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے "جامعہ دینیات اردو" کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ چنانچہ جامعہ دینیات اردو کے ذریعہ سے مسلمان طلباء و طالبات کے علاوہ عام مسلمان مرد و عورت بھی اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے بسہولت ضرورت کے مطابق دینی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

جامعہ دینیات ۱۹۶۲ء میں قائم کیا گیا تھا۔ اس وقت اس کے کامیاب ہونے کی توقع نہیں تھی۔ لیکن تعلیم وتدریس کا یہ نیا تجربہ توقع سے زیادہ کامیاب رہا۔

آج جامعہ دینیات کی شاخیں اور سینٹر ہندوستان بھر میں قائم ہو چکے ہیں اور ہزاروں نفوس اس سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔



تعلیم گاہ نسواں

دینی علوم کی نشر و اشاعت میں دیوبند جیسی چھوٹی بستی نے جو اہم رول ادا کیا ہے وہ اپنی آپ ہے۔ دینی علوم کی ترویج و اشاعت ہی کا کرشمہ ہے کہ اس چھوٹی سی بستی کا شہرہ صرف ایشیاء ہی تک محدود نہیں بلکہ دنیا کے دوسرے براعظموں میں بھی اس کے نام کی دھوم ہے۔

سمرقند بخارا، افریقہ، آسٹریلیا، انڈونیشیا، ملیشیا، نیپال، برما، سیلون، افریقہ، عرب اور یورپ کے کونے کونے میں دیوبند کا نام جانا پہچانا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ علوم دین کی نشر و اشاعت ہی کا فیض ہے۔ لیکن قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ علوم دینیہ کی اشاعت صرف مردوں تک محدود ہے۔ دیوبند میں ابھی تک کوئی ایسا ادارہ قائم نہیں ہو سکا ہے جس میں عورتوں کے لئے درسِ نظامی کا بندو
ہو۔ رونے کا مقام ہے کہ دیوبند کی عورتیں دینی علوم سے بالکل کوری ہیں۔ وہ علوم دینیہ کی ابجد بھی واقف نہیں۔ بڑا افسوس ہوتا ہے یہ دیکھکر کہ ہماری عورتوں کو یہ تک خبر نہیں کہ "مسلم پرسنل لاء" کسے کہتے ہیں۔ حالانکہ مسلم پرسنل لا کا نصف حصہ عورتوں سے متعلق ہے۔

شدید ضرورت ہے اس بات کی کہ دیوبند میں دارالعلوم ہی کے طرز کا ایک ادارہ ایسا بھی

بحیثیت مسلمان لڑکیوں کو مذہبی نقطہ نظر کی تعلیم دی جائے۔ معاشرہ کی اصلاح اور تطہیر کے لیے ضروری ہے کہ عورتوں میں اسلامی اقدار پیدا ہوں اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب ہم عورتوں کو دینی علوم سے آشنا کرنے کی فکر کریں۔ دینی علوم سے بیگانہ رکھ کر بے خبر رہنے کی صورت میں عورتوں کی اصلاح کسی طور ممکن نہیں۔ اور جب تک عورتوں کی اصلاح نہ ہو اس وقت تک معاشرہ کی خرابیاں دور ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا خواہ وعظ و تبلیغ کی ہزار محفلیں منعقد کر ڈالیے۔

اگرچہ ابھی تک دیوبند میں جامعۃ الصالحات جیسے کسی ادارہ کی داغ بیل نہیں پڑی ہے لیکن یہ بات بھی بڑی حد تک خوش آئند ہے کہ بعض حضرات نے دیر ہی سے سہی لیکن اس موضوع پر غور و فکر کرنا شروع کر دیا ہے اور اس موضوع پر غور و فکر کرنے کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ لڑکیوں کی تعلیم سے متعلق کئی ادارے وجود پذیر ہو چکے ہیں۔ جو اعلیٰ پیمانے پر نہ سہی لیکن ادنیٰ اور متوسط پیمانے پر لڑکیوں کو دینی علوم سے روشناس کرانے کی خدمت انجام دینے میں لگے ہوئے ہیں۔

ان ہی میں کا ایک ادارہ "تعلیم گاہ نسواں" کے نام سے مشہور ہے اس مدرسہ کی بنیاد تاریخ دیوبند کے مؤلف محبوب رضوی صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ نے رکھی تھی۔ یہ مدرسہ آج بھی زندہ ہے اور اس میں دینی علوم کی ابتدائی تعلیم قابلِ تعریف انداز میں چل رہی ہے۔ تعلیم و تدریس کے علاوہ اس مدرسہ میں امورِ خانہ داری پر وقت صرف کیا جاتا ہے۔ لڑکیاں سینے کاڑھنے کے کاموں میں مہارت پیدا کر کے اس کام سے فارغ ہوتی ہیں۔

اس مدرسہ میں خاص طور پر جامعہ دینیات اردو دیوبند، جامعہ اردو علی گڑھ، اور اردو بورڈ علی گڑھ کے امتحانات کی تیاری کرائی جاتی ہے۔ بے شمار طالبات تعلیم گاہِ نسواں کا تعاون حاصل کر کے مذکورہ ادارے کے امتحانات بھی اعلیٰ درجہ کی کامیابی سے سرفراز ہو چکی ہیں۔

تعلیم گاہِ نسواں کی ابتدائی تعلیم چند طالبات سے ہوئی تھی۔ لیکن اب سو سے زیادہ بچیاں اس میں زیرِ تعلیم ہیں، اور چند استانیاں ان کی تعلیم و تربیت پر رکھی گئی ہیں۔ تعلیم گاہِ نسواں محلہ ابوالمعالی میں واقع ہے۔

مدرسۃ البنات

[illegible]

ایک سو کے قریب لڑکیاں [illegible] تعلیم پاتی ہیں [illegible] اسلام [illegible] یہاں ان کی زیر نگرانی کئی استانیاں [illegible] تعلیم [illegible] ہیں۔ [illegible] پرائمری تعلیم کے لئے لڑکیوں کا ایک قابل قدر ادارہ ہے۔

تعلیم گاہِ نسواں اور مدرسۃ البنات کے علاوہ کچھ اور مدرسے بھی لڑکیوں کی تعلیم و تدریس کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن ان میں کا کوئی بھی مدرسہ اس کمی کو پورا نہیں کرتا۔ جس کی کمی کا احساس ہم نے اوپر کی سطروں میں دلایا ہے، دیوبند میں ایک ایسے ادارہ کی بنیاد ڈالنا از بس ضروری ہے جس میں مسلمان لڑکیوں کے لئے قرآن سے بخاری شریف تک کی تعلیم کا انتظام ہو۔

خدا کا فضل و کرم سمجھئے کہ اب آکر ادارہ خدمتِ خلق نے اس موضوع پر شدت کے ساتھ سوچنا شروع کر دیا ہے اور اس کے پروگرام میں لڑکیوں کا ایک دارالعلوم قائم کرنے کی اسکیم بھی شامل ہے۔ ادارہ خدمتِ خلق کے ممبران کی نیک نیتی اور مومنانہ جدوجہد کے پیشِ نظر یہ امید کی جا سکتی ہے کہ ۱۹۷۰ء تک لڑکیوں کا ایک مثالی دارالعلوم دیوبند کی سرزمین پر قائم کر لیا جائے گا۔

تعلیم گاہِ نسواں اور مدرسۃ البنات کے علاوہ بھی لڑکیوں کو کئی گھروں میں دین و دنیا کی ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن ان مدرسوں سے [illegible] اگر ملتی ہے تو صرف اتنی کہ مسلمان بچیاں خط و کتابت کرنے اور سینے کاڑھنے کی اہل ہو جاتی ہیں۔

دین کی روح سے وہ بالکل کوری اور نااہل ہی رہتی ہیں۔ عورتوں کی ناقص تعلیم کے نتائج سامنے آگئے کہ ہمارے گھر دین کی روشنی سے محروم ہو گئے۔ ہمارے بچے جب ماؤں کی گود میں پل رہے ہیں وہ دین اسلام سے بیگانہ اور بے خبر ہیں۔ اور [illegible] بے خبری کا سلسلہ اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتا جب تک عورتوں میں علم دین کی ترویج و اشاعت نہ ہو اور عورتوں میں علم دین کی ترویج و اشاعت وعظ و تقریر کے ذریعہ نہیں بلکہ صرف لڑکیوں کی تعلیم کے ذریعہ کی جا سکتی ہے۔

ادارہ خدمتِ خلق

دیوبند کی سرزمین شخصیات اور اداروں کو پیدا کرنے کے معاملہ میں بڑی زرخیز ثابت ہوئی ہے بے شمار اور رفاہی ادارے یہاں قائم ہیں اور انتہائی آن بان اور شان و شوکت کے ساتھ خدمتِ خلق انجام [illegible]نش لگے ہوئے ہیں۔ بعض اداروں کا تعارف ہم گذشتہ صفحات میں کرا چکے ہیں۔ ان میں کا سب سے [illegible]ارہ تو دارالعلوم ہی ہے جس کی دھوم ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں نہیں بلکہ دنیا کے چپہ چپہ پر ہے .. [illegible]ں میں اور بھی کئی ادارے دینی اور اصلاحی خدمات انجام دینے میں مصروفِ عمل ہیں۔ منجملہ ان میں سے مدرسہ اصغریہ بھی ہے مدرسہ اصغریہ بھی ایک مشہور ترین ادارہ ہے صرف مشہور ترین ادارہ ہی نہیں [illegible]رالعلوم دیوبند کی طرح دین ہدیٰ کا بے لوث خادم بھی ہے اور عرصہ دراز سے مخصوص دائرہ میں رہکر [illegible]ت دینیہ میں لگا ہوا ہے۔

دیوبند میں رفاہی ادارے بھی متعدد ہیں۔ اب تک ان اداروں میں سب سے زیادہ شہرت مسلم فنڈ [illegible]ے میں آئی ہے اور اپنے دائرہ کار کے لحاظ سے مسلم فنڈ نے نسبتاً نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ [illegible] اعتبار سے یقیناً قابلِ قدر ہیں۔

دارالعلوم دیوبند، مدرسہ اصغریہ اور مسلم فنڈ کے علاوہ بھی دیوبند کی سرزمین اور بہت سے [illegible]ر رفاہی اداروں سے مالامال ہے۔ اور دینی و رفاہی ادارے پیدا ہونے کا سلسلہ ابھی موقوف نہیں ہے۔ سرزمین دیوبند کی زرخیزی جب تک باقی ہے یہاں شخصیات اور اداروں کی کشتِ فیوض [illegible] اسی طرح لہلہاتی رہے گی۔ اور نئے نئے پودے بھی پیدا ہوتے رہیں گے۔ خوشی اور شکر کا مقام [illegible]بھی حال ہی میں ایک ادارہ قائم ہوا ہے۔ اس ادارہ کی بنیاد خالصتہً ایثار اور عنایت پسندی کی [illegible]ر رکھی گئی ہے۔ رفاہی اداروں میں یہ شاید واحد ایسا ادارہ ہے جس کے ممبران نے ادارہ کے چندہ [illegible]خیل ہونے تک اپنی جیب خاص سے اسے تک پہنچانے کا فیصلہ کیا ہے۔ چنانچہ اس کے کل [illegible] ہوتی ہے اور اس کی ذمہ داری کو وہ بحسن

مدرسۃ البنات

مدرسۃ البنات ۱۹۵۹ء میں قائم ہوا تھا، اس مدرسہ میں مسلمان لڑکیوں کو ضروری مسائل کے ساتھ ساتھ آٹھویں کلاس تک کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ایک سو کے قریب لڑکیاں اس میں زیرِ تعلیم رہتی ہیں۔ اس کی بانیہ "پھوپھو" کے نام سے مشہور و معروف ہیں، ان کی زیرِ نگرانی کئی استانیاں درس و تدریس کی خدمات انجام دینے میں مشغول ہیں۔ مدرسۃ البنات پرائمری تعلیم کے لئے لڑکیوں کا ایک قابلِ قدر ادارہ ہے۔

تعلیم گاہِ نسواں اور مدرسۃ البنات کے علاوہ کچھ اور مدرسے بھی بچیوں کی تعلیم و تدریس کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن ان میں کا کوئی بھی مدرسہ اس کمی کو دور نہیں کرتا۔ جس کمی کا احساس ہم نے اوپر کی سطروں میں دلایا ہے، دیوبند میں ایک ایسے ادارہ کی بنیاد ڈالنا ازبسکہ ضروری ہے۔ جس میں مسلمان لڑکیوں کے لئے میزان سے بخاری شریف تک کی تعلیم کا انتظام ہو۔

خدا کا فضل و کرم سمجھئے کہ اب آکہ ادارہ خدمتِ خلق نے اس موضوع پر شدت کے ساتھ سوچنا شروع کر دیا ہے، اور اسکے پروگرام میں لڑکیوں کا ایک دارالعلوم قائم کرنے کی اسکیم بھی شامل ہے ادارۂ خدمتِ خلق کے ممبران کی نیک نیتی اور مومنانہ جدوجہد کے پیشِ نظر یہ امید کی جاسکتی ہے کہ ۱۹۸۳ء تک لڑکیوں کا ایک مثالی دارالعلوم دیوبند کی سرزمین پر قائم کر دیا جائے گا۔

تعلیم گاہِ نسواں اور مدرسۃ البنات کے علاوہ بھی لڑکیوں کو کئی گھروں میں دین و دنیا کی ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن ان مدرسوں سے بات نہیں بنتی۔ اگر بنتی ہے تو صرف اتنی کہ مسلمان بچیاں خط و کتابت کرنے اور سینے کاڑھنے کی اہل ہو جاتی ہیں۔

دین کی روح سے وہ بالکل کوری اور نااہل ہی رہتی ہیں۔ عورتوں کی ناقص تعلیم کے نتائج سامنے آئے کہ ہمارے گھر دین کی روشنی سے محروم ہیں۔ ہمارے بچے جن ماؤں کی گود میں پل رہے ہیں وہ دینِ اسلام سے بیگانہ و بے خبر ہیں۔ اور دین سے اس بیگانگی و بے خبری کا سلسلہ اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتا جب تک عورتوں میں علمِ دین کی ترویج و اشاعت نہ ہو۔ اور عورتوں میں علمِ دین کی ترویج و اشاعت وعظ و تقریر کے ذریعہ نہیں بلکہ ٹھوس اور مکمل تعلیم کے ذریعہ کی جاسکتی ہے۔

اِدارۂ خِدمتِ خلق

یوبند کی سرزمین شخصیات اور اداریے پیدا کرنے کے معاملہ میں بڑی زرخیز ثابت ہوئی ہے بے شمار
ہی ادارے یہاں قائم ہیں، اور انتہائی آن وبان اور شان وشوکت کے ساتھ خدمتِ خلق انجام
لگے ہوئے ہیں۔ بعض اداروں کا تعارف ہم گذشتہ صفحات میں کرا چکے ہیں۔ ان میں کا سب سے
دارالعلوم ہی ہے جس کی دھوم ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں نہیں بلکہ دنیا کے چپہ چپہ پر ہے ۔۔
ور بھی کئی ادارے دینی اور اصلاحی خدمات انجام دینے میں مصروفِ عمل ہیں۔ منجملہ ان میں سے
اصغریہ بھی ہے مدرسہ اصغریہ بھی ایک مشہور ترین ادارہ ہے صرف مشہور ترین ادارہ ہی نہیں
م دیوبند کی طرح دین ہدیٰ کا بے لوث خادم بھی ہے اور عرصہ دراز سے مخصوص دائرے میں رہکر
ین میں لگا ہوا ہے۔

یوبند میں رفاہی ادارے بھی متعدد ہیں۔ اب تک ان اداروں میں سب سے زیادہ شہرت مسلم فنڈ
آئی ہے اور اپنے دائرۂ کار کے لحاظ سے مسلم فنڈ نے نسبتاً نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔
یار سے یقیناً قابل قدر ہیں۔

رالعلوم دیوبند، مدرسہ اصغریہ اور مسلم فنڈ کے علاوہ بھی دیوبند کی سرزمین اور بہت سے
ہی اداروں سے مالامال ہے۔ اور دینی و رفاہی ادارے پیدا ہونے کا سلسلہ ابھی موقوف نہیں
سرزمین دیوبند کی زرخیزی جب تک باقی ہے یہاں شخصیات اور اداروں کی کشتِ فیوض و
طرح لہلہاتی رہے گی۔ اور نئے نئے پودے بھی پیدا ہوتے رہیں گے۔ خوشی اور شکر کا مقام
عال ہی میں ایک ادارہ قائم ہوا ہے۔ اس ادارہ کی بنیاد خالصتہً ایثار اور عنایت پسندی کی
گئی ہے۔ رفاہی اداروں میں یہ شاید واحد ایسا ادارہ ہے جس کے ممبران نے ادارہ کے جاندار
ہو جانے تک اپنی جیبِ خاص سے اسے کمک پہنچانے کا فیصلہ کیا ہے۔ چنانچہ اس کے کل
کی ذمہ داری ہنوز ممبران ہی کے کاندھوں پر رکھی ہوئی ہے اور اس کی ذمہ داری کو وہ بحسن

وخوبی نبھار ہے ہیں۔

یہ ادارہ خواجہ غریب نواز حضرت شاہ معین الدین چشتیؒ کی یادگار میں قائم کیا گیا ہے۔ اور متفقہ طور پر اس کا نام ادارہ خدمتِ خلق تجویز ہوا ہے۔ دیوبند کے چند ایسے مخلص نوجوانوں نے اس ادارہ کی داغ بیل ڈالی ہے۔ جو نسلی، لسانی، قومی، علاقائی، مسلکی اور مذہبی اختلافات سے بالاتر ہو کر سوچنے کے عادی ہیں۔ اور ملت کا مفاد جنھیں دنیا کی ہر متاع اور اپنے جسم کے ہر عضو سے زیادہ عزیز ہے۔

قابلِ شکر کے ساتھ قابل فخر بھی ہے یہ بات کہ ادارہ خدمتِ خلق کی جو کمیٹی تشکیل ہوئی ہے اس میں ہر نسل اور ہر لائن کے افراد موجود ہیں۔ اور مزید شکر و فخر کی بات یہ ہے کہ یہ سب آپس میں مربوط و متحد ہیں۔ اور جذبۂ ایثار ان کی فطرتوں کا خاص جز و ہے۔

ادارۂ خدمتِ خلق کی غرض وغایت بجز اس کے کچھ نہیں کہ خدمتِ خلق کے ذریعہ اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی حاصل کی جائے۔ اور ملت کو بھوک اور بھیک کے قعرِ ذلت سے کسی بھی طرح نجات دلائی جائے ادارہ خدمتِ خلق اپنے زیرِ نگرانی دس خدمتی اور رفاہی ادارے قائم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے

(۱) اولاً ایک ایسے امدادی شفاخانہ کا قیام پیشِ نظر ہے۔ جو غریب، بے کس اور بے سہارا لوگوں کا مفت علاج کرنے کی خدمت انجام دے سکے۔ دیوبند میں ہر طبقہ کے لوگ موجود ہیں، لیکن بحیثیت مجموعی یہاں غریبوں کی تعداد زیادہ ہے اور ایسے لوگوں کی تعداد تو بہت زیادہ ہے جو معیشت کی کمزوری اور اپنی بدحالی کی وجہ سے چند سکے اپنے علاج و تشخیص پر خرچ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ چنانچہ طوعاً و کرھاً بیماریوں کا طوق ان کے گلے میں پڑا رہتا ہے۔ ایسے مفلوک الحال لوگوں کے لئے امدادی شفاخانہ کی سخت ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ خدا کا فضل و کرم ہے کہ ادارہ خدمت خلق نے سب سے پہلے اس طرف توجہ مبذول کی اور اس کے مخلص اور دیانت دار ممبران کی چند روزہ بھگ دوڑ کے نتیجہ میں امدادی شفاخانہ کی بنیاد پڑ گئی۔ ادارہ کی ابتدائی زندگی بڑی کشاکش اور بحران کا شکار رہتی ہے اور بعض ادارے تو بعض غنچوں کی طرح پھول بننے سے پہلے ہی نذرِ خزاں ہو جاتے ہیں۔ قوم کا اعتماد بڑی کشمکش اور بے کراں جدوجہد کے بعد حاصل ہوتا ہے لیکن شاید ادارہ خدمتِ خلق اپنی نوعیت

کا پہلا ایسا ادارہ ہے جسے اپنی دیانت داری ثابت کرنے کے لئے ایران طوران کی باتیں بناتے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اللہ کا فضل وکرم ہے کہ ادارہ خدمت خلق کو مایوس کن جملوں کی بجائے پہلے ہی دن سے حوصلہ افزائی کی سوغات نصیب ہوئی۔ اور یہ بھی محض اللہ ہی رحمت و مہربانی ہے کہ انتظامیہ کمیٹی پر نظر ڈالنے کے بعد باشندگانِ دیوبند کا عام تاثر یہ ہے کہ یہ بیل منڈھے چڑھکر رہے گی۔

امدادی شفاخانہ کے لئے جگہ تجویز کرتے وقت ایسے مقام کو ترجیح دی گئی ہے کہ جہاں ہندو مسلم گھرانوں کا سنگم ہو، تاکہ دونوں ہی قوموں کے افراد امدادی شفاخانہ سے مساوی طور پر مستفیض ہوسکیں جس طرح ازراہِ مسلمانیت دنیا کے سارے مسلمان رشتۂ اُخوت میں بندھے ہوئے ہیں۔ بالکل اسی طرح ازراہِ انسانیت دنیا کے سارے انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور سبھی ایک سے احساسات کے حامل ہیں۔ سبھی کی رگوں میں ایک سے رنگ کا خون گردش کرتا ہے اور سب کا سلسلۂ نسب ایک ہی عورت مرد سے جاکر مل جاتا ہے۔ ادارہ خدمت خلق کے ممبران اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ امدادی شفاخانہ جیسے مشترکہ رفاہی اداروں کے ذریعہ تعصب و عناد کی ان دیواروں کو گرادیں جو گندی سیاست کے خالقین نے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان کھڑی کردی ہیں۔ اور اس دیوار کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے جب چاہے وہ ہندو اور مسلمانوں کو نفرت و تشتت کے دوزخ میں دھکیل کر سیاسی منفعت حاصل کرلیتے ہیں۔

امدادی شفاخانہ صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ دیوبند کے تمام انسانوں کے لئے قائم ہوا ہے۔ خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان، خواہ وہ سکھ ہوں یا عیسائی۔ خواہ وہ شیخ زادے ہوں یا غیر شیخ زادے خواہ وہ برہمن ہوں یا ہریجن۔ امدادی شفاخانہ سب کا اپنا ادارہ ہے اور سبھی انسانوں کو بلا تفریقِ مذہب وملت اور بلا تفریقِ حسب ونسب اس ادارے سے فائدہ اٹھانے کا استحقاق حاصل ہے۔

(۲) ادارۂ خدمت خلق کا دوسرا پروگرام یہ ہے کہ تعلیم بالغان کے سلسلہ کو عام کیا جائے — اور جہالتِ فاحشہ کے بڑھتے ہوئے سیلاب پر بند باندھا جائے۔ چنانچہ خدا کی دی ہوئی توفیق سے

ادارہ خدمت خلق کے ممبران نے محلہ بیرون کوٹلہ میں ایک نائٹ اسکول اپنی نگرانی اور سرپرستی میں لے لیا ہے، یہ اسکول تقریباً اٹھارہ سال سے جاری تھا۔ اس میں پرائمری کی تعلیم دی جاتی تھی اب ادارہ خدمت خلق نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس اسکول میں قرآن، ترجمہ قرآن، تعلیم الاسلام، تاریخ الاسلام، ابتدائی فارسی، اور جدید عربی پڑھانے کا بندوبست کیا جائے۔ اور مسلم نوجوانوں کو انگریزی اور عربی میں بات چیت کرنے کی مشق کرائی جائے۔ اللہ کا فضل ہی سمجھئے کہ بہت ہی معمولی سی کوشش سے ایسے اساتذہ کا بندوبست ہو گیا ہے جو تدریس و تمرین کی ذمہ داری کو نبھا سکیں۔

ادارہ خدمت خلق کا تیسرا پروگرام مسلم بیت المال کا قیام ہے اور مسلم بیت المال کے نام پر اکٹھی کی ہوئی رقومات کو وہ مندرجہ ذیل انداز میں خرچ کرنے کا منصوبہ بناتے ہوئے ہے ۵٪ فی صد رقومات بیواؤں پر خرچ ہوگی۔ رقم نقد نہیں دی جائے گی۔ بلکہ کسی طرح کی مشین خرید کر دی جائے گی۔ جس کے ذریعہ ایک بیوہ عورت اپنے یتیم بچوں کی کفالت کا فریضہ انجام دے سکے۔

دراصل ادارہ خدمت صرف بھوک کے مسئلہ کو حل کرنے کا خواہشمند نہیں بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ بھوک کے ساتھ ساتھ بھیک کا خاتمہ بھی ہو۔ اور بیوہ عورتیں اور یتیم بچے ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے محفوظ ہو جائیں۔

۱۰ فی صد غریبوں کے مکانات کی مرمت پر خرچ ہوگا۔

۱۵ فی صد رقم سے غریب لڑکیوں کے جہیز کا انتظام کیا جائے گا۔

دس فی صد رقم اس مدارس عربیہ پر خرچ کی جائے گی۔ جو ادارہ خدمتِ خلق کی نگرانی اور سرپرستی میں قائم ہوں۔

۲۵ فی صد رقم سے مذکورہ بالا امدادی شفاخانہ کے اخراجات پورے کئے جائیں گے۔ دس فی صد رقم فسادزدہ علاقوں اور دوسرے ضرورت مندوں کے لئے وقف رہے گی۔

خیرات و تعاون میں آئی ہوئی رقومات شخصی ضمانتوں پر اور زیورات رکھکر بطور قرض دی جائے گی اور بقیہ رقومات سے تعلیم بالغان کے سلسلہ کو جاری رکھا جائے گا۔

مارچ اپریل ستمبر

یہ ہے اس بیت المال کا اجمالی نقشہ جو ادارہ خدمت خلق کا تیسرا پروگرام ہے اور جو انشاءاللہ عنقریب شروع ہونے والا ہے۔

(۴) ادارہ خدمت خلق کا چوتھا پروگرام مسلم مسافرخانہ کا قیام ہے دیوبند میں عرصہ دراز سے مسافرخانے کی شدید ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ لیکن ابھی تک کسی ایسے مسافرخانے کا قیام عمل میں نہیں آسکا ہے۔ جو باہر سے آنے والوں کے لئے " پناہ گاہ " ثابت ہوسکے۔ دارالعلوم دیوبند کا مہمان خانہ اور مدرسہ اصغریہ کا دارالمسافرین اپنی اپنی خصوصیت اور محدودیت کی وجہ سے ایک ہی دائرے میں سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ اس لئے شدید ضرورت اس بات کی محسوس کی جارہی ہے کہ اسٹیشن روڈ پر ایک مسافرخانہ تعمیر ہوجائے تاکہ دیوبند میں آنے والے مہمان کو قیام وطعام کے معاملہ میں پریشانیوں کا شکار نہ ہونا پڑے۔

(۵) ادارہ خدمت خلق کا پانچواں پروگرام ایک عوامی دارالتفسیر کا قیام ہے۔ دیوبند کے عوام علماء کی غفلت اور بے توجہی کی وجہ سے بڑی تیزی کے ساتھ اسلام اور شریعت سے بیگانے ہوتے جارہے ہیں۔ کسی تنکے بے جان کی طرح مغربیت کے سیل رواں میں بہتے چلے جارہے ہیں، مسلم نوجوانوں کی حیثیت افسوس کے خس وخاشاک سے زیادہ نہیں انکی اصلاح اور تطہیر کے لئے اور ان کو ان کا صحیح مقام دلانے کے لئے ضروری ہے کہ انھیں خدا کے آخری پیغام سے روشناس کرایا جائے — اور اسلام وشریعت کے معاملہ میں درسِ قرآن کے ذریعہ ان کی رہنمائی کی جائے۔

(۶) ادارہ خدمتِ خلق کا چھٹا پروگرام مسلم کالونی کا قیام ہے۔ جو ذرا دیر طلب ہے۔

(۷) ادارہ خدمت خلق کا ساتواں پروگرام مسلم مارکیٹ کا قیام ہے۔ مسلمان عورتوں میں بے پردگی اور بے باکی کے جراثیم پیدا ہوجانے کی وجہ سے بڑی بڑی شرمناک قسم کے واقعات سامنے آرہے ہیں۔ دیوبند میں بدنصیبی سے ایک ایسی بھی مارکیٹ تیار ہوگئی ہے جو کسی بھی وقت " آبروئے ملت " کے حق میں سم قاتل ثابت ہوسکتی ہے — ادارہ خدمتِ خلق نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ ایک ایسی مارکیٹ قائم کرے گا۔ جس میں خرید وفروخت کی اجازت صرف عورتوں کو ہو — دکاندار عورتیں ہی ہوں —

اگر اللہ کی دی ہوئی توفیق۔ اس کے فضل وکرم اور عوام وخواص کی معاونت سے ادارہ خدمت خلق اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا تو یہ ملت کی ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔ آبرو کا مسلہ روٹی کپڑے مکان کے مسائل سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ کوئی غیرت مند مرد اس بات کو ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہیں کرسکتا کہ اس کے گھر کی عورتیں بازاروں کی زینت اور غیر مردوں کا کھلونا بنکر رہ جائیں۔ لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ مسلمانوں میں جب سے خودغرضی کی وبا عام ہوئی ہے ہر مسلمان کو صرف اپنی ہی آبرو عزیز ہے اور دوسرے کی آبرو کی مطلق پرواہ نہیں۔ جبکہ مذہب اسلام کی تعلیم وتاکید یہ ہے کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی چیز اپنے بھائی کے لئے پسند کرو۔ اور جس چیز کو اپنے لئے مکروہ خیال کرتے ہو اسے اپنے بھائی کے لئے بھی مکروہ خیال کرو۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ صرف اپنے ہی گھر کے بارے میں نہ سوچے بلکہ دوسرے مسلم گھرانوں کی بھی فکر کرے اور انھیں رسوائیوں کی پگڈنڈی پر جانے سے روکے۔ افسوس در افسوس والی بات یہ ہے کہ بدقسمتی سے مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہوگیا ہے کہ جسے اپنی ناموس کی بھی پرواہ نہیں، دوسرے تو اس کے نزدیک ہیں ہی دوسرے ایسے لوگ مسلم گھرانوں اور مسلم معاشرے کے لئے وہ مچھلی ثابت ہورہے ہیں۔ جو سارے تالاب کو بدنام کرنے کا سہرا اپنے سر باندھ لیتی ہے۔ ایسے لوگوں کی اصلاح بھی نہایت ضروری ہے۔ بہرکیف ادارہ خدمتِ خلق اس بات کا آرزومند ہے کہ بے شرمی اور حرکاتِ فاحشہ کا قلع قمع ہو اور ان چور دروازوں پر احتیاط کے کیواڑ چڑھا دیئے جائیں۔ جہاں سے بے حیائی اور بے کرداری کی ہوائیں مسلم معاشرے میں داخل ہورہی ہیں۔ اسی سلسلہ کا سب سے پہلا اقدام مسلم مارکیٹ کا قیام ہے۔ اگر خدا کی مدد سے یہ مارکیٹ قائم ہوگئی تو مسلمانوں کی عزت وناموس بڑی حد تک محفوظ ہو جائے گی۔ اور اندیشوں کے اندھیرے چھٹ جائیں گے۔

(۸) ادارہ خدمتِ خلق کا آٹھواں پروگرام ایک ایسی مسلم عدالت کا قیام ہے جس میں مسلمانوں کے آپسی جھگڑے اور داخلی مقدمات نمٹائے جائے سکیں۔ یہ ادارہ عنقریب قائم ہوجائے گا۔ اور اس ادارے کی ذمہ داریاں ان حضرات کے سپرد کی جائیں گی جو کسی ایک طبقہ اور کسی گروہ

سے تعلق نہ رکھتے ہوں۔ بلکہ مسلمانوں کے تمام طبقات اور تمام جماعتوں سے انھیں ہمدردی ہو، اور تمام مسلمانوں کا درد ان کے سینہ میں کروٹیں لیتا ہو۔

دارالقضاء کا سب سے پہلا کام اس نفرت اور غلط فہمی کو ختم کرنا ہوگا جو مناظروں اور مجادلوں کی وجہ سے مسلم معاشرے میں پھیل گئی ہے اور دن بدن اپنی گرفت مضبوط سے مضبوط تر کرتی جارہی ہے اس سلسلہ میں ہم علمائے دیوبند، علمائے بریلی، علمائے اہل حدیث، علمائے جماعت اسلامی، علمائے جمیعۃ العلماء، ارباب مسلم مجلس اور دوسری جماعتوں اور سوسائیٹیوں کے ذمہ داروں سے بات چیت کریں گے۔ اور باہمی مشترکہ تعاون سے مسلمانوں کی باہمی منافرت و مناقشت کا وجود مٹانے کی کوشش کریں گے۔ امید ہے کہ یہ مسلم عدالت ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے انتہائی سودمند ثابت ہوگی۔ اور اس کے ذریعہ مختلف جماعتوں کی دوریاں قربت میں بدل جائیں گی۔ اور انشاء اللہ ہماری منتشر طاقت ایک مرکز میں سمٹ جائے گی۔ اور مسلمانوں کی حیثیت سے ہم بآسانی اپنا لوہا منوانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

(۹) ادارہ خدمت خلق کا پروگرام ایک ایسے ادارہ کا قیام ہے جس کے ذریعہ مسلم لڑکوں لڑکیوں کے رشتے طے کرائے جاسکیں گے۔ یہ کام ملک گیر پیمانے پر ہوگا۔ اور بیاہ شادی کی حد تک ہم ہر طرح کی مساوات کو ملحوظ خاطر رکھیں گے۔ مثلاً ہماری کوشش یہ ہوگی کہ پڑھی لکھی لڑکی کی شادی پڑھے لکھے لڑکے سے اور ان پڑھ لڑکے کی شادی ان پڑھ لڑکی سے طے ہو۔ ادارہ خدمت خلق بفضل ایزدی اپنے مقصد میں کامگار ہوگیا تو بے شمار لڑکیاں ٹھکانے سے لگ جائیں گی۔ جو اپنے ماں باپ کے کاندھوں پر کوہ گراں کی حیثیت رکھتی ہیں کہ جسے کھسکانا ممکن نہ ہو۔ یہ ادارہ صرف نسبتیں طے کرانے پر اکتفا نہیں کرے گا بلکہ غریب لڑکیوں کی طرف سے شادی کے ضروری اخراجات بھی برداشت کرے گا۔ اس طرح کے ادارہ کی ضرورت تقریباً ہزار سال سے محسوس کی جارہی تھی۔ لیکن کام کی وسعت اور ہمہ گیریت کی وجہ سے کوئی بسم اللہ کرنے کی جرأت نہیں کرسکا۔ منعم حقیقی کا فضل واحسان ہے کہ اس نے ادارہ خدمت خلق کے صدر اور تمام ممبران کے قلوب میں دختران ملت...

کا درد پیدا گیا اور انھوں نے اس طرح کے ایک ادارہ کی داغ بیل ڈالنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ ادارہ کا نام فخرِ موجودات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب شریکِ حیات اور تمام مسلمانوں کی عزیز ترین ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام کا لحاظ رکھتے ہوئے "الادارۃ العائشہ" تجویز کیا گیا ہے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ اس ادارہ کو چھوٹے پیمانے پر شروع کر دیا گیا ہے قوی امید ہے کہ بہ توفیقِ خداوندی سنہ ۱۹۸۰ء کے اختتام تک یہ کام ملک گیر پیمانے پر ہونے لگے گا۔

(۱۰) ادارہ خدمتِ خلق کا دسواں پروگرام کلیتاً مضاربت کی تمام شقوں کا لحاظ رکھتے ہوئے۔ وسیع اور ہمہ گیر انداز میں علمی اور دینی کتابیں شائع کرنے کا پروگرام ہے۔

ادارہ خدمتِ خلق اپنی ذمہ داری پر معاونین کی رقومات تجارت میں لگائے گا نفع اور نقصان میں معاونین اور ادارہ خدمت خلق برابر کے شریک ہوں گے۔ اس تجارت میں رقم لگانے والے حضرات کو ایک نہیں تین طرح کے فائدے حاصل ہوں گے۔

نمبر ایک تو یہ کہ ان کا سرمایہ دن بدن بڑھے گا۔ اور جائز طریقہ سے بڑھے گا۔ دوسرا یہ کہ ان کی رقم سے علمی اور دینی کتابوں کی اشاعت عمل میں آئے گی اور ان کتابوں کی وجہ سے گمراہی کے اندھیرے جب تک چھٹیں گے ثواب صرف ادارہ خدمت خلق کو نہیں بلکہ ان حضرات کو بھی ملے گا۔ جن کی رقم کے سہارے دینی اور علمی کتابوں کی اشاعت ہوئی۔ اور تیسرا یہ کہ ادارہ خدمت خلق جیسے عظیم ترین ادارے کے تمام کارکنان کی تنخواہیں اسی رقم سے ادا کی جائیں گی۔ جو تجارت کے بعد بطور نفع ادارہ کے حصہ میں آئیں گی۔ گویا کہ ادارہ خدمت خلق کو آگے بڑھانے میں سہرا ان حضرات کے سر بھی بندھے گا جنہوں نے اپنی رقمیں دیگر اداروں کے لئے نفع حاصل کرنے کی راہیں نکالیں۔ اس طرح جب تک ادارہ خدمت خلق اور اس کی عالمی خدمات کا سلسلہ باقی رہے گا تجارت کے لئے رقم دینے والے معاونین بھی ثواب وجزا کے حقدار رہیں گے۔

ادارہ خدمت خلق کے صدر کی رائے کے بموجب ادارہ کسی ممبر کو تنخواہ زکوٰۃ و صدقات کی رقم میں سے نہیں دی جائے گی۔ مضاربت و مشارکت کی بنیادوں پر جو نفع حاصل ہوگا۔ کارکنان ادارہ

کی تنخواہیں اسی میں سے نکالی جائیں۔ اس لئے شدید ضرورت ہے۔ اس بات کی کہ ارباب خیر حضرات اپنی رقومات سے ادارہ خدمت خلق کی پشت پناہی کریں۔ اس طرح وہ دنیا میں اپنے سرمایہ کو جائز طریقے سے بڑھانے میں بھی کامیاب ہوں گے اور آخرت کی سعادتیں بھی ان کے دامن میں سونی صد سمٹ آئیں گی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ادارہ کے عہدہ داروں کے اسمائے گرامی کھول کر ان کا مختصر تعارف کرا دیا جائے ۔ ادارہ کی پہلی میٹنگ میں متفقہ طور پر راقم الحروف کو صدارت کی ذمہ داریاں تفویض کی گئی تھیں ۔ میں اس بارے میں اس سے زیادہ کچھ کہہ نہیں سکتا کہ ادارہ خدمت خلق کی انتظامیہ کمیٹی نے جس وقت یہ ذمہ داریاں میرے کاندھوں پر رکھیں میں قطعاً نااہل تھا۔ اور تادم تحریر بھی نااہل اور ناکارہ ہی ہوں ۔ میں نے عذر پیش کیا۔ لیکن اس کی شنوائی نہیں ہوئی ۔ کافی دیر کی عذر خواہی اور انتظامیہ کے اصرار اور دباؤ کے بعد مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے ۔ میں نے انتظامیہ کمیٹی کے ممبران کو اپنا بڑا سمجھتے ہوئے ان کے حکم کے سامنے سر نیاز خم کر دیا۔ ممکن ہے کہ اس فرمانبرداری کی مکافات اور خواجہ معین الدین چشتی ؒ جیسے اکابرین امت کے صدقے میں میرے اندر اہلیت پیدا ہو جائے اور میں خواہ مخواہ جیسا محسوس کیا گیا ہوں حقیقتاً ایسا ہی معلوم بھی ہونے لگوں۔

بہرکیف ممبرانِ ادارہ کی ذرہ نوازی ہے کہ انھوں نے مجھے کسی لائق سمجھا ورنہ من آنم کہ من دانم۔ پروردگار سے دعا ہے کہ وہ انتظامیہ کے حسن ظن کی لاج رکھے اور خادم ادارہ کے حق میں خادم بے کار نہیں بلکہ "خادم حسن" ثابت ہو، ادارہ خدمتِ خلق کے نائب صدر ہیں دیوبند کے مشہور و معروف اور ہردلعزیز نوجوان جناب ڈاکٹر شکیل احمد صاحب۔

موصوف رفاہی کاموں میں بے حد دلچسپی لیتے ہیں۔ اور مسلمہ دیانتداری اور اخلاص مندی کے ساتھ قوم و ملت کی کئی خدمتیں انجام دے چکے ہیں۔ انشاء اللہ ادارہ خدمت خلق موصوف

(مولانا) حسن احمد صدیقی فاضل دارالعلوم دیوبند

کا رو پیدا گیا اور انھوں نے اس طرح کے ایک ادارہ کی داغ بیل ڈالنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اور ادارہ کا نام فخرِ موجودات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب شریک حیات اور تمام مسلمانوں کی عزیز ترین ماں حضرت عائشہ رض کے نام کا لحاظ رکھتے ہوئے "الادارۃ العائشہ" تجویز کیا گیا ہے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ اس ادارہ کو چھوٹے پیمانے پر شروع کر دیا گیا ہے قوی امید ہے کہ بہ توفیقِ خداوندی ۱۹۸۰ء کے اختتام تک یہ کام ملک گیر پیمانے پر ہونے لگے گا۔

(۱۰) ادارہ خدمتِ خلق کا دسواں پروگرام کلیتاً مضاربت کی تمام شقوں کا لحاظ رکھتے ہوئے۔ وسیع اور ہمہ گیر انداز میں علمی اور دینی کتابیں شائع کرنے کا پروگرام ہے۔

ادارہ خدمتِ خلق اپنی ذمہ داری پر معاونین کی رقومات تجارت میں لگائے گا نفع اور نقصان میں معاونین اور ادارہ خدمت خلق برابر کے شریک ہوں گے۔ اس تجارت میں رقم لگانے والے حضرات کو ایک نہیں تین طرح کے فائدے حاصل ہوں گے۔

نمبر ایک تو یہ کہ ان کا سرمایہ دن بدن بڑھے گا۔ اور جائز طریقہ سے بڑھے گا۔ دوسرا یہ کہ ان کی رقم سے علمی اور دینی کتابوں کی اشاعت عمل میں آئے گی اور ان کتابوں کی وجہ سے گمراہی کے اندھیرے جب تک چھٹیں گے ثواب صرف ادارہ خدمت خلق کو نہیں بلکہ ان حضرات کو بھی ملے گا۔ جن کی رقم کے سہارے دینی اور علمی کتابوں کی اشاعت ہوئی۔ اور تیسرا یہ کہ ادارہ خدمت خلق جیسے عظیم ترین ادارے کے تمام کارکنان کی تنخواہیں اسی رقم سے ادا کی جائیں گی۔ جو تجارت کے بعد بطور نفع ادارہ کے حصہ میں آئیں گی۔ گویا کہ ادارہ خدمت خلق کو آگے بڑھانے میں سہرا ان حضرات کے سر بھی بندھے گا جنہوں نے اپنی رقمیں دیگر اداروں کے لئے نفع حاصل کرنے کی راہیں نکالیں۔ اس طرح جب تک ادارہ خدمت خلق اور اس کی عالمی خدمات کا سلسلہ باقی رہے گا تجارت کے لئے رقم دینے والے معاونین بھی ثواب و جزا کے حقدار رہیں گے۔

ادارہ خدمت خلق کے صدر کی رائے کے بموجب ادارہ کسی ممبر کو تنخواہ زکوٰۃ و صدقات کی رقم میں سے نہیں دی جائے گی۔ مضاربت و مشارکت کی بنیادوں پر جو نفع حاصل ہوگا۔ کارکنان اد

کی تنخواہیں اسی میں سے نکالی جائیں۔ اس لئے شدید ضرورت ہے۔ اس بات کی کہ ارباب خیر حضرات اپنی رقومات سے ادارہ خدمت خلق کی پشت پناہی کریں۔ اس طرح وہ دنیا میں اپنے سرمایہ کو جائز طریقے سے بڑھانے میں بھی کامیاب ہوں گے اور آخرت کی سعادتیں بھی ان کے دامن میں سونی صد سمٹ آئیں گی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ادارہ کے عہدہ داروں کے اسمائے گرامی کھول کر ان کا مختصر تعارف کرا دیا جائے۔ ادارہ کی پہلی میٹنگ میں متفقہ طور پر راقم الحروف کو صدارت کی ذمہ داریاں تفویض کی گئی تھیں۔ میں اس بارے میں اس سے زیادہ کچھ کہہ نہیں سکتا کہ ادارہ خدمت خلق کی انتظامیہ کمیٹی نے جس وقت یہ ذمہ داریاں میرے کاندھوں پر رکھیں میں قطعاً نااہل تھا۔ اور تادم تحریر بھی نااہل اور ناکارہ ہی ہوں۔ میں نے عذر پیش کیا۔ لیکن اس کی شنوائی نہیں ہوئی۔ کافی دیر کی عذر خواہی اور انتظامیہ کے اصرار اور دباؤ کے بعد مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ میں نے انتظامیہ کمیٹی کے ممبران کو اپنا بڑا سمجھتے ہوئے ان کے حکم کے سامنے سر نیاز خم کر دیا۔ ممکن ہے کہ اس فرمانبرداری کی مکافات اور خواجہ معین الدین چشتیؒ جیسے اکابرین امت کے صدقہ میں میرے اندر اہلیت پیدا ہو جائے اور میں خواہ مخواہ جیسا محسوس کیا گیا ہوں حقیقتاً ایسا ہی معلوم بھی ہونے لگوں۔

بہرکیف ممبران ادارہ کی ذرہ نوازی ہے کہ انھوں نے مجھے کسی لائق سمجھا ورنہ من آنم کہ من دانم۔ پروردگار سے دعاء ہے کہ وہ انتظامیہ کے حسن ظن کی لاج رکھے اور خادم ادارہ کے حق میں خادم بے کار نہیں بلکہ "خادم حسن" ثابت ہو، ادارہ خدمت خلق کے نائب صدر ہیں دیوبند کے مشہور و معروف اور ہر دلعزیز نوجوان جناب ڈاکٹر شکیل احمد صاحب۔

موصوف رفاہی کاموں میں بے حد دلچسپی لیتے ہیں۔ اور مسلمہ دیانتداری اور راخلاص مندی کے ساتھ قوم و ملت کی کئی خدمتیں انجام دے چکے ہیں۔ انشاء اللہ ادارہ خدمت خلق موصوف

مولانا، حسین احمد صدیقی فاضل دارالعلوم دیوبند

کی جد و جہد کی وجہ سے شکیل و جمیل بن کر نمایاں ہوگا۔ ادارہ کے جنرل سکریٹری ہیں اقبال صابری۔
اقبال صابری ملک گیر نہیں۔ بلکہ عالمگیری شہرت کے مالک ہیں۔ غزل خوانی میں ان کا مقام نمایاں ہے اور نعت شریف پڑھنے کا تو انھیں حق ہے۔ دیوبند میں رہ کر انھوں نے جس خوش اسلوبی اور سلیقہ مندی کے ساتھ غزل خوانی اور نعت خوانی میں اعلیٰ مقام اور پائیدار شہرت حاصل کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

اقبال صابری صرف فنکار ہی نہیں۔ ہمدرد اور دردمند بھی ہیں۔ غریب پروری کا جذبہ انھیں قدرت کی طرف سے وافر مقدار میں ملا ہے۔ اور اسی جذبہ کا اظہار کرنے کیلئے انھوں نے ادارہ خدمت خلق کی بنیادیں مضبوط کرنے کی ٹھانی ہے۔ یقین ہے کہ اقبال صاحب کی وجہ سے ادارہ کو فیروزمندی اور بلند اقبالی کی دولت نصیب ہوگی۔

ادارہ خدمتِ خلق کے معتمدِ اعلیٰ ہیں۔ صوفی محمود حسن صاحب انصاری موصوف سیاست اور فریب کاری کے دور پرفتن میں ایک سیدھے سادے مسلمان ہیں۔ اور مدت سے اس بات کے خواہش مند ہیں کہ مسلم گھرانوں سے جہالت کے اندھیرے چھٹ جائیں۔ اور علم و معرفت کی چاندنی گھر گھر میں بکھر جائے۔ انھوں نے اپنے اس گراں قدر جذبے کا اظہار آج سے اٹھارہ سال قبل ایک پرائمری اسکول کی بنیاد رکھکر کیا تھا۔ جو بدستور جاری ہے۔ ادارہ خدمتِ خلق کی انتظامیہ نے انتہائی اعتماد کے ساتھ انھیں ادارہ کا معتمدِ اعلیٰ تسلیم کیا ہے۔ امید ہے کہ صدر انتظامیہ کا اعتماد بحال رہے گا اور صوفی محمود حسن صاحب ادارہ کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں ہر ہر قدم پر اخلاص و ایثار کا مظاہرہ کریں گے۔ امید ہے کہ ان کی خدمات کی وجہ سے ادارہ کو مقبولیت و محمودیت کا مقام حاصل ہوگا

ادارہ خدمتِ خلق کے خازن ہیں عالی جناب عبدالسلام صاحب موصوف انتہائی دیانتدار اور مخلص محض قسم کے مسلمان ہیں۔ ان کی نمایاں خوبی خدمتِ خلق کا جذبہ ہے اور اسی جذبے سے مجبور ہو کر انھوں نے ادارہ خدمتِ خلق کی رکنیت اور بعد میں خزانچی کا منصب قبول کیا۔ صدرِ ادارہ اور ممبرانِ انتظامیہ اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ عبدالسلام صاحب کی موجودگی میں ادارہ

فلاح وسلامتی سے بہرہ ور رہے گا۔

ادارہ خدمتِ خلق کے نائب سکریٹری ہیں۔ حافظ رضوان احمد صاحب۔ موصوف ایک صالح اور ہونہار نوجوان ہیں۔ رفاہی اور خدمتی کاموں سے بے حد دلچسپی رکھتے ہیں۔ صالحیت اور دیانت داری کی وجہ سے دیوبند میں انھیں ایک خاص نوع کی مقبولیت حاصل ہے ان کی معاونت ادارہ خدمت خلق کے لئے مفید ہی نہیں مفید ترین ثابت ہوگی۔ انشاء اللہ العزیز حافظ رضوان کی رفاقت کی وجہ سے ادارہ خدمت خلق بہت سرعت کے ساتھ رضوان وخوشنودی کی منزلیں طے کرے گا۔

ادارہ خدمت خلق چونکہ ایک ہمہ گیر ادارہ ہے اس لئے اس کے مختلف شعبہ جات ہیں اور ہر شعبہ ایک عہدہ دار کے ماتحت اپنے فرائض انجام دے رہا ہے۔ عہدہ داروں کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ مولانا سرور احمد صاحب عثمانی مدرس دارالعلوم دیوبند، مولانا نیاز الدین اصلاحی صاحب ایڈیٹر ماہنامہ توحید، مولانا فیض الحسن صاحب انصاری، حافظ خورشید احمد صاحب انصاری، مولانا سرور احمد صاحب بچپن ہی سے صالح فطرت کے حامل ہیں۔ دین وملت کے بارے خیر خواہانہ انداز میں سوچنا ان کی عادتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ پاکیزہ اور متبارک قسم کے فکرو اختیال نے انھیں ادارہ خدمتِ خلق سے وابستہ کیا۔ ان کے بارے میں ادارہ کا حسنِ ظن یہ ہے کہ وہ دین اسلام اور امتِ مسلمہ کے حق میں انشاء اللہ ایک '' روشن چراغ '' ثابت ہوں گے اور ان کی موجودگی میں ادارہ سرور واطمینان کی دولتوں سے مالامال رہے۔

مولانا نیاز الدین اصلاحی صاحب۔ تدوین وتشریع کی گراں قدر دولت سے بہرہ ور ہیں۔ دیوبند کے تاجرانِ کتب میں انھیں دیانت داری کی وجہ سے خصوصیت کا مقام حاصل ہے۔ صالح جذبے کے ساتھ انھوں نے ادارہ کی رکنیت قبول کی ہے اس لئے یقین ہے کہ مولینا نیاز الدین اصلاحی صاحب کی صحبتوں سے ادارہ کے ہر ممبر کے دل میں دنیا اور دنیاداری سے بےنیازی پیدا ہوگی۔ اور موصوف کی مومنانہ کوششوں کی وجہ سے اصلاحی کام انتہائی خوش اسلوبی

اور کامرانی کے ساتھ انجام پذیر ہوں گے۔

مولانا فیض الحسن صاحب انصاری۔ ایک محنتی اور سمجھدار نوجوان ہیں۔ انھوں نے ادارہ خدمت خلق کی رکنیت محض خدمت خلق کی نیت سے قبول کی ہے۔ امید ہے کہ ان کی محنت اور لگن کی وجہ سے ادارہ متنوع قسم کے ثمرات و نتائج سے فیضیاب ہوگا۔

حافظ خورشید حسن صاحب انصاری۔ ایک مخلص اور باشعور نوجوان ہیں۔ اور خدمت کرنیکا جذبہ رکھتے ہیں۔ ایک مدت سے ایسے ادارہ کے متلاشی تھے جو خالصتہً غریبوں اور بے بسوں کی امداد کے لئے قائم ہوا ہو۔ انھوں نے ادارہ خدمتِ خلق کی تشکیل کے بارے میں سنا تو کشاں کشاں چلے آئے۔ اور ادارہ کے بنیادی پتھروں میں شامل ہو گئے۔ خدا کرے اس خورشید کی خادمانہ تابانیوں سے بے کس اور مجبور لوگوں کے جھونپڑے جگ مگا اٹھیں۔

یہ ہیں وہ دس افراد جنہوں نے ادارہ خدمتِ خلق کے ذریعہ کل انسانوں کی خدمت کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے ان دس بندوں کو صراطِ مستقیم۔ اور راہِ دیانت پر قائم رکھے۔ ان کے عزائم میں پختگی اور استحکام پیدا کرے۔ اور انھیں خدمتِ خلق کی مزید توفیق بخشے۔ کیوں کہ

اللہ اگر توفیق نہ دے
انسان کے بس کا کام نہیں

❖

حسن احمد صدیقی

بابائے دیوبند — مولانا عثمان صاحب

ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کو انکی اردو خدمات پر" بابائے اُردو" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ نو جانشین شیخ الہند حضرت مولانا محمد عثمان صاحب کو دیوبند کی ضروری اور زرین خدمات کے صلہ میں" بابائے دیوبند" کے خطاب سے نوازا جاتا ہے مولانا عبدالماجدؒ دریاآبادی سے چند الفاظ مستعار لیئے جائیں تو کہا جاسکتا ہے کہ

سالہا سال ایک محبوبہ دل نواز کی چاہت میں گذار دیئے۔ اور زندگی اس پر تج دی دن رات اس کے فراق میں گرفتار نہ یہاں قیام نہ وہاں قرار۔ محبوبہ کا نام ہے" دیوبند" اور اس پر دل دینے والے کا نام محمد عثمان۔ مولانا محمد عثمان نے جتنی گہری اور جتنی وسیع خدمات دیوبند کی کیں۔ اگر اس کا جائزہ لینے پر آیئے تو خود ایک عمر فارغ البال اور برسوں کی مشقت کی ضرورت ہے۔

دوستوں بلکہ دشمنوں تک کا کام آنے والا غیر اور اجنبیوں کو نفع پہونچانے والا، بے غرض خدمت گذاری کا پتلہ خدمتِ خلق کو ہی اپنا مذہب بنانے والا کوئی شریف انسان محمد عثمان سا کم ہی دیکھنے میں آیا ہے۔

دیوبند کی گلی گلی میں سڑک، روشنی، صفائی، واٹر ورکس، فلش سسٹم حسن تمدن، قومی اتحاد اتفاق بہت کچھ مولانا ہی کی دین ہے مجھے یقین ہے کہ اگر دیوبند کے ذروں کو زبان مل جائے تو وہ مولانا محمد عثمان کی تاریخی خدمات کی شہادت دیں گے۔

دیوبند میں مشہور زمیندار گھرانے کا چشم و چراغ مولوی محمد حنیف، ہیڈ مولوی گورنمنٹ اسکول کی سعادت اور خوش قسمتی ہی تھی کہ ان سے سپہ سالار حریت اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ

کی سب سے بڑی صاحبزادی " ام ہانی " کی شادی ہوئی اور ان کے مبارک گھر سے حافظ محمد حیات اور مولوی محمد عثمان جیسے چندے ماہتاب و آفتاب پیدا ہوئے۔

ام ہانی حضرت شیخ الہندؒ کی صاحبزادی ہی نہیں بلکہ ان کے گھر کی . . . منتظم بھی تھیں۔ اور شیخ الہندؒ ان سے نہایت درجہ محبت کرتے تھے۔ مولانا محمد عثمان ابھی گود ہی میں تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ نانی صاحبہ نے پرورش کی اور شیخ الہندؒ کی شفقت کے سائے میں پروان چڑھے۔ اور ہوش وحواس کی منزل میں قدم رکھا تو اپنے گھر سے لیکر باہر تک شیخ الہندؒ کی سیاسی تحریک کا جلوہ دیکھا، حافظنا مدار صاحب سے ابتدار کی تعلیم حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند میں فارسی پڑھی۔ اور مدرسہ عبدالرب دہلی سے فراغت پائی یہ سب کچھ بھی شیخ الہند کی ہدایت پر ہوا۔ ورنہ ان کے والد انھیں انگریزی پڑھوانا چاہتے تھے۔

۱۹۱۵ء میں جب حضرت شیخ الہندؒ مالٹا میں گرفتار ہوئے اس وقت مولانا محمد عثمان صرف ایک طالب علم تھے۔ اور ایسے خوش قسمت طالب علم کہ جس کے حالات شیخ الہندؒ مالٹا سے اپنے خط میں دریافت کرتے رہتے تھے۔ اس وقت ان کے سیاسی حالات بھی قابلِ رحم اور پیچیدہ تھے کہ والد اور چچا قاضی مسعود جیل میں تھے اور حضرت شیخ الہندؒ کے شاگردوں نے بھی حالات کے دباؤ میں ان کے گھر سے توجہ ہٹالی تھی۔

۱۹۳۰ء میں گاندھی جی کی " نمک ستیہ گرہ " نے سیاسی زندگی میں عملی قدم رکھا۔ انفرادی ستیہ گرہ کے موقعہ پر کانگریس کمیٹی کے سکریٹری کی حیثیت سے جیل تک جانے کی کوشش کی۔ مگر پارٹی سے اجازت نہ مل سکی۔ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کے نعرۂ پاکستان کے خلاف کام کیا ۱۹۴۲ء میں کوئیٹ انڈیا۔ (ہندوستان چھوڑو) تحریک میں خفیہ طور پر سربراہی کی۔ ۱۹۴۵ء میں مرکزی اسمبلی کے الیکشن میں لیاقت علی خاں وزیراعظم پاکستان کے خلاف مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے امیدوار محمد احمد کاظمی کی حمایت کی جنہیں کانگریس کے امیدوار کی جگہ کھڑا کیا گیا تھا۔ ۱۹۴۶ء میں صوبائی اسمبلی الیکشن میں قیام پاکستان کی مخالفت میں دیوبند سے سارے ملک میں ورک کے لئے طلباء اور عوام کی جماعتیں روانہ کیں اور سیاسی حلقہ

سے کانگریسی امیدوار (مولوی زاہد حسن) کو اپنی حمایت سے مسلم لیگ کے امیدواروں کے مقابلہ میں کامیاب کرایا۔
۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کا سیلاب روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مگر ناکامی ہوئی اور ناکامی کے بعد کسٹوڈین کی زیادتیوں کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ سیاسی خدمت کے اس نازک موڑ پر بھی مولوی صاحب نے لائسنسنگ کمیٹی میں کام ہی نہیں کیا بلکہ نام کیا سوت کے کوٹہ میں کمی کر کے انصاریوں کو جس بحران میں مبتلا کر دیا گیا تھا اس کا جائز حق دلانے میں آپ نے زبردست رول ادا کیا۔
شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ مولوی صاحب کو اپنے خصوصی معتمد اور قابل ترین شاگردوں میں شمار کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۵۳ء میں دیوبند میونسپل بورڈ کے انتخاب کے سلسلے میں حضرت مدنیؒ نے پہلے شیخ الادب مولانا اعجاز علیؒ صاحب سے استخارہ کرایا اور ان کی رائے کے بعد مولانا کے انکار کے باوجود اصرار کر کے کھڑا کر دیا بس یہی سیاسی پیش قدمی کی بسم اللہ تھی جس کے بعد مسلسل پچیس برسوں تک اکثر بلا مقابلہ اور کبھی بھاری اکثریت سے چیرمین منتخب ہوتے رہے اور اپنے دور اقتدار میں دیوبند کی اتنی خدمت کی کہ عوام کے دلوں کی دھڑکن بن گئے ۱۹۷۷ء میں جنتا انقلاب نے آپ کو اور اونچی اور وسیع خدمت کا موقعہ دیا اور آپ اترپردیش اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے۔ مرحوم صدر جمہوریہ مسٹر فخرالدین علی احمد، وزیر اعظم چرن سنگھ، مرکزی وزیر مسٹر بھوگنا، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب جیسے دانشوروں نے آپکی خدمات کی تحسین کی۔
حق گوئی اور بے باکی کو آپ نے ہمیشہ اپنا شیوہ بنائے رکھا۔ اور بسا اوقات اس کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۱ء تک ایک کیس میں آپ کو الجھائے رکھا گیا مگر بالآخر ہائی کورٹ سے باعزت بری ہوئے بس یہی ہے دیوبند کی جان مولانا محمد عثمانی جنہیں پندرہ برسوں سے میں بہت قریب سے جانتا ہوں انکی سیاست کا لوہا مانتا ہوں انہیں عزم و ارادہ کا فولادی انسان گردانتا ہوں، ان برسوں میں کتنے انقلابات آئے کتنی تبدیلیاں دیکھیں۔ کئی حکومتوں کو بنتے بگڑتے دیکھا لیکن محمد عثمان کو انقلابی انسان ہونے کے باوجود آج تک بدلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ صحیح سیاست۔ خدمت کا نام ہے اور یہ نہ تو جامد چیز ہے اور نہ اس کا ایک ہی مستقر ہے۔ اس لئے اگر انہوں نے سیاسی ... باقی

دارالعلوم کی عالمگیر دعوت

اور تعلیمی تحریک

دارالعلوم دیوبند ایشیا کے مسلمانوں کی ایک عظیم مرکزی اور دینی درس گاہ ہے، جو ایک سو چودہ سال سے زیادہ مدت سے تفسیر و حدیث فقہ و کلام اور تہذیب و اخلاق وغیرہ علومِ دینیہ کے احیاء اور ترقی کی زبردست خدمت انجام دے رہی ہے۔

ہندوستان میں مغل سلطنت کے زوال کے بعد جب انگریزوں نے اپنے سیاسی مصالح کے پیشِ نظر اسلامی علوم و فنون کی قدیم درس گاہوں کو یکسر ختم کر دیا تھا، اس وقت نہ صرف اسلامی علوم و فنون اور اسلامی تہذیب کے بقاء کے لئے بلکہ خود مسلمانوں کو مسلمان رکھنے کے لئے ضرورت تھی کہ عظیم بنیادوں پر ایک عظیم درس گاہ قائم کی جائے، جو ہندوستان کے مسلمانوں کو الحاد اور بے دینی کے فتنۂ عظیم سے محفوظ رکھ سکے، اس وقت اسلام کے تحفظ کی تمام تر ذمہ داری علمائے کرام پر تھی، ہندوستان کی سرزمین شاہد ہے کہ علمائے کرام نے بروقت اپنا فرض انجام دینے میں کوتاہی نہیں کی۔

اور اگر فضلائے دیوبند کے قائم کردہ ہزاروں مدارس کے فضلاء و مستفیدین کو بھی بالواسطہ دارالعلوم ہی کا فاضل گنا جائے اور واقعۃً وہ فضلاء دیوبند ہیں بھی، تو اس طرح فضلاء و مستفیدین دارالعلوم کی تعداد لاکھوں تک پہونچ جاتی ہے، جن کے ذریعے سے دارالعلوم دیوبند کا علمی و دینی فیضان اب تک کروڑوں لوگوں تک پہنچ چکا ہے۔

فضلائے دارالعلوم کی کارکردگی

ان فضلائے دارالعلوم نے اپنے اپنے وقت میں اپنے اپنے مذاق اور رنگ سے دین کے کسی نہ کسی شعبے میں شخصی یا اجتماعی حیثیت سے جو کام کیا یا کر رہے ہیں ذیل کے نقشے سے یہ معلوم ہوگا کہ دارالعلوم دیوبند نے بحیثیت تعلیم گاہ ہونے کے ہمہ نوع کے ایسے فضلاء پیدا کئے ہیں، جنھوں نے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں کام کیا ہے، فضلائے دارالعلوم کے ان اعداد و شمار سے اندازہ ہوگا کہ ابنائے قدیم دارالعلوم نے کون کون سی خدمات انجام دی ہیں یہ اعداد و شمار کارکردگی کے لحاظ سے ہیں، یعنی اگر ایک شخص نے پانچ یا چھ کام کئے ہیں تو ہر کام میں اس کا نام شمار کیا گیا ہے، یہ اعداد و شمار سنِ آغاز دارالعلوم ۱۲۸۳ھ سے ۱۳۸۳ھ تک صرف گذشتہ سو سال کے ہیں:۔

۱۲۸۳ھ سے ۱۳۸۳ھ تک سو سال کے عرصے میں دارالعلوم دیوبند نے ۵۳۶ مشائخ طریقت پیدا کئے

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۵۸۸۸	مدرسین ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۱۶۴	مصنفین ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۷۸۴	مفتی ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۵۴۰	مناظر ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۶۸۴	صحافی ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۴۲۸۸	خطیب و مبلغ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲۸۸	طبیب ۔ ۔

۱۲۸۳ھ سے ۱۳۸۳ھ تک سو سال کے عرصے میں

دار العلوم کے ۴۸۷ فضلاء صنعت و حرفت جنہوں نے تجارت کے ساتھ دینی خدمات بھی انجام دی ہیں۔

ابنائے قدیم دار العلوم نے ۸۹۳۶ مدارس و مکاتب قائم کئے۔[1]

مذکورہ بالا خدمات میں جن حضرات نے اونچے درجے کا مقام حاصل کیا ان کی تعداد یہ ہے:۔[2]

اعلیٰ درجے کے معلّمین مدرسین		۴۸۴
″ ″	مصنفین	۲۷۶
″ ″	مفتی	۱۶۴
″ ″	مناظر	۱۱۲
″ ″	صحافی	۱۰۸
″ ″	خطیب و مبلّغ	۲۸۸
″ ″	طبیب	۱۶۴

غرض کہ دار العلوم دیوبند نے اپنے فضلاء کرام کا ایک ایسا گلدستہ تیار کیا ہے جس میں رنگ برنگ کے پھول اپنی عطر بیزی سے مشامِ جان کو فرحت و انبساط کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں، اس حقیقت سے کون واقف نہیں کہ طالبانِ علم ہی کسی قوم کی توانائی کا اصل خزانہ ہوتے ہیں، مسلمانوں میں ہونہار نوجوانوں کی کمی نہیں ہے لیکن آج ایسے بے شمار نوجوان اور بچے موجود ہیں جو تعلیم کا شوق تو رکھتے ہیں مگر ان کی راہ میں مالی پریشانیاں حائل ہیں، وہ چلنا چاہتے ہیں مگر چل نہیں سکتے، آگے بڑھنا چاہتے ہیں مگر بڑھ نہیں سکتے۔

[1] و [2] دار العلوم دیوبند کی سو سالہ زندگی ص ۸۲۔ اس سلسلے کے ۱۳۸۳ھ سے اب تک کے فضلائے دار العلوم کی کارکردگی کے اعداد و شمار مہیا کئے جا رہے ہیں۔

عمر فاروق عثمانی عاصم سلہ

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ کے برادر زادے اور مولانا عامر عثمانی رح کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ کی تاریخ پیدائش یکم مارچ ۱۹۲۶ء ہے۔ گویا کہ زندگی کی ۴۵ بہاروں کو خیرباد کہہ چکے ہیں۔ بچپن ہی سے شعر و شاعری کا ذوق ہے جس خاندان میں آنکھ کھولی تھی وہ خاندان علم و ادب کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا — مولانا شبیر احمد عثمانی رح اور مولانا یعقوب الرحمن جیسی باکمال ہستیاں اس خاندان میں شامل تھیں۔

عمر فاروق صاحب ایک ذہین اور باصلاحیت انسان ہیں۔ ذہنی طور پر آپ مسلم لیگی ہیں اور کسی زمانہ میں مسلم لیگ کے معتمد بھی رہ چکے ہیں۔ ان دنوں موصوف دیوبند کی طبّی سوسائٹی کے خازن ہیں۔ آپ کا شمار شہر کے اچھے شاعروں میں ہوتا ہے۔ مقامی نشستوں میں بطورِ خاص اُن کا کلام سُنا جاتا ہے۔ چند اچھے شعر نوکِ قلم پر آنے کے لئے بے تاب ہیں۔

اب تو آئینہ بھی دیکھے ہے تحیّر سے مجھے
بھولنے والے کو پہچان رہا ہو... جیسے

زبان زخم کے بدلے سکون بخشے گی
اگر بدل دو ذرا طرزِ گفتگو یارو!

سیاہ شب ہے مسلّط فضائے عالم پر
کہاں سے لاؤں اُجالے ترے مکاں کیلئے

آپ راقم الحروف (حسن احمد صدیقی) کے بہنوئی بھی ہیں۔ صرف بہنوئی ہی نہیں بلکہ محسن و مربّی بھی ہیں۔ ۱۹۵۸ء میں والدین کی وفات کے بعد مولانا عامر عثمانی رح کی ہمدردیاں اور موصوف کی سرپرستی اگر میسّر نہ آتی تو زندگی کے منتشر ہو جانے کا خطرہ تھا۔ مولانا عامر عثمانی رح کی شفقت اور عمر فاروق صاحب کی محبت نے قدم قدم پر سہارے دیئے اور زندگی کو جینے کا شعور بخشا۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف اُن کا ممنون و مشکور رہے گا۔

ماضی کی ہر اک تلخ حقیقت کو بُھلا دو
سوچو گے تو سینہ کی جلن اور بڑھے گی

تم ہی بتاؤ کہ اب کیا جواب دُوں اُسکو
زمانہ مجھ سے تمہارا جواب مانگے ہے

علم و ہنر نے روز جلائے نئے چراغ
چھائی ہوئی دلوں پہ مگر تیرگی رہی

وقت نے جن کو صداقت کا امیں سمجھا تھا
بِک گئے آج وہ کردار اسے کیا کہیئے

تفصیل کا موقعہ نہیں ورنہ اس طرح کے اور بھی بہت سے اچھے اور قابلِ تحسین اشعار عاصم صاحب کی بیاض میں موجود ہیں۔ کتابوں کی تجارت آپ کا ذریعۂ معاش ہے اور خرید و فروخت کے معاملہ میں آپ دیوبند کے سب سے زیادہ کامیاب اور متأثر کن تاجر ہیں۔

دیوبند کے چند قابلِ ذکر شعراء کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

شاہ نواز، عبداللہ راہی، عبدالسلام صاحب سلام، بھول چند پھول، شاہ باز، غالب اختر عمر، اقبال صابری مولانا قمر عثمانی وغیرہ۔

ان حضرات کی وجہ سے دیوبند کی ادبی اور شعری نشستوں کا دم خم باقی ہے۔

ایک صحافی ادیب اور سماجی کارکن
اظہر صدیقی

جناب اظہر صدیقی اس خاندان کے فرد ہیں جس میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہٗ کا نام نامی روشن و تابندہ ہے۔

ایک شاعر، ادیب، اخبار نویس سماجی کارکن اور مخلص ترین انسان کی حیثیت سے وہ اپنے حلقۂ تعارف میں قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں مختلف اخباروں خصوصی نامہ نگار رہے ہیں اور پندرہ روزہ دیوبند ٹائمز کے بانی ہیں اور اس اخبار کو تن تنہا جس حسن خوبی تنوع سے دو سال تک اظہر صاحب نے ایڈٹ کیا اس سے ان کی صلاحیتوں کا بڑا اچھا اندازہ ہوا۔ ان کے اور اپنے سیاسی تجزیے اور سیٹینگ ایک خاص رچاؤ اور جاذبیت لئے ہوئے تھی۔ دیوبند ٹائمز کے بعد اظہر صدیقی نے لندن کے ماہنامہ "فاران" کو دیوبند میں بیٹھکر ایڈٹ کیا دیکھا جاتا اور محسوس کیا جاتا تھا کہ فاران کا اداریہ تبصرے اور تمام مضامین کی ترتیب و کتابت میں کس سلیقہ اور محنت کا مظاہرہ کرتے تھے اور کس خلوص و جذبۂ فراواں کیساتھ اس دینی و مذہبی ماہنامہ کو مرتب کرتے تھے اور یہ سارا کام وہ اعزازی طور سے انجام دیتے تھے اسی طرح رام پور کے "قومی جنگ ڈیلی" کے لیڈنگ آرٹیکل ایک عرصہ تک لکھتے رہے اور ارباب نظر سے اپنے زور بیان اور بصیرت مندی کیلئے خراج تحسین وصول کرتے رہے۔ دار العلوم دیوبند کے تعارف میں ایک کتاب — دار العلوم — مشاہیر عالم کی نظر میں" لکھی ہے جسکے اسلوب نگارش مواد اور ترتیب کے سلسلے میں حکیم الاسلام مولانا محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ کوئی تاریخ نہیں ہے بلکہ ایک مختصر تعارفی خاکہ ہے جسکو عزیز محترم محمد اظہر صدیقی سلمہٗ کارکن شعبۂ تنظیم ابنائے قدیم نے محنت، سلیقہ اور ڈھنگ سے مرتب کیا ہے۔

اظہر صدیقی دار العلوم دیوبند جیسے مشہور دینی ادارہ سے وابستہ ہیں دار العلوم کے کاموں میں جس طرح شب و روز مصروف و مشغول رہے ہیں اور اہم سے اہم کام میں جس تندہی اخلاص اور جاں سوزی کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ ہم لوگوں کے لئے حیرت انگیز بھی ہوتا ہے اور حسرت آمیز بھی۔ چنانچہ

اجلاس صدسالہ دارالعلوم دیوبند کے بعض اہم کاموں کے انچارج انہیں بنایا گیا اور اظہر صدیقی صاحب نے اپنی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے بڑی مستعدی، محنت اور جدوجہد سے ان کاموں کو انجام دیا ہے۔ بارہ ہزار فضلائے کرام کے پتے مرتب کرنا انکی تحقیق و تفتیش کرنا اور ان کے پاس بہت محدود وقت میں دعوت ناموں وغیرہ کی ترسیل کرنا بڑا اہم اور نازک کام تھا۔

ایک قلم کار اور صحافی کی حیثیت سے ان کے مضامین کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر اظہر صاحب اسی کام میں لگے رہیں تو فکر و فن کے بڑے اچھے نمونے سامنے آسکتے ہیں۔

ایک سماجی کارکن کی حیثیت سے وہ نہایت ہی مخلص کارکن ہیں اور خدمت خلق کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سخت، دشوار گذار حالات اور تنگ ماحول میں خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سے کام کرنا ان کی قابل قدر خصوصیت ہے ضرورت مندوں کی حاجت روائی اور مظلوموں کے ساتھ دینا ان کا مستقل انداز ہے بزرگوں کے خادم اور دوستوں کے دوست ہیں اور ہر آدمی کے لئے ایک مخلص مشیر ہیں۔

اظہر صابری

اظہر صابری۔ مشہور زمانہ شخصیت علامہ انور صابری صاحب کے صاحبزادے ہیں آپ ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم پرائمری اسکول میں حاصل کی اسکے بعد دارالعلوم دیوبند کے فارسی خانہ میں داخل ہوئے شاعری کا ذوق آپکو وراثت میں۔ سیاست سے دلچسپی بھی بڑوں کی دین ہے شروع میں کانگریس سے وابستہ رہے پھر ۱۹۵۲ء میں کانگریس سے کنارہ کش ہوگئے قوم کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں اور خود کو خادم ہی کہنے اور کہلانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ شعرو شاعری سے بیحد لگاؤ ہے لیکن عام نشستوں میں شریک ہونے سے احتراز کرتے ہیں ماضی میں آپکے چند اچھے اشعار سننے کو ملے تھے جن کی خوشبو سے دل و دماغ آج تک معطر ہیں۔

تنگ ہو کر التفات و رحم کی خواہش نہ کر
سنگ دل دنیا سے ہم نے کوئی فرمائش نہ کی

گلوں کیساتھ کانٹے بھی خزاں کا غم اٹھاتے ہیں
تباہی جب بھی آتی ہے چمن میں عام آتی ہے

دل ناکام کی ناکامیوں کا غم نہ فرمائو
یہ ناکامی ہی اکثر زندگی میں کام آتی ہے

اظہر صابری سے ۱۹۶۷ء سے چراغ حرم نامی ایک اخبار نکال رہے ہیں جو بدستور جاری ہے۔

جمیل مہدی جمیل صاحب ایک کہنہ مشق ادیب ہیں میں نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولی ہیں انہیں لکھتا ہوا ہی پایا ہے لکھنا کوئی قابل تعریف بات نہیں بیشمار ہاتھوں میں قلم ہے ان گنت زبان حرف ریزی کی خدمت انجام دینے میں لگے ہوئے ہیں لیکن ایسے قلم کاروں اور ادیبوں کا آج بھی فقدان ہے کہ جن کی تحریریں پھولوں کی خوشبو اور ستاروں کی ٹھنڈک کو شرما دیں۔

جمیل مہدی صاحب کا شمار بیشمار لکھنے والوں میں نہیں ہوتا بلکہ ان چند در چند افراد میں ہوتا ہے جو فن اور صلاحیتوں کی سرزمین پر کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں۔

جمیل صاحب ۱۹۶۷ء سے لکھنؤ میں مقیم ہیں اور وہاں سے عزائم نامی ایک اخبار نکال کر سیاسی اور صحافتی خدمت انجام دیتے میں مصروف عمل ہیں انکی تحریر صاف ستھری اور وجدان و شعور کو متاثر کرنے میں اپنی مثال آپ ہیں ارض دیوبند جس میں مہدی جیسے عظیم الشان فن کاروں پر فخر کرنے میں حق بجانب ہے۔

علی اکبر عثمانی مولانا عامر عثمانیؒ کے چھوٹے بھائی تھے۔ دیوبند کے اچھے کاتبوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ شاعری کا ذوق از راہ وراثت ملا شعری نششتوں میں کبھی کبھی آجاتے تھے لیکن ان کے آنے سے سماں بندھ جاتا ۱۹۵۹ء میں جالندھر سے نکلنے والے اخبار ہند سماچار میں ملازم ہوئے اور ۱۱ ستمبر ۱۹۷۹ء کو جالندھر ہی میں اچانک انتقال ہوگیا جنازہ دیوبند لایا گیا

قاسمی قبرستان میں مدفون ہیں۔

مخزوں نیازی جمیل مہدی صاحب کے چھوٹے بھائی تھے ۱۹۳۱ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۷۲ء میں اس دنیا سے چل بسے۔

اچھے شاعر تھے قطعات کہنے میں ان کا جواب نہیں تھا انہیں زندگی سے بڑا پیار تھا وہ زندگی کے ساتھ ہر حال میں وفا کا مظاہرہ کرتے رہے لیکن زندگی ان کیساتھ وفا نہ کرسکی شعر و ادب کی محفلوں میں آج بھی انکی یادوں کے دیپ روشن ہیں۔

ندیم الواجدی ایک اچھے قلم کار ہیں۔ ان کی تحریروں میں سلاست و ندرت کا امتزاج ہوتا ہے۔ طالب علمی کے زمانہ سے مختلف موضوعات پر قلم اٹھا چکے ہیں اخبارات و رسائل میں موصوف کے چار سو سے زائد مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

مسلم پرسنل لا کے موضوع پر ان کا لکھا ہوا ایک مقالہ تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔

موصوف اجلاس صد سالہ کے دفتر میں کام کر چکے ہیں آج کل تالیف و تصانیف کے کام میں مشغول ہیں اور دار الکتاب کے نام سے ایک کتبخانہ کی بنیاد ڈال چکے ہیں۔

ازہر شاہ صاحب قیصر مولانا انور شاہؒ کے صاحبزادے ہیں کسی دور میں ان کے سیاسی مضامین کا بڑا شہرہ تھا اچھا لکھتے ہیں۔

ماہنامہ دار العلوم دیوبند کے مدیر اعلیٰ ہیں۔ اگر وہ لکھنے میں دلچسپی لیں تو ان کی انفرادیت مسلم و طے شدہ ہے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ مدیر دار العلوم ہونے کے باوجود ماہنامہ دار العلوم میں ان کے مضامین تلاش کرنے کے باوجود نظر نہیں آتے۔ ہمارے طرح معلوم نہیں کتنے طالب علموں کو ازہر شاہ صاحب کے مضامین دیکھنے کا ختم نہ ہونیوالا انتظار رہتا ہوگا۔

ازہر شاہ صاحب کے صاحبزادے نسیم اختر متعلم دار العلوم دیوبند کی تحریریں بھی رواں دواں ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور بھی زیادہ۔

مولانا اسعد مدنی
صدر جمعیۃ العلماء ہند

مولانا اسعد مدنی شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رح کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ قوم وملت کے لئے انھوں نے بڑی جدوجہد کی ہے آدمی کام کرتا ہے تو اس سے کچھ نہ کچھ غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ مولانا اسعد صاحب سے اختلاف ممکن ہے لیکن ان کی خدمات کو نظرانداز کردینا ہے۔ منجملہ ظلم وستم اور منجملہ ناانصافی وبددیانتی ہے دیوبند کے عوام کے لئے مسلم فنڈ جیسا مفید ادارہ قائم کرنے کا سہرا ان ہی کے سر بندھتا ہے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ مولانا کے مشیر غلط قسم کے لوگ ہیں مولانا کی بھول یہ ہے کہ وہ ان پر آنکھیں بند کرکے اعتماد کرتے ہیں اور ان کے مشوروں کو مشعل تصور کرکے ان ہی کی روشنی میں اپنی کوششوں اور خدمتوں کا سفر طے کرنا چاہتے ہیں۔ جبکہ ان کے عشرانِ خصوصی نے کئی بار انہیں راہ راست سے بھٹکا دیا ہے۔

مسلم فنڈ قائم کرنے کے علاوہ بھی قوم وملت کے لئے ان کی کئی خدمات ایسی ہے جنکی بنا پر وہ فدائے ملت کے خطاب کے مستحق نہ سہی ہمدرد ملت کے خطاب کے مستحق ضرور ہیں بعض امور میں راقم الحروف ان سے تبادلۂ خیال کرنے کا متمنی تھا لیکن حاشیہ برداروں کے اجسام حائل ہوجانے کی وجہ سے یہ تمنا ہنوز پوری نہ ہوسکی ؛

انور صابری

علامہ انور صابری صاحب ایک زودگو اور کہنہ مشق شاعر ہیں۔ آپ فن شاعری کے استاد ہیں اور بلاشبہ آپ اپنے ہم عصروں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

آپ جیسے فن کاروں کی وجہ سے دیوبند کی سرزمین کو فخر کرنے کا حق حاصل ہے۔

آپ کی وجہ سے کئی ایسے حضرات "صاحب دیوان" ہوگئے جنہیں شاعری کی الف، ب، کا بھی علم حاصل نہیں۔

علامہ کی زندگی کے کئی گوشے قابل ذکر ہیں لیکن ابھی اس کا موقعہ نہیں کہ ہم دیوبند کے کسی شخصیت پر تفصیلی گفتگو کریں۔

آپ کا ہر شعر نگارخانہ کی زینت بن سکتا ہے نمونے کہاں تک پیش کریں ؛

اقبال افضال صابری

دیوبند کا تعارف ادھورا اور نامکمل رہے گا اگر دیوبند کے نوجوان فنکار اقبال افضال صابری کا ذکر نہ کیا جائے۔

فنِ ترنم سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں، اور ہمارے مسلک میں یہ چیزیں تقریباً "ممنوع" اور "متروک" ہی ہیں۔ لیکن مسلک ایک الگ چیز ہے اور حقیقت کا اعتراف ایک دوسری چیز۔

اقبال افضال صابری بین الاقوامی شہرت کے حامل ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر دل عزیزی اور مقبولیتِ عامہ کی دولت سے نوازا ہے دیوبند جیسے "خشک" اور "وہابیت" کے اڈے میں رہ کر مذکورہ فن میں امتیاز و تخصص کا مقام حاصل کر لینا اگر معجزہ نہیں تو کرامت ضرور ہے۔

اقبال افضال صابری نے اس فن کی ابتدا دس بیس شوقین مزاج لوگوں کے سامنے گا کر کی۔ اس وقت ان کی عمر بارہ چودہ سال تھی اب ہر طرف ان کا طوطی بول رہا ہے۔ اور ہر محفل رنگ و بو میں ان کا نام آتا ہے۔ کلکتہ، بمبئی جیسے بڑے شہروں میں آپ سینکڑوں پروگرام پیش کر چکے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر آئے دن آپ کے پروگرام نشر ہوتے ہیں۔ بمبئی کے نامور فنکاروں سے مقابلہ کرتے ہوئے آپ کئی بار کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ آپ کو کئی بار پرائز اور انعامات ملے ۱۹۷۰ء میں خواجگان راگی اور بعدہ ہند راگی کے خطابات سے نوازے گئے۔

اجمیر کے سجادہ نشین نے ایک بار آپ کو از خود مدعو فرما کر حیرتناک قسم کی مقبولیت کا ثبوت فراہم کیا۔ اقبال افضال صابری پارلیمنٹ میں وی۔ وی۔ گری راشٹرپتی۔ اور درگاہ نظام الدین اولیا میں مسز اندرا گاندھی کے سامنے پروگرام پیش کر چکے ہیں۔ اقبال افضال صابری کی حیثیت دیوبندیت سے جداگانہ ہو کر بھی دیوبند کا ایک حصہ ہیں۔ اور دیوبند کے حق میں شہرت اور ناموری کا باعث ہیں۔

حسن احمد صدیقی

حضرت مولانا سید خلیل حسین میاں صاحب

مہتمم مدرسہ اصغریہ دیوبند

نورانی شخصیت برسات کی دُھلی ہوئی صاف وشفاف چاندنی کی طرح۔ گندمی رنگ کا بھاری بھرکم بدن۔ بزرگانہ ہیئت کا آئینہ دار، چوڑی پیشانی، سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود کی منہ بولتی تصویر بڑی بڑی آنکھوں میں عبادت کا نور لمبی ستواں ناک شیریں لب و لہجہ، سر پر اونچی دیوار کی دو پلی ٹوپی گلے میں سفید رومال بدن پر عربی تراش وخراش کا ڈھیلا ڈھالا کرتا۔ کتابی چہرہ، اور اس پر گھنی سیاہ داڑھی، سراپا جلال وجمال کا مظہر۔

یہ ہے اس شخصیت کی قلمی تصویر، جو ماضی میں مولانا سید خلیل حسین میاں صاحب کے نام سے جانی پہچانی جاتی تھی اور اب مہتمم مدرسہ اصغریہ کے نام سے مشہور ہے۔

مولانا خلیل حسین صاحب دیوبند کی نمایاں شخصیات میں شامل ہیں۔ وہ صرف ایک مدرسے کے مہتمم ہی نہیں۔ عالم باعمل بھی ہیں۔ وہ صرف عالم باعمل ہی نہیں خلیق و ملنسار بھی ہیں۔ وہ صرف خلیق و ملنسار ہی نہیں تدین و تشرع کی گراں قدر اور بیش بہا دولت سے مالامال بھی ہیں۔ بہت سے اوصاف و محامد کے مجموعہ کا نام ہے مولانا خلیل حسین —— اور

سید صاحب ۔

مولانا خلیل صاحب شریعت اور سنّتِ رسول کے سختی سے پابند ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و سنن پر مر مٹنے کا جذبہ اگر دیکھنے میں آیا ہے تو وہ حضرت سید صاحب کی مجلسِ بابرکت میں ——— آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ لوگوں سے ان کے درجات و مراتب کے اعتبار سے معاملہ کرو۔ اس فرمان کی عملی تفسیر سید صاحب کی محفل میں دیکھنے کو ملی سید صاحب چھوٹوں کے ساتھ انتہائی شفقت و نرمی سے پیش آتے ہیں اور بڑوں کے ساتھ انتہائی عقیدت و احترام کا معاملہ کرتے ہیں۔ بالخصوص علمار کی تکریم و تعظیم کرنا ان کی فطرت کا خاص جز ہے ۔ تبلیغی جماعت کے افراد سے ہمیں شکایت تھی کہ وہ علماء کی ناقدری کرتے ہیں۔ اور علماء کے ساتھ وہ برتاؤ نہیں کرتے جس کے وہ بجا طور پر حقدار ہیں۔ یہ شکایت مولانا خلیل حسین صاحب کی صحبت میں بیٹھنے کے بعد رفع ہوگئی ۔ مولانا خلیل صاحب تہ دل سے علمار کا اکرام کرتے ہیں۔ وہ خود ہی علمار کا اکرام نہیں کرتے بلکہ اپنے ہم نشینوں کو بھی علمار کا اکرام و احترام کی تاکید کرتے رہتے ہیں۔ اور علماء کی توہین اور بے ادبی کو کسی بھی انداز میں گوارہ نہیں کرتے ۔ ایک بار ایسا ہوا کہ ان کی مجلس میں بہت سے حاضرین موجود تھے ۔ ان میں مولانا شاہین جمالی بھی تھے ان کی مجلس کے ایک خاص رکن صوفی عبدالحمید صاحب نے پان لگا کر حاضرین اور شاہین جمالی صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ پھر پان دان میں سے چھوٹی الائچی شاہین جمالی کی طرف اُچھالی اتنی سی بات پر مولانا خلیل احمد صاحب خفا ہو بیٹھے اور صوفی صاحب کو تنبیہ کرتے ہوئے اُنھوں نے فرمایا کہ تمہارا یہ عمل بھی ایک طرح کی بے ادبی اور گستاخی ہے ۔ مولانا شاہین جمالی صاحب عالمِ دین ہیں، ان کا احترام کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا اُٹھو اور الائچی پھر ان کی خدمت میں ادب و احترام کے ساتھ پیش کرو۔ چنانچہ صوفی عبدالحمید صاحب نے ان کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ایسا ہی کیا ۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دستِ سوال دراز کرنے سے منع فرماتے تھے ۔ چنانچہ

صحابہ کرامؓ نے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تاکید پر عمل کرنے کی غرض سے ہر طرح سوالات سے خود کو محفوظ کر لیا تھا۔ اگر کوئی صاحب اونٹ پر سوار ہوتے اور اُن کی کوئی چیز گر جاتی تو وہ صاحب اونٹ سے اُتر کر اپنی چیز کو خود اُٹھاتے تھے۔ کسی سے اٹھوا دینے کی گذارش کرنا بھی ان کے نزدیک ایک طرح کا "سوال" ہی تھا۔ اور سوال کر کے وہ محبوبؐ کی ناراضگی و خفگی کا گناہ کیسے مول لے سکتے تھے۔ صحابہ کرام کے تعامل کا پرتو اگر دیکھنے کو ملا تو مولانا خلیل صاحب کی مجلس میں دیکھنے کو ملا۔ دورانِ مجلس میں اگر انھیں پان کی ضرورت محسوس ہو تو پان کے سلسلہ میں دستِ سوال دراز کرنے کی بجائے وہ مزاقاً صوفی عبدالحمید صاحب وغیرہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ آپ لوگوں کو پان کھاتے ہوئے کافی دیر ہو گئی۔ پان کھا لیجئے: اس اشارہ کو سمجھ لیا جاتا ہے اور پان سید صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ مولانا خلیل صاحب کی ذات میں صبر و تحمل، سوزِ دعا، جود و سخا شاہی میں فقیری اور فقیری میں شاہی کی ادا توکّل و قناعت جیسے اوصاف وافر مقدار میں موجود ہیں۔

مولانا خلیل صاحب دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد کئی مدارس میں تدریسی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے بھی تدریسی تعلق رہا۔ ۱۹۵۲ء کے قریب حضرت مولانا یوسفؒ کے تبلیغی تحریکات میں شرکت اختیار کی اور ایسی وارفتگی اور شیفتگی کے ساتھ کام کیا کہ فنا فی التبلیغ ہو گئے۔ میرٹھ، مظفر نگر، سہارن پور کے اضلاع میں شب روز کی محنت اور جد و جہد سے تبلیغ و اصلاح کی ایسی فضا قائم کر دی کہ ہزاروں اور لاکھوں نفوس اللہ کی راہ میں نکلنے لگے۔ ہزاروں اور لاکھوں کا اجتماع دینِ تبلیغ کے نام پر ہونے لگا۔ دارالعلوم دیوبند کے دو دو سو طلباءِ عزیز بیک وقت ہمسفر ہونے لگے میلوں کا پیدل سفر۔ اور سفر کی مسلسل تھکاوٹ کے باوجود سید صاحب ایک ایک دن اور ایک ایک رات میں کئی کئی بار خدا کی مخلوق سے خطاب کرتے ہیں۔

تبلیغی جماعتیں آپ ہی کی میزبانی میں قیام کرتی ہیں۔ ان کی میزبانی اور تواضع کی وجہ سے

بسا اوقات آپ مقروض بھی ہو جاتے ہیں شروع میں کئی بار آپ کو اپنی اہلیہ کا زیور گروی رکھکر میزبانی کی لاج رکھنی پڑی۔ کئی بار گھر کا ساز و سامان بک جانے کی نوبت بھی آئی۔ لیکن سید صاحب کی استقامت برقرار رہی۔ ان کا استحکام لرزہ براندام نہ ہو سکا۔ جو درد مولانا یوسف صاحبؒ سے انھیں براہِ راست ملا تھا۔ وہ بدستور باقی رہا اور یہ درد انھیں دنیا کی ہر خوشی اور دنیا کی ہر متاعِ علاج سے بے نیاز کرتا رہا۔ اس درد کو باقی رکھنے کے لئے انھیں اپنا سکون، اپنا آرام، اپنی راحتیں قربان کرنی پڑیں۔

۱۹۵۲ء میں سید صاحب کو پہلی بار زیارتِ کعبہ سے مشرف ہونے کا موقعہ ملا، ۱۹۶۲ء میں پھر یہ سعادت دوبارہ نصیب ہوئی۔ اس کے بعد پے در پے انھیں حج کے لئے حجاز مقدس کا سفر کرنے کی سعادت نصیب ہوتی رہی —— ان کا ہر حج حجِ اکبر کہلانے کا مستحق اس لئے ہے کہ انھوں نے دورانِ سفر میں اللہ کے دین کی تبلیغ کو اپنا فرض سمجھا۔ اور سمندروں سے گذرتے ہوئے ایک ہی تمنّا ان کے دل میں دھڑکتی رہی کہ کسی طرح سے خدا کے بھٹکے ہوئے بندے ہدایت کی راہ پر گامزن ہو جائیں۔

حجاز، شام، کویت، عراق، یمن، افریقہ، امریکہ، لندن اور دوسرے کئی ممالک کا سفر کر چکنے کے بعد بھی نہ تھکن کے آثار ہی محسوس ہوتے ہیں اور نہ جذبوں میں کسی طرح کی کمی نظر آتی ہے، وہی بھاگ دوڑ اور وہی مومنانہ دیوانگی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم آپ سے بے حد تعلق کا اظہار فرماتے ہیں۔ اور ان کے تعلق میں محبّت و شفقت کے ساتھ عقیدت و وارفتگی کا عنصر بھی شامل ہے۔ ایمرجنسی کے زمانہ میں ایک بار سید صاحب شیخ الحدیث کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضرت شیخ الحدیث نے سید صاحب سے سلام و مصافحہ کے بعد فرمایا کہ اپنے نانا جان جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کیوں نہیں کہتے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ آپ کا اشارہ ایمرجنسی میں ہونے والی زیادتیوں کی طرف تھا۔ یہ خاص انداز میں ایک دعا کی درخواست تھی۔ صرف اسی واقعہ

سے اس بات کا اندازہ بخوبی ہوجاتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث کے دل میں سید خلیل صاحب کا مقام بہت بلند ہے۔

دیوبند میں ایک ایسے مرکز کی شدید ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ جس میں تبلیغی جماعتیں اطمینان و آرام کے ساتھ آکر قیام پذیر ہوسکیں۔ اور یہ اہم کام دارالعلوم دیوبند کو انجام دینا تھا لیکن جب دارالعلوم دیوبند اپنی مصروفیات اور گوناگوں ذمہ داریوں کی وجہ سے اس جانب اپنی توجہ مبذول نہ کرسکا تو مولانا خلیل احمد صاحب نے اس مہم کو سر کرڈالا۔ اور انھوں نے تبلیغی جماعتوں کی آسانی کے لئے مدرسہ اصغریہ کی عمارت میں توسیع کرائی اور اس کا ایک حصہ تبلیغی جماعت کے لئے وقف کردیا۔ آج دنیا بھر سے آنے والی جماعتیں اس مرکز میں قیام کرتی ہیں۔

مولانا خلیل احمد صاحب ایک اچھے مقرر بھی ہیں۔ ان کی تقریریں دولتِ اثر سے مالا مال ہوتی ہیں، اور صرف دولتِ اثر ہی سے نہیں بلکہ علم و حکمت سے بھی مالامال ہوتی ہیں۔ بعض اوقات تو وہ عجیب و غریب قسم کے نکتے بیان کرجاتے ہیں، جن میں عجیب و غریب قسم کی واقعیت پنہاں ہوتی ہے۔ مثلاً ایک بار آیت کریمہ افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت والی السماء کیف رفعت والی الجبال کیف نصبت والی الارض کیف سطحت تلاوت کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ اونٹ کی طرف اشارہ کرنے سے مومن کے صبر و ضبط، آسمان کی طرف اشارہ کرنے سے مومن کی وسعتِ نظر اور رفعت فکر، پہاڑ کی طرف اشارہ کرنے سے مومن کی استقامتِ ایمانی، اور زمین کے بچھونے سے اس کی خاکساری اور فیض رسانی کی تذکیر و یاد دہانی مقصود ہے۔ اس طرح کے بہت سے علمی نکتے ان کی زبان پر جاری و ساری رہتے ہیں جنھیں اگر مقید کرلیا جائے تو ایک عارفانہ دفتر بآسانی تیار ہوسکتا ہے۔

آج مولانا خلیل صاحب کا مقام بہت اعلیٰ ہے۔ وہ دیوبند کی ایک رفیع المرتبت اور عظیم الشان شخصیت سمجھے جاتے ہیں اس کے باوجود ان میں عاجزی و انکساری اپنی آخری حد تک

موجود ہے، گھمنڈ، بد خلقی اور غرور و اسنکبار کی پرچھائیں تک موجود نہیں ہے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ چائے نوشی کے دوران کچھ مہمان آگئے مجلس میں مولانا شاہین جمالی بھی موجود تھے انہوں نے گنجائش نہ دیکھ کر اپنی پیالی ایک مہمان کو تھمادی اور چپکے سے مجلس سے کھسک گئے ۔ مولانا خلیل صاحب نے اس جذبۂ ایثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا، چنانچہ چند گھنٹوں کے بعد مولانا نے بدستِ خود اسٹو جلایا اور ایک پیالی چائے تیار کی۔ پھر مولانا شاہین جمالی صاحب کو بلاکر انتہائی ادب و احترام کے ساتھ ان کی خدمت میں پیش کی۔ جمالی صاحب سمجھ گئے کہ یہ چائے ان کے ایثار کا انعام ہے۔ اور بہت بڑا انعام ہے۔ لہٰذا انھوں نے تبرک سمجھ کر اس چائے کو مزے لے لے کر نوش فرمایا۔

۱۹۶۶ء میں مجلسِ مشاورت کے جلسہ پر جب چند شرپسند لوگوں نے حملہ کیا اور مولانا منظور نعمانی، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی، پنڈت سندر لال، مولانا عامر عثمانیؒ۔ مولانا بلال عثمانی جیسے معززین کی جان خطرے میں پڑ گئی تو مولانا خلیل صاحب نے مدرسے کے دروازے چوپٹ کر دیئے اور ان سب حضرات کو مدرسہ میں پناہ دی۔

راقم الحروف کو سیّد خلیل صاحب کی تقاریر سے استفادہ کرنے کا کئی بار موقعہ ملا۔ اور کئی بار انھوں نے اپنی خاص مجالس میں راقم الحروف کے ساتھ انتہائی محبت و شفقت کا برتاؤ کیا جس کی لطافتیں ذہن سے کبھی محو نہیں ہو سکتیں۔ مولانا سید خلیل حسین میاں صاحب کی کتابِ زندگی ایسے بے شمار واقعات سے بھری ہوئی ہے جنھیں پڑھ کر بے اختیار رشک آنے لگتا ہے۔ اور روح انکی خدمت میں خراجِ عقیدت پیش کرنے پر مجبور سی ہو جاتی ہے۔ کس کس واقعہ کو بیان کیا جائے اور کس کس واقعہ سے پہلو تہی کی جائے۔ غالباً ان کی زندگی تمام اہم واقعات بیان کرنے کے باوجود بھی ہمارا قلم ایک ہی بات کہنے پر مجبور ہو گا کہ

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

حضرت میانجی مُنّا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جن کے مبارک ہاتھوں نے دارالعلوم کا سنگِ بنیاد رکھا

(از مولانا سید جلیل حسین میاں صاحب)

حسنی اور حسینی سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ایک بزرگ سید غلام رسول صاحب مع اپنے خاندان کے عہد شاہجہانی میں ہندوستان تشریف لائے آپ کو شاہی فرمان کے مطابق دیوبند کی شاہی مسجد قلعہ کی امامت اور خطابت سپرد کی گئی (اس وقت یہی مسجد جامع مسجد بھی تھی جمعہ کی نماز اسی مسجد میں ہوتی تھی) اور جاگیر عطا کی گئی۔

آپ کی اولاد میں سب ہی اپنے زمانے کے صاحبِ کشف وکرامات اولیاء کاملین میں سے ہوئے ہیں اسی وجہ سے یہ بات مشہور ہے کہ اس خاندان اہل بیت میں ہمیشہ ایک شخص ولی کامل ہوتا ہے۔

آپ ہی کے سلسلہ نسب میں ایک سادہ دل نیک نفس عارف باللہ ولی کامل حضرت سید محمد عبداللہ عرف میانجی مُنّا شاہ رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کے بارے میں سید الطائفہ امیر حریت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے دست مبارک سے یہ عبارت لکھی تھی۔

بپاس خاطر مخلص مکرم معرفت آگاہ حضرت سید محمد عبداللہ شاہ صاحب (سوانح میاں صاحب) حضرت مولانا سید اختر حسین میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ (ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند) کے آپ کے بارے میں یہ القاب تحریر فرمائے ہیں۔

> سید محمد عبداللہ شاہ صاحب عرف میانجی مُنّا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ
> جو قصبہ دیوبند کے خاندان سادات اور بزرگان دیوبند میں سے ایک مشہور
> بزرگ فانی فاللہ درویش کامل مُسَلّم و مقبول اکابر علماء مستجاب الدعوات تھے
> (سوانح حضرت میاں صاحب)

آج تک حضرت میانجی منا شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی سادگی اور کشف وکرامات کے صدہا واقعات دیوبند کے پرانے بزرگوں کے سینے میں محفوظ اور بہت سے واقعات تو زبان زد ہیں جب کبھی دیوبند کے اکابرین کا ذکر خیر ہوتا ہے حضرت میانجی منا شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات اور سادگی کا تذکرہ بے اختیار زبان پر آ جاتا ہے ۔

ایک واقعہ آپ کی سادگی بھولے پن کا یہ بھی مشہور ہے کہ آپ سے کسی شخص نے یہ کہہ دیا کہ حضرت آپکی بینائی بہت کمزور ہو گئی ہے آپ کو یقین آ گیا اور آپ آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئے حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو دارالعلوم کے سب سے پہلے صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے) اکثر آپ کی خدمت میں تشریف لایا کرتے تھے آپ نے دیکھا کہ حضرت میانجی صاحب آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں دریافت فرمایا کیا حضرت آپ کی آنکھوں میں کچھ شکایت ہے حضرت میانجی نے فرمایا کہ تکلیف تو کچھ نہیں البتہ بینائی جاتی رہی حضرت مولانا نے فرمایا کیا آپ کو نظر نہیں آتا میانجی نے فرمایا نظر تو آتا ہے مگر ایک مسلمان آدمی نے بتایا ہے کہ میری نظر کمزور ہو گئی ہے حضرت مولانا سمجھ گئے کہ حضرت میانجی صاحب نے اپنی کریم النفسی اور سادگی سے اس شخص کی بات کا یقین کر لیا ہے کیونکہ ان کے خیال میں کسی مسلمان کے جھوٹ بولنے کا سوال ہی نہ تھا حضرت مولانا نے ایک تدبیر کی اور حضرت میانجی صاحبؒ سے فرمایا کہ میرے پاس اس کا ایک عمل ہے میں آپ کو پانی پڑھکر دیتا ہوں اس کو آنکھوں کو لگالیں انشاء اللہ ابھی آپ کی بینائی لوٹ آئے گی میانجی نے فرمایا بہت اچھا حضرت مولانا نے پانی پڑھکر دیا اور حضرت میانجی کی آنکھوں لگایا حضرت میانجی نے فوراً آنکھیں کھولدیں اور فرمایا مولانا خدا آپ کا بھلا کرے مجھ کو پہلے ہی جیسا نظر آنے لگا آپ کا یہ عمل بہت ہی اچھا ہے اب حضرت میانجی صاحب کی خدمت میں جو شخص بھی حاضر ہوتا تھا اس سے آپ فرماتے بھائی خدا بھلا کرے مولانا یعقوب صاحب کا ان کے پاس بہت عمدہ عمل ہے ورنہ ہماری تو بینائی ہی جاتی رہی تھی ان کے عمل سے ٹھیک ہو گئی ۔

حضرت میانجی صاحب دیوبند کے مسلم اور غیر مسلم عوام و خواص علماء و صلحاء و ساد غربا تمام

حلقوں میں یکساں طور پر مسلم اور مقبول بزرگ اور مادرزاد ولی مانے جاتے تھے آپ کے دل میں کبھی کسی کی طرف سے بدگمانی پیدا نہیں ہوئی تھی آپ ایسے مستجاب الدعوات تھے کہ جس وقت کبھی کسی کے واسطے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمادی فوراً مقبول ہوگئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مشیئت الٰہی دعا کی منتظر ہو اور شاید علامہ اقبال نے ایسے ہی برگزیدہ بندوں کے لئے کہا ہے۔

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

چنانچہ ایک مرتبہ دیوبند میں بارش نہیں ہوئی لوگ پریشان کھیتیاں خشک گرمی کی شدت اسی عالم میں لوگ جمع ہوکر حضرت میانجی صاحبؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے بارش کے لئے دعا کی درخواست کی حضرت میانجی صاحبؒ نے فرمایا بھائی دعا تو میں کردوں گا مگر تم بھیگ جاؤ گے لہٰذا پہلے تم اپنے مکانوں میں چلے جاؤ پھر دعا کروں گا سبحان اللہ کیا یقین تھا اس اللہ کے ولی کا چنانچہ پھر جب سب لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف چلدئے تو آپ نے اُدھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی شروع کی اُدھر وہ لوگ اپنے گھروں تک بھی نہ پہنچے تھے کہ شدید بارش شروع ہوگئی اور اسقدر ہوئی کہ جھڑی لگ گئی لوگ پھر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضرت کئی روز سے بارش برابر ہورہی ہے کھیت پانی سے لبریز ہیں اور مکانات کے گرجانے کا خطرہ ہے لہٰذا دعا فرمادیں کہ بارش بند ہوجائے آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی فوراً بارش بند ہوگئی

ایسے واقعات تو ہزاروں ہیں کہ آپ نے اِدھر دُعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور اُدھر شرفِ قبولیت بخشا گیا آپ کی کرامات جس قدر مشہور ہیں ان کے لئے بھی ایک مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے اس مختصر مضمون میں اس کی گنجائش نہ ہونے کیوجہ سے بہت ہی اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ آپ کے انتقال کو نوے سال ہو گئے ہیں لیکن آپ کے واقعات لوگ اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے کل ہی کی بات ہو۔

اب بھی نم ہوتی ہے تیرے ذکر سے دل کی زمیں
تو شریک سوزو ساز رحمۃ للعالمین

حضرت میانجی رحمۃ اللہ علیہ پر اکثر استغراق کی کیفیت رہتی تھی اور جب آپ نماز پڑھتے تھے تو ایسے مستغرق ہو جاتے کہ دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہ رہتی تھی جب آپ مسجد میں آکر سنتوں یا نوافل میں مشغول ہو جاتے تو آپ کے استغراق کا یہ عالم ہوتا کہ مؤذن آپ کے کان کے قریب کھڑا ہو کر قد قامت الصلوٰۃ خوب باواز بلند کہتا تھا اس کی آواز سے حضرت سمجھ لیتے کہ جماعت کا وقت ہو گیا تو آپ اپنی نماز پوری کر کے جماعت میں شریک ہوتے۔

اسی سلسلہ میں ایک واقعہ یہ بھی بہت مشہور ہے کہ آپ مسجد قلعہ میں نماز پڑھ رہے تھے آپ معمولاً ہمیشہ اس ہی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے کیونکہ اس مسجد کا اہتمام و انتظام امامت خطابت شاہی زمانے سے آپ ہی کے خاندان میں چلی آرہی تھی آپ نماز میں مشغول تھے کسی بات پر نمازیوں کے درمیان آپس میں جھگڑا ہو گیا اس مسجد کے نمازی اکثر پٹھان تھے آج بھی مسجد کے نمازی اکثر پٹھان ہی ہیں لہٰذا جھگڑا شدت اختیار کر گیا کیونکہ دونوں فریق خان برادری کے تھے خوب لڑائی اور نوبت بایں جا رسید کہ مسجد کے لوٹے (جو اکثر مٹی کے ہوتے تھے) اُٹھا اُٹھا کر ایک دوسرے کے مارنے لگے جس سے کئی سر پھوٹ گئے اور خون بہنے لگا اور بہت شور و غوغا ہوا لیکن حضرت میانجی صاحبؒ نماز میں مستغرق رہے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ٹوٹے ہوئے لوٹے اور خون کے دھبے دیکھ کر فرمایا یہ مسجد کے لوٹے کیسے ٹوٹ گئے اور یہ خون کہاں سے آیا؟

جو لوگ وہاں موجود تھے انہوں نے تمام قصہ سنایا حضرت میانجی صاحب نے فرمایا بھائی ہمیں تو کچھ خبر نہیں نہ جھگڑے کا شور سنا نہ مار پیٹ کی آواز آئی سبحان اللہ یہ تھی اللہ والوں کی نماز بقول جگر —— ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

اسی مسجد قلعہ میں آپ کا آبائی مدرسہ تھا جو اس وقت کے علمی تقاضوں کی تکمیل کا مرکزی مدرسہ تھا اور آپکی دوربینی کا عالم یہ تھا کہ جو بچہ آپ کے پاس داخلہ کے لئے لایا جاتا اس کو دیکھ فرما دیتے تھے کہ یہ پڑھے گا یا نہیں بعض کے بارے میں فرماتے اس کو فلاں کام سکھاؤ چنانچہ لوگوں کا یہ

مشاہدہ ہے کہ جس بچے کے بارے میں آپ نے جو کام تجویز فرمایا وہ اسی کام کا ماہر ہوا اور جس کے بارے میں فرمایا کہ اس کو پڑھاؤ تو وہ تعلیم میں بہت ہی قابل لائق فائق ہوا ۱۳۱۲ھ میں یہی مدرسہ عارف باللہ حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب محدث دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی میں مزید ترقی پذیر ہوا اور آپ کی وفات کے بعد خاندان سادات اور اولیاء کاملین کی اس قدیمی علمی یادگار کو مدرسہ اسلامیہ اصغریہ دیوبند کے نام سے عظمتِ عام اور شہرت دوام حاصل ہوئی اور آج بحمد اللہ اس کی تعمیر و ترقی اور علمی دینی خدمات تاریخ کا ناقابلِ فراموش باب ہے۔

حضرت میانجی منّا شاہ کی عظمت و بزرگی کا زندہ جاوید ثبوت یہ ہے کہ ۱۲۸۳ھ میں جب دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی اس وقت حضرت میانجی صاحبؒ کی ولایت اور بزرگی کشف و کرامات کا چرچا ہر خاص و عام کی زبان پر تھا علماء و صلحاء آپ سے بڑی گہری عقیدت رکھتے تھے اور تمام اکابرین وقت خدمت گرامی میں آکر تحصیل فیض و برکا حاصل کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد چونکہ اشارہ غیبی پر قائم ہوئی اور اس کے لئے نودرہ کی عمارت کا نقشہ بھی الہامی طور پر کھینچ دیا گیا تھا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کا سنگ بنیاد بھی کسی ایسے ہی عارف باللہ ولی کامل کے ہاتھ سے رکھوایا جائے جس کو مخزنِ غیب سے حصہ نصیب ہوا ہو چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند تقریب سنگِ بنیاد دارالعلوم کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت میانجی منے شاہ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا اور فرمایا کہ یہ وہ شخص ہیں جنکے دل میں صغیرہ گناہ کا بھی کبھی تصور نہیں آیا (الرشید دارالعلوم نمبر) چنانچہ سب سے پہلی اینٹ حضرت میانجی منا شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی (القاسم دارالعلوم نمبر) بعض حضرات سنگِ بنیاد کے مسئلہ پر بلا دلیل اور بغیر ثبوت دوسرے مشہور علماء کا نام لیتے ہیں حالانکہ القاسم جلد ۱ شمارہ ۵ ۱۳۴۳ھ میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے زیرادارت اور حضرت مولانا محمد طاہر صاحب قاسمی کے اہتمام میں دارالعلوم ہی سے شائع ہوا ہے اس میں تحریر ہے۔

عالم خموشی میں بے یار و مددگار ایک دیوبند کے غیر مشہور کامل بزرگ

کا مدرسہ کے لئے ایک اینٹ رکھ کر اسی ہیبت میں خدا سے دعا کرنا
اور پیچھے سے حضرت مولانا محمد قاسم جیسے مشہور بزرگ کا رو کر آمین
کہنا یہ بھی عجیب منظر تھا کسے معلوم تھا کہ یہ عاجز بندے خاک زمین
پر نہیں بلکہ عرش بریں پر فریاد کر رہے ہیں اللہ نے نہ معلوم اپنے
دامن رحمت میں کس کس محبت سے اپنے ان مستجاب الدعوات
بندوں کی دعا رلی ہوگی۔

اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوگئی کہ دیوبند کے ایسے مستجاب الدعوات بزرگ عارف باللہ ولی کامل حضرت میانجی منا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے اس کے بعد دوسری اینٹ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے رکھوائی گئی اور پھر سب حضرات نے باری باری سنگِ بنیاد رکھا۔

حضرت شاہ سید محمد عبداللہ عرف میانجی منا شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۵ صفر ۱۳۱۰ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۸۹۲ء میں ہوا جب آپ کو غسل دیکر کفن پہنایا گیا تو آپ کے چہرے پر مسکراہٹ ظاہر ہوئی جس کی وجہ سے سب لوگ یہ سمجھے کہ آپ زندہ ہیں لیکن جنازے میں حضرات علماء کرام موجود تھے حضرت مولانا یعقوب صاحب صدر مدرس دارالعلوم اول دیوبند نے فرمایا آپ کا وصال ہوچکا ہے۔ لیکن آپ معصوم تھے اس لئے آپ کی روح کو جنت کے نظاروں سے خوشی ہوئی ہے اس ہی کا اثر آپکے جسم مبارک پر ظاہر ہو رہا ہے۔ ایک روایت یہ بھی بزرگوں سے سنی ہے اور بڑی عمر کے متعدد لوگوں سے اس کا ذکر سنا ہے کہ آپ کی روح پرواز کرنے کے بعد بھی کچھ دیر تک وہ انگلیاں حرکت کرتی رہیں جو زندگی میں تسبیح پڑھتے ہوئے حرکت کرتی تھیں حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو جب اس کا علم ہوا تو حضرت مولانا نے آپ کے کان میں فرمایا حضرت شریعت کا پاس بھی ضروری ہے فوراً انگلیوں کی حرکت بند ہوگئی۔

آپ کے جنازے میں اسقدر آدمی تھا کہ چارپائی میں بہت بڑے بڑے بانس باندھے

گئے تھے تاکہ سب لوگ جنازے کو اٹھانے کی سعادت اور آخری برکت سے مستفیض ہوسکیں جنگل کے ایک بڑے میدان میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی آپ کی تدفین بعد نماز عشاء عمل میں آئی پرانے بزرگوں کو بیان ہے کہ تاحد نظر آدمی اور لالٹینیں ہی نظر آتی تھیں جب آپ کے قبر میں رکھدیا گیا اور مٹی ڈالنا شروع کیا تو مجمع کثیر ہونیکی وجہ سے یہ اعلان برابر ہوتا رہا کہ صرف ایک چٹکی ڈالیں لیکن پھر بھی بہت سے لوگ مٹی نہ دے سکے پھر آپ کی قبر پر ہی مٹی ڈالتے رہے تاکہ اس سعادت سے محروم نہ رہیں۔

آج تک ان کی قبر پر ایصال ثواب کرنے والوں کی ایک بھیبڑ لگی رہتی ہے ــــ ان کی وفات کو ایک مدت گذر چکی ہے لیکن دیوبند کے بعض گھرانے انھیں آج تک نہیں بھول سکے ہیں۔ اور شاید کبھی نہیں بھول سکیں گے۔ بالخصوص جمعیرات کے دن عصر کے بعد ان کی قبر پر فاتحہ پڑھنے والوں کا جمگھٹ لگا رہتا ہے۔

آپ کا مزار مقدس اور ابدی آرامگاہ بھائیدہ روڈ پر ایک قدیم قبرستان میں احاطہ سادات کے اندر ہے جہاں ایک خوشنما مسجد اور حجرے سہ دریاں اور خانقاہی روحانیت کے سامان موجود ہیں دعا ہے اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے فیوض و برکات تاقیامت جاری ساری رکھے آمین۔

حضرت میانجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس دارالعلوم کا سنگ بنیاد اپنے مقدس ہاتھوں سے رکھا تھا اور رو رو کر دعائیں کی تھی اس کے لئے میانجی کے عرفان وفیضان کی یادگار بھی باقی رہنی چاہیئے تھی اس لئے سعادت کے لئے قدرت نے حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب محدث دارالعلوم دیوبند کو منتخب کر لیا تھا چنانچہ حضرت میانجی منّا شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وفات سے ایک دن پہلے مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب کو طلب فرمایا اور ان کا کرتا بدن سے اتروایا اور اپنے سینے سے اپنا کرتا اٹھا کر سینے سے چٹالیا اور بہت دیر تک سینہ سے لگائے رکھا حضرت میاں صاحبؒ کے سینہ کو گنجینہ معرفت بنا کر فرمایا اصغر میں نے تم کو سب کچھ دیدیا۔ انشاءاللہ تم سے ہزاروں فیض یاب ہوں گے۔

اس کے بعد ہی حضرت میاں صاحبؒ ایسے عارف وکامل بزرگ محدث فخرِ روزگار ہوئے کہ حضرت شیخ الہند جیسے قطب الاقطاب نے دارالعلوم سے وابستگی کے لئے ایسے وقیع اور بلند الفاظ میں حضرت میاں صاحبؒ کو مخاطب فرمایا جس کی دوسری نظیر شاید کہیں مل سکے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے طویل مکتوب کی چند سطریں ملاحظہ ہوں۔

آپ کو معلوم ہے کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں عالم شہود سے دور برزخ کے قریب ہو رہا ہوں اتنا فکر ضرور ہے کہ استاد (حضرت مولانا محمد قاسم صاحب) رحمۃ اللہ علیہ سے بفضل اللہ اگر مشافہہ کی نوبت آگئی اور پوچھا کہ کہو مدرسہ کس پر چھوڑا اور کس حالت میں ہے تو اس کا جواب ایسا دیکھوں کہ پسند خاطر حضرت ہو۔ اس کی تدبیر کوئی نہیں مگر یہ کہ اپنے مخلص صلحاء لائق کے نام گنوادوں سو آپکی طرف بھی بچند وجوہ میرا خیال ضرور جاتا ہے اور چاہتا ہوں کہ آپ جیسے چند اصغر مگر حقیقت میں مفید اور اکبر کسی بہانہ سے احاطہ مدرسہ میں آنکھوں سے دیکھ لوں۔

حضرت میانجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ خصوصی سے اللہ تعالیٰ نے حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جو مرتبہ اور بزرگی عطا فرمائی تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر محدث نے فرمایا کہ سید صاحب میرے سر پر ہاتھ رکھ دیجئے انشاء اللہ میری نجات ہو جائے گی (بقول مولانا منظور صاحب گنگوہی) خدائے تعالیٰ ہم سب کو ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان اولیاء امت اور خدا کے برگزیدہ بندوں کے فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کی توفیق اور موقعہ عطا فرمائے۔ آمین

مولانا عامر عثمانی رح

(سابق مدیر تجلی)

مولانا عامر عثمانی رح شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رح کے برادر زاد تھے۔ مولانا عثمانی صاحب ۱ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ کو پیدا ہوئے۔ اسی دن حضرت مولانا محمود الحسن شیخ الہند کی وفات کا سانحہ پیش آیا۔ آپ نے ۱۹۳۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ سات سال کے عرصے میں آپ ٹائیٹل سازی اور تصحیح وغیرہ کے کاموں میں لگے رہے۔ ۱۹۴۶ء میں آپ بمبئی پہونچے اور فلموں میں گیت لکھنے لگے۔ فلمی دنیا کا ماحول آپ کو ذہنی اور قلبی سکون نہ دے سکا۔ چنانچہ چند ماہ کے بعد ہی آپ پھر دیوبند تشریف لے آئے۔ ۱۹۴۹ء میں آپ نے اپنے بڑے بھائی زبیر افضل عثمانی کی رفاقت میں ماہنامہ "تجلی" کا اجرا کیا۔ اور ۱۹۵۰ء میں مکتبہ تجلی کی داغ بیل ڈالی۔ تجلی نکالتے وقت جو باتیں آپ کے کانوں میں پڑیں اور جن کیفیات کے آپ دوچار ہوتے اسے آپ نے بایں الفاظ بیان کیا ہے۔

"دوستوں نے کہا مذہبی رسالے پہلے ہی چلنے مشکل تھے۔ اب تبدیل شدہ حالات اور مایوس کن فضا میں کیا چلیں گے۔ پھر وہ مذہب جسے تو مذہب کہتا ہے ——— یعنی ساڑھے تیرہ سو سال پہلے کا خالص بے میل اسلام تو اس کا نام لینے والے تو ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت کے نزدیک اچھوت اور بے دین اور وہابی سمجھے جاتے ہیں۔ نہ میرے پاس سرمایہ ہے نہ کافی ذرائع ہیں۔ بہت مسلمان پاکستان چلے گئے۔ یہاں جو ہیں وہ غیر مطمئن، سراسیمہ متزلزل ہیں۔ مذہبی رسالہ کون خریدیگا۔

دوستوں کی ہمت شکن باتیں سن کر مجھے دل برداشتہ ہوجانا چاہیئے تھا۔ خصوصاً اپنی بے زری اور راقم الحروف کو دیکھتے ہوئے۔ لیکن ایک شعلہ تھا جو دل

میں بھڑکتا ہی رہا۔ ایک آندھی تھی جو چلتی ہی رہی۔ طوفان کی پروا کئے بغیر میں نے کشتی پانی میں ڈالدی ـــــ " تجلی " نکالدیا۔ اب بعض کرم فرماؤں کا ارشاد یہ ہوا کہ دیوانے تو اگر اپنا لہو پلا کر رسالہ کو زندہ بھی رکھ سکا تو اس سے کونسی خاص مذہبی منفعت ہوگی۔ چند سو یا چند ہزار مسلمانوں تک تیری آواز پہونچ بھی گئی۔ ہمہ گیر بحران و مایوسی پر اسکا کیا اثر پڑ سکے گا۔ گمراہی و بدعقیدگی کی آہنی دیواروں کو تو کہاں ڈھا سکے گا۔

اعتراض معقول تھا۔ منطق اور حقائق قدم قدم پر میرے مخالف تھے۔ لیکن میں نے جواب دیا کہ جو کچھ بھی ہو میرے خدا نے مجھے جتنی ہمت، جتنی عقل، جتنی صلاحیت عطا کی ہے مجھ پر فقط اتنی ہی ذمہ داری ہے۔ میرے بس میں اگر مکمل اصلاح، وسیع انقلاب اور عظیم تعمیر و تبلیغ نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں ہاتھ پیر توڑ کر مایوس ہو بیٹھوں۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ میرا خدا مجھ سے یہ نہیں پوچھے گا کہ دنیا بھر میں تو نے اسلامی انقلاب برپا کیوں نہیں کیا؟ کروڑوں سینوں سے جہل و طغیانی کی سیاہی کیوں نہیں دھوئی؟ بلکہ وہ پوچھے گا کہ تجھے ہم نے جتنی طاقت، جتنی صلاحیت بخشی تھی تو نے اسے ہمارے دین کی خاطر استعمال کیا یا نہیں۔ تو نے اپنی وسعت کے مطابق جد و جہد کی یا نہیں؟

یہی سیدھا سادا فلسفہ ہے جو انسان پر عمل کی راہ کھولتا ہے۔ ورنہ اگر ہر معمار یہ سوچ لے کہ یا تو تنہا پورا محل بنا کر چھوڑ یگا ورنہ ایک اینٹ بھی نہیں رکھے تو تو کوئی عمارت نہ بن سکے اور دنیا ویران ہو جاتے۔

(شاہنامہ جلد اول ص ۱۳)

مولانا عامر عثمانی اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔ وہ نثار بھی تھے، شاعر بھی تھے نکتہ داں بھی تھے۔ فقیہ بھی تھے۔ مجاہد بھی تھے۔ تجلی کی ۲۶ سالہ زندگی میں آپ نے علم و دین کی بہت سی خدمات

ایسی انجام دیں کہ جنہیں خراج عقیدت پیش نہ کرنا، ناشکری اور حقائق سے روگردانی کے مترادف ہے۔ وہ جب تک زندہ رہے اربابِ باطل اور مخالفین اسلام کے دانت کھٹے کرتے رہے۔ مولانا عثمانیؒ صاحب خالص دیوبندی تھے۔ ۱۹۷۲ء میں طلاقِ ثلاثہ کے مسئلے پر جب لے دے ہوئی احناف اور علمائے دیوبند کے مسلک کو جب تاراج کیا جانے لگا تو مولانا عثمانی خاموش بیٹھ کر تماشہ نہ دیکھ سکے انہوں نے تجلی کا طلاق نمبر نکالا اور طلاقِ ثلاثہ کے مسئلہ پر تحقیق کا حق ادا کر دیا۔ اور حنفیت کی برتری و فوقیت ثابت کر کے دکھائی۔ مولانا عامر عثمانیؒ کو مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند سے بڑی عقیدت تھی۔ ایک بار انہوں نے دارالعلوم دیوبند کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا تھا کہ دارالعلوم ہمارا تاج محل ہے۔ یہ ہماری موتی مسجد ہے۔ ایک بار فرمایا تھا کہ اگر بزرگان دین دارالعلوم دیوبند کی بنیاد نہ ڈالتے تو دین ہندوستان میں بیگانہ اور اجنبی بن کر رہ جاتا۔ عامر صاحبؒ کو اکابرینِ دیوبند سے والہانہ عقیدت تھی۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی وفات پر انہوں نے مندرجہ ذیل الفاظ میں عقیدت و وارفتگی کا اظہار کیا۔

"یہ آفتابِ علم و دانش جو سولہ صفر ۱۳۶۹ھ کو وادیٔ غربت کے افق پر غروب ہو گیا۔ دس محرم ۱۳۰۵ھ کو دیوبند کے معزز ترین اور نیک نام خاندان عثمانی کے افق پر ننھا سا ستارہ بن کر طلوع ہوا تھا ___ ننھا ستارہ جس کی تابش میں قدسی نور تھا، پاکیزہ دلکشی تھی انوکھی شادابی تھی ___ اور بڑھتے بڑھتے یہ چاند بن گیا ___ چاند جو فضاؤں کو آسمانی نور عطا کرتا ہے ___ جس کی چاندنی میں رعنائی ہے، سنجیدگی ہے اور پھیلاؤ ہے ___ دیوبند کی گلیوں نے اپنے سینوں میں ایسے قدموں کی دھمک محسوس کی جو علم و عمل اور فہم و تدبر کی اعلیٰ منزل کی طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ ایک معصوم کم گو، منکسر نوجوان ___ جو نہ کبھی فضول تفریحوں میں مشغول رہا گیا ___ نہ کسی لغو ہنگامے میں شریک ہوا نہ کسی سے الجھا ___ نظریں جھکائے علمی خیالات میں غرق ___ کتابیں سنبھالے ___ یا تو مسجد کی طرف

دیکھا گیا یا اس دار العلوم کی طرف جو اس کے آباء و اجداد کی اولوالعزمیوں اور دینی خدمات کا زندہ مجسمہ اپنا آغوشِ محبت وا کئے منتظر رہتا تھا۔ وہ دار العلوم جس نے اسے عزت دی اور خود اس سے عزت پائی — جوانی ہر رنگ میں مسکراتی ہے۔ لیکن اس بلند کردار اور فرشتہ خصلت نوجوان کی جوانی اسکی سجدہ گذار پیشانی کا نور اور چہرہ کا نکھار بن کر مسکراتی اور اس کے آگے دیوبند کا ایک ایک چپہ اور بام و در اس بات کے شاہد ہیں کہ اس نوجوان صالح کی معصومیت کہیں اور کسی موقع پر ذرا گھاتی نہیں ہوتی — پھر دنیا نے بہت جلد محسوس کرلیا کہ یہ روشن چاند بہت جلد خورشید عالمتاب بننے والا ہے اور جبھی لوگوں کی زبانوں پر بے ساختہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے الفاظ ابھر آئے — عثمانی خاندان پہلے ہی حضرت فضل الرحمٰنؒ، حضرت مفتی عزیز الرحمٰنؒ اور حضرت حبیب الرحمٰنؒ جیسے تابناک ہیروں کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ اس خورشید تازہ نے ان جگمگاہٹوں کو نئی جلا اور خیرہ کن تابانی عطا کردی۔

علامہ عثمانی کو فہم و فراست اور توفیق علم و عمل اور قدرت نے وافر دی ہی تھی مگر سب سے ممتاز خصوصیت آپکی وہ انشاء پردازی اور تحریری عظمت ہے جس نے آغاز ہی میں اہل علم و انصاف سے اپنا لوہا منوالیا — بے مثال تنقید و تنقیح ہمہ گیر اسلوبِ بیان، جامعیت سلاست گیرائی، لطافت اور نکھار آپکی تحریروں کی روشن خصوصیات ہیں۔ دیوبند کے بزرگوں میں دینی برتری اور مرتبۂ آخرت کے اعتبار سے تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون بڑا ہوگا۔ لیکن دینی بصیرت علمی فراست اور تفسیری وجدان میں معدودے چند کے سوا کوئی انکی صف میں نظر نہیں آتا۔ تصانیف اگرچہ علامہ کی بہت زیادہ نہیں، لیکن جتنی بھی ہیں بے مثال منفرد اور لافانی ہیں۔ خصوصاً وہ تفسیر قرآن جو فوائد کے نام سے مشہور ہے اور ترجمۂ قرآن جس کا آغاز علامہ کے شیخ مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے کیا تھا مشہور زمانہ ہیں اور زبانِ اردو میں افادیت اور علمی ثقاہت کے لحاظ سے نظیر نہیں رکھتے۔ سب سے بڑی خوبی جو علامہ کی تحریروں میں نمایاں ہے۔ وہ فی زمانہ قطعاً نایاب ہے یعنی علمی انداز اور عالمانہ اسلوب و متانت کو قائم رکھتے ہوئے ایسی سلاست

شادابی، شگفتگی، دلپذیری کہ موجودہ ادب اردو کی بنیادی قدروں پر بھی پوری اتریں اور اسلامی روایات ادب و صحافت بھی مجروح نہ ہوں، عبارتوں میں نہ تو آپ کو تکلف و تصنع ملیگا نہ بیگانہ اور دقیق الفاظ نظر آئیں گے۔ بس ایسا معلوم ہوگا کہ ایک تیز رفتار مشین ہے جس میں سے مناسب اور برمحل الفاظ ڈھلے ڈھلے چلے آرہے ہیں۔ اکابرین دیوبند کی تصانیف میں آپکی ہر تصنیف ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔ اور اگر دوسرے مصنفین کی ہزاروں سطروں میں علامہ کی چند سطریں خلط ملط کردی جائیں تو ایک صاحبِ ذوق اور سمجھدار قاری بلا تکلف ان سطروں کو علیحدہ کر سکتا ہے۔

تصنیف کے سلسلہ میں آپ کا آخری شاہکار مسلم شریف کی شرح فتح الملہم ہے جو عربی زبان میں لکھی گئی۔ علم الحدیث اور تنقیح و تشریح کے اعتبار سے جہاں یہ ایک وحید العصر تصنیف ہے۔ وہاں اسکی نگارشِ عالیہ میں وہ ملکۂ تحریر اور سلیقۂ نگارش بھی پوری طرح اجاگر ہے جو علامہ کی اردو تحریروں میں نمایاں نظر آتا ہے۔

حضرت کے ادبی اور علمی کارناموں پر اگر ہم تفصیل سے روشنی ڈالیں تو ایک دفتر چاہیئے۔ حیرت ناک امر یہ ہے کہ تحریروں کی طرح تقریر کا ملکہ بھی علامہ میں قابلِ رشک حد تک پایا جاتا تھا۔ حیرتناک ہمنے اسلئے کہا کہ ہندوستان کی نوسو سالہ اسلامی تاریخ میں آپ کو شاید ہی چند افراد ایسے ملینگے جو زبردست عالم بھی ہوں ـــــ باکمال مفسر بھی ہوں جلیل القدر مصنف بھی ہوں اور اعلیٰ ترین مقرر بھی ہوں ـــ علامہ ایک مقدس صاحب باطن، زیرک اور دانا عالم باکمال قلمکار اور سحر بیان مفسر ہونے کے علاوہ لاجواب مقرر بھی تھے۔ آپ نے اگر انکی تقریر نہیں سنی تو سچ جانیئے کہ ایک عجیب و غریب لذت اور ذائقے سے محروم رہے۔ میٹھے بول، نرم لہجہ، ہموار روانی ـــــ جیسے سماعت پر شبنم کے موتی ڈھلکتے چلے جائیں اور جب عظمت الٰہی کا بیان ہو تو ایک طوفانی گرج اور پُر وقار لہجے سے دل دہل جائیں روحیں دم بخود ہو جائیں۔ استدلال بے پناہ مگر سادہ، بات گہری مگر سلیس، منطق اٹل مگر عام فہم، فلسفہ لاجواب مگر صاف ستھرا۔ مزاج تبسم آفریں مگر سبق آموز ـــــ جب اسٹیج پر آکر دھیمی آواز میں کلمات حمد و نعت ادا کرتے

اور ہلکی آواز بس تقریر کا آغاز ہوتا تو معلوم ہوتا کہ غالباً ضعف و کمزوری کے باعث چند فقروں سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکیں گے مگر اگلے ہی لمحے میں یہ بطن کمال سے پھوٹنے والا نازک دھارا منزل بہ منزل آگے بڑھتا پھیلتا چھاتا اس طرح جولاں نظر آتا کہ سامعین دم بخود دل محو غرقاب روحیں سرشار و سرمست. آواز جو آہستہ سے ابھری تھی. مجمع پر ایک ردائے محویت بن کر چھا جاتی۔ تقریر کا موضوع ایک لذیذ و لطیف کیف بن کر دماغوں اور دلوں میں اترتا چلا جاتا۔

آپ کو اکبر مرحوم کے اشعار سے خاص دلچسپی تھی۔ اکثر دوران تقریر میں اکبر کے اشعار پڑھتے اور اگرچہ بعض واعظوں اور مقرروں کی طرح ترنم کبھی اختیار نہ فرمایا لیکن ادا کرنے کا انداز ایسا پُر لطف اور استعمال برمحل ہوتا کہ سامعین پھڑک اٹھتے اور یہ محسوس ہوتا کہ شعر کی تخلیق خاص اسی موقع کے لئے کی گئی تھی۔ اکبر کی منفرد اور ممتاز شاعری اگرچہ اپنے پُر لطف طنز اور اخلاق آموز مزاح کے اعتبار سے اُردو ادب میں اپنا ثانی نہیں رکھتی، لیکن عوام کی بے حسی نے کبھی اسے مناسب قدر و منزلت نہیں دی۔ یہ علامہ کا حسن بیان ہی تھا کہ اکبر کے جس شعر کو بھی آپ نے اپنی تقریر میں شامل کر دیا وہ سامعین کے لئے ایک روحانی حقیقت بن گیا اور بہت سے وہ لوگ جو دلیوان میں یہ شعر پڑھ چکے تھے ایسا محسوس کرنے لگے گویا آج پہلی مرتبہ انھیں اس سے تعارف ہوا ہے۔ علامہ کی زبان سادے سادے لفظوں میں عظیم مسائل اور اہم موضوعات کو سلجھاتی چلی جاتی۔ جب مزاح اختیار کرتے تو روحوں پر نشاط طاری ہو جاتا۔ قرآنی حقائق بیان فرماتے تو قلوب ذکر الٰہی کی محویت سے جھومنے لگتے۔ اخوت و محبت کا تذکرہ کرتے تو سماعتوں پر رس کی بوندیں سی ٹپکتی چلی جاتیں۔

آپ کی عام زندگی کے بارے میں ہم لکھنے بیٹھیں تو بہت کچھ لکھ سکتے ہیں لیکن تازہ صدمے کی شدت اور اضطراب و خلش کی فراوانی میں ہم اس وقت چند لفگار کراہوں کے سوا کسی قابل نہیں۔ مختصراً اتنا اور کہہ سکتے ہیں کہ علامہ عثمانی کی موت ایسے زبردست انسان کی موت ہے

سے اگر اس کی صحیح جگہ اور حیثیت مل جاتی تو آج تمام دنیا میں شور ماتم بپا ہوتا ۔ لیکن ہمارا کہن
ال مشرقی ہیروں کو پتھر کی جگہ رکھنے کا عادی ہے ۔ سیکڑوں تابناک ستارے طلوع ہو ہوکر
روپ ہوجاتے ہیں اور مشرق زندوں سے زیادہ مُردوں کو پوجتا ہے ۔ اب بھی یہی ہوگا کہ لوگ
ی کی شان وشوکت سے روئیں گے ۔ سینے پیٹیں گے ۔ دھوم دھام سے جنازہ اُٹھے گا فاتحہ
انی ہوگی اور چند مہینوں بعد کچھ لوگ تو قبر پر سجدے کرکے اولادیں اور نوکریاں مانگنے کی فکر کریں
ے اور کچھ لوگ ہوٹلوں میں بیٹھ کر بڑے دلچسپ انداز میں فرمائیں گے ع حق مغفرت کرے عجب
ادمرد تھا ۔ (تجلی جنوری ۱۹۵۰ء)

مولانا اعزاز علی صاحب کے انتقال پر انھوں نے اس انداز میں تعزیت کا فرض ادا کیا ۔

بہت رنج وافسوس کے ساتھ ناظرین کو یہ خبر سنانے پر مجبور ہیں کہ ۸ مارچ ۱۹۵۵ء کو مدرسہ دارالعلوم
بند کے ایک بہت ہی فاضل وپرہیزگار بزرگ اور راقم الحروف کے استاد حضرت علامہ
شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب مدظلہٗ دار فانی سے کوچ کرگئے ۔ آپ کی ذات گرامی کی بہترین
سوصیات سے یوں تو دارالعلوم اور دیوبند کا بچہ بچہ واقف ہے لیکن میرے لئے ان کی موت نہ صرف
ں لئے خصوصی طور پر المناک ہے کہ وہ میرے استاد تھے بلکہ اس لئے بھی مجھے ان کی موت پر سخت صدمہ ہوا
دارالعلوم کی اس فضا میں جہاں آج مطبخ سے لیکر اہتمام تک پارٹی پالیٹکس کا دور دورہ اور
وتوکی رسہ کشی ہے، وہ ایک ایسی معظم وبرتر ہستی تھے جسے اپنے فرائض کی ادائیگی کے
اکسی سیاست بازی اور دھڑے بندی سے سروکار نہ تھا وہ ایک طرف شب بیدار
بد تھے تو دوسری طرف تعلیم وتعلم کے زندہ پیکر، ہر آنکھ والا گواہ ہے کہ ان کے اوقات کا
برترین حصہ صرف پڑھنے پڑھانے میں صرف ہوتا تھا۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کا وصال ہوا تو مولانا عامر عثمانیؒ نے
یدت کا اظہار ان الفاظ میں کیا :-

۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء کی سہ پہر کو استاذ محترم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی وفات کا جو غم انگیز سانحہ پیش آچکا ہے اس سے ملک کا بچہ بچہ واقف ہے۔ تکفین و تدفین کی تمام جزوی تفصیلات اخبارات میں آچکی ہیں۔ متعدد مقامات پر تعزیتی جلسے ہو چکے ہیں تعارفی و تعزیتی مضامین اور ملک کی قابلِ ذکر ہستیوں کے تاثرات ملاحظہ کئے جا چکے ہیں۔ کئی اخباروں کے خاص نمبر نکل چکے ہیں۔ اور وہ سب کچھ ہو چکا ہے جو کسی محبوب ہستی کی رحلت پر پروپیگنڈے اور لفظ کاری کے موجودہ دور میں متوقع ہو سکتا ہے۔ نظم و نثر کا کوئی اسلوب نہیں ہے جسے مدعیانِ عقیدت نے نظر انداز کر دیا ہو۔ بعض شاعروں نے تو فرطِ غم میں کئی کئی نظمیں اور درجنوں قطعات کہہ ڈالے۔ اس کے بعد ظاہر ہے کہ میرے پاس کہنے کو کیا رہ گیا ہے لیکن صاحبِ کردار اور معظم استاد کی وفات کا غم اس کا متقاضی ہے کہ بس چند آنسو ٹپکا لوں اور تجلّی کو عزاداری کی سعادت سے محروم نہ رہ جانے دوں۔

شیخ کی زندگی کیا تھی، سراپا جہد و عمل، عبادت، بندگی اور خدمت، تہجد سے لیکر رات بارہ ایک بجے تک وہ ایک مجاہد کی طرح سرگرم عمل رہتے۔ تلاوتِ قرآن، نمازیں، درسِ حدیث، تعلیمی نظامت کی نگرانی، مہمانوں کی ضیافت، متوسلین کی خبر گیری، قومی و ملی خدمت کے لئے سفر، خطبہ و وعظ، ارشاد و بیعت۔ یہ تھیں ان کی مصروفیتیں۔ مہمان نوازی اتنی کہ ان کے "دولت کدہ" کو بلا مبالغہ "مہمان خانہ" کہہ سکتے ہیں۔ شاید ہی کوئی دن ایسا گذرتا ہو کہ حضرت دیوبند میں ہوں اور دسترخوان پر دس بیس مہمان موجود نہ ہوں۔ بیشمار ایسے بھی لوگ آپ کے حسنِ تواضع سے فائدہ اُٹھاتے جن کا کوئی قابلِ لحاظ تعلق و تعارف آپ سے نہ ہوتا۔

دارالعلوم نے اگرچہ حضرت کی تعلیمی خدمات کا مشاہرہ دینے سے بخل نہیں کیا لیکن ظاہر ہے ایسی وسیع مہمان نوازی اس سے کیا ہو پاتی۔ نتیجہ یہ کہ بارہا مقروض ہو جاتے مگر کیا مجال پیشانی پر بل آجائے۔ خدا کی عطا پر مطمئن اور مال و منال کی محبت سے یکسر بے تعلق تھے۔

تنخواہ ملتی تو سب سے پہلے ان لوگوں کا حصہ روانہ کیا جاتا جن کا رزق اللہ تعالیٰ نے شیخ ہی کی فراخ دلی سے وابستہ کر رکھا تھا۔ کون جانے کتنی بیوائیں، کتنے یتیم، اور کتنے ضرورت مند ہر مہینے ان کی غربا پروری سے نوازے جاتے۔ بلا سے قرض کتنا ہی ہو، بلا سے اخراجات کتنے ہی بڑھ گئے ہوں، مگر متاعِ دنیا سے بے نیاز اور رضائے الٰہی کے طالب شیخ نے کبھی ان منتظر ضرورت مندوں کا حصہ روک کر آمد و خرچ میں توازن پیدا کرنے کا خیال تک نہیں کیا۔ کیسے کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دریا دلی ان کے پیش نظر تھی صحابہ رضی کا اُسوہ ان کے لوحِ قلب پر نقش تھا۔ اہل اللہ کی سیرت انہیں خوب یاد تھی۔

اور جانتے ہیں آپ اس مردِ مومن کی دیانت اور پرہیزگاری، مرض الموت میں جب کچھ دنوں مدرسے تشریف نہ لے جا سکے۔ اور تنخواہ آئی تو واپس فرما دی۔ اللہ اکبر یہ ہے وہ مقام جہاں کم سے کم آج کے دورِ زر پرست میں جبریل کے پر جلنے کا محاورہ بولا جا سکتا ہے۔ کیا اسے انتہائی تقویٰ اور دیانت کے سوا بھی کچھ کہا جائے گا۔

تنخواہ تو درکنار اگر مدرسے سے وہ اپنی بیماری کے دنوں میں علاج و معالجہ کے لئے بھی کچھ زائد رقم لے لیتے تو اوصاف و دیانت کے منافی نہ ہوتا۔ آخر میں جس درسگاہ کی خدمت میں انہوں نے بہترین عمر صرف کر دی اور جس درسگاہ کو ان کے توسل نے شہرت و عظمت اور مال و منال سبھی چیزوں سے بہرہ ور کیا۔ کیا انصافاً ان کا حق نہ ہوتا کہ عمرِ ضعیفی میں اپنی جائز ضروریات اسی سے حاصل کریں۔ لیکن یہی وہ مقام ہے جہاں سے تقویٰ اور راباحت کے دو جداگانہ راستے پھٹتے ہیں۔ شیخ نے تقویٰ کا راستہ اختیار کیا۔ اس تفصیل کو بھی نظر میں رکھیے کہ اس تنخواہ کو نہ لینے کا ذکر ہے۔ جو عام قانون مدرسے کی رو سے ان کا جائز قانونی حق تھا۔ یہ ایسی چیز نہیں تھی کہ یہ حضرت کے بلند مقام و منصب کی رعایت سے۔ انہیں دی جا رہی ہو۔ بلکہ یہ وہ چیز تھی جسے مدرسہ کا ہر ملازم آئینی طور پر وصول کرتا ہے اور جس کے وصول کرنے میں دین و دنیا کسی بھی لحاظ سے انگلی اٹھانے کی گنجائش نہیں۔ لیکن شیخ نے صاف کہہ دیا جب میں پڑھا

نہیں رہا ہوں تو تنخواہ کیسی۔

مجلسِ شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ کسی نہ کسی طرح یہ اُن کا جائز حق ان تک پہنچا دینا چاہیے لیکن ایک مردِ عزیمت کوش کو اس کے فیصلے سے ہٹا دینا آسان نہیں تھا کہ جس کا جی چاہے جاکر معاملہ نمٹا دے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو یہ کام سونپا گیا کہ کسی مناسب وقت میں حضرت کو سمجھائیں اور ایک ہزار سے زائد کی یہ رقم ان کے حوالے کردیں۔ حضرت مہتمم صاحب اس فکر میں رہے کہ شیخ کی طبیعت کچھ سہولت پر ہو تو اظہارِ مدعا کریں لیکن اللہ کو یہ منظور نہیں تھا۔

اور گفتگو کا مناسب موقع میسر آنے سے پہلے ہی انھیں اللہ نے اپنے یہاں بُلا لیا بعد میں حضرت مہتمم صاحب شیخ کی زوجۂ مکرّمہ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور فرضِ تعزیت ادا کرنے کے بعد کہا کہ وہ رقم آپ لے لیں۔ کیونکہ وہ شیخ کا قطعًا اور قانونی حق ہے اس پر جو جواب زوجہ مکرمہ نے دیا وہ بھی واقعی اُن کی عظمت وخصوصیت کے عین مطابق ہے ــــ ایک وسیع القلب، فراخ حوصلہ، ہمدردِ محض اور زاہد و متقی شیخ کی حرم محترم کو بے شک اتنا ہی اونچا ہونا چاہیے۔ انہوں نے فرمایا۔

آپ سب کچھ ٹھیک کہتے ہیں مگر جب انہوں نے ہی زندگی میں یہ رقم نہیں لی تو ہم اُن کے بعد یہ کیسے لے سکتے ہیں۔ حضرت مہتمم صاحب نے بہت کچھ سمجھایا اور ظاہر ہے کہ اُن کے حسنِ کلام، رعنائی گفتگو اور قوتِ استدلال کا کہنا ہی کیا ہے۔ مگر رقم نہیں لی گئی اور خاتون ذی جاہ نے ثابت کردیا کہ ایک مخلص اور دریا دل اور خدا پرست مردِ مومن کے اہل وعیال اس کی خصوصیات کا گہرا اثر قبول کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ سلامتی ہو اُن پر۔ اللہ تعالیٰ انھیں بہتر نعمتوں سے نوازے

شجاعت و پامردی جوانسانیت کا بہترین جوہر سمجھا گیا ہے۔ حضرت کی وہ نمایاں صفت رہی ہے کہ تاریخ جنگ آزادی کا ہر جاننے والا اور آپ کی صحبت ومعیت کا ہر فیض یاب اس سے بخوبی واقف ہے۔ انگریزی دور کی عدالتوں میں آپ نے ... جس

ومنانہ حق گوئی اور مجاہدانہ دلیری سے بیانات دیئے ہیں اُن کی گونج آج تک با خبر
قوں میں باقی ہے۔ خوف، جُبن، مُداہنت۔ بزدلی اور سخن سازی سے تو آپ کی طبیعت و
رشت کو کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔

جس وقت جس بات کو آپ کے قلب و ذہن نے حق سمجھا شیروں کی طرح اس پر جم گئے
رہر حال میں وہی کہا جسے اپنے نزدیک قرآن و سنّت کے مطابق سمجھا لگی لپٹی آپ کا شیوہ
تھا، کھری کہتے تھے۔ ایک سلیم و سادہ انسان کی طرح آپ کے مزاج میں اینچ پینچ نہیں تھا
ق سے چڑ تھی۔ خلافِ اسلام کی وضع کی سخت مکروہ محسوس کرتے تھے ...... اور اپنے
منے خلافِ سُنّت چیزوں کو پاکر برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ آئینہ کی طرح صاف دل تھے
سروں کو بھی قدرتاً صاف دل سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان کی مومنانہ زود اعتمادی اور حسنِ ظن
ے نہ جانے کتنے رنگے سیاروں نے فائدے اُٹھائے ہیں۔ نہ جانے کتنے خود غرضوں نے
یں پوری کی ہیں۔ دین کے معاملہ میں سخت لیکن غربار، مساکین، طلبار اور خویش واقربار
معاملہ میں نہایت شفیق، رحمدل، مہربان اور وسیع القلب تھے۔

ایک صفت ان میں ایسی تھی جو فی زمانہ بہت ہی کمیاب ہے یعنی اپنی تعریف و منقبت سے
ت بیزاری، آج کی دنیا میں کون نہیں جانتا کہ ہمارے سیاسی لیڈر ہی نہیں، دینی راہنما،
واعظین و علمار اپنی مدح اور عزت افزائی کے کس قدر رسیا ہو چکے ہیں۔ ہر ممتاز
اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے کہ لوگ اس کے قصیدے گائیں اسے سر آنکھوں پر لیں اسے
اور امام سمجھنے کا عملی ثبوت دیں۔ لیکن حضرت شیخ کا ہر جاننے والا خوب جانتا
کہ وہ نفسانیت کے اس وبائی اور ہمہ گیر مرض سے بفضلہ تعالیٰ بچے ہوئے تھے بارہا
نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا ہے کہ وہ صدرِ محفل ہیں اور کسی شاعر نے ان کی
ن میں قصیدے کی بسم اللہ ہی کی ہے کہ انھوں نے سختی سے روک دیا ہے کسرِ نفسی کے
ن کرنے والے تو آج بھی بہتیرے مل جائیں گے لیکن ان بازی گروں کا حال سب پر
رہے کہ یہ ایک پنتھ دو کاج کر جاتے ہیں یعنی عجز و بے نفسی کا بھی سکہ جما دیا اور قصیدہ

نہیں رہا ہوں تو تنخواہ کیسی۔

مجلسِ شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ کسی نہ کسی طرح یہ اُن کا جائز حق ان تک پہنچا دینا چاہئے لیکن ایک مردِ عزیمت کوش کو اس کے فیصلے سے ہٹا دینا آسان نہیں تھا کہ جس کا جی چاہے جا کر معاملہ نمٹا دے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو یہ کام سونپا گیا کہ کسی مناسب وقت میں حضرت کو سمجھائیں اور ایک ہزار سے زائد کی یہ رقم ان کے حوالے کر دیں۔ حضرت مہتمم صاحب اس فکر میں رہے کہ شیخ کی طبیعت کچھ سہولت پر ہو تو اظہارِ مدعا کریں لیکن اللہ کو یہ منظور نہیں تھا۔

اور گفتگو کا مناسب موقع میسر آنے سے پہلے ہی انہیں اللہ نے اپنے یہاں بلا لیا بعد میں حضرت مہتمم صاحب شیخ کی زوجہ محترمہ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور فرضِ تعزیت ادا کرنے کے بعد کہا کہ وہ رقم آپ لے لیں۔ کیونکہ وہ شیخ کا قطعاً اور قانونی حق ہے اس پر جو جواب زوجہ محترمہ نے دیا وہ بھی واقعی اُن کی عظمت و خصوصیت کے عین مطابق ہے ــــ ایک وسیع القلب، فراخ حوصلہ، ہمدردِ محض اور زاہد و متقی شیخ کی حرم محترم کو بے شک اتنا ہی اونچا ہونا چاہیئے۔ انہوں نے فرمایا۔

آپ سب کچھ ٹھیک کہتے ہیں مگر جب انہوں نے ہی زندگی میں یہ رقم نہیں لی تو ہم اُن کے بعد یہ کیسے لے سکتے ہیں۔ حضرت مہتمم صاحب نے بہت کچھ سمجھایا اور ظاہر ہے کہ اُن کے حسنِ کلام، رعنائی گفتگو اور قوتِ استدلال کا کہنا ہی کیا ہے۔ مگر رقم نہیں لی گئی اور خاتون ذی جاہ نے ثابت کر دیا کہ ایک مخلص اور دریا دل اور خدا پرست مردِ مومن کے اہل و عیال اس کی خصوصیات کا گہرا اثر قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ سلامتی ہو اُن پر اللہ تعالیٰ انہیں بہترین نعمتوں سے نوازے۔

شجاعت و پامردی جوانسانیت کا بہترین جوہر سمجھا گیا ہے۔ حضرت کی وہ نمایاں صفت رہی ہے کہ تاریخ جنگِ آزادی کا ہر جاننے والا اور آپ کی صحبت و معیت کا ہر فیض یاب اس سے بخوبی واقف ہے۔ انگریزی دور کی عدالتوں میں آپ نے ۔۔۔ جس

مومنانہ حق گوئی اور بجا ہدانہ دلیری سے بیانات دیئے ہیں اُن کی گونج آج تک باخبر حلقوں میں باقی ہے۔ خوف، جُبن، اگر مگر۔ بزدلی اور سخن سازی سے تو آپ کی طبیعت و فطرت کو کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔

جس وقت جس بات کو آپ کے قلب و ذہن نے حق سمجھا شیروں کی طرح اس پر جم گئے اور ہر حال میں وہی کہا جسے اپنے نزدیک قرآن و سنت کے مطابق سمجھا گول لپٹی آپ کا شیوہ نہ تھا، کھری کھری کہتے تھے۔ ایک سلیم و سادہ انسان کی طرح آپ کے مزاج میں ایچ پیچ نہیں تھا نفاق سے چڑ تھی۔ خلافِ اسلام کی وضع کی سخت مکروہ محسوس کرتے تھے ..... اور اپنے سامنے خلافِ سُنّت چیزوں کو پاکر برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ آئینہ کی طرح صاف دل تھے دوسروں کو بھی قدرتاً صاف دل سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان کی مومنانہ زود اعتقادی اور حسنِ ظن سے نہ جانے کتنے رنگے سیاروں نے فائدے اُٹھائے ہیں۔ نہ جانے کتنے خود غرضوں نے اپنی غرضیں پوری کی ہیں۔ دین کے معاملہ میں سخت لیکن غربار، مساکین، طلبار اور خویش واقربار کے معاملہ میں نہایت شفیق، رحمدل، مہربان اور وسیع القلب تھے۔

ایک صفت ان میں ایسی تھی جو فی زمانہ بہت ہی کمیاب ہے یعنی اپنی تعریف و منقبت کو سخت بیزاری، آج کی دنیا میں کون نہیں جانتا کہ ہمارے سیاسی لیڈر ہی نہیں، دینی راہنما، اور واعظین و علمار اپنی مدح اور عزت افزائی کے کس قدر بھوکے ہو چکے ہیں۔ ہر ممتاز آدمی اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے کہ لوگ اس کے قصیدے گائیں اسے سر آنکھوں پر لیں اسے پیروا اور امام سمجھنے کا عملی ثبوت دیں۔ لیکن حضرت شیخ کا ہر جاننے والا خوب جانتا ہے کہ وہ نفسانیت کے اس وبائی اور ہمہ گیر مرض سے بفضلہ تعالیٰ بچے ہوئے تھے بارہا میں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا ہے کہ وہ صدر محفل ہیں اور کسی شاعر نے ان کی شان میں قصیدے کی بسم اللہ ہی کی ہے کہ انھوں نے سختی سے روک دیا ہے کسر نفسی کی نمائش کرنے والے تو آج بھی بہتیرے مل جائیں گے لیکن ان بازی گروں کا حال سب پر ظاہر ہے کہ یہ ایک پنتھ دو کاج کر جاتے ہیں یعنی عجز و بے نفسی کا بھی سکہ جما دیا اور قصیدہ

نہیں رہا ہوں تو تنخواہ کیسی ۔

مجلسِ شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ کسی نہ کسی طرح یہ اُن کا جائز حق ان تک پہنچا دینا چاہئے لیکن ایک مردِ عزیمت کوش کو اس کے فیصلے سے ہٹا دینا آسان نہیں تھا کہ جس کا جی چاہے جا کر معاملہ نمٹا دے ۔ حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کو یہ کام سونپا گیا کہ کسی مناسب وقت میں حضرت کو سمجھائیں اور ایک ہزار سے زائد کی یہ رقم ان کے حوالے کر دیں ۔ حضرت مہتمم صاحب اس فکر میں رہے کہ شیخ کی طبیعت کچھ سہولت پر ہو تو اظہارِ مدعا کریں لیکن اللہ کو یہ منظور نہیں تھا ۔

اور گفتگو کا مناسب موقع میسّر آنے سے پہلے ہی انہیں اللہ نے اپنے یہاں بلا لیا بعد میں حضرت مہتمم صاحب شیخ کی زوجۂ مکرمہ کی خدمت میں تشریف لے گئے اور فرضِ تعزیت ادا کرنے کے بعد کہا کہ وہ رقم آپ لے لیں ۔ کیونکہ وہ شیخ کا قطعًا اور قانونی حق ہے اس پر جو جواب زوجہ مکرمہ نے دیا وہ بھی واقعی اُن کی عظمت و خصوصیت کے عین مطابق ہے ـــ ایک وسیع القلب ، فراخ حوصلہ ، ہمدردِ محض اور زاہد و متقی شیخ کی حرمِ محترم کو بے شک اتنا ہی اونچا ہونا چاہیئے ۔ انہوں نے فرمایا ۔

آپ سب کچھ ٹھیک کہتے ہیں مگر جب انہوں نے ہی زندگی میں یہ رقم نہیں لی تو ہم اُن کے بعد یہ کیسے لے سکتے ہیں ۔ حضرت مہتمم صاحب نے بہت کچھ سمجھایا اور ظاہر ہے کہ اُن کے حسنِ کلام ، رعنائی گفتگو اور قوتِ استدلال کا کہنا ہی کیا ہے مگر رقم نہیں لی گئی اور خاتون ذی جاہ نے ثابت کر دیا کہ ایک مخلص اور دریا دل اور خدا پرست مردِ مومن کے اہل و عیال اس کی خصوصیات کا گہرا اثر قبول کے بغیر نہیں رہ سکتے ۔ سلامتی ہو اُن پر اللہ تعالیٰ انہیں بہترین نعمتوں سے نوازے ۔

شجاعت و پامردی جوانسانیت کا بہترین جوہر سمجھا گیا ہے ۔ حضرت کی وہ نمایاں صفت رہی ہے کہ تاریخ جنگ آزادی کا ہر جاننے والا اور آپ کی صحبت و معیت کا ہر فیض یاب اس سے بخوبی واقف ہے ۔ انگریزی دور کی عدالتوں میں آپ نے ۔۔۔ جس

حق گوئی اور بجا جرأت و دلیری سے بیانات دیئے ہیں اُن کی گونج آج تک باخبر
... باقی ہے۔ خوف، جُبن، گریز۔ بزدلی اور سخن سازی سے تو آپ کی طبیعت و
فطرت کو کوئی واسطہ ہی نہیں تھا۔

جس وقت جس بات کو آپ کے قلب و ذہن نے حق سمجھا شیروں کی طرح اس پر جم گئے
اور ہر حال میں وہی کہا جسے اپنے نزدیک قرآن و سنّت کے مطابق سمجھا لگی لپٹی آپ کا شیوہ
نہ تھا، کھری کہتے تھے۔ ایک سلیم و سادہ انسان کی طرح آپ کے مزاج میں اینچ پینچ نہیں تھا
نفاق سے چڑ تھی۔ خلافِ اسلام کی وضع کی سخت مکروہ محسوس کرتے تھے ۔۔۔۔۔ اور اپنے
سامنے خلافِ سُنّت چیزوں کو پاکر برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ آئینہ کی طرح صاف دل تھے
دوسروں کو بھی قدرتاً صاف دل سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان کی مومنانہ زود اعتقادی اور حُسنِ ظن
سے نہ جانے کتنے رنگے سیاروں نے فائدے اُٹھائے ہیں ۔ نہ جانے کتنے خود غرضوں نے
اغراض پوری کی ہیں۔ دین کے معاملہ میں سخت لیکن غربار، مساکین، طلبار اور خویش و اقربار
کے معاملہ میں نہایت شفیق، رحمدل، مہربان اور وسیع القلب تھے۔

ایک صفت ان میں ایسی تھی جو فی زمانہ بہت ہی کمیاب ہے یعنی اپنی تعریف و منقبت سے
سخت بیزاری، آج کی دنیا میں کون نہیں جانتا کہ ہمارے سیاسی لیڈر ہی نہیں، دینی راہنما
اور واعظین و علمار اپنی مدح اور عزت افزائی کے کس قدر رسیو کے ہو چکے ہیں۔ ہر ممتاز
آدمی اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے کہ لوگ اس کے قصیدے گائیں اسے سر آنکھوں پر لیں اسے
پیر و ادر امام سمجھنے کا عملی ثبوت دیں۔ لیکن حضرت شیخ کا ہر جاننے والا خوب جانتا
ہے کہ وہ نفسانیت کے اس وبائی اور ہمہ گیر مرض سے بفضلہ تعالیٰ بچے ہوئے تھے بارہا
میں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا ہے کہ وہ صدرِ محفل ہیں اور کسی شاعر نے ان کی
شان میں قصیدے کی بسم اللہ ہی کی ہے کہ انھوں نے سختی سے روک دیا ہے کسرِ نفسی کی
نمائش کرنے والے تو آج بھی بہتیرے مل جائیں گے لیکن ان بازی گروں کا حال سب پر
ظاہر ہے کہ یہ ایک پنتھ دو کاج کر جاتے ہیں یعنی عجز و بے نفسی کا بھی سکّہ جما دیا اور قصیدہ

یا سپاسنامہ بھی دھڑلے کے ساتھ پڑھا گیا۔ مگر حضرت شیخ تکلفاً نہیں روکا کرتے تھے بلکہ ان کا لہجہ اور تیور اس بات کے گواہ ہوا کرتے تھے کہ وہ بیچ بیچ غصہ میں ہیں اور پڑھنے والا اگر باز نہ آتا یا تو اٹھ کر اس کے ہاتھ سے کاغذ چھین لیتے تھے یا ایسا کرنے کی عملاً صورت نہ ہو تو اٹھ کر چلے جاتے تھے خود میرا اپنا واقعہ ہے کہ دورۂ حدیث کے زمانہ میں ایک جلسہ حضرت کی صدارت میں ہوا۔ میں نے ایک نظم شروع کی جس کا ایک مصرعہ آج تک یاد ہے ؎

یہ فخر کچھ کم نہیں حاضر کرہوں غلام حسینؒ احمدؒ

حضرت نے ایک دو شعروں کے بعد یہ اندازہ کرتے ہی کہ نظم منقبت میں کہی گئی ہے فوراً ڈانٹ دیا کہ خرافات بند کرو حاضرین جلسہ نے بہت اصرار کیا کہ حضرت اجازت مرحمت فرما دیں لیکن تو بہ اجازت نہیں دی۔ ۔ اور نظم نہیں پڑھی گئی۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے بعد ان کی عدم موجودگی میں یہ کتنے ہی جلسوں اور صحبتوں میں پڑھی گئی ہو۔

بہر حال ایک سچے اور پاک نفس مومن کی طرح حضرت شیخ کو زندگی بھر حُبِّ جاہ اور قصائد مدحیہ سے بیزاری رہی چنانچہ آپ کے سامنے ہے کہ انھوں نے اپنی عمر کا بہترین حصہ وطن کی خدمت اور ابنائے وطن کی بہی خواہی میں صرف کردیا کانگریس کا ہر دیانتدار فرد ان کی مجاہدانہ خدمات کا معترف ہے لیکن کیا مجال جو اشارۃً وکنایۃً بھی کبھی عہدے یا اعزاز یا کی طلب ظاہر کی ہو۔ طلب کیا کرتے ان کے مخلص اور مومن قلب میں اس کا وہم بھی نہیں گذرا کہ حق پرستی کے ذیل میں کی ہوئی جدوجہد کا کوئی دنیاوی اجر بھی ملنا چاہیئے۔

میں ان کی ایمان افروز زندگی کے تمام گوشے نمایاں کرنے لگوں تو کئی سو صفحات بھی ناکافی ہوں گے اور پھر بھی اس مرتبہ ومقام کا بیان نہ ہو سکے گا جو اہل طریقت کے نقطۂ نظر سے مستقل ایک حیثیت رکھتا ہے وہ محض عابد و عالم نہ تھے سالک بھی تھے۔ ارشاد وبیعت کا سلسلہ بھی ان سے وابستہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم جیسا عامی اور اس کوچہ سے بے خبر اس..... موضوع پر کیا کہہ سکتا ہے۔ وہی لوگ اس موضوع پر بول سکتے ہیں جنھیں وادی طریقت کی

ہیر نصیب ہو۔ بس ہمارے لئے تو یہی کافی ہے کہ شیخ ایک مردِ مومن تھے ان میں برگزیدہ سلاف کی جھلکیاں پائی جاتی تھیں ان میں وہ اخلاق نظر آتا تھا جو ایمان و اسلام کی پاکیزہ یلمات سے مربوط ہے ویسے طالبانِ تفصیل کو ان کی اپنی تصنیف کردہ "سوانح حیات" "نقشِ یات" دیکھنی چاہیے اور بہت ہی شوق ہو تو وہ اُردو رسائل واخبارات حاصل کر نے ہائیں۔ جن میں حضرت کے حالات و کوائف نوع بہ نوع انداز میں لکھے گئے۔

بس اتنا سُن لیجئے کہ چند مہینوں کی بیماری کے بعد آپ نے ۸۲ سال کی عمر میں ۱۳ دسمبر ۱۹۷۲ء کی سہ پہر کو جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔ آپ کا تاریخی نام "چراغ محمد" تھا تدفین سی دن رات کو تقریباً ڈھائی بجے کردی گئی اس کے باوجود اندازاً پندرہ بیس ہزار آدمی جنازے میں شریک تھے۔ ان میں دیوبند کے علاوہ باہر کے بھی وہ بے شمار لوگ تھے جو خبرِ وفات سُن کر اُفتاں وخیزاں دیوبند چلے آئے تھے۔ اگر تدفین اگلے دن ہوتی تو تعجب نہیں کہ چالیس، بچاس ہزار آدمی شریکِ جنازہ ہوتے کیونکہ بے شمار عقیدت مندوں کو تو پہنچنے کیلئے وقت ہی نہیں نہیں مل سکا۔ ٹیلیفون کال اور تاروں کی کوئی گنتی نہیں۔

مولانا عامر عثمانیؒ نے علمائے دیوبند کی وفات پر وقتاً فوقتاً جن تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ وہ تاثرات اس دیوبندیت کا آئینہ دار ہیں۔ جو اُن کے قلب و ذہن میں پیوست تھی۔ مولانا عامر عثمانیؒ زندگی بھر دشمنانِ اسلام سے اُلجھتے رہے۔

۱۲ اپریل ۱۹۷۵ء کو کمیونسٹوں کے خلاف نظم پڑھنے کیلئے وہ پُونا کے ایک مشاعرہ میں تشریف لے گئے اور وہیں انتقال ہوگیا۔ آپ بمبئی کے تاریخی باڑی قبرستان میں مدفون ہیں آپ کی تاریخ وفات

"مولانا عامر عثمانی عفی عنہ" سے نکلتی ہے۔

۱۳۹۵ھ

دیوبند

مولانا ظفر علی مرحوم

شاد باش و شاد زی اے سرزمینِ دیوبند ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند
ملتِ بیضا کی عزت کو لگائے چار چاند حکمتِ بطحا کی قیمت کو کیا تو نے دو چند
اسم تیرا با مسمیٰ، ضرب تیری بے پناہ دیوِ استبداد کی گردن ہے اور تیری کمند
تیری ارجعت پر ہزاروں اقدام سو جاں سے نثار قرنِ اوّل کی خبر لائی تری اٹھی زقند
تو علم بردارِ حق ہے حق نگہباں ہے ترا خیلِ باطل سے پہنچ سکتا نہیں تجھ کو گزند
ناز کر اپنے مقدر پر کہ تری خاک کو کر لیا اُن عالمانِ دینِ قیّم نے پسند
جاں کر دیں گے جو ناموسِ پیمبر پر فدا حق کے رستے پر کٹا دیں گے جو اپنا بند بند
کفر ناچا جن کے آگے بارہا آگئی کا ناچ جس طرح جلتے توے پر رقص کرتا ہے سپند
اس میں قاسمؒ ہوں کہ انور شاہؒ کہ محمود الحسنؒ سب کے دل تھے دردمند اور سب کی فطرت ارجمند

گرمیٔ ہنگامہ تیری ہے حسین احمدؒ سے آج
جن سے پرچم ہے روایاتِ سلف کا سربلند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دَارُالعُلُوم

علم ربّانی کا بحرِ بیکراں دارالعلوم — اسوۂ خیر البشر کا ترجماں دارالعلوم
تشنگانِ علم تجھ سے ہو رہے ہیں فیضیاب — تیرے دامن میں متاعِ دوجہاں دارالعلوم
ارضِ دیوبند سے ہے عالمِ اسلام میں — ترجمانِ عظمتِ ہندوستاں دارالعلوم
منبعِ رشد و ہدایت، مرکزِ دارالحدیث — طالبانِ علم کا دارالاماں، دارالعلوم
آئینہ دارِ مزاجِ سیدِ عابد حسین — حضرتِ قاسم کی سعیٔ کامراں دارالعلوم
حضرتِ محمود و انور شاہ کی خدمات سے — بن گیا رشکِ گلستانِ جہاں دارالعلوم
ہاں بفیضِ حضرتِ مولانا اشرف تھانوی — آج ہے علم و عمل کا آستاں دارالعلوم
یہ حسین احمد کے عز و شان کی تصویر ہے — ہے علومِ دینِ حق کا ترجماں دارالعلوم
حضرتِ طیّب کے نظم و ضبط کا اعجاز ہے — دیکھتی ہے دیدۂ، دیدہ وراں دارالعلوم
فارغ التحصیل تیرے ہر جگہ موجود ہیں — ساری دنیا میں ہیں تیرے پاسباں دارالعلوم

اصل میں اقبال یہ چشمۂ انوار ہے
اس کو کہتے ہیں سبھی اہلِ جہاں دارالعلوم

خاص تجلّی کے لئے — اقبال صابری دیوبند

فضلائے دارالعلوم

ہندوستان

نمبر شمار	نام صوبہ	تعداد فضلاء کرام	نمبر شمار	نام صوبہ	تعداد فضلاء کرام
۱	اتر پردیش	۱۸۹۲	۹	میسور	۶
۲	مغربی بنگال	۱۵۱	۱۰	مدھیہ پردیش	۲۰
۳	آسام و منی پور	۲۲۵	۱۱	مشرقی پنجاب	۵۲
۴	بہار و اڑیسہ	۷۰۰	۱۲	دہلی	۱۲
۵	مدراس	۳۰	۱۳	مہاراشٹر	۳۵
۶	ٹراونکور	۳	۱۴	گجرات	۱۳۸
۷	کیرالہ	۳۲	۱۵	راجستھان	۳۳
۸	آندھرا پردیش	۵۲	۱۶	جموں و کشمیر	۱۰۰

میزان ۲۷۹۲

سابقہ کفایت ۱۳۸۳ھ میں ہندوستان کے فضلاء کی مجموعی تعداد ۳۶۱۱

کل میزان ۶۴۰۳

فضلائے دارالعلوم دیوبند کی یہ وہ تعداد ہے جس کا تعلق صرف ہندوستان سے ہے۔ ہندوستان کے علاوہ دوسرے جن ملکوں کے طالبانِ علم نے دارالعلوم سے علمی فیضان حاصل کرکے فراغت پائی اُن کے نقشے سے واضح ہوگا کہ دارالعلوم نے اپنے علمی فیوض سے صرف برِصغیر ہی کو بہرہ اندوز نہیں کیا بلکہ ایشیا اور افریقہ کے اسلامی ممالک بھی اس کی ضیا پاشیوں سے محروم نہیں رہے۔ ان غیر ملکی فضلاء

دارالعلوم کی ایک سو چودہ سالہ فہرست از ۱۲۸۳ھ تا ۱۳۹۶ھ یہ ہے:۔

۱۔	افغانستان	۱۰۹	۱۰۔	سیام	۱
۲۔	انڈونیشیا	۱	۱۱۔	سیلون	۵
۳۔	ایران	۱۱	۱۲۔	عراق	۲
۴۔	برما	۱۶۰	۱۳۔	فرانس	۱
۵۔	تھائی لینڈ	۲	۱۴۔	کمبوڈیا	۱
۶۔	جنوبی افریقہ	۱۹۹	۱۵۔	کویت	۲
۷۔	چین	۳۴	۱۶۔	ملائشیا	۳۴۵
۸۔	روس بشمول سائبیریا	۷۰	۱۷۔	نیپال	۵۵
۹۔	سعودی عرب	۲	۱۸۔	یمن	۱
				میزان کل	۱۱۱۶

ہند و بیرون ہند کے فضلاء کی مجموعی تعداد یہ ہے:۔

۱۔ ہندوستان	۷۴۰۳
۲۔ پاکستان	۱۵۲۳
۳۔ بنگلہ دیش	۱۹۷۳
۴۔ مختلف ممالک	۱۱۱۶
میزان	۱۱۷۱۳

مذکورہ بالا سند یافتہ فضلاء دارالعلوم کے علاوہ جن طلباء نے دارالعلوم سے استفادہ کیا اُن کی تعداد کا تخمینہ یہ ہے:۔[1] ۵۸۳۱۰

کل میزان ۷۰۰۲۳

[1] یہ تخمینہ ۱۳۸۲ھ تک کا ہے۔ اس کے بعد ۱۴ سال کے اعداد و شمار فراہم [illegible]

ثمرۃ التربیت • نظارۃ المعارف

سے لیکر

ریشمی رومال کی

تحریک تک

دارالعلوم دیوبند قدرت ربانی کا ایک الہامی شاہکار ہے اس کی رحمت کا ایک چھینٹا جب سرزمین دارالعلوم دیوبند پر پڑا تو اس خطۂ ارضی پر قال اللہ وقال الرسول کے وہ انوار برسے کہ ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء سے آج ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء جبکہ ہجری حساب سے ایک سو بارہ سال کا عرصہ ہو چکا ہے اس کی تجلیات و برکات ہند، پاکستان افغانستان، ایران، عراق، شام، مصر، اُردن، انڈونیشیا، ملائشیا، فلپائن، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ نیز افریقہ کے برصغیر، غرضیکہ تمام دیارِ اسلام پر نازل ہو رہی ہیں اور ہزاروں علماء اور فضلائے دیوبند کی مساعیٔ جمیلہ احیائے دین و ملت اور حریتِ اسلام کے جذبات سے سرشار ہو کے دنیائے اسلام میں جلوہ افروز ہیں، یقین کیجئے اور یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں کہ دین اور تقویٰ کا سب سے بڑا ادارہ دنیا میں اگر کوئی ہے تو وہ دارالعلوم دیوبند ہے، مانا کہ جامعہ ازہر مصر کا ایک بڑا مرکزی ادارہ ہے، لیکن وہاں تقویٰ اور پرہیزگاری کے جنس نایاب ہیں۔ آخر علم کے آگے تقویٰ ہی تو صحیح منزل ہے۔

۱۸۵۷ء کے جہاد حریت کے بعد دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا قاسم صاحب کے پیش نظر ایک ایسے دینی دارالعلوم کی ضرورت تھی جو عالم باعمل، روشن ضمیر محقق، معقولات و منقولات کے ماہر پیدا کرے مزید برآں یہ کہ ان میں جہاد کی اسپرٹ اور مجاہدین کے نقش قدم پہ چلنے والے وہ جذبات ہوں کہ جب اسلام ان کو جاهدوا فی سبیل الله (اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے کھڑے ہو جاؤ) کا نعرہ بلند کر کے جہاد کی دعوت دے تو وہ سربکف ہو کر میدان جہاد میں بے تامل آتر پڑیں اور بلندیوں سے بے جھجک کود پڑیں۔ ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

چنانچہ دارالعلوم نے منصۂ شہود پر آتے ہی ترقی کی منزلیں ایسی تیزی سے طے کرنی شروع کیں۔ چنانچہ تھانہ بھون میں عربی کا جو مدرسہ ۱۲۹۱ھ سے تھا جس کے مہتمم منشی عبدالرزاق صاحب اور مدرس مولوی فتح محمد صاحب تھے انھوں نے اپنے مدرسے کا الحاق دیوبند سے کر دیا۔ بعد ازاں منظفر نگر، گلاؤ ٹھی، ضلع بلند شہر، کیرانہ ضلع مظفر نگر اور انبیٹہ ضلع سہارن پور میں دارالعلوم کی شاخیں کھولی گئیں اور ان کا الحاق دیوبند سے ہوا۔ بعد ازاں میرٹھ میں مولوی ہاشم کے زیر اہتمام مدرسہ کھولا گیا اور اس کے مدرس اولاً دیوبند کے فاضل مولوی محمد مناظر حسن ہوئے، گلاؤ ٹھی کا مدرسہ بے جان ہو کر رہ گیا تھا۔ منشی سید مہربان علی صاحب رئیس گلاؤ ٹھی کی مساعی سے دوبارہ اس کا احیا کر کے دارالعلوم دیوبند سے الحاق ہوا۔ بعد ازاں رامپور ضلع بلند شہر میں نواب محمد معشوق علی خاں رئیس قصبہ کی کوشش سے مدرسہ عربی جاری ہوا اس کے مدرس اوّل مولوی احمد الدین صاحب دارالعلوم دیوبند کے تعلیم یافتہ فاضل تھے بعد ازاں مراد آباد میں مولانا قاسم صاحب بانیٔ دارالعلوم کے نام پر شاہی مسجد میں قاسم العلوم کے نام سے مدرسہ عربی جاری ہوا جس کے صدر مدرس مشہور زمانہ حضرت قاسم العلوم کے شاگرد مولانا احمد حسن امروہی اور مہتمم مرزا محمد نبی بیگ ہوئے، دارالعلوم دیوبند ہی کی دیکھا دیکھی لکھنؤ میں مدرسہ رفاہ المسلمین قائم ہوا جس کے منتظم مولوی فتح محمد صاحب ہوئے اس دارالعلوم کے نقش

پر مولانا سعادت علی صاحب فقیہ سہارنپوری نے یکم رجب ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند سے صرف چھ ماہ کے بعد محلہ قاضی میں ایک عربی مدرسہ کی بنیاد رکھی، مولوی سخاوت علی انبیٹھوی کو تیرہ روپے ماہوار پر مدرس رکھا۔ مولوی سعادت علی بغیر تنخواہ کے مدرسہ کی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر مولانا احمد علی صاحب محدث محشی بخاری اور اُستاد قاسم العلوم نے معاونت کی، ان کی تین ماہ بعد شوال ۱۲۸۳ھ میں مولانا محمد مظہر صاحب صدر مدرس بنکے آئے ۱۳۱۴ھ میں مولانا خلیل احمد صاحب محدث شارح ابوداؤد مظاہر علوم میں تشریف لے آئے۔

الغرض دارالعلوم کی دیکھا دیکھی کتنے مدارس عربیہ تو اس کی شاخ کے طور پر ملحق تھے اور کئی خود مختار۔ پھر مختلف صوبوں میں یہ مدارس پھیلتے چلے گئے۔ اور آج پاکستان بننے کے بعد فضلائے دیوبند کی برکت سے جا بجا پاکستان میں قائم ہیں۔

الغرض ایک طرف تو دارالعلوم دیوبند ہندوستان میں دیدہ ور علماء اور مفکر فضلاء پیدا کر رہا تھا، اور دوسری طرف ان علماء فضلائے دیوبند کے اندر حریت اور آزادئ ہند کے شعلے اندر ہی اندر بھڑک رہا تھا۔ یہ حریت کے شعلے جو جہاد کی شکل میں مولانا محمد قاسم کے سینے میں بھڑک رہے تھے اور ان سے منتقل ہوکر ان کے شاگردوں کے سینے میں جا بھڑکے۔ یہ وراثتی طور پر مولانا محمد قاسم صاحب سے ان کے شاگردوں اور شاگردوں کے دلوں میں منتقل ہوئے خاص طور پر مولانا محمود حسن اسیر مالٹا وغیرہ کے سینے میں اور پھر یہ آگ بن میں روں کی طرح تمام علماء حریت پسند کے سینوں میں بھڑکی۔

انجمن ثمرۃ التربیت

چنانچہ سب سے پہلے دارالعلوم دیوبند کے فضلائے نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے زمانے میں دارالعلوم دیوبند کی مالی اعانت اور ہر قسم کی امداد کے لئے متحد ہوکر مولانا کی خدمت میں

درخواست پیش کی اور انھوں نے سفارش کے ساتھ دیوبند کی مجلس شوریٰ میں درخواست کی خدمات کی تحسین و آفرین کے لئے اُن کی درخواست کو قبول فرمایا۔ اور سالانہ چندہ دہندگان کی اس انجمن کا نام خود حضرت نانوتوی رحمہ نے ثمرت التربیت اور ثمرۂ خلوص و نیت قرار دیا۔ یہ درخواست ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء میں جن دارالعلوم کے فارغ طلبہ نے دی تھی : اُن کے نام نامی حسبِ ذیل درج ہیں : ـ

۱۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اسیر مالٹا ۔
۲۔ مولانا احمد حسن صاحب امروہوی ۔
۳۔ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی ۔
۴۔ مولانا عبد الحق صاحب پر قاضوی ۔
۵۔ مولوی محمد فاضل صاحب ساکن پھلت ۔
۶۔ مولوی میر صادق صاحب مدراسی ۔
۷۔ مولوی عبد القادر صاحب دیوبندی ۔
۸۔ مولوی فتح محمد صاحب تھانوی ۔
۹۔ مولانا عبد اللہ صاحب انبیہٹوی ۔
۱۰۔ مولانا محمد مراد صاحب ساکن پاک پٹن ۔
۱۱۔ مولانا عبد اللہ صاحب گوالیاروی
۱۲۔ مولانا عبد العلی صاحب عبد اللہ پوری ۔ ضلع میرٹھ ۔
۱۳۔ مولوی نہال احمد صاحب دیوبندی ۔
۱۴۔ مولوی عبد اللہ صاحب ساکن جلال آباد ۔
۱۵۔ مولوی عبد اللطیف صاحب سہسپوری (ضلع بجنور)
۱۶۔ مولوی محمد اعلیٰ صاحب انبہٹوی ۔

۱۷۔ مولانا عبدالعدل صاحب پھلتی۔

۱۸۔ مولانا کوثر علی صاحب نگینوی۔

۱۹۔ مولانا کرامت اللہ صاحب دہلوی۔

(رپورٹ مؤتمر الانصار مرادآباد از مولانا عبیداللہ سندھی)

یہ سب فضلائے دیوبند چندہ ادا کرتے رہے اور دارالعلوم کی اعانت میں سرگرم رہے۔ لیکن یہ سلسلہ جس طرح بھی چلتا رہا۔ چلتے چلتے ایک خاص مقام پر پہنچا کہ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کا دور آیا اور آپ کے زمانے میں آپ کی کوشش سے ثمرت التربیت نے جمعیۃ الانصار کا رُوپ دھارا۔

رمضان ۱۳۲۷ھ میں جمعیۃ الانصار کا آغاز

حضرت شیخ الہندؒ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے طالب علم تھے ۱۲۸۳ھ میں اُنھوں نے دارالعلوم دیوبند سے میبذی، کنزالدقائق اور مختصر المعانی کا امتحان دیا ۱۲۸۵ھ میں ہدایہ، مشکوٰۃ اور مقامات وغیرہ میں شریک ہوئے۔ ۱۲۸۱ھ میں صحاح ستہ اور بعض دیگر کتب حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی سے پڑھیں۔ فراغت کے بعد ۱۲۸۶ھ میں دارالعلوم دیوبند کے معین مدرس بنے۔ ۱۲۹۰ھ میں دستار بندی ہوئی۔ مولانا یعقوب صاحب کی وفات کے بعد ۳۰ روپے پر مدرس سوم، ملا محمود صاحب کی وفات کے بعد مدرس دوم اور مولانا سید احمد صاحب کے بعد مدرسِ اوّل، ملازمت سے مستعفی ہونے کے بعد ۱۳۳۵ھ میں بمشاہرہ چالیس روپے شیخ الہندؒ صدر مدرس قرار دیئے گئے۔ آپ کی صدارت کے دو سال بعد ۱۳۲۷ھ رمضان المبارک میں شیخ الہند کی تحریک پر جمعیۃ الانصار دارالعلوم دیوبند قائم کی گئی، اس کے جنرل سکریٹری مولانا عبیداللہ سندھی بنائے گئے۔ "جمعیۃ الانصار" کے مختلف شعبے قائم کئے گئے جن میں اعلیٰ فکر و نظر میں کتابوں کی تدریس تبلیغ کا اعلیٰ پیمانے پر کام۔ ہندوستان کے مختلف شہروں میں عظیم الشان جلسے، فراغتِ علم کے بعد

درجۂ تکمیل وغیرہا ایسے اُمور تھے، جن کے قواعد وضوابط جو موتمرالانصار مراد آباد کی رپورٹ میں درج ہیں ایسے محیط اور جامع ہیں، جو تمام دنیائے اسلام کو محیط ہو سکتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جمعیۃ الانصار کی پوری اسکیم سے بظاہر تبلیغ اشاعتِ دین معلوم ہوتی ہے، لیکن اس انجمن کے ذریعہ خلافتِ عادلہ اور راشدہ کی تمہید قائم کی جا رہی ہے اور اس انجمن کے ذریعے پبلسٹی اور نشر و اشاعت کا جو انتظام قائم کیا گیا ہے، اس کے ذریعہ مسلمانانِ ہند میں حریت اور انگریز کی حکومت کے خلاف ایسے حالات اور ایسی فضا پیدا کر دی ہے، جس سے ہندوستان کے مسلمانوں کی گئی ہوئی حکومت کو دوبارہ زندہ کیا جائے۔

رپورٹ موتمرالانصار مراد آباد مرتبہ مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا عبیداللہ صاحب مرحوم نے شیخ الہندؒ کے ایماء اور اکابر دیوبند کے مشوروں سے جو قواعد وضوابط تعلیم و تدریس، تبلیغ و ارشاد، رشد و ہدایت اور تقریر و تحریر، پند و مواعظ، مناظرہ و مباحثہ کے مرتب کئے ہیں اور اس راہ پر آج پاکستان کے مدارسِ عربیہ مثلاً مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا دارالعلوم، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کا جامعہ عربیہ، لاہور کا جامعہ اشرفیہ، ملتان کا خیرالمدارس، ساہیوال کا جامعہ رشیدیہ ٹنڈو اللہ یار کا مدرسہ متحدہ طور پر اپنالیں تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ شیخ الہندؒ کی اس تنظیم پر عملدرآمد سے عربی علوم کے طلبہ میں ایک انقلاب انگیز ایسی حرکت پیدا ہو سکتی ہے جو پاکستان میں خلافتِ راشدہ اور حکومتِ عادلہ اور سیاستِ فاضلہ کے لئے بڑی آسانی سے راہ ہموار کر سکتی ہے۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ دینِ مصطفویؐ کے شعلے کیسے سینوں میں بھڑکتے ہیں اس کے لئے قدرت خود رجال کار پیدا کرے گی اور ایسے مجاہدین کی جماعت تیار ہوگی، جیسے حضرت مولانا سید احمد شہیدؒ اور اُن کے صلحا رفقائے کار تھے اس کے لئے قدرت کچھ خاص لوگ پیدا کرتی ہے جیسا کہ شیخ الہندؒ اور مولانا عبیداللہ سندھی تھے اور ایسی ہستیاں خاص خاص ہوتی ہیں، یہ قدرتی طور پر اُبھرتی ہیں اور بنتی ہیں، جیسا کسی شاعر نے کہا ہے۔

محبت کی نہیں جاتی ہے محبت ہوہی جاتی ہے ؎ یہ شعلہ خود بھڑک اُٹھتا ہے بھڑکایا نہیں جاتا

محبت کیلئے دنیا میں دل مخصوص ہوتے ہیں ٭ یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نحیف الجثہ، کمزور جسم، لاغر جسم، لیکن بقول مولانا گنگوہیؒ علم کے کٹھلا تھے اور سیاست میں بے حد ماہر، وہ چاہتے تھے کہ انگریز کو ملک سے باہر کر اسلامی حکومت قائم کی جائے، جتنے طلبہ افغانستان صوبہ سرحد اور آزاد قبائل سے دارالعلوم دیوبند میں آتے۔ آغاز درس سے ہی ان کو انگریز کے خلاف جہاد کرنے کا سبق پڑھاتے۔ تاآنکہ جب مولانا عبیداللہ سندھی، افغانستان پہنچکر معلوم ہوا۔ بہرحال ثمرۃ التربیت سے جمعیۃ الانصار دیوبند تک اور مرحوم جمعیۃ الانصار سے نظارۃ المعارف دہلی تک کا پورا پورا منصوبہ حریت انقلاب کا تھا اور اسی کے ضمن میں ریشمی رومال کے ذریعے کابل سے حجاز کو مولانا عبیداللہ صاحب مرحوم نے شیخ الہندؒ کو خط لکھا تھا۔ یا اپنے کام کی رپورٹ۔

چونکہ یہ ہماری کتاب "حیاتِ عثمانی" علامہ شبیر احمد کی شخصیت سے تعلق ہے۔ اسلئے جمعیۃ الانصار میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے ضمن میں جمعیۃ الانصار کا پورا نقشہ آپ کے سامنے آجائے گا۔

جمعیۃ الانصار میں علامہ عثمانی کی شاندار خدمات

شہرتِ عام اور بقائے دوام

سعادت مند پیشانیاں کسی بلند شخصیت کی جھلک لوگوں کی آنکھوں کو اس طرح دکھادیتی ہیں کہ اہل بصیرت کے لئے سب کچھ ان میں نظر آجاتا ہے۔ علامہ عثمانیؒ عہد طلب علم میں ہی طلبہ اور مدرسین میں شہرت حاصل کرتے جارہے تھے۔

چنانچہ دارالعلوم دیوبند سے نکل کر ندوۃ العلماء تک ان کی لیاقت کا ذکر پہنچا اور غائبانہ سید سلیمان ندوی سے جو ندوہ میں زیر تعلیم تھے تعارف ہوا، دونوں میں نامہ و پیام ہوا اور تبادلۂ سلام و کلام ہونے لگا۔ جب علامہ عثمانیؒ عہدِ طلب سے نکل کر فتح پوری کے مدرسے کے

صدر مدرس بن کر دہلی پہنچے تو مرکز میں تقریروں کے سلسلے نے آپ کے نام کو باہر کے علمی اور ادبی حلقوں میں پہنچایا۔ ابھی آپ دہلی میں ہی تھے کہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا عبیداللہ سندھی کو بلایا اور اُن کی آمد پر دیوبند کی فضاؤں میں انقلابی حرکت اور تعلیمی پروگرام میں ایک خاص تبدیلی رونما ہونے کے آثار ہوئے۔ شیخ الہندؒ کے اشاروں پر جمعیۃ الانصار کے نام سے ایک انجمن کی تشکیل ہوئی۔ مولانا عثمانی اس کے سرگرم رکن رہے۔

جمعیۃ الانصار ۲۷ رمضان ۱۳۲۷ھ

اس انجمن کی تشکیل کا پس منظر اور تاریخی خاکہ مولانا عبیداللہ صاحب سندھی مؤتمر الانصار مراد آباد کے جلسے ۱۵/۱۶/۱۷ اپریل ۱۹۱۱ء کی رپورٹ میں اس طرح پیش کرتے ہیں:-

"مدت سے اس قسم کے خیالات میرے اور دیگر تعلیم یافتگان مدرسہ میں سے ایک بڑی جماعت کے ذہن میں خطور کر رہے تھے مگر ان کے اظہار کی نوبت بتاریخ ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ بعد عشاء آئی جب اُستاذ العلماء حضرت مولانا محمود حسن صاحب مدظلہ العالی نے مدرسہ کی روز افزوں ضروریات تعلیمی و مالی حالت کی طرف تعلیم یافتگانِ مدرسہ کو متوجہ کرنے کی ضرورت بیان فرمائی۔

رمضان کی ستائیسویں شبِ مقدس کو حضرت مولانا مدظلہ العالی اور سرپرستانِ جمعیۃ نے اس مجلس کے انعقاد کی اجازت دی، اور بروز چہار شنبہ ۲۷ رمضان بوقت ۹ بجے بصدارت جناب مولانا محمود حسن صاحب سلمہٗ افتتاحی جلسہ ہوا جس میں قدیم طلبہ مدرسہ کی ایک معقول تعداد شامل ہوئی۔ اول قاری حافظ محمد طیب سلمہٗ ابن مولانا حافظ احمد صاحب نے سورۂ صف کی خوش الحانی سے تلاوت کی، اس کے

بعد بندہ نے اپنے مربی علمی مدرسہ عالیہ دیوبند کے حقوق اور انعقادِ مجلس کی ضرورت پر مختصر تقریر کی۔ بندہ اپنی تقریر ختم کر چکا تو اُستاذ العلماء حضرت مولانا مدظلہم نے اس کی تائید میں ایک مفصل تقریر فرماتے ہوئے مجلس کی ضرورت ظاہر فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ اور یہ بھی فرمایا کہ اب ضرورتیں ایسی پیش آرہی ہیں جن کی وجہ سے ایسا کرنا ناگزیر ہو گیا ہے اس درمیان میں جناب مولانا حافظ احمد صاحب مہتمم مدرسہ (ابن حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مددگار مہتمم نے بھی تقریریں فرمائیں اور معمولی بحث کے بعد مجلس کی انعقاد کی ضرورت باتفاقِ رائے تسلیم کی گئی اور مجلس کا نام "الانصار" تجویز ہوا"

شوال ۱۳۳۰ھ کے القاسم میں مولانا سندھی جمعیۃ الانصار کے آغاز کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"دارالعلوم دیوبند میں ایک ایسی حرکت پیدا ہوئی جس سے منتشر پروانے شمع کے گرد جمع ہونے شروع ہوئے اور یہ جمعیۃ الانصار کی ابتدا ہے جو ۲۷ رمضان ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۱۰ء کو مدرسہ عالیہ میں منعقد ہوئی۔"

(القاسم ص۱۳)

ان تحریروں سے تشکیلِ انجمن کی پوری روداد سامنے آگئی جس میں بتایا گیا ہے کہ اس قسم کی انجمن کو جنم دینے کے لئے عرصے دماغ میں کھچڑی پک رہی تھی اور بالآخر وہ وجود میں آگئی۔ انجمن کے اغراض و مقاصد مرتب ہوئے جو مذکورہ رپورٹ میں تفصیل سے درج ہیں۔ قواعد و ضوابط اور قوانین ترتیب دیئے گئے اور اسی "الانصار" کے ماتحت چھ شعبے قائم کئے گئے، یہ رپورٹ اس وقت میرے سامنے ہے میں نے اس کے اطراف وجوانب پر

غور کیا ہے اور راقم الحروف اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ اس انجمن کو پھر زندہ کر کے اس کی اسکیم کو از سر نو چلایا جائے، جو چھ شعبے اس جمعیت میں قائم کئے گئے ہیں ان کے متعلق دفعہ ۶۱ کے ماتحت مولانا عبیداللہ سندھی لکھتے ہیں:۔

"جمعیۃ الانصار اپنے فرائض (یعنی مدرسے کی تعلیمی انتظامی مالی ترقی) کی تعیین وتشخیص کے لئے ۵ شعبے قرار دیتی ہے (الف) تکمیل التعلیم (ب) نظام التعلیم (ج) الارشاد (د) التالیف والاشاعت (ہ) جلسہ علمیہ (روئداد موتمر الانصار مراد آباد صلا)"۔

یہ پانچ شعبے اپنے اندر انقلاب کی ہمہ گیر قوت کے حامل ہیں اسی کے قواعد وضوابط کے ضمیمے میں آگے چل کر قاعدہ و دفعہ نمبر۶ میں رپورٹ لکھتے ہیں:۔

"جمعیۃ الانصار کا وہ جلسہ علمیہ جس میں (الف) قرآن شریف وحدیث شریف کے اسرار ولطائف بیان ہوں (ب) اصلاح عقائد واخلاق و عمل کے متعلق علمی مضامین پڑھے جائیں (ج) مسلمانوں کے مذہبی علوم ومعارف کی حفاظت واشاعت کے وسائل پر عموماً اور مدارس ومساجد کی اصلاح وعمارت پر خصوصاً بحث ومشورہ ہو۔ (د) ان تجاویز پر عمل کرنے کا تہیہ کیا جائے، موتمر الانصار کے نام سے موسوم ہوگا۔

(رپورٹ) موتمر الانصار)

غرض یہ ہے کہ دارالعلوم میں ایک خاص حرکت پیدا ہوئی اور ۱۳۲۷ھ میں جب کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مدرسہ فتحپوری دہلی میں ملازم تھے، دارالعلوم میں انقلابی ہوائیں چلنا شروع ہوگئیں تھیں۔ اس اثنا میں علامہ دہلی سے جمعیۃ الانصار میں شرکت کے لئے دیوبند تشریف لائے، یہاں سے حضرت عثمانی کی شہرت میں مزید اضافہ شروع ہوا، کیونکہ آپ بھی "الانصار" کے ایک ممتاز ممبر بنائے گئے، مولانا عبیداللہ سندھی نے رپورٹ میں

اس حقیقت کا نشان اس طرح دیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"ایک مجلس خاص جو نصاب و نظام مدرسہ اور طرز تعلیم کے بارے میں غور و فکر کرے، جمعیت الانصار کے ارکان ذیل سے مرکب کی گئی مولانا مولوی ناظر حسن صاحب، مولانا مولوی مرتضیٰ حسن صاحب مولانا شاہ وارث حسن صاحب بنارسی مولانا مولوی محمد انور شاہ صاحب کشمیری، مولانا مولوی حسین احمد صاحب مدنی۔ مولانا مولوی کفایت اللہ صاحب شاہجہاں پوری، مولانا اصغر حسین صاحب دیوبندی۔ مولانا مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی۔ عبید اللہ ناظم جمعیۃ الانصار۔"

مذکورہ فہرست سے مولانا عثمانی کا انجمن انصار نیز اصلاح تعلیم کی کمیٹی میں ہونا صاف ظاہر ہے:۔

جمعیۃ الانصار میں حضرت عثمانی کی شاندار خدمات

ابھی آپ دہلی کے مدرسے سے ہی وابستہ تھے کہ اصلاح تعلیم کی کمیٹی کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے آپ نے ۱۱/۱۲/محرم ۱۳۲۸ھ کی میٹنگ میں شرکت فرمائی۔ اس میٹنگ میں جو بغرض اصلاح نصاب و طریقہ تعلیم و تعلم منعقد کی گئی تھی۔ نہ صرف کمیٹی کے مذکورہ بالا افراد شامل ہوئے بلکہ دیگر حضرات کو بھی مشورے کے لئے دعوت دی گئی۔

فرمودۂ حضرت لاہوریؒ — اگر کوئی ہوا میں اڑتا آئے اور لاکھوں مریدین پیچھے لائے مگر سنت نبویؐ کا مخالف ہو تو اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا ناجائز۔ اس کی بیعت کرنا حرام اور اگر کوئی کر چکا ہو تو توڑنا فرضِ عین ہے۔

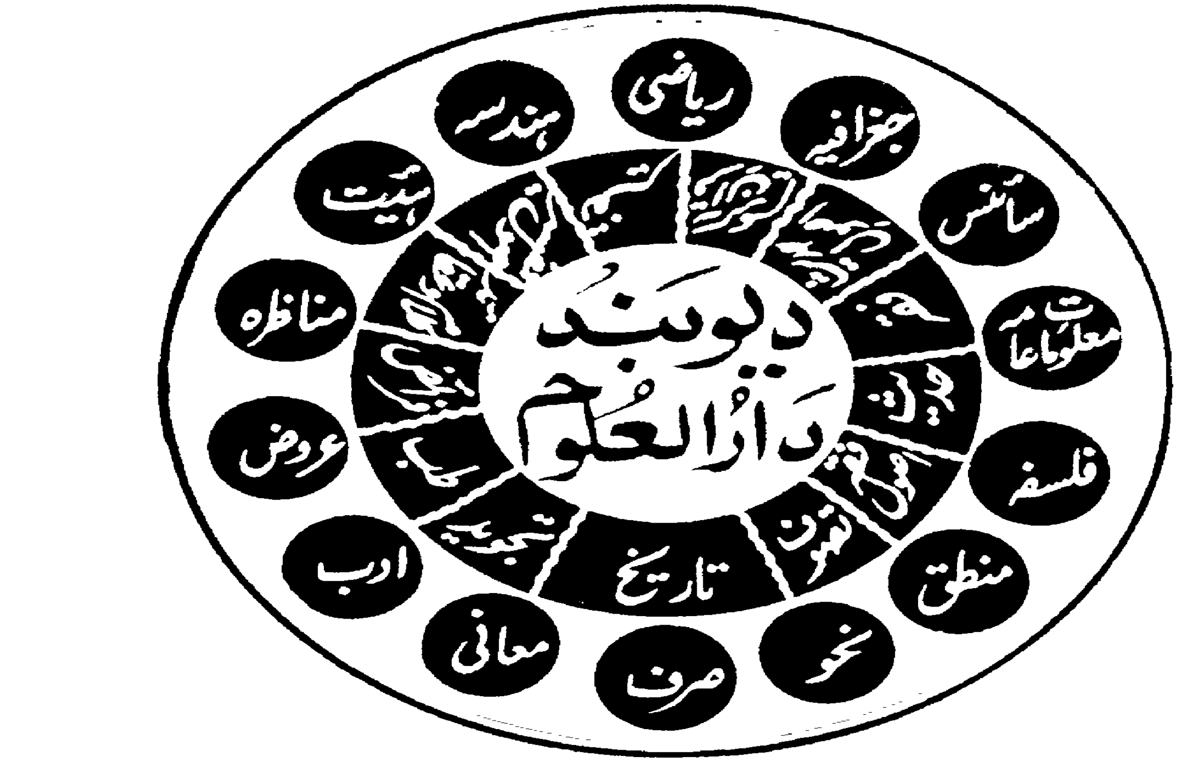
اکابر دار العلوم کی عمریں بوقت قیام دار العلوم

آپ کو یہ معلوم ہو کر شاید تعجب ہوگا کہ قیام دار العلوم کے وقت اکابر دار العلوم کچھ زیادہ مُسن اور معمر نہ تھے۔ بلکہ ان کا تعلق عمر کے اس دَور سے تھا جسے "دورِ شباب" کہا جاتا ہے۔ نوجوانوں کے لئے یہ مثال بڑی سبق آموز ہے، اس سے "بزرگی بعقل است نہ بسال" کی جہاں تصدیق ہوتی ہے، وہیں اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ مردانِ کار کسی بڑے کام کا آغاز کرنے کے لئے اپنے کُہن سال اور معمر ہونے کا انتظار نہیں کیا کرتے۔ ہمتِ بلند ماہ و سال کے حساب کی پابند نہیں ہوتی، انھوں نے اس کام کی تکمیل کا فیصلہ کر لیا۔ اور اس کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں وقف کر دیں۔ دار العلوم کے اکابرِ رفتہ کی اس جماعتِ مقدسہ میں سب سے زیادہ معمر حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ (عمرہ ۴۵ سال) تھے۔ اُن کے علاوہ کسی کی عمر ۳۵ سال سے زیادہ نہ تھی۔ یہ نقشہ اُن لوگوں کو چونکا دینے والا ہے جو اکابر دار العلوم کی نسبت یہ تصور رکھتے ہیں کہ وہ سب بزرگ کُہن سال اور عمر رسیدہ ہوں گے۔

تفصیل کے لئے ذیل کا نقشہ ملاحظہ فرمائیے۔

نمبر شمار	اسمائے گرامی	سنِ ولادت	عمر بوقت تحریک دار العلوم ذیقعدہ ۱۲۸۲ھ
۱	حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ	۱۲۳۷ھ	۴۵ سال
۲	" " فضل الرحمٰنؒ	۱۲۴۷ھ	۳۵ سال
۳	" " محمد قاسم نانوتویؒ	۱۲۴۸ھ	۳۴ سال
۴	" " محمد یعقوب نانوتویؒ	۱۲۴۹ھ	۳۳ سال
۵	" " حاجی محمد عابدؒ	۱۲۵۰ھ	۳۲ سال
۶	" " رفیع الدینؒ	۱۲۵۲ھ	۳۰ سال

اسم بامسمّٰی



سید اکبر شاہ فیصل

قرآن و حدیث میں جہاں لفظ علم آیا ہے اس سے مراد محض اور فقط علم دین ہے نہ کہ نبوی علوم و فنون وغیرہ آج کل بعض اسکولوں اور کالجوں کی نمایاں دیواروں پر حدیث، طلب العلم فریضۃ علٰی کل مسلم و مسلمۃ لکھی جاتی ہے میرے استاد و مربّی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس حدیث کو اسکولوں اور کالجوں پر لکھنا اور اس سے دنیوی علوم کا مراد لینا اندیشۂ کفر ہے۔

علم دین ایک امانتِ خداوندی ہے، جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت ہے اور یہ ورثہ علماء عظام کو ملا، حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد العلماء ورثۃ الانبیاء میں تو علماء ہی کو انبیاء کا ورثہ قرار دیا گیا ہے صرف اسی لئے کہ علماء کرام علم دین کی اشاعت و تبلیغ میں ہمہ تن کوشاں و مصروف رہتے ہیں۔ اشاعت دین، تقریر بر تحریر۔ یا عام وعظ و نصیحت کے ذریعے خانقاہوں اور مدارس میں دینی طلبہ کو علوم دینیہ کی تعلیم و تربیت کے ذریعے ہو، بہرکیف اشاعتِ دین ضروری ہے کیوں کہ حفاظتِ دین کا راز اسی میں مضمر ہے، اگر

دین کی اشاعت ختم ہوگئی تو دین بھی ختم ہو جائے گا۔ جیسا کہ قیامت کی علامات میں مذکور ہے۔

تیرھویں صدی ہجری کے اواخر میں دہلی کا تختِ مغل حکمرانوں کے اقتدار سے خالی ہوا، تو دینی شعور بھی ختم ہونے کو آیا۔ دینی درسگاہوں کی حیثیت بھی پشت پناہی ختم ہونے ہو وجہ سے انتہائی ناگفتہ بہ ہوگئی ہے اسلامی شعائر غیر محفوظ اور روبہ زوال ہوئے۔ مغربی تحریک کے پجاریوں نے الحاد و زندقہ کے اڈے حتیٰ کہ سادہ لوح مسلمان ہی اسلام سے ناواقف ہو کر اپنا نام محمد کرشن اور علی چندر رکھنے لگے ان مسموم حالات میں اشاعت و دین کی خاطر دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا، کیونکہ دارالعلوم کے قیام کی نشاندہی چند اولیاء اللہ رحمہم اللہ کو بذریعہ القاء و الہام منجانب اللہ ہوئی تھی، کہ دینی ادارہ کے قیام سے ہی ہندوستان میں دین، اسلام محفوظ رہ سکتا ہے۔ چنانچہ آج بحمد للہ توفیقہٖ دارالعلوم کو قائم ہوئے بھی ایک صدی اور پچیس سال بیت گئے ہیں مگر دارالعلوم سال بہ سال منازلِ ترقی طے کرتا ہوا ہی نظر آتا ہے۔

کوئی آنکھوں سے اندھی اور نام سے نور بھری ہو، یا کوئی دینِ اسلام سے قطعی کورا ہو، اور نام فخر الاسلام ہو، تو بات کچھ جچتی نہیں، اور یہ کوئی مجذوب کی بڑ نہیں۔ بلکہ حقائق پر مبنی ہے کہ دارالعلوم (دیوبند) اسم با مسمّٰی دارالعلوم ہے لفظ علوم جس علوم و فنون کی غمازی کرتا ہے۔ دارالعلوم میں ان کی تعلیم دی جاتی ہے دینی علوم کی خدمت و اشاعت جتنی اس ادارے نے کی ہے، دنیا سابقہ و موجودہ کوئی بھی یونیورسٹی یا دارالعلوم اس کی نظر پیش کرنے سے عاجز ہے ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء دارالعلوم کے اسم بامسمّٰی ہونے کی واضح دلیل یہی ہے کہ اس کے نام اور کام میں کوئی فرق نہیں اور اس نے اپنی عظیم کارکردگی کا لوہا اغیار سے بھی منوایا، دارالعلوم سے بلاشک ایسے جید اور متبحر علماء تیار ہوئے کہ جو آیت ربانی۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ کے صحیح مصداق ثابت ہوئے۔ اور علوم نبویہ و دینیہ کے ہر ہر علم کا ایسا مدرس پیدا ہوا کہ گویا اسے وہ علم، علم لدنی کے طور پر حاصل ہے مزید کمال یہ کہ جو حضرات دارالعلوم کے اکابر یا فیض یافتہ ہوئے وہ بھی اسم بامسمّٰی ہی ثابت ہوئے مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی مرحوم علوم الٰہیہ کے خزائن ہیں، انما انا قاسم و اللہ یعطی کا مصداق

تھے۔ مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مرحوم، ان تنصروا اللہ ینصرکم۔ کی عملی تفسیر تھے۔ مولانا انور شاہ کاشمیری مرحوم نے انوار الباری میں ینظر بنور اللہ۔ کا مظاہرہ کیا۔

مولانا محمود حسن صاحب مرحوم قرآن پاک کی مختصر مگر جامع تفسیر لکھ کر رہتی دنیا تک محمود قرار پائے، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مرحوم نے سیاسیات میں قدم رنجہ فرمایا۔ تو اک ضرب ید اللّٰھی اور اک سجدۂ شبیری کا درس دیا۔ مگر سینکڑوں امثلہ صرف طوالت مضمون کے خوف سے حذف کرنے پر مجبور ہوں، کسی ہستی یا ادارے کا اسم بامسمیٰ ہونا بھی خدا تعالیٰ کے نزدیک اس کے اعمال کے مقبول ہونے کی دلیل ہوتی ہے دنیا میں ایسی بھی اسلامی یونیورسٹیاں اور دارالعلوم ہیں جو کہ بہت قدیم اور معروف ہیں۔ مگر کسی میں طلبہ کے تربیت کے خصوصی انتظام کی بجائے انھیں مکمل آزادی دی جاتی ہے۔ بعض میں احادیث شریف کی کتب کے صرف خلاصے پڑھانے پر اکتفا کیا جاتا ہے اور بعض میں نظریہ در... شائد ہی فیشن پرست ہیں۔ انگریزی بال اور انگریزی لباس میں رہتے ہیں۔ اور ان کے چہرے بھی سنت رسولؐ سے عاری ہیں۔ ہمیں تو یہاں تک روایت ملی ہے کہ اساتذہ کرام دوران اسباق حدیث سگرٹ نوشی کرتے ہیں۔ (دروغ بر گردن راوی)۔

بہرکیف دارالعلوم نے اسم بامسمیٰ کا لقب حاصل ہونے کی وجہ سے انتہائی نامساعد حالات میں بھی اسلامی علوم و فنون کی جو گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں، تاریخ کو ان پر فخر ہے۔ دنیا بھر کے طلبہ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں استفادہ کرتے ہیں۔ اور ان کی سہولت کی خاطر ہر زبان میں اسباق پڑھائے جاتے ہیں، حتیٰ کہ ہندی انگریزی زبان میں بھی اسلامی علوم کی تدریس کا انتظام ہے، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، منطق، فلسفہ، ریاضی اور میراث و ہندسہ وغیرہ کے عظیم علوم کے عظیم عالم تیار ہو کر پوری دنیا میں پھیلتے اور دیوبندی کہلواتے روشناس عالم ہوتے ہیں۔ کیونکہ دارالعلوم کی برکات نے دیوبند شہر کو بھی چار دانگ عالم میں زد عام و خاص کر دیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کی تعلیم و تربیت کا خصوصی انتظام ہے، اسی لئے پوری دنیا میں فاضل دارالعلوم کو مقبول نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے طلبہ کو عربی انگریزی زبان میں تحریر و تقریر کے علاوہ

خیاطی وجلد سازی اور شعبہ دارالصنائع میں دستکاریاں سکھانے کا بھی خاطر خواہ انتظام ہے، مثلاً لیدر ورک (سوٹ کیس، ہولڈال وغیرہ)، شعبہ طب میں طب قدیم وجدید مع سرجری۔ شعبہ افتاء میں فتوی نویسی، شعبہ ورزش میں طلبہ کی جسمانی ورزش، اور شعبہ مطالعہ میں علوم قرآنی میں قرآن پاک پر ریسرچ کا کام سکھایا جاتا ہے، اساتذہ کرام شفیق وخلیق ومجسمۂ عجز وانکساری ہیں۔ علوم عالیہ اور علوم آلیہ کی کتب کی جتنی تفاسیر وتصانیف دارالعلوم سے وابستگان وفیض یافتگان نے کیں وہ غالباً دور سے امام اعظم سیدنا ابوحنیفہؒ کے دور سے ۱۲۰۰ھ تک کے تمام فضلاء متکلمین ومحدثین کی تصنیفی خدمات سے کم نہ ہوں گی۔ دارالعلوم (دیوبند) نے اعلیٰ درجے کے مصنفین کے علاوہ سینکڑوں بلند پایہ مشائخ طریقت، متبحر عالم دقیق النظر مدرسین، محقق مفتی، عظیم مناظر، چوٹی کے صحافی، شعلہ بیاں خطیب، بہترین طبیب اور دردمند مصلحین قوم وملت پیدا کیے۔ یہ سب کچھ دارالعلوم کے ملقب بہ لقب اسم بامسمّٰی اور عنداللہ مقبول ومعلوم ہونے کی دلیل ہے۔

دارالعلوم کے صدر المدرسین

۱۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ (۱۸۶۷ء تا ۱۸۸۶ء) ۱۹ سال

۲۔ حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلویؒ۔ (۱۸۸۶ء تا ۱۸۸۹ء) ۳ سال

۳۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ (۱۸۹۰ء تا ۱۹۱۴ء) ۲۴ سال

۴۔ بحر العلوم حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ (۱۹۱۵ء تا ۱۹۲۶ء) ۱۱ سال

۵۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ (۱۹۲۶ء تا ۱۹۵۸ء) ۳۲ سال

۶۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ (۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۷ء) ۹ سال

۷۔ حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ (۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۲ء) ۵ سال

۸۔ حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب مدظلہ (۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۸ء) ۶ سال (جاری)

اکابرِ دیوبند کیا تھے؟

مولانا محمد تقی عثمانی۔ ایم اے، ایل ایل بی۔ "مدیر البلاغ" دارالعلوم کراچی۔

اکابر دیوبند کیا تھے؟ اس کا جواب مختصر لفظوں میں یوں بھی دیا جا سکتا ہے کہ وہ خیر القرون کی یادگار تھے لیکن ان مختصر جملوں کی تشریح و تفصیل کرنے بیٹھیں تو اس کے لئے دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کی خصوصیات کو لفظوں میں سمیٹنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے اس لئے کہ ان کی خصوصیات کا تعلق درحقیقت مزاج و مذاق سے ہے جو صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) کی سیرت اور ان کے طرز زندگی سے مستنیر تھا۔ اور مزاج و مذاق وہ چیز ہے جسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن الفاظ کے ذریعے ٹھیک ٹھیک بیان نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح گلاب کی خوشبو کو سونگھا تو جا سکتا ہے لیکن اس کی پوری کیفیت کو الفاظ میں ڈھالنا ممکن نہیں۔ اسی طرح ان حضرات کے مزاج و مذاق کو ان کی صحبتوں اور ان کے واقعات سے سمجھا جا سکتا ہے مگر اس کی منطقی تعبیر ناممکن ہے۔

لہٰذا اس مضمون میں اکابر دیوبند کی خصوصیات و امتیازات کو نظری طور پر بیان کرنے کے بجائے ان کے چند متفرق واقعات سنانے مقصود ہیں جن سے ان کی خصوصیات زیادہ واضح اور آسان طریقے سے سمجھ میں آ سکیں گی۔ وباللہ التوفیق!

علم و فضل اور اس کے ساتھ تواضع و للّٰہیت

اگر صرف وسعت مطالعہ، قوت استعداد اور کثرت معلومات کا نام علم ہو تو یہ صفت آج بھی ایسی کمیاب نہیں لیکن اکابر دیوبند کی خصوصیت یہ ہے کہ علم و فضل کے سمندر سینے میں جذب کر لینے

کے باوجود ان کی تواضع فنائیت اور للّٰہیت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی یہ محاورہ زبان زد عام ہے کہ "جو جلد ملنساری سے لدی ہوئی ڈالی ہمیشہ جھکی ہے"۔ لیکن ہمارے زمانے میں اس محاورے کا عملی مظاہرہ جتنا اکابر دیوبند کی زندگی میں نظر آتا ہے اور کہیں نہیں ملتا۔ چند واقعات ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم بحر ناپیداکنار تھے۔ ان کی تصانیف آب حیات، تقریر دلپذیر اور مباحثہ شاہجہاں پور وغیرہ سے ان کے مقام بلند کا کچھ اندازہ ہوتا ہے اور ان میں سے بعض تصانیف تو ایسی ہیں کہ اچھے اچھے علماء کی سمجھ میں نہیں آتی حد ہے کہ ان کے ہم عصر بزرگ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ دارالعلوم میں معروف تھا کہ "میں نے آب حیات کا چھ مرتبہ مطالعہ کیا ہے اب وہ کچھ کچھ سمجھ میں آئی ہے"۔

"اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

جب بھی مولانا (نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) کی تحریریں میری سمجھ میں نہیں آتیں اور زیادہ غور وخوض کی مشقت مجھ سے برداشت ہوتی نہیں، اس لئے مستفید ہونے سے محروم رہتا ہوں اور اپنے دل کو یوں سمجھا لیتا ہوں کہ ضروریات کا علم حاصل کرنے کے لیئے اور سہل سہل کتابیں موجود ہیں۔ پھر کیوں مشقت اٹھائی جائے[1]،،

ایسے وسیع وعمیق علم کے بعد بالخصوص جب کہ اس پر عقلیات کا غلبہ علم وفضل کا زبردست پندار پیدا ہو جایا کرتا ہے لیکن حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ وہ خود فرماتے ہیں۔

"جس طرح صوفیوں میں بدنام ہوں اسی طرح مولویت کا دھبہ بھی مجھ پر لگا ہوا ہے اس لئے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اگر یہ مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک کا بھی پتہ نہ چلتا"[2]

چنانچہ ان کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ بقول مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

---

[1] اشرف السوانح ص ۱۳۶، ۱۳۷، [2] ارواح ثلاثہ ص ۱۷۶ ع ۲۳۰

"حضرت مولانا قاسم صاحبؒ جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے اس سے کبھی کبھی جوتے اٹھوایا کرتے تھے۔ اور جس کے اندر تواضع دیکھتے تھے اس کے جوتے خود اٹھالیا کرتے تھے۔"[۳]

۲ ـــ یہی حال حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ انھیں ان کے تفقہ کے مقام بلند کی بناء پر حضرت مولانا نانوتویؒ نے ابوحنیفۂ عصر کا لقب دیا تھا اور اپنے عہد میں اسی لقب سے معروف تھے۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ جیسے بلند پایہ محقق جو علامہ شامیؒ کو "فقیہ النفس" کا مرتبہ دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کو "فقیہ النفس" فرمایا کرتے تھے۔ ان کے بارے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ واقعہ سناتے ہیں کہ:

"حضرت گنگوہیؒ رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش آگئی۔ سب طلبا کتابیں لے لیکر اندر بھاگے مگر مولانا سب طلبا کی جوتیاں جمع کر رہے تھے۔ کہ اٹھاکر چلیں۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ گئے۔"[۴]

۳ ـــ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کے علم و فضل کا کیا ٹھکانا؟ لیکن حضرت تھانویؒ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مرادآباد تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے وعظ کہنے کے لئے اصرار کیا۔ مولانا نے عذر فرمایا کہ مجھے عادت نہیں ہے مگر لوگ نہ مانے تو اصرار پر وعظ کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور حدیث "فقیہ واحد أشد علی الشیطٰن من ألف عابد" پڑھی اور اس کا ترجمہ یہ کیا کہ:

"ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے"

مجمع میں ایک مشہور عالم موجود تھے انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ "یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آوے اس کو وعظ کہنا جائز نہیں۔"

۳؎ ایضاً ص ۲۰۶ ج ۲ ۴؎ ایضاً ص ۲۲۷ ج ۳

حضرت شیخ الہندؒ کا جوابی ردِ عمل معلوم کرنے سے پہلے ذرا رک کر یہ بات بھی سوچئے کہ اگر ان کی جگہ ہم ہوتے تو کیا کرتے؟ وہ ترجمہ صحیح تھا اور ان صاحب کا انداز بیان توہین آمیز ہی نہیں۔ اشتعال انگیز بھی تھا۔ لیکن اس شیخ وقت کا طرزِ عمل سنئے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر:

"مولانا فوراً بیٹھ گئے اور فرمایا میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے مگر ان لوگوں نے نہیں مانا۔ خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہوگئی، یعنی آپ کی شہادت"

چنانچہ وعظ تو پہلے ہی مرحلے پر ختم فرمادیا۔ اس کے بعد ان عالم صاحب سے بطرزِ استفادہ پوچھا کہ "غلطی کیا ہے؟ تاکہ آئندہ بچوں" انھوں نے فرمایا کہ "أشد" کا ترجمہ "أشق" (زیادہ بھاری) نہیں بلکہ "أضر" (زیادہ نقصان دہ) کا آتا ہے۔" مولانا نے برجستہ فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے "یاتینی مثل صلصلة الجرس وهو أشده علی" (کبھی مجھ پر وحی گھنٹیوں کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی ہے) کیا یہاں بھی "أضر" (زیادہ نقصان دہ) کے معنی ہیں؟ اس پر وہ صاحب دم بخود رہ گئے۔[1]

۴۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ جب کانپور میں مدرس تھے۔ انھوں نے مدرسہ کے جلسہ کے موقع پر اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کو بھی مدعو کیا۔ کانپور میں بعض اہل علم معقولات کی مہارت میں معروف تھے۔ اور کچھ بدعات کی طرف بھی مائل تھے۔ ادھر علماء دیوبند کی زیادہ توجہ خالص دینی علوم کی طرف رہتی تھی۔ اس لئے یہ حضرات یوں سمجھتے تھے کہ علمائے دیوبند کو معقولات میں کوئی درک نہیں ہے۔ حضرت تھانویؒ اس وقت نوجوان تھے اور ان کے دل میں حضرت شیخ الہندؒ کو مدعو کرنے کا ایک داعیہ یہ بھی تھا کہ یہاں حضرت کی تقریر ہوگی تو کانپور کے علما

---

[1] ارواحِ ثلاثہ ص ۲۸۶ [illegible]۔

پتہ چلے گا کہ شیخ الہند کا علمی مقام کیا ہے؟ اور وہ منقولات کے علاوہ معقولات میں کیسی کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ جلسہ منعقد ہوا اور حضرت شیخ الہند کی تقریر شروع ہوئی۔ حسن اتفاق سے تقریر کے دوران کوئی معقولی مسئلہ زیر بحث آگیا۔ اس وقت تک وہ علماء جن کو حضرت تھانوی؟ شیخ الہند کی تقریر سنانا چاہتے تھے جلسہ میں نہیں آئے تھے جب حضرت کی تقریر شباب پر پہنچی اور اس معقولی مسئلہ کا انتہائی فاضلانہ بیان ہونے لگا تو وہ علماء تشریف لے آئے جن کا حضرت تھانوی کو انتظار تھا حضرت تھانوی اس موقعہ پر بہت مسرور ہوئے کہ اب ان حضرات کو شیخ الہند کے علمی مقام کا اندازہ ہوگا۔ لیکن ہوا یہ کہ جونہی حضرت شیخ الہند نے ان علماء کو دیکھا تقریر کو مختصر کر کے فوراً ختم کر دیا۔ اور بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا فخرالحسن صاحب گنگوہی موجود تھے۔ انہوں نے یہ دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ:

"حضرت اب تو تقریر کا اصل وقت آیا تھا آپ بیٹھ کیوں گئے"؟

شیخ الہند نے جواب دیا: "ہاں دراصل یہی خیال مجھے بھی آگیا تھا"

حضرت علی کا واقعہ مشہور ہے کہ کسی یہودی نے ان کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر دی تھی تو وہ اس پر چڑھ دوڑے اور اسے زمین پر گرا کر اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ یہودی نے جب اپنے آپ کو بے بس پایا تو کھسیانا ہو کر اس نے حضرت علی کے روئے مبارک پر تھوک دیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت علی اس کو فوراً چھوڑ کر الگ ہو گئے اور پوچھنے پر بتایا کہ میں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی بناء پر اس یہودی سے الجھا تھا اگر تھوکنے کے بعد کوئی اور کارروائی کرتا تو یہ اپنے نفس کی مدافعت ہوتی۔

حضرت شیخ الہند نے اپنے اس عمل سے حضرت علی کی یہ سنت تازہ فرمادی۔ مطلب یہ تھا کہ اب تک تو تقریر نیک نیتی سے خالص اللہ کے لئے ہو رہی تھی۔ لیکن یہ خیال آنے کے بعد اپنا علم جتانے کے لئے ہوتی اس لئے اسے روک دیا۔ [1]

---

[1] یہ واقعہ مذکورہ تفصیل کے ساتھ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا [illegible] سے سنا ہے۔ باقی حاشیہ بر صفحہ [illegible]

۵ ــــ مدرسہ معینیہ اجمیر کے معروف عالم حضرت مولانا محمد معین الدین صاحب معقولات کے مسلّم عالم تھے انہوں نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کی شہرت سن رکھی تھی، ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا۔ تو ایک مرتبہ دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر پہنچ گئے۔ گرمی کا موسم تھا۔ وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو صرف بنیان اور تہبند پہنے ہوئے تھے مولانا معین الدین صاحب نے ان سے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ "مجھے حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ سے ملنا ہے۔ وہ صاحب بڑے تپاک سے مولانا اجمیریؒ کو اندر لے گئے۔ آرام سے بٹھایا اور کہا کہ" ابھی ملاقات ہو جاتی ہے"۔ مولانا اجمیریؒ منتظر رہے، اتنے میں وہ شربت لے آئے۔ اور مولانا کو پلایا، اس کے بعد مولانا اجمیریؒ نے کہا کہ" حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کو اطلاع دیجئے" ان صاحب نے فرمایا" آپ بے فکر رہیں اور آرام سے تشریف رکھیں" تھوڑی دیر بعد وہ صاحب کھانا لے آئے۔ اور کھانے پر اصرار کیا۔ مولانا اجمیریؒ نے کہا کہ" میں مولانا محمود حسن صاحب سے ملنے آیا ہوں" آپ انہیں اطلاع کر دیجئے ان صاحب نے فرمایا" انھیں اطلاع ہو گئی ہے" آپ کھانا تناول فرمائیں ابھی ملاقات ہو جاتی ہے"۔ مولانا اجمیریؒ نے کھانا کھا لیا تو ان صاحب نے انھیں پنکھا جھلنا شروع کر دیا۔ جب دیر ہو گئی تو مولانا اجمیریؒ برہم ہو گئے اور فرمایا کہ آپ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں، میں مولانا سے ملنے آیا تھا۔ اور اتنی دیر ہو چکی ہے ابھی تک آپ نے ان سے ملاقات نہیں کرائی۔ اس پر وہ صاحب بولے کہ:

" دراصل بات یہ ہے کہ یہاں مولانا تو کوئی نہیں۔ البتہ محمود، خاکسار ہی کا نام ہے"

مولانا معین الدین صاحب یہ سن کر ہکا بکا رہ گئے اور پتہ چل گیا کہ حضرت شیخ الہندؒ کیا چیز ہیں [۱]

(باقی حاشیہ) مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے۔ اور انہوں نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب قدس سرہٗ سے اور اسی کا خلاصہ حضرت میاں صاحبؒ نے حیات شیخ الہند ص ۱۶۷ میں بھی کیا ہے۔ [۱] یہ واقعہ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے اور انہوں نے اپنے ایک ہم سبق عالم مولانا مغیث الدین صاحبؒ سے سنا تھا کہ جو دیوبند سے فارغ ہو کر معقولات پڑھنے کے لئے اجمیر چلے گئے تھے اور آخر میں مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

۶ ــــ امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ علم و فضل میں یگانۂ روزگار تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنی ایک مجلس میں نقل کیا کہ ایک عیسائی فیلسوف نے لکھا ہے کہ "اسلام کی حقانیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ غزالی جیسا محقق اور مدقق اسلام کو حق سمجھتا ہے" یہ واقعہ بیان کر کے حکیم الامت نے فرمایا۔ "میں کہتا ہوں کہ میرے زمانہ میں مولانا انور شاہ صاحب کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے کہ ایسا محقق اور مدقق عالم اسلام کو حق سمجھتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے"۔ [1]

انہی حضرت شاہ صاحب کا واقعہ حضرت مولانا محمد انوری صاحب بیان فرماتے ہیں کہ مقدمہ بہاولپور کے موقع پر جب حضرت شاہ صاحب نے قادیانیوں کے کفر پر بے نظیر تقریر فرمائی اور اس میں یہ بھی فرمایا کہ "جو چیز دین میں تواتر سے ثابت ہو اس کا منکر کافر ہے تو قادیانیوں کے گواہ نے اس اعتراض کیا:

" آپ کو چاہیے کہ امام رازی پر کفر کا فتویٰ دیں۔ کیوں کہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں علامہ بحر العلوم نے لکھا ہے کہ امام رازی نے متواتر معنوی کا انکار کیا ہے"

اس وقت بڑے بڑے علماء کا مجمع تھا۔ سب کو پریشانی ہوئی کہ فواتح الرحموت اس وقت پاس نہیں ہے اس اعتراض کا جواب کس طرح دیا جائے؟ مولانا محمد انوری جو اس واقعہ کے وقت موجود تھے۔ فرماتے ہیں

" ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب نہ تھی مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب حیران تھے کہ کیا جواب دیں گے؟"

لیکن چونکہ واقعہ سنے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا تھا۔ اس لئے چند سال پہلے حضرت والد صاحب مدظلہم نے ان سے حرم نبوی میں اس کی تصدیق فرمائی۔ [1] حیات انور ص ۱۱۹ بروایت مولانا محمد ادریس کاندھلوی

لیکن اسی حیرانی کے عالم میں حضرت شاہ صاحبؒ کی آواز گونجی:

"جج صاحب! لکھیے میں نے بتیس سال ہوئے، یہ کتاب دیکھی تھی۔ اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے۔ امام رازیؒ در اصل یہ فرماتے ہیں کہ حدیث لاتجتمع امتی علی الضلالۃ تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں پہنچی لہذا انہوں نے اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے۔ نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کا ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکے سے کام لیا ہے۔ ان کو کہو کہ عبارت پڑھیں۔ ورنہ میں ان سے کتاب لے کر عبارت پڑھتا ہوں"

چنانچہ قادیانی شاہد نے عبارت پڑھی۔ واقعی اس کا مفہوم وہی تھا۔ جو حضرت شاہ صاحب نے بیان فرمایا۔ مجمع پر سکتہ طاری ہو گیا اور حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

"جج صاحب! یہ صاحب ہمیں مُفحم (لاجواب) کرنا چاہتے ہیں، میں چونکہ طالب علم ہوں میں نے دوچار کتابیں دیکھ رکھی ہیں۔ میں انشاء اللہ مفحم نہیں ہونے کا"[1]

ایک طرف علم وفضل اور قوتِ حافظ کا یہ محیر العقول کارنامہ دیکھئے کہ بتیس سال پہلے دیکھی ہوئی کتاب کا ایک جزوی حوالہ کتنی جزرسی کے ساتھ یاد رہا۔ دوسری طرف اس موقع پر کوئی اور ہوتا تو نجانے کتنے بلند بانگ دعوے کرتا۔ لیکن خط کشیدہ جملہ ملاحظہ فرمائیے کہ وہ تواضع کے کس مقام کی غمازی کر رہا ہے۔؟ اور یہ محض لفظ ہی نہیں ہیں وہ واقعتاً اپنے تمام کمالات کے باوصف اپنے آپ کو ایک معمولی طالب علم سمجھتے تھے اور اس دعائے نبویؐ کے مظہر تھے کہ اللّٰھم اجعلنی فی عینی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا۔

۷۔۔۔ حضرت مولانا محمد انوریؒ ہی راوی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحبؒ کشمیر تشریف لے جارہے تھے، بس کے انتظار میں سیالکوٹ اڈے پر تشریف فرما تھے کہ ایک پادری آیا اور

---

[1] انوار انوری۔ مؤلفہ مولانا محمد انوریؒ ص ۴۳۔

اور کہنے لگا کہ آپ کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں۔ فرمایا "نہیں! میں طالب علم ہوں"۔ اس نے کہا آپ کو "اسلام کے متعلق علم ہے"؟ فرمایا "کچھ کچھ" پھر ان کی صلیب کے متعلق فرمایا کہ "تم غلط سمجھے ہو، اس کی شکل یہ نہیں ہے" پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چالیس دلائل دیئے۔ دس قرآن سے دس تورات سے دس انجیل سے اور دس عقلی۔ وہ پادری آپ کی تقریر سنکر کہنے لگا کہ اگر مجھے اپنے مفادات کا خیال نہ ہوتا تو میں مسلمان ہو جاتا۔ نیز یہ کہ مجھے خود اپنے مذہب کی بہت سی باتیں آپ سے معلوم ہوئیں۔[1]

۷ ــــ احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم نے بارہا یہ واقعہ بیان فرمایا کہ جب میں دارالعلوم دیوبند میں ملا حسن پڑھاتا تھا تو ایک روز اس کی عبارت پر کچھ شبہ ہوا جو حل نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ حضرت شاہ صاحبؒ سے ہی اس کے بارے میں استفسار کرنا چاہیے چنانچہ میں کتاب لے کر ان کی تلاش میں نکلا وہ اپنی جگہ پر نہیں تھے اور جب وہ اپنی جگہ پر نہ ہوں تو ان کا کتب خانہ میں ہونا متعین تھا۔ میں کتب خانہ میں پہنچا تو وہ کتب خانہ کی بالائی گیلری میں بیٹھے مطالعہ میں مشغول تھے۔ میں ابھی نیچے ہی تھا کہ انہوں نے مجھے دیکھ لیا اور اوپر سے ہی میرے آنے کی وجہ پوچھی۔ میں نے عرض کیا کہ "ملا حسن کے ایک مقام پر کچھ اشکال ہے۔ وہ سمجھنا تھا" وہیں بیٹھے بیٹھے فرمایا "عبارت پڑھیئے" میں نے عبارت پڑھنی شروع کی تو بیچ ہی میں روک کر فرمایا: "اچھا! یہاں آپ کو یہ شبہ ہوا ہوگا" اور پھر بعینہٖ وہی اشکال دہرا دیا جو میرے دل میں تھا۔ میں نے تصدیق کی کہ واقعی یہی شبہ ہے اس پر انہوں نے اس کے جواب میں وہیں سے ایسی تقریر فرمائی کہ تمام اشکال کافور ہو گئے۔

اب ظاہر ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ عرصۂ دراز سے حدیث کی تدریس میں مصروف تھے۔ اور منطق کی کتابوں سے واسطہ تقریباً ختم ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود یہ حافظہ اور یہ استحضار کہ شمر

---

[1] ایضاً ص ۳۶

قدرت نہیں تو اور کیا ہے۔

۸۔۔۔ احقر نے اپنے والد ماجد سے بھی سنا ہے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہم سے بھی کہ حضرت شاہ صاحب نے ۱۳۳۱ھ میں علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور شرح ہدایہ "فتح القدیر" اور اس کے تکملہ کا مطالعہ بیس سے کچھ زائد ایام میں کیا تھا اور کتاب الحج تک اس کی تلخیص لکھی تھی اور انھوں نے صاحب ہدایہ پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کا جواب بھی لکھا تھا اس کے بعد مدت العمر "فتح القدیر" کی مراجعت کی ضرورت نہیں پڑی اور کسی تازہ مطالعہ کے بغیر اس کی نہ صرف باتوں کو بلکہ طویل عبارتوں تک کا حوالہ سبق میں دیا کرتے تھے حضرت مولانا بنوری مدظلہم فرماتے ہیں کہ انہوں نے ۱۳۴۷ھ میں ہم سے یہ واقعہ بیان کیا اور فرمایا:

"چھبیس سال ہوئے پھر مراجعت کی ضرورت نہیں پڑی اور جو مضمون اس کا بیان کروں گا۔ اگر مراجعت کروگے تفاوت کم پاؤ گے۔" [۱]

۹۔۔۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہم حضرت شاہ صاحبؒ کے شاگرد ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ درس سے فراغت کے بعد میں جب بھی حضرت شاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو پہلے سے لکھے ہوئے متعدد سوالات کے جواب ان سے معلوم کیا کرتا تھا، ایک دفعہ کی حاضری میں ترمذی شریف کی ایک عبارت کا حوالہ میں نے دیا اور عرض کیا کہ اس عبارت میں یہ اشکال ہے۔ بہت غور کیا لیکن حل نہیں ہوسکا۔ فرمایا "مولوی صاحب آپ کو یاد نہیں رہا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جس سال آپ دورے میں تھے۔ اس موقع پر میں نے بتایا تھا کہ یہاں ترمذی کے اکثر نسخوں میں ایک غلطی واقع ہوگئی ہے لیکن لوگ سرسری طور پر گزر جاتے ہیں۔ اور انہیں پتہ نہیں چلتا۔ ورنہ یہ اشکال سب کو پیش آنا چاہئے۔" پھر فرمایا کہ "صحیح عبارت اس طرح ہے" مولانا نعمانی مدظلہم لکھتے ہیں:

---

[۱] نفحۃ العنبر ص ۲۰ طبع مجلس علمی کراچی۔

"اللہ اکبر! یہ بات بھی یاد رہتی تھی کہ فلاں سال اس موقع پر سبق میں یہ بات فرمائی تھی۔" لہ

ـــــ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی ایک تصنیف کے سلسلے میں ابوالحسن کذاب کے حالات کی ضرورت تھی۔ مجھے ان کی تاریخ نہ ملی۔ چنانچہ میں حسب سول حضرت شاہ صاحبؒ کے درِ دولت پر پہنچ گیا اسوقت مرضِ وفات اپنی آخری حد پر پہنچ چکا غا۔ اور دو تین ہفتے بعد وصال ہونے والا تھا۔ کمزور بے حد ہو چکے تھے۔ ابتدائی گفتگو کے بعد ل نے آنے کی غرض بتائی تو انہوں نے بتایا کہ ادب اور تاریخ کی کتابوں میں فلاں فلاں مواقع ا مطالعہ کر لیجئے اور تقریباً آٹھ دس کتابوں کے نام بے دیئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے دکتابوں کے اتنے اسماء یاد بھی نہ رہیں گے۔ نیز انتظامی مہمات کے بکھیڑوں میں اتنی فرصت می نہیں۔ کہ چند جزوی مثالوں کے لئے اتنا طویل وعریض مطالعہ کروں، بس آپ ہی اس شخص لی دروغ گوئی کے متعلقہ واقعات کی دو چار مثالیں بیان فرمادیں، میں انہی کو آپ کے حوالہ سے جزوِ کتاب بنادوں گا۔ اس پر مسکرا کر ابوالحسن کذاب کی تاریخ، اس کے سنِ ولادت سے سن وار بیان فرمانی شروع کردی۔ جس میں اس کے جھوٹ کے عجیب وغریب واقعات بیان فرماتے رہے آخر میں سن وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شخص مرتے مرتے بھی جھوٹ بول گیا۔ پھر اس جھوٹ کی تفصیل بیان فرمائی۔

حیرانی یہ تھی کہ یہ بیان اس طرز سے ہو رہا تھا کہ گویا حضرت ممدوح نے آج کی شب بیں مستقلاً اسی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے جو اس ضبط سے سن وار واقعات بیان فرما رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے تعجب آمیز لہجے میں عرض کیا کہ حضرت! شاید کسی قریبی زمانے میں ہی اس کی تاریخ دیکھنے کی نوبت آئی ہوگی؟ سادگی سے فرمایا "جی نہیں! آج سے تقریباً چالیس سال کا عرصہ ہوتا

لہ حیاتِ انور ص ۱۳۹

ہے جب میں مصر گیا ہوا تھا۔ خدیوی کتب خانے میں مطالعہ کے لئے پہنچا تو اتفاقاً اسی ابوالحسن کذاب کا ترجمہ سامنے آگیا۔ اور اس کا مطالعہ دیر تک جاری رہا بس اسی وقت جو باتیں کتاب میں دیکھیں حافظہ میں محفوظ ہوگئیں اور آج آپ کے سوال پر مستحضر ہوگئیں جن کا میں نے اس وقت تذکرہ کیا۔"[1]

۱۱ ـــ یہی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ تحریک خلافت کے دور میں جب امارتِ شرعیہ (عوام کی طرف سے قاضی مقرر کرنے) کا مسئلہ چھڑا تو مولوی سبحان اللہ خاں صاحب گورکھپوری نے اپنے بعض نقاطِ نظر کی تائید میں بعض سلف کی عبارت پیش کی جو ان کے نقطۂ نظر کی تو مؤید تھی۔ مگر مسلکِ جمہور کے خلاف تھی۔ یہ عبارت وہ لے کر خود دیوبند تشریف لائے اور مجمع علماء میں اسے پیش کیا۔ تمام اکابرِ دارالعلوم حضرت شاہ صاحب کے کمرے میں جمع تھے حیرانی یہ تھی کہ نہ اس عبارت کو رد ہی کر سکتے تھے کہ وہ سلف میں سے ایک بڑی شخصیت کی عبارت تھی۔ اور نہ اُسے قبول ہی کر سکتے تھے کہ مسلکِ جمہور کے صراحۃً خلاف تھی۔ یہ عبارت اتنی واضح اور صاف تھی کہ اسے کسی تاویل توجیہ سے بھی مسلکِ جمہور کے مطابق نہیں کیا جا سکتا تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ استنجا کے لئے تشریف لے گئے ہوئے تھے وضو کر کے واپس لوٹے تو اکابر نے عبارت اور مسلک کے تعارض کا تذکرہ کیا اور یہ کہ ان دونوں باتوں میں تطبیق بن نہیں پڑتی۔ حضرت ممدوحؒ حسب عادت "حسبنا اللہ" کہتے ہوئے بیٹھ گئے اور عبارت کو ذرا غور سے دیکھ کر فرمایا کہ اس عبارت میں جعل اور تصرّف کیا گیا ہے اور دو سطروں کو ملا کر ایک کر دیا گیا ہے درمیان کی ایک سطر چھوڑ دی گئی ہے۔ اسی وقت کتب خانے سے کتاب منگائی گئی۔ دیکھا تو واقعی اصل عبارت میں سے پوری ایک سطر درمیان سے حذف ہوئی تھی۔ جوں ہی اس سطر کو عبارت میں شامل کیا گیا عبارت کا مطلب مسلکِ جمہور کے موافق ہو گیا اور سب کا تحیر رفع ہو گیا۔[2]

---

[1] حیات انور صـ ۲۲۵ تا ۲۲۸ [2] حیات انور صـ ۲۲۹ تا ۲۳۰

۱۲۔ آپ حضرت مولانا یوسف بنوری مدظلہم فرماتے ہیں کہ طلاق کے ایک مسئلہ میں کشمیر کے علماء میں اختلاف ہو گیا فریقین نے شاہ صاحبؒ کو حکم بنایا، حضرت شاہ صاحبؒ نے دونوں کے دلائل خود سے سُنے ان میں سے ایک فریق اپنے موقف پر فتاویٰ عمادیہ کی ایک عبارت سے استدلال کر رہا تھا حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

"میں نے دارالعلوم کے کتب خانے میں فتاوےٰ عمادیہ کے ایک صحیح قلمی نسخہ کا مطالعہ کیا ہے اس میں یہ عبارت ہرگز نہیں ہے لہذا یا تو ان کا نسخہ غلط ہے یا یہ لوگ کوئی مغالطہ انگیزی کر رہے ہیں" [1]

ایسے علم وفضل اور ایسے حافظ کا شخص اگر بلند و بانگ دعوے کرنے لگے تو کسی درجہ میں اس کو حق پہنچ سکتا ہے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ اس قافلۂ رُشد و ہدایت کے فرد تھے جس نے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ کی حدیث عملی پیکر بن کر دکھایا تھا، چنانچہ اسی واقعہ میں جب انھوں نے حضرت مولانا بنوری مدظلہم کو اپنا فیصلہ لکھنے کا حکم دیا تو انھوں نے حضرت شاہ کے نام کے ساتھ "الحبر البحر" (عالم متبحر) کے دو تعظیمی لفظ لکھ دیئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ دیکھا تو قلم ہاتھ سے لیکر زبردستی خود یہ الفاظ مٹائے اور غصہ کے لہجے میں مولانا بنوری سے فرمایا:

"آپ کو صرف مولانا محمد انور شاہ لکھنے کی اجازت ہے" [2]

پھر ایسا شخص جو ہر وقت کتابوں ہی میں مستغرق رہتا ہو، اس کا یہ جملہ ادب و تعظیم کُتب کے کس مقام کی نشاندہی کرتا ہے کہ:

"میں مطالعہ میں کتاب کو کبھی اپنا تابع نہیں کرتا، بلکہ ہمیشہ خود کتاب کے تابع ہو کر مطالعہ کرتا ہوں"

چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب فرماتے ہیں:

---

[1] نفحۃ العنبر ص ۲۷ [2] حیاتِ انور ص ۲۳۳

"حضرت میں ہم لوگوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ لیٹ کر مطالعہ کر رہے ہوں، یا کتاب پر کہنی ٹیک کر مطالعہ میں مشغول ہوں، بلکہ کتاب کو سامنے رکھ کر مودب انداز میں بیٹھتے۔ گویا کسی شیخ کے آگے بیٹھے ہوئے استفادہ کر رہے ہیں۔" اور یہ بھی فرمایا کہ "میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک دینیات کی کسی کتاب کا مطالعہ بے وضو نہیں کیا۔" [1]

۱۳ ـــ دارالعلوم کی تاریخ میں یہ جملہ بہت معروف ہے کہ دارالعلوم کی ابتدار دو ایسے بزرگوں سے ہوئی۔ جن دونوں کا نام محمود تھا اور دونوں قصبۂ دیوبند کے باشندے تھے۔ ان میں شاگرد تو وہ محمود تھے۔ جو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کے نام سے معروف ہوئے اور استاد حضرت ملا محمود صاحب تھے۔ راقم الحروف کے جدّ امجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ملا محمود صاحبؒ نے فرمایا کہ سنن ابن ماجہ پر جو حاشیہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ محدث دہلوی کے نام سے چھپا ہوا ہے۔ اس کا بڑا حصہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے مجھ سے لکھوایا ہے۔ ان کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ طلبار نے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ وجہ یہ تھی کہ علم کے دعوے۔ اور نام ونمود کی خواہشات سے اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ خصلت بزرگ کو ایسا پاک رکھا تھا کہ یہ عام آدمی کو یہ پہچاننا بھی مشکل تھا کہ یہ کوئی بڑے عالم ہیں۔

اپنا گھریلو سودا سلف اور گوشت ترکاری خود بازار سے خرید کر لاتے اور گھر میں عام آدمیوں کی طرح زندگی گزارتے تھے مگر علوم کے استحضار اور حفظ کا عالم یہ تھا کہ راقم کے جدِ امجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ کی ایک بڑی کتاب (جو غالباً منطق یا اصولِ فقہ کی کتاب تھی) اتفاقاً درس سے رہ گئی تھی۔ انھیں یہ فکر تھی کہ دورِ حدیث شروع ہونے سے پہلے یہ کتاب پوری ہو جائے چنانچہ انہوں نے ملا محمود صاحبؒ سے درخواست کی۔ ملا صاحبؒ نے فرمایا کہ اوقاتِ مدرسہ کے علاوہ بھی میرے

---

[1] حیاتِ انور ص ۲۳۳۔

تمام اوقات اسباق سے بھرے ہوتے ہیں۔ صرف ایک وقت ہے کہ جب میں گھر کا گوشت ترکاری لینے کے لئے باہر جاتا ہوں، یہ وقت خالی گزرتا ہے تم ساتھ ہو جاؤ تو اس وقفے میں سبق پڑھا دوں گا

احقر کے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کتاب بڑی اور مشکل تھی جس کو دوسرے علماء غور و مطالعہ کے بعد بھی مشکل سے پڑھا سکتے تھے مگر ملا محمود صاحبؒ نے کچھ راستے میں کچھ قصاب کی دوکان پر یہ تمام کتاب ہمیں اس طرح پڑھا دی کہ کوئی مشکل ہی نظر نہ آئی لہ

۱۴ ـــ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علم و فضل کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے، حضرتؒ طالبعلمی کے زمانے سے ہی اپنی قوتِ استعداد، ذہانت و فطانت اور علم و عمل میں معروف تھے لیکن جب ۱۳۰۱ھ میں آپ دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اور دستار بندی کے لئے دیوبند میں بہت بڑا اور شاندار جلسہ منعقد کرنے کی تجویز ہوئی۔ تو حضرت تھانویؒ اپنے ہم سبقوں کو لے کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ "حضرت! ہم نے سنا ہے کہ ہم لوگوں کی دستار بندی کی جائے گی حالانکہ ہم اس قابل ہرگز نہیں۔ لہٰذا اس تجویز کو منسوخ فرمایا جائے۔ ورنہ اگر ایسا کیا گیا تو مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی کہ ایسے نالائقوں کو سند دی گئی" حضرت نانوتویؒ کو یہ سنکر جوش آگیا اور فرمایا کہ تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے، یہاں چونکہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں اس لئے ان کے سامنے تمہیں اپنی ہستی کچھ نظر نہیں آتی اور ایسا ہی ہونا چاہئے۔ باہر جاؤ گے تب تمہیں اپنی قدر معلوم ہوگی۔ جہاں جاؤ گے بس تم ہی تم ہو گے۔ کہ

سادگی اور مخلوقِ خدا خیال

۱۵ ـــ حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی اکابر دیوبند میں ہے ان کے علم و فضل کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بلاواسطہ شاگرد اور حضرت شاہ

لہ "میرے والد ماجد" مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم: ص ۴۴، ۵۰ کہ اشرف السوانح۔ ج ۱ ص ۳۲

عبدالغنی صاحب محدث دہلویؒ کے ہم سبق تھے۔ وہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک بوڑھا ملا جو بوجھ لئے جا رہا تھا بوجھ زیادہ تھا اور بمشکل چل رہا تھا حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ نے یہ حال دیکھا تو اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں پہنچا دیا۔ اس بوڑھے نے اُن سے پوچھا! "اجی! تم کہاں رہتے ہو؟ بھائی! میں کاندھلہ میں رہتا ہوں" اس نے کہا "وہاں کا لوگی مظفر حسین بڑے ولی ہیں" اور یہ کہہ کر ان کی بڑی تعریفیں کیں، مگر مولانا نے فرمایا: "اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہے ہاں تو نماز پڑھ لے ہے" اس نے کہا "واہ میاں! تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو؟" مولاناؒ نے فرمایا: "میں ٹھیک کہتا ہوں" وہ بوڑھا ان کے سر ہو گیا۔ اتنے میں ایک اور شخص آ گیا جو مولاناؒ کو جانتا تھا۔ اس نے بوڑھے سے کہا "بھلے مانس! مولوی مظفر حسین یہی ہیں" اس پر وہ بوڑھا مولانا سے لپٹ کر رونے لگا۔ [۱]

۱۶ ـــــ انہی مولانا مظفر حسین کی عادت یہ تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور اپنے تمام رشتہ داروں کے گھر تشریف لے جاتے جس کسی کو بازار سے کچھ منگانا ہوتا اس سے پوچھ کر لا دیتے اور ظرفہ یہ کہ اس زمانے میں لوگوں کے پاس پیسے کم ہوتے تھے عموماً چیزیں غلہ کے عوض خریدی جاتی تھیں چنانچہ آپ گھروں سے غلہ باندھ کر لے جاتے اور اس کے اشیاء ضرورت خرید کر لاتے تھے۔ [۲]

۱۷ ـــــ یہی حال دیوبند کے مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ کا تھا۔ علم و فضل کا تو یہ عالم کہ آج ان کی "عزیز الفتاوی" عہدِ حاضر کے تمام مفتیوں کے لئے ماخذ بنی ہوئی ہے اور فتوی کے ساتھ شغف کا یہ حال تھا کہ وفات کے وقت بھی ایک استفتاء ہاتھ میں تھا جسے موت ہی نے ہاتھ سے چھڑا کر سینے پر ڈال تھا۔ [۳]

لیکن سادگی۔ تواضع اور خدمتِ خلق کا یہ مقام کہ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم

---

[۱] ارواح ثلاثہ ص ۲۳۸، ۲۳۹ [۲] ارواح ثلاثہ ص ۲۰۵، ۲۰۶ [۳] نقوش و تاثرات۔ مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم ص ۴۳

تحریر فرماتے ہیں:

"کوئی کیسے سمجھے کہ یہ کوئی بڑے عالم یا صاحب کرامات صوفی اور صاحب نسبت شیخ ہیں جب کہ نہایت تواضع کا یہ عالم ہو کہ بازار کا سودا سلف نہ صرف اپنے گھر کا بلکہ محلّہ کی بیواؤں اور ضرورت مندوں کا بھی خود لاتے۔ بوجھ زیادہ ہو جاتا تو بغل میں گٹھڑی دبا لیتے اور پھر ہر ایک کے گھر کا سودا مع حساب کے اس کو پہنچا تے۔"[1]

راقم الحروف نے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم ہی سے زبانی سنا کہ اسی سودا سلف لانے میں کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جب حضرت مفتی صاحب کسی عورت کو سودا دینے کے لئے جاتے تو وہ دیکھ کر کہتی "مولوی صاحب یہ تو آپ غلط لے آئے ہیں، میں نے یہ چیز اتنی منگائی تھی" چنانچہ فرشتہ صفت انسان دوبارہ بازار جاتا اور اس عورت کی شکایت دور کرتا۔

۱۸ــــ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دیوبند میں حضرت میاں صاحب کے لقب سے معروف تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے درجۂ علیا کے استاد تھے، ان سے ابوداؤد پڑھنے والے اب بھی برصغیر میں ہزاروں ہوں گے۔ علوم قرآن وسنّت کے بہت بڑے ماہر اور جملہ علوم وفنون کے کامل محقق مگر بہت کم گو، حدیث کے درس میں نہایت مختصر مگر جامع تقریر ایسی ہوتی کہ حدیث کا مفہوم دل میں اتر جائے۔ اور شبہات خود بخود کافور ہو جائیں۔

انہی کا واقعہ ہے کہ آپ کا زنانہ مکان اور نشست گاہ کچی مٹی کی بنی ہوئی تھیں، ہر سال برسات کے موقع پر اس کی لپائی پتائی ناگزیر تھی، جس میں کافی پیسہ اور وقت خرچ ہوتا تھا، ایک مرتبہ راقم الحروف کے والد ماجد (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم) نے حضرت میاں صاحبؒ سے کہا کہ "حضرت! جتنا خرچ سالانہ اس کی لپائی پر کرتے ہیں، اگر ایک دفعہ پختہ اینٹوں سے بنانے میں خرچ کرلیں تو دو تین سال میں یہ خرچ برابر ہو جائے اور ہمیشہ کے لئے اس محنت سے

---

[1] مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند۔ ج ۱ ص ۴۴

نجات ہو"

یہ سنکر فرمایا: ماشاء اللہ بات تو بہت عقل کی کہی ہم بوڑھے ہو گئے ادھر دھیان ہی نہ آیا"
پھر کچھ توقف کے بعد جو حقیقتِ حال تھی وہ بتائی اور تب پتہ چلا کہ یہ حضرات کس مقام سے سوچتے تھے۔؟ فرمایا کہ:

"میرے پڑوس میں سب غریبوں کے کچے مکان ہیں۔ اگر میں پکا مکان بنوالوں تو غریب پڑوسیوں کو حسرت ہوگی۔ اور اتنی وسعت نہیں کہ سب کے پکے مکان بنواؤں"

حضرت والد ماجد فرماتے ہیں:

اس وقت معلوم ہوا کہ یہ حضرات جو کچھ سوچتے ہیں وہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہو سکتی، چنانچہ انہوں نے اس وقت تک اپنے مکان کو پختہ نہیں کیا جب تک پڑوسیوں کے مکان پکے نہیں بن گئے" [1]

۱۹ ۔۔۔ انہی حضرت میاں صاحبؒ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت والد صاحب مد ظلہم ان کے گھر تشریف لے گئے تو انہوں نے آموں سے تواضع کی جب آم چوس کر فارغ ہو گئے تو والد صاحب مد ظلہم گٹھلیوں اور چھلکوں سے بھری ہوئی ٹوکری اٹھا کر باہر پھینکنے کے لئے چلے۔ حضرت میاں صاحبؒ نے دیکھا تو پوچھا: "یہ ٹوکری اٹھا کر کہاں لے کر چلے"؟ عرض کیا: چھلکے باہر پھینکنے جا رہا ہوں"، "پھینکنے آتے ہیں یا نہیں"؟ والد صاحب نے کہا کہ "حضرت! یہ چھلکے پھینکنا کون سا خصوصی فن ہے جسے سیکھنے کی ضرورت ہو؟" ہاں! تم اس فن سے واقف نہیں لاؤ، مجھے دو" خود ٹوکری اٹھا کر پہلے چھلکے گٹھلیوں سے الگ کئے اس کے بعد باہر تشریف لائے اور سڑک کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلے سے معین جگہوں پر چھلکے رکھ دیئے اور ایک خاص جگہ

---

[1] نقوش و تاثرات ص ۴۰

گٹھلیاں ڈال دیں۔ والد صاحب کے استفسار پر ارشاد ہوا کہ "ہمارے مکان کے قرب و جوار میں تمام غربار و مساکین رہتے ہیں۔ زیادہ تر وہی لوگ ہیں جنکو ان جوریں بھی بمشکل ہی میسر آتی ہے اگر وہ پھلوں کے چھلکے یکجا دیکھیں گے تو ان کو اپنی غریبی کا شدت سے احساس ہوگا اور بے مائگی کی وجہ سے حسرت ہوگی اور اس ایذا دہی کا باعث میں بنوں گا۔ اس لئے متفرق کر کے ڈالتا ہوں۔ اور وہ ایسے مقامات پر جہاں جانوروں کے گلے گزرتے ہیں۔ یہ چھلکے ان کے کام آجاتے ہیں اور گٹھلیاں ایسی جگہ رکھی ہیں جہاں بچے کھیلتے کودتے ہیں۔ وہ ان گٹھلیوں کو بھون کر کھا لیتے ہیں۔ ان کو بھی ضائع کرنا مناسب نہیں" راقم الحروف کے برادر مرحوم مولانا محمد زکی کیفی صاحب جو اس واقعے کے وقت موجود تھے تحریر فرماتے ہیں:-

"یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہنے کی ہے کہ میاں صاحبؒ خود تو شاید ہی کبھی کوئی آم چکھ لیتے ہوں، عموماً مہمانوں ہی کے لئے ہوتے تھے اور محلے کے غریب بچوں کو بلا بلا کر کھلانے میں استعمال ہوتے تھے، اس کے باوجود چھلکے گٹھلیوں کا یکجا ڈھیر کر دینے سے گریز فرماتے تھے کہ غریبوں کی حسرت کا سبب نہ بن جائیں۔ [۱]

۲۰ — انہی حضرت میاں صاحبؒ کا معمول تھا کہ جو کھانا گھر سے آتا تھا۔ خود تو بہت کم خوراک کھاتے تھے۔ باقی کھانا محلّے کے بچوں کو کھلا دیتے تھے جو روٹی بچ جائے اس کو بلّی کے لئے دیواً پر رکھ دیتے اور جو ٹکڑے بچ جاتے ان کو چھوٹا چھوٹا کر کے چڑیوں کے لئے اور دسترخوان کے ریزوں کو بھی ایسی جگہ جھاڑتے تھے۔ جہاں چیونٹیوں کا بل ہو [۲]

۲۱ — شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ دارالعلوم کے ان اساتذہ میں سے ہیں جن

---

[۱] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ ص ۳۸، ۳۹، ۴۰ مضمون "حضرت میاں صاحبؒ"۔

[۲] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ ص ۳۹، ۴۰۔

کے عشاق اب بھی لاکھوں سے کم نہ ہوں۔ ان کے رُعب اور دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ طلباء ان کے نام سے تھراتے تھے حالانکہ مارنے پیٹنے کا کوئی معمول نہ تھا، والد ماجد حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہم بھی ان کے شاگرد ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے ساتھ ہم چند آدمی سفر پر روانہ ہوئے، سفر کے آغاز میں مولاناؒ نے فرمایا کہ کسی کو اپنا امیر بنالو ہم نے عرض کیا کہ "امیر تو متعین ہے" مولاناؒ نے فرمایا: "مجھے امیر بنانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے لیکن امیر کی اطاعت کرنی ہوگی" ہم نے عرض کیا "انشاء اللہ ضرور"! اب جو روانگی ہوئی تو مولاناؒ نے اپنا اور ساتھیوں کا سامان خود اٹھالیا۔ ہم نے دوڑ کر سامان لینا چاہا تو فرمایا: نہیں! امیر کی اطاعت ضروری ہے" پھر سفر کے ہر مرحلے میں مشقت کا ہر کام خود کرنے کے لئے آگے بڑھتے اور کوئی کچھ بولتا۔ تو اطاعتِ امیر کا حکم سُناتے۔

۲۴۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم دار العلوم دیو بند کے خسر محترم جناب مولانا محمود رامپوریؒ رامپور کے ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو اپنے دینی شغف اور دنیوی وجاہت وریاست دونوں کے اعتبار سے ممتاز تھا اور تمام اکابر دیو بند سے اس کے تعلقات تھے، جب یہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے دیو بند آئے۔ تو ان کا قیام دیو بند کی ایک چھوٹی سی مسجد کے حجرے میں ہوا، جو "چھوٹی مسجد" کے نام سے معروف تھی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم سے آجاتے جاتے ادھر ہی سے گزرا کرتے تھے۔ ایک روز وہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا کہ وہاں مولانا محمود صاحب رامپوری کھڑے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کو ان کے دیو بند آنے کا حال معلوم نہ تھا اس لئے ان سے پوچھا کہ کب آئے؟ کیسے آئے؟ انھوں نے تفصیل بیان کی اور بتایا کہ اسی مسجد کے ایک حجرے میں مقیم ہوں، حضرت حجرے کے اندر تشریف لے گئے اور ان کے رہنے کی جگہ دیکھی وہاں ان کے سونے کے لئے ایک بستر فرش ہی پر بچھا ہوا تھا اس وقت تو حضرت یہ دیکھ کر تشریف لے آئے۔ لیکن یہ خیال رہا کہ مولانا محمود صاحب رام پور رئیس زادے ہیں انہیں زمین پر سونے کی عادت نہیں ہوگی۔ اور یہاں تکلیف اٹھاتے ہوں گے۔ چنانچہ گھر جا کر ایک چارپائی خود

اٹھائی اور اسے لے کر چھوٹی مسجد کی طرف چلے وہاں سے خاصہ فاصلہ تھا لیکن حضرت اسی حالت میں گلیوں اور بازاروں سے گزرتے ہوئے چھوٹی مسجد پہنچ گئے۔ اس وقت مولانا محمود صاحبؒ مسجد سے نکل رہے تھے یہاں پہنچ کر حضرت شیخ الہندؒ کو خیال آیا کہ یہ مجھے چارپائی اٹھائے ہوئے دیکھیں گے تو انہیں ندامت ہوگی کہ میری خاطر شیخ الہندؒ نے اتنی تکلیف اٹھائی چنانچہ انھیں دیکھتے ہی چارپائی نیچے رکھ دی اور فرمایا:

"لو میاں یہ اپنی چارپائی خود اندر لے جاؤ، میں بھی شیخ زادہ ہوں کسی کا نوکر نہیں" لہ

انابت وتقویٰ

۲۳ — اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو انابت وتقویٰ کے ایسے سانچے میں ڈھالا تھا کہ یہ "سیماھم فی وجوھھم" کی مثال بن گئے تھے اور لوگ ان کے چہرے دیکھ کر اسلام قبول کرتے تھے مولانا محمد انوریؒ فرماتے ہیں کہ مظفر گڑھ کے سفر میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ملتان چھاونی کے اسٹیشن پر فجر کی نماز سے قبل حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ گاڑی کے انتظار میں تشریف فرما تھے۔ اردگرد خدام کا مجمع تھا۔ ریلوے کے ایک ہندو بابو صاحب لیمپ ہاتھ میں لئے آرہے تھے، حضرت شاہ صاحبؒ کا منور چہرہ دیکھ کر سامنے کھڑے ہوگئے اور زار وقطار رونے لگے۔ اور پھر یہ زیارت ہی اُن کے ایمان کا ذریعہ بن گئی۔ وہ کہتے تھے کہ "ان بزرگوں کا روشن چہرہ دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ اسلام سچا دین ہے" کہ

۲۴ — تمام اکابر دیوبند کا مشترک رنگ یہ تھا کہ وہ حروف ونقوش کے کتابی علم کو اس وقت تک اہمیت نہیں دیتے تھے۔ جب تک اس کے ساتھ انابت الی اللہ اور اصلاح وتقویٰ نہ ہو، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جب خانقاہ تھانہ بھون میں مدرسہ امدادیہ قائم فرمایا تو حضرت مولانا رشید احمد

لہ یہ واقعہ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے اور ان کو خود حضرت مولانا محمود صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا۔ کہ انوار انوری ص ۴۰۔

صاحب گنگوہی قدس سرہ کو اس کی اطلاع دی، حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا:

"اچھا ہے بھائی، مگر خوشی تو جب ہوگی جب یہاں اللہ اللہ کرنے والے جمع ہو جاویں گے"۔[1]

۲۷ — چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ہی انابت الی اللہ پر تھی، راقم الحروف کے جدِ امجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ:

"ہم نے دارالعلوم کا وہ وقت دیکھا ہے جس میں صدر مدرس سے لے کر ادنیٰ مدرس تک اور مہتمم سے لے کر دربان اور چپراسی تک سب کے سب صاحبِ نسبت بزرگ اور اولیاء اللہ تھے، دارالعلوم اس زمانے میں دن کو دارالعلوم اور رات کو خانقاہ معلوم ہوتا تھا کہ اکثر حجروں سے آخر شب میں تلاوت اور ذکر کی آوازیں سنائی دیتی تھیں اور درحقیقت یہی اس دارالعلوم کا طغرائے امتیاز تھا"۔[2]

۲۸ — دارالعلوم دیوبند کے دوسرے مہتمم حضرت مولانا رفیع الدین صاحب قدس سرہ اگرچہ ضابطے کے عالم نہ تھے لیکن شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلویؒ کے خلیفہ اور اس درجے کے بزرگ تھے کہ حضرت نانوتویؒ نے ایک موقع پر فرمایا:

"مولانا رفیع الدین صاحبؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ میں سوائے اس کے کوئی فرق نہیں کہ مولانا گنگوہیؒ عالم ہیں اور وہ عالم نہیں، ورنہ نسبت باطنی کے لحاظ سے دونوں ایک درجہ کے ہیں"۔[3]

ان کا ایک واقعہ ہے کہ انھوں نے ایک گائے پال رکھی تھی جس کی دیکھ بھال ایک خادم کے سپرد تھی۔ ایک روز اتفاقاً وہ خادم کسی وجہ سے گائے کو مدرسہ کے صحن میں باندھ کر کسی کام سے چلا گیا۔ دیوبند کے باشندے کوئی صاحب ادھر آنکلے مولاناؒ کی گائے کو مدرسہ میں دیکھا تو مولانا سے

---

[1] ارواحِ ثلاثہ ص ۲۲۴ ح ۳۲۴ [2] "میرے والد ماجد" از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم ص ۵۲ [3] اشرف السوانح ج ۳ ص ۱۳۹۔

شکایت کی کہ "کیا مدرسہ کا صحن آپ کی گائے پالنے کے لئے ہے"؟ مولانا نے ان سے کوئی عذر بیان کرنے کی بجائے یہ گائے دارالعلوم ہی کو دے دی، اور قصہ ختم کر دیا۔ حالانکہ مولانا کا عذر بالکل واضح اور ظاہر تھا۔ مگر یہ حضرات اپنے نفس کی طرف سے مدافعت کا پہلو اختیار ہی نہ کرتے تھے۔ [1]

۲۷ ـــــ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے اس دور کے مہتمم تھے جب دارالعلوم کا کام بہت زیادہ پھیل گیا تھا طلبا کی تعداد سینکڑوں سے تجاوز تھی۔ بہت سے نئے شعبے قائم ہو چکے تھے اور ان کا انتظام شبانہ روز مصروفیت کے بغیر ممکن نہ تھا لیکن احقر نے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سُنا ہے کہ اس دور میں بھی نماز اور تلاوت کے دیگر معمولات کے علاوہ روزانہ سوا لاکھ کا اسم ذات کا معمول کبھی قضا نہیں ہوتا تھا اور اللہ پر توکل کا عالم یہ تھا۔ کہ ایک مرتبہ دارالعلوم کی انتظامیہ کے خلاف ایک شدید طوفان اٹھا اور بعض لوگ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کی جان کے دشمن ہو گئے۔ ایسے حالات میں وہ رات کو دارالعلوم کی کھلی چھت پر تن تنہا سوتے تھے۔ بعض بہی خواہوں نے عرض کیا کہ ایسے حالات میں آپ کو اس طرح نہ سونا چاہیے بلکہ احتیاط کے مدّنظر کمرے کے اندر سونا چاہئے۔ مولاناؒ نے جواب میں فرمایا کہ: میں تو اس باپ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کا بیٹا ہوں جس کے جنازے کو چار اٹھانے والے بھی میسّر نہ آئے اور جسے رات کے اندھیرے میں بقیع کی نذر کیا گیا لہٰذا مجھے موت کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ [2]

یہ دیوبند کے وہ بزرگ ہیں جو خالص انتظامی کاموں میں معروف تھے اور جیسا کہ انتظامی امور کا خاصہ ہے وہ بعض مرتبہ موردِ اعتراض بھی بنے اور عموماً اولیاء اللہ کی فہرست میں ان کا شمار نہیں ہوتا ؏ قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا۔

۲۸ ـــــ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ سارا دن تعلیم و تدریس کی محنت اٹھانے کے بعد رات کو دو بجے بیدار ہو جاتے اور فجر تک نوافل و ذکر میں مشغول رہتے تھے

---

[1] "میرے والد ماجد" ص ۷۰۔ [2] حیات شیخ الہند" از مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ ص ۱۸۹

اور رمضان المبارک میں تو تمام رات جاگنے کا معمول تھا، حضرت کے یہاں تراویح سحری سے ذرا پہلے تک جاری رہتی تھی اور مختلف حفاظ کئی کئی پارے سناتے تھے یہاں تک کہ حضرت کے پاؤں پر ورم آجاتا اور حتیٰ تورمت قدماہ کی سنت نبویہ نصیب ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ خوراک اور نیند کی کمی اور طویل قیام کے اثر سے حضرت کا ضعف بہت زیادہ ہوگیا اس کے باوجود رات بھر کی تراویح کا یہ معمول ترک نہیں فرمایا۔ آخر مجبور ہو کر گھر کی خواتین نے تراویح کے امام مولوی کفایت اللہ صاحب سے کہلایا کہ آج کسی بہانے سے تھوڑا سا پڑھ کر اپنی طبیعت کے کسل اور گرانی کا عذر کر دیجئے حضرت کو دوسروں کی راحت کا بہت خیال رہتا تھا۔ اس لئے خوشی سے منظور کر لیا۔ تراویح ختم ہوگئی اندر حافظ صاحب لیٹ گئے۔ اور باہر حضرت شیخ الہند۔ لیکن تھوڑی دیر بعد حافظ صاحب نے محسوس کیا کہ کوئی شخص آہستہ آہستہ پاؤں دبا رہا ہے انھوں نے ہوشیار ہو کر دیکھا تو خود حضرت شیخ الہند تھے۔ ان کی حیرت و ندامت کا کچھ ٹھکانا نہ رہا۔ اور وہ اٹھ کر کھڑے ہوگئے لیکن مولانا فرمانے لگے کہ: "نہیں بھائی کیا حرج ہے؟ تمہاری طبیعت اچھی نہیں، ذرا راحت آجائے گی"۔[1]

۲۹ --- حضرت علامہ کشمیری کے واقعات پہلے بھی آچکے ہیں۔ ان کا علم و فضل اور حیرت انگیز حافظہ اس قدر مشہور ہوا کہ ان کی دوسری خوبیاں اس میں گم ہوگئیں ورنہ انابت و تقویٰ اور سلوک و تصوف میں بھی انھیں ممتاز مقام حاصل تھا۔ حضرت مولانا منظور نعمانی مدظلہم سے انھوں نے خود بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ میں کشمیر سے آرہا تھا۔ راستہ میں ایک صاحب مل گئے۔ جو پنجاب کے ایک مشہور پیر کے مرید تھے۔ ان کی خواہش و ترغیب یہ تھی کہ میں بھی ان پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اتفاق سے وہ مقام میرے راستے میں پڑتا تھا اس لئے میں نے بھی ارادہ کر لیا۔ ہم پیر صاحب کے پاس پہنچے تو وہ بڑے اکرام سے پیش آئے۔ کچھ باتیں ہوئیں، پھر وہ مریدین کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور ان پر توجہ ڈالنی شروع کی جس سے وہ بے ہوش ہو ہو کر لوٹنے اور تڑپنے لگے۔ میں یہ سب کچھ دیکھتا

[1] حیات شیخ الہند از مولانا سید اصغر حسین صاحب ص ۱۸۹

ملا پھر میں نے کہا کہ "میرا جی چاہتا ہے کہ اگر مجھ پر بھی یہ حالت طاری ہو سکے تو مجھ پر آپ توجہ فرمائیں" انھوں نے توجہ دینی شروع کی اور میں اللہ تعالیٰ کے ایک اسم پاک کا مراقبہ کر کے بیٹھ گیا بے چاروں نے بہت زور لگایا لیکن مجھ پر کچھ اثر نہ ہوا، کچھ دیر کے بعد انھوں نے خود فرمایا کہ آپ پر اثر نہیں پڑ سکتا۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی بتاتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب نے یہ واقعہ سنا کر غیر معمولی جوش کے ساتھ فرمایا:

"کچھ نہیں ہے، لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے ایک کرشمہ ہے۔ ان باتوں کا خدا رسیدگی سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر کوئی چاہے اور استعداد ہو تو انشاء اللہ تین دن میں یہ بات پیدا ہو سکتی ہے کہ قلب سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دینے لگے۔ لیکن یہی کچھ نہیں، اصل چیز تو بس احسانی کیفیت اور شریعت و سنت پر استقامت ہے" ؎

تبلیغ و دعوت کا انداز

۳۰ــــ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو جہاں تبلیغ و دعوت دین کا جذبہ عطا فرمایا تھا وہاں اسے "حکمت" اور "موعظہ حسنہ" کے اصول پر انجام دینے کی توفیق بھی عطا فرمائی تھی، حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی کا تذکرہ پہلے بھی آچکا ہے ایک مرتبہ سفر کے دوران آپ کا گزر جلال آباد سے شاملی سے ہوا، وہاں ایک مسجد ویران پڑی تھی آپ نے پانی کھینچ کر وضو کیا۔ مسجد میں جھاڑو دی اور بعد میں ایک شخص سے پوچھا کہ یہاں کوئی نمازی نہیں؟ اس نے کہا کہ سامنے خانصاحب کا مکان ہے جو شرابی ہیں۔ اور رنڈی باز ہیں۔ اگر وہ نماز پڑھنے لگیں تو اور بھی دو چار نمازی ہو جائیں۔

مولانا یہ سنکر خانصاحب کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ نشہ میں مست تھے اور رنڈی

؎ حیات انور ص ۱۵۵ تا ۱۵۷۔

پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ مولانا نے ان سے فرمایا: "بھائی خاں صاحب! اگر تم نماز پڑھ لیا کرو تو دو چار آدمی اور جمع ہو جایا کریں۔ اور مسجد آباد ہو جائے۔" خاں صاحب نے کہا مجھ سے وضو نہیں ہوتی اور نہ یہ دو بری عادتیں چھٹتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بے وضو ہی پڑھ لیا کرو۔ اور شراب نہیں چھٹتی تو وہ بھی پی لیا کرو۔ اس نے عہد کیا کہ بے وضو ہی پڑھ لیا کروں گا۔ آپ وہاں سے تشریف لے گئے۔ کچھ فاصلے پر نماز پڑھی اور سجدے میں خوب روئے۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت! آپ سے دو باتیں ایسی سرزد ہوئیں کہ جو کبھی نہیں ہوئیں تھیں۔ ایک یہ آپ نے شراب اور زنا کی اجازت دیدی۔ دوسرے یہ کہ آپ سجدے میں بہت روئے۔ فرمایا کہ: "سجدے میں میں نے جناب باری سے التجا کی تھی کہ اے رب العزت! اکھڑا تو میں نے کر دیا۔ اب دل تیرے ہاتھ میں ہے" چنانچہ خانصاحب کا یہ حال ہوا کہ جب رنڈیاں پاس سے چلی گئیں تو ظہر کا وقت تھا۔ اپنا عہد یاد آیا۔ پھر خیال آیا کہ آج پہلا دن ہے۔ لاؤ، غسل کر لیں۔ کل سے بغیر وضو پڑھ لیا کریں گے۔ چنانچہ غسل کیا اور پاک کپڑے پہنے اور نماز پڑھی، نماز کے بعد باغ کو چلے گئے۔ عصر اور مغرب باغ میں اسی وضو سے پڑھی، مغرب کے بعد گھر پہنچے تو ایک طوائف موجود تھی۔ پہلے کھانا کھانے گھر میں گئے۔ وہاں جو بیوی پر نظر پڑی تو فریفتہ ہو گئے۔ باہر آکر رنڈی سے کہا کہ آئندہ مکان پر نہ آنا۔ [۱]

۳۱ ـــــ امیر شاہ خاں صاحب مرحوم راوی ہیں کہ جب منشی ممتاز علی کا مطبع میرٹھ میں تھا، اس زمانے میں ان کے مطبع میں مولانا نانوتوی بھی ملازم تھے اور ایک حافظ جی بھی نوکر تھے۔ یہ حافظ جی بالکل آزاد تھے۔ رندانہ وضع تھی، چوڑی دار پاجامہ پہنتے تھے۔ داڑھی چڑھاتے تھے، مگر حضرت مولانا قاسم نانوتوی سے ان کی نہایت گہری دوستی تھی۔ وہ مولانا کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے۔ اور مولانا ان کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے۔ مولانا ان کے کنگھا کرتے اور وہ مولانا کے کنگھا

---

[۱] ارواحِ ثلاثہ صفحہ ۱۵۰، ۱۵۱ ۱۹۷۱ء

کرتے تھے۔ اگر کبھی مٹھائی وغیرہ مولاناؒ کے پاس آتی تو ان کا حصہ ضرور رکھتے تھے، غرض بہت گہرے تعلقات تھے، مولانا کے مقدس دوست ایسے آزاد شخص کے ساتھ مولاناؒ کی دوستی سے ناخوش تھے۔ مگر وہ اس کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ جمعہ کا دن تھا، حسب معمول مولانا نے حافظ جی کو نہلایا اور حافظ جی نے مولانا کو جب نہا چکے تو مولاناؒ نے فرمایا: حافظ جی! مجھ میں اور تم میں دوستی ہے اور یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تمہارا رنگ اور ہو اور میرا رنگ اور ہو، اس لئے میں بھی تمہاری ہی وضع اختیار کر لیتا ہوں تم اپنے کپڑے لاؤ میں بھی وہی کپڑے پہنوں گا اور میری یہ داڑھی موجود ہے تم اسکو بھی چڑھا دو، وہ یہ سنکر آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور کہا کہ "یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ آپ مجھے اپنے کپڑے دیجئے، میں آپ کے کپڑے پہنوں گا۔ اور یہ ڈاڑھی موجود ہے اس کو آپ اتار دیں۔ چنانچہ مولاناؒ نے ان کو کپڑے پہنائے۔ اور ڈاڑھی اتار دی اور وہ اس روز سے پکے نمازی اور نیک وضع بن گئے۔ [۱]

۲۳ — دارالعلوم دیوبند کے دوسرے مہتمم مولانا رفیع الدین صاحبؒ کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے ایک مرتبہ انہوں نے محسوس کیا کہ بعض حضرات مدرسین دارالعلوم کے مقررہ وقت سے کچھ دیر میں آتے ہیں تو آپ نے حاکمانہ محاسبہ کے بجائے یہ معمول بنا لیا کہ روزانہ صبح کو دارالعلوم کا وقت شروع ہونے پر دارالعلوم کے دروازے کے قریب ایک چارپائی ڈال کر اس پر بیٹھ جاتے۔ اور جب کوئی استاد آتے تو سلام و مصافحہ اور دریافت خیریت پر اکتفا فرماتے زبان سے کچھ نہ کہتے کہ آپ دیر سے کیوں آتے ہیں۔؟ اس حکیمانہ سرزنش نے تمام مدرسین کو وقت کا پابند بنا دیا۔

البتہ ایک مدرس اس کے بعد بھی کچھ دیر سے آتے تھے۔ ایک روز جب وہ وقت مقررہ کے کافی بعد مدرسہ میں داخل ہوئے تو سلام اور دریافت خیریت کے بعد انہیں پاس

---

[۱] ارواح ثلاثہ ص ۱۷۴ ع ۲۲۶

پاس بٹھا کر فرمایا:

"مولانا! میں جانتا ہوں آپ کے مشاغل بہت ہیں۔ ان کی وجہ سے دارالعلوم پہنچنے میں دیر ہو جاتی ہے۔ ماشاء اللہ آپ کا وقت بڑا قیمتی ہے اور میں ایک بیکار آدمی ہوں۔ خالی پڑا رہتا ہوں۔ آپ ایسا کریں کہ اپنے گھریلو کام مجھے بتادیا کریں، میں خود جاکر ان کو انجام دے دیا کروں گا۔ تاکہ آپ کا وقت تعلیم کے لئے فارغ ہو جائے۔"

اس حکیمانہ طرزِ خطاب کا جو اثر ہونا تھا ہوا۔ اور وہ مدرس بھی آئندہ ہمیشہ وقت کے پابند ہو گئے۔ [1]

۳۳۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کو اللہ تعالےٰ نے اس صدی میں اصلاحِ خلق کی توفیقِ خاص اور اس کا انتہائی حکیمانہ اسلوب مرحمت فرمایا تھا اردو کے مشہور شاعر جناب جگر مرادآبادی مرحوم کا واقعہ ہے کہ ایک مجلس میں حضرت خواجہ عزیزالحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی سے ذکر کیا کہ: "جگر مرادآبادی سے ایک مرتبہ میری ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ تھانہ بھون جانے اور زیارت کرنے کو بہت دل چاہتا ہے مگر میں اس مصیبت میں مبتلا ہوں کہ شراب نہیں چھوڑ سکتا۔ اس لئے مجبور ہوں کہ کیا منہ لے کر وہاں جاؤں۔؟" حضرت نے خواجہ صاحبؒ سے پوچھا: "پھر آپ نے کیا جواب دیا؟ خواجہ صاحبؒ نے عرض کیا کہ میں نے کہہ دیا" ہاں! یہ تو صحیح ہے۔ ایسی حالت میں بزرگوں کے پاس جانا کیسے مناسب ہو سکتا ہے؟" حضرت نے فرمایا:" واہ خواجہ صاحب! ہم تو سمجھتے تھے کہ اب آپ طریق کو سمجھ گئے ہیں۔ مگر معلوم ہوا کہ ہمارا خیال غلط تھا۔ خواجہ صاحب کے تعجب پر حکیم الامت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ "آپ کہہ دیتے کہ جس حال میں ہو اسی حال میں

---

[1] "میرے والد ماجد" از حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ص ۵۹

چلے جاؤ۔ ممکن ہے کہ یہ ملاقات ہی اس بلا سے نجات کا ذریعہ بن جائے"
چنانچہ خواجہ صاحب یہاں سے واپس گئے تو پھر اتفاقاً جگر صاحبؒ سے ملاقات ہوگئی۔ اور یہ سارا واقعہ جگر صاحبؒ کو سنا دیا۔ انھوں نے حضرت کے یہ کلمات سن کر زار زار رونا شروع کر دیا۔ اور بالآخر یہ عہد کر لیا کہ اب مر بھی جاؤں تو اس خبیث چیز کے پاس نہ جاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شراب چھوڑنے سے بیمار پڑ گئے۔ حالت نازک ہوگئی اس وقت لوگوں نے کہا کہ آپ کو اس حالت میں بقدرِ ضرورت پینے کی شریعت بھی اجازت دے دیگی۔ لیکن یہ جگر صاحب کا جگر تھا کہ اس کے باوجود انھوں نے اس اُمّ الخبائث کو ہاتھ نہ لگایا۔ اللہ اہل عزم و ہمت کی مدد فرماتے ہیں۔ اس وقت بھی اللہ تعالےٰ کی مدد سے چند روز میں ہی شفا کامل حاصل ہوئی۔ اس کے بعد وہ تھانہ بھون تشریف لائے اور حضرت نے ان کا بڑا اکرام فرمایا[1]

۳۴ — غالباً شملہ کے کسی کالج میں حضرت تھانویؒ کا بیان ہوا، وہاں آپ نے فرمایا کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات کو جو شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ صرف نصابِ تعلیم ہی کا قصور نہیں۔ بلکہ اس کا بڑا سبب وہ لادینی ماحول ہے جس میں ہماری نئی نسل پلتی اور بڑھتی ہے اس کا علاج یہ ہے کہ بزرگ علماء و صلحاء کی مجلسیں بحمد اللہ ہر جگہ کچھ نہ کچھ قائم ہیں۔ کچھ دن اس ماحول میں رہنے کی عادت ڈالیں

غالباً اسی مجلس میں ایک صاحب نے سوال کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کو انگریزی پڑھنے والوں سے نفرت ہے۔؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ" ہرگز نہیں، ان لوگوں سے کوئی نفرت نہیں البتہ ان کے بعض اعمال و افعال سے نفرت ہے۔ جو شریعت کے خلاف ہیں" یہ صاحب بولے " وہ اعمال و افعال کیا ہیں؟" حضرت نے فرمایا کہ " مختلف لوگوں کے مختلف اعمال ہیں"۔

---

[1] مجالس حکیم الامت۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ص ۸۰

سب یکساں نہیں" یہ صاحب بھی خوب آزاد آدمی تھے۔ کہنے لگے مثلاً یہ میں کیا ہیں ؟" آج کل کے عام وضع علماء کی طرح ان کی داڑھی بھی تھی۔ حضرت نے فرمایا: "بعض چیزیں تو ظاہر ہیں۔ مگر مجمع میں اس کا اظہار کرنے سے حیا مانع ہے اور آپ کے باقی حالات و معاملات مجھے معلوم نہیں۔ جس پر کوئی رائے ظاہر کرسکوں۔"

یہ جلسہ ختم ہوا۔ حضرت تھانہ بھون واپس آگئے پھر اتفاقاً کالج کی تعطیل ہوئی تو ایک طالب علم کا خط آیا۔ خط میں لکھا تھا۔ کہ ہماری اس وقت تعطیل ہے میں آپ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کچھ دن آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں۔ مگر میری ظاہری صورت بھی شریعت کے مطابق نہیں اور اعمال و افعال میں بھی کچھ گڑبڑ ہے ان حالات میں حاضری کی اجازت ہو تو حاضر ہو جاؤں۔ حضرت نے فرمایا "جس حالت میں ہیں، چلے آئیں۔ کوئی فکر نہ کریں" یہ صاحب آگئے اور عرض کیا کہ مجھے بہت سے شبہات و اشکالات ہیں۔ ان کا حل کرنا چاہتا ہوں حضرت نے فرمایا کہ مناسب ہے مگر اس کی صورت یہ کرنی ہوگی کہ آپ کے جتنے شبہات ہیں ان سب کو لکھ لیں اور آپ مجلس میں بیٹھ کر ہماری باتیں سنیں۔ کوئی سوال نہ کریں۔ جب آپ کی مدت قیام کے تین دن رہ جائیں۔ اس وقت یاد دلائیں تو میں آپ کو سوالات کا مستقل وقت دوں گا اور یہ بھی فرمایا کہ جو سوالات آپ لکھ کر رکھیں گے۔ اس عرصہ میں کسی سوال کا جواب سمجھ میں آجائے تو اس کو کاٹ دیں۔

ان صاحب نے ایسا ہی کیا اور جب رخصت سے تین روز پہلے حضرت نے سوالات کا وقت دیا تو انہوں نے بتلایا کہ میرے سوالات کی بہت طویل فہرست تھی مگر دوران قیام اکثر سوالات کے جواب خود سمجھ میں آگئے۔ ان کو کاٹتا رہا۔ صرف چند سوال باقی ہیں چنانچہ یہ سوالات انہوں نے پیش کئے اور حضرت سے ان کے جوابات پاکر ہمیشہ کے لئے مطمئن ہو گئے۔ [1]

---

[1] مجالس حکیم الامت: حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ص ۶۰-۶۲

مخالفین سے سلوک

۳۵ــــ اکابر دیوبند کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مخالف مسلک والوں سے بھی بداخلاقی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے اور نہ ان کی تردید میں ناروا اسلوب کو پسند کرتے تھے۔ اور نہ طعن آمیز القاب سے یاد کرنا پسند کرتے تھے۔ بلکہ جہاں تک ہو سکتا بداخلاقی کا جواب خوش اخلاقی سے دیتے اور مخالفین کی دینی ہمدردی وخیرخواہی کو پیش نظر رکھتے تھے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم خاص حضرت امیر شاہ خاں صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا" خورجہ تشریف لائے اور وہاں ایک مجلس میں مولوی فضل رسول بدایونی کا تذکرہ چل گیا۔ (چونکہ وہ مخالف مسلک کے تھے اس لئے) میری زبان سے (طنز کے طور پر) بجائے فضل رسول کے فصل رسول نکل گیا مولانا" نے ناخوش ہو کر فرمایا کہ "لوگ ان کو کیا کہتے ہیں؟" میں نے کہا" فضل رسول" آپ نے فرمایا تم "فصل رسول" کیوں کہتے ہو؟ حضرت تھانوی" اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

" یہ حضرات تھے جو لا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب
کے پورے عامل تھے حتیٰ کہ مخالفین کے معاملہ میں بھی" ؎۱

۳۶ــــ بریلی کے مولوی احمد رضاخاں صاحب نے اکابر دیوبند کی تکفیر اور ان پر سب وشتم کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ ہر پڑھے لکھے انسان کو معلوم ہے۔ ان فرشتہ خصلت اکابر بزرگان کی بوچھاڑ کرنے میں کوئی کسر انھوں نے اٹھا نہیں رکھی۔ لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس دشنام طرازی کا سب سے بڑا نشانہ تھے ایک روز اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ ان کی تصنیفیں ہم کو سنادو، حضرت مولانا یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ" حضرت! ان میں تو گالیاں ہیں" اس پر حضرت گنگوہی" نے فرمایا:

؎۱ ارواح ثلاثہ صفحہ ۱۲۵ ؎۲۲۵۔

"ایک دور کی گالیوں کا کیا ہے ؟ پڑھ دینی بلا سے گالیاں ہوں۔ تم سنا دو آخر اس کے دلائل تو دیکھیں، شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی کا رجوع کرلیں۔" ؎

اللہ اکبر یہ ہے حق پرستوں کا شیوہ، کہ مخالفین بلکہ دشمنوں کی باتیں بھی ان کی دشنام طرازیوں سے قطع نظر، اس نیت سے سنی جائیں کہ اگر اس سے اپنی کوئی غلطی معلوم ہو تو اس سے رجوع کرلیا جائے۔

۲۷ — مولانا محمود صاحب رامپوری " (جن کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے) فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اور ایک ہندو تحصیل دیوبند میں کسی کام کو گئے۔ میں حضرت شیخ الہند" کے یہاں مہمان ہوا اور وہ ہندو بھی اپنے بھائیوں کے گھر کھانا کھا کر میرے پاس آگیا۔ کہ میں بھی یہیں رہوں گا۔ اس کو ایک چارپائی دے دی گئی۔ جب سب سو گئے تو رات کو میں نے دیکھا کہ مولانا" زنانہ میں سے تشریف لائے۔ اور میں لیٹا رہا اور یہ سمجھتا تھا کہ اگر کوئی مشقت کا کام کریں گے تو میں امداد کروں گا ورنہ خوامخواہ اپنے جاگنے کا اظہار کر کے کیوں پریشان کروں۔ میں نے دیکھا کہ مولانا اس ہندو کی طرف بڑھے اور اس کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کے پاؤں دبانے شروع کئے وہ خراٹے لے کر خوب سوتا رہا۔ مولانا محمود صاحب کہتے ہیں کہ میں اٹھا اور عرض کیا کہ حضرت! آپ تکلیف نہ کریں میں دبا دوں گا۔ مولانا نے فرمایا کہ تم جا کر سو، یہ میرا مہمان ہے میں ہی اس کی خدمت انجام دوں گا۔ مجبوراً چپ رہ گیا اور مولانا" اس ہندو کے پاؤں دباتے رہے۔ ؎

۲۸ — مولانا احمد حسن صاحب پنجابی مدرس کانپور نے "ابطال امکان کذب" میں ایک مبسوط رسالہ تحریر کر کے شائع کیا۔ جس میں حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم عقیدہ

؎ ارواح ثلاثہ ص ۲۱۱ ح ۳ ؎ ارواح ثلاثہ ص ۲۸۵ ح ۳۳۲

حضرات کو فرقہ ضالہ مزدار یہ میں (جو معتزلہ میں سے ایک گروہ ہے) داخل کر دیا اور اس پر تقریظ لکھنے والوں نے تو اکابر دین کی نسبت زبان درازی کی انتہا کر دی۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ کو یہ رسالہ دیکھ کر طیش تو بہت آیا۔ لیکن علم و تقویٰ کا مقام بلند ملاحظہ فرمائیے کہ غیظ و غضب کے جذبات کو پی کر ارشاد فرمایا:

"ان گستاخ لوگوں کو بُرا کہنے سے تو اکابر کا انتقام پورا نہیں لیا جا سکتا، اور ان کے اکابر کی نسبت کچھ کہہ کر اگر دل کو ٹھنڈا کیا جائے تو وہ لوگ معذور و بے قصور ہیں" [۱]

۳۹۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مواعظ سے اُمت کو جو بے مثال نفع پہنچا وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت رح کے مواعظ کا فیض آج تک جاری ہے اور جن حضرات نے ان کا مطالعہ کیا ہو، وہ جانتے ہیں کہ یہ مواعظ دین کی بیشتر ضروریات پر حاوی ہیں۔ اور اصلاح و تربیت کے لئے بے نظیر تاثیر رکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ جون پور میں آپ کا ایک وعظ ہونا تھا وہاں بریلوی حضرات کا خاصہ مجمع تھا۔ آپ کے پاس ایک بے ہودہ خط پہنچا جس میں چار باتیں کہی گئی تھیں۔ ایک تو یہ کہ تم جُلاہے ہو دوسرے یہ کہ تم جاہل ہو، تیسرے یہ کہ کافر ہو، اور چوتھے یہ کہ سنبھل کر بیان کرنا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے وعظ شروع کرنے سے پہلے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس قسم کا ایک خط میرے پاس آیا ہے پھر وہ خط سب کے سامنے پڑھ کر سُنایا اور فرمایا کہ "یہ جو لکھا ہے کہ تم جلاہے ہو، تو اگر میں جلاہا ہوں بھی تو اس میں کیا حرج ہے؟" میں یہاں کوئی رشتے ناتے کرنے تو آیا نہیں، احکامِ الٰہی سنانے کے لئے حاضر ہوا ہوں، سو اس کو قومیت سے کیا علاقہ؟ دوسرے یہ چیز اختیاری بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو جس قوم

---

[۱] حیات شیخ الہند رح از حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رح ص ۱۸۳

میں جلا پیدا فرمادیا۔ سب قومیں اللہ تعالےٰ ہی کی بنائی ہوئی ہیں، اور سب اچھی ہیں، اگر اعمال و اخلاق اچھے ہوں۔ یہ تو مسئلہ کی تحقیق ہے، رہی واقعہ کی تحقیق سو مسئلہ کی تحقیق کے بعد واقعہ تحقیق کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی لیکن پھر بھی اگر کسی کو تحقیق واقعہ کا شوق ہی ہو تو میں آپ کو اپنے وطن کے عمائد کے نام اور پتے لکھوائے دیتا ہوں، ان سے تحقیق کر لیجیے معلوم ہوجائے گا کہ میں جلاہا ہوں یا کس قوم کا؟ اور اگر مجھ پر اطمینان ہو تو میں مطلع کرتا ہوں کہ میں جلاہا نہیں ہوں ـــــ رہا جاہل ہونا، اس کا میں البتہ اقرار کرتا ہوں کہ میں جاہل بلکہ اجہل ہوں لیکن جو کچھ اپنے بزرگوں سے سُنا ہے اور کتابوں میں دیکھا ہے اس کو نقل کر دیتا ہوں۔ اگر کسی کو کسی بات کے غلط ہونے کا شبہ ہو تو اس پر عمل نہ کرے ـــــ اور کافر ہونے کو جو لکھا تو اس میں زیادہ قیل و قال کی حاجت نہیں۔ میں آپ صاحبوں کے سامنے پڑھتا ہوں:

اشہد أن لا الٰہ إلا اللہ و اشہد أن محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اگر میں نعوذ باللہ کافر تھا بھی تو اب لیجیے نہیں رہا ـــــ آخر میں مستقل کر بیان کرنے کی دھمکی دی گئی ہے۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ وعظ گوئی کوئی میرا پیشہ نہیں ہے جب کوئی بہت اصرار کرتا ہے۔ تو جیسا کچھ مجھے بیان کرنا آتا ہے بیان کر دیتا ہوں۔ اگر آپ صاحبان نہ چاہیں گے تو میں ہرگز بیان نہ کروں گا۔ رہا مستقل کر بیان کرنا تو اس کے متعلق صاف صاف عرض کیے دیتا ہوں کہ میری عادت خود ہی چھیڑ چھاڑ کی نہیں ہے قصداً کبھی کوئی ایسی بات نہیں بیان کرتا جس میں کسی گروہ کی دل آزاری ہو یا فساد پیدا ہو، لیکن اگر اصول شرعیہ کی تحقیق کے ضمن میں کسی ایسے مسئلہ کے ذکر کی ضرورت ہی پیش آجاتی ہے جس کا رسوم بدعیہ سے تعلق ہے تو پھر میں رکتا بھی نہیں۔ اس لئے کہ یہ صریح دین میں خیانت ہے ـــــ سب باتیں سننے کے بعد اب بیان کے متعلق جو آپ صاحبوں کی رائے ہو اس سے مطلع کر دیا جائے۔ اگر اس وقت کوئی بات کسی کے خلافِ طبع بیان کرنے لگوں تو فوراً مجھ کو روک دیا جائے۔ میں وعدہ

ہوں کہ اگر مجھے کوئی ادنیٰ شخص بھی روک دے گا تو میں اپنے بیان کو فوراً منقطع کر دوں گا۔ اور بیٹھ جاؤں گا۔ بہتر تو یہ ہے کہ وہی صاحب روک دیں جنھوں نے یہ خط بھیجا ہے یا اگر خود کہتے ہوئے انھیں شرم آئے یا ہمت نہ ہو تو چپکے سے کسی اور ہی کو سکھلا پڑھا دیں۔ ان کی طرف سے وہ مجھے روک دیں۔

یہ سنکر ایک معقولی مولوی صاحب جو بدعتی خیال کے تھے اور جن کا وہاں بہت اثر تھا کڑک کر بولے: "یہ خط لکھنے والا کوئی حرام زادہ ہے آپ وعظ کہئے، آپ کیسے فاروقی ہیں؟" حضرت نے فرمایا: "میں ایسی جگہ کا فاروقی ہوں جہاں کے فاروقیوں کو یہاں کے لوگ بھلا ہے سمجھتے ہیں۔"

جب سارا مجمع خط لکھنے والے کو بُرا بھلا کہنے لگا تو خاص طور سے وہ مولوی صاحب فحش فحش گالیاں دینے لگے تو حضرت والا نے روک دیا کہ "گالیاں نہ دیجئے، مسجد کا تو احترام کیجئے ـــــ پھر حضرت والا کا وعظ ہوا اور بڑے زور و شور سے ہوا۔ اتفاق سے دورانِ وعظ میں بلا قصد کسی علمی تحقیق کے ضمن میں کچھ رسوم و بدعات کا بھی ذکر چھڑ گیا پھر تو حضرت والاؒ نے بلا خوفِ لومۃ لائم خوب ہی ردّ کیا۔ لوگوں کو یہ اختیار دے چکے تھے کہ وہ چاہیں تو وعظ کو روک دیں۔ لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی۔

وہ معقولی مولوی صاحب شروع شروع میں تو بہت تحسین کرتے رہے اور بار بار سبحان اللہ سبحان اللہ کے نعرے بلند کرتے رہے کیوں کہ اس وقت تصوّف کے رنگ پر بیان ہو رہا تھا۔ لیکن جب ردِّ بدعات ہونے لگا تو پھر چپ ہو گئے۔ مگر بیٹھے سنتے رہے یہ بھی خدا کا بڑا فضل تھا۔ کیوں کہ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ ایسے کٹّر اور سخت ہیں کہ جہاں کسی واعظ نے کوئی بات خلافِ طبع کہی، انھوں نے وہیں ہاتھ پکڑ کر منبر سے اتار دیا۔ لیکن اس وقت ... انھوں نے دم ... نہیں مارا، چپکے بیٹھے سنتے رہے لیکن جب وعظ ختم ہوا اور مجمع رخصت ہونے کے لئے کھڑا ہو گیا تو اس وقت ان مولوی صاحب نے حضرت والاؒ سے کہا کہ "ان مسائل کے بیان

کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" اس پر ایک دوسرے ذی اثر مولوی صاحب (جو خود بدعتی خیال سمجھے تھے) بڑھے اور جواب دینا چاہا۔ لیکن حضرت والاؒ نے انھیں روک دیا کہ خطاب مجھ سے ہے آپ جواب نہ دیں، مجھے عرض کرنے دیں پھر حضرت والاؒ نے ان معقولی مولوی صاحب سے فرمایا کہ "آپ نے یہ بات پہلے مجھ سے نہ فرمائی، ورنہ میں احتیاط کرتا، میں نے جو کچھ بیان کیا ضروری ہی سمجھ کر کیا، مگر اب کیا ہو سکتا ہے؟ اب تو بیان ہو چکا۔ ہاں ایک صورت اب بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ ابھی تو مجمع موجود ہے آپ پکار کر کہہ دیجئے کہ صاحبو! اس بیان کی کوئی ضرورت نہ تھی، پھر میں آپ کی تکذیب نہ کروں گا اور آپ ہی کی بات اخیر رہے گی۔" اس پر سب لوگ ہنس پڑے اور مولوی صاحب وہاں سے رخصت ہو گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد سب لوگ ان کو برا بھلا کہنے لگے۔ جب بہت شور وغل ہوا تو حضرت والا نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ "صاحبو! ایک پردیسی کی وجہ سے آپ مقامی علماء کو ہرگز نہ چھوڑیں۔ میں آج پچھلی شب جا رہا ہوں، اب آپ صاحبان یہ کریں اور میں ان صاحب کو بالخصوص خطاب کرتا ہوں جنھوں نے خط بھیجا ہے کہ وہ میرے بیان کا رد کرا دیں پھر دونوں راہیں سب کے سامنے ہوں گی۔ جو جس کو چاہے اختیار کرے، فساد کی ہرگز ضرورت نہیں۔" پھر ان دوسرے مولوی صاحب نے (جو بدعتی خیال کے ہونے کے باوجود حمایت کیلئے آگے بڑھے تھے۔) کھڑے ہو کر فرمایا:

"صاحبو آپ جانتے ہیں کہ میں مولود یہ بھی ہوں۔ قیامیہ بھی ہوں، مگر انصاف اور حق یہ ہے کہ جو تحقیق مولوی صاحب نے آج بیان فرمائی ہے صحیح وہی ہے۔"[1]

یہ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کے متعلقین میں سے کسی صاحب نے اہل بدعت کی تردید میں ایک رسالہ لکھا تھا۔

---

[1] اشرف السوانح: ج ۱ ص ۶۸-۷۲۔

اہلِ بدعت نے اس کا جو رد لکھا اس میں انہیں کا فر قرار دیا۔ اس عمل کے جواب میں ان صاحب نے دو شعر کہے:۔

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست — چراغِ کذب را نبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش — دروغے را جزا باشد دروغے [1]

انھوں نے حضرت شیخ الہندؒ کو یہ شعر سنائے تو آپ نے شعری لطافت کی تو تعریف فرمائی لیکن ساتھ ہی ارشاد ہوا کہ "تم نے ان کو لطافت کے ساتھ ہی سہی، کافر تو کہہ دیا۔ حالانکہ فتویٰ کی رُو سے وہ کافر نہیں ہیں اس لئے ان اشعار میں اس طرح ترمیم کر لو۔

مرا کافر اگر گفتے غمے نیست — چراغِ کذب را نبود فروغے
مُسلمانت بخوانم در جوابش — دہم شکر بجائے تلخ دوغے
اگر تو مومنی فبہا، و اِلاّ — دروغے را جزا باشد دروغے [2]

یہ چند واقعات ہیں جو کسی خاص اہتمام اور تحقیق و جستجو کے بغیر زیرِ قلم آ گئے اس مختصر مضمون میں اس قسم کے واقعات کا احاطہ مقصود نہیں۔ اگر کوئی بندۂ خدا مزید تحقیق و جستجو اور مطالعہ کے بعد ان حضرات کے ایسے واقعات کو یکجا کر دے تو علم و دین کی بڑی خدمت ہو لیکن مذکورہ چند واقعات اکابرِ دیوبند کے حسن و جمال کی ایک جھلک دکھانے کے لئے، اُمید ہے کافی ہوں گے۔ و للہ الحمد اولاً و آخراً۔

---

[1] "تم نے مجھے کافر کہا مجھے اس کا غم نہیں کیوں کہ جھوٹ کا چراغ جلا نہیں کرتا، میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہوں گا، کیوں کہ جھوٹ کی سزا جھوٹ ہی ہو سکتی ہے۔"

[2] "تم نے مجھے کافر کہا، مجھے اس کا غم نہیں کیوں کہ جھوٹ کا چراغ جلا نہیں کرتا، میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہوں گا اور تلخی کا جواب شیرینی سے دوں گا اگر تم واقعی مومن ہو تو خیر ورنہ جھوٹ کی سزا جھوٹ ہی ہو سکتی ہے۔"

(حسن احمد صدیقی)

سب سے پہلے

دارالعلوم دیوبند کا سب سے پہلا استاد اور سب سے پہلا طالب علم

دارالعلوم دیوبند کا افتتاح ۱۵ ر محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء بروز جمعرات چھتے کی مسجد کے کھلے صحن میں انار کے اُس درخت کے نیچے ہوا تھا۔ جو ہنوز باقی ہے۔ ایک اُستاد اور ایک شاگرد سے تعلیم کی ابتدا ہوئی۔ استاد اور شاگرد دونوں ہی کا نام محمود تھا۔

ملا محمود صاحب دیوبند ہی کے باشندے تھے لیکن میرٹھ میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیا کرتے تھے مولانا قاسم نانوتوی نے انھیں پندرہ روپے ماہوار تنخواہ پر میرٹھ سے دیوبند کے لئے روانہ کیا اور حضرت عابد حسینؒ کے نام خط میں یہ تحریر فرمایا کہ ملا محمود صاحب کے دیوبند پہونچتے ہی مدرسہ کا افتتاح کرادیں اور میرے انتظار میں وقت ضائع نہ کریں چنانچہ ۱۵ ر محرم کو جمعرات کے دن چھتے کی مسجد میں انار کے درخت کے نیچے ایک محمود نے دوسرے محمود کو پہلا سبق پڑھایا۔ دوسرا محمود آگے چل کر اپنے وقت کا عظیم رہنما ثابت ہوا اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے نام سے مشہور ہوا۔

سب سے پہلا چندہ اور چندے کی سب سے پہلی تحریک

دارالعلوم کے افتتاح سے ۶، ۷ دن پہلے ۲، ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ بروز جمعہ کو بوقت اشراق ــ حضرت عابد حسین صاحبؒ نے سفید رومال کی جھولی بنائی اور اس میں اپنے پاس سے تین روپے ڈالے پھر چھتے کی مسجد میں تشریف لائے جہاں مولانا مہتاب علی صاحب موجود تھے۔ حاجی عابد حسین صاحبؒ نے مولانا مہتاب علی صاحبؒ سے چندے کی درخواست کی مولانا نے انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ چھ روپے پیش کئے اور برکت واستقامت کی دعا بھی دی ــ

اسی محفل میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانی اور مولانا فضل حق صاحبؒ بھی موجود تھے مولانا فضل الرحمٰن نے بارہ روپے اور فضل حق صاحبؒ نے چھ روپے دیئے۔ بعد کا حضرت عابد حسینؒ مولانا ذوالفقار علی صاحب کے پاس تشریف لائے انہوں نے بارہ روپے دیئے ذوالفقار علی نام کے ایک اور صاحب وہاں موجود تھے انہوں نے بھی بارہ روپے مرحمت کئے۔ اسی روز شام کو محلہ ابوالبرکات سے خطیر رقم جمع ہوگئی۔ اور قصبہ بھر میں اس مدرسہ کا چرچہ ہوگیا جو ایک استاد اور ایک شاگرد سے شروع ہوکر ازہر الہند بن نے والا تھا۔

دارالعلوم کی طرف سے سب سے پہلے شائع ہونے والا اشتہار

اوپر کی سطروں میں بتایا جاچکا ہے کہ دارالعلوم کا افتتاح ۱۵ محرم کو ہوا تھا۔ چار دن کے بعد ۱۹ محرم کو دارالعلوم کے اولین بزرگوں نے مندرجہ ذیل اشتہار چھاپ کر آس پاس کے علاقوں میں روانہ کیا یہ دارالعلوم کی طرف سے شائع ہونے والے اشتہارات میں سب سے پہلا اشتہار تھا۔ اشتہار لفظ بہ لفظ ملاحظہ ہو۔

"الحمد للہ دیوبند میں اکثر اہل ہمت نے جمع ہوکر کسی قدر چندہ جمع کیا، اور ایک مدرسہ عربی پندرہ تاریخ محرم ۱۲۸۳ھ سے جاری ہوا، اور مولوی محمد محمود صاحب بالفعل بمشاہرہ پندرہ روپیہ ماہوار پر مقرر ہوئے، چونکہ لیاقت مولوی صاحب کی بہت کچھ ہے اور تنخواہ بسبب قلتِ چندہ کے کم، ارادہ مہتمان مدرسہ کا ہے کہ بشرط وصولِ زرِ چندہ قابلِ اطمینان جس کی امید کر رکھی ہے، تنخواہ مولوی صاحب کی زیادہ کی جاوے اور ایک مدرس فارسی و ریاضی کا مقرر ہو۔
جملہ اہلِ ہمت و خیر خواہانِ ہند خصوصاً مسلمانان سکنائے دیوبند و قرب و جوار دیوبند پر واضح ہو کہ جو لوگ اب تک شریک چندہ نہیں ہوئے بدل شریک ہوکر امداد کافی دیویں، اور واضح ہو کہ سوائے چندہ فہرست ہذا کے جس کی میزان ۴۰۱ روپے آٹھ آنے ہے، دوسرا چندہ واسطے خوراک و مدد خرچ طلبائے بیرونجات کے جمع ہوا ہے اور سولہ طالب علموں کا صَرف جمع ہوگیا ہے، اور

انشاء اللہ روز بروز جمع ہوتا جاتا ہے، اس میں سے طلبہ بیرونجات کو کھانا پکا پکایا اور مکان رہنے کو ملے گا، کتابوں کا بندوبست بھی متعاقب ہوگا، نام مہتمان کے درج ذیل ہیں، جن صاحبوں کو روپیہ چندہ بھیجنا منظور ہو تو بنام ان کے بذریعہ خط بیرنگ ارسال فرمادیں، رسیدان کی بصیغہ پیڈ بھیجی جاوے گی۔ فقط۔

حاجی عابد حسین صاحب۔ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی۔ مولوی مہتاب علی صاحب، مولوی ذوالفقار علی صاحب۔ مولوی فضل الرحمن صاحب۔ منشی فضل حق صاحب، شیخ نہال احمد صاحب

العبد فضل حق سربراہ کار مدرسہ عربی و فارسی و ریاضی قصبہ دیوبند

سب سے پہلا سالانہ امتحان

دارالعلوم دیوبند کے طلبا کا سب سے پہلا امتحان مولانا قاسم نانوتویؒ مولانا ذوالفقار اللہ اور مولانا مہتاب علی صاحبؒ نے لیا۔ اس امتحان میں ۷۸ طلبار نے شرکت کی۔ یہ دارالعلوم دیوبند کا سب سے پہلا امتحان تھا۔ جو نتیجہ کے اعتبار سے انتہائی کامیاب رہا۔ اسی امتحان کے نتیجہ کا ذکر کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کی سب سے پہلی روداد میں مذکورہ ممتحن حضرات نے مندرجہ ذیل بیان دیا تھا

ہم نے کئی روز تک امتحان مفصل ہر دفعہ کا لیا اور حتی الوسع سوالات مشکل پوچھے اور نمبر ہر طالب علم کے ہر ایک کتاب کی بابت لگائے مدرسہ بالعموم قابلِ تعریف پایا مدرسان کی سعی اور طلبہ کی محنت اس امتحان سے بخوبی ثابت ہے۔ بحوالہ روداد اول

دستخط مولانا قاسمؒ، مولانا ذوالفقار علیؒ، مولانا مہتاب علیؒ۔

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے فارغین اور دارالعلوم دیوبند کی سب سے پہلی سندیں

۱۲۸۹ھ سے دارالعلوم نے باقاعدہ سندِ فراغت دینے اور دستار فضیلت عطا کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۲۸۲ھ سے ۱۲۹۰ھ تک ۲۵ طلبار فارغ التحصیل ہو چکے تھے۔ مگر تقسیم اسناد کے وقت صرف ۹ فارغین موجود تھے لہٰذا اسناد اور دستارِ فضیلت انھیں عطا کی گئی۔ ان خوش نصیب حضرات کے نام یہ ہیں۔

مولانا احمد حسن امروہی، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی، مولانا فخر الحسن گنگوہی، مولانا عبداللہ انصاریؒ، مولانا فتح محمد تھانویؒ، مولانا محمد فاضل پھلتی، مولانا احمد حسن دیوبندی، قاضی جمال الدینؒ، مولانا عبداللہ جلال آبادی وغیرہ۔

دارالعلوم دیوبند میں سب سے پہلے آنے والا اخبار

آج دارالعلوم دیوبند کا کتب خانہ لاکھوں کتابوں سے مالامال ہے اور اس میں دور دراز سے ہزاروں اخبارات ورسائل اعزازی طور پر آتے ہیں۔ جو طلبا اور اساتذہ کے مطالعہ میں رہتے ہیں۔ اور دیوبند کے عوام کو بھی ان سے استفادہ کا حق حاصل ہے۔

لیکن دارالعلوم کی ابتدائی عمر میں ایک زمانہ وہ بھی تھا جب کوئی ایک اخبار اور کوئی ایک رسالہ اعزازی طور پر نازل نہیں ہوتا تھا۔ سب سے پہلے جو اخبار اعزازی طور پر دارالعلوم دیوبند کو ملنا شروع ہوا وہ قسطنطنیہ سے نکلتا تھا۔ اور اس کا نام "الجوائب" تھا۔

سب سے پہلے مہتمم

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مہتمم و منتظم حضرت عابد حسینؒ صاحب تھے۔ آپ ۱۲۵۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۲ء میں وفات پائی ؛

سب سے پہلے سرپرست

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے سرپرست حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ تھے

سب سے پہلی مجلس شوریٰ

حضرت عابد حسین، مولانا قاسمؒ مولانا مہتاب علیؒ مولانا ذوالفقار اللہ مولانا فضل الرحمٰن، مولانا فضل حق، شیخ نہال احمد ؛

دارالعلوم دیوبند کی سب سے پہلی عمارت

کم و بیش دس سال تک دارالعلوم ایک چھوٹے سے مکتب کی طرح دیوبند کی جامع مسجد میں قائم رہا۔ لیکن جب جامع مسجد تنگ محسوس ہونے لگی تو باقاعدہ عمارت قائم کرنے کی تجویز پاس ہوئی۔ اور شہر کے مغربی اور شمالی حصّے میں ایک جگہ برائے مدرسہ خرید لی گئی۔ ۱۲۹۲ھ کی ۲، ذی الحجہ کو جمعہ کے دن بعد نمازِ جمعہ تقسیم اسناد کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جلسہ کے بعد دارالعلوم کا پورا عملہ بمع طلبا اس جگہ پہونچا جہاں دارالعلوم کی سب سے پہلی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا

جانے والا تھا۔

بنیاد میانجی منے شاہ مولانا احمد علی مولانا قاسم نانوتوی مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہم نے رکھی اور ان حضراتِ اکابر نے دارالعلوم کی بقاء و ترقی کے لئے دعا بھی فرمائی۔ جسے بارگاہِ خداوندی میں قبولیت کا شرف حاصل ہوا۔

یہ عمارت آٹھ سال کی مدت میں ۲۲ ہزار روپے کی لاگت سے تیار ہوئی یہ عمارت نودرہ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت مولانا یعقوب نانوتوی نے اس کا تاریخی نام "اشرفِ عمارات" رکھا۔ اشرفِ عمارات کے اعداد بحساب جمل ۱۲۹۳ ہوتے ہیں۔ حالانکہ سنگِ بنیاد ۱۲۹۲ھ میں رکھا گیا تھا غالباً ۱۲۹۲ھ کے قریب الختم ہونے اور ۱۲۹۳ھ کے قریب الآغاز ہونے کی وجہ سے سنگِ بنیاد کا سن ۱۲۹۳ھ ہی قرار پایا۔ بہرکیف۔ نودرہ کا تاریخی نام ہے۔ اشرفِ عمارات۔ اور اسم بلاشبہ نودرہ با مسمیٰ کہلانے کا مستحق ہے دارالعلوم دیوبند کی جملہ عمارتوں میں جو عظمت اور شرف نودرہ کو حاصل ہے وہ کسی اور عمارت کو حاصل نہیں۔

سب سے پہلا معین المدرس

مدارسِ عربیہ میں "معین" کی حیثیت اساتذہ رکھنے کا سلسلہ نام ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں بھی وقتاً فوقتاً اعانت استاد کے لئے معین مقرر کئے جاتے رہے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں سب سے پہلے معین استاد بننے کا شرف دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے طالب علم کو حاصل ہوا۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے انعقادِ دارالعلوم کے وقت ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ سے تعلیم کی ابتدا کی تھی اور ۱۲۹۰ھ میں وہ دارالعلوم کے مجوزہ نصاب سے فراغت پا چکے تھے۔

۱۲۹۱ھ میں مجلس شوریٰ کی تجویز پر انہیں معین المدرس کی حیثیت سے علمی جوہر دکھانے کا موقعہ ملا۔ ان کی خدمات اس درجہ پسند کی گئی کہ دوسرے ہی سال ۱۲۹۲ھ میں انھیں درجۂ چہارم کا استاد بنا دیا گیا۔ اور پھر جلد ہی آپ صدارتِ تدریس کے منصب پر فائز کر دیئے گئے۔

دارالعلوم دیوبند کا سب سے پہلا صدر مدرس

صدارتِ تدریس کا منصب سب سے پہلے مولانا یعقوب صاحبؒ نانوتوی کو تفویض کیا گیا۔ مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ نے علوم کی تحصیل اپنے والد ماجد اور حضرت شاہ عبدالغنیؒ سے کی تھی۔ آپ ۱۹ سال تک شیخ الحدیث اور صدر مدرس کی حیثیت سے علم حدیث کی خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ کے زمانۂ مسعود میں ۷۷ طلبار نے دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی اور علم وفضل کی آفتاب بنکر دارالعلوم سے نکلے۔

دارالعلوم دیوبند کا سب سے پہلا مجلّہ

علمائے دیوبند کے مضامین اور ان کے خیالات و نظریات کو عوام الناس تک پہونچانے کے لئے ایک ایسے دینی اور اصلاحی رسالے کی ضرورت تھی جو دارالعلوم دیوبند کے مسلک کی ترجمانی کرنے کے ساتھ بہرطور دارالعلوم دیوبند کی نگرانی و ماتحتی میں شائع ہوتا رہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ۱۳۲۸ھ میں مولانا قاسم نانوتویؒ کے نام پر ماہنامہ "القاسم" کا اجراعمل میں آیا۔

اس کے مدیر تھے مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ۔ مولانا عثمانی کی محنت ولگن کی وجہ سے القاسم نے ملک کے اخبار ورسائل کی بھیڑ میں بہت جلد اپنی انفرادیت قائم کرلی تھی۔ مدتوں تک مولانا عثمانی القاسم میں ایک تحقیقی مضمون بالاقساط تحریر فرماتے رہے۔ اس کا عنوان تھا۔ دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا؟ اس عنوان کی افادیت اپنے بیگانے سبھی تسلیم کرتے تھے

ماہنامہ القاسم نے مسلمانوں کی علمی اور دینی رہنمائی کرکے دارالعلوم دیوبند کی عظمت ووقعت میں اضافہ کیا۔ یہ ماہنامہ گیارہ سال تک دین وعلم کی خدمت انجام دے کر پردۂ گمنامی میں چھپ گیا

دارالعلوم دیوبند کی سب سے پہلی رُوداد

اربابِ دارالعلوم دیوبند شروع ہی سے آمد وخرچ کی سالانہ رپورٹ پیش کرتے آئے ہیں یہ سلسلہ ابھی تک بدستور جاری ہے۔ اب تک ایک سوسترہ روداد یں دارالعلوم دیوبند کی طرف سے شائع ہوکر مخلصین ومحسنین کی خدمت میں پیش کی جاچکی ہیں۔

سب سے پہلی روداد ۱۲۸۴ھ میں شائع ہوئی تھی جو دراصل ۱۲۸۳ھ کی مکمل رپورٹ تھی. اس کے افتتاحیہ میں مندرجہ ذیل سطور درج ہیں۔

> الحمد اللہ ۱۲۸۳ھ بخیریت تمام ہوا یہ وہ سال مبارک ہے جس میں بنا مدرسہ عربی دیوبند[1] قائم ہوئی اور اس عرصہ قلیل میں اتنی رونق اور ترقی پکڑی کہ ہرگز امید نہ تھی۔ ابتدا میں خیال میں نہ آتا تھا کہ اس قدر طلبہ جمع ہوں گے چندہ اور خرچ اتنا ہو جائے گا لوگوں کو تامل تھا کہ پڑھنے والے عربی کے کہاں سے آدیں گے مگر عنایت الٰہی سے بعو زشروع ہونے کے طالب علم اطراف و جانب اور ممالک دور دراز سے ایسے جمع ہو گئے گویا کہ منتظر بیٹھے ہوئے تھے۔ فقط قصبات ضلع سہارنپور و اضلاع ممالک مغربی کے طلبہ ہی نہیں آئے بلکہ پنجاب و کابل و بنارس وغیرہ تک کے لوگ جمع ہو گئے اور چونکہ ان کے کھانے اور مکان وغیرہ کی طرف سے بالکل اطمینان رہا۔ لہٰذا یہ فارغ بالی تمام تحصیل علوم میں مصروف رہے۔
>
> ہر چند دیوبند کا یہ خیال اور ارادہ ہر آئینہ قابلِ تحسین و آفریں ہے کہ انہوں نے باوجود کم استطاعت کے محض برائے نیک نیتی اور خیر خواہی اہلِ وطن کے بنا مدرسہ ڈالی اور طلبا بیرون کا خرچ خوراک وغیرہ اپنے ذمہ لے کر ان کو کمال عزت سے رکھا (روداد اوّل ۱۲۸۳ھ)

---

[1] دارالعلوم دیوبند کا پہلا نام مدرسہ عربی دیوبند ہی تھا. بعد میں دارالعلوم تجویز ہوا

سب سے پہلی روداد کا حاصل

کل چندہ ہوا۔ ۶۴۹ روپے چار آنے ۔ کل خرچ ۳۹۳ روپے ۱۲ آنے ۳ پائی
اس خرچ کی تفصیل یہ ہے ۔
مدرسین کی تنخواہ ۔ ۲۳۲ روپے ۶ پائی ۔ جگہ کا کرایہ ۵ روپے ۹ آنے
متفرقات تیل وغیرہ ۹ روپے ۲ آنے ۹ پائی ۔
امتحان میں کامیاب ہونے والے طلبا کو ۲۷ روپے
انعام دیا گیا۔ طلبہ کو بطور وظیفہ دیئے گئے ۱۳۰ روپے

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مخلصین

دارالعلوم دیوبند کا شہرہ آج دنیا کے چپہ چپہ پر ہے اور اس کے خیرخواہ او معاونین کا تو کوئی شمار ہی نہیں یہ حضرات دنیا بھر میں بکھرے ہوئے ہیں۔ لیکن دارالعلوم ک زندگی کے ابتدائی ایام میں ارباب دیوبند نے جس طرح دارالعلوم کی مدد کی اس کی نظیر نہیں ملت اگر اہل دیوبند علم کے اس پودے کی رکھوالی نہ کرتے تو آج دارالعلوم ایک تناور درخت کی صو اختیار نہیں کرسکتا تھا۔

شروع کی رودادوں دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دو تہائی چندہ ارباب دیوبند طرف سے حاصل ہوا کرتا تھا۔ مثلاً ۱۲۸۵ھ کی روداد میں یہ تحریر ہے

۱۲۸۵ھ کی کل آمدنی ۲۱۹۰ روپے اس میں باشندگان دیوبند کا چندہ ۶۳۸ روپے ۳ پائی ۔

۱۲۸۵ھ میں چندہ دینے والوں کی کل تعداد ۲۳۵ ہے جس میں اہل دیوبند کی تعداد (روداد ۱۲۸۵ھ ص ۳۰)

دارالعلوم دیوبند کا سب سے پہلا سانحہ

دارالعلوم کو دنیاوی اسباب اور فطرتاً

کے تحت بہت سے حادثات سے کبھی دو چار ہونا پڑا ہے۔ بزرگوں کی وفات سے بڑا سانحہ
ست کے حق میں اور کیا ہوگا۔ اس نوعیت کا سب سے پہلا سانحہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ
، وفات تھی۔

جمعرات کے دن دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اور جمعرات ہی کے دن مولانا قاسم
نوتوی کی قبر مبارک کھدی۔ مولانا قاسم نانوتوی کی عمر وفات کے وقت ۴۹ سال تھی انکی وفات
ے متعلقین دارالعلوم کو جو صدمہ ہوا تھا اس کا اندازہ ذیل کی سطور سے ہو سکتا ہے۔ جو ۱۲۹۷ھ کی روداد
، درج ہیں۔

ضرت نانوتوی کی وفات

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ کی وفات
حسرت آیات دارالعلوم کے لئے بڑا حادثہ تھا اس سال کی
داد میں اراکین دارالعلوم کی جانب سے اس حادثہ پر جن گہرے تاثرات کا اظہار کیا گیا۔ وہ
رالعلوم کے الفاظ میں یہ ہے پندرھویں سال کا ختم ہونا اور سولویں سال کا شروع ہونا اسقدر
عث خوشی نہیں جس قدر اس کے سرپرست وسرپرست حضرت فخر العلماء مولانا مولوی محمد قاسم رحمۃ اللہ
لیہ کا اس جہاں فانی سے عالم جاودانی کو تشریف لے جانا باعث حسرت وافسوس ہے۔ اگرچہ
فحہ جہانی پر اس قسم کے واقعات اکثر درج ہیں مگر یہ واقعہ ان کا بھی ایسا نہیں ہے کہ یکایک زمانہ
ہل زمانہ بھول جاویں مولانا مرحوم کے احصا　　صاحب اور اخلاق پسند　　اطراف عالم
، اظہر من الشمس ہیں حاجت بیان نہیں ہے مگر مختصر یہ ہے کہ مدت العمر اسلام اور اہل اسلام پر
ے سخت حادثہ ہے اور خصوصاً اس مدرسہ کو کیونکہ اس چشمہ فیض کے منبع اور اس آب حیات کے
مدر اور اسی آفتاب عالم تاب کے مظہر آپ ہی تھے۔ الله الله اس کارخانۂ خیر کی ترقی میں کیسی کیسی
بں لگائیں حق تو یہ ہے کہ اس شمس الاسلام کے ہی حسن سعی کا یہ نتیجہ ہے ملک ہند میں باایں ہمہ
معف اسلام واسلامیان علم دین کو کس زور وشور سے پھیلایا کہ باوجود شاہد مولانا مرحوم کی
ئد کرامت نہیں ہے تو کیا ہے؟ مدرسہ واہل مدرسہ جس قدر اس واقعہ غم ناک سے غمگین ہوں کم

ہے اور یہ واقعہ ہولناک ایسا ہی ہے کہ اس کو خوب شرح بسط کے ساتھ لکھا جاوے مگر کہاں تک کب تک اسی لئے بالاجمال عرض کیا جاتا ہے چوتھی جمادی الثانی ۱۲۹۷ھ بروز پنجشنبہ بعد زوال بمرض ضیق النفس ۴۹ سال کی عمر میں بمقام دیوبند اس عالم ربانی کا اس عالم فانی سے انتقال ہوا۔ (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ)

دارالعلوم کا دفاع عن الدین

دارالعلوم کی جماعت اپنے مسلک کی ہمہ گیری کی وجہ سے ہر فتنہ کی مدافعت کے لئے سینہ سپر رہی خواہ وہ فتنہ نقل و روایت کی راہوں سے آیا، یا عقلیت پسندی کی بنیادوں سے اٹھا۔ اس جماعت نے ہر دور میں اعلاء کلمۃ اللہ اور امر بالمعروف کا فرض ادا کیا۔ اور اسی اسلوب اور اسی رنگ میں جس رنگ ڈھنگ میں کسی دینی فتنہ نے سر اٹھایا۔ متصوفین بے تصوف کی جانب سے بدعات۔ محدثات۔ اور شرکیہ حرکات کا فتنہ روایتی انداز میں اُبھرا تو اس نے روایتی ہی طور پر مقابلہ کیا۔ اور فتنہ کی بے سر وپا اور بے سند روایتوں کی قلعی کھول کر شریعت و طریقت کی مستند نقول سے اس کا استیصال کیا اور مقابلے میں نقل و روایات کا ایک بڑا ذخیرہ پیش کر دیا۔

مدعیانِ عقل و اجتہاد کی طرف سے آزادیٔ فکر، عدم اتباع سلف۔ اور نیچریت کا فتنہ عقل محض کا سہارا لے کر دین میں داخل ہونے لگا تو اس نے عقلی دلائل پیش کر کے کامیاب مدافعت کی اور جس کے لئے حضرت بانیٔ دارالعلوم قدس سرہٗ نے ایک مستقل حکمت ہی مدوّن فرما دی جس کے سامنے فلسفہ کسی بھی روپ میں آیا تو اس نے فلسفہ کے انداز قدم کو پہچان کر اس کے راستے روک دیے۔

(مضمون [illegible])

دارالعلوم دیوبند

اور

اس کا مزاج و مذاق

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ:

دارالعلوم دیوبند برصغیر کی وہ عظیم علمی درس گاہ ہے جس نے گزشتہ صدی میں عالم اسلام کی مایۂ ناز شخصیتیں پیدا کیں اور ملت کی فکری اور عملی رہنمائی کر کے مسلمانوں کی تاریخ پر گہرے اور دور رس اثرات مرتب کئے۔

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ وہ کیوں قائم ہوا؟ اور اس نے کیا خدمات انجام دیں؟ ان سوالات کا صحیح جواب معلوم کرنے کے لئے آج سے تقریباً ایک صدی پہلے کے حالات پر ایک نگاہ ڈالنی ضروری ہے۔ کیونکہ یہی حالات دارالعلوم دیوبند کے قیام کے سبب بنے، اور اس درس گاہ کو اسی وقت ٹھیک سمجھا جاتا ہے جب کہ اس کے قیام کا پورا پس منظر سامنے ہو۔

۱۸۵۷ء کا جہاد آزادی مسلمانوں کی طرف سے ہندوستان کو مغربی تسلط سے نکالنے کی آخری کوشش تھی اور اس تحریک نے انگریز حکمرانوں پر کم از کم یہ بات ضرور واضح کر دی تھی کہ مسلمان ایسی قوم ہے جو کسی بھی حالت میں غیروں کی غلامی پر قانع نہیں ہو سکتی، چنانچہ اس مرحلہ

پھر انگریز نے اپنی پالیسی میں تبدیلی پیدا کی اور وہی انگریز جس نے لاکھوں مسلمانوں کا خون بہا کر اور تختۂ دار پر سیکڑوں کو کھنچوا کر ہندوستان میں اپنے پنجے جمائے تھے، اب ہندوستانی عوام کا خیر خواہ بن کر اُن کے سامنے آیا، مقصد یہ تھا کہ جو قوم زور اور زبردستی سے قابو میں نہیں آسکی۔ اس کے ذہن کو رفتہ رفتہ ایسا بدلا جائے کہ وہ ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے اپنے وجود کو فراموش کر بیٹھے، وہ اپنی دینی روایات و تہذیبی اقدار اور تابناک ماضی سے دھیرے دھیرے بے خبری ہوتی چلی جائے، یہاں تک کہ ایک عرصے کے بعد اُسے یہ یاد ہی نہ رہے۔

وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

اس مقصد کے لئے سب سے زیادہ مؤثر حربہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی نظام تعلیم میں کچھ ایسی انقلابی تبدیلیاں لائی جائیں۔ جن کے ذریعے ان کے ذہنوں پر مغرب کی ہمہ جہتی بالادستی کا سکہ بٹھایا جا سکے اور وہ اس بالادستی سے مرعوب ہو کر اپنے ذہن سے سوچنے کے قابل ہی نہ رہ جائیں چنانچہ لارڈ میکارلے نے ہندوستانی باشندوں کے لئے ایک نئے نظام تعلیم کی سفارش کی اور اس غرض کے لئے ایک طویل یادداشت مرتب کی، جس میں اسلامی اور مشرقی علوم کا پوری ڈھٹائی کے ساتھ مذاق اڑایا۔ مسلمان علماء پر بے بنیاد الزامات لگائے اور آخر میں صاف صاف لکھا کہ:

"ہمیں اس وقت بس ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہئے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض انجام دے سکے، جن پر ہم اس وقت حکمران ہیں۔ ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو، مگر ذوق، طرز فکر، اخلاق اور فہم و فراست کے نقطۂ نظر سے انگریز۔"

مسلمانوں کو ذہنی طور پر مفلوج کر کے انھیں ہمیشہ کے لئے انگریز کا غلام بنا دینے کی یہ سازش درحقیقت ہندوستان پر اپنے اس اقتدار کو سنبھالا دینے کے لئے تیار کی گئی تھی جو آزادی کی مختلف تحریکوں کی بنا پر ہر وقت ڈانواڈول رہتا تھا۔ اور جس کی حفاظت

کے لئے توپ و تفنگ کی طاقتیں ناکام ہو چکی تھیں، اکبرالہ آبادی مرحوم نے ایک چھوٹے سے شعر میں اس سنگین انگریزی سازش کو بڑے بلیغ انداز میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

توپ کھسکی پروفیسر آئے

جب بسولہ ہٹا تو رندا ہے

لیکن مسلمانوں میں سے اہلِ بصیرت علماء اس خطرناک سازش کے دور رس اثرات سے غافل نہ تھے وہ جانتے تھے کہ اگر اس مرحلے پر مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے کوئی مؤثر قدم نہ اٹھایا گیا۔ تو کچھ عرصے کے بعد یہ قوم ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے اپنا وجود ہی کھو بیٹھے گی اور چند نسلوں کے بعد ان میں شاید یہ بات جاننے والا بھی کوئی نہ رہے کہ اسلام کس چیز کا نام ہے؟ اور اس کی بنیادی خصوصیت کیا ہے؟

اب تک اس دور کے اہلِ بصیرت علماء اس کوشش میں مصروف تھے کہ ہندوستان سے انگریز کے سیاسی اقتدار کو ختم کیا جائے۔ اور اس مقصد کے لئے آزادی کی مختلف تحریکوں کے ذریعے وہ انگریزوں کے خلاف نبرد آزما ہو چکے تھے، لیکن جب انگریز نے توپ و تفنگ کا راستہ چھوڑ کر خاموش مگر سنگین سازش شروع کی تو یہی علماء جنھوں نے انگریزی اقتدار کے خلاف سر دھڑ کی بازی لگا رکھی تھی۔ انھوں نے بھی اپنی پالیسی میں تبدیلی کر کے انگریز کے براہِ راست مقابلے کو چھوڑ دیا، نئے تعلیمی نظام کی ہلاکت آفرینی سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کا ایک ہی راستہ تھا اور وہ یہ کہ مسلمانوں کی طرف سے خود ایسے تعلیمی ادارے قائم جائیں جن میں وہ اسلام کو اپنی صحیح شکل و صورت کے ساتھ محفوظ رکھ سکیں۔

چنانچہ ان حضرات نے اپنی ساری توانائیاں اسی کام میں صرف کر دیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حضرت حاجی سید عابد صاحبؒ یہ وہ حضرات تھے جنھوں نے ۱۸۵۷ء کے جہاد میں نمایاں حصہ لیا تھا اور یوپی کے ایک چھوٹے سے خطے میں باقاعدہ اسلامی حکومت بھی قائم کر لی تھی اور اسی کے صلے میں انھیں

عرصۂ دراز تک حکومت کا سخت معتوب بھی رہنا پڑا، لیکن جب تعلیمی نظام کا یہ منصوبہ سامنے آیا ان حضرات نے دیوبند کے مقام پر ایک دینی درس گاہ کی بنیاد ڈالی اور اسی درس گاہ کا نام "دارالعلوم دیوبند" ہے۔

یہ وہ وقت تھا جب کہ ہندوستان میں کسی دینی درس گاہ کو قائم کرنا مصائب کو دعوت دینے کے مترادف تھا، دہلی میں جہاں سلطان محمد تغلق کے دور میں ایک ہزار مدارس قائم تھے، انگریزی تسلط کے بعد ایک بھی مدرسہ باقی نہ رہا، علماء میں بھی جہاد میں حصہ لینے کے جرم میں پھانسی چڑھا دیئے گئے تھے یا انھیں کالا پانی بھیج دیا گیا تھا، باقی ماندہ حضرات منتشر اور اپنے اپنے حالات میں گرفتار تھے، اسی لئے ان حضرات نے اس درس گاہ کے لئے کسی شہر کے بجائے قصبہ دیوبند کو پسند کیا اور کچھ علماء کو جمع کر کے اس سلسلۂ خیر کا آغاز کر دیا۔

اس درس گاہ کے قیام کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اسلام اور اسلامی علوم کو مٹانے کی کوششیں لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کے ذریعہ کی جارہی ہے، اسے ناکام بنا کر اسلامی علوم کی ٹھیک ٹھیک حفاظت کی جائے، اور ایسے جاں نثار علماء کی ایک کھیپ تیار کر دی جائے، جو سخت سے سخت حالات میں دین کو نہ صرف محفوظ رکھ سکیں، بلکہ اسے دوسروں تک پھیلا اور پہنچا سکیں، اور اس طرح عام مسلمان الحاد اور بے دینی کے اُن فتنوں سے باخبر ہو سکیں، جو مغربی طرز فکر اپنے ساتھ لائے گا تاکہ جب کبھی مسلمانوں کو مغرب کے سیاسی اقتدار سے آزادی نصیب ہو تو انھیں اسلامی نظام زندگی قائم کرنے کے لئے اسلام کی ہدایات جوں کی توں محفوظ ملیں جائیں اور وہ اُن کی بنیاد پر اپنے مستقبل کی تعمیر کر سکیں۔

چنانچہ مورخہ ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء کو نہایت سادگی کے ساتھ اس عظیم دینی درس گاہ کا آغاز کیا گیا اس درس گاہ کے بانیوں کا مقصد چونکہ دین کی پُرخلوص خدمت تھی۔ اس لئے اس کے قیام کے لئے نہ اخبار نہ اشتہار کا اہتمام ہوا، نہ اس مقصد کے لئے کوئی باضابطہ بورڈ قائم کیا گیا اور نہ ہی شہرت اور نام و نمود کے دوسرے طریقے اختیار کئے گئے، بس

اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے دیوبند کے چھوٹے قصبے کی ایک چھوٹی سی مسجد میں جسے چھتہ کی مسجد کہتے تھے ایک انار کے درخت کے نیچے آبِ حیات کا یہ چشمہ جاری کر دیا۔ اس عظیم الشان تعلیمی منصوبے کو چلانا شروع کرنے والے، صرف دو حضرات تھے۔ ایک استاد ایک شاگرد دونوں کا نام محمود تھا، استاد حضرت ملا محمود دیوبندی تھے جنھیں مدرس کی حیثیت سے میرٹھ سے بلایا گیا تھا اور شاگرد دیوبند کے ایک نوجوان محمود الحسن تھے، جو بعد میں شیخ الہندؒ مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے معروف ہوئے اور جنھوں نے اپنی ریشمی رومال کی تحریک کے ذریعے انگریزی حکومت کے ایوانوں میں زلزلہ ڈال دیا۔

دارالعلوم دیوبند کی خدمات اور خصوصیات

دارالعلوم کی ابتدا ایک انار کے درخت کے سائے میں ہوئی تھی۔ کسے معلوم تھا کہ یہ دو افراد جو انتہائی مسکنت اور گمنامی کے ساتھ یہاں ایک چشمۂ فیض جاری کر رہے ہیں بالآخر برصغیر کی تاریخ کا رُخ موڑ کر رکھ دیں گے۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ اسی سادی سے درسگاہ سے علم و فضل کے ایسے ایسے آفتاب و مہتاب پیدا ہوئے جنھوں نے ایک دنیا کو جگمگا کر رکھ دیا۔ درس گاہیں دنیا میں بہت سی قائم ہوئی ہیں دینی درس گاہوں کا بھی کسی دور میں فقدان نہیں ہوا، لیکن اللہ نے دارالعلوم دیوبند کو جو فضیلت اور جو امتیاز بخشا بہت کم علمی اداروں کے حصے میں آتا ہے یہاں مجھے مختصراً اسی امتیاز کو واضح کرنا ہے۔

دارالعلوم کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محض ایک درس گاہ نہیں ایک خاص نظریہ اور ایک خاص طرزِ عمل کا نام ہے جو کتاب و سنت کی صحیح ترجمانی کرتا ہے، اس درس گاہ کی بنیاد ہی چونکہ اس لئے رکھی گئی تھی کہ اس کے ذریعے اسلام اور اسلامی علوم کو اپنی صحیح شکل و صورت میں محفوظ رکھا جائے، اس لئے اس کا مسلک یہ رہا ہے کہ دین صرف کتابی حروف و نقوش کا نام نہیں ہے۔ اور نہ دین محض کتابوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اللہ نے ہمیشہ کتاب کے ساتھ رسول کو اس لئے بھیجا

ہے کہ وہ اپنے علم سے کتاب کی تفسیر کرے چنانچہ ایسی مثالیں تو ملتی ہیں کہ دنیا میں رسول بھیجے گئے مگر کتاب نہیں آئی لیکن ایسی مثال ایک بھی نہیں ہے کہ صرف کتاب بھیجدی گئی ہو اور اس کے ساتھ رسول کوئی نہ آیا ہو، اللہ تعالےٰ کی یہ سنت بتلاتی ہے کہ دین کو سمجھنے اور سمجھانے اور پھیلانے پہنچانے کا راستہ صرف کتاب نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ وہ اشخاص بھی ہیں جو کتاب کا عملی پیکر بن کر اس کی تفسیر وتشریح کرتے ہیں۔ لہٰذا دین کو سمجھنے کے لئے کتاب اللہ اور رجال اللہ لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں، ان میں سے ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ قرآن کریم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر وتشریح کی روشنی میں اور سنتِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو صحابہ وتابعین اور دوسرے بزرگانِ دین کی روشنی میں ہی ٹھیک ٹھیک سمجھا جاسکتا ہے۔ اس کے بغیر دین کی تعبیر وتشریح کی ہر کوشش گمراہی کی طرف جاسکتی ہے۔

مراتب کا فرق ضرور ہے جو مقام اللہ تعالےٰ کا ہے وہ کسی نبی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ جو مرتبہ ایک نبی کا ہے وہ کسی صحابی کا نہیں ہو سکتا۔ اور ایک درجہ جو صحابی کو حاصل ہے کوئی بڑے سے بڑا ولی اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ بس فرق مراتب کے ساتھ دین کے ان سرچشموں میں سے ہر ایک کے حقوق وحدود کی رعایت دارالعلوم دیوبند کا وہ خصوصی مزاج ہے جس نے اسے دوسرے اداروں سے امتیاز عطا کیا ہے، اور جس کی بناء پر اس کا مسلک مسلمانوں کی مختلف مکاتبِ فکر کے درمیان ایک ایسی راہِ اعتدال کی حیثیت رکھتا ہے جس میں کتاب وسنت کی صحیح ترجمانی ہے اور افراط وتفریط سے بچتی ہوئی انسان کو رضائے الٰہی تک پہنچاتی ہے اور جب دارالعلوم کا اساسی نظریہ یہ ٹھیرا کہ دین کتاب اللہ اور رجال اللہ کے مجموعے کا نام ہے تو یہیں سے اس کا ایک دوسرا عملی امتیاز ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ دارالعلوم اپنے عہد شباب میں محض ایک علمی درسگاہ نہیں تھی جس طلبہ کو صرف کتابوں کے حروف ونقوش اور صرف علم کا ظاہری خول دیا جاتا ہو بلکہ ساتھ ساتھ ایک عملی تربیت گاہ بھی تھی، جہاں علم کے ظاہری بدن میں عمل صالح

اور اخلاق فاضلہ کی روح بھری جاتی تھی، یہاں سے فارغ ہو کر نکلنے والے صرف ظاہری علوم ہی سے آراستہ نہیں ہوتے تھے، بلکہ وہ عملی اعتبار سے بھی سچے اور پکے مسلمان ہوتے تھے جن کے چہرے دیکھ کر خدا یاد آجاتا ہے جن کی ہر ہر نقل و حرکت اسلام کی نمائیندگی کرتی تھی۔

میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد یسین صاحبؒ دارالعلوم کے قرنِ اوّل کے طلباء میں سے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے دارالعلوم کا وہ زمانہ دیکھا ہے، جن اس کے ایک چپراسی سے لیکر صدر مدرس اور مہتمم تک ہر ہر شخص صاحبِ نسبت ولئی کامل تھا۔ دن کے وقت یہاں علوم وفنون کے چرچے ہوتے اور رات کے وقت اس کا گوشہ گوشہ اللہ کے ذکر اور تلاوتِ قرآن سے گونجتا تھا۔ چنانچہ اس دور میں جو شخصیتیں دارالعلوم دیوبند سے تیار ہوئیں۔ انھوں نے عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، سیاست اور اجتماعی امور میں ایسے ایسے تابناک کردار پیش کئے ہیں کہ آج اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ان میں سے ہر شخص اسلام کی مجسم تبلیغ تھا۔ وہ جہاں بیٹھ گیا، ایک جہان کو سچا مسلمان بنا کر اٹھا۔ علم اگر روحِ عمل سے خالی ہو تو عموماً انسان میں خود پسندی اور پندار پیدا کردیتا ہے، لیکن دارالعلوم دیوبند کا علم چونکہ روکھا پھیکا علم نہ تھا، بلکہ اس میں اخلاقی وعملی اور عشق ومحبت کا سوز وساز بھی شامل تھا

. . . .

اس لئے اس کی تیسری خصوصیت یہ رہی کہ اس کا پورا ماحول تواضع اور سادگی اور بے تکلفی کا ماحول تھا، وہاں ہر شخص علم وعمل کا آفتاب ہونے کے باوجود عبدیت اور تواضع کا پیکر تھا۔ اس جماعت کے افراد ایک طرف علمی وقار، استغنار اور خودداری کے حامل تھے اور دوسری طرف فروتنی خاکساری اور ایثار وزہد کے جذبات سے معمور۔

دارالعلوم کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہر علم وفن میں یکتائے روزگار تھے، ان کی تصانیف آج بھی ان کے علوم کی شاہد ہیں۔ لیکن ان کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ ان کے پاس کبھی کپڑوں کے دو سے زائد جوڑے جمع نہیں ہوئے، دیکھنے والا

پتہ بھی نہ لگا سکتا تھا کہ یہی وہ مولانا محمد قاسم ہیں جنھوں نے مسلمانوں ہی سے نہیں غیر مسلم اور مخالفوں سے بھی اپنے علم و عمل و فضل کمال کا لوہا منوایا ہے۔ دارالعلوم کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی ہیں جو بانیانِ دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے ہم سبق اور ہر کام میں رفیق حضرت حاجی صاحب کے خلیفہ اور استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی کے صاحبزادے تھے۔ مزاج شاہانہ مگر سادگی کا عالم یہ تھا کہ بعض اوقات کمر بند نہ ملا تو رسی سے ہی کام لے لیا۔ تمام علوم و فنون اور بعض صفتوں میں بھی اللہ نے ان کو کمال بخشا تھا صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے حضرت مولانا سید احمد دہلوی بعد دارالعلوم کے قرنِ اوّل کے اساتذہ میں سے تھے اور فلسفہ، ریاضی، ہیئت اور دیگر عقلی علوم میں اس وقت ان کا ثانی نہیں تھا۔ انھوں نے ساری عمر دیوبند کے قصبہ میں گزاری اور اس حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے کہ دیوبند میں ان کی ذاتی جائداد تو کجا؟ رہنے کا مکان بھی اپنا نہیں تھا۔ حضرت ملّا محمود صاحب جن سے دارالعلوم کی ابتدا ہوئی، دیوبند کے زمیندار بھی تھے، مگر کوئی وقت علمی خدمت سے خالی نہیں، میرے والد محترم نے ایک بڑی کتاب ان سے صرف اس وقت میں پڑھی ہے جب کہ وہ گھر سے گوشت ترکاری دینے کے لیے بازار جاتے تھے؛ تو شاگرد ساتھ ہوتے۔ یہ سبق اسی طرح پورا ہوا، حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود الحسن صاحبؒ جو مدرسے کے پہلے طالب علم تھے اور بعد میں علم و عمل اور سیاست دونوں میدانوں میں عالمگیر شہرت حاصل کی، جب وہ دارالعلوم کے صدر مدرس ہوئے تو انھیں صرف "بڑے مولوی صاحب" کہا جاتا تھا۔ تعظیمی القاب کے تکلفات بعد میں پیدا ہوئے۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ دارالعلوم کے پہلے مفتی اعظم تھے، لیکن مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ وہ محلہ کی بیواؤں، یتیموں اور بیکس افراد کا سودا سلف خود اپنے ہاتھ سے لا کر انھیں پہنچایا کرتے تھے۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین (جو حضرت میاں صاحب کے نام سے معروف ہیں)

حدیث کے اونچے درجہ کے اساتذہ میں سے تھے، لیکن آخر عمر تک ایک کچے مکان میں مقیم رہے اور صرف اس لئے پختہ مکان نہیں بنوایا کہ محلہ غریبوں کا تھا۔ اور جب تک سب کے مکان پختہ نہ بنجائیں، اپنا مکان پختہ کرنے کو دل نہیں مانتا تھا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی جنھیں آج دنیا اس صدی کے عظیم رہنما کی حیثیت سے جانتی ہے، اور جنھوں نے ایک ہزار سے زیادہ تصانیف کی ہیں، ایک امیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے، لیکن دارالعلوم میں طالب علم کی زندگی اس طرح بسر کی کہ مدرسے کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں رہتے اور طالبعلم کے زمانے میں اوقات کے نظم و ضبط کا یہ عالم تھا کہ اُن کی مصروفیات کو دیکھ کر وقت معلوم کیا جا سکتا تھا۔ زمانہ امتحان کا ہو یا عام تعلیم کا ہمیشہ عشاء کے وقت سو جاتے، آخر شب میں تہجد کے لئے بیدار ہوتے، اس معمول میں کبھی فرق نہیں آیا۔

اس علمی ادارے کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اُس نے اپنے مسلک اعتدال کی طرف دعوت اور دوسروں پر تنقید کے سلسلے میں پیغمبرانہ اسلوب تبلیغ اختیار کیا؛ جس میں مخالف کو زیر کرنے کی بجائے اس کی دینی خیرخواہی کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند نے حق کے معاملے میں مداہنت کو کبھی گوارا نہیں کیا۔ جس بات کو حق سمجھا اس کا برملا اظہار بھی کیا، لیکن اس اظہار میں حکمت اور نرمی کا پہلو ہمیشہ مدِنظر رکھا گیا۔

دارالعلوم دیوبند کا اصل مقصد چونکہ دین کی حفاظت تھا اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہ ہو سکتا تھا، جب تک ایک جماعت دوسرے ہر کام کو چھوڑ کر صرف اسی کے نہ ہو رہے۔ اس لئے انھوں نے دنیوی مناصب اور عہدوں سے قطع نظر کر کے اور خود پیٹ پر پتھر باندھ کر، اس خدمت کو انجام دیا۔ لیکن عام مسلمانوں کی مادّی ترقی کی فکر بھی انھیں ہمیشہ دامنگیر رہی، انھوں نے ہر اس پُرخلوص تحریک کے ساتھ مقدور بھر تعاون کیا جو دین کو محفوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کی اجتماعی فلاح اور مادی ترقی کا مقصد لے کر آگے بڑھی، ہاں جس جگہ

مسلمانوں کی اجتماعی پہلو انھیں دین پامال ہوتا نظر آیا وہاں وہ دین کی حفاظت کے لئے سدِ سکندر بن گئے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ دو سو سال تک انگریز اور ہندو کی دوہری چکی میں پسنے کے باوجود اللہ کے فضل و کرم سے آج دین اپنی صحیح شکل میں محفوظ ہے۔ برِّصغیر میں دین کو سمجھنے والے اس کی دعوت دینے والے اور اس پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ رکھنے والے موجود ہیں اور عام مسلمان بھی مغربی افکار کے بے پناہ سیلاب کے باوجود نظری طور پر آج بھی مسلمان ہیں اور اسلام پر فخر کرتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند نے جتنی عظیم شخصیتیں پیدا کیں۔ اتنی شخصیتیں کم ہی کسی علمی درسگاہ کے حصے میں آئی ہیں۔ شیخ العرب والعجم حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ جنھوں نے تقریباً چالیس سال تک دارالعلوم میں درسِ حدیث وغیرہ کی خدمات انجام دیں۔ اس کے ساتھ ہی اصلاح و تربیت کا بڑا سلسلہ قائم فرمایا، ہزاروں علماء صلحاء اور مشائخ طریقت کی صورت میں ہندوستان و بیرون ہندوستان میں پھیلا۔

آخر عمر میں اہلِ یورپ کے متحدہ محاذ کے ذریعے ترکی اسلامی خلافت کے زوال کے وقت جذبۂ جہاد غالب آیا تو ہندوستان کو انگریزی تسلط سے آزاد کر کے اسلامی سلطنت بنانے کے لئے وہ بے مثال کارنامے انجام دیئے کہ انگریز بھی حیرت میں رہ گئے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ جو دارالعلوم کے فضلاء میں ایک بے نظیر شخصیت ہیں، دین اور علم دین کی خدمات کے جتنے شعبے ہیں، سب میں آپ کے مآثر بے شمار ہیں، ایک ہزار سے زائد آپ کی وہ مقبول تصانیف ہیں، جن سے لاکھوں مسلمانوں کی زندگیوں میں انقلاب آیا، آپ کے سلسلے ارشاد سے بھی لاکھوں مسلمانوں کی زندگی بنی۔ اور سیکڑوں مشائخ طریقت پیدا ہوئے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ جو حضرت شیخ الہندؒ کے اخص تلامذہ میں سے ہیں، جو ——— دارالعلوم میں تعلیم سے فراغت پاکر تزکیۂ نفس کے لئے چند سال حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں رہے۔ بالآخر آپ کے خلیفۂ مجاز ہوئے اور اٹھارہ سال تک مدینہ منورہ مسجدِ نبویؐ میں علوم قرآن و حدیث کا درس دیا۔ پھر اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ جہاد آزادی میں شرکت فرماکر چار سال مالٹا جیل میں آپ کے ساتھ رہے۔ پھر رہائی کے بعد بھی اس مشن کی تکمیل میں جد و جہد کرتے رہے اور آخر میں ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۷۷ھ ۳۲ سال دارالعلوم کے صدر مدرس رہے اور ناظم تعلیمات کی حیثیت سے علمی خدمات انجام دیتے ہوئے دارالعلوم ہی میں وفات پائی۔

نمونۂ سلف حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام علوم و فنون میں ایک بے نظیر جامع عالم بنایا تھا۔ خصوصاً حدیث میں تو اپنے زمانے کے زہری اور حافظ ابن حجر سمجھے جاتے تھے۔ آپ کا درسِ حدیث ایک مثالی درس تھا۔ اپنے استاد حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی وفات کے بعد دارالعلوم میں بحیثیت صدر مدرس گیارہ سال درسِ حدیث کی خدمات انجام دیں جن میں ایک ہزار سے زائد طلبہ نے آپ سے درس حدیث لیا اور سیکڑوں علماء و محدثین پیدا ہوئے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ آپ بھی حضرت شیخ الہندؒ کے اخص تلامذہ میں سے ہیں۔ صحیح مسلم شریف کی شرح فتح الملہم اور قرآن مجید کی مختصر جامع تفسیر جو مقبول عالم ہوئی اور افغانستان میں اس کا فارسی ترجمہ کرکے شائع کیا گیا۔ آپ کی وہ شہرۂ آفاق تصانیف ہیں جو آپ کے علمی کمال کی شاہد ہیں۔ عرصہ دراز تک دارالعلوم میں درسِ حدیث کی خدمات انجام دیں اور آخر میں دارالعلوم کے صدر مہتمم

کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر دارالعلوم سے مستعفی ہو کر تحریک پاکستان کے سلسلے میں مؤثر اور مفید خدمات انجام دیں۔ جن کے نتیجے میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت پاکستان وجود میں آئی۔ پھر بقیہ عمر اسی مملکت میں اسلامی دستور و نظام لانے کی مساعی میں پوری کر دی۔

اس وقت بطور مثال کے چند اہم شخصیتوں کے نام سامنے آ گئے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ؎ ایں خانہ تمام آفتاب است

دارالعلوم سے پیدا ہونے والی بے مثال شخصیتیں جن سے دنیا میں علم و عرفان کے چشمے جاری ہوئے۔ اس کثرت سے ہیں کہ شمار میں لانا مشکل ہے۔ دارالعلوم دیوبند درحقیقت ان ہی شخصیتوں اور اسی طرزِ فکر کا نام ہے۔ جس کی مختصر تشریح اوپر پیش کی گئی ہے۔ احقر نے اپنی آنکھ دارالعلوم ہی کے پُر نور صحن میں کھولی ہے اور بچپن ہی سے ان بزرگوں کے نورانی چہروں کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے اور گویا ان ہی بزرگوں کی آغوش شفقت میں پل کر جوان ہوا اور طالب علمی سے لیکر مختلف درجات درس و تدریس پھر خدمتِ فتوے میں عمر کے ۳۵ سال گزارے ہیں۔ ۳۵ سال کی عمر میں پاکستان کی طرف ہجرت نصیب ہوئی۔

دارالعلوم کی نورانی فضاؤں میں بیتے ہوئے ۳۵ سال کی کہانی کوئی مختصر بھی کرے تو کہاں تک کرے خصوصاً اب جب کہ عمر کے اسی سال پورے ہونے والے ہیں قویٰ کا خاتمہ ہو چکا ہے، لکھنے پڑھنے سے تقریباً معذور ہو چکا ہوں اب تو بس اس سلسلے میں اس شعر پر اکتفا کرتا ہوں۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد ؟

⁂

مارچ اپریل سنہ ۸۰ء

زعمائے العلم ـــ شخصیات

شیخ الہند مولانا محمود الحسن رح

حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبند کے پہلے طالب علم ہیں۔ حضرت شیخ الہند ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں بریلی میں پیدا ہوئے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے مہتاب علی صاحب مرحوم سے حاصل کی قدوری اور شرح تہذیب پڑھ رہے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ اور دارالعلوم میں داخل ہو گئے ۱۲۸۶ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت پائی۔ اور حضرت نانوتوی کی دستِ مبارک سے دستارِ فضیلت حاصل کی۔ حضرت نانوتوی کو آپ سے خاص لگاؤ تھا۔ فراغت کے پہلے ہی سال آپ پہلے معین المدرس اور پھر درجۂ چہارم کے باقاعدہ مدرس بنا دیئے گئے۔ اور پھر ۱۶ سال کے بعد ۱۸۹۰ء میں آپ صدر مدرس کے عہدے پر فائز کئے گئے۔ ۱۸۷۷ء میں آپ کو حضرت نانوتوی کے ہمراہ سفرِ حج کا شرف حاصل ہوا۔ اور آپ مکۃ مکرمہ میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت ہو گئے۔ بعدہٗ حاجی امداد اللہ نے انھیں منصبِ خلافت سے نوازا۔

جس زمانہ میں آپ صدارتِ منصب پر فائز ہوئے اس زمانہ میں صدر مدرس کی تنخواہ ۰ روپے ماہوار تھی۔ لیکن آپ نے ۵ روپے سے علاوہ کبھی قبول نہیں کئے۔

آپ کے تقوے اور بے پناہ استعداد کی دھوم دور دور پھیل گئی تھی۔ اور تشنگانِ علم و معرفت دور دراز سے جوق در جوق دارالعلوم دیوبند میں جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔

آپ کے زمانہ میں ۸۶۰ طلباء نے حدیث نبوی سے فراغت حاصل کی۔ فارغین میں حضرت

علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا منصور انصاریؒ حضرت مولانا حسین احمدؒ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ وغیرہم جیسی عظیم المرتبت ہستیاں شامل ہیں۔

حضرت شیخ الہند صاحب حدیثِ نبوی پڑھاتے وقت عشق رسول کے دریا میں ڈوب جاتے تھے۔ ان کا لب ولہجہ دولتِ اثر سے مالامال ہوتا تھا۔ تقریر میں بلا کی روانی ہوتی تھی۔ اور حافظہ بھی بے مثال تھا۔

ان کے مشہور شاگرد مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ان کے درس کی خصوصیت پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

> میں نے حضرت شیخ الہندؒ سے حضرت مولانا محمد قاسمؒ کی حجۃ الاسلام پڑھی ہے، دورانِ سبق میں کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے علم اور ایمان میرے دل میں اوپر سے نازل ہو رہا ہے۔

شیخ الہندؒ بحیثیت ایک مجاہد

پہلی جنگ عظیم ابھی شروع نہیں ہوئی تھی، لیکن اس کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ یا جو ذکر ۱۹۱۴ء کا ہے اس زمانہ میں حضرت شیخ الہند عجیب قسم کی کشاکشی اور اضطراب سے دوچار تھے اسی زمانہ میں حضرت شیخ الہندؒ نے ایک انقلابی تحریک کے ذریعہ برطانوی حکومت کا تختہ الٹنے کا منصوبہ تیار کیا۔ اور صوبہ سرحد کے اُن علماء سے رابطہ قائم کیا جو دارالعلوم دیوبند سے فیض اٹھا چکے تھے شیخ الہندؒ کا منشاء یہ تھا کہ خفیہ انداز میں انگریزوں کے خلاف ہندوستان بھر میں ایک جال پھینک دیا جائے، اور بیرونی ہند سے بھی ان پر حملے کرا دیئے جائیں، تاکہ انھیں سانس لینے کا موقعہ نہ مل سکے۔ مولانا عبیداللہ سندھی کی معاونت شیخ الہند صاحبؒ کو خاص طور پر

حاصل تھی۔ اور وہ اس سلسلے میں بڑی جدوجہد کر رہے تھے۔ ۱۹۱۵ء میں مولانا محمود حسن صاحبؒ ہندوستان سے حجاز منتقل ہو گئے۔ اس سے قبل وہ زرد ریشم پر خفیہ خطوط کی ایک تحریک برپا کر چکے تھے۔ جس کے ذریعہ وہ انگریزوں کے اقتدار کی جڑیں کھوکھلی کر دینے کا ارادہ کر چکے تھے۔ اور اسی مجوزہ اسکیم اور مردانہ عزم کی وجہ سے انھوں نے ہندوستان چھوڑ کر حجاز کے لیے رخصت سفر باندھا تھا۔

وہاں آپ نے ترکی کے گورنر غالب پاشا اور ترکی کے وزیر جنگ انور پاشا سے رابطہ قائم کیا۔ اور انھیں بعض اہم امور کے حل کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد آپ کا ارادہ یہ تھا کہ بلوچستان سے گزرتے ہوئے اور بعض اہم امور کو طے کرتے ہوئے آزاد قبائل کی سرحدوں تک جا پہونچیں کہ اچانک والی مکہ نے انگریزوں کے اشارے پر آپ کو حراست میں لے لیا۔ اور آپ نظر بند کر دیئے گئے۔

آپ کے ہمراہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا عزیز گل وغیرہ بھی تھے آپ سب کو جدے میں ایک ماہ تک نظر بند رکھا گیا۔ اور پھر وہاں سے مالٹا کی جیل میں منتقل کر دیا گیا لہ

سوا تین سال تک آپ اپنے رفقاء کے ساتھ مالٹا کی جیل میں نظر بند رہے۔ پھر بالآخر ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۲۰ء کو آپ نے ہندوستان میں قدم رکھا دیوبند پہونچے تو آپ اولاً مادرِ علمی میں حاضر ہوئے۔ پھر بعد میں اپنے دولت کدہ پر تشریف لے گئے۔

ہندوستان آتے ہی آپ نے تحریک خلافت سے رشتہ قائم کر لیا۔ اور اسی زمانہ

بعد آپ ترک موالات کی تحریک چلائی۔ جو انتہائی مؤثر اور کامیاب رہی۔ اور جس سے انگریزوں میں کھلبلی مچ گئی۔

تحریک خلافت سے رشتہ قائم کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے جمعیۃ العلماء سے اپنا تعلق جوڑ لیا۔ اور آزادی کی کوششیں شروع کر دی گئیں۔

مولانا عبید اللہ سندھی کی ذاتی ڈائری میں لکھا ہے۔

"شیخ الہند کی جماعت کو گذشتہ جنگ عظیم میں وہی حیثیت حاصل تھی۔ جو دوسری جنگ عظیم کے دوران آزاد ہند فوج اور آزاد حکومت ہند کو حاصل رہی ہے جس طرح بعض از جنگ کی موجودہ سرگرمیاں دراصل دوران جنگ کی باغیانہ جدوجہد کی ترقی یافتہ صورت ہے اسی طرح تحریک خلافت ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۲ء کی سیاسی جدوجہد حضرت شیخ الہند کی جماعت اور ان کے شرکار کی سرگرمیوں کی ترقی یافتہ صورت تھی۔ اگر آزاد ہند کے کارناموں کا سہرا سبھاش چندر بوس کے سر ہے تو پہلی جنگ عظیم کے بعد کی سرگرمیوں کا مرکز حضرت شیخ الہند اور ان کی سیاسی سرگرمیاں ۱۹۰۵ء سے شروع ہوئی تھیں۔ اور اس پروگرام کا جزو تھیں۔ جس کو مولانا عبید اللہ سندھی شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک کے نام سے یاد کرتے ہیں [1]

مالٹا سے واپسی کے بعد صحت بگڑ گئی تھی۔ اور آپ کے اعضار پیرانہ سالی کے باعث

---

[1] دیباچہ ذاتی ڈائری مولانا عبید اللہ سندھی۔ بحوالہ تاریخ دارالعلوم مارچ اپریل سنہ ۰

جواب دے چکے تھے۔ تاہم آپ سیاسی جدوجہد میں حصّہ لیتے رہے۔ اور اسی دوران آپ علی گڑھ بھی تشریف لے گئے۔ وہاں سے آنے بعد علالت کا دور شروع ہو گیا۔ اور حالت دن بدن تشویشناک ہوتی چلی گئی۔ بعض حضرات کے مشورے پر آپکو بغرض علاج دہلی لے جایا گیا۔ حکیم اجمل خاں نے بھی اپنی تمام تر طبّی صلاحیتیں کھپادیں۔ لیکن وقتِ موعود آچکا تھا۔ اور اسے ٹالنا کسی معالج کی بس کی بات نہ تھی۔ ۱۸ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کی صبح کو آپ اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ جنازہ دیوبند لایا گیا۔ اور اگلے دن ۱۹ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ قاسمی قبرستان میں آپ سپردِ خاک کردیئے گئے۔

مولانا میاں اصغر حسین دیوبندیؒ

۱۲۹۴ھ میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ دیوبند میں ان کا خاندان تقدس و بزرگی میں مسلّم اور ممتاز رہا ہے۔ والد بزرگوار شاہ محمد حسن (وفات ۱۳۱۲ھ) سے قرآن شریف اور فارسی میں گلستاں تک پڑھکر دارالعلوم میں داخل ہوئے۔ اور ۱۳۱۰ھ میں فارسی کی تکمیل کے بعد عربی شروع کی اور ۱۳۲۰ھ تک دارالعلوم میں اُن کا تعلیمی مشغلہ جاری رہا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۳۲۱ھ کے اواخر میں حضرت شیخ الہندؒ نے جون پور کی اٹالہ مسجد کے مدرسہ کی صدر مدرسی کے لئے اُن کا انتخاب کیا۔ جہاں سات سال تک تشنگانِ علوم دینیہ اور مسلمانانِ جون پور کو اپنے علوم ظاہری و باطنی سے سرفراز فرماتے رہے۔ ۱۳۲۸ھ میں جب اربابِ دارالعلوم نے دیوبند سے ایک ماہنامہ رسالہ "القاسم" جاری کرنے کا فیصلہ کیا تو آپ کو جون پور سے بلاکر القاسم کے کام پر مامور کیا گیا۔ اسی کے ساتھ مختلف کتابوں کے اسباق بھی اُن کے سپرد کئے گئے۔

حضرت میاں صاحبؒ کو اپنے بزرگ ماموں حضرت میاں جی منّے شاہ صاحبؒ، اور شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ، مہاجر مکیؒ سے اجازت و خلافت حاصل تھی، غرض کہ اپنے زمانے کے بڑے بافیض بزرگ تھے۔ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۶۴ھ بروز دوشنبہ داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

مولانا انور شاہ کشمیریؒ

مولانا انور شاہ صاحبؒ، ۲ شوال ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۸۷۵ء بروز ہفتہ بوقت سحر موضع دودھ وان" میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد پیر محمد معظم شاہ کے نام سے مشہور تھے اور آپ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی "بی بی حال دیدی" تھا۔ شاہ صاحب نے ساڑھے چار سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار سے قرآن پڑھنا شروع کیا۔ چونکہ قوتِ حافظہ آپ کا بے نظیر و بے مثال تھا۔ لہٰذا آپ نے ڈیڑھ سال کی قلیل مدت میں نہ صرف یہ کہ قرآن حکیم کے تین سپارے مکمل کر لئے۔ بلکہ فارسی کی ابتدائی کتابیں بھی پڑھ ڈالیں

فارسی میں ملکہ پیدا کرنے کے بعد آپ بہ جان و دل علوم متداولہ کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ اور ابھی عمر کی صرف ۱۴ بہاریں بھی پوری نہیں ہوئی تھیں کہ علم کی محبت نے آپ کو وطن چھوڑنے پر اکسایا۔ اور آپ اپنے وطن عزیز کو خیر آباد کہہ کر ۱۳۰۵ھ میں ہزارہ تشریف لے گئے۔ ۱۳۰۸ھ میں آپ ہزارہ میں مروجہ تعلیم مکمل کر کے اپنے وطن عزیز لوٹ آئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۶ سال تھی۔ دارالعلوم دیوبند کی شہرت کا تذکرہ کانوں میں پڑا اور علم کی محبت نے مزید مجبور کیا تو آپ نے وطن عزیز کو خیر آباد کہا۔ ۱۳۱۰ھ میں آپ نے دیوبند کے لئے رخت سفر باندھا ان دنوں مولانا محمود الحسن صاحبؒ منصب صدارت پر جلوہ افروز تھے آپ نے مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے علاوہ مولانا خلیل احمد صاحبؒ، مولانا محمد اسحاق صاحبؒ، اور مولانا

لہ الانوار ص ۳۰

غلام رسول صاحبؒ ہزاروی وغیرہ سے بھی استفادہ کیا۔

۱۳۱۴ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور آپ مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ اور وہاں آپ نے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہو کر سلوک و طریقت کی منزلیں طے کیں۔ اور حضرت گنگوہی نے آپ کو خرقۂ خلافت بھی عطا فرمایا۔ گنگوہ سے تشریف لانے کے بعد آپ کچھ دن تک ضلع بجنور میں مقیم رہے اور اپنے شیخ کے بتائے ہوئے اوراد و وظائف میں ڈوبے رہے ۱۳۱۵ھ میں مولانا امین الدین صاحبؒ نے مدرسہ امینیہ کی بنیاد ڈالی۔ اور شاہ صاحب کی علمی خدمات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ۱۳۱۵ھ سے ۱۳۱۸ھ تک کامل تین سال تک آپ نے بغیر تنخواہ کے وہیں تدریس کی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۱۸ھ میں مدرسہ امینیہ کی مالی پوزیشن سدھر گئی تو آپ نے اہل مدرسہ کے اصرار پر مشاہرہ لینے کے لئے حامی بھر لی۔ آپ کی تنخواہ بیس روپے ماہوار طے ہوئی۔ ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں آپ کے بڑے بھائی مولوی یٰسین شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اس حادثہ کی اطلاع دینے کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب کے والد بزرگوار نے شاہ صاحب کو تاکیداً وطن واپس آنے کے لئے لکھا۔ آپ نے حکم کی تعمیل کی اور پھر اپنے والد کی خوشنودی کی خاطر کشمیر ہی میں مقیم ہو گئے۔

۱۹۰۳ء میں آپ نے کشمیر سے جہالت و جاہلیت کی تاریکیاں دور کرنے کے لئے فیضِ عام نامی ایک علمی درسگاہ کی بنیاد ڈالی ۱۳۲۳ھ تک اس کو پروان چڑھانے میں لگے رہے ۱۳۲۳ھ میں آپ حج کرنے کی غرض سے حرمین تشریف لے گئے۔ حج کی فرضیت سے نمٹنے کے بعد بھی آپ کچھ مدت تک آپ حجاز ہی میں مقیم رہے۔ اس عرصہ میں آپ نے مختلف فنون کی کتابیں لکھ ڈالیں۔ اپنے ایک قریبی دوست کی فہمائش پر آپ نے پھر ہندوستان کا رُخ کیا۔ اور آپ دیوبند تشریف لے آئے۔ حضرت شیخ الہند کے پیہم اصرار کے سامنے آپ کی نہ چلی اور آپ دیوبند ہی میں قیام پذیر ہو گئے۔

۱۳۳۲ھ تک آپ نے بغیر کسی اُجرت و مشاہرے کے تدریسی خدمت انجام دی اس

سال کے آخر میں جب شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے سفرِ حج کا قصد کیا تو صدارتِ تدریس کا مسئلہ سامنے آیا۔ دارالعلوم دیوبند میں اس وقت کئی اساتذہ ایسے بھی موجود تھے مولانا انور شاہ صاحب کے استادوں میں شامل تھے اور مدت دراز سے درس و تدریس کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ عام خیال یہ تھا کہ محمود الحسن صاحبؒ ان ہی میں سے کسی کو اپنا جانشین منتخب کریں گے۔ لیکن لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ شیخ الہند نے مولانا انور شاہ کشمیری کو اپنا جانشین منتخب کر لیا ہے حالانکہ شاہ صاحب کی تدریسی خدمات کی عمر چار پانچ سال سے زائد نہیں تھی۔ پھر بہت جلد ایک زمانہ ایسا آیا کہ مولانا انور شاہ صاحب کا شہرہ علمی قوتِ حافظ اور استکمالِ استعداد کی وجہ سے دور دور تک پھیل گیا۔ اور اس وقت اندازہ ہوا واقعتاً شیخ الہند صاحبؒ کا جانشین بننے کا مستحق بجز شاہ صاحبؒ کے کوئی اور نہیں تھا۔ مولانا انور شاہ صاحب کے علمی اور تدریسی کارناموں پر بصیرت افروز روشنی ڈالتے ہوئے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے فرمایا ہے کہ۔

حضرت شاہ صاحب کے درسِ حدیث میں کچھ ایسی امتیازی
خصوصیات نمایاں ہوئیں جو عام طور سے درس میں نہیں
تھیں۔ اور حضرت شاہ صاحب کا اندازِ درس درحقیقت
دنیائے درس و تدریس میں ایک انقلاب کا باعث بنا

(حیاتِ انور ص ۳۰۹)

شیخ الہند صاحبؒ نے صرف یہی نہیں کیا کہ شاہ صاحب کو اپنا جانشین منتخب کیا بلکہ انہوں نے جو ہستی جس حدیث کی جس کتاب کو پڑھانے کی حقدار تھی۔ وہ کتاب اسی کے سپرد کی۔ اس بارے میں روشنی ڈالتے ہوئے مولانا ادریس کاندھلویؒ رقم طراز ہیں۔

حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ اپنے زمانہ میں علم اور تقویٰ
کے لحاظ سے امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا نمونہ تھے

حدیث کے پروانے آپ کے گرد جمع رہتے تھے آپ کے بے شمار شاگردوں
میں حضرت مولانا انور شاہؒ امام بخاری کا نمونہ تھے اور حضرت
مولانا شبیر احمد عثمانی امام مسلمؒ کا نمونہ تھے اور حضرت مولانا اصغر
حسین دیوبندی ابو داؤد کا نمونہ تھے۔ شیخ الہند حضرت
مولانا محمود الحسن صاحب نے جب ہندوستان سے حرمین
کا قصد فرمایا صحیح بخاری کا درس مولانا انور شاہ کے سپرد فرمایا
اور صحیح مسلم مولانا شبیر احمد عثمانی کے اور سنن ابوداؤد مولانا سید
اصغر حسین صاحب کے سپرد فرمائی چنانچہ یہ تینوں حضرات
ساری عمر یہی تین کتابیں پڑھاتے پڑھاتے گذر گئے۔ جو ان کے
امام احمد ان کے سپرد کر گئے تھے۔ ہندوستان کی سرزمین میں
صدہا جگہ بخاری، مسلم، اور ابوداؤد کے درس جاری ہیں۔ جن کے
درس دینے سے شیخ الہند کے خدام اور خدام الخدام ہیں لیکن
ان اسباق ثلاثہ کی خصوصی تقسیم نے جو مثال قائم کی تھی۔ وہ اپنی جگہ
آپ تھی۔ (حیات انور ص ۱۱۳)

اس طرح کی ہزاروں تحریریں ہیں۔ جن کے ذریعہ مولانا انور شاہ صاحبؒ کی فوقیت اور برتری
ثابت کی جاسکتی ہے ۔ شیخ الہند کے بعد مولانا انور شاہ صاحبؒ کشمیری اگر مسند صدارت پر نہ
بیٹھتے تو شیخ الہند کو لوگ صدیوں تک نہ بھولتے۔ یہ شاہ صاحب ہی تھے کہ جنہوں نے شیخ الہند
کی جگہ پر کردی۔ ورنہ جگہ کبھی کسی کی پر نہیں ہوئی۔

حضرت شاہ صاحب کو قدرت کی جانب سے بے مثال حافظ عطا ہوا تھا۔ ایسے حافظے کی
نظیر عالم اسلام اور تاریخ اسلام میں کہیں نظر نہیں آتی۔

حضرت حاجی عابد حسین صاحب

(دارالعلوم کے مہتمم اوّل)

حاجی صاحبؒ دیوبند کے نہایت متقی پرہیزگار اور صاحبِ ارشاد بزرگ تھے تعویذات اور عملیات کے فن میں دور دور تک شہرت رکھتی، بانیٔ دارالعلوم کے شریک کار تھے، دارالعلوم کا منصبِ اہتمام اوّلاً آپؒ ہی کے سپرد ہوا تھا، حضرت تھانویؒ اپنی مثنوی زیروبم میں فرماتے ہیں[1]:-

عامل کامل، ولی، مردِ خدا — پائے اودر پائے فخرِ انبیاء
ہم جمالی ہم جلالی، شانِ او — کانِ حلم و مخزنِ خُلقِ نکو
نقش و تعویذش مثالِ نقشِ قدر — فیضِ اُو بر خاص و عامی مثلِ بدر

حاجی صاحبؒ کا سالِ ولادت ۱۲۵۰ھ ۱۸۳۴ء ہے، قرآن شریف اور فارسی پڑھ کر علوم دینیہ کی تعلیم کے لئے دہلی گئے، زمانۂ تعلیم میں تصوّف کا شوق ایسا دامن گیر ہوا کہ علوم کی تکمیل نہ کرسکے، متعدد بزرگوں سے خلعتِ خلافت حاصل کیا، میاں جی کریم بخش رام پوریؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس اللہ سرہٗ سے بھی شرفِ خلافت حاصل تھا۔

---

[1] مثنوی زیروبم بحوالہ القاسم دارالعلوم نمبر بابت ماہ محرم ۱۳۴۷ھ ص ۱۹

حاجی صاحبؒ کے پیر میاں جی کریم بخش رام پوریؒ کو مولانا محمد حسن رام پوریؒ (وفات ۱۲۴۹ھ) سے خلافت حاصل تھی، میاں جی نے خواب میں دیکھا کہ آسمان پر ایک بہت بڑا ستارہ ہے، اور اس کے گرد اور بہت سے ستارے ہیں، بڑا ستارہ اُن کی گود میں آگیا ہے، میاں جیؒ نے صبح کو مریدین سے فرمایا کہ مجھ سے کوئی سید بیعت ہوگا، جو متبع سنت ہوگا، اس سے لوگوں کو بڑا فیض پہنچے گا، اور وہ بہت سے دینی کام انجام دے گا۔[1]

حضرت حاجی صاحبؒ کا ۶۰ برس تک چھتہ کی مسجد میں قیام رہا، مشہور ہے کہ ۳۰ سال تک آپ کی تکبیرِ اُولیٰ فوت نہیں ہوئی، نمازِ تہجد کا ایسا التزام تھا کہ ۶۰ سال تک قضا کی نوبت نہیں آئی، صاحبِ کشف وکرامت بزرگ تھے، رُشد وہدایت اور تذکیر وتزکیۂ قلوب کے علاوہ آپ کو "فنِ عملیات" میں زبردست ملکہ حاصل تھا، لوگ دُور دُور سے تعویذات وعملیات کے لئے حاضر ہوتے اور دامنِ اُمید کو ہر مُراد سے بھر کر لوٹتے تھے، مختلف کاموں کی کثرت کے باوجود ضبطِ اوقات کا بے حد التزام تھا اور ہر کام ٹھیک اپنے وقت پر انجام پاتا تھا۔

آخر شب میں بیدار ہوتے، نمازِ تہجد اور اوراد و وظائف سے فارغ ہوکر فجر کی نماز چھتے کی مسجد میں ادا فرماتے، نماز کے بعد تلاوت فرماکر حجرے سے باہر تشریف لاتے، بیعت کے خواہش مندوں کو بیعت کرتے، تعویذات کے طالبین کو تعویذ دیتے، دوپہر تک یہ سلسلہ جاری رہتا، بعد ظہر متوسلینِ طریقت حاضر ہوتے، اس وقت ذکر وشغل ہوتا، اور عصر تک جاری رہتا، بعد مغرب ختم خواجگان کا معمول تھا، عشاء کے بعد اوّل وقت سو جاتے تھے۔

تعویذات کے ضرورت مند بعض اوقات حد سے زیادہ پریشان کرتے، مگر اخلاق وتواضع کا یہ عالم تھا کہ کبھی تُرش رُو ہوتے نہیں دیکھا گیا، اتباعِ سنت کا غایت اہتمام تھا، اُن کا مقولہ ہے کہ "بے عمل درویش ایسا ہے جیسے سپاہی بے ہتھیار، درویش کو چاہیئے کہ اپنے

---

[1] تذکرۃ العابدین ص ۶۳، ۶۴ مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی ۱۳۳۳ھ

آپ کو چھپانے کے لئے عامل ظاہر کر دے۔" وہ طریقۂ چشتیہ صابریہ کے بزرگ اور زہد و ریاضت کا مجسمہ تھے۔

ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ مریدین میں حاجی محمد انور دیوبندیؒ نے نفس کشی کے طور پر کھانا پینا قطعاً ترک کر دیا ہے، آپ نے بتاکید اُن کو لکھا کہ "یہ امر سنت کے خلاف ہے، بطریق مسنون کھانا پینا ضرور چاہیئے، خواہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔"[1]

انوار قاسمی میں سوانح مخطوطہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ "حاجی صاحبؒ دیوبند میں ایک ذی وجاہت، صاحبِ اثر، عابد زاہد ہستی تھے، آپ کی بزرگی کا سکہ دیوبند کے ہر خورد وکلاں، مرد و عورت، بچے اور بوڑھے کے دل پر تھا، اُن کے روحانی فیض نے دیوبند اور اطراف و جوانب بلکہ دوسرے صوبوں کے لوگوں کے دلوں کو بھی مسخر کر رکھا تھا، عابد و زاہد ہونے کے ساتھ بہت بڑے عامل بھی تھے، آپ کے تعویذوں کا روحانی فیض بیماروں پر تریاق کا کام کرتا تھا، آپ کی صورت کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔

پابندیٔ وضع، استقلال طبع، اُولوالعزمی، خوش تدبیری آپ کی مشہور ہے، باوجودیکہ دنیا کو ترک کر دیا ہے، مگر کوئی آپ سے مشورہ لیتا ہے تو اس میں ایسی اچھی رائے ہوتی ہے جیسے بڑے کسی ہوشیار دنیادار کی۔"[2]

سوانح قاسمی میں سوانح مخطوطہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ "اہلِ دیوبند کو آپ سے کمال درجے عقیدت ہے، آپ کی ذات فیض آیات سے خلائق کو بہت طرح کا نفع حاصل ہے غیر مذہب والے بھی آپ کے تعویذوں کے معتقد ہیں، گھر باہر، زمین، باغ جس قدر آپ کی ملک میں تھا سب کا سب راہِ خدا میں دے کر محض خدا پر تکیہ کیا ہوا ہے۔"[3]

---

[1] تذکرۃ العابدین ص ۶۷ [2] انوار قاسمی جلد اول ص ۳۵۰، ۳۵۱ مطبوعہ لاہور
[3] سوانح قاسمی جلد دوم ص ۲۳۹، ۲۴۱ مطبوعہ نیشنل پریس دیوبند

اوقات و معمولات کے ضبط و نظم کا بڑا اہتمام رکھتے تھے، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جاننے والا ہر وقت یہ بتا سکتا ہے کہ اس وقت حاجی صاحبؒ فلاں کام میں مشغول ہوں گے۔ اگر کوئی جا کر دیکھے تو اسی کام میں اُن کو مشغول پائے گا۔[1]

اشرف السوانح میں حضرت تھانویؒ کا ایک ملفوظ نقل کیا گیا ہے۔ لکھا ہے کہ میں حاجی صاحبؒ کو بزرگ تو سمجھتا تھا، مگر یہ خیال نہ تھا کہ وہ شیخ اور مربی بھی ہیں، لیکن اپنے ایک باطنی اشکال کے دوران اُن کے جواب شافی سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ کامل درجے کے شیخ اور مربی تھے۔[1]

دارالعلوم دیوبند کے لئے عوامی چندے کی تحریک کا آغاز آپ ہی نے فرمایا تھا حاجی فضل حقؒ نے حضرت نانوتویؒ کی سوانح مخطوطہ میں لکھا ہے:۔

ایک دن بوقتِ اشراق (حضرت حاجی سید محمد عابدؒ) سفید رومال کی جھولی بنا اور اس میں تین روپے اپنے پاس سے ڈال چھتہ کی مسجد سے تنِ تنہا مولوی مہتاب علی مرحوم کے پاس تشریف لائے۔

مولوی صاحب نے کمال کشادہ پیشانی سے چھ روپے عنایت کئے اور دعا کی، اور بارہ روپے مولوی فضل الرحمٰن صاحب نے اور چھ روپے اس مسکین (سوانح مخطوطہ کے مصنف حاجی فضل حق صاحب) نے دیئے۔ وہاں سے اُٹھ مولوی ذوالفقار علی سلمہ اللہ تعالےٰ کے پاس آئے مولوی صاحب ماشاء اللہ علم دوست ہیں، فوراً بارہ روپے دیئے، اور حسنِ اتفاق سے اس وقت سید ذوالفقار علی ثانی دیوبندی وہاں موجود تھے، اُن کی طرف سے بھی بارہ روپے عنایت کئے، وہاں سے اُٹھ کر یہ درویش بادشاہ صفت محلہ ابوالبرکات پہنچے، دو سو روپے

---

[1] اشرف السوانح جلد اول ص ۴۹، ۱

[2] " " ص ۱۵۰، ۸۴۸، ۲

جمع ہو گئے، اور شام تک تین ہزار روپے ہو گئے، پھر [illegible] چھپا ہوا [illegible] اس کے [illegible] وہ ظاہر ہیں، یہ قصہ بروز جمعہ دوم ماہ ذیقعدہ ۱۲۸۲ھ میں ہوا۔

دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کی رکنیت کے علاوہ تین مرتبہ اہتمام آپ کے سپرد ہوا، پہلی مرتبہ یوم تاسیس سے ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء تک دوسری مرتبہ ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء سے ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء تک اور تیسری مرتبہ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء تک مجموعی طور پر تقریباً ۱۰ سال ہوتی ہے۔

جامع مسجد دیوبند کی تعمیر بھی آپ ہی کی جد و جہد اور سعی و کوشش کا نتیجہ ہے، آخر میں کثرتِ معروفیت کے باعث آپ اہتمام سے مستعفی ہو گئے تھے، ان کے اثر و وجاہت سے دارالعلوم کو کافی فوائد حاصل ہوئے، اور اس کا ہر قدم ترقی کی جانب گامزن رہا۔

پنجشنبہ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء کو ۸۷ سال کی عمر میں وفات پائی، "مدار المہام بہشت بریں" مادہ سن وفات ہے، تذکرۃ العابدین میں آپ کے تفصیلی حالات مذکور ہیں۔

مولانا رفیع الدینؒ

مولانا موصوف ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء میں پیدا ہوئے، حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کے مشہور خلفاء میں سے تھے، گو علمی حیثیت معمولی تھی، لیکن انتظامی امور کا زبردست ملکہ تھا اور اس بارے میں عجیب و غریب صفات کے مالک تھے، آپ کا شمار اپنے زمانے کے اولیائے کاملین میں تھا، دو مرتبہ دارالعلوم کے مہتمم مقرر ہوئے، پہلی مرتبہ ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء اور ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء میں حاجی صاحبؒ کے سفر حج کے زمانے میں اہتمام کی خدمات انجام دیں، پھر تقریباً ۳ سال کے بعد ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء میں مستقل مہتمم قرار پائے اور ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء کے اوائل تک اس منصب پر فائز رہے، آپ کے زمانے میں دارالعلوم نے بڑی ترقی کی، جس کو بڑی حد تک آپ کے حُسنِ انتظام کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمنؒ (وفات ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء) کو مولانا رفیع الدینؒ سے خلافت حاصل تھی، ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء میں آپ بقصدِ ہجرت مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اور وہیں دو سال کے بعد ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

[illegible]

آپ کا سالِ ولادت ۱۲۸۰ھ ہے، تاریخی نام کرم عظیم ہے، تھانہ بھون کے شیوخ فاروقی میں سے تھے، قرآن شریف حافظ حسین علی سے حفظ کیا، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں وطن میں حضرت مولانا فتح محمد تھانوی سے پڑھیں جو دارالعلوم کے اولین فارغین میں سے تھے، ۱۲۹۵ھ کے اواخر میں تکمیلِ علوم کی غرض سے دارالعلوم میں داخلہ لیا، ۱۲۹۹ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی، تجوید و قرأت کی مشق مکہ مکرمہ میں قاری محمد عبداللہ[1] مہاجر مکی سے کی۔

ذکاوت و ذہانت کے آثار بچپن ہی سے نمایاں تھے، ۱۳۰۱ھ میں اولاً مدرسہ فیضِ عام کانپور میں صدر مدرس مقرر ہوئے اور پھر مدرسہ جامع العلوم کی مسندِ صدارت کو زینت بخشی، کانپور میں آپ کے درسِ حدیث کی شہرت سن کر دور دور سے طلبا کھنچے چلے آتے تھے، ۱۳۱۵ھ میں ملازمت ترک کر کے خانقاہِ امدادیہ[2] تھانہ بھون میں متوکلاً علی اللہ

---

[1] دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مجود قاری عبدالوحید خاں صاحب انہی قاری عبداللہ کے تلمیذ تھے قاری عبدالرحمٰن کے شاگرد تھے، قاری عبداللہ صاحب مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں تجوید کے استاذ

[2] خانقاہِ امدادیہ کسی باقاعدہ اور مستقل عمارت کا نام نہیں ہے، تھانہ بھون کے شمال مغرب میں ایک مسجد ہے جو ابتداً پیر محمد والی مسجد کے نام سے موسوم تھی، مسجد کی جنوبی سمت میں ایک سہ دری تھی جس میں ایک حجرہ تھا، شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ نے اس مسجد کو اپنی قیام گاہ بنایا تھا، یہیں بیٹھ کر وہ طالبین کو مستفیض فرماتے تھے، یہی وہ تاریخی خانقاہ ہے جہاں سے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف شاملی کے جہاد کی تیاری کی گئی تھی، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، بعد میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کی نسبت سے یہ خانقاہ امدادیہ کے نام سے (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

قیام فرمایا، جہاں تادم واپسیں، ۵۰ سال تک تبلیغ دین، تزکیۂ نفس اور تصنیف و تالیف کی ایسی عظیم الشان اور گراں قدر خدمات انجام دیں جن کی مثال اس دور کی کسی دوسری شخصیت میں نہیں ملتی۔ علم نہایت وسیع اور گہرا تھا، جس کا ثبوت آپ کی تصانیف کا ہر ہر صفحہ دے سکتا ہے، دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں تصانیف موجود نہ ہوں وہ اپنی تصانیف کی کثرت اور افادیت کے لحاظ سے ہندوستانی مصنفین میں اپنا جواب نہیں رکھتے، آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد ساڑھے تین سو کے قریب ہے، ان کے علاوہ تین سو سے زائد مواعظ ہیں جو چھپ چکے ہیں، برِصغیر کے پڑھے لکھے مسلمانوں کے کم گھرا یسے ہوں گے جہاں حضرت تھانوی کی کوئی تصنیف موجود نہ ہو، ان میں بہشتی زیور کی مقبولیت کا تو یہ عالم ہے کہ ہر سال مختلف مقامات سے ہزاروں کی تعداد میں چھپتی ہے اور ہاتھوں ہاتھ نکل جاتی ہے اگر یہ کہا جائے کہ اُردو زبان میں اتنی بڑی تعداد میں دوسری کوئی اور کتاب شائع نہیں ہوتی تو اس میں قطعاً مبالغہ نہ ہوگا، کئی زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں حضرت تھانوی کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اپنی تصانیف سے کبھی ایک پیسہ کا فائدہ حاصل نہیں کیا، تمام کتابوں کے حقوق طبع عام تھے اور جس کا جی چاہے انھیں چھاپ سکتا تھا، آپ کا ترجمہ قرآن شریف بہت سلیس، سہل اور عالمانہ ہے، تفسیر میں بیان القرآن ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے، اسی طرح حدیث میں اعلاء السنن میں فقہ حنفی کی مستدل احادیث کا جو زبردست ذخیرہ مرتب کرادیا ہے وہ خود اپنی مثال آپ ہے۔

حضرت تھانوی شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مجاز و خلیفہ تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) موسوم ہوگئی۔ تھانہ بھون کے مشہور عالم حضرت مولانا شیخ محمد کا قیام بھی اسی مسجد میں تھا حضرت حکیم الامت نے اسی خانقاہ (سہ دری وغیرہ) سے شریعت و طریقت کے دریا بہائے اور تقریباً نصف صدی تک ان کا فیض یہاں سے جاری رہا۔

اُن کی بیعت وارشاد کا سلسلہ بہت وسیع ہے برّصغیر اور اس کے باہر بھی ہزاروں اشخاص نے ان سے اصلاح و تربیت حاصل کی، چنانچہ حکیم الامت کے لقب سے آپ کی زبردست شہرت تھی، اُن کی تصانیف و مواعظ سے لاکھوں افراد کو علمی و عملی فیض پہنچا، عوام اور خواص کا جتنا بڑا طبقہ بیعت وارشاد کی راہ سے اس دور میں ان سے مستفیض ہوا اس کی مثال کم ہی ملے گی، اُن کی رفعت و بلندی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ غیر منقسم ہندوستان کے بڑے بڑے صاحبِ علم و فضل اور اہلِ کمال اُن کے حلقۂ بیعت میں شامل تھے، اُن کی ذات والاصفات علم و حکمت اور معرفت و طریقت کا ایک ایسا سرچشمہ تھی جس سے نصف صدی تک برّصغیر کے مسلمان سیراب ہوتے رہے، دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں اُن کی عظیم خدمات تقریری اور تصنیفی صورت میں نمایاں نہ ہوں، مولانا سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ میں:۔

"اصلاحِ امت کی کوشش میں علمی و عملی زندگی کے ہر گوشے پر ان کی نظر تھی، بچوں سے لیکر بوڑھوں تک، عورتوں سے لیکر مردوں تک، جاہلوں سے لیکر عالموں تک، عامیوں سے لے کر صوفیوں ، درویشوں اور زاہدوں تک، غریبوں سے لے کر امیروں تک اُنکی نظر معروفِ اصلاح و تربیت رہی، پیدائش، شادی بیاہ، غمی اور دوسری تقریبوں اور اجتماعوں تک کے احوال پر اُن کی نظر پڑی، اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کا کھرا کھوٹا الگ کیا، رسوم و بدعات اور مفاسد کے ہر روڑے اور پتھر کو ہٹا کر صراطِ مستقیم کی راہ دکھائی، تبلیغ، تعلیم، سیاست، معاشرت، اخلاق و عبادات اور عقائد میں دینِ خالص کے معیار سے جہاں کوتاہی نظر آئی اُس کی اصلاح کی، فقہ کے نئے نئے مسائل اور مسلمانوں کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق اپنے نزدیک پورا سامان مہیا کردیا، اور خصوصیت کے ساتھ احسان و سلوک کی جس کا مشہور نام تصوّف ہے، تجدید فرمائی، ان کے سامنے دین کی صحیح تمثال تھی، اسی کے مطابق مسلمانوں کی موجودہ زندگی کی تصویر میں جہاں جہاں نقائص تھے

ان کے مرتب کرنے میں عمر بھر مشغول رہے۔ حضرت نے اپنی زندگی اس میں صرف کر دی کہ مسلمانوں کی تصویرِ حیات کو اس شبیہ کے مطابق بنا دیں جو حضور ﷺ کی شریعت میں مطلوب تھی۔

حضرت حکیم الامتؒ کی زندگی بڑی منظم تھی، کاموں کے اوقات مقرر تھے اور ہر کام اپنے وقت پر انجام پاتا تھا، متوسلین کے بہت سے خطوط آتے تھے مگر حضرتؒ ہر ایک کا جواب خود اپنے قلم سے تحریر فرماتے تھے۔

۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ کی شب میں تھانہ بھون میں اس جہانِ فانی کو خیرباد کہا، تھانہ بھون میں حافظ ضامن شہیدؒ کے مزار کے قریب انہی کے باغ میں جسے انہوں نے خانقاہ امدادیہ کے نام سے وقف کر دیا تھا، دفن کیا گیا۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ[1]

حضرت مولانا فضل الرحمٰن کے فرزند رشید تھے، ۱۰ محرم ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء میں بمقام بجنور پیدا ہوئے، ۷ سال کی عمر میں قرآن مجید شروع کیا، دارالعلوم میں داخلے کی تاریخ ۱۳۱۹ھ ہے، ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۸ء میں تکمیل کی، حضرت شیخ الہندؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، اور انہیں سے بیعت تھے، فراغت کے بعد دہلی کے مدرسہ فتحپوری میں صدر مدرس مقرر ہوئے، وہاں سے ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں ان کو دارالعلوم میں بلا لیا گیا، یہاں عرصے تک درجۂ علیا کی مختلف کتابیں پڑھائیں، مولانا عثمانیؒ کے درسِ صحیح مسلم کو بڑی شہرت حاصل تھی، حضرت نانوتویؒ کے علوم پر ان کی خاص نظر تھی، ایک عرصے تک دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء تک دارالعلوم سے

---

[1] حضرت مولانا عثمانیؒ کا دورِ صدارتِ اہتمام ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء سے شروع ہو کر ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں ختم ہو گیا اس پورے زمانے میں حضرت مولانا محمد طیب صاحب بدستور مہتمم رہے اور بحمداللہ آج بھی بدستور اس منصب پر فائز ہیں۔

بعض اختلافات کے سبب سے حضرت مولانا محمد انور شاہؒ اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ وغیرہ حضرات کے ساتھ جامعۂ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) تشریف لے گئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں جامعۂ اسلامیہ ڈابھیل کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے، ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں حضرت تھانویؒ اور بعض دوسرے اکابر کے ارشاد پر دارالعلوم میں تشریف لائے، اور ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۴ء تک بحیثیت صدر مہتمم دارالعلوم کی خدمات انجام دیتے رہے، اس دوران میں جامعۂ ڈابھیل سے بھی تعلق قائم رہا۔

اس موقع پر علامہ عثمانیؒ کی وہ تقریر پیش کرنا نامناسب نہ ہوگا جو آپ نے دارالعلوم کی زمام اہتمام سنبھالنے کے وقت فرمائی تھی، آپ نے اپنی تقریر میں ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء میں دارالعلوم سے علیحدگی کے اسباب کی بڑے لطیف انداز میں توجیہ فرمائی، چونکہ اس تقریر سے سابقہ تلخی کی بڑی عمدگی کے ساتھ تلافی ہوجاتی ہے اس لئے اُن کی تقریر کے ضروری حصے یہاں درج کئے جاتے ہیں، حضرت علامہ عثمانی نے بڑے فصیح و بلیغ انداز میں فرمایا تھا کہ:۔

"یہ دارالعلوم ہم سب کا مُربی ہے، ہم سب یہیں پیدا ہوئے، یہیں کھیلے یہیں کودے یہیں پڑھا یہیں لکھا، یہیں پڑھایا اور جو کچھ بھی ہمیں آیا اسی سرچشمۂ علم و معرفت کا طفیل ہے، بھلا یہ دارالعلوم بلا شبہ علم کا ایک عظیم الشان سمندر اور حقیقت و معرفت کا ایک دریائے ناپیدا کنار ہے، اس کا فیض نہ صرف ہندوستان ہی میں جاری ہے بلکہ "قال اللہ و قال الرسول" کی جہاں بھی آج آواز سُنی جاتی ہے، وہ اسی کا پر تو ہے، جس طرح مئی جون کے مہینے میں آفتاب کی حرارت سے سمندر گرم ہوجاتا ہے، اور اس کے جگر میں گرمی پیدا ہوجاتی ہے پھر بخارات کو ہوا سمندر سے اُٹھا کر بصورتِ اَبر زمین پر پھیلا دیتی ہے، اور یہ چھوٹے بڑے بادل کے ٹکڑے خلیج بنگال یا بحیرۂ عرب سے اُٹھ کر دور دراز علاقوں میں برس پڑتے ہیں جن سے مُردہ زمین زندہ ہوجاتی ہے اور مُردہ کھیتیاں لہلہا اُٹھتی ہیں۔

مگر جب سمندر میں گرمی پیدا ہو کر تموج اور تلاطم ہوتا ہے تو کچھ جزئی نقصانات بھی ہوا کرتے ہیں، چنانچہ ایسے حالات میں [illegible] بڑے جہاز خطرے میں آجاتے ہیں اُن میں سے کوئی غرق بھی ہوجاتا ہے اور جب وہ بخیرے بادل کی شکل میں تبدیل ہو کر زمین پر پھیلتے ہیں تو کبھی اُن میں گرج اور کڑک بھی پیدا ہوجاتی ہے جس سے لوگ دہشت زدہ ہوجاتے ہیں، کسی پر بجلی بھی گر پڑتی ہے، لیکن ان سب نقصانات کے باوجود جن کی نظر خدا کی حکمتِ بالغہ پر ہوتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ان نقصانات ہی میں سے کوئی نفع کلی بھی ضرور ظاہر ہونے والا ہے اور گو یہ نقصانات مخلوق کے لئے تکلیف دہ ہیں اور سمندر کا یہ جوش اور تلاطم گو انسان کو اضطراب میں ڈالنے والا ہے، مگر انہی میں سے کوئی عظیم الشان فائدہ اور مخلوق کے لئے زندگی کا سامان بھی پیدا ہونے والا ہے، غرض اس تمام سلسلے کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جب بارش برس لیتی ہے اور ارضِ میت کو جس قدر پانی کی ضرورت ہوتی ہے جب وہ اسے مل جاتا ہے تو پھر یہی بارش کا پانی جس میں سے کچھ حصہ زمین کے کام آجاتا ہے اور کچھ مختلف ندیوں اور نالیوں سے ہوتا ہوا آخر پھر اپنے سرچشمۂ اصلی ہی میں آملتا ہے، جہاں سے اُس کی پیداوار ہوئی تھی، اور وہ جدا ہوا تھا۔

اسی طرح سمجھ لیجئے کہ کارکنانِ قضاء وقدر کے مصالح تکوینی کے موافق پچھلے دنوں دارالعلوم کے اِس علمی سمندر میں بھی ایک قسم کا ہیجان اور اس کے جگر میں گرمی پیدا ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے موجیں اٹھیں اور ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں، اس تلاطم اور تموج کے زمانے میں نقصانات بھی ہوئے، لیکن اسی سمندر کی چند موجیں اور قطرے ابرِ رحمت بنکر گجرات کی سرزمین پر جا برسے، بھلا ہم جیسے لوگوں کا تو ذکر ہی کیا ہے، لیکن علامۃ العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے ابرِ رحمت ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے، ان حضرات کے قدوم کی برکت سے گجرات کا بدعت کدہ آج بحمداللہ قرآن وسنت کی روشنی سے منور ہے، وہ متعصب لوگ جو دیوبندی علماء

سے مصافحہ کرنے کو گناہِ عظیم خیال کرتے تھے اور اگر کسی نے بھولے سے مصافحہ کر لیا تو اپنے ہاتھوں کو صابن سے دھونا ضروری سمجھتے تھے۔ اور اگر کسی دیوبندی نے وہاں کسی مسجد میں نماز پڑھ لی تو مسجد دھلوائی جاتی تھی، آج بحمداللہ اس علاقہ میں قرآن و سنت کی روشنی پھیلنے کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ ہی حضرات اہلِ حق کی جوتیاں سیدھی کرنا اپنا بڑا فخر جانتے ہیں۔ اور وہاں کی حالت ہی بحمداللہ بدلی ہوئی ہے۔

ڈابھیل میں جو سالانہ جلسہ ہمارے مدرسہ کا ہوتا ہے اس کے اشتیاق میں ہزاروں آدمی سال بھر سراپا انتظار رہتے ہیں اور انگلیوں پر دن گنتے ہیں کہ کب ڈابھیل کا جلسہ ہوگا اور کب ہمیں شرکت کی سعادت حاصل ہوگی، غرض وہ علم و فضل کے چند چھوٹے بڑے بادل جو اپنے سرچشمۂ اصلی سے جدا ہو کر گجرات کی سرزمین پر برسے تھے، آخر مختلف زمانوں سے گزرتے ہوئے کچھ اُن میں سے کام آگئے اور کچھ اپنے سرچشمۂ اصلی میں آملے۔ میرا دارالعلوم میں اس وقت واپس آنا یا دارالعلوم کا مجھے اپنے اندر جذب کرنا وہی صورت رکھتا ہے جو نسبت قطرے کو دریا کے ساتھ ہوتی ہے، بس اگر ایک قطرہ اپنے سرچشمۂ اصلی میں آملا تو اس میں قطرے کا کیا کمال ہے اور اس کی کیا فوقیت ہے۔ خدائے تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم نقصاناتِ ماسبق کی تلافی کر سکیں اور اپنی تقصیرات کا کوئی تدارک کر سکیں۔

ہماری مثال دارالعلوم میں واپس آنے کی ایسی سمجھو جیسے حدیث شریف میں ایمان کی مثال دی گئی ہے کہ جیسے سانپ جب اپنی بل میں جاتا ہے تو سکڑ جاتا ہے، اسی طرح ایمان بھی آخر زمانے میں اسی طرح سکڑ کر اپنے حیز کی طرف لوٹ جائے گا جس طرح سانپ اپنی بل کی طرف جاتا ہے، دارالعلوم دیوبند ایک امانتِ الٰہی ہے۔ مسلمانوں کی ایک متاعِ عزیز ہے اس کی تعمیر تقویٰ کی اینٹوں سے ہوئی ہے، اس کا سنگِ بنیاد رکھنے والے امراء و اغنیاء نہ تھے بلکہ اس کی بنیاد ڈالنے والے چند مقدس نفوس فقراء و اہل اللہ تھے۔ اس لئے اس کی حفاظت انہی کے اصول اور نقشِ قدم پر ہونی چاہیئے۔ اور سب ہی کو

بل کہ اس کی حفاظت کرنی چاہیے۔[1]"

علم وفضل، فہم وفراست، تدبر اور اصابت رائے کے لحاظ سے علامہ عثمانی کا شمار ہندوستان کے چند مخصوص علماء میں ہوتا تھا، وہ زبان وقلم دونوں کے یکساں شہسوار تھے۔ اُردو کے بلند پایہ ادیب اور بڑی سحر انگیز خطابت کے مالک تھے، فصاحت و بلاغت، عام فہم دلائل پُر اثر تشبیہات واندازِ بیان اور نکتہ آفرینی کے لحاظ سے اُن کی تحریر و تقریر دونوں منفرد تھیں۔ وہ حالاتِ حاضرہ پر بڑی گہری نفسیاتی نظر رکھتے تھے۔ اس لئے اُن کی تحریر وتقریر عوام وخواص دونوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی، عظیم الشان جلسوں میں اُن کی فصیح وبلیغ عالمانہ تقریروں کی یاد آج بھی اہلِ ذوق کے دلوں میں موجود ہے حضرت شیخ الہند نے اپنی حیات کے آخری دنوں میں جامعہ ملیہ کی تاسیس کے وقت جو خطبہ دیا تھا اُس کے لکھنے اور جلسے میں پڑھنے کا شرف مولانا عثمانی ہی کو حاصل ہوا تھا۔

علم الکلام، العقل والنقل، اعجاز القرآن حجابِ شرعی اور الشہاب لرجم الخاطف المرتاب وغیرہ اُن کی معرکۃ الآراء تصانیف ہیں، حضرت شیخ الہند کے ترجمۂ قرآن مجید پر مولانا عثمانی کے تفسیری حواشی کو بڑی شہرت حاصل ہے، علم حدیث میں ان کی گراں قدر تصنیف فتح الملہم حنفی نقطۂ نظر سے صحیح مسلم کی پہلی شرح ہے۔ اُن کا یہ ایک ایسا زندہ جاوید کارنامہ ہے جس نے اُن کے علم وفضل کو تمام عالم اسلام میں روشناس کرا دیا ہے۔

سیاسیات میں مولانا عثمانی اولاً جمعیۃ العلماء ہند کے بانیوں میں شریک تھے اس سے قبل وہ خلافت کمیٹی کے ایک اہم رکن رہ چکے تھے ۱۳۳۱ھ ۱۹۱۳ء میں جنگِ بلقان کے زمانے میں انھوں نے ترکوں کے لئے چندہ جمع کرنے میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا تھا، مولانا عثمانی سالہاسال تک جمعیۃ العلماء ہند کی مجلس عاملہ کے رکن رہے، جمعیۃ العلماء ہند کے صفِ اوّل

---

[1] تقریر مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند ۱۳۵۲ھ ص ۳۳

کے رہنماؤں میں ان کا شمار ہوتا تھا، آخر میں اُن کو متحدہ قومیت کے مسئلے پر جمعیۃ العلماء ہند سے اختلاف پیش آیا۔ اور وہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اور ۱۳۶۵ھ ۱۹۴۶ء میں جمعیۃ العلماء اسلام کے صدر منتخب کئے گئے۔ ۱۹۴۶ء میں جب ہندوستان کی مجلس دستور ساز کا انتخاب ہوا تو آپ بنگال سے مسلم لیگ کی جانب سے اس کے رکن منتخب ہوئے۔ ہندوستان کی تقسیم کے بعد آپ کو مشرقی بنگال کے نمائندے کی حیثیت سے دستور یہ پاکستان کا رکن منتخب کیا گیا۔ دستور یہ پاکستان کے اجلاس میں شرکت کے لئے قبل رمضان ۱۳۶۶ھ ۱۹۴۷ء مولانا عثمانیؒ پاکستان تشریف لے گئے اور آخر تک کراچی ہی میں قیام رہا۔ پاکستان دستور ساز اسمبلی کے ساتھ شرعی دستور ساز کمیٹی کے صدر مقرر ہوئے۔ پاکستان میں اُنھوں نے بہت سی دینی اور ملی خدمات انجام دیں۔ پاکستان کے اقتدار اعلیٰ پر اُن کی علمی اور سیاسی خدمات کا خاص اثر تھا، خصوصاً اُن کو عالمانہ اور مفکرانہ حیثیت سے خاص عظمت حاصل تھی۔ اور اُن کی دینی رہنمائی کے ساتھ ساتھ سیاسی رہنمائی بھی مسلّم سمجھی جاتی تھی۔

پاکستان میں جامعہ عباسیہ بہاولپور ایک قدیم دینی تعلیم گاہ ہے، اس کا انتظامی اور تعلیمی نظام بہت خراب ہوگیا تھا، ریاست بہاولپور کی وزارتِ تعلیم نے مولانا عثمانیؒ سے درخواست کی کہ وہ بہاولپور تشریف لاکر جامعہ عباسیہ کی اصلاح و ترقی کیلئے اپنے مشورے سے ریاست کو نوازیں، چنانچہ آپ بہاولپور تشریف لے گئے وزارتِ تعلیم سے ابھی گفتگو شروع ہی ہوئی تھی کہ اچانک ۲۱ صفر ۱۳۶۹ھ ۱۹۴۹ء کو چند گھنٹے کی مختصر علالت کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہا جنازہ بہاولپور سے کراچی لے جایا گیا۔ اور قیام گاہ واقع محمد علی روڈ کے قریب آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔

دارالعلوم میں حضرت علامہ عثمانیؒ کی وفات پر تعزیتی جلسے میں حضرت مولانا مدنیؒ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا حضرت مرحوم کی شخصیت بے مثال تھی، علم و فضل میں اُن کا پایہ بلند تھا اور ہندوستان کے چیدہ علماء میں سے تھے۔ ہم میں سیاسی اختلافات ضرور تھے وہ اپنی جگہ ہیں۔ تحریر و تقریر کا خداداد ملکہ مولانا مرحوم کا حصہ تھا۔ اور بہت سی خوبیوں کے حامل تھے۔

شیخ العرب والعجم حضرت

مولانا سید حسین احمد مدنی

حضرت مدنیؒ کا وطن موضع الٰہ داد پور ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے، ۱۹ر شوال ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء کو ضلع اُناؤ کے ایک قصبہ بانگرمئو میں جہاں آپ کے والد ماجد سید حبیب اللہ صاحب ہیڈ ماسٹر تھے پیدا ہوئے، ۱۹ پشت پیشتر آپ کا خاندان ہندوستان آیا تھا، اپنے علم و تقوی کے لحاظ سے سادات کا یہ خاندان ہمیشہ ایک خاص عظمت اور شاہی زمانے میں ایک بڑی جاگیر کا مالک رہا ہے۔

ابتدائی تعلیم پرائمری اسکول میں حاصل کرنے کے بعد بعمر ۱۲ سال ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء آپ دیوبند تشریف لائے، ابتدائی درجہ میں داخلہ لیا، یہاں حضرت شیخ الہندؒ نے خاص شفقت وعنایت سے آپ کی تعلیم وتربیت فرمائی۔ ۱۳۱۵ھ میں دارالعلوم کے نصاب کی تکمیل کی، سات سال یہاں کے علمی ماحول میں گزارنے کے بعد جب وطن مالوف تشریف لے گئے تو والد ماجد شوقِ ہجرت میں مدینۃ الرسول کے لئے رختِ سفر باندھ چکے تھے، آپ بھی والدین کے ہمراہ روانہ ہوگئے، روانگی حجاز سے قبل آپ حضرت گنگوہی سے بیعت ہوچکے تھے، مکہ مکرمہ میں پیر و مرشد کی ہدایت کے بموجب کچھ عرصہ تک حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہٗ سے کسبِ فیض کیا بعد ازاں مدینہ منورہ میں والد ماجد کے ساتھ مقیم ہوگئے ہرچند آپ نے ہندوستان سے ہجرت کا قصد نہیں فرمایا تھا تاہم والد صاحب کی حیات تک آغوشِ پدری کو چھوڑ کر ہندوستان واپس آنا پسند نہیں فرمایا۔

قیام مدینہ کے زمانے میں تقریباً ۱۰ سال تک مسجدِ نبوی میں درس حدیث کی خدمت

تنگی اور عسرت کے باوجود توکلاً علی اللہ انجام دی، عموماً روزانہ ۱۲-۱۲ گھنٹے تک مسلسل درس و تدریس کا مشغلہ جاری رہتا تھا، مختلف جماعتیں یکے بعد دیگرے حاضر ہو کر آپ کے فیضانِ علمی سے سیراب ہوتی تھیں، مسجدِ نبوی میں آپ کا درسِ حدیث وہاں کے تمام شیوخِ حدیث سے زیادہ پسندیدہ اور مقبول تھا اور اس کی شہرت نے مختلف اسلامی ممالک کے طالبانِ علم کی ایک بڑی تعداد کو آپ کے گرد جمع کر دیا تھا، حجاز کی مقدس سرزمین اور خاص مسجدِ نبوی میں ایک ہندوستانی عالم کی جانب اس قدر کشش اور قبولِ عام کا باعث آپ کے طریقِ درس کی اُس خصوصیت کو سمجھنا چاہیے جو آپ کو دار العلوم کے اساتذہ سے ورثہ میں ملی تھی۔

آپ بھی حضرت شیخ الہندؒ کے اُن رفقاء میں شامل تھے، جن کو حجاز میں گرفتار کیا گیا تھا، چنانچہ سوا تین سال تک آپ کو بھی مالٹا میں جنگی قیدی کی حیثیت سے رہنا پڑا ۱۳۳۸ھ ۱۹۲۰ء میں جب مالٹا سے رہائی ہوئی تو آپ حضرت شیخ الہندؒ کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے، مالٹا سے واپسی کا زمانہ تحریکِ خلافت کے آغاز کا زمانہ تھا، آپ یہاں پہنچ کر حضرت شیخ الہندؒ کی قیادت میں ملک کی سیاست میں شریک ہو گئے، اُس زمانے میں آپ کی مجاہدانہ اور سرفروشانہ قربانیوں نے مسلمانوں کے دلوں کو آپ کی عظمت و محبت سے لبریز کر دیا تھا، حضرت شیخ الہندؒ کی وفات پر متفقہ طور سے آپ کو اُن کا جانشین تسلیم کر لیا گیا، سیاسی کاموں میں شرکت و انہماک کے باعث آپ کو متعدد مرتبہ کئی کئی سال تک جیل میں بھی رہنا پڑا، اور ملک کی آزادی کے لئے قید و بند کی ہوش رُبا صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں، عرصہ دراز تک جمعیۃ العلماء ہند کے صدر رہے۔

۱۳۴۶ھ میں جب حضرت شاہ صاحبؒ دار العلوم سے مستعفی ہوئے تو آپ کے سوا جماعت دار العلوم میں کوئی ایسی شخصیت موجود نہ تھی جو دار العلوم کی اس مہتم بالشان جگہ کو اس کے شایانِ شان پُر کر سکے اس لئے اکابر کی نظرِ انتخاب آپ ہی پر پڑی، آپ کے زمانۂ صدارت

میں طلبار کی تعداد میں دو گنے سے بھی زیادہ اضافہ ہوا اور خاص دورۂ حدیث کی جماعت میں تو یہ اضافہ تین گنے سے بھی متجاوز ہو گیا تھا۔

آپ کا درسِ حدیث مضامین کے تنوع اور جامعیت کے لحاظ سے دنیائے اسلام میں اپنی نوعیت کا واحد درس سمجھا جاتا تھا، چنانچہ اس کی عظمت و شہرت اور کشش سال بسال طلبار کی تعداد میں اضافہ کا موجب ہوتی رہی۔

علم حدیث میں اُن کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع ہے۔ اُن کے زمانۂ صدارت میں جن طلبار نے دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے سندِ فراغت حاصل کی اُن کی تعداد ۳۸۵۶ ہے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کا دائرہ برِّ اعظم ایشیا سے گزر کر یورپ تک پھیلا ہوا ہے جس طرح دارالعلوم کو علوم نبوتیہ کی تعلیم کا طغرائے امتیاز حاصل ہے اسی طرح اُنکا علمی فیضان بھی بے نظیر ہے۔

۱۲ جمادی الاولیٰ کو ۱ بجے کے قریب حضرت مدنیؒ واصل بحق ہو گئے، جنازہ دار الحدیث میں لا کر رکھا گیا۔ مظاہر علوم کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور ۱۲، ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ (۵، ۶ دسمبر ۱۹۵۷ء) کی درمیانی شب میں اس خزینۂ علم و معرفت کو قبرستانِ قاسمی میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی

دارالعلوم دیوبند کے نہایت ممتاز فضلاء میں سے تھے، ۱۳۲۲ھ میں دارالعلوم سے فراغت کے بعد حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو مدرسہ نعمانیہ پورینی ضلع بھاگلپور (بہار) کے لئے منتخب فرمایا، چنانچہ آپ تقریباً سات سال اس علاقے میں درس دیتے رہے، پھر آپ شاہجہاں پور تشریف لائے اور ایک مسجد میں افضل المدارس کے نام سے مدرسہ قائم کیا، جس میں حسبۃً للہ پڑھاتے رہے، یہاں تقریباً تین سال آپ نے نہایت کامیابی کے ساتھ درس دیا۔ ۱۳۳۰ھ میں آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس ہوا، اور پہلے سال میں آپ کو عربی کی ابتدائی کتابیں علم الصیغہ اور نور الایضاح وغیرہ پڑھانے کے لئے دی گئیں، اس وقت کی روداد میں حضرت شیخ الادب کی نسبت لکھا ہے:۔

"مولوی اعزاز علی صاحب طبقۂ وسطیٰ و اُخریٰ کے درمیانی فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں، چند جگہ مدرس رہے، آخر میں مدرسہ پورینی ضلع بھاگلپور میں مدرس تھے، وہاں سے دیوبند بلائے گئے، آپ ایک نوجوان، بااستعداد اور صاحب صلاح و تقویٰ عالم ہیں، صورتاً وسیرتاً اپنے سلف کی یادگار ہیں، علوم میں استعداد تام رکھتے ہیں، خصوصاً علم ادب میں خاص مہارت ہے، ابھی آپ نے حماسہ کا تحشیہ کیا ہے، اور کنز الدقائق کا تحشیہ کر رہے ہیں، اس سے قبل دیوان متنبی کا تحشیہ کر چکے ہیں، آپ دارالعلوم کے درجۂ وسطیٰ میں درس دیتے ہیں، علم ادب کے اکثر اسباق آپ کے پاس رہتے ہیں، طلبار کو عربی تحریر کی مشق بھی کراتے ہیں، خوش تقریر ہیں طلبار آپ سے نہایت مانوس ہیں"

سنہ ۱۳۴۰ھ میں جب حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کا ریاست حیدر آباد کے مفتی اعظم کے عہدے پر انتخاب عمل میں آیا تو اپنی ضعیف العمری کی وجہ سے حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ کو اپنی معیت میں لے گئے، وہاں ایک سال قیام رہا، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کے ساتھ ہی آپ دیوبند واپس تشریف لائے آپ کو مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ کے بعد صدر مفتی دارالعلوم کے عہدے پر فائز کیا گیا، اس کے بعد سے آخر عمر تک دارالعلوم دیوبند ہی میں آپ کا قیام رہا۔

فقہ و ادب آپ کا خاص فن تھا، آپ جب ابتداً دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے تو عربی کی ابتدائی کتابیں علم الصیغہ اور نور الایضاح وغیرہ آپ کو دی گئیں، مگر آپ کے درس نے بالآخر وہ مقبولیت حاصل کی کہ "شیخ الادب والفقہ" کے لقب سے مشہور ہوئے، عمر کے آخری دور میں کئی سال ترمذی جلد ثانی اور تفسیر کی بلند پایہ کتابیں بھی پڑھائیں، حضرت مولانا مدنیؒ کی عدم موجودگی میں متعدد مرتبہ بخاری شریف کے پڑھانے کا بھی اُن کو موقع ملا غرض کہ علم فقہ، علم حدیث، علم ادب، علم تفسیر وغیرہ ہر فن کی کتابوں پر اُن کو عبور حاصل تھا تعلیم کے ساتھ طلبار کی تربیت اور نگرانی کا اُن میں خاص ذوق تھا، جس سے طلبار کو بے انتہا

فائدہ پہنچا، اور آج تک آپ کے شاگرد آپ کو یاد کرتے ہیں، آپ کی پابندیٔ اوقات ضرب المثل تھی، اور اوقاتِ درس کی پابندی میں آپ خود ہی اپنی نظیر تھے، حتیٰ کہ بعض اساتذہ دارالعلوم نے درس میں اوقات کی پابندی کا سبق حضرت شیخ الادب ہی سے حاصل کیا۔

بے نفسی اور تواضع میں ید طولیٰ رکھتے تھے، بڑی سے بڑی کتابوں کے درس کے ساتھ چھوٹی سے چھوٹی کتاب پڑھانے میں کبھی آپ کو عار نہ ہوتا تھا، ترمذی و بخاری کا درس بھی دے رہے ہیں اور بچوں کو میزان الصرف، علم الصیغہ اور نورالایضاح وغیرہ بھی پڑھا رہے ہیں، آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب طالب علم وہ ہوتا تھا جو یکسوئی کے ساتھ پڑھنے لکھنے میں لگا رہے، اور سب سے زیادہ مبغوض وہ ہوتا تھا جو غیر تعلیمی مشاغل میں لگ کر پڑھنے میں تساہل کرے۔

حضرت شیخ الادبؒ کو جس طرح عربی نظم و نثر پر قدرت حاصل تھی، اسی طرح وہ اُردو نظم و نثر میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے، اردو نثر میں ان کا ایک خاص انداز تھا، انھوں نے عربی ادب میں نفحۃ الیمن کے معیار کے مطابق نفحۃ العرب کے نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی تھی، جس میں تاریخی حکایات و قصص اور اخلاقی مضامین درج کئے گئے ہیں، یہ کتاب عربی مدارس میں بہت مقبول ہوئی، چنانچہ دارالعلوم اور دوسرے بہت سے مدارس کے نصاب میں داخل کی گئی، اس کے علاوہ انھوں نے فقہ میں نورالایضاح، شرح نقایہ، کنز الدقائق اور ادب عربی میں دیوان حماسہ اور دیوان متنبی پر مفید حواشی تحریر فرمائے ہیں، جو اساتذہ اور طلباء میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، حضرت مولانا حبیب الرحمٰنؒ کے عربی قصیدہ لامیۃ المعجزات کے اشعار کی اُردو میں سلیس شرح فرمائی ہے۔

انتظامی امور میں بھی آپ کی اہلیت مسلّم تھی اور وقتاً فوقتاً ادارۂ اہتمام میں بھی آپ کی انتظامی صلاحیتوں سے استفادہ کیا جاتا تھا، غرض آپ ایک بے نظیر استاذ اور متبحر عالم دین اور ایک جامع شخصیت تھے، دارالعلوم میں آپ کی علمی خدمات کا دَور چالیس

سال تک جاری رہا۔
۸ اپریل ۱۹۵۵ء کو آپ کی وفات ہوئی۔ قاسمی قبرستان آپ کا آخری ٹھکانہ ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی

۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے حضرت گنگوہی نے محمد شفیع نام تجویز فرمایا۔ اصلاً دیوبند کے رہنے والے تھے۔ دارالعلوم میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۳۶ھ میں ۲۲ سال کی عمر میں تعلیم سے فراغت حاصل کی۔ بعدازاں ۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم میں درجہ ابتدائی کے مدرس مقرر ہوئے اور بہت جلد تدریسی ترقی کی منزلیں طے کر کے طبقۂ علیاء کے اساتذہ میں شامل ہوگئے۔ فقہ اور ادب سے شروع ہی سے مناسبت رہی ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء میں منصبِ افتاء پر فائز ہوئے۔ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء میں پاکستان چلے گئے۔ وہاں دستور ساز اسمبلی کے بورڈ آف تعلیماتِ اسلام کے رکن کی حیثیت سے اسلامی دستور کی ترتیب میں مدد دی۔ ۱۹۵۱ء میں کراچی میں دارالعلوم کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کی جو اس وقت کراچی میں علوم اسلامیہ کا ایک اہم اور بڑا مرکز ہے۔

مفتی صاحب کا علم وسیع اور گہرا تھا، وہ جماعتِ دیوبند کے ممتاز علماء میں سے تھے اور تقریباً تمام متداول دینی علوم میں عمدہ صلاحیت کے مالک تھے۔ وہ بہت سی دینی کتابوں کے مصنف ہیں۔ شروع ہی سے تصنیف و تالیف سے دلچسپی تھی۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور مناظرے میں نہایت مفید تصانیف کا ذخیرہ اُن کے قلم سے نکلا ہے اُن کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد دو سو کے قریب ہے، صرف فقہ میں ان کی تصانیف کی تعداد ۹۵ ہے۔ فقہ میں عصر حاضر کے مسائل کو انھوں نے خاص طور پر موضوع بحث بنایا ہے، جو عوام و خواص دونوں کے لئے علوم و معارف کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ اُن کے فتاویٰ کی تعداد ۲ لاکھ بتائی جاتی ہے۔

ایک زمانے تک ریڈیو پاکستان سے ہر ہفتہ ان کی تفسیر معارف القرآن کے عنوان سے نشر ہوتے رہے تھے جن کو عام طور پر پسند کیا جاتا تھا۔ یہ تفسیر معارف القرآن کے نام سے ۸ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ تفسیر معارف القرآن مفتی صاحب کا عظیم کارنامہ ہے۔ آپ کے سینکڑوں شاگرد و تلامذہ برصغیر کے علاوہ مختلف ممالک میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ابتداءً حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت ہوئے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد حضرت حکیم الامت تھانوی سے رجوع کیا۔ اور حضرت مرشد تھانویؒ سے خلافت حاصل کی۔ حضرت حکیم الامت مفتی صاحب کے علم و فضل پر بڑا اعتماد تھا۔ ان کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اسلاف کا ذوق ان میں پوری طرح رچا اور بسا ہوا تھا۔ وہ ہر ہر جزئی میں بزرگوں کے اتباع کو ضروری سمجھتے تھے۔ اور ظاہری علوم کی تدریس و تصنیف کے ساتھ افاضۂ باطنی میں بھی مصروف ہو گئے۔ شعر و شاعری کا اعلیٰ ذوق تھا۔ عربی، فارسی اور اردو میں قصائد، مرثیوں اور متعدد نظموں کا مجموعہ چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ پاکستان میں ان کو مفتی اعظم کی حیثیت حاصل تھی۔ اور اسی لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

۱۰ شوال ۱۳۹۶ھ (۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء) کی شب میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

* فقیہ الامت جناب الحاج مولانا مفتی محمد شفیعؒ سے سن وفات [illegible] نکلتا ہے۔

مولانا مفتی اسمٰعیل بسم اللہؒ

[illegible] میں ڈابھیل ضلع سورت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن اور قریبی قصبہ کٹھور میں پائی۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ دورانِ تعلیم میں شاگردی کی وجہ سے دہلی چلے گئے۔ بعدازاں مدرسہ امینیہ دہلی میں رہ کر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سے فتویٰ نویسی کی مشق کی۔ [illegible] میں دوبارہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ آپ اوراد و وظائف کے بہت پابند تھے۔ [illegible] میں وفات پائی۔

مولانا عبید اللہ سندھی

مولانا عبید اللہ سندھیؒ مغربی پنجاب کے ضلع سیالکوٹ میں ۱۲۸۹ھ میں پیدا ہوئے
اُن کے والد ہندو سے سکھ ہو گئے تھے، مولانا سندھیؒ نے ابتدائی تعلیم جام پور کے مڈل
اسکول میں پائی۔ دورانِ تعلیم ہی میں اپنے مطالعہ سے صداقتِ اسلام سے متاثر ہو کر مشرف
باسلام ہو گئے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد جام پور سے سندھ چلے گئے۔ وہاں حافظ محمد صدیقؒ
کی صحبت میں کچھ مدت قیام کیا، حافظ صاحب ایک بڑے صاحبِ نسبت بزرگ اور
درویش کامل تھے، مولانا سندھیؒ نے اپنی ذاتی ڈائری میں لکھا ہے کہ "حافظ صاحبؒ کی
صحبت کا یہ اثر ہوا کہ اسلامی معاشرت میری طبیعت ثانیہ بن گئی"۔ مولانا سندھیؒ ۱۳۰۶ھ
میں دارالعلوم میں داخل ہوئے، اور ۱۳۰۷ھ میں دورۂ حدیث میں شریک ہوئے۔ مگر تکمیل
کی نوبت نہیں آئی، کچھ عرصہ کے بعد سندھ چلے گئے۔ ۱۳۲۶ھ میں پھر دیوبند تشریف لائے اور
اپنے استاد حضرت شیخ الہندؒ سے کتب حدیث کی اجازت حاصل کی۔ تعلیمی امور کے ساتھ سیاسی مشاغل
میں بھی حضرت شیخ الہند سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم میں جمعیۃ الانصار کا قیام
اُنھی کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ مولانا سندھیؒ اس کے ناظم بنائے گئے۔ جمعیۃ الانصار کے دو بڑے
جلسے مراد آباد اور میرٹھ میں منعقد ہوئے تھے۔ مولانا سندھیؒ ہی کی جد و جہد کا نتیجہ تھے۔
آپ دارالعلوم کو سیاسی انداز سے ملی تنظیم کا مرکز بنانا چاہتے تھے جس کا پہلا نقش جمعیۃ الانصار
کا قیام تھا۔ اسی دوران میں مولانا سندھیؒ اور دارالعلوم کے بعض اساتذہ کے مابین بعض علمی
مسائل میں شدید اختلاف رونما ہو گیا، جس کے سبب سے اُن کو دیوبند چھوڑنا پڑا۔ حضرت
شیخ الہندؒ نے اُن کو دہلی بھیج دیا وہاں اُنھوں نے نظارۃ المعارف القرآنیہ[ل] کے نام سے ایک

ل نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے یہ ادارہ مولانا سندھیؒ نے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ادارہ قائم کیا جس کے سرپرستوں میں حضرت شیخ الہندؒ کے علاوہ حکیم اجمل خاں دہلوی اور نواب وقار الملک جیسی مقتدر شخصیتیں شامل تھیں

۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا سندھیؒ کو افغانستان بھیجا اُس وقت یہ خیال عام تھا کہ طاقت کے بغیر انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دینا ممکن نہیں ہے، اسکے لئے سپاہ اور اسلحہ کی ضرورت ہے۔ اس تحریک کا مرکز حضرت شیخ الہندؒ نے یاغستان کے آزاد علاقے کو بنایا تھا، مولانا سندھیؒ نے کابل پہنچ کر متعدد اہم سیاسی کام انجام دیئے کابل میں کانگریس کمیٹی قائم کر کے انڈین نیشنل کانگریس سے اُس کا الحاق کیا، برطانوی مقبوضات سے باہر یہ پہلی کانگریس کمیٹی تھی، اسی کے ساتھ انھوں نے "حزب اللہ" کے نام سے ایک فوج مرتب کی، افغانستان میں راجہ مہندر پرتاپ کی سربراہی میں جو آزاد حکومت قائم کی گئی تھی اس کے ایک اہم رکن رہے، حضرت شیخ الہندؒ کی حجاز میں گرفتاری کے بعد روس چلے گئے اور وہاں رہ کر سوشل ازم کا مشاہدہ کیا ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء میں ترکی کا سفر کیا اور وہاں سے ۱۳۴۴ھ میں حجاز چلے گئے، جہاں چودہ سال کے قریب مقیم رہے، ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء میں جب صوبوں میں کانگریس کی حکومت قائم ہوئی تو یو، پی کی حکومت نے مولانا سندھیؒ سے برطانوی دور کی پابندی کو اُٹھا لیا اور وہ ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء میں ہندوستان واپس آ گئے

"حکمت ولی اللہی" کی روشنی میں کتاب و سنت کی تشریح اور عہدِ حاضر کے مسائل کا حل نکالنے کے لئے ہی انھوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں بیت الحکمہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور بعض معرکۃ الآراء مضامین بھی لکھے، جن میں الفرقان کے شاہ ولی اللہ نمبر کا مضمون بڑا عمیق اور فکر انگیز ہے۔

۲۱ر اگست ۱۹۴۴ء/۱۳۶۳ھ کو دین پور میں جہاں مولانا سندھیؒ آخر عمر میں مقیم ہو گئے تھے انتقال فرمایا، افسوس ہے کہ جس ملک کی آزادی کے لئے انھیں ۲۵ سال ہندوستان سے جلا وطن رہ کر مصائب و آلام کی زندگی گزارنی پڑی، اس ملک کو اپنی زندگی میں آزاد نہ دیکھ سکے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

۱۳۱۷ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں ہوئی پھر مظاہر علوم میں پڑھا، اور دورۂ حدیث تک تعلیم حاصل کی مزید تعلیم کا شوق دارالعلوم میں لے آیا اور دوبارہ دورۂ حدیث میں داخلہ لیا۔ ۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔ صلاح و تقویٰ کے آثار شروع ہی سے نمایاں تھے، حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔ تفسیر و حدیث، کلام اور عربی ادب سے انھیں خاص شغف تھا، عربی اور فارسی میں برجستہ اشعار لکھنے کا انھیں اچھا ملکہ حاصل تھا، علم و فضل، زہد و تقویٰ اور اتباع سلف میں ان کا بڑا مقام تھا۔ تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کے آثار نمایاں طور پر اُن کے چہرے سے محسوس ہوتے تھے، نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ حق گوئی میں نہایت جری اور بے باک تھے۔ سچی بات بلاخوف لومۃ لائم برملا کہنے میں انھیں کبھی تامل نہیں ہوتا تھا، اور اس میں کسی کی رو رعایت نہیں کرتے تھے، علم و عمل میں سلفِ صالح کا نمونہ تھے، علم سے اُن کے انشتغال کا یہ عالم تھا کہ تمام علوم و فنون میں استحضار تام رکھتے تھے، ممتاز عالم دین اور بلند پایہ اربابِ تدریس میں ان کا شمار تھا، درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف سے بھی کافی دلچسپی تھی، مشکوٰۃ شریف کی شرح التعلیق الصبیح کے نام سے انھوں نے آٹھ جلدوں میں لکھی ہے، ان میں سے پہلی چار جلدیں دمشق میں طبع ہوئی ہیں۔

مولانا محمد یوسف بنوری

ضلع پشاور کے ایک اہلِ علم اور خاندانِ سادات کے فرد ہیں، اُن کے والدِ ماجد مولانا محمد زکریا صاحب بلند پایہ عالم اور معروف شخصیت تھے، اُن کا خاندان حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کے وقت سے صوبہ سرحد کا واجب الاحترام خاندان رہا ہے، اگرچہ مولانا بنوری نے باقاعدہ دارالعلوم میں داخلہ نہیں لیا مگر ان کا تعلیمی تعلق ہمیشہ دارالعلوم کے اساتذہ ہی سے رہا ہے،

نموں نے جامعۂ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ سے حدیث کی تکمیل کی ہے، اور اس طرح اُن کی علمی اور تعلیمی زندگی ہمیشہ دارالعلوم دیوبند سے مربوط رہی ہے، ذہین، طباع منکسر المزاج اور وسیع النظر عالم ہیں، حضرت شاہ صاحب کے علوم و معارف کے امین ہیں، معارف السنن علم الحدیث میں اُن کی بلند پایہ تصنیف ہے، جن میں حضرت علامہ محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے علوم کو پورے تثبت اور اتقان کے ساتھ محفوظ کر دیا ہے۔

جامعۂ اسلامیہ ڈابھیل اور پھر پاکستان کے مرکزی مدارس میں درسِ حدیث میں مشغول رہے، اپنی غیر معمولی علمی صلاحیتوں کی بنا پر پاکستان کے علاوہ ممالک اسلامیہ کے علمی حلقوں میں بھی مقبول و متعارف ہیں، موتمر عالم اسلامی قاہرہ اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ سے رابطہ قائم ہے، سندھ کے مشہور مدرسہ ٹنڈو اللہ یار میں عرصے تک شیخ الحدیث رہے پھر کراچی میں نیوٹاؤن کی مسجد میں ایک مدرسہ قائم کیا اور محض متوکلانہ انداز سے مسجد میں تعلیم کا آغاز کر دیا، حق تعالےٰ نے ان کا صدق و اخلاص قبول فرمایا، اور آج وہ پاکستان کا ایک مرکزی دارالعلوم شمار کیا جاتا ہے، مصارف مدرسہ کے بارہ میں انتہائی محتاط اور زہد و تقویٰ کے پابند ہیں۔

مولانا موصوف صاحبِ قلم بھی ہیں، ان کی اُردو شستہ اور ادیبانہ ہوتی ہے، آپ نے مدرسہ کے لئے ایک رسالہ بھی "بینات" کے نام سے جاری کیا ہوا ہے، جس میں ممتاز اہلِ قلم کے محققانہ مضامین شائع ہوتے ہیں، قادیانی فرقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے میں آپکی خدمت کا بڑا حصہ ہے، وجیہ و شکیل شخصیت رکھتے ہیں، ادب عربی میں انھیں وہی قدرت حاصل ہے، جو ایک اہل زبان کو ہوسکتی ہے، مصر اور عرب ممالک کے علماء اُن کی قابلیت اور فضل و کمال کے معترف ہیں، یہ سطور لکھی جا چکی تھیں کہ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۷۷ء/۱۳۹۷ھ کی صبح کو اسلام آباد میں مولانا بنوری واصل بحق ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون!

مولانا مفتی عزیز الرحمنؒ

سالِ ولادت ۱۲۷۵ھ ہے۔ تاریخی نام "ظفرالدین" رکھا گیا، والد ماجد کا اسم گرامی حضرت مولانا فضل الرحمن تھا۔ ۱۲۸۴ھ کے اواخر میں جب دارالعلوم میں درجۂ قرآن شریف جاری ہوا تو حضرت مفتی صاحب کو درجۂ حفظِ قرآن میں داخل کیا گیا۔ اور ۱۲۸۷ھ میں انھوں نے پورا قرآن شریف حفظ کرلیا۔ اس وقت درجۂ قرآن شریف کے اُستاد حافظ نامدار خاں صاحب تھے۔ ۱۲۹۵ھ میں انھوں نے بخاری شریف و مُسلم شریف اور شرح عقائد کا امتحان دے کر دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔

اُس وقت دارالعلوم کے اساتذہ یہ تھے حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ، حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا عبدالعلی رحمہم اللہ تعالیٰ ۱۲۹۸ھ کے جلسۂ دستار بندی میں آپ کو سند و دستار حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دستِ مبارک سے عطا ہوئی۔

فراغتِ تعلیم کے بعد کچھ عرصے دارالعلوم میں معین المدرس رہے، اور اسی کے ساتھ فتویٰ نویسی کی خدمات بھی حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صدر المدرسین کی نگرانی میں انجام دیتے رہے، پھر اُن کو میرٹھ بھیجدیا گیا، وہاں مدرسہ اسلامیہ اندر کوٹ میں کئی سال تک درس وتدریس میں معروف رہے، ۱۳۰۹ھ میں اکابر دارالعلوم نے نائب مہتمم کے عہدے کے لئے اُن کا انتخاب کیا، پھر ایک سال کے بعد اُن کو مفتی و مدرس مقرر کیا گیا۔ ۱۳۳۳ھ کی روداد میں لکھا ہے کہ :-

"مولوی عزیز الرحمن صاحب نے فراغت کے بعد بطور معین المدرس دارالعلوم میں

درس دیا، اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی نگرانی میں افتاء کا کام بھی کیا، اُسی زمانے میں اُن کو داعیۂ طریقت پیدا ہوا، خاندان نقشبندیہ میں حضرت مولانا رفیع الدینؒ مہتمم ثانی دار العلوم دیوبند کے ہاتھ پر بیعت کی، چند سال کی ریاضت و مجاہدہ کے بعد اجازتِ سلسلہ حاصل ہوئی چند سال تک میرٹھ کے مدرسہ اسلامیہ واقع اندر کوٹ میں مدرس رہے، اُس زمانے میں آپ کو دوبارہ داعیہ حج پیدا ہوا، اس سفر میں آپ کا حج کے ساتھ یہ بھی مقصد تھا کہ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں قیام فرمائیں، چنانچہ ڈیڑھ سال آپکا اس سفر میں صرف ہوا، اور حضرت حاجی صاحب نے بھی آپ کو مجاز فرمایا، شوال ۱۳۰۹ھ میں تشریف لے گئے تھے اور صفر ۱۳۱۰ھ میں واپس تشریف لائے، ۱۳۰۹ھ میں آپ کو میرٹھ سے دیوبند بلا لیا گیا، اُس وقت سے برابر دار العلوم کی خدمت میں معروف رہے۔ آپ اس وقت مفتیٔ مدرسہ ہیں لیکن حدیث و تفسیر اور فقہ کے چند سبق آپ سے متعلق رہتے ہیں۔ لہ حضرت مفتی صاحبؒ بڑے بڑے اہم اور معرکۃ الآرا استفتاء کا جواب قلم برداشتہ اور مراجعت کتب کے بغیر بلا تکلف تحریر فرمایا کرتے تھے، چالیس سال کے قریب آپ نے دار العلوم کے دار الافتاء کی خدماتِ جلیلہ انجام دیں، اس دور میں بے شمار ایسے مشکل فتاوے بھی لکھے جو نہ صرف فتویٰ بلکہ معرکۃ الآرا، مباحث میں محاکمہ کی حیثیت رکھتے ہیں مگر چند لفظوں میں ان کا جواب تحریر فرما دیتے تھے، سفر میں دار الافتاء کی ڈاک ساتھ رہتی تھی، مراجعتِ کتب کے بغیر محض حذاقت و مہارت اور کمالِ استعداد سے بے تکلف فتاویٰ تحریر فرماتے رہتے تھے، نصوص فقہ اکثر و بیشتر حفظ یاد رہتی تھیں، ان کے فتاویٰ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم بھی ہوتے ہیں، اُن کے فتاویٰ کی زبان سہل اور سلیس ہوتی ہے، یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو اُس دور کے فتاویٰ میں اور کہیں نہیں پائی جاتی۔

لہ روداد دار العلوم ۱۳۳۳ھ ص ۱۹ -

جلالین شریف کا اُردو میں ترجمہ کیا اور اپنے شاگرد مولانا قاضی بشیر الدین مالک مطبع مجتبائی میرٹھ کی فرمائش پر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے رسالہ "میزان البلاغہ" کا حاشیہ لکھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ حضرت مفتی صاحبؒ بھی دارالعلوم سے مستعفی ہو گئے تھے۔ ۱۳۴۶ھ میں حضرت شاہ صاحبؒ علالت کے باعث جب دیوبند تشریف لائے تو بخاری شریف کے چودہ پارے باقی تھے، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے ذمہ داروں کے اصرار پر حضرت مفتی صاحبؒ وسط ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ میں ڈابھیل تشریف لے گئے اور بخاری شریف کا درس شروع کرا دیا اور صرف ڈیڑھ ماہ کی قلیل ترین مدت میں بخاری شریف کے باقی ماندہ چودہ پارے ختم کرا دیے۔

جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ کے اوائل میں آپ دیوبند تشریف لائے راستے میں طبیعت علیل ہو گئی، دیوبند پہنچنے پر علاج شروع ہوا مگر افاقہ نہ ہو سکا، وقتِ موعود آچکا تھا۔ بالآخر ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ کی شب میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ۱۰ بجے دن میں حضرت مفتی صاحبؒ کے جنازے کی نماز حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ نے پڑھائی اور ۱۱ بجے آپ دارالعلوم کے قبرستانِ قاسمی میں سپردِ خاک کئے گئے۔

مولانا حکیم محمد حسن دیوبندیؒ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے چھوٹے بھائی تھے، شروع سے آخر تک دارالعلوم دیوبند میں پڑھا، ۱۲۹۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے، بعد ازاں دہلی میں حکیم عبدالمجید خاں صاحب سے طب کی تعلیم حاصل کی، اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔

۱۳۰۳ھ میں دارالعلوم میں مدرس عربی و طبیب کی حیثیت سے تقرر ہوا، اور تعلیم و مطب کا کام تفویض ہوا، طلبائے دارالعلوم کو طب کی تعلیم دیتے تھے اور علاج کرتے تھے۔

مولانا مفتی کفایت اللہ ؒ

۱۲۹۲ھ میں شاہجہاں پور میں پیدا ہوئے قرآن شریف اور ابتدائی تعلیم وطن میں مختلف اساتذہ سے حاصل کی، پھر کچھ کتابیں مدرسہ اعزازیہ شاہ جہاں پور میں پڑھیں بعد ازاں مدرسہ شاہی مراد آباد میں داخل ہو گئے، وہاں مولانا عبدالعلی میرٹھی تلمیذ حضرت نانوتوی اور دوسرے اساتذہ سے پڑھا، آخر میں دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۳۱۵ھ میں دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہوئے۔

حضرت مفتی صاحب نے مراد آباد اور دارالعلوم میں غربت کے باوجود طالب علمی کا زمانہ نہایت خودداری سے گزارا، وہ کروشیا سے ٹوپیاں بُن کر اس کی آمدنی سے اپنے تمام اخراجات پورے کرتے تھے۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد مفتی صاحب مدرسہ عین العلم شاہ جہاں پور میں مدرس مقرر ہو گئے، اس زمانے میں انھوں نے فتویٰ نویسی کا آغاز کیا اور قادیانیت کی تردید کیلئے ۱۳۲۱ھ میں ایک ماہنامہ "البرہان" جاری کیا۔

۱۳۲۱ھ کے اواخر میں آپ مولانا امین الدین صاحب کے اصرار پر مدرسہ امینیہ دہلی کی مسندِ صدارت تدریس پر متمکن ہوئے، جس سے تادم واپسیں وابستہ رہے، مفتی صاحب محدث، فقیہ، مفتی، مجاہد اور نکتہ سنج علماء میں سے تھے، حضرت مفتی صاحب کو اپنے استاد حضرت شیخ الہندؒ سے بڑی ارادت تھی، اس لئے شروع ہی سے آپ سیاسیات میں دلچسپی لینے لگے، چنانچہ ۱۹۱۹ء میں آپ نے دوسرے علماء کے ساتھ مل کر جمعیۃ العلماء ہند قائم کی

جس کے ایک طویل مدت تک آپ صدر رہے، اور ہمیشہ جمعیۃ العلماء اور کانگریس کی تحریکوں میں پیش پیش رہے، سیاسی سرگرمیوں کے سلسلے میں آپ کو قید و بند سے بھی دوچار ہونا پڑا

مولانا حبیب الرحمٰنؒ آپ حضرت مولانا فضل الرحمٰنؒ کے خلفِ رشید تھے شروع سے آخر تک دارالعلوم میں علوم کی تکمیل کی۔ آپ ایک متبحر عالم اور عربی زبان کے زبردست ادیب تھے۔ اُن کا تدبر اور انتظام دارالعلوم کی تاریخ میں ضرب المثل سمجھا جاتا ہے۔ دارالعلوم کی ترقی میں اُن کی خدمات اور خداداد صلاحیتوں کو بڑا دخل حاصل ہے۔

۱۳۰۳ھ میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کی مصروفیتوں کے باعث نیز دارالعلوم کو ترقی دینے کے سلسلے میں ایک ایسے لائق اور منتظم شخص کی ضرورت پیش آئی جو انتظامی امور اور ترقی کی تجاویز میں حافظ صاحب کا ہاتھ بٹا سکے۔ اس کے لئے آپ سے زیادہ موزوں کوئی دوسرا شخص موجود نہ تھا، چنانچہ انکار کے باوجود آپ کو مجبور کر کے نیابتِ اہتمام کا منصب سپرد کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ دارالعلوم کی یہ خوش قسمتی تھی کہ اس کو مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ جیسا کام کرنے والا بیدار مغز منتظم اور مخلص ہاتھ آگیا۔ اہتمام کے کاموں میں اُن کو اس قدر شغف تھا کہ شب و روز کا بیشتر حصہ اسی میں صرف ہوتا تھا۔ اُنھوں نے دارالعلوم کے شعبۂ انتظام و انصرام کو اتنا منظم اور مستحکم کر دیا تھا کہ جب حکومتِ آصفیہ کی جانب سے نواب صدر یار جنگ بہادر دارالعلوم کے حسابات کی تنقیح کے لئے دیوبند آئے۔ تو اُن کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ایک ایک اور دو دو آنے تک کے حسابات کے کاغذات اور رسیدیں باضابطہ طور پر فائل میں موجود تھیں۔ نواب صدر یار جنگ بہادر کا بیان ہے کہ کوئی کاغذ ایسا نہ تھا جو مانگا گیا ہو اور فوراً پیش نہ کر دیا گیا ہو۔ حافظ صاحبؒ کے عہدِ اہتمام کی ترقی درحقیقت آپ ہی کی رفاقت کا نتیجہ سمجھی جاتی ہے آپ ہمیشہ اُن کے دست راست معتمد علیہ اور نائب رہے۔

۱۳۴۰ھ میں جب حافظ صاحبؒ اپنی پیرانہ سالی کے باعث حیدرآباد کے مفتی اعظم کے منصب سے سبکدوش ہوئے تو اُن کی جگہ پر آپ کا تقرر عمل میں آیا لیکن دارالعلوم

میں داخلی اختلافات رونما ہوجانے کے سبب سے آپ کو بہت جلد اس منصب سے دست کش ہوجانا پڑا، حضرت شاہ صاحبؒ، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور دوسرے چند اساتذہ اور طلباء کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ دارالعلوم سے علیحدہ ہوگئے تھے یہ بڑا نازک وقت تھا مگر آپ کے عزم و استقلال، ہمت و جرأت اور دانش و تدبر نے دارالعلوم کی کشتی کو ڈگمگانے سے بچالیا۔

مولانا حبیب الرحمٰن، جن کی شخصیت ہر حیثیت سے یگانۂ روزگار تسلیم کی جاتی تھی عام خیال ہے کہ اگر آپ کو ملکی سیاست میں بھی اتنا ہی شغف ہوتا جیسا کہ دارالعلوم کے ساتھ تھا تو آپ ہندوستان کے سب سے بڑے سیاسی لیڈر ثابت ہوتے، حضرت شیخ الہندؒ کی وصیت تھی کہ ارکان جمعیۃ العلماء کو دو آدمیوں کو کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے، ان میں پہلا نام آپ ہی کا تھا چنانچہ آپ جمعیۃ العلماء کے بہترین مشیر ثابت ہوئے، ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ العلماء کا اجلاس گیا (صوبہ بہار) میں ہوا تھا اُس میں آپ کو صدر منتخب کیا گیا، آپ کا خطبۂ صدارت نہ صرف عام طور پر پسند کیا گیا بلکہ اُس کی سیاسی اہمیت کو ملک کے سیاسی حلقوں میں بھی پسندیدگی سے دیکھا گیا۔

مطالعے کی کثرت نے آپ کو نہایت وسیع المعلومات بنادیا تھا، حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے۔

"اگر مجھ پر کسی کے علم کا اثر پڑتا ہے تو وہ مولانا حبیب الرحمٰن ہیں۔"

مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نہایت نحیف الجثہ تھے، خوراک حیرت انگیز طور پر کم تھی، مگر ضعف اور کمزوری کے باوجود بے پناہ ہمت کے مالک تھے، حضرت حافظ صاحبؒ کے انتقال کے ٹھیک چودہ ماہ کے بعد ۴ رجب ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء کی شب میں اس جہانِ فانی سے رحلت فرمائی اور ہمیشہ کے لئے دارالعلوم کو اپنا داغ چھوڑ گئے۔ نور اللہ مرقدہٗ!

مولانا وصی اللہ صاحبؒ

دارالعلوم سے فراغتِ تعلیم کے بعد حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے، اور بالکلیہ وہیں کے ہو رہے۔ دورانِ تعلیم ہی میں اصلاحِ اعمال اور ذوقِ عبادت سے سرشار تھے۔ زمانۂ طالب علمی ہی سے خلوت نشینی کے عادی تھے۔ خانقاہ امدادیہ میں وہ اپنے قیام کے زمانے میں منقطع عن الخلق رہے، اور متوکل علی اللہ ہوکر سیرِ سلوک اور تحصیلِ نسبت میں اپنے آپ کو غرق کر دیا۔ اور بہت جلد تربیتِ باطنی اور تصوف کے مراحل طے کرکے خلعتِ خلافت واجازت اور بیعت وتلقین سے آراستہ وپیراستہ ہوگئے۔ سالہا سال کے بعد بحکم حضرت حکیم الامت سنہ ۱۳۲۳ھ میں نکاح کیا، لیکن اس کے باوجود آپ کا قیام زیادہ تر خانقاہ امدادیہ ہی میں رہا۔

سنہ ۱۳۵۱ھ میں وطنِ مالوف پہونچکر تعلیم وتربیت واصلاحِ خلق میں مشغول ہوگئے اُن کا شمار حضرت تھانویؒ کے اجلّۂ خلفا میں تھا۔ اُن کا طرزِ اصلاح وتربیت ہوبہو اپنے مرشد کے طرز پر تھا۔

اوّلاً وطن میں قیام رہا پھر سنہ ۱۳۶۷ھ میں گورکھپور چلے گئے۔ اور آخر میں الٰہ آباد قیام فرمایا وہاں خانقاہ تعمیر کرائی۔ بڑے بڑے علماء اور صاحبِ جاہ وثروت اُن کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے، اور ہزاروں بندگانِ خدا نے ان سے روحانی فیض حاصل کیا، الٰہ آباد کے زمانۂ قیام میں اُنھوں نے اپنے طریقِ مشائخ پر احیارِ سنّت کی زبردست خدمات انجام دیں اس دورِ آخر میں ان کی ذاتِ گرامی مغتنمات میں سے تھی۔ آخر کے چند سال میں بمبئی آمد ورفت رہی وہاں مُریدین کا ایک حلقہ قائم ہوگیا اور کتنے ہی لوگ مسلکِ صالح پہ مستقیم ہوگئے۔

۔۔۔ شعبان ۔۔۔ میں سفرِ حجاز ۔۔۔ وفات پائی اور یہ ۔۔۔ جہاز
ربِ کعبہ کے حضور میں حاضر ہو گیا۔ بحرِ احمر کی آغوش میں اُن کو سپردِ آب کیا گیا۔
آخر عمر میں وفور کیفیت کے موقع پر مرزا غالب کا یہ شعر اکثر وردِ زبان رہتا تھا ؎

ہوئے ہم جو مر کے رُسوا، ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اُٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا

مولانا شاہ وارث حسنؒ

کوڑا جہان آباد وطن تھا۔ سنہ ۱۳۱۰ھ میں دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۳۱۲ھ میں تحصیلِ علم سے فراغت پاکر حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں رہ کر خلافت حاصل کی، پھر حجاز چلے گئے۔ وہاں کچھ دن حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہؒ کی خدمت میں رہے۔
کچھ مدت تک بنارس اور مظفرپور میں صدر مدرس رہے، پھر ملازمت ترک کر کے لکھنؤ میں اقامت اختیار کی، اور رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے انگریزی داں طبقہ اُن سے زیادہ مستفید ہوا۔ استفادہ کرنے والوں میں جج، وکیل اور بڑے بڑے افسر اور رؤساء شامل تھے۔
۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ کو وفات پائی۔ جامع مسجد ٹیلہ شاہ پیر محمد لکھنؤ کے قریب مدفون ہیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

۱۳۱۸ھ میں اپنے وطن سیوہارہ ضلع بجنور کے ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔
حفظ الرحمان (رحمان الف کے املاء کے ساتھ) اُن کا تاریخی نام ہے۔ ان کے والد ماجد

شمس الدین صاحب بھوپال اور پھر بیکانیر کی ریاستوں میں اسسٹنٹ انجینئر کے عہدے پر مامور تھے، مولانا کے دو بھائی اور تھے، والد ماجد نے ان دونوں کو انگریزی کی اعلیٰ تعلیم دلائی، دینی علوم کے حصول کی سعادت اپنے خاندان میں صرف آپ ہی کے حصے میں آئی آپکی تعلیم زیادہ تر سیوہارہ کے مدرسہ فیض عام اور مدرسہ شاہی مراد آباد میں ہوئی، ۱۳۴۱ھ میں دارالعلوم میں داخل ہوکر صدرا اور شمس بازغہ وغیرہ فلسفہ کی انتہائی کتابیں پڑھیں اور ۱۳۴۲ھ میں دورۂ حدیث کی تحصیل سے فراغت حاصل کی۔

مدراس سے ایک مدرس کی طلب آنے پر دارالعلوم کی جانب سے آپ کو مدراس بھیجدیا گیا، وہاں پریامیٹ میں ایک سال درس وتدریس اور تبلیغی کاموں میں گزرا، اس دوران میں ان کی تصنیفی زندگی کا آغاز ہوا، اور دو کتابچے لکھے، جن کے نام ہیں:۔ "حفظ الرحمٰن لمذہب النعمان" اور "مالابارمیں اسلام" اسی زمانے میں آپ حج و زیارت سے بہرہ ور ہوئے، حجاز سے واپسی پر آپ دارالعلوم میں آگئے اور ۱۳۴۴ھ میں دارالعلوم میں درس وتدریس کی خدمات انجام دیں، بعدازاں حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے وابستہ ہوگئے، وہاں تقریباً پانچ سال تک درس وتدریس میں مشغول رہے۔

۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء میں آپ انجمن تبلیغ الاسلام کلکتہ کی دعوت پر جس کے سرپرست مولانا ابوالکلام آزاد تھے کلکتہ چلے گئے۔ وہاں پانچ سال تک درس قرآن کی خدمت انجام دی، انھوں نے وہاں جس دل نشیں انداز میں قرآن شریف کے مطالب ومعارف کو لوگوں تک پہنچایا اس سے کلکتہ میں بہت جلد اُن کی عظمت قائم ہوگئی، کلکتہ میں اُن کی یہ مقبولیت آخر تک باقی رہی۔

۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء میں جب دہلی میں ندوۃ المصنفین کا قیام عمل میں آیا تو آپ اپنے دیرینہ رفیق حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کے ساتھ دہلی چلے آئے۔

ندوۃ المصنفین میں اُنھوں نے بڑی گراں قدر تصنیفی خدمات انجام دیں۔ "اسلام کا اقتصادی نظام" "اخلاق اور فلسفۂ اخلاق" اور "قصص القرآن" جیسی بلند پایہ اور محققانہ کتابیں لکھیں۔ ندوۃ المصنفین کے قیام سے پہلے وہ سیرتِ نبوی میں رسولِ کریم ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ء میں دہلی کی ڈسٹرکٹ جیل میں بلاغِ مبین لکھ چکے تھے۔

۱۹۴۲ء ۱۳۶۱ھ میں آپ کو جمعیۃ العلماء ہند کا ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے علمی شغف کے ساتھ ساتھ اُنھیں سیاست کے خارزار سے بھی گہری دل چسپی تھی، چنانچہ اُن کی عمر کا بیشتر حصہ ملک و ملت کی خدمت اور تحریکِ آزادی کی جدوجہد میں بسر ہوا، اور اس سلسلے میں متعدد بار قید و بند کے مرحلوں سے بھی گزرنا پڑا۔

۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی آزادی کے بعد ملک میں ہر طرف فسادات پھوٹ پڑے اور کشت و خون کا بازار گرم ہوگیا، اور جب دہلی میں بھی اس آگ کے شعلے پوری شدت سے بھڑک اٹھے تو مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ ایسے نازک حالت میں اُنھوں نے غیر معمولی جرأت و ہمت اور پامردی سے اُس وقت کے سنگین ترین حالات کا مقابلہ کیا، لیڈروں کو جھنجوڑا اور حکام پر زور دے کر امن و امان کو بحال کرانے کا زبردست کارنامہ انجام دیا، خوف زدہ مسلمانوں کے دلوں سے خوف و ہراس دُور کیا، غرض کہ اُن کی اَن تھک جدوجہد سے مسلمانوں کے اُکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے۔ درحقیقت اُن کا یہ ایسا امتیازی اور زبردست کارنامہ ہے جو آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ اُنھوں نے ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی جو عظیم الشان خدمت انجام دی ہے اُس کو تاریخ کبھی بھلا نہیں سکتی۔

اس زمانے میں جب دہلی میں ہر طرف کشت و خون اور لوٹ مار کی گرم بازاری تھی مولانا کے ہندو دوستوں نے اُن سے بڑے اصرار کے ساتھ کہا کہ شہر میں آپکی حفاظت

مولانا محمد یحییٰ سہسرامیؒ

۱۳۰۸ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، ابتداءً سہسرام اور مظاہر علوم سہارن پور میں کچھ مدت تک مدرس رہے، پھر ۱۳۲۶ھ میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں عربی زبان کے اُستاذ مقرر ہوئے۔ مشہور عالم اور ذی استعداد فاضل تھے۔

مدرسہ عالیہ کلکتہ کے قیام سے اُن کا علمی فیضان بنگال میں بہت زیادہ پھیلا۔

مولانا حافظ محمد احمد دیوبندی

حافظ صاحبؒ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے فرزندِ رشید تھے ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء میں نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ قرآنِ مجید حفظ کرنے کے بعد والد ماجد نے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لئے گلاؤٹھی (ضلع بلند شہر) بھیجدیا۔ گلاؤٹھی میں حضرت نانوتویؒ کا قائم کیا ہوا مدرسہ منبع العلوم تھا، مولانا عبداللہ انبہٹویؒ اُن کے بہنوئی اس مدرسہ میں مدرس تھے۔ بعدازاں مزید تعلیم کے لئے مراد آباد کے مدرسہ شاہی میں بھیجے گئے، یہاں حضرت نانوتویؒ کے شاگردِ رشید مولانا احمد حسن امروہیؒ پڑھاتے تھے۔ ان سے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھنے کے بعد دیوبند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے ترمذی شریف کے چند سبق ۱۳۰۰ھ میں پڑھے، دورۂ حدیث گنگوہ پہنچکر حضرت گنگوہیؒ کے حلقۂ درس میں پورا کیا، اور وہیں جلالین اور بیضاوی پڑھی ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء میں بحیثیت مدرس دارالعلوم میں تقرر ہوا اور مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھانے کی نوبت آئی ۱۳۲۱ھ

تھے جب حضرت حاجی محمد عابدؒ اہتمام سے مستعفی ہوئے تو یکے بعد دیگرے دو مہتمم مقرر ہوئے، مگر ایک ایک سال سے زیادہ اہتمام نہ کر سکے، ہر سال کے تغیرات کی وجہ سے دارالعلوم کے نظام میں اختلال پیدا ہونے لگا تو ۱۳۱۳ھ میں حضرت گنگوہیؒ نے اہتمام کے لئے حافظ صاحبؒ کا انتخاب فرمایا۔ حافظ صاحب نہایت منتظم اور صاحب اثر و وجاہت تھے، وہ بہت جلد دارالعلوم کے انتظام پر قابو یافتہ ہوگئے، اور تقرر کے وقت آپ سے جو توقعات قائم کی گئی تھیں بدرجۂ اتم اُن کے اہل ثابت ہوئے۔ حضرت شیخ الہندؒ جو صدر المدرسین تھے خود استاذ ہونے کے باوجود حافظ صاحبؒ کے استاد زادہ ہونے کی حیثیت کو زیادہ اہمیت دیتے تھے اور دارالاہتمام میں اُن کے سامنے مؤدبانہ بیٹھتے تھے۔

آپ کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم نے معنوی اور صوری دونوں حیثیتوں سے نہایت عظیم الشان ترقی کی جو اس سے پہلے اس کو حاصل نہ ہوئی تھی۔ ہر چند دارالعلوم معنوی حیثیت سے "دارالعلوم" بن چکا تھا، مگر اپنی عمارتوں اور ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے آپ ہی کے زمانۂ اہتمام میں مدرسہ سے دارالعلوم بنا، شعبہ جات اور دفاتر کی تشکیل عمل میں آئی، حلقۂ اثر میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا، غرض کہ ہر حیثیت سے دارالعلوم کا قدم روز افزوں ترقی کی جانب گامزن رہا، چنانچہ آپ کا پینتیس سالہ دورِ اہتمام دارالعلوم کی تاریخ میں ترقیوں کا نہایت تابناک اور زرّیں دور سمجھا جاتا ہے۔

دارالحدیث کی عظیم الشان عمارت جو اپنی نوعیت کی ہندوستان بھر میں پہلی عمارت ہے آپ ہی کے عہد میں تیار ہوئی۔ جدید دارالاقامہ موسوم بہ دارِ جدید کا آغاز اور مسجد و کتب خانہ کی تعمیر بھی حافظ صاحبؒ ہی کے زمانے کی یادگار ہیں، ۱۳۲۸ھ کے اُس عظیم الشان جلسۂ دستار بندی کی یاد اب تک لوگوں کے قلوب میں تازہ ہے، جس میں ایک ہزار سے زائد فضلاء کی دستار بندی ہوئی تھی، وہ آپ ہی کے زیرِ انتظام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

مولانا محمد یٰسین سرہندی ثم بریلوی

بستی متصل سرہند کے رہنے والے تھے۔ مولانا احمد حسن کان پوری سے پڑھا، پھر دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ میں تھے۔ پہلے مدرسہ فیضِ عام کان پور میں درس دیا پھر ۱۳۱۲ھ میں بریلی چلے گئے، وہاں مدرسہ اشاعت العلوم قائم کیا، نہایت نیک نفس اور مرنجان مرنج مگر بے حد صاف گو عالم تھے، ساری عمر درس و تدریس میں مصروف رہے، روہیل کھنڈ میں ان کا علمی فیض مدتوں تک جاری رہا، اور آج بھی اُن کا جاری کیا ہوا مدرسہ تشنگانِ علوم کو سیراب کر رہا ہے۔

اُن کے بڑے صاحبزادہ مولانا عبدالرشید مرحوم کا بیان ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی ابتدائی کتب میں اُن کے شاگرد تھے، اور مولانا کو بڑے ادب آمیز لہجہ میں خطوط لکھا کرتے تھے، جو مولانا عبدالرشید مرحوم کے پاس محفوظ تھے، مولانا خیر محمد جالندھری بھی اُن کے حلقۂ تلامذہ میں شامل تھے۔

علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ[1]

۱۳۰۴ھ میں مشرقی یوپی کے شہر بلیا کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے، اُن کا خاندان پنجاب کے ضلع جھنگ سے جون پور آیا اور پھر کچھ مدت کے بعد بلیا میں آباد ہوگیا۔ جون پور میں فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم مشہور طبیب مولانا حکیم جمیل الدین نگینوی سے حاصل کی، اور معقولات کی کتابیں مولانا فاروق احمد چریاکوٹی اور مولانا ہدایت اللہ خان (تلمیذ مولانا فضلِ حق خیرآبادی) سے پڑھیں، دینیات کی تعلیم کے لئے مولانا عبدالغفار کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا جو حضرت

---

[1] اگرچہ شیخ الحدیث کی حیثیت سے حضرت مولانا فخرالدین احمدؒ کا تذکرہ اوپر آچکا ہے، مگر صدر المدرسین کی حیثیت سے حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، ۱۳۱۶ھ کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوکر اوّلاً ہدایہ اور جلالین وغیرہ کتابیں پڑھیں اور ۱۳۲۰ھ میں دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہوئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد اسی سال میں مدرسہ عالیہ فتح پوری کے مدرس دوم بنائے گئے، پھر عمری ضلع مرادآباد کے مدرسہ میں کچھ عرصے تک درس و تدریس میں مشغول رہے، ۱۳۳۱ھ میں آپ کو دارالعلوم میں بلالیا گیا، ۱۳۳۲ھ سے ۱۳۴۰ھ تک مدرسہ دارالعلوم مئو ضلع اعظم گڈھ اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ (بہار) میں صدارتِ تدریس کی خدمات انجام دیں، ۱۳۴۰ھ میں آپ کو پھر دارالعلوم دیوبند میں بلایا گیا ۱۳۴۱ھ کی روداد میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے :۔

"مولوی محمد ابراہیم صاحب تمام علوم میں کامل الاستعداد ہیں، معقول و فلسفہ کی تمام کتابیں نہایت خوبی سے پڑھاتے ہیں، فلسفہ و منطق اور کلام کے انتہائی اسباق صدرا شمس بازغہ قاضی مبارک، حمداللہ، امور عامہ کے علاوہ شرح مطالع، شرح اشارات وغیرہ پڑھاتے ہیں، طلباء کا بہت زیادہ میلان ان کی طرف رہتا ہے، نہایت خوش تقریر ہیں، غرض یہ ایک نہایت قابل قدر اور شہرت و عزت حاصل کرنے والے مدرس ہیں"

۱۳۶۲ھ میں پھر دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کی، اولاً جامعۂ اسلامیہ ڈابھیل میں مسند صدارت کو رونق بخشی، وہاں کے بعد کچھ عرصے تک مدرسہ عالیہ فتح پوری میں صدارتِ تدریس کی خدمات انجام دیں، اور بعد ازاں بنگال میں ہاٹ ہزاری ضلع چاٹگام کے مدرسہ میں صدرالمدرسین رہے، اور بالآخر ۱۳۶۶ھ میں پھر دارالعلوم دیوبند آگئے، ۱۳۷۷ھ میں حضرت مولانا مدنیؒ کی وفات کے بعد آپ دارالعلوم کی مسند صدارتِ تدریس پر فائز ہوئے، اور تادم واپسیں اس پر متمکن رہے ——— ان کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، جو برصغیر کے علاوہ ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مولانا محمد منظور نعمانی

آپ کا وطن سنبھل ہے، وہیں ۱۸ شوال ۱۳۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پہلے سنبھل میں اور کچھ دن مدرسہ عبدالرب دہلی میں پائی پھر دارالعلوم مئو (ضلع اعظم گڑھ) میں پڑھا۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند میں دو سال رہ کر ۱۳۴۵ھ میں دورۂ حدیث کے امتحان میں سب سے زیادہ کامیابی کے نمبر حاصل کئے۔

فراغت کے بعد امروہہ کے مدرسہ چلّہ میں تین سال درس و تدریس میں گزارے چار سال تک دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بحیثیت شیخ الحدیث کے درس دیا ۱۳۵۳ھ میں بریلی سے "الفرقان" کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا۔ "الفرقان" کی دو خاص اشاعتیں "مجدد الف ثانی نمبر" اور شاہ ولی اللہ نمبر کے نام سے شائع کیں، ابتداءً "الفرقان" کا رخ مناظرہ کی جانب رہا، پھر ۱۹۴۲ء/۱۳۶۱ھ سے الفرقان ایک علمی اور دینی پرچے میں تبدیل ہو گیا، ۱۳۶۳ھ سے تبلیغی جماعت سے وابستہ ہیں، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے بھی رکن ہیں۔

مولانا نعمانی اردو کے کامیاب مضمون نگار اور مصنف ہیں، اُن کی تصانیف عام فہم ہوتی ہیں، طرزِ نگارش سادہ، سلیس اور شگفتہ ہے۔ عوام اور خواص دونوں حلقوں میں اُن کی کتابیں مقبول اور پسندیدہ ہیں، معارف الحدیث جس کی اب تک چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں احادیثِ نبوی کا ایک جامع انتخاب اور شاہکار ہے، جس میں احادیث کی تشریح میں اس دور کی نفسیات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔

اسلام کیا ہے؟ دین و شریعت اور "قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ اُن کی نہایت معرکہ آرا تصانیف ہیں، ان کے علاوہ کلمۂ طیبہ کی حقیقت، نماز کی حقیقت، آپ حج کیسے کریں؟ برکاتِ رمضان، تحقیق مسئلہ ایصالِ ثواب تصوف کیا ہے؟ تذکرہ امام ربانی

وغیرہ آپ کی مشہور ترین تصانیف ہیں اور مقبولِ عام بھی ہیں۔ آپ مجلسِ شوریٰ کے سب سے پرانے رکن ہیں۔

[illegible]

کے قریب وہ ارشیا بھی ضلع بھیجے گئے تھے وہ انہی کی نگرانی میں کام کرتے تھے، انھوں نے بڑی محنت اور تندہی کے ساتھ کام کیا، سنہ [illegible]ھ کے اواخر میں وہ لاہور چلے گئے، اور وہاں اورینٹل کالج کے شعبۂ تدریس سے وابستہ ہوگئے تھے، آخر میں جامعۂ مدینہ لاہور کے صدر مدرس رہے، جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے لئے صدر الدین شیرازی کی کتاب اسفارِ اربعہ کی چوتھی جلد کا ترجمہ کیا۔

ابھی چند سال ہوئے لاہور میں راہئ ملکِ بقا ہوئے۔

مولانا قاری محمد طیب صاحب

حضرت نانوتویؒ کے پوتے ہیں، ۱۳۱۵ھ میں پیدا ہوئے تاریخی نام "مظفر الدین" ہے۔ ۷ سال کی عمر میں دارالعلوم میں داخل کیا گیا دو سال کی قلیل ترین مدت میں قرآن مجید، قرأت و تجوید کے ساتھ حفظ کیا، پانچ سال فارسی اور ریاضی کے درجات میں تعلیم حاصل کرکے عربی کا نصاب شروع کیا، جس سے ۱۳۳۷ھ میں فراغت اور سندِ فضیلت حاصل کی، دورانِ تعلیم میں آپ کی آبائی نسبت کے سبب سے اساتذہ نے اعلیٰ پیمانے اور مخصوص طور پر تعلیم و تربیت میں حصہ لیا، حدیث کی خصوصی سند آپ کو وقت کے مشاہیر علماء و اساتذہ سے حاصل ہوئی، علامۃ العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ علم حدیث میں آپ کے خاص اُستاذ ہیں، سنہ ۱۳۳۹ھ میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے بیعت کی، حضرت کی وفات کے بعد مولانا انور شاہ رحمہ اللہ کی طرف رجوع کیا اور تربیت حاصل کی اور سنہ ۱۳۵۰ھ میں حضرت تھانویؒ نے خلافت سے سرفراز فرمایا۔

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھئے دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ دینی و علمی مساعی باب دوم

تکمیل کے بعد آپ نے دارالعلوم میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، ذاتی علم و فضل، ذہانت و ذکاوت اور آبائی نسبت و وجاہت کے باعث بہت جلد طلباء کے حلقے میں آپ کے ساتھ گرویدگی پیدا ہو گئی، اوائل ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء میں نائب مہتمم کے منصب پر آپ کا تقرر کیا گیا، جس پر اوائل ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء تک آپ اپنے والد ماجد اور حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ کی زیر نگرانی ادارۂ اہتمام کے انتظامی معاملات میں حصہ لیتے رہے، وسط ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء میں مولانا حبیب الرحمن صاحب کے انتقال کے بعد آپ کو مہتمم بنا دیا گیا دارالعلوم نے آپ کے زمانۂ اہتمام میں نمایاں ترقی حاصل کی ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء میں جب آپ نے انتظام دارالعلوم کی باگ ڈور ہاتھ میں لی تو اس کے انتظامی شعبے آٹھ تھے، جن کی تعداد اب چوبیس تک پہنچ چکی ہے، اُس وقت دارالعلوم کی آمدنی کا بجٹ ۵۰۲۶۲ روپے سالانہ تھا، آپ کے زمانے میں ۴۰ لاکھ تک پہنچ گیا ہے، ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء میں دارالعلوم کے عملے میں ۴۵ افراد تھے، اور اب ان کی تعداد پونے دو سو تک پہنچ چکی ہے، اُس وقت اساتذہ کی تعداد ۱۸ تھی اور اب ۵۹ ہے طلباء کی تعداد ۴۸۰ تھی اور اب ڈیڑھ ہزار سے زائد ہے، اسی طرح عمارتوں میں بھی نمایاں اضافہ ہوا ہے، دارالتفسیر، دارالافتاء، دارالقرآن، مطبخ جدید، فوقانی دارالحدیث بالائی مسجد، باب الظاہر، جامعہ طبیہ، جدید دو منزلہ دارالاقامہ، مہمان خانہ، کتب خانہ کے مجیدیہ ہال وغیرہ جیسی عظیم الشان عمارتوں کی تعمیر و تکمیل ممدوح ہی کے دورِ اہتمام کی یادگاریں ہیں

علمی سلسلے میں درس و تدریس کے علاوہ وعظ اور خطابت و تقریر میں آپ کو خداداد ملکہ اور قوتِ بیان حاصل ہے اور زمانۂ طالب علمی ہی سے آپ کی تقریریں پبلک جلسوں میں شوق کے ساتھ سنی جاتی ہیں، اہم سے اہم مسائل پر دو، دو، تین، تین گھنٹے مسلسل تقریر کرنے میں آپ کو کوئی تکاوٹ اور تکلف نہیں ہوتا، حقائق اور اسرارِ شریعت کے بیان اور ایجاد معانی میں آپ کو خاص قدرت حاصل ہے، جدید تعلیم یافتہ طبقہ آپ کے علمی اور حکیمانہ اسلوب بیان

سے خاص طور پر محظوظ ہوتا ہے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور دوسری یونیورسٹیوں میں آپ کی تقریریں خاص طور پر مقبول ہیں، اور بعض معرکۃ الآرا تقریریں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے شائع ہو چکی ہیں، ملک کا کوئی صوبہ اور خطہ ایسا نہیں جس میں آپ کی تقریروں کی گونج نہ پہونچی ہو۔

بیرونی ممالک میں افغانستان، برما، جنوبی افریقہ، مشرقی افریقہ، زنجبار، کینیا، روڈیشیا، ری یونین، عدن، کویت، حجاز، مڈغاسکر، حبش (اتھوپیا) مصر، انگلینڈ، فرانس اور جرمنی وغیرہ ممالک کا دورہ فرما چکے ہیں، حضرت مولانا احمد سعید صاحب مرحوم ناظم جمعیۃ علماء ہند کا آپ کے بارے میں مشہور مقولہ ہے کہ اب تک کے مہتممین دارالعلوم ثوابت تھے اور مولانا محمد طیب سیارہ ہیں، ہر جگہ آپ کو سپاسنامے دیئے گئے اور لوگوں کو دارالعلوم سے دلچسپی پیدا ہوئی اور اس کے مسلک کی اشاعت ہوئی۔

دارالعلوم کے انتظامی امور کے علاوہ جن چیزوں سے آپ کو طبعی دلچسپی ہے وہ تعلیم وتدریس اور دعوت وتبلیغ ہیں ان کمالات کی وجہ سے ملک میں آپ کو امتیازی مقام حاصل ہے، تحریری ذوق مطالعہ کتب اور تصنیف وتالیف ہے، آپ کا یہ مشغلہ دارالعلوم کے انتظامی معاملات اور اوقاتِ درس وتدریس کے علاوہ ہمیشہ جاری رہتا ہے، بالخصوص دورانِ سفر کے فارغ اوقات اسی میں صرف ہوتے ہیں، زمانۂ قیام میں عصر سے مغرب تک مردانے میں عمومی مجلس کا معمول رہتا ہے، جس کا موضوع عموماً علمی مذاکرے ہوتے ہیں، شاعری سے بھی مناسبت ہے، آپ کے کلام کا مجموعہ عرفانِ عارف کے نام سے شائع ہو چکا ہے جس میں اُردو، فارسی اور عربی کا کلام جمع کر دیا گیا ہے۔

ان گوناگوں مصروفیتوں کے ساتھ بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی سفر اور حضر میں جاری رہتا ہے، آپ کے مریدین کا حلقہ کافی وسیع ہے، جو ہند و بیرونِ ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔ تصانیف کا عدد سو کے قریب ہے، جو مختلف اسلامی موضوعات پر لکھی گئی ہیں۔

اتحاد کے لئے وہ مسلسل جدوجہد کرتے رہے، مشرقی پنجاب میں مساجد اور اسلامی اوقاف کی واگزاری کی کوشش میں لگے رہے۔ مظلوموں اور ضرورت مندوں کی خدمت گزاری اُن کا عزیز ترین مشغلہ تھا۔

ابھی عمر کی چند منزلیں ہی طے کرنے پائے تھے کہ ۱۱ صفر ۱۳۷۶ھ کو راہی ملکِ بقا ہو گئے۔ انھیں جامع مسجد شاہجہانی کے ملحقہ قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔

مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن کے خلف الرشید ہیں ۱۳۱۹ھ میں دیوبند میں پیدا ہوئے، تاریخی نام "ظفر الحق" ہے۔ ۹ سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا، شروع سے آخر تک دارالعلوم کے اساتذہ سے پڑھا، ۱۳۳۴ھ میں فارغ التحصیل ہوئے بلکہ ۱۳۳۴ھ سے ۱۳۴۶ھ تک دارالعلوم میں معین المدرس رہے، اسی کے ساتھ افتاء کا کام بھی کرتے رہے، ۱۳۴۶ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے، وہاں پانچ سال تک مفتی اور مدرس رہے، اور ۱۹۳۰ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی تحریک نمک سازی کے زمانے میں سیاسی دلچسپی کے باعث اپنے رفیق حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے مستعفی ہو گئے۔ اور پانچ سال تک کلکتہ میں تفسیر، افتاء اور تبلیغ کی خدمات انجام دیں۔ وہاں مفتی صاحب کو بڑی مقبولیت حاصل ہو گئی تھی، اسی زمانے میں انھوں نے ندوۃ المصنفین کا خاکہ تیار کیا۔ ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء میں ان کی جدوجہد سے یہ ادارہ قرول باغ دہلی میں قائم ہو گیا، اس ادارے کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی علوم کی نشر و اشاعت کی گراں قدر خدمات انجام دی جائیں، چنانچہ ندوۃ المصنفین نے اب تک ایک سو سے زیادہ گراں قدر کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جو تفسیر و حدیث، تاریخ، لغت اخلاق اور سیاسیات کے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ندوۃ المصنفین نے ایک بلند پایہ ماہنامہ

"برہان" بھی نکلتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب شروع سے لے کر اب تک ندوۃ المصنفین کے ناظم اور روح رواں رہے ہیں۔ اُن کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کی قیامت خیز تباہی کے باوجود نہ صرف اس ادارہ کو زندہ رکھا بلکہ اپنی ہمت مردانہ سے اس میں از سر نو جان ڈالی اور اُجڑے ہوئے گلستان کو دوبارہ چمنستان بنا دیا۔

مفتی صاحب کا شمار ملک کے ممتاز اور بالغ نظر ارباب علم و فضل میں ہے، بہت سے علمی اور دینی اداروں کے ممبر ہیں۔ عرصے سے مسلم یونیورسٹی کورٹ علی گڑھ کے ممبر بھی ہیں۔ جمعیۃ العلماء ہند کے کاموں میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰنؒ کے ہمیشہ دست راست رہے ہیں، اُن کے انتقال کے بعد جمعیۃ العلماء کے ورکنگ صدر بنائے گئے، آج کل مجلس مشاورت کے صدر ہیں، قومی اور ملی کاموں سے انھیں ابتدا ہی سے تعلق رہا ہے۔

تحریر اور تقریر دونوں پر انھیں یکساں قدرت حاصل ہے، ندوۃ المصنفین اور قومی و ملی کاموں کی مصروفیت کے باعث اگرچہ خود ان کی کوئی تصنیف سامنے نہیں آسکی، مگر ندوۃ المصنفین سے شائع ہونے والی کتابیں درحقیقت انھیں کے ذوق تصنیف اور حسن تدبیر کی آئینہ دار ہیں، خودداری، آزادیٔ ضمیر، حریت نفس، معاملہ فہمی، نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی اُن کے مخصوص اوصاف ہیں۔

۱۳۶۵ھ سے دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں، مجلس میں اُن کی رائے کو نمایاں مقام حاصل ہے۔

مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی

اوائل جمادی الثانی ۱۳۲۵ھ میں گنگوہ میں پیدا ہوئے۔ مظاہر علوم سہارن پور اور دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۵۱ھ میں مظاہر علوم سہارن پور سے حدیث کی تکمیل کی، اور وہیں تقریباً ۲۰ سال تک افتاء اور درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے، پھر مدرسہ جامع العلوم کان پور میں ۱۳۷۱ھ سے ۱۳۸۵ھ تک ۱۴ سال کے قریب مسندِ صدارت و افتاء پر فائز رہے، کان پور کے لوگوں پر اُن کے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور بزرگی کا بڑا اثر ہے۔

۱۳۸۵ھ میں انھیں دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں مفتی کے منصب کے لیے منتخب کیا گیا، جس پر تا ایندم فائز ہیں، فتویٰ نویسی کے علاوہ صحیح بخاری جلد دوم کا درس بھی طلباء کو دیتے ہیں۔

مفتی صاحب کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے، مگر اُن کے لکھے ہوئے بعض اہم فتاویٰ مختلف رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں، کان پور کا ماہانہ رسالہ "نظام" برسہا برس سے اُن کی سرپرستی میں شائع ہو رہا ہے۔ فتاویٰ میں طرزِ تحریر اختصار پسندانہ ہے۔

مفتی صاحب کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سے خلافت و اجازت حاصل ہے، ان کی قیام گاہ ذاکرین کے ذکر سے معمور رہتی ہے، وہ نہایت منکسر المزاج، متواضع کثیر المطالعہ ذاکر و شاغل، فراخ حوصلہ اور سیر چشم بزرگ ہیں، ان کو دیکھ کر علمائے سلف کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، ان کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ دارالعلوم سے اُنھیں جو مشاہرہ ملتا ہے اُس کو وہ ہر ماہ نہ صرف یہ کہ دارالعلوم میں داخل کر دیتے ہیں، بلکہ اس میں مزید کچھ اور روپے بھی شامل فرما دیتے ہیں، ان کا یہ عمل بلاناغہ جاری ہے۔

مولانا مفتی نظام الدین

۱۳۲۸ھ میں اپنے وطن موضع اوندرا ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وطن کے مکاتب میں

ی پھر مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور (اعظم گڑھ) میں داخلہ لیا، بعد ازاں مدرسہ مسعودیہ بہار شریف اور مدرسہ عالیہ سہسرام ... میں عالی کے درجات تک تحصیل علم کی، آخر میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۵۶ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔

اولاً مدرسہ جامع العلوم جین پور (اعظم گڑھ) اور گورکھپور میں تدریسی خدمت انجام دی، پھر مدرسہ دارالعلوم مئوناتھ بھنجن میں مدرس اور افتاء کے منصب پر فائز ہوئے۔ ۱۳۸۵ھ میں دارالعلوم دیوبند کی طلب پر دارالعلوم میں افتاء کا منصب تفویض ہوا، جس پر اب تک فائز ہیں۔ فتویٰ نویسی کا اچھا ملکہ حاصل ہے۔ فتاویٰ میں ان کے جوابات مفصل ہوتے ہیں۔ ان کے اکثر اہم فتاویٰ رسالہ "دارالعلوم" دیوبند میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہ سے بیعت و خلافت کا شرف حاصل ہے۔ طبیعت میں سادگی اور وقار نمایاں ہے۔

مولانا منت اللہ رحمانی

۹ر جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ کو خانقاہ رحمانی مونگیر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد علیؒ[1] (وفات ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء) اپنے وقت کے یگانۂ روزگار عالم اور حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ[2] (وفات ۱۳۱۳ھ) کے اجلۂ خلفاء میں سے تھے، قرآن شریف اور فارسی عربی کی ابتدائی تعلیم وطن میں پائی، ۱۱ سال کی عمر میں حیدرآباد دکن چلے گئے۔ وہاں ایک سال رہکر مفتی عبداللطیف صاحب (وفات ۱۳۶۹ھ/۱۹۲۷ء) سے عربی صرف ونحو اور منطق کی کتابیں پڑھیں، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوکر چار سال تک زیرِ تعلیم رہے، اسی دوران میں اُس وقت کے نامور عالم مولانا حفیظ اللہ (وفات ۱۳۶۲ھ) سے حجۃ اللہ البالغہ کا درس لیا، ندوۃ العلماء کے ممتاز طلباء میں مولانا رحمانی کا شمار ہوتا تھا۔ ۱۳۴۹ھ میں تکمیلِ علوم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور ۱۳۵۲ھ میں دارالعلوم سے سندِ فراغ حاصل کی، حضرت مولانا مدنیؒ کے مخصوص تلامذہ میں ہیں۔ انگریزی زبان سے بھی بقدرِ ضرورت واقفیت ہے تقریر و تحریر دونوں میں بہرۂ وافر رکھتے ہیں، متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، اُن کا طرزِ نگارش سادہ، عام فہم اور دل کش ہے۔ انھیں زبان وبیان پر پوری طرح قدرت حاصل ہے۔

۱۳۵۵ھ میں بہار اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے، ۱۳۶۱ھ میں خانقاہ رحمانی کے سجادہ نشین بنائے گئے، خانقاہ رحمانی کو اُن کے والد ماجد نے مشرقی ہندوستان میں ایک بڑا علمی، دینی اور تبلیغی مرکز بنادیا تھا، مسندِ سجادگی پر متمکن ہونے کے بعد خلقِ خدا کی اصلاح پر متوجہ

---

[1] حضرت مولانا سید محمد علیؒ کے حالات کے لئے سیرت مولانا سید محمد علی دیکھئے۔ [2] تفصیل کے لئے تذکرہ مولانا فضلِ رحمٰن مصنفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے مراجعت کی جائے۔

[illegible] کی امارت شرعیہ [illegible]

[illegible] مسلمانوں کی رہنما ہے [illegible]

ان کی ذات شریعت و طریقت کے ایک سنگم کی حیثیت رکھتی ہے ۔

جامعہ رحمانی کا اور سب سے اہم اسباب کی غیر معمولی ترقی اُن کا ایک اہم علمی اور انتظامی کارنامہ ہے ۔ جامعہ رحمانی کا شمار اس وقت بہار کے بڑے دینی مدارس میں ہوتا ہے ۔

جامعہ رحمانی کے کتب خانے نے اُن کے زمانے میں بڑی ترقی کی ہے ۔ کتب خانے میں قدیم و جدید علوم کی منتخب کتابوں کا گراں قدر ذخیرہ موجود ہے ۔

مولانا رحمانی کے زمانے میں امارت شرعیہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا ہے ، بہار او ر اڑیسہ میں جا بجا اس کی شاخیں قائم ہوئیں ، یہ ادارہ شرعی قوانین کو اپنے حلقۂ اثر میں قائم کئے ہوئے ہے ۔

مولانا رحمانی نے [illegible] ہندوستان کے نمائندے کی حیثیت سے شرکت فرمائی [illegible] علمی اور ثقافتی سفر کی تاریخی یادگار ہے ۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے مسلمانوں کے عائلی قوانین کے سلسلے میں تحریک زبردست [illegible] یہ ہے کہ مختلف مسالک و مکاتب فکر کے علماء کو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (صدر مسلم پرسنل لا بورڈ) نے ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا تھا ، مولانا رحمانی کو ان سب مختلف جماعتوں کا اعتماد حاصل ہے ۔

[illegible]

[illegible] آپ نے [illegible]

[illegible]

[illegible] تھا۔ آپ کو مشہور و معروف خطاطی [illegible]

آپ کے سینکڑوں شاگرد برصغیر میں بکھرے ہوئے ہیں۔ [illegible]

محبت تھی۔ اس عقیدت و محبت کی وجہ سے آپ نے اپنے ایک صاحب زادے کا نام "ممتاز" رکھا۔ مولانا اشتیاق صاحب کو استاد نوازی کا یہ صلہ ملا کہ ان کے شاگردوں نے بھی انھیں اپنی زندگی کے کسی موڑ پر نظر انداز نہیں کیا۔ آپ کی وفات پر ان کے سینکڑوں شاگردوں نے حضرت مہتمم صاحب کو تعزیتی خطوط روانہ کیے۔

"فن کتابت" آپ کا آبائی پیشہ بن چکا تھا۔ اور یہ فن آپ کی آل اولاد میں نسلاً بعد نسل برابر منتقل ہوتا ہے۔

آپ کے دونوں لڑکے منشی امتیاز بھی۔ اور منشی ممتاز احمد صاحب دونوں اس فن کے ماہر ہیں۔ آپ کے داماد منشی محمد احمد صاحب بھی بہت کاتب تھے۔ سنہ ۱۹۷۶ء میں آپ کا انتقال ہو گیا تھا۔ آپ کی ایک صاحبزادی بھی بہت اچھی کاتبہ ہیں۔ پاکستان میں آفسیٹ کا کام کرتی ہیں۔ کتابت آپ کی تیسری پشت میں بھی منتقل ہو چکا ہے آپ کے نواسے دلشاد احمد[1]، سرفراز احمد، منصور احمد[2] تینوں کاتب ہیں، اور ان تینوں کا شمار دیوبند کے اچھے کاتبوں میں ہوتا ہے۔

[1] دلشاد صاحب نے تاریخ دارالعلوم لکھی ہے۔

[2] منصور صاحب تجلی کے مستقل کاتب ہیں۔

[illegible]

ہو گئے، بہار، اڑیسہ اور بنگال میں اُن کے مریدین و مسترشدین کا ایک وسیع حلقہ [illegible] ہے دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن ہیں، مجلس میں اُن کی اصابتِ رائے کو اہم مقام حاصل ہے، ۱۳۷۶ھ میں اُن کو امارتِ شرعیہ صوبہ بہار و اڑیسہ کا امیر شریعت منتخب کیا گیا، افادۂ باطنی کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا مشغلہ بھی جاری رہتا ہے، غرض کہ ان کی ذات شریعت و تصوف کے ایک حسین سنگم کی حیثیت رکھتی ہے۔

جامعہ رحمانی کا از سرِ نو قیام اور اس کی غیر معمولی ترقی اُن کا ایک اہم علمی اور انتظامی کارنامہ ہے، جامعہ رحمانی کا شمار اس وقت بہار کے بڑے دینی مدارس میں ہوتا ہے، جامعہ رحمانی کے کتب خانے نے اُن کے زمانے میں بڑی ترقی کی ہے، کتب خانے میں قدیم و جدید علوم کی منتخب کتابوں کا گراں قدر ذخیرہ موجود ہے۔

مولانا رحمانی کے زمانے میں امارتِ شرعیہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا ہے، بہار اور اڑیسہ میں جابجا اس کی شاخیں قائم ہیں، یہ ادارہ شرعی قوانین کو اپنے حلقۂ اثر میں قائم کئے ہوئے ہے۔

مولانا رحمانی ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۴ء میں مؤتمر عالم اسلامی قاہرہ (مصر) میں ہندوستان کے نمائندے کی حیثیت سے شرکت فرما چکے ہیں، سفرنامۂ مصر اس علمی اور ثقافتی سفر کی تاریخی یادگار ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے مسلمانوں کے عائلی قوانین کے سلسلے میں اُن کی زبردست خدمات ہیں اُن کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ جن مختلف المسالک نمائندگانِ مذہب کو حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب (صدر مسلم پرسنل لا بورڈ) نے ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا تھا، مولانا رحمانی کو ان سب مختلف المسالک جماعتوں کا اعتماد حاصل ہے۔

مولانا اشتیاق احمد

علمی حلقہ میں مولانا اشتیاق احمد صاحب کا نام مشہور ومعروف ہے۔ آپ کو عربی زبان پر بڑا عبور حاصل تھا علامہ ابن جوزیؒ کے رشحات کو اردو کا جامہ پہنا کر آپ نے لطائف علمیہ کے نام سے پیش کیا جو بے مقبول ہوا۔

آپ دارالعلوم کے شعبہ کتابت کے صدر تھے اور آپ کا شمار ہندوستان کے صفِ اول کے کاتبوں میں ہوتا تھا۔ آپ کو مشہور ومعروف خطاط منشی ممتاز علی میرٹھی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔

آپ کے سینکڑوں شاگرد برصغیر میں بکھرے ہوئے ہیں۔ آپ کو اپنے استاد سے بڑی محبت تھی۔ اس عقیدت ومحبت کی وجہ سے آپ نے اپنے ایک صاحب زادے کا نام "ممتاز" رکھا۔ مولانا اشتیاق صاحب کو استاد نوازی کا یہ صلہ ملا کہ ان کے شاگردوں نے بھی انھیں اپنی زندگی کے کسی موڑ پر نظر انداز نہیں کیا۔ آپ کی وفات پر ان کے سینکڑوں شاگردوں نے حضرت مہتمم صاحب کو تعزیتی خطوط روانہ کیے۔

"فنِ کتابت" آپ کا آبائی پیشہ بن چکا تھا۔ اور یہ فن آپ کی آل اولاد میں نسلاً بعد نسل برابر منتقل ہو رہا ہے۔

آپ کے دونوں لڑکے منشی امتیاز سمیع۔ اور منشی ممتاز احمد صاحب دونوں اس فن کے ماہر ہیں۔ آپ کے داماد منشی محمد احمد صاحب بھی بہت کاتب تھے۔ ۱۹۷۶ء میں آپ کا انتقال ہوگیا تھا آپ کی ایک صاحبزادی بھی بہت اچھی کاتبہ ہیں۔ پاکستان میں آفسیٹ کا کام کرتی ہیں۔ کتابت کا فن آپ کی تیسری پشت میں بھی منتقل ہو چکا ہے آپ کے نواسے دلشاد احمد[۱]، سرفراز احمد، منصور احمد[۲] تینوں کاتب ہیں، اور ان تینوں کا شمار دیوبند کے اچھے کاتبوں میں ہوتا ہے۔

---

[۱] دلشاد صاحب نے "تاریخ دارالعلوم" لکھی ہے۔

[۲] منصور صاحب تجلی کے مستقل کاتب ہیں۔

آپ کی ایک پوتی بھی کتابت کے فن سے واقف ہو چکی ہیں۔

مولانا اشتیاق صاحبؒ کے نام پر دیوبند میں اشتیاق بکڈپو نامی ایک کتب خانہ بھی قائم ہے۔ شعبہ کتابت میں اب عہدۂ صدارت پر مولانا کے صاحبزادے منشی امتیاز نسیمی فائز ہیں۔ مولانا نے ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ کو وفات پائی۔ اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہیں۔

مولانا عبدالاحد صاحبؒ

مولانا عبدالاحد صاحبؒ مولانا عبدالسمیع صاحبؒ کے صاحبزادے تھے۔ آپ ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۹۳۶ء میں تعلیم کی بسم اللہ ہوئی۔ ۴۳ء میں پیر جی شریف گنگوہی مرحوم سے قرآن مجید حفظ کیا۔ تین سال میں شعبۂ فارسی سے فارسی زبان کی تعلیم مکمل کی۔

۱۹۴۵ء میں پہلی بار آپ نے تراویح میں قرآن حکیم پڑھا۔ ۱۹۵۵ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔ امتحانات میں آپ ہمیشہ اعلیٰ نمبروں سے پاس ہوئے۔

۱۹۵۷ء میں دارالعلوم دیوبند میں درس وتدریس کی خدمت کے لئے مامور ہوئے آپ کو مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کا شرف حاصل تھا۔ دیوبند کی جامع مسجد میں بالعموم جمعہ کی نماز آپ ہی پڑھاتے تھے — دیوبند کے عوام کو آپ سے بےحد محبت تھی۔ آپ کی نماز جنازہ میں کثیر مجمع تھا۔ قاسمی قبرستان میں مدفون ہیں۔

اطلاع نامہ بابت ماہنامہ تجلی ازروئے فارم نمبر ۴

وقفۂ اشاعت — ایک ماہ ۔ مالک پرنٹر و پبلشر — نسیم فاطمہ ۔ ایڈیٹر — حسن احمد صدیقی

وطنیت — ہندوستانی ۔ پتہ — محلہ ابوالمعالی دیوبند

میں ایڈیٹر حسن احمد صدیقی تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا اطلاعات میری معلومات کی حد تک درست ہیں۔

حسن — بقلم خود

تصوف کی حقیقت

تصوف کیا ہے؟

" صرف " تصحیح نیت " اس کے سوا کچھ نہیں، جس کی ابتدا " اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتُ " سے
ہوتی ہے اور انتہا " اَنْ تَعْبُدَ اللہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ " ہے "

" اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یاداشت کہتے ہیں، اسی کو حضوری کہتے ہیں "
" ذکر بالجہر بھی اس کے واسطے ہے، مجاہدہ و مراقبہ بھی اسی کے واسطے ہے اور
جس کو اللہ جل شانہٗ اپنے لطف و کرم سے کسی بھی طرح سے یہ دولت
(یعنی " تصحیح نیت ") عطا کر دے۔ اس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں "

(از ملفوظات حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدفیوضہم)

ماہنامہ

جماعت کی صحت اور تندرستی کے لیے روحِ تنقید کے فقدان سے
بڑھ کر کوئی چیز نقصان دہ نہیں ہے اور تنقیدی فکر کو دبانے سے
بڑھ کر جماعت کے ساتھ اور کوئی بدخواہی نہیں ہو سکتی۔ یہی وہ
چیز ہے جس کے ذریعہ سے خرابیاں بروقت سامنے آجاتی ہیں اور
ان کی اصلاح کی سعی کی جاسکتی ہے۔ (مولانا مودودیؒ)

ماہنامہ **تجلی** دیوبند

جلد: ۳۲	مئی ۱۹۸۰ء	شمارہ: ۵

مدیر: حسن احمد صدیقی

مضامین

سالانہ قیمت ——— چوبیس ۲۴ روپے
وی۔ پی سے طلب کرنے پر ——— اٹھائیس ۲۸ روپے
فی کاپی ——— دو ۲ روپے

پرنٹر پبلشر نسیم فاطمہ نے بمبئی آرٹ پریس دہلی میں طبع کراکر
دفتر ماہنامہ تجلی دیوبند سے شائع کیا۔

احوالِ واقعی

قارئین تجلّی کے لیے اس سے زیادہ تکلیف دہ بات کیا ہوگی کہ ان کے اس محبوب ماہنامہ کی اشاعت بروقت نہ ہو اور دو۲ اشاعتوں کے درمیان وقت کا ایک طویل فاصلہ تو انتہائی اذیت ناک ہے۔ ہم تجلّی سے محبت رکھنے والے خریداروں کے لیے اس باب میں کسی عذر کو وجہ جواز بناکر پیش کرنا پسند نہیں کرسکتے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ "جبر و اختیار" میں فصل اتنا کم ہے کہ اکثر و بیشتر انسان مجبورِ محض نظر آتا ہے۔ جن نازک ترین حالات کے طوفانی دھارے نے تجلّی کے وجود کو عدم وجود بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ ان کا تذکرہ خالصتہً ذاتیات میں داخل ہے۔ ظاہر ہے کہ تجلّی کے قارئین کرام کو ان کی تفصیلات سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔ اس لیے ہم ان سب باتوں کا ذکر حذف کرتے ہوئے ارحم الراحمین کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے تجلّی کو حیات تازہ عطا فرمائی اور ہم اس لائق ہوسکے کہ اس چراغ کو روشن رکھنے کی از سرِ نو سعی کرسکیں اور الحمدللہ کہ جب ڈگمگاتا سفینہ کنارے پر آ ہی لگا ہے تو ستم و جورِ ناخدا کا بیان مستحسن ہی کب ہے!

فروری کی اشاعت کے بعد مارچ، اپریل کا مشترک ضخیم و خوبصورت شمارہ دارالعلوم دیوبند نمبر کی شکل میں پیش کیا جاچکا ہے۔ اب مئی کا یہ زیرِ نظر شمارہ نذرِ قارئین ہے۔ گر قبول افتد.....

قارئین سے گزارش ہے کہ اس کے حسن و قبح اور اپنی پسند و ناپسند کے باب میں ہمیں جلد سے جلد آگاہ فرمادیں۔ ہم بہرحال اپنے قارئین کو ساتھ لے کر آگے بڑھنے کے متمنی ہیں۔ (ادارہ)

اس ○ دائرہ میں سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے۔ آپ براہِ کرم آئندہ کے لیے سالانہ قیمت منی آرڈر سے روانہ فرمادیں یا وی۔ پی روانہ کرنے کی اجازت دیں۔ کسی مجبوری میں فی الحال آپ سلسلہ خریداری جاری نہ رکھنا چاہیں تو ایک پوسٹ کارڈ کے ذریعہ خریداری مطلع کردیں۔ (مینیجر تجلّی)

آغازِ سخن

حسبِ پروگرام ۲۱، ۲۲، ۲۳ مارچ کو دارالعلوم دیوبند کا سو سالہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی تیاریاں محدود انداز میں کم و بیش بیس سال سے جاری تھیں۔ لیکن ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن کے بعد ان تیاریوں میں تیزی اور شدت پیدا ہو گئی۔ اجلاس کے ناظم اعلیٰ مولانا حامد الانصاری غازی بنائے گئے تھے ان کے استعفیٰ دینے کے بعد نظامت علیہ کی ذمہ داریاں مولوی محمد اسلم صاحب قاسمی کو تفویض کی گئیں۔ مولوی محمد اسلم صاحب یقیناً ایک محنتی اور فعال آدمی ہیں انہوں نے اجلاس کے سلسلہ میں صرف ایران توران کی باتیں بنانے اور بے روح الفاظ کا غازی بننے پر قناعت نہیں کی بلکہ وہ اجلاس کو منعقد کرنے کی اور حتی الامکان اسے کامیاب بنانے کی فکر میں شب و روز مصروف جہد رہے۔

اجلاس کی تیاریوں کے دوران انھوں نے متعدد کارنامے انجام دیئے۔ منجملہ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دارالعلوم کے تمام مدرسین کو اپنے ساتھ لگائے رکھا۔ چنانچہ جو لوگ "عہد غازی" میں اجلاس میں دلچسپی لینے کے لئے تیار نہ تھے وہ "زمانۂ اسلم" میں "خادم محض" بنکر رہ گئے۔ مولوی اسلم کے بعد تعریف و تحسین کے سب سے زیادہ مستحق مولانا وحید الزماں کیرانوی ہیں جنھوں نے دن اور رات کی مسلسل جد و جہد سے دارالعلوم دیوبند کا نقشہ ہی بدڈالا۔ اور دارالعلوم دیوبند کی وہ عمارت جو صورتاً کل تک بے کشش لگتی تھی۔ آج دیدہ زیب اور پرکشش محسوس ہونے لگی۔ مولوی اسلم صاحب اور مولانا وحید الزماں صاحب کے علاوہ اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق دارالعلوم دیوبند سے متعلق اور غیر متعلق سبھی حضرات نے بھاگ دوڑ کی اور یہ بھاگ دوڑ کا سلسلہ اجلاس کے نمٹ جانے تک جاری رہا۔

یہ سب حضرات تحسین و ستائش اور انعام و اکرام کے مستحق ہیں۔ ان کے علاوہ وہ تمام حضرات بھی تشکر و امتنان اور اجر و جزا کے حقدار ہیں۔ جنھوں نے دام و درم سے دارالعلوم کی بھرپور مدد کی اور اجلاس صدسالہ کے سلسلہ میں ہونے والے تقریباً ایک کروڑ روپے کے اخراجات جھیل کر برداشت کئے اور صرف یہی نہیں بلکہ مزید ایک کروڑ روپیہ دارالعلوم دیوبند کو عنایت کیا۔

علاوہ ازیں مولانا اسعد صاحب نے ریلوے ٹکٹ میں کنسیشن کرا کر ایک عظیم خدمت انجام دی۔

چالیس لاکھ افراد کی آمد

اربابِ اجلاس کا اندازہ یہ تھا کہ دو تین لاکھ سے زیادہ افراد جلسے میں شریک نہیں ہوں گے یہ اندازہ انتہائی غلط ثابت ہوا۔ اس کی غلطی کا احساس بہت پہلے

سے حضرات کو ہو گیا تھا۔ لیکن یہ حضرات وہ حضرات تھے۔ جن کے مشوروں کی رسائی اجلاس صد سالہ کے دفتر تک نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ حضرات دفتر سے باہر چیختے رہے کہ مجمع پندرہ بیس لاکھ سے کم نہیں ہوگا لیکن ان بے چاروں کی آواز نقار خانے میں طوطی کی صدا ثابت ہوئی ارباب اجلاس نے کسی کی نہیں سنی اور وہی اپنے اندازے کے مطابق دو تین لاکھ مہمانوں کے قیام و طعام کا بندوبست کیا۔ مگر انسان تو بیس بائیس لاکھ آئے تھے۔ اور بیس بائیس لاکھ ہی آئے اور یہ بیس بائیس لاکھ بھی وہ تھے جو ایک وقت میں موجود رہے ورنہ آنے جانے والوں کی تعداد چالیس لاکھ سے کم نہیں تھی۔

فضلِ خداوندی کا ظہورِ عام

خدا کا فضل و کرم دیکھئے کہ تین لاکھ انسانوں کے لئے جو پنڈال بنایا گیا تھا اس میں اور اس کے ارد گرد بیس بائیس لاکھ افراد کھپ گئے اور اتنے بڑے مجمع اور اتنی محدود جگہ میں جو بدنظمی اور بدسکونی پھیل جانی ضروری تھی وہ نہیں پھیلی حد تو یہ ہے کہ اس ازدحام کے باوجود کرپشن اور لاقانونیت سے محفوظ رہا کسی کی جیب نہیں کٹی۔ باہم تصادم بھی نہیں ہوا — پولیس والے اِدھر اُدھر کھڑے آخر تک لڈو کھاتے ہی رہے ایک بار بھی انہیں چوکنا ہونے اور رفع بدین کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

اندازہ تھا کہ کھانا کم پڑ جائے گا۔ ہوٹل والوں کو ارباب اجلاس کی طرف سے زبردست تاکید تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ کھانوں کا بندوبست رکھیں۔ لیکن رحمتِ خداوندی کے قربان جائیے کہ جو کھانا دو چار لاکھ انسانوں کے لئے تیار کیا گیا تھا وہ بیس بائیس لاکھ انسانوں کے لئے نہ صرف کافی ہوا بلکہ اتنی مقدار میں بچا کہ بڑے کر جیلوں اور گرد و نواح کے کام آیا۔ رحمت و برکت وارد ہی کے لئے [illegible] ہوئی

البتہ ہوٹل والے زبردست ٹوٹے اور نقصان کا شکار ہوئے ممکن ہے کہ انہیں ان کی نیت کا صلہ ملا ہو۔ ہم نے سنا ہے کہ بعض ہوٹل والے سال بھر کی کمائی اس اجلاس دیوبند کے اجلاس ہی میں کمانا چاہتے تھے۔ وہ تجارت کرنے کے موڈ میں تھے جبکہ یہ موقعہ تجارت کا نہیں تھا اخلاص و ایثار کا تھا۔ [illegible] اور مراد آباد کے تبلیغی اجتماعات میں ہوٹل والوں کی طرف سے مہمانوں کو جو سہولتیں دی گئی تھیں وہ ابھی تک نگاہوں کے سامنے گھوم رہی ہیں۔ ہوٹل والے نہ کسی سے [illegible] کسی تاریخ کے کھانا کھلا رہے تھے اس کے باوجود [illegible] نقصان سے دوچار نہیں ہوئے [illegible] نے انہیں برکت سے نوازا انہیں آخرت کا ثواب بھی ملا اور دنیا کا نفع بھی۔

اور اجلاس صد سالہ میں ایثار و احسان کے مظاہرے کی بجائے تنگ نظری اور انقباض کا مظاہرہ ہوا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیاوی نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ اور عاقبت کی خبر خدا جانے۔

پانی کا معقول انتظام تھا۔ [illegible] کے لئے معقول تعداد میں کیمپ بھی قائم کئے گئے تھے۔ لیکن اسی غلط اندازے کے پیش نظر آنے والے دو تین یا چار پانچ لاکھ سے زیادہ نہیں ہوں گے۔

دیوبند رقبہ کے اعتبار سے بڑا قصبہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ اور قاسم پورہ تو دیوبند کی آبادی والی کل زمین کا بیسواں حصہ بھی نہیں۔ دیوبند میں کل پندرہ ہزار مکانات ہیں۔ ان میں ساٹھ ہزار کے قریب انسان بستے ہیں۔ [illegible] بہت سے حضرات کو مکانات کی تنگی اور گھٹن کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن خدا کا کرم دیکھئے کہ قاسم پورہ کی تنگ زمین میں ان محدود کیمپوں میں جو تین چار لاکھ انسانوں کے لئے قائم کئے گئے تھے بیس بائیس لاکھ انسان کھپ گئے۔ اس طرح کہ نہ شکوہ نہ گلا اور نہ تو تو اور نہ میں میں۔

آغازِ سخن

حسبِ پروگرام ۲۱، ۲۲، ۲۳ مارچ کو دارالعلوم دیوبند کا سوسالہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی تیاریاں محدود انداز میں کم و بیش بیس سال سے جاری تھیں۔ لیکن ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن کے بعد ان تیاریوں میں تیزی اور شدت پیدا ہو گئی۔ اجلاس کے ناظمِ اعلیٰ مولانا حامد الانصاری غازی بنائے گئے تھے ان کے استعفیٰ دینے کے بعد نظامتِ عُلیہ کی ذمہ داریاں مولوی محمد اسلم صاحب قاسمی کو تفویض کی گئیں۔ مولوی محمد اسلم صاحب یقیناً ایک محنتی اور فعال آدمی ہیں انہوں نے اجلاس کے سلسلہ میں صرف ایران توران کی باتیں بنانے اور بے روح الفاظ کا غازی بننے پر قناعت نہیں کی بلکہ وہ اجلاس کو منعقد کرنے کی اور حتی الامکان اسے کامیاب بنانے کی فکر میں شب و روز مصروفِ جہد رہے۔

اجلاس کی تیاریوں کے دوران انھوں نے متعدد کارنامے انجام دیئے۔ منجملہ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دارالعلوم کے تمام مدرسین کو اپنے ساتھ لگائے رکھا۔ چنانچہ جو لوگ "عہدِ غازی" میں اجلاس میں دلچسپی لینے کے لئے تیار نہ تھے وہ "زمانۂ اسلم" میں "خادمِ محض" بنکر رہ گئے۔ مولوی اسلم کے بعد تعریف و تحسین کے سب سے زیادہ مستحق مولانا وحید الزماں کیرانوی ہیں۔ جنھوں نے دن اور رات کی مسلسل جد و جہد سے دارالعلوم دیوبند کا نقشہ ہی بدل ڈالا۔ اور دارالعلوم دیوبند کی وہ عمارت جو صورۃً کل تک بے کشش لگتی تھی۔ آج دیدہ زیب اور پرکشش محسوس ہونے لگی۔ مولوی اسلم صاحب اور مولانا وحید الزماں صاحب کے علاوہ اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق دارالعلوم دیوبند سے متعلق اور غیر متعلق سبھی حضرات نے بھاگ دوڑ کی اور یہ بھاگ دوڑ کا سلسلہ اجلاس کے نمٹ جانے تک جاری رہا۔

یہ سب حضرات تحسین و ستائش اور انعام و اکرام کے مستحق ہیں۔ ان کے علاوہ وہ تمام حضرات بھی تشکر و امتنان اور اجر و جزا کے حقدار ہیں۔ جنھوں نے دام و درم سے دارالعلوم کی بھرپور مدد کی اور اجلاس صدسالہ کے سلسلہ میں ہونے والے تقریباً ایک کروڑ روپے کے اخراجات جھیل کر برداشت کئے اور صرف یہی نہیں بلکہ مزید ایک کروڑ روپیہ دارالعلوم دیوبند کو عنایت کیا۔

علاوہ ازیں مولانا اسعد صاحب نے ریلوے ٹکٹ میں کنشیشن کرا کر ایک عظیم خدمت انجام دی۔

چالیس لاکھ افراد کی آمد

اربابِ اجلاس کا اندازہ یہ تھا کہ دو تین لاکھ سے زیادہ افراد جلسے میں شریک نہیں ہوں گے یہ اندازہ انتہائی غلط ثابت ہوا۔ اس کی غلطی کا احساس بہت پہلے بہت

سے حضرات کو ہوگیا تھا۔ لیکن یہ حضرات وہ حضرات تھے۔ جن کے مشوروں کی رسائی اجلاس صدسالہ کے دفتر تک نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ حضرات دفتر سے باہر چیختے رہے کہ مجمع پندرہ بیس لاکھ سے کم نہیں ہوگا لیکن ان بے چاروں کی آواز نقار خانے میں طوطی کی صدا ثابت ہوئی ارباب اجلاس نے کسی کی نہیں سنی اور وہی اپنے اندازے کے مطابق دو تین لاکھ مہمانوں کے قیام و طعام کا بندوبست کیا۔ مگر انسان تو بیس بائیس لاکھ آئے تھے۔ اور بیس بائیس لاکھ ہی آئے اور یہ بیس بائیس لاکھ بھی وہ تھے جو ایک وقت میں موجود رہے ورنہ آنے جانے والوں کی تعداد چالیس لاکھ سے کم نہیں تھی۔

فضلِ خداوندی کا ظہورِ عام

خدا کا فضل و کرم دیکھئے کہ تین لاکھ انسانوں کے لئے جو پنڈال بنایا گیا تھا اس میں اور اس کے اردگرد بیس بائیس لاکھ افراد کھپ گئے اور اتنے بڑے مجمع اور اتنی محدود جگہ میں جو بدنظمی اور بدسکونی پھیل جانی ضروری تھی وہ نہیں پھیلی حد تو یہ ہے کہ اتنا بڑا مجمع کرپشن اور لاقانونیت سے محفوظ رہا۔ کسی کی جیب نہیں کٹی۔ باہم تصادم بھی نہیں ہوا۔ پولیس والے ادھر ادھر کھڑے آخر تک لوٹ لیتے ہی رہے ایک بار بھی انہیں چوکنا ہونے اور رفع بدین کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

اندازہ تھا کہ کھانا کم پڑ جائے گا۔ ہوٹل والوں کو ارباب اجلاس کی طرف سے زبردست تاکید تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ کھانوں کا بندوبست رکھیں۔ لیکن رحمتِ خداوندی کے قربان جائیے کہ جو کھانا دو چار لاکھ انسانوں کے لئے تیار کیا گیا تھا وہ بیس بائیس لاکھ انسانوں کے لئے نہ صرف کافی ہوا۔ بلکہ اتنی تعداد میں بچا کہ بڑا کر چیلوں اور گدھوں کے کام آیا۔ یہ رحمت و برکت وارد ین کے لئے تو نہ ثابت ہوئی

البتہ ہوٹل والے زبردست ٹوٹے اور نقصان کا شکار ہوئے ممکن ہے کہ انھیں ان کی نیت کا صلہ ملا ہو۔ ہم نے سنا ہے کہ بعض ہوٹل والے سال بھر کی کمائی دارالعلوم دیوبند کے اجلاس ہی میں کمانا چاہتے تھے۔ وہ صرف تجارت کرنے کے موڈ میں تھے جبکہ یہ موقعہ تجارت کا نہیں تھا اخلاص و ایثار کا تھا۔ گوجرہ اور مرادآباد کے تبلیغی اجتماعات میں ہوٹل والوں کی طرف سے مہمانوں کو جو سہولتیں دی گئیں تھیں وہ ابھی تک نگاہوں کے سامنے گھوم رہی ہیں۔ ہوٹل والے بغیر کسی ضابطہ اور بغیر کسی لالچ کے کھانا کھلاتے رہے تھے اس کے باوجود کوئی ایک شخص نقصان سے دوچار نہیں ہوا۔ اللہ نے انھیں برکت سے نوازا انھیں آخرت کا ثواب بھی ملا اور دنیا کا نفع بھی۔

اور اجلاس صدسالہ میں ایثار و احسان کے مظاہر کی بجائے تنگ نظری اور انقباض کا مظاہرہ ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دنیاوی نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ اور عاقبت کی خبر خدا جانے۔

پانی کا معقول انتظام تھا۔ قیام کے لئے معقول تعداد میں کیمپ بھی قائم کئے گئے تھے۔ لیکن اسی غلط اندازے کے پیش نظر کہ آنے والے دو تین یا چار پانچ لاکھ سے زیادہ نہیں ہوں گے۔

دیوبند رقبہ کے اعتبار سے بڑا قصبہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ اور قاسم پورہ تو دیوبند کی آبادی والی کل زمین کا بیسواں حصہ بھی نہیں۔ دیوبند میں دس پندرہ ہزار مکانات ہیں۔ ان میں ساٹھ ہزار کے لگ بھگ انسان بستے ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے بہت سے حضرات کو اپنے مکانات کی تنگی اور گھٹن کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن خدا کا کرم دیکھئے کہ قاسم پورے کی تنگ زمین میں اور ان محدود کیمپوں میں جو تین چار لاکھ انسانوں کے لئے قائم کئے گئے تھے۔ بیس بائیس لاکھ انسان کھپ گئے۔ اس طرح کہ نہ شکوہ نہ گلہ اور نہ تو تو اور نہ میں میں۔

بدنظمی۔ باعثِ رحمت

چونکہ اربابِ اجلاس نے ایک غلط اندازہ کے تحت چند لاکھ افراد کا بندوبست کیا تھا اور آنے والے اندازے سے پانچ گنے تھے۔ اس لئے واردین کو کچھ نہ کچھ تکلیف بھی اٹھانی پڑنی ہوگی۔ لیکن تکلیف تو اس وقت بھی اٹھانی پڑتی ہے جب ایک مسلمان حج کرنے کی غرض سے سمندروں سے گذرتا ہوا اور مختلف قسم کے خطرات سے کھیلتا ہوا۔ حجاز کی مقدس سرزمین پر پہونچتا ہے تکلیف تو اس وقت بھی اٹھانی پڑتی ہے جب ایک مسلمان اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے شہر در شہر اور قریہ در قریہ خاک چھانتا پھرتا ہے۔ اور تکلیف تو اس وقت بھی اٹھانی پڑتی ہے جب ایک مسلمان جاڑے کے شدید موسم میں نماز فجر کے لئے ٹھنڈے پانی سے وضو کرتا ہے۔ غور و تعمق سے کام لیا جائے تو مسلمان کو عبادت و ریاضت کے لئے مختلف قسم کے شدائد و مصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی تکلیف اور کوئی بھی شدت ایسی نہیں ہوتی جو باعثِ اجر و جزا ثابت نہ ہوتی ہو۔ فطرت کا قاعدہ یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں جتنی تکلیفیں برداشت کروگے اتنا ہی ثواب ملے گا۔ ایک شخص مسجد ہی کے کمرے میں رہتا ہے نماز کے لئے تو وہ بھی کمرے سے نکلتا ہے اور ایک شخص مسجد سے ایک میل کے فاصلے پر رہتا ہے نماز کے لئے وہ بھی مسجد پہونچتا ہے ظاہر ہے ان دونوں میں زیادہ ثواب کا مستحق وہی ہے جو دور دراز سے چلکر اور ٹھوکرے کھا کر مسجد تک پہنچ رہا ہے کچھ لوگ حج کے لئے ہوائی جہاز سے جاتے ہیں۔ اور کچھ لوگ پانی کے جہاز سے جاتے ہیں ہوائی جہاز کے سفر میں نسبتاً وقت بھی کم لگتا ہے خطرہ بھی نسبتاً کم ہوتا ہے وحشت بھی نسبتاً کم ہوتی ہے اور بے آرامی بھی نسبتاً کم ہوتی ہے لہذا ثواب بھی نسبتاً کم ہی ملتا ہے* بس اسی پر قیاس کر لیا جائے اجلاس صد سالہ میں آنے والے حضرات کو۔ ان میں سے کچھ حضرات وہ تھے جو پہلے پہنچے اور انھیں قیام کرنے کی معقول جگہ میسر آگئی۔ جو لوگ تاخیر سے پہنچے انہیں دو گز زمین حاصل کرنے کے لئے کافی بھاگ دوڑ کرنی پڑی لیکن ظاہر سی بات ہے کہ زیادہ ثواب کے حق دار وہی حضرات ہیں جنھیں بیٹھنے اور لیٹنے کے لئے گھنٹوں پریشان ہونا پڑا اور سب سے زیادہ انعام خداوندی اور قربتِ خداوندی کے حقدار وہ حضرات ہیں جنھیں لیٹنے اور بیٹھنے کی جگہ ہی نصیب نہ ہو سکی۔ اور وہ ہوٹلوں میں بیٹھ بیٹھ کر وقت کو دھکا دیتے رہے۔ دارالعلوم دیوبند علم و روحانیت کا مرکزِ عظیم ہے۔ یہ دارالعلوم ایک سو اٹھارہ برسوں سے علومِ قرآنی اور علومِ نبوت کی ترویج و اشاعت میں لگا ہوا ہے۔ ایسے ادارہ کے لئے سفر کرنا اور اس کی حوصلہ افزائی کرنا بلاشبہ ایک طرح کی عبادت ہے اور اس پر بلاشبہ اجر و ثواب مرتب ہوگا۔

والہانہ عقیدت کا اظہار

واردین میں سے ان گنت حضرات نے دیوبند کی سرزمین سے والہانہ عقیدت کا اظہار کیا۔ شری جگ جیون رام نے فرمایا کہ میں اس سرزمین کو سجدہ کرنے کیلئے آیا ہوں۔

غیر ممالک سے آنے والے حضرات دارالعلوم دیوبند کے در و دیوار کو دیوانہ وار چومتے ہوئے دیکھے گئے۔ بعض حضرات مولسری کے کنوئیں کا پانی تبرکاً اپنے ساتھ لے گئے۔ بعض حضرات مولسری کے پتے اپنے ساتھ لے گئے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا بیان ہے کہ یمن سے آنے والے ایک معزز مہمان سے جب نہانے اور کپڑے تبدیل کرنے کے لئے کہا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں غسل اپنے گھر ہی جا کر کروں گا اور کپڑے بھی گھر ہی جا کر بدلوں گا میں دیوبند کی اس خاک کو اپنے وطن لے جانا چاہتا ہوں۔ میں ان کپڑوں کو کبھی نہیں

---

* معذور و مجبور حضرات مستثنیٰ ہیں۔

دھلواؤں گا اس لئے کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ قیمتی خاک ہمیشہ میرے کپڑوں سے چمٹا رہے۔

اجلاس کی مزید تفصیلات

اوپر کی سطور میں ہم اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ اربابِ اجلاس نے اپنے غلط اندازے کے مطابق صرف تین چار لاکھ افراد کے قیام کا بندوبست کیا تھا پنڈال بھی اسی نقطۂ نظر سے بندھوایا گیا تھا کہ اس میں پانچ سے چھ لاکھ تک افراد کھپ جائیں اور آٹھ سے دس لاکھ تک نماز باجماعت ادا کرلیں۔ یہ پنڈال جو ایک غلط اندازے کے مطابق بنوایا گیا تھا۔ یہ بھی ہندوستان کی تاریخ میں سب سے بڑا پنڈال تھا۔ اس پنڈال کا رقبہ ۳ لاکھ ۶ ہزار اسکوائر فٹ تھا۔ یہ پنڈال تقریباً ۱۲ سو کلومیٹر کے رقبہ میں پھیلا ہوا تھا علاوہ ازیں چھوٹے چھوٹے کیمپس صوبہ وار قائم کئے گئے۔ مثلاً یوپی والوں کا کیمپ الگ تھا۔ مدھیہ پردیش والوں کا الگ تھا۔ اسی طرح مہاراشٹر اور بہار والوں کے الگ تھے۔ یوپی کے کیمپ میں اضلاع کی تفریق کو بھی اہمیت دی گئی تھی۔ چنانچہ صوبہ ایک ہوتے ہوئے ضلع وار کیمپ بنائے گئے۔ سہارنپور کے لئے الگ کیمپ تھا اور مظفر نگر اور بجنور کے لئے الگ۔ اس خصوصیت کی وجہ یہ تھی کہ یوپی ہندوستان کے تمام صوبوں میں سب سے زیادہ بڑا صوبہ ہے دارالعلوم دیوبند سے سب سے زیادہ فیض یوپی والوں نے ہی اٹھایا ہے۔

اجلاس کی ابتدا ۲۱ مارچ ۸۰ء کو جمعہ کی نماز کے بعد اس طرح ہوئی کہ تاحدِ نظر انسانوں کا ایک سمندر تھا زندگی میں اتنا بڑا مجمع دیکھنے کو نہیں ملا۔ عالم عرب سے آنے والے وفود بھی حیران و ششدر تھے۔ اور ان کا کہنا بھی یہی تھا کہ یہ مجمع اپنی نوعیت کا منفرد مجمع ہے۔ بعض اہلِ عرب کی رائے یہ تھی کہ میدانِ عرفات کے بعد پوری دنیا میں آج تک اتنے سارے افراد ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکے۔

توقع تو یہ تھی کہ نمازِ جمعہ امامِ حرم پڑھائیں گے۔ اس لئے کہ وہ ان دنوں ہندوستان ہی میں تھے اور انھوں نے دیوبند آنے کا وعدہ بھی فرما لیا تھا لیکن اچانک ان کی طبیعت خراب ہوگئی۔ اور بمبئی کے ایک ہوسپٹل میں داخل ہو جانے کی وجہ سے وہ دیوبند نہ پہونچ سکے۔ اب حاضرین میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے سوا کوئی اس قابل نہ تھا کہ جس کی امامت پر اطراف و جوانب اور دور دراز سے آنے والے سبھی حضرات بغیر کسی تردد اور بغیر کسی رنج و ملال کے متفق ہو جاتے چنانچہ امامت کے فرائض انہیں ہی انجام دینے پڑے۔

جمعہ کی نماز کے بعد تقریباً ڈھائی بجے اجلاس کی پہلی نشست کا آغاز ہوا۔ اس نشست کی صدارت شیخ عبداللہ حسن الترکی مملکتِ سعودیہ عربیہ نے کی۔ اجلاس کی بسم اللہ قاری طیب صاحب کے پوتے کی قرآت سے ہوئی۔ قرآت کے بعد مولانا ریاست صاحب کا لکھا ہوا ترانہ پڑھا گیا۔ اور اور اس کے بعد مشہورِ زمانہ قاری شیخ عبدالباسط صاحب نے اپنی متأثر کن آواز میں قرآنِ حکیم کا ایک رکوع تلاوت کیا۔ اس رکوع میں وہ آیات بھی شامل تھیں۔ جن میں پروردگارِ عالم نے جمیع مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم اللہ کی رسّی کو مضبوطی اور اتحاد کے ساتھ پکڑ لو۔ اور آپس میں تفرقہ بازی مت پھیلاؤ۔

قاری عبدالباسط کی ساحرانہ قرآت کے بعد صاحبِ صدر نے بزبان وعبدالعزیز ولی عہد مملکت سعودی عربیہ کا پیغام پڑھکر سُنایا۔ اس پیغام میں دارالعلوم دیوبند کی خدمات میں خراجِ عقیدت پیش کیا گیا تھا۔ ولی عہد مملکت سعودیہ عربیہ کے پیغام کے بعد شاہ عراق کے خصوصی نمائندے نے سلطان ہاشمی کا پیغام سُنایا۔ اس پیغام میں دارالعلوم دیوبند کی ایک سو اٹھارہ سالہ خدمات کو سراہتے ہوئے دارالعلوم کے بزرگوں کو خراجِ عقیدت سے نوازا گیا تھا

اس کے بعد قطر کے نمائندے نے شاہ قطر کا پیغام سنایا
یاتِ دارالعلوم کی تحسین وتوصیف فرمائی۔

اس کے بعد ایک بار پھر قرآن حکیم کی تلاوت ہوئی
رۂ تکبیر اللہ اکبر کے نعرے بلند ہوئے۔ نعرۂ تکبیر اور قرآن
ی تلاوت کے بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد
ب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنا خطبۂ استقبالیہ
کر سنایا۔ خطبۂ استقبالیہ کا آغاز ان الفاظ میں ہوا۔

صدرِ محترم حضراتِ گرامی، علمائے کرام، مہمانِ
م ومعزز حاضرین!

ہم اس ایمانی اور تاریخی اجتماع کے موقعہ
پر جو برصغیر کی سب سے قدیم اور سب
سے بڑی بین الاقوامی تعلیم گاہ "جامعہ
اسلامیہ دارالعلوم دیوبند" میں بین
الاقوامی انداز میں منعقد ہو رہا ہے
اور جس میں تقریباً تمام اسلامی ملکوں
کے فضلا اور اربابِ دانش جمع ہیں۔
سب سے پہلے حق جل مجدہ کا شکریہ
ادا کرتے ہیں کہ اس نے اس چھوٹی سی
بستی میں ایسی بڑی ہستیوں کو یکجا
کر کے ایک دوسرے کی زیارت دلاتا
ربطِ باہمی اور اسلامی اخوت ومودت
کو تازہ بتازہ کرنے کا موقعہ عطا فرمایا۔

چند سطور کے بعد حکیم الاسلام نے فرمایا:

اس کے بعد میرا سب سے زیادہ ضروری
اور سب سے زیادہ خوشگوار فریضہ
یہ ہے کہ میں بحیثیتِ خادمِ جامعہ
اپنی مجلس شوریٰ اپنے ادارہ کے اساتذہ
وشیوخ، طلبائے عزیز فضلائے گرامی
مسلمانانِ ہند جمیع کارکنانِ ادارہ اور
بالخصوص اجلاس صد سالہ کے کارکنوں
کی طرف سے آنے والے مہمانانِ کرام
کا شکریہ ادا کروں جنہوں نے مشرق
ومغرب کی دور دراز سفروں کی صعوبتیں
جھیل کر محض اللہ کے لئے اس بین الملی
اجتماع میں شرکت فرمائی۔

اللہ کا اللہ کے بندوں کا شکریہ ادا کرنے کے بعد
حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے دیوبند کی تاریخ
اور اس کی مرکزیت پر روشنی ڈالی۔ پھر دارالعلوم دیوبند
کے قیام کا پس منظر بیان کیا۔ پھر دارالعلوم دیوبند کی علمی، دینی
اور تبلیغی خدمات پر مختصر مگر جامع گفتگو کی۔ حضرت موصوف نے
اپنے مقالے میں دارالعلوم دیوبند کے سلسلہ اسناد کو بھی واضح
کیا۔ دارالعلوم دیوبند کی ان خصوصیات پر بھی کلام کیا۔ جو
دارالعلوم کو دوسرے اداروں سے ممتاز کرتی ہیں۔

خطبۂ استقبالیہ کے بعد صدر جمہوریہ ہند سنجیوا ریڈی
صاحب کا پیغام سنایا گیا۔ اس پیغام میں دارالعلوم دیوبند کے
ساتھ نیک خواہشات اور والہانہ عقیدت مندی کا اظہار کیا
گیا تھا۔ صدر جمہوریہ کے پیغام کے بعد ہندوستان کی وزیر
اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے تقریر کی۔

اندرا گاندھی نے دورانِ تقریر کہا۔ کہ کوئی مذہب
دوسرے مذہب اور مذہب والوں سے نفرت نہیں سکھاتا۔
اس کے بعد محترمہ اندرا گاندھی نے علامہ اقبال کا
یہ مصرعہ پڑھا کہ

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا۔

مسز گاندھی نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ
ہم اپنے ملک کی اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت
کی کوشش کرتے ہیں اور میں پوری ذمہ داری سے یہ بات کہتی ہوں
کہ ہم اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کریں گے۔

جو لوگ اندرا گاندھی کی تقریر اوران کے دیدار سے محظوظ ہونے کیلئے اگلی صفوں میں آکر براجمان ہوگئے تھے وہ اندرا جی کی تقریر کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے ۔ مجمع میں افراتفری اور انتشار پھیل گیا۔

اسی وجہ سے ارباب اجلاس نے مجمع میں بڑھتی ہوئی بے چینی اور افراتفری سے بے نیاز ہوکر اپنے مقررہ پروگرام کو آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ اِدھر شور مچتا رہا اور اُدھر ایک عرب کا پیغام سنایا جاتا رہا۔ اور ساتھ ساتھ اس کی اُردو میں ترجمانی بھی ہوتی رہی۔ چند پیغامات نشر ہونے کے بعد پانچ بجے اجلاس کی پہلی نشست اختتام پذیر ہوئی۔ اجلاس صد سالہ کی تفصیل اگر لفظ بہ لفظ بیان کی جائے تو کافی صفحات سیاہ ہو جائیں گے اور قارئین بھی کوفت محسوس کرنے لگیں گے لہٰذا مختصراً یہ سمجھئے کہ اجلاس ۲۱، ۲۲، ۲۳ مارچ تک جاری رہا۔ اور اس عرصہ میں فضلائے دارالعلوم کو دستارِ فضیلت ملنے کے علاوہ کئی علمی اور اصلاحی نشستیں عمل میں آئیں

شریمتی اندرا گاندھی کے علاوہ سیاسی شخصیات میں بابو جگ جیون رام، بہوگنا، راج نارائن وغیرہ نے اجلاس میں شرکت کی۔ ان حضرات کے پیغامات بھی نشر ہوئے۔ بابو جگ جیون رام کا پیغام خصوصیت وا... کا حامل تھا۔ انھوں نے دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا:

> آج کے دن خوشی اور مسرت کے اظہار کے ساتھ ہمیں چند امور کی جانب توجہ دینی چاہیئے۔ مثلاً اسلام کا پیغام جو کہ تمام بنی نوع انسان کو برابری اور مساوات کا سبق سکھاتا ہے۔ اور جس نے ایک زبردست سماجی انقلاب پیدا کیا ہے، اسے عام لوگوں تک پہنچایا جائے، آج اس ملک میں کروڑوں انسان ایسے ہیں جو تعصبات چھوت چھات، سماجی اور معاشی نابرابری کا شکار ہیں۔ دارالعلوم جیسے ادارہ کی ذمہ داری ہے کہ اسلام کے اس انقلابی پیغام کو عام لوگوں تک پہونچائے۔ کیونکہ اسلام نہ صرف ایک مذہبی عقیدہ ہے بلکہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔

غیر ممالک سے آنے والے پیغامات میں صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق صاحب کے پیغام کو بڑی توجہ کے ساتھ سنا گیا۔ انھوں نے اپنے پیغام میں دارالعلوم دیوبند کی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا۔

> بلاشبہ دارالعلوم دیوبند برصغیر کی عظیم اسلامی درسگاہ ہے اکابر دیوبند نے اپنی بے لوث اور پُرخلوص خدمت کے ذریعہ جہاں اسلامی ورثے کی حفاظت فرمائی وہاں اسلام کی پاکیزہ اور سچی تعلیمات میں جو غیر اسلامی عقائد رخنہ انداز ہونے لگے تھے اُن کے خلاف جہادِ مسلسل کرنے کی خدمت بھی انجام دی۔

اجلاس صد سالہ کی روح ـــ مولانا سید ابوالحسن ندوی کی تقریر تھی۔ وہ تقریر نہ فرماتے تو اجلاس صد سالہ کا مقصد ہی فوت ہوجاتا۔ اور مندوبین خالی ہاتھ اور خالی دامن لوٹ جاتے۔ مولانا ابوالحسن ندوی نے دل کی گہرائیوں سے نکلنے والے الفاظ اور روح کی گہرائیوں میں تڑپنے والے فکر کے ساتھ تقریر کی۔ ان کی تقریر سن کر خون کی گردشیں

مضاعف ہو گئیں ۔ مولانا تقریر کرتے رہے اور روح کے نہاں خانوں میں علم کی چاندنی پھیلتی رہی اور ذہن کے دریچے اسلام کی پاکیزہ خوشبو سے سرشار ہوتے رہے ۔ اور ایمان کی آنکھیں بھر آئیں ۔ انکی تقریر درحقیقت تقریر نہیں بلکہ اسلام کا وہ درد تھا کہ جس درد سے آج ہر مسلمان کا دل محروم ہے۔

کاش کہ لمحات کی نبضیں ٹوٹ جاتیں۔ وقت ٹھہر جاتا اور مولانا بولتے ہی رہتے ۔ وہ جس تڑپ اور مومنانہ جنون کے ساتھ بول رہے تھے اس تڑپ اور جنون کے ساتھ اگر وہ زندگی بھر بھی بولتے رہتے تو بھی روحیں کوفت اور بے کیفی کا اظہار نہ کرتیں۔ مولانا ابوالحسن ندوی صاحب نے فرمایا کہ دیوبندیت چار اوصاف کے مجموعہ کا نام ہے اور جس شخص میں یہ چار اوصاف موجود نہ ہوں وہ کامل طور پر دیوبندی کہلانے کا حقدار نہیں ہوسکتا۔

اولاً اعتقاد کی پختگی ، ثانیاً اختلاف میں اعتدال، ثالثاً تمسک بالسنہ اور رابعاً توکل علی اللہ

مولانا ابوالحسن ندوی صاحب کی تقریر کے بعد۔ دوسرے نمبر پر مفتی محمود صاحب (پاکستانی) کی تقریر کو پسند کیا گیا ۔ انھوں نے اپنی تقریر ہی میں یہ تجویز بھی پیش کی کہ :۔

دارالعلوم دیوبند اپنی ایک اعزازی
سند جاری کرے اس سند میں داخلہ
اور تعلیم کی تصریح نہ ہو بلکہ ان کے
علوم وفضل پر اعتماد کا اظہار کیا گیا
ہو ۔

آخری دن دستارِ فضیلت تقسیم ہوئی۔ راقم الحروف کو بھی دستارِ فضیلت ملنے کی سعادت حاصل ہوئی آخری دن مولانا اسعد مدنی کی تقریر ہوئی ۔ اور

اختتامی تقریر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب نے فرمائی۔ آپ نے دوران تقریر میں فرمایا ہے :۔

اندازے اور توقع سے بہت زیادہ
دارالعلوم سے محبت وعقیدت
رکھنے والے تشریف لائے اور رنج
کا ساسماں بندھ گیا اس بڑے مجمع
میں ہم کسی کی خاطر نہ کرسکے اور نہ
آرام پہونچا سکے لہٰذا آپ سب حضرات
ہمیں معاف کردیں ۔

اجلاس صدسالہ کے لئے دیوبند کے باشندوں نے بھی بے شمار قربانیاں دی تھیں اس لئے حضرت مہتمم صاحب نے اجلاس نمٹ جانے کے چند روز بعد دیوبند کے معززین کو جمع کیا ، مجموعی طور پر تمام اہلِ دیوبند کا شکریہ ادا کیا۔

انھوں نے اس تقریر میں یہ فرمایا کہ اجلاس صدسالہ کے سلسلہ میں جو کچھ انتظامات کئے گئے تھے وہ ۲۱ر مارچ کی صبح کو بالکل فیل ہو چکے تھے ۔ اسلئے کہ اربابِ اجلاس کا اندازہ یہ تھا کہ مجمع چار پانچ لاکھ سے زیادہ نہیں ہونے پائے گا جبکہ مجمع ۲۰ لاکھ سے متجاوز ہوگیا تھا۔ ایسی صورتِ حال میں نظم وضبط کا فیل ہوجانا کوئی قابلِ حیرت بات نہ تھی ۔ لیکن اللہ جلّ شانہ نے نظم وضبط ناکام ہوجانے کے باوجود ہماری لاج رکھ لی اور پردۂ غیب سے ہماری مدد فرمائی ۔ چنانچہ اجلاس کے سلسلہ میں آنے والے حضرات بہت زیادہ پریشانیوں کا شکار نہ ہونے پائے ۔ یہ صرف اللہ تعالےٰ کا فضل وکرم ہی تھا ورنہ رسوائی ہوجانے میں کسر ہی کیا باقی رہ گئی تھی ۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے پروردگارِ عالم کا شکر ادا کرنے کے بعد

باشندگانِ دیوبند کا شکریہ ادا کیا۔ اور فرمایا کہ:۔

ظاہراً اہلِ دیوبند نے قدم قدم پر
بڑا ساتھ دیا۔ اُن مہانوں کا خندہ پیشانی
کے ساتھ استقبال کیا جو اجلاس
جو اجلاس ہی کی وجہ سے وارد
ہوئے تھے علاوہ ازیں اور بھی
بہت سے امور کی انجام دہی میں
اہلِ دیوبند کاندھے سے کاندھا ملا
کر ہمارے ساتھ چلتے رہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کی ذرہ نوازی ہے کہ انھوں نے اہلِ دیوبند کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھا۔ ورنہ صحیح اور درست بات تو یہ تھی کہ شکرانہ کا ایک جلسہ اہلِ دیوبند کی طرف سے منعقد کیا جاتا جس میں دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کیجاتی کہ دارالعلوم ایشیا کا وہ عظیم المرتبت ادارہ ہے کہ جس کے طفیل میں "دیوبند" اور "اہلِ دیوبند" کی دھوم دنیا بھر میں مچی ہوئی ہے۔ اگر دیوبند کی سرزمین پر یہ ادارہ قائم نہ ہوتا تو دیوبند جیسے معمولی قصبہ کو وہ شہرت و وقعت کیسے نصیب ہوجاتی جس پر قصبوں کو ہی نہیں بڑے بڑے شہروں کو رشک آتا ہے اور اگر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور ان کے رفقاء کرام اجلاس صدسالہ کی تقریب کا انعقاد فرمانے کا عزم نہ کرتے تو باشندگانِ دیوبند کو یہ سعادت کب حاصل ہوتی کہ اس کا ہر ایک فرد اور ہر ایک گھر مہمانانِ اجلاس کی میزبانی کا شرف حاصل کر سکتا!

حضرت مولانا اسعد مدنی اور اجلاس صدسالہ

دارالعلوم کے اجلاس صدسالہ کو کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ملک و ملت کے اَن گنت مخلصین و محبین نے اپنی اپنی جگہ بساط بھر کوششوں میں کوئی جھول آنے نہیں دیا۔ دارالعلوم کے ارباب انتظام سے مختلف الرائے اصحاب نے بھی اس موقع پر ہر ممکنہ تعاون سے گریز نہیں کیا۔ بیشمار لوگ ہیں جنھیں یہ حسرت ہی رہ گئی کہ کاش اس مقدس موقع پر وہ بھی کسی عنوان سے خدمت کی سعادت حاصل کر سکتے۔

بہرحال منتظمین کے علاوہ اگر کچھ افراد نے اجلاس کی کامیابی کے لیے عملاً کوئی بھرپور جدّ وجہد کی ہے تو بے شبہ ہماری معلومات کے بموجب حضرت مولانا اسعد مدنی اس کتاب سعی و جہد کا قابلِ قدر ٹائیٹل ہیں۔ مولانا نے جہاں ایک طرف اپنے حلقۂ اثر سے بہت قلیل وقت میں تقریباً دس لاکھ روپے کی رقم برائے اخراجات اجلاس فراہم کر دی، بلکہ بعض اور گوشوں کو بھی صاحب موصوف نے رضاکارانہ تعاون دیا۔ یہاں تک کہ زمانۂ اجلاس میں کئی روز تک مولانا موصوف کا دولتکدہ اَن گنت عوام و خواص مہمانانِ اجلاس کے قیام و طعام کا مرکز بنا رہا۔ حضرت مولانا کی ان گراں قدر خدمات پر "خواہی نخواہی"، کی بحث سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں، ہم تو صرف ان کی کوشش کے مداح ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کی عمر صالح میں برکت عطا فرمائے اور اُن کو ایسی بے شمار خدمات کے مواقع نصیب فرمائے آمین

اس اعترافِ حقیقت کے باوجود ایک سوال کا جواب ہم ایسے عامی کی فہم سے بعید ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ کسی طور پر ہمیں اس سوال کا جواب تسلی بخش مل جائے تاکہ ہمارا دماغ ناطقہ سر بگریباں

سے اسے کیا کہئے ؟ کی گرفت سے آزاد ہو سکے اور آبگینۂ احترام و عزت ٹھیس لگنے سے بچا رہا ہو جائے

حضرت مولانا اسعد صاحب
مدنی نے اجلاس دارالعلوم
کے سلسلہ میں چند کروڑ رقم
جمع فرما کر ایک جلسۂ عام میں
حضرت مولانا طیب صاحب
کی خدمت میں بھرپور تشہیر
کے ساتھ پیش فرمائی۔ اور
منتظمین دارالعلوم نے فضلائے
دارالعلوم کی تنظیم جدود...
دارالعلوم میں قائم کرنے کا
فیصلہ کیا تو حضرت مولانا اسعد
مدنی صاحب نے ساتھ ہی
ساتھ ایک الگ مؤتمر ابنائے
قدیم کے قیام کا اعلان فرمایا۔

اس صورت میں سوال یہ ہے کہ

اگر شیخ العرب و العجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ حیات ہوتے تو منتظمینِ دارالعلوم سے لاکھ اختلاف کے باوجود کیا حضرت قدس اللہ سرہ العزیز کا عمل یہی ہوتا۔؟

اندھے مقلدوں اور سادہ لوح معتقدوں کا گروہ خواہ کیسے ہی صحیح مقام سے کام کا آغاز کرے اور کیسے ہی صحیح مقصد کو سامنے رکھ کر چلے، بہرحال آخر کار وہ بگڑتا ہی چلا جاتا ہے۔ (مولانا مودودی)

دین و دنیا کی تفریق

دنیا سے الگ تھلگ رہنا "الدین" کے مزاج اور فطرت کے خلاف ہے خدا پرستانہ اسلوبِ زندگی کی فطرت میں یہ بات نہیں کہ وہ وجدانی کیفیات اخلاقیات، اور شعائرِ عبادت یا حیاتِ بشری کے مختلف گوشوں میں سے صرف ایک تنگ سے گوشے میں جیسے شخصی احوال کہا جاتا ہے تک محدود ہو رہے

یہ بات بھی "الدین" کی فطرت سے بعید ہے کہ وہ باری تعالیٰ کو حیاتِ بشری کے ایک نہایت کم زور حصے کا حاکم مانے اور انسان کو عملی زندگی کے دوسرے تمام حصوں کا معبودانِ باطل کے تابع کر دے اور باری تعالیٰ کی رہنمائی سے بے نیاز ہو کر خواہشِ نفس کی پیروی میں زندگی کے قواعد و ضوابط اور اصول و قوانین وضع کرے۔

یہ بات بھی "الدین" کے مزاج کے خلاف ہے کہ دنیوی زندگی سے یک سر قطع نظر کر کے لوگوں کو صرف اُخروی فلاح کا راستہ بتائے۔ جس کی انتہا جنت ہے اور لوگ اللہ کے پسندیدہ اسلوبِ زندگی کے مطابق زندگی بسر نہ کریں۔ اور خلافتِ الٰہیہ کی ذمہ داریوں سے یک سر بے نیاز ہو جائیں۔

"الدین" کی فطرت میں یہ بات بھی داخل نہیں کہ وہ کم زور ہو کر بازیچۂ اطفال بن جائے۔ یا وہ چند رسوم کا ایسا مجموعہ بن کر رہ جائے۔ جس کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو۔

اگر دین بازیچۂ اطفال بننے نہیں آیا۔ تو پھر دنیاوی امور میں دین کی نفی کا یہ مضحکہ خیز نظریہ کہاں سے آگیا ہے۔ اور دین اور نظامِ زندگی میں یہ ناپسندیدہ افتراق کیوں کر پیدا ہوا ہے

دین و دنیا کی یہ ناپسندیدہ تفریق بڑے بڑے حالات میں پیدا ہوئی۔ جس کے تباہ کن اثرات پہلے یورپ اور پھر ساری دنیا میں رُونما ہوئے۔ اور مغربی تصورات اور مغربی نظام ہائے زندگی کے باعث بنی نوعِ انسان ظلم و ستم کا شکار ہو گئی۔

اردو زبان میں قرآن کے مستند ترجمے

عام قارئین کے پیش نظر زیر نظر شمارے سے قرآن حکیم کے لئے مشہور و معروف ترجموں کی یکجا اشاعت کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے جو مختلف مکاتب فکر کے ممتاز علماء فکر کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ اردو زبان میں قرآن کے جو ترجمے اب تک منظر عام پر آ چکے ہیں ان کی تعداد تین سو سے متجاوز ہے اور ان میں پچاس سے زیادہ ترجمے ایسے ہیں جو نسبتاً زیادہ اہم ہیں لیکن ہم نے ان حضرات کے تراجم جمع کرنے پر اکتفا کیا ہے جن کا تتبع کرنے والوں کی تعداد خاصی ہے۔ اگر ان ترجموں کی یکجا اشاعت پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی تو اہل تحقیق کے لئے سہولت پیدا ہو جائے گی۔ قارئین سے استدعا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اپنے مفید مشوروں سے نوازیں اور اگر کسی اہم شخصیت کا ترجمہ از راہ سہو رہ گیا ہو تو اس کی نشاندہی فرما دیں تاکہ اگلے شمارے میں اس کی تلافی کی جا سکے۔

سر دست تراجم نقل کرنے کی ذمہ داری برادرم مولانا سرور احمد صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے لی ہے ان کی کاوشوں سے مندرجہ ذیل تراجم یکجا ہو گئے ہیں۔ اس شمارے میں بسم اللہ اور سورہ فاتحہ کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے آئندہ شمارے سے مسلسل وار سورہ بقرہ کا ترجمہ پیش کیا جائے گا۔ اگلے شمارے سے قرآن کا متن بھی نقل کیا جاتا رہے گا۔ (ادارہ)

شاہ عبد القادر صاحبؒ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا۔ سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہان کا۔ بہت مہربان نہایت رحم والا، مالک انصاف کے دن کا۔ تجھی کو ہم بندگی کریں۔ اور تجھی سے ہم مدد چاہیں۔ چلا ہم کو راہ سیدھی۔ راہ اُن لوگوں کی جن پر تو نے فضل کیا۔ نہ وہ جن پر غصہ ہوا۔ اور نہ بہکنے والے۔

شاہ رفیع الدین صاحبؒ

شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام اللہ بخشش کرنے والے مہربان کے۔ سب تعریف واسطے اللہ کے، پروردگار عالموں کا۔ بخشش کرنے والا مہربان، خداوند دن جزا کا۔ تجھ ہی کو عبادت کرتے ہیں ہم، اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ہم، دکھا ہم کو راہ سیدھی، راہ اُن لوگوں کی کہ نعمت کی ہے تو نے اوپر ان کے سوا ان کے جو غصہ کیا گیا ہے۔ اوپر اُن کے اور نہ گمراہوں کی۔

مولانا عبد الحق حقانی دہلویؒ

"ہر طرح کی ستائش اللہ ہی کیلئے ہے جو کل جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے۔ جو نہایت رحم کرنے والا جزا کے دن کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی (ہر کام میں) مدد مانگتے ہیں۔ ہم کو سیدھے رستے چلا اُن کے رستے پر جن پر تو نے فضل کیا۔ نہ اُن کے رستے پر کہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا۔ نہ گمراہوں کے رستے پر۔

ڈپٹی نذیر احمد دہلویؒ

ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے جو تمام
م جہانوں کا پروردگار ہے (نہایت رحم والا مہربان،
زِ جزا کا حاکم (اے خدا) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں
تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہم کو (دین کا) سیدھا رستہ
ھا۔ اُن لوگوں کا رستہ جن پر تو نے (اپنا) فضل کیا۔ نہ اُن
جن پر (تیرا) غضب نازل ہوا۔ اور نہ گمراہوں کا"

مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ

"ہر تعریف اللہ ہی کو (زیبا) ہے، جو تمام جہان
پروردگار، نہایت مہربان رحم والا۔ مالک ہے روزِ
ا (یعنی قیامت) کا، خداوندا تیری ہی ہم عبادت
تے ہیں۔ اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ دکھا ہم کو سیدھا
ستہ، اُن لوگوں کا رستہ جن پر تو نے فضل کیا ہے، نہ
کا جن پر غصہ ہوا ہے۔ اور نہ بہکنے والوں کا"

مولانا فتح محمد جالندھری

سب طرح کی تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے جو تمام مخلوقات کا
پروردگار ہے بڑا مہربان نہایت رحم والا۔ انصاف کے دن کا حاکم
پروردگار) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے
ہم سیدھے رستے چلا، اُن لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل و
کرم کرتا رہا ہے، نہ اُن کے جن پر غصے ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کے"

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ

"سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ جو سب جہان
والوں کا پرورش کرنے والا، بڑا مہربان نہایت رحم والا،
قیامت کے دن کا مالک، تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور
تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھی راہ پر پہنچا، اُن
لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے انعام کئے۔ نہ ان لوگوں کی
جن پر غضب کیا گیا، نہ ان کی جو گمراہ ہیں"

مولانا احمد رضا خان بریلوی

"سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے
جہان والوں کا، بہت مہربان رحمت والا، روزِ جزا کا مالک
ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں۔ ہم کو سیدھا راستہ
چلا۔ راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا، نہ ان کا جن پر غضب
ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا"

مولانا اشرف علی تھانویؒ

"سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں۔ جو مربی ہیں ہر
ہر عالم کے، جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔ جو
مالک ہیں روزِ جزا کے۔ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں
اور آپ ہی سے درخواست اعانت کی کرتے ہیں۔ بتلا دیجیے
ہم رستہ سیدھا، رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام
فرمایا ہے۔ نہ رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب
کیا گیا، اور نہ اُن لوگوں کا جو رستے سے گم ہو گئے"

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

"سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں، جو پالنے والا سارے
جہان کا۔ بے حد مہربان نہایت رحم والا۔ مالک روزِ جزا
کا، تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے
ہیں۔ بتلا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل
فرمایا۔ جن پر نہ تیرا غضب ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے"

مولانا ابوالکلام آزادؒ

"ہر طرح کی ستائش (یعنی حسن و جمال کے اعتراف
اور کبریائی و کمال کے اعتقاد کے ساتھ جو کچھ بھی اور جیسا
کچھ بھی کہا جا سکتا ہے) صرف اللہ ہی کے لئے ہے اللہ ہی کیلئے
جو تمام کائنات خلقت کا پروردگار ہے (جس کی پروردگاری

دہ پرورش کی ساری ضرورتیں مہیا کرتی رہتی ہے) جو رحمت والا ہے اور جس کی رحمت تمام کائنات ہستی کو اپنی بخششوں سے مالا مال کر رہی ہے۔ اور جو جزا اور سزا کے دن کا مالک ہے (اور جس کی عدالت نے ہر کام کے لئے بدلہ اور ہر بات کے لئے نتیجہ ٹھہرا دیا ہے) خدایا! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور صرف تو ہی ہے جس سے (زندگی اور آخرت کی ساری احتیاجوں میں) مدد مانگتے ہیں (تیرے سوا کوئی معبود نہیں جس کی بندگی کی جائے۔ اور طاقت و بخشش کا کوئی سہارا نہیں جس سے مدد مانگی جائے) خدایا! ہم پر فلاح و سعادت کی (سیدھی راہ کھول دے! وہ راہ جو اُن لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرا انعام ہوا، ان کی نہیں جو تیرے حضور مغضوب ہوئے۔ اور نہ ان کی جو راہ سے بھٹک گئے اور منزل کا سُراغ اُن پر گم ہو گیا۔"

خواجہ حسن نظامی دہلوی ؒ

ہر تعریف اللہ کے لئے	جو پالنے والا ساری مخلوق کا
رحمت والا	بندہ نواز ہے۔
مالک ہے	انصاف کے دن کا
خاص تیری ہی	ہم عبادت کرتے ہیں
اور خاص تجھ سے ہی	ہم مدد مانگتے ہیں۔
بتا دے ہم کو	راستہ سیدھا
راستہ	اُن کا کہ
انعام کیا تو نے	اُن پر
نہ اُن کا کہ خفگی کی گئی ہے	اُن پر
اور نہ گمراہوں کا	

مولانا عبدالماجد دریابادی ؒ

"ساری تعریف اللہ کے لئے ہے (وہ) سارے جہان کا مربی (وہ) رحمٰن (وہ) رحیم (وہ) مالک روزِ جزا کا ہم بس تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور بس تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں چلا ہم کو سیدھا راستہ۔ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ نہ اُن لوگوں کا راستہ جو زیرِ غضب آچکے ہیں۔ اور نہ بھٹکے ہوؤں کا۔"

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ؒ

تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔ رحمان اور رحیم ہے روزِ جزا کا مالک ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا، جو معتوب نہیں ہوئے۔ جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔

مولانا احمد سعید دہلوی

"سب تعریفیں اس خدا کو لائق ہیں جو تمام عالموں کا رب ہے۔ جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے جو روزِ جزا کا مالک ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہم کو سیدھی راہ چلا۔ راہ اُن لوگوں کی جن پر تو نے اپنا فضل کیا ہے، وہ لوگ ہیں جن پر نہ غضب نازل کیا گیا۔ اور نہ وہ راہ سے بے راہ ہوئے ہیں۔"

مولانا عبدالباری ؒ فرنگی محل

سب تعریف اللہ کو ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے بہت مہربان نہایت رحم والا ہے مالک انصاف کے دن کا تیری ہی بندگی ہم کرتے ہیں۔ اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ چلا ہم کو راہ سیدھی، راہ اُن کی جن پر تو نے فضل کیا نہ جن پر غصہ کیا گیا، نہ جو بھٹکے ہوئے ہیں۔"

سیرتِ شاہِ امم

آپ نے لذیذ اور پر تکلف کھانوں کا التزام کبھی نہیں فرمایا۔ ہلکی پھلکی اور سیدھی سادی غذائیں آپ کو پسند تھیں۔ جو کی روٹی اور کدو کا سالن آپ کو بے حد مرغوب تھا۔ سرکہ اور شہد کو بھی آپ پسندیدگی کی نظروں سے دیکھتے تھے۔

ٹھنڈا پانی نہایت مرغوب تھا۔ دودھ خود بھی پسند فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی دودھ پینے پلانے کی ترغیب دیتے تھے۔ اگر دسترخوان پر کوئی ایسا کھانا موجود ہوتا جو آپ کو ناپسند ہو تو آپ اس کو نوش فرمانے سے گریز کرتے تھے لیکن ناپسند کھانے پر تنقید فرمانا آپ کی عادت نہ تھی۔

کھانا کھاتے وقت آپ ہمیشہ اس چیز کو استعمال کرتے جو آپ کے سامنے ہو، دوسروں کے سامنے سے چیزیں اٹھانا آپ کی عادت نہ تھی۔ اور یہ حرکت آپؐ کو بالکل پسند نہ تھی کہ کھانا کھانے والا پوری پلیٹ میں ہاتھ چلائے۔

آپؐ نے کھانا نہ کھڑے ہو کر کھایا اور نہ کبھی ٹیک لگا کر۔ آپؐ ہمیشہ اکڑوں بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے اور کھانے کے آداب و احترام کو ملحوظ رکھتے۔ آپؐ کے مزاج میں صفائی بے پناہ تھی۔ بدبو اور گندی چیزوں سے آپ کو سخت نفرت تھی۔

ایک بار ایک شخص کو میلے کچیلے کپڑوں میں دیکھا تو فرمایا کیا تمہارے پاس کپڑے نہیں؟ اس نے نفی میں جواب دیا تو فرمایا کہ بھلے آدمی انہیں دھو کر ہی پہن لے۔

ایک بار ایک خوش حال شخص کو سڑے ہوئے لباس میں دیکھ کر فرمایا کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا اظہار و تشکر تم پر واجب ہے۔

ایک بار ایک شخص کو پراگندہ بالوں میں دیکھا تو فرمایا کہ اے خدا کے بندے اپنے بالوں میں کنگھا ہی کر لیا کر۔

غسلِ جمعہ کو مشروعیت حاصل ہونے کی وجہ بھی آپ کی صفائی پسندی تھی۔ آپؐ نے کئی بار مسجد میں جھاڑو بھی دی۔ اور دیواروں پر لگی ہوئی گندی چیزوں کو بدست خود صاف کیا۔

عربوں کی یہ عادت تھی کہ پیشاب و پاخانہ کرنے کے لئے کہیں بھی بیٹھ جاتے۔ عام راستہ میں اپنی ستر کھول دینا ان کے لئے کوئی باعثِ شرم بات نہ تھی۔ آپؐ نے اس روش پر تنبیہ فرمائی اور تاکید کی کہ قضائے حاجت کے لئے پردہ پوشی کا اہتمام انتہائی ضروری ہے۔

بدبودار چیزوں سے چونکہ نفرت تھی۔ اس لئے اعلانِ عام یہ تھا کہ مسجد میں کوئی شخص پیاز اور لہسن جیسی چیزیں کھا کر نہ آئے۔

کھانا کھانے سے قبل اور کھانا کھانے کے بعد دونوں ہاتھ دھونا اور کلی کرنا آپؐ کی خاص الخاص عادت تھی۔ کھانے سے فارغ ہونے پر ہاتھ دھونے سے پہلے آپؐ اپنی انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے۔

گوشت آپؐ اگرچہ بے حد مرغوب تھا لیکن اختیار کردہ غربت کی وجہ سے آپؐ نے گوشت کا استعمال اپنی حیاتِ طیبہ میں بہت کم فرمایا ہے۔ سرکہ آپ کو صرف پسند ہی نہ تھا بلکہ مختلف اندازمیں آپ سرکہ کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً ایک بار فرمایا کہ سرکہ کیا ہی عمدہ سالن ہے ایک بار فرمایا کہ جس گھر میں سرکہ ہو وہ گھر سالن سے خالی نہیں۔

ایک بار فرمایا کہ جس گھر میں سرکہ ہوگا وہاں افلاس اپنے قدم نہیں جما سکتا۔ شہد بھی آپؐ کو بے حد پسند تھا اور صرف پسند ہی نہ تھا بلکہ آپ شہد کھانے

کی ترغیب و تلقین بھی کیا کرتے تھے۔

کدو آپؐ کو بے حد پسند تھا۔ اور پلیٹ میں اپنے سامنے سے کھانا آپ کی خاص سنت تھی۔ لیکن کدو کے قتلے آپ پلیٹ کے ہر حصہ میں سے اٹھالیا کرتے تھے۔ ایک بار ایک صحابی نے ازراہ مذاقِ اعتراض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کی تعلیم و تاکید تو یہ ہے کہ اپنے آگے سے کھاؤ لیکن کدو کے ٹکڑے آپ کہیں سے اٹھا لیتے ہیں۔ آپؐ نے تبسم ہو کر فرمایا کہ یقیناً اپنے آگے سے کھانا آداب و شائستگی میں داخل ہے اور پوری پلیٹ میں ہاتھ چلانا ایک طرح کی بے ادبی ہے لیکن کدو اس معاملہ میں مستثنیٰ ہے (اوکما قال)

میٹھی چیزیں آپ کو خاص طور پر پسند تھیں حضرت عثمان غنی رضؓ نے ایک بار حلوا بنا کر آپ کی خدمت میں پیش کیا آپؐ نے نوش کیا پسند کیا اور اس کی تعریف فرمائی۔

ثرید آپ کو بے حد پسند تھا اور اس کے بارے میں آپؐ کا فرمانا یہ تھا کہ ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ایسی ہے جیسے عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر[1]

ککڑی اور تربوز کا استعمال آپ نے بار بار کیا ہے ککڑی بالعموم کھجور کے ساتھ تناول فرماتے۔ حضرت عائشہ رضؓ کی ایک روایت کے مطابق آپ نے تربوز بھی تازہ کھجوروں کے ساتھ نوش فرمایا۔

آپؐ نے پانی کھڑے ہو کر بھی پیا ہے اور بیٹھ کر بھی۔۔ آبِ زمزم اور وضو کا بچا ہوا پانی آپ کھڑے ہو کر ہی پیتے تھے۔ ورنہ عام پانی آپ بیٹھ کر ہی پیتے تھے۔

آپؐ پانی تین سانسوں میں پیا کرتے تھے اور ہر سانس پر پانی کا برتن آپ منہ سے بالکل الگ کر لیا کرتے تھے۔ آپؐ سے اگر کوئی کھانے کی تواضع اس حال میں کرتا کہ آپ بھوک محسوس کر رہے ہوں تو بے تکلف بیٹھ جاتے آپ اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے کہ کھوٹ بھوک کو ایک ساتھ جمع کیا جائے۔

اوپر اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ دودھ آپ کو بے حد مرغوب تھا۔ آپ کی اس پسند اور مرغوبیت ہی کی وجہ سے اکثر صوفیاء کرام کی تاکید یہ تھی کہ اگر کوئی دودھ طلب کرے تو دینے سے انکار مت کرو۔ اور اگر کوئی دودھ پیش کرے تو لینے سے انکار مت کرو۔ حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ کی روایت ہے کہ میں اور خالد ابن ولید رضؓ دونوں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا[2] کے گھر گئے۔ حضرت میمونہ رضؓ ایک برتن میں دودھ لے کر آئیں حضورؐ نے اس میں سے تناول فرمایا اور میں چونکہ دائیں جانب تھا اس لئے بچا ہوا دودھ میری طرف بڑھا کر آپ گویا ہوئے کہ اب پینے کا حق تو تمہارا ہی ہے۔ اس لئے کہ تم دائیں جانب کھڑے ہو۔ البتہ اگر تم خود پر خالد کو ترجیح دو تو تمہارا ایثار ہو گا۔ میں نے کہا کہ آپ کے بچے ہوئے پر تو میں کسی کو نہ ترجیح دے سکوں گا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی چیز کھلائیں یا پلائیں تو بندے کو یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ۔ اے اللہ تو اس میں برکت عطا فرما اور اس سے بہتر چیز عطا فرما۔ اور جب حق تعالیٰ کسی کو دودھ پینا نصیب فرمائیں تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ اے اللہ اس میں برکت عطا فرما اور اس میں زیادتی نصیب فرما۔

آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ دودھ کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتی ہو۔

☆ ☆

---

[1] ثرید شوربے میں بھیگے ہوئے ٹکڑوں کو کہتے ہیں۔ [2] حضرت میمونہ رضؓ ہر دو حضرات کی خالہ تھیں۔

سیرتِ شاہِ اُمم

آپ نے لذیذ اور پر تکلف کھانوں کا التزام کبھی نہیں فرمایا۔ ہلکی پھلکی اور سیدھی سادی غذائیں آپ کو پسند تھیں۔ جو کی روٹی اور کدو کا سالن آپ کو بے حد مرغوب تھا۔ سرکہ اور شہد کو بھی آپ پسندیدگی کی نظروں سے دیکھتے تھے۔

ٹھنڈا پانی نہایت مرغوب تھا۔ دودھ خود بھی پسند فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی دودھ پینے پلانے کی ترغیب دیتے تھے۔ اگر دسترخوان پر کوئی ایسا کھانا موجود ہوتا جو آپ کو ناپسند ہو تو آپ اس کو نوش فرمانے سے گریز کرتے تھے لیکن ناپسند کھانے پر تنقید فرمانا آپ کی عادت نہ تھی۔

کھانا کھاتے وقت آپ ہمیشہ اس چیز کو استعمال کرتے جو آپ کے سامنے ہو، دوسروں کے سامنے سے چیزیں اٹھانا آپ کی عادت نہ تھی۔ اور یہ حرکت آپ کو بالکل پسند نہ تھی کہ کھانا کھانے والا پوری پلیٹ میں ہاتھ چلائے۔

آپ نے کھانا نہ کھڑے ہو کر کھایا اور نہ کبھی ٹیک لگا کر۔ آپ ہمیشہ اکڑوں بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے اور کھانے کے آداب و احترام کو ملحوظ رکھتے۔ آپ کے مزاج میں صفائی بے پناہ تھی۔ بدبو اور گندی چیزوں سے آپ کو سخت نفرت تھی۔

ایک بار ایک شخص کو میلے کچیلے کپڑوں میں دیکھا تو فرمایا کیا تمہارے پاس کپڑے نہیں؟ اس نے نفی میں جواب دیا تو فرمایا کہ پہلے آدمی انہیں دھو کر ہی پہن لے۔

ایک بار ایک خوش حال شخص کو سڑے ہوئے لباس میں دیکھ کر فرمایا کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا اظہار و تشکر تم پر واجب ہے۔

ایک بار ایک شخص کو پراگندہ بالوں میں دیکھا تو فرما[یا] کہ اسے خدا کے بندے اپنے بالوں میں کنگھا ہی کر لیا [کر]۔ غسل جمعہ کو مشروعیت حاصل ہونے کی وجہ آپ کی صفائی پسندی تھی۔ آپ نے کئی بار مسجد میں جھاڑو بھی دی۔ اور دیوار و در پر لگی ہوئی گندی چیزوں کو بدستِ خود صاف کیا۔

عربوں کی یہ عادت تھی کہ پیشاب و پاخانہ کے لئے کہیں بھی بیٹھ جاتے۔ عام راستہ میں اپنی س[تر] کھول دینا ان کے لئے کوئی باعثِ شرم بات نہ تھی۔ آپ نے اس روش پر تنبیہہ فرمائی اور تاکید کی کہ قضائے حاجت کے لئے پردہ پوشی کا اہتمام انتہا[ئی] ضروری ہے۔

بدبودار چیزوں سے چونکہ نفرت تھی۔ اس لئے اعلانِ عام یہ تھا کہ مسجد میں کوئی شخص پیاز ا[ور] لہسن جیسی چیزیں کھا کر نہ آئے۔

کھانا کھانے سے قبل اور کھانا کھانے کے ب[عد] دونوں ہاتھ دھونا اور کلی کرنا آپ کی خاص الخاص عا[دت] تھی۔ کھانے سے فارغ ہونے پر ہاتھ دھونے سے پہلے آپ اپنی انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے۔

گوشت آپ کو اگرچہ بے حد مرغوب تھا لیکن اختیار کردہ غربت کی وجہ سے آپ نے گوشت کا استعمال اپنی حیاتِ طیبہ میں بہت کم فرمایا ہے۔ سرکہ کو صرف پسند ہی نہ تھا بلکہ مختلف انداز میں آپ سرکہ کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً ایک بار فرمایا کہ سرکہ ہی عمدہ سالن ہے ایک بار فرمایا کہ جس گھر میں سرکہ ہو وہ گھر سالن سے خالی نہیں۔

ایک بار فرمایا کہ جس گھر میں سرکہ ہوگا وہا[ں] افلاس اپنے قدم نہیں جما سکتا۔ شہد بھی آپ کو بے حد پسند تھا اور صرف پسند ہی نہ تھا بلکہ آپ شہد کھا...

کی ترغیب و تلقین بھی کیا کرتے تھے۔

کدو آپؐ کو بے حد پسند تھا۔ اور پلیٹ میں اپنے سامنے سے کھانا آپ کی خاص سنت تھی۔ لیکن کدو کے قتلے آپ پلیٹ کے ہر حصہ میں سے اٹھا لیا کرتے تھے۔ ایک بار ایک صحابی نے از راہ مذاق اعتراض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کی تعلیم و تاکید تو یہ ہے کہ اپنے آگے سے کھاؤ لیکن کدو کے ٹکڑے آپ کہیں سے اٹھا لیتے ہیں۔ آپؐ نے تبسم ہو کر فرمایا کہ یقیناً اپنے آگے سے کھانا آداب و شائستگی میں داخل ہے اور پوری پلیٹ میں ہاتھ چلانا ایک طرح کی بے ادبی ہے لیکن کدو اس معاملہ میں مستثنیٰ ہے (او کما قال)

میٹھی چیزیں آپ کو خاص طور پر پسند تھیں حضرت عثمان غنی رضؓ نے ایک بار حلوا بنا کر آپ کی خدمت میں پیش کیا آپؐ نے نوش کیا پسند کیا اور اس کی تعریف فرمائی۔

ثرید آپ کو بے حد پسند تھا اور اس کے بارے میں آپؐ کا فرمانا یہ تھا کہ ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ایسی ہے جیسے عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر۔[۱]

ککڑی اور تربوز کا استعمال آپ نے بار بار کیا ہے ککڑی بالعموم کھجور کے ساتھ تناول فرماتے۔ حضرت عائشہ رضؓ کی ایک روایت کے مطابق آپ نے تربوز بھی تازہ کھجوروں کے ساتھ نوش فرمایا۔

آپ نے پانی کھڑے ہو کر بھی پیا ہے اور بیٹھ کر بھی۔ آب زمزم اور وضو کا بچا ہوا پانی آپ کھڑے ہو کر ہی پیتے تھے۔ ورنہ عام پانی آپ بیٹھ کر ہی پیتے تھے۔

آپؐ پانی تین سانسوں میں پیا کرتے تھے اور ہر سانس پر پانی کا برتن آپ منہ سے بالکل الگ کر لیا کرتے تھے۔ آپ سے اگر کوئی کھانے کی تواضع اس حال میں کرتا کہ آپ بھوک محسوس کر رہے ہوں تو بے تکلف بیٹھ جاتے آپ اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے کہ جھوٹ بھوک کو ایک ساتھ جمع کیا جائے۔

اوپر اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ دودھ آپ کو بے حد مرغوب تھا۔ آپ کی اس پسند اور مرغوبیت ہی کی وجہ سے اکثر صوفیاء کرام کی تاکید رہتی کہ اگر کوئی دودھ طلب کرے تو دینے سے انکار مت کرو، اور اگر کوئی دودھ پیش کرے تو لینے سے انکار مت کرو۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ میں اور خالد ابن ولیدؓ دونوں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا[۲] کے گھر گئے۔ حضرت میمونہؓ ایک برتن میں دودھ لے کر آئیں حضورؐ نے اس میں سے تناول فرمایا اور میں چونکہ داہنی جانب تھا اس لئے بچا ہوا دودھ میری طرف بڑھا کر آپ گویا ہوئے کہ اب پینے کا حق تو تمہارا ہی ہے۔ اس لئے کہ تم داہنی جانب کھڑے ہو، البتہ اگر تم خود پر خالد کو ترجیح دو تو تمہارا ایثار ہوگا۔ میں نے کہا کہ آپ کے بچے ہوئے پر تو میں کسی کو نہ ترجیح دے سکوں گا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی چیز کھلائیں یا پلائیں تو بندے کو یہ دعا پڑھنی چاہئے۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَاَطْعِمْنَا خَیْرًا مِّنْہُ۔ اے اللہ تو اس میں برکت عطا فرما اور اس سے بہتر چیز عطا فرما۔ اور جب حق تعالیٰ کسی کو دودھ پینا نصیب فرمائیں تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہئے۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَزِدْنَا مِنْہُ اے اللہ اس میں برکت عطا فرما اور اس میں زیادتی نصیب فرما۔

آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ دودھ کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتی ہو۔

⁂

۱ ثرید شوربے میں بھیگے ہوئے ٹکڑوں کو کہتے ہیں۔ ۲ حضرت میمونہؓ ہر دو حضرات کی خالہ تھیں۔

فہیم الحدیث

اولاد کے حقوق وفرائض

"حضرت عبداللہ ابن عباسؓ راوی ہیں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اولاد کے ساتھ محبت و تکریم کا برتاؤ کرو۔ اور اچھے پیمانے پر ان کی تربیت کرو۔"

(ابن ماجہ)

اولاد کے ساتھ محبت وشفقت کا برتاؤ کرنا ران کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرنا ایک فطری بات ہے۔ مذہبِ اسلام اگر اولاد کے ساتھ محبت ورافت برتاؤ کرنے اور ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرنے تاکید نہ بھی کرے۔ تو بھی ہر مسلمان بہ تقاضائے فطرت لاد سے محبت کرنے اور ان کے بارے میں جذباتی ویوں سے سوچنے پر مجبور ہے۔ ہندو ہو یا مسلمان لحد ہو یا عیسائی۔ ہر شخص کو اپنی اولاد اپنی جان سے زیادہ زیز ہوتی ہے ہر شخص اپنی اولاد کو بہتر سے بہتر کھلانے ہنانے کی فکر میں عمر بھر سرگرداں رہتا ہے خود گیلے ں سوتا ہے اور اپنی اولاد کو سوکھے میں سلاتا ہے پھر ولاد کے ساتھ محبت کے برتاؤ کی تعلیم کیا معنی رکھتی ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ مذہبِ اسلام کے نزدیک اہمیت ارادہ ونیت کو حاصل ہے فعل وعمل کو نہیں۔ نیت اچھی ہو تو برا محسوس ہونے والا فعل بھی قابلِ اجر قرار پاتا ہے اور نیت اگر بُری ہو تو اچھا معلوم ہونے والا عمل بھی قہر وعتاب کی سان پر چڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کے بہت سے کاموں میں اگر حسنِ نیت ملحوظ رہے تو دنیا عین دین بن جاتا ہے۔ اور اگر دین کے بہت سے کام بلا کسی نیت اور بلا کسی غور وفکر کے کئے جاتے رہیں تو ان پر کوئی اجر مرتب نہیں ہوتا وہ دیکھنے میں عبادت محسوس ہوتے ہیں لیکن ان کی حیثیت عادت سے زیادہ نہیں ہوتی۔

آپ دیکھتے ہیں کہ ایک مسجد میں ایک ہی وقت میں ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے بہ اعتبار اجر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً الف بہت بڑا متقی قرار پاتا ہے جیم اوسط درجے کا متقی قرار پاتا ہے شین کی صرف نماز قبول ہوتی ہے کوئی خاص مقام اسے حاصل نہیں ہوتا اور غین کا دامن بالکل خالی رہ جاتا ہے اس کی نماز اس کے منہ پر مار دی جاتی ہے۔ آخر کیوں؟ ان سب نمازیوں کی نماز دیکھنے میں ایک ہی جیسی تھی۔ ایک ہی وقت ایک ہی مسجد میں ادا ہو رہی تھی۔ ایک ہی امام کی اقتدا میں پڑھی گئی تھی پھر حیثیت

قوت کے اعتبار سے یہ سب نمازی ایک دوسرے
ے مختلف اور ان کو ملنے والا اجر متفاوت کیوں رہا؟
بر سی بات ہے کہ اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے اور
ہے نیت کی کرشمہ سازی۔

الف خوف خدا اور خوف احتساب اور امید کرم
، ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔ سب سے زیادہ ثواب اس
ے حصے میں آیا۔ جیم کی نیت الف کے مقابلے میں انیس
ں۔ لہٰذا ثواب بھی اس کے حصے میں انیس ہی آیا۔ شین
نے نماز عبادت کی نیت کے ساتھ تو ادا کی۔ لیکن خوف
ۓت خوف خدا جیسی متاع گرانمایہ سے اس کا دامن
ان خالی تھا لہٰذا اجر اسے برائے نام ملا۔ غین صاحب
یا کو دکھانے کیلئے اور نمازی مشہور ہونے کے لئے
ز پڑھ رہے تھے لہٰذا بالکل ہی خالی دامن رہے۔
لیف یہ بات مسلّم ہے کہ مذہب اسلام کے نزدیک میرت
لل میں اصل اہمیت نیت کی ہے۔ ہر عمل نیت کا تابع
ے اجر و عتاب جزا و سزا جو کچھ سامنے آئے گا وہ نیت
، حسن نیت کے اعتبار سے ہوگا عمل اور حسن عمل کے
متبار سے نہیں۔

دنیا محض نیت کی بنا پر دین کیسے بن جاتی ہے؟
کھانے کے لئے ہم صرف ایک واقعہ پیش کرنے پر اکتفا
ریں گے۔

حضرت عمر فاروق رضؓ کے دور خلافت میں ایک
ماحب نے اپنا مکان تعمیر کرایا مکان کی تعمیر مکمل ہو جانے
کے بعد انھوں نے خلیفۂ وقت عمر فاروق اعظمؓ کی دعوت
۔ عمر فاروقؓ جب اس مکان میں تشریف لائے تو
نھوں نے بنظر غائر مکان کے مختلف حصوں کو دیکھا
کان بالکل سیدھا سادا تھا کوئی چیز قابل اعتراض
نہ تھی۔ مکان کی دیوار میں روشن دان تھے۔ عمر فاروقؓ
نے روشن دان کی طرف اشارہ کرکے صاحب مکان
سے دریافت کیا کہ ان کی غرض و غایت کیا ہے؟ صاحب
مکان نے جواب دیا کہ اے امیرالمومنین یہ روشن دان
دھوپ اور ہوا کی آمد کے لئے کھلوایا گیا ہے عمر فاروقؓ
نے فرمایا کہ اگر تم روشن دان اس نیت سے کھلواتے
کہ ہمسائے کی خبر گیری میں آسانی رہے تو دھوپ
ہوا تو تب بھی آتی لیکن اس صورت میں جب تک تمہارا
مکان قائم رہتا ہمسائے کی خبر گیری کا اجر تمہیں
ملتا رہتا۔ اور اب دھوپ اور ہوا کے سوا تمہیں کچھ بھی
حاصل نہیں ہوگا۔ اس واقعہ سے اور اسی طرح کے
بے شمار واقعات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے
کہ نیت دین کو دنیا اور دنیا کو دین بنا دیتی ہے۔

بیوی سے محبت کا ہونا ایک فطری بات ہے
لیکن اگر کوئی مسلمان بیوی سے محبت کا برتاؤ اس نیت
کے ساتھ کرے کہ میں اللہ و رسولؐ کے حکم کی تعمیل کرتا
ہوں تو یہی محبت عبادت بن جاتی ہے اور اس پر ایک
گونہ اجر مرتب ہوتا ہے۔ اولاد سے محبت کرنا بھی خاصۂ
فطرت ہے۔ لیکن اگر والدین اولاد کے ساتھ محبت
وشفقت کا معاملہ محض اس بنا پر کریں کہ رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید کی ہے تو یہی عمل
فرمانبرداری بن کر توشۂ آخرت بن جاتا ہے۔

مذکورہ روایت میں ان ہی دو باتوں کی تعلیم
دی گئی ہے کہ اولاد کے ساتھ محبت و اکرام کا برتاؤ
کرو، ان کی تربیت و تعلیم پر بھی اپنا وقت و پیسہ خرچ کرو،
اور ان کی اصلاح و تطہیر پر بھی اپنی توجہ مبذول کرو۔ اور یہ سب
کچھ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کرو۔ تاکہ اولاد سے فطری محبت
بھی ایک طرح کی عبادت بن جائے۔ واضح رہے کہ تعلیم سے ہماری مراد وہ تعلیم
نہیں جو جہالت سفاہت کا شاخسانہ ہے اور جسے حاصل کرکے انسان
کمثل الحمار یحمل اسفارا کا نمونہ بن کر رہ جاتا ہے بلکہ تعلیم سے مراد وہ تعلیم ہے جو
انسان کو انسانیت کے قریب کرے۔ اس کے اندر [illegible] کے جوہر پیدا کرتی ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ کی ضرورت و اہمیت

ڈاکٹر شرف الدین

انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا اسلام کی ایک اہم اور بنیادی تعلیم ہے قرآ حکیم کی متعدد آیات میں انفاق، فی سبیل اللہ کی تاکید کی گئی ہے بلکہ مسلمانوں کی پہچان ہی یہ بتائی گئ ہے کہ وہ راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰ ومما رزقنٰھم ینفقون (البقرۃ) وہ لوگ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کر۔ ہیں. اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق دیا ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ مسلمانوں کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا نماز کا قیام۔ اسی طرح اور آیت میں کہا گیا ہے کہ تم نیکی حاصل ہی نہیں کر سکتے۔ جب تک اپنی پسندیدہ چیزوں کو راہ خدا نہ خرچ کرو، لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون (آل عمران) ایک اور آیت میں تنبی کی گئی ہے۔ اگر مسلمان راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرنے میں کوتاہی کریں گے تو یہ اجتماعی خودکشی ک طرف ایک بھیانک اقدام ہوگا وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ (البقرہ) رہا یہ سوال کہ راہ خدا میں کتنا مال خرچ کیا جائے۔ اس کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے کہ ضرورت سے ج زیادہ تمہارے پاس ہو سب خرچ کر دو۔ ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو (البقرہ)

قرآن حکیم نے انفاق فی سبیل اللہ کی اتنی تاکید اس لئے کی ہے کہ اس کے بغیر اسلامی ز معیشت قائم نہیں کر سکتا۔ اسلام ارتکاز دولت کا مخالف ہے اور معاشرہ میں معاشی مساوات پر کرنا چاہتا ہے وہ ایسا معاشرہ پیدا کرنا چاہتا ہے کہ جس میں کوئی شخص بھوکا ننگا، جاہل اور نادر نہ اس مقصد کے لئے اس نے مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض کی ہے لیکن زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد مسلمان اپ تمام معاشی واجبات سے بری الذمہ نہیں ہو سکتے ہیں۔ جب تک معاشرے میں ناداری جہالت ا بیماری باقی ہے زکوٰۃ کے علاوہ مالدار مسلمانوں کے لئے انفاق ضروری ہے تاکہ دولت گردش کر رہے اور نچلے طبقات کی قوت خرید میں کمی نہ آنے پائے۔ جس معاشرہ میں لوگ انفاق نہ کرتے رفاہ عامہ کے ادارے قائم نہیں کرتے یتیموں بیواؤں اور مسکینوں کو بے یار و مددگار چھ دیتے ہیں۔ وہ معاشرہ کبھی اسلامی معاشرہ نہیں ہو سکتا۔ ایسے معاشرہ میں طبقاتی ناانصافی کی د سے باہمی اخوت کی جگہ باہمی نفرت کا دور دورہ رہے گا جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے

رہم اسلامی اخوت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم غریبوں اور محروموں کو ان کے
تز حقوق دیں۔ بیماروں کے علاج و معالجہ کا انتظام کریں۔ اور وسیع پیمانہ پر علمی درسگاہیں قائم کریں۔ تاکہ ہمارے
اشرے کا کوئی نوجوان یا بالغ شخص تعلیم سے محروم نہ رہے اور اس کو ترقی اور خوشحالی کے یکساں مواقع
صل ہوں۔ یہ کام بغیر انفاق فی سبیل اللہ کی اسپرٹ کے نہیں ہو سکتا۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا
ہے کہ ہمارے موجودہ معاشرہ میں انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ وہ نہ ہونے کے
برابر ہے۔ ہمارے طبقات نہ ہسپتال قائم کرتے ہیں۔ نہ علمی درسگاہیں کھولتے ہیں نہ معذوروں اور
بیواؤں اور مسکینوں کی کوئی منظم امداد کرتے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو اس سے طبقاتی نفرت اور زیادہ
پھیلے گی۔ جس سے وہ لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو ہمارے اسلامی تشخص کو مٹانا چاہتے ہیں۔

حاجت مندوں کے حقوق

ہر انسان خواہ وہ کسی قدر صاحب دولت اور بے نیاز ہو کسی نہ کسی وقت اس پر ایسی افتاد پڑتی ہے کہ اس کو
دوسروں کے دست نگر بننا پڑتا ہے اور وہ اس بات پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ صاحب ثروت لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے
اس لئے انسانی جماعت کے ہر رکن کا فرض ہے کہ وہ اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کرے اور اپنی موجودہ بہتر حالت پر
مغرور ہو کر کسی حاجت مند کی حاجت روائی سے بے پروائی نہ برتے۔

قرآن میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ وفی اموالھم حق للسائل والمحروم۔ مسلمانوں کے مال میں مانگنے والوں کا ایک
حصہ ہے۔ بلاشبہ سائل مانگنے والے ہی کو کہتے ہیں۔ لیکن سائل سے مراد صرف بھیک مانگنے والے لوگ نہیں۔ بلکہ سائل سے ہر
شخص مراد لیا جا سکتا ہے جو غریب اور حاجت مند ہو۔ خواہ وہ ہاتھ پھیلائے یا نہ پھیلائے۔

قرآن حکیم میں ایک دوسرے موقع پر یوں فرمایا گیا ہے۔ واما السائل فلا تنھر۔ آپ سوال کرنے والے کو مت جھڑ کیئے
یہاں سوال کرنے والے کے معنی "الضحیٰ" کے قرینہ سے عام طور پر بھیک مانگنے کے سمجھے جاتے ہیں۔ مگر لفظ کا عموم وسعت
چاہتا ہے۔ ہر ضرورت مند جو تم سے کسی بھی طرح کی مدد کا خواستگار ہو۔ خواہ وہ جسمانی ہو یا مالی۔ عملی ہو یا علمی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی
اندھا تم سے تمہارے کاندھے کا سہارا لینا چاہتا ہے تو وہ بھی سائل اور حاجت مند کے قبیل سے ہے اور اس کی حاجت روائی ضروری ہے
غرض کہ حاجت مندوں کی حاجت روائی اور ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے

ایک روایت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا تو
اللہ اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی کسی مصیبت کو دور کرے گا تو اللہ قیامت کی مصیبتوں
میں سے اس کی مصیبت دور فرمائے گا۔ ایک حدیث میں آپ نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ اپنے بندے کی مدد اس وقت تک کرتا رہتا
ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے۔

(سیرۃ النبی جلد ششم)

نوادر الفقہ

توضیحات و روایات

مولانا عامر عثمانی مرحوم

اقرار کا مطلب

سوال :- اختر علی خان کلکتہ

جب غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تو حضرت جبرئیلؑ کہتے ہیں کہ اے نبی پڑھیے تو اس وقت حضورؐ جواب دیتے ہیں کہ میں پڑھنا لکھنا نہیں جانتا ہوں۔ تو اس پڑھنے سے کیا مراد ہے وضاحت کیجئے۔ کیا حضرت جبرئیلؑ لکھی ہوئی سورۃ لے کر نازل ہوئے تھے؟۔ تب تو ٹھیک ہے لیکن اگر زبانی بات چیت ہو رہی تھی تو اس پڑھنے سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کیجئے۔

جواب :-

اگر آپ تھوڑے سے غور و فکر کی عادت ڈال لیں تو کتنے ہی سوالوں کا جواب آپ کو خود ہی مل جائے گا۔ اب مثلاً روزمرّہ کی بول چال دیکھئے آپ کہتے ہیں:

" فلاں شخص نے مشاعرہ میں بڑی اچھی غزل پڑھی"

اس وقت آپ کا مطلب لازماً یہ نہیں ہوتا کہ شاعر نے کاغذ یا نوٹ بک دیکھ کر غزل پڑھی تھی۔ اس نے دیکھ کر پڑھی ہو یا محض یادداشت سے پڑھی ہو دونوں ہی صورتوں میں آپ بلا تکلف یہ فقرہ بول لیتے ہیں اور سننے والے بھی دونوں ہی شکلوں میں اسے درست سمجھتے ہیں۔

نیز آپ کہتے ہیں کہ " فلاں امام صاحب نے تو غضب ہی کر دیا۔ مغرب میں پوری سورۃ جمعہ پڑھ ڈالی" دیکھ لیجئے امام تو قرآن سامنے رکھے بغیر یادداشت سے پڑھتا ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ آپ خود " پڑھنے" کے لفظ کو ایسے محل میں استعمال کرتے ہیں جہاں کسی لکھی ہوئی عبارت کو دیکھ کر پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جب لفظ اقرار کا یہ محاوراتی استعمال سامنے آگیا تو اب خود سوچ لیجئے کہ آپ کا سوال سوائے جلد بازی اور لاپروائی کے اور کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ آنجناب کو بھی یقیناً معلوم ہوگا کہ نہ تو ہمارے حضور عام معنے میں پڑھے لکھے تھے نہ حضرت جبرئیلؑ کوئی لکھا لکھایا ورق لائے تھے۔ اقراء کے معنی ہیں "پڑھ" دراصل قرآت کا اطلاق کسی کلام کو سُن کر دہرانے پر اس لئے ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی آدمی سنتا ہے وہ کانوں سے داخل ہو کر پہلے حافظے کی لوح پر مرتسم ہو جاتا ہے پھر قدرت کی دی ہوئی .... آنکھ اسے پڑھ کر زبان کی طرف منتقل کرتی ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے زبان

آیات ادا کیں۔ یہ حضورؐ کے حافظے کی لوح پر رقم ہوتیں۔ وہاں سے چشم دماغ نے انھیں پڑھا اور ارادے کی لہروں پر حلقوم کی طرف رواں کر دیا۔ گویا لفظ قرأت کے معنی اگر دیکھ کر پڑھنے کے بھی طے کر دیئے جائیں جب بھی کسی بات کو سنکر دہرانا پڑھنے ہی کے مرادف ہوگا۔

وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ

سوال :- از عبدالرشید۔ احمد نگر (مہاراشٹر)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اُن " عالم " کے بارے میں :- جو آیت شریفہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ " میں لفظ " رجال " کو عمومیت پر محمول کرتے ہوئے کہ اس ارشاد باری کے مخاطب مرد اور عورتیں سب ہیں۔ اس آیت کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ رسول پاک صلعم باپ کے رشتہ سے، جس کو درجے کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ عقیدتاً قائم کر سکتے ہو، بہت بلند اور دنیاوی علائق (؟) سے ایسے بالاتر تھے جو " تم عامیوں کی فہم میں نہیں آسکتا"۔

جواب :-

فساد زیادہ تر علماء ہی پھیلاتے ہیں۔ جہلاء بے چاروں کی موشگافیوں سے متأثر کون ہوگا۔ جن عالم صاحب کا یہ خیال گرامی آپ نے ذکر کیا ان کے حق میں یہی دعا کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں نیک توفیق دے اور قرآنی آیات سے کھیل کرنے کے شدید گناہ سے توبہ کا موقع نصیب فرمائے۔

کسی خاص لفظ کو عمومیت پر محمول اسی وقت کر سکتے ہیں۔ جب اس کے لئے واضح قرینہ یا دلیل موجود ہو، یہ نہیں کہ کوئی بھی مسخرا اٹھے اور کہنے لگے کہ فلاں خاص لفظ خاص نہیں ہے عام ہے۔ رجال کا اطلاق عربی میں مردوں ہی پر ہوتا ہے الّا یہ کہ کسی موقع پر محاورۃً اسے مرد عورت سب کے لئے بول دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ ذکور بچپن ہی میں انتقال کر گئی اور اس آیت کے نزول کے وقت کوئی لڑکا موجود نہیں تھا۔ نہ بعد میں کوئی لڑکا ایسی عمر کو پہنچا جس پر " رجال " کا اطلاق ہو سکے البتہ بیٹیاں متعدد تھیں اور مسلمانوں کا بچہ بچہ ان کے نام جانتا تھا۔ کم سے کم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے نام سے تو کوئی بھی ناواقف نہیں ہے۔ پھر کیا حضورؐ ان لڑکیوں کے باپ نہیں تھے؟ اگر تھے اور یقیناً تھے تو ان عالم کی نکتہ آفرینی کا حاصل تو یہ نکلا کہ نعوذ باللہ خدا غلط بیانی کر رہا ہے۔ حضورؐ متعدد لڑکیوں کے باپ ہیں مگر وہ کہہ رہا ہے کہ وہ کسی کے بھی باپ نہیں۔ اگر خدا کا غلط بیانی کرنا کسی کے حلق سے اتر سکتا ہے تو وہ بلا تکلف ان عالم صاحب کا مرید ہو جائے۔ لیکن نہیں اتر سکتا تو مجبوراً یہ ماننا ہوگا۔ کہ اسی طرح کے تفسیری نکتے مالیخولیا کے قبیل سے ہیں۔ اور انہیں اہمیت دینا وقت برباد کرنا ہے۔

لفظ اَب پر بھی غور کیجئے اہل فن کا مسلمہ اصول ہے کہ کسی لفظ کو اس کے وضعی معنے سے اس وقت ہٹایا جاسکتا ہے جب ہٹانے کا قرینہ موجود ہو۔ مجازی مفہوم اسی وقت لیا جائے گا جب حقیقی مفہوم لینا ممکن نہ ہو۔ اَب والد کو کہتے ہیں۔ اس آیت میں نہ صرف یہ کہ کوئی قرینہ ایسا موجود نہیں کہ جس کی بناء پر سوائے والد کے کوئی اور مفہوم اَب سے اخذ کیا جائے۔ بلکہ نعوذ باللہ آیت ہی مہمل ہو جاتی ہے اگر اور کوئی مفہوم لے لیا جائے۔

آیت کی شان نزول یہ ہے کہ حضرت زیدؓ حضورؐ کے منہ بولے بیٹے تھے۔ ان کا نکاح آپؐ نے اپنی پھوپی زاد بہن زینب سے کرا دیا۔ بعد میں طلاق

رشتہ اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے باپ اور بیٹے کے رشتے کے مقابلے میں قوی اور بلند ہے۔ مگر آیتِ مذکورہ سے اس نکتے کو نکالنا قرآن کی تحریف ہے نہ کہ تفسیر اور اس پر یہ اضافہ کیا کہ حضورؐ دنیاوی علائق سے ایسے بالاتر تھے کہ تم عامی اسے نہیں سمجھ سکتے۔ محض زبان درازی اور لغو گوئی ہے پتہ نہیں عالم صاحب کی کیا مراد ہے۔ حضورؐ کھاتے تھے پیتے تھے سوتے تھے مریض ہوتے تھے۔ بولتے تھے۔ غصہ، رنج، خوشی، جوش، اضمحلال۔ اُمید۔ ناامیدی۔ خوف سارے ہی انسانی جذبے آپؐ پر طاری ہوتے تھے۔ آپ نے شادیاں کیں خسر بھی بنے۔ اولاد کو بھی پیار کیا۔ آخر کون سے علائق.. دنیاوی ہیں جن سے آپؐ کو بالاتر کہا جا رہا ہے۔ اور لطف یہ کہ جو اس مجذوبانہ موشگافی کو نہ سمجھے وہ عامی! خدا ایسے نکتہ سنجوں پر رحم فرماتے۔

تفصیلاً لکلّ شیٔ کا مطلب

سوال :- از : ریاض الدین۔ بمبئی۔

مطالعہ قرآن کے دوران بندے کو بعض الجھنیں پیش آتی رہتی ہیں۔ جن کا حل باوجود کوشش کے نہیں مل پاتا۔ میری پہنچ کے اندر جو بعض اہلِ علم ہیں ان سے بھی سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور بعض امور میں وہ مجھے مطمئن کر دیتے ہیں۔ لیکن بعض امور میں ان سے بھی تسلّی نہیں ہوتی۔ مجبور ہو کر یہی سوچا کہ کبھی کبھی آپ کو تکلیف دیا کروں۔

اب اس وقت ایک الجھن درپیش ہے کہ مختصر جواب ڈاک سے روانہ کر دیں۔ جس کے لئے جوابی لفافہ حاضر ہے لیکن تفصیلی جواب تجلی میں دیں۔ تاکہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے

سورۃ انعام کی آیت ۱۵۴ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تاکہ اتمام نعمت کر دیں۔ ان لوگوں پر جو اچھے کام کرنے والے ہیں۔ تاکہ تفصیل کر دیں ہر شے کی۔

الفاظ ہیں۔ وتفصیلاً لکلّ شیٔ۔ الجھن یہ ہے کہ لفظ کل عربی زبان میں۔ ہر ہر چیز کے لئے آتا ہے تو کیا حضرت موسیٰؑ کی کتاب (توراۃ) میں دنیا کی ہر شئے موجودہ کی تفصیل موجود تھی؟

پھر سورۃ اعراف میں بھی اس کتاب کے سلسلے میں یہی الفاظ فرمائے گئے ہیں (آیت ۱۴۵) اس کے بعد سورہ یوسف میں قصص قرآنی کے سلسلے میں بھی یہ ارشاد ہوا ہے کہ ان میں ہر شئے کی تفصیل ہے وتفصیل لکلّ شیٔ)۔ (آیت ۱۱۱)

پھر سورۂ نحل میں خود قرآن کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ تبیاناً لکلّ شیٔ (اے رسول ہم نے تم پر وہ کتاب نازل کی جس میں ہر چیز کا کھلا کھلا بیان ہے)

اب ظاہر ہے کہ قرآن میں ہر ہر چیز کا بیان تو نہیں حتّٰی کہ علوم شرعیہ میں سے بے شمار چیزوں کا بیان نہیں مثلاً زکوۃ کی شرح رکعات نماز کی تفصیل اور ایسی بے شمار چیزیں۔ پھر یہ لفظ کُلّ کیوں استعمال فرمایا گیا۔ بعض علماؔ کے مضامین میں میں نے پڑھا ہے کہ وہ اسی آیت کے حوالے سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن میں علوم سائنس بھی یقیناً بیان ہوتے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالےٰ لفظِ کُل کیوں استعمال فرماتا اس استدلال کے بعد وہ آج کے خلائی سفر چاند پر انسان کی پہنچ اور اسی طرح کی متعدد سائنسی پیش قدمیوں کا جوڑ آیاتِ قرآنی کے بعض اشارات وکنایات سے ملاتے ہیں جو میری سمجھ میں تو بالکل نہیں آتا۔ خود آپ نے بھی بارہا تجلی میں اس پر نکیر اور تنبیہ کی ہے اور لکھا ہے کہ قرآن کو ان چیزوں سے کوئی تعلق نہیں۔ براہِ کرم اس الجھن

پر کچھ لکھیں۔ ہو سکے تو لفظ کل کے ایسے استعمال کی کچھ مثالیں پیش فرمائیں۔ جن میں یہ محدود معنی میں آیا ہو۔

جواب :-

مختصر جواب خط سے دے چکا ہوں۔

عربی کا لفظ کل وضع تو بے شک اسی لئے ہوا ہے کہ اپنے دامن میں سارے افراد و اجزاء کو سمیٹ لے اور کوئی جزو بھی اس سے باہر نہ رہے لیکن محاورات میں اس کا استعمال گونا گوں ہے۔ کبھی اکثر کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اور کبھی متعدد کے مفہوم میں۔ اُردو میں اس کی مثال ایسی سمجھئے کہ جیسے ہم یوں کہتے ہیں کہ کل عالم اللہ کا بنایا ہوا ہے۔

یہاں لفظ کل اپنی وضع کے مطابق استعمال ہوا یعنی کوئی بھی فرد اس سے خارج نہیں۔ کائنات کا ایک ایک ذرّہ اس میں داخل ہے۔

اور کبھی ہم کہتے ہیں کہ فلاں بات تو اتنی واضح ہے کہ ہر آدمی اسے جانتا ہے۔ اس وقت ہمارا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ پوری دنیا کا آدمی اس بات سے واقف ہے۔ لاکھوں آدمی دنیا میں ایسے ہیں کہ جو یہ بھی نہیں جانتے کہ دس کو دس سے ضرب دو تو حاصل سو آئے گا لہٰذا ہمارا منشاء صرف یہ ہوتا ہے کہ ہوشمند اور باشعور لوگ اسے جانتے ہیں۔

اور کبھی اس سے بھی محدود مصداق کے لئے کل مستعمل ہوتا ہے جیسے ہم اپنے کسی گھریلو قصے میں کہتے ہیں کہ اب فلاں بات کو چھپانے سے کیا حاصل یہ تو سب کے علم میں آچکی ہے۔

لفظ سب اور ہر اور تمام کل ہی کے مرادفات میں سے ہیں۔ یہاں ہم نے لفظ "سب" بولا جس کا وضعی اور لغوی اطلاق تو پوری دنیا کے جملہ انسانوں پر ہو سکتا ہے لیکن یہاں ہماری مراد صرف وہ لوگ ہیں جو ہمارے محدود حلقۂ تعارف اور خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ کسی لفظ کا مصداق و مفہوم سمجھنے کے لئے سیاق سباق اور قرائن کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے قرآن میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ بے شمار جگہ تو لفظ کل اپنے وضعی معنے میں استعمال ہوا ہے جیسے وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا اور اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ اور رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا اور كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ اور كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ وغیر ذالک۔ لیکن اسی قرآن میں یہ لفظ محدود مصادیق میں بھی استعمال ہوا ہے جیسے سورہ قصص میں فرمایا گیا يُجْبٰى إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ (کھنچے چلے آتے ہیں۔ اس کی (مکہ کی) طرف تمام پھل۔ ظاہر ہے کہ وہاں آم اور آڑو اور لیچی اور سنگترے اور جامن اور شہتوت اور بے شمار پھل تو نہ آتے تھے۔ پھر لفظ کل بولا گیا۔ اسی طرح سورۃ انعام میں بعض پچھلی معتوب امتوں کے بارے میں فرمایا گیا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ (کھول دیئے ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے یعنی جملہ نعمتیں ان کو دی گئیں) ظاہر ہے کہ وہ نعمتیں انھیں بالکل نہیں دی گئیں۔ جو سعادت کا قطعی ثبوت ہیں۔ مثلاً نبوت و ولایت وغیرہ۔ یہ دی جاتیں۔ تو وہ معتوب کیوں ہوتے۔ اسی طرح سورۃ احقاف میں فرمایا گیا رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ (ہوا جس میں عذاب دردناک پوشیدہ تھا کہ اکھاڑ پھینکے ہر شے کو)

یہ اس ہوا کا ذکر ہے جو ہود علیہ السّلام کی غلط کار قوم پر بھیجی گئی۔ بیشک اس نے بڑی تباہی مچائی مگر معلوم ہے کہ نہ حضرت ہود اور ان کے صاحب ایمان ساتھیوں کو اس نے تباہ کیا نہ زمین و آسمان اور پہاڑ اس سے فنا ہوئے۔ حالانکہ لفظ کل شئی میں تو سبھی داخل ہیں۔ اسی طرح سورۃ نمل میں سبا کی ملکہ کے متعلق یہ الفاظ ہیں۔ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (اور اسے ہر چیز ملی ہے) ظاہر ہے کہ یہاں بھی بعض ہی

اشیاء مراد ہیں۔ محدود چند اشیاء تھیں۔ جن سے اس ملک کو حصہ نہیں ملا تھا۔

اس سے بھی زیادہ محدود مصداق کا نمونہ دیکھئے حضرت ابراہیم علیہ السّلام اللہ سے کہتے ہیں۔ مجھے دکھایئے کہ آپ کس طرح مُردوں کو زندہ کریں گے۔ اللہ کہتا ہے۔ اے ابراہیمؑ کیا تمہیں یقین نہیں؟ حضرت ابراہیم عرض کرتے ہیں۔ اے اللہ یقین تو بالکل ہے مگر اور ذرا اطمینان قلبی چاہتا ہوں۔ اللہ فرماتا ہے اچھا ایسا کرو چار پرندے پکڑ لو پھر انھیں کچھ روز سدھاؤ۔ (ہلاؤ) اور پھر انہیں ذبح کرکے ان کے مختلف اعضاء مختلف پہاڑوں پر رکھدو، اس کے بعد انہیں بلاؤ وہ دوڑے ہوتے چلے آئیں گے۔ یہاں اللہ کے الفاظ یہ ہیں۔ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا (پھر ہر پہاڑ پر رکھدو ان کے جسموں کا ایک ایک ٹکڑا۔ آیت ۲۶۰ سورہ بقرہ)

اندازہ کر لیجئے دنیا میں لاکھوں پہاڑ ہیں۔ لفظ کل میں وہ سبھی داخل ہیں لیکن یہاں مراد وہ صرف پہاڑ ہیں۔ جو حضرت ابراہیمؑ کے ارد گرد پائے جاتے تھے۔ چنانچہ آپ نے صرف چار مختلف پہاڑوں پر مختلف اعضاء رکھ کر یہ منظر دیکھا تھا کہ بذریعہ پرندوں کا ایک ایک جُزو جڑ گیا اور وہ بلانے پر دوڑ سے چلے آتے۔

حدیثوں میں بھی اس طرح کے استعمالات عام ہیں۔ مثلاً بخاری ابواب الاستسقاء میں باب دعا النبیؐ الخ کے تحت حدیث آئی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہؐ نے لوگوں (کفر قریش) کی سرکشی اور حق دشمنی سے تنگ آکر انھیں بددعا دی کہ انہیں ایسے ہی قحط میں مبتلا کردے جیسا یوسفؑ کے زمانے میں سات سالوں تک رہا تھا۔ اللہ نے دعا قبول کی فَاَخَذَتْهُمْ سَنَةٌ حَصَّتْ كُلَّ شَيْءٍ حَتّٰى اَكَلُوا الْجُلُوْدَ وَالْمَيْتَةَ وَالْجِيَفَ (پس انھیں قحط نے آدبوچا جس نے ہر شے تباہ کرکے رکھ دی یہاں تک کہ انہوں نے کھالیں۔ اور مردار اور سڑی [illegible] کھائیں) کل شیء [illegible] سمجھ کر [illegible]

جلا انسان، مکانات وغیرہ۔ مگر ظاہر ہے کہ اس قحط نے صرف نباتات کو تباہ کیا تھا۔ اسی کیلئے کل شئ کا لفظ بولا گیا

بخاری کتاب الاجارہ میں باب یعطی فی الرقیۃ علی احیاء العرب بفاتحۃ الکتاب کے تحت حضرت ابوسعیدؓ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ صحابہ ایک سفر میں گئے۔ اور ایک قبیلہ میں پہنچکر یہ چاہا کہ وہ لوگ ہماری میزبانی کریں۔ اور ان لوگوں نے صاف انکار کردیا۔ اتفاق سے قبیلے کے سردار کو سانپ نے کاٹ لیا۔ اہلِ قبیلہ نے ہر طرح کی تدبیر کی مگر زہر نہ اترا تو ان میں گفتگو ہوئی کہ کیوں نہ ان کے پاس چلیں۔ جو آئے ہوئے ہیں۔ اور ہم نے انکی میزبانی کرنے سے انکار کردیا ہے ممکن ہے ان کے پاس کچھ جھاڑ پھونک ہو۔ اب کچھ لوگ جماعتِ صحابہ کی خدمت میں آتے اور عرض کیا کہ ایسا قصہ ہے۔ کیا آپ کے پاس ہمارے سردار کا کوئی علاج ہے؟ بعض صحابہ نے کہا کہ بخدا ہم جھاڑ پھونک کرسکتے ہیں مگر کریں گے نہیں کیوں کہ تم نے ہماری مہمانداری نہیں کی۔ ہاں کچھ معاوضہ دو تو کریں۔ اس پر معاوضہ میں کچھ بکریاں طے ہوئیں۔ اور ایک صحابی نے مار گزیدہ سردار پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کی۔ اللہ کے فضل سے وہ فوراً ٹھیک ہوگیا۔ تب ان لوگوں نے طے شدہ بکریاں دے دیں۔ اور ان میں سے بعض نے کہا کہ لاؤ ان بکریوں کو ہم آپس میں بانٹ لیں۔ اس پر وہ صحابی بولے جنھوں نے دم کیا تھا ابھی نہیں رسول اللہؐ سے دریافت کرلیں۔

پھر وہ صحابہ حضورؐ کی خدمت میں مع بکریوں کے لوٹے اور سارا قصہ بیان کیا۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ تمھیں کیسے معلوم ہوگیا کہ سورہ فاتحہ ایک منتر ہے (رقیہ) پھر آپ نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک ہی کیا۔ ان بکریوں کو آپس میں تقسیم کرلو۔ اور ایک حصہ میرا بھی لگاؤ۔ یہ کہہ کر آپ ہنس پڑے۔

[illegible] نے قصے کو ہم نے اس سے نقل کردیا

اور بے کردار تعویذ فروشوں کی
یدہ خاطر ہو کر یہ خیال کرتے تھے
ہ امراض وغیرہ کا علاج کرنا تعویذ
ا سرے سے جائز ہی نہیں ہے
کرنا بھی حلال نہیں۔ ان کی غلط
یجئے کہ صحابہ نے پہلے معاوضہ طے
)۔ اور معاوضہ وصول کر لیا۔ اور آس
ر کے رسول ؐ نے اس طرح مہیہ
ی اس میں حصہ دار بن گئے۔
حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں فتعو
، والوں نے اپنے مار گزیدہ سردار
ہیر یں کر دیکھیں) ظاہر ہے کہ دنیا
لز یدہ کے علاج کی ہو سکتی ہیں وہ
تھیں۔ صرف ایسی ہی چند تدبیر
علم اور بس ہیں تھیں۔ اسی کے

لفظ کُل کو جائز احمد دو معنی ہیں
ا ہے اور قرآن میں جو تبیاناً لکُل
ئی کہا گیا ہے از رو ئے قرینہ
ہے کہ ہدایت و گمراہی کی تمیز و تشخیص
ضرورت تھی وہ سب قرآن میں
قرآن کا موضوع سائنس یا ٹکنالوجی
تجارت یا طب یا ریاضی نہیں دین
موضوع کی ضرورت کے مطابق
ا دائرۂ کار ہے۔ لہذا جو لوگ
سی اور طبی علوم کے نکات اخذ کرتے
ں کرتے۔ بیشک اس حد تک
سکتا ہے کہ قرآن کے بیان میں اور
دہ کسی حقیقت ثابتہ میں تخالف

اور تضاد نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس سے آگے بڑھ کر یہ کہنا کہ قرآن سائنسی رہنمائی بھی دیتا ہے اور سائنٹفک رہبری بھی اس سے ملتی ہے بچکانہ حد تک غلط بات ہے۔

سورۂ ممتحنہ مدنی ہے

سوال :- از ابو محمد امام الدین۔ رام نگر (بنارس)

ایک بڑی اہم بات سنئے۔ میں اپنے پڑھنے کے قرآن شریف مطبوعہ لو لکشور میں سورۂ ممتحنہ دیکھنے لگا تو اوپر مکیہ لکھا تھا۔ میں چونک پڑا یہ مکیہ کیسے ہو سکتی ہے۔ تفہیم القرآن جلد پنجم نکالی تو اس پر مدنیہ لکھا ہوا تھا پھر وہ قرآن مجید نکالا جس پر علامہ عثمانی رح کے حواشی ہیں تو اس پر بھی مکیہ البتہ احمد رضا خاں کے ترجمے والے قرآن مجید پر مدنیہ لکھا ہوا ہے۔ باقی سب نسخوں پر مکیہ۔ یہ معمولی بات نہیں ہے یہ سورہ مکیہ کیسے ہو سکتی ہے۔ اور نہیں ہو سکتی تو خدا جانے کب سے مکیہ لکھی جا رہی ہے اور کیوں لکھی جا رہی ہے۔ شاہ عبد القادر رح سے علامہ عثمانی رح تک کیوں کسی کی اس پر نظر نہیں پڑی۔ تفاسیر میں کیا لکھا ہے۔ آپ جانیں۔ عرب وغیرہ کا مطبوعہ نسخہ ہو تو اسے دیکھئے۔

جواب :-

ممتحنہ بالاتفاق مدنی ہے۔ تفتیش پر پتہ چلا کہ سہوِ کتابت نے عجیب گل کھلائے ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رح کے حواشی والا جو قرآن بڑے سائز پر تاج کمپنی لاہور نے چھاپا ہے اس میں بے شک اسے "مکیہ" لکھ دیا گیا ہے لیکن یہی قرآن یہاں اصل ناشر (مدینہ بجنور) نے جو چھاپا ہے اور جواب بھی مکتبہ تجلی سے ہدیہ ہو رہا ہے اس میں "مدنیۃ" ہی چھپا ہے جو درست ہے
شاہ عبد القادر رح کی تفسیر موضح القرآن جو ہمارے پاس ہے اس میں بھی "مدنیۃ" ہی ہے البتہ تاج کمپنی لاہور نے جو حمائل شاہ صاحب رح کے ترجمہ و تفسیر کی چھاپی ہے اس میں لطیفہ

نوبت پہنچی۔ طلاق کے بعد خود حضورؐ نے اللہ کے حکم پر انھیں اپنی بیوی بنالیا۔ عرب میں منہ بولے بیٹے کو ہر اعتبار سے حقیقی بیٹا تصور کرتے تھے۔ بیٹے کی مطلقہ سے باپ کا نکاح خود شریعت اسلامیہ میں بھی جائز نہیں۔ لوگوں نے طرح طرح کے اعتراضات کیے، بدزبانیاں کیں، مگر اللہ تعالےٰ اس غلط خیال کو مٹا دینا چاہتا تھا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے جیسا ہو سکتا ہے لہٰذا اس نے صرف قولی حکم پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اپنے آخری رسولؐ سے وہ کام کرایا جس کے بعد کسی بھی صاحبِ ایمان کے لئے کوئی گنجائش یہ تصور کرنے کی باقی نہیں رہے گی کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح میں کوئی حرج ہے اس مقصد کو خود اللہ تعالےٰ اس الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ لِکَیۡلَا یَکُوۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ حَرَجٌ فِیۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِیَآئِهِمۡ۔ یعنی تاکہ اہلِ ایمان کے لئے اپنے منہ بولے بیٹوں کی ان بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی مضائقہ باقی نہ رہ جائے۔ جن سے ان بیٹوں نے جنسی تعلق قائم کرنے کے بعد طلاق دیدی ہو۔

اس منصوص و مقصد و مدعا اور اس شانِ نزول کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ والی آیت پر نظر ڈالی جائے تو ایک معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہاں مراتب و مدارج کی بحث ہے۔ نہ کوئی نکتہ تصوف بیان ہو رہا ہے۔ یہاں تو صریحاً وہ قانونِ شرعی ذہنوں میں اتارا جا رہا ہے جس سے مروجہ تصور اور عقیدے کی تردید مقصود تھی۔ یہاں بدکلاموں کے اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے کہ لیجئے صاحب محمدؐ نے اپنے بیٹے کی بہو سے نکاح کر لیا غلط کہتے ہو، محمدؐ کا کوئی بیٹا ہے ہی کہاں جو تمہارے اعتراض کا جواز پیدا ہو سکے۔ منہ بولا (لے پالک) بیٹا فی الحقیقت بیٹا نہیں ہوا کرتا۔ اس کی مطلقہ کا وہ حکم نہیں جو بیٹے کی مطلقہ کا حکم ہے اس غلط خیال سے باز آجاؤ کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرنا عیب ہے۔

انصاف کیا جائے۔ اس عیاں صورتِ حال اور محکم الفاظ اور واضح اسلوب کلام کے باوجود اگر کوئی عالم وہ نکتہ سنجی کرتا ہے جیسے آپ نے نقل کی تو اسے فضول گوئی اور آیاتِ الٰہیہ سے بے رحمانہ مذا[ق] اور خدا کے خوف سے بے نیازی کے علاوہ کیا کہہ سکیں گے۔ نادان لوگ حضورؐ کی تعریف و منقبت کے چکر میں یہ بھی نہیں دیکھتے کہ اللہ اور اس کے کلام سے وہ کتنا غلط سلوک کر رہے ہیں۔

حضورؐ فداہ امی و ابی کی عظمت و عالی مقامی کے لئے دیگر آیات و احادیث کیا کم ہیں۔؟ کون مسلم[ان] ہے جو آپ کی ذاتِ مقدس کو اپنے ماں باپ اپنے جان و دل اپنی اولاد اور دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر محبوب و معظم نہ مانتا ہو۔ اس معلوم امر واقعہ کے ہوتے ہوئے آخر اس کی کیا ضرورت پڑ گئی کہ خواہ مخواہ بے محل طو[ر پر نکتہ] سنجی کی جائے۔ اور یہ نمائش فرمائی جائے کہ ہم بڑ[ے] عارف باللہ اور عاشقِ رسول ہیں کہ قرآن میں وہ کچھ پڑ[ھ] لیتے ہیں جو صحابہؓ و تابعین اور جو مفسرین سلف بھی نہ پڑھ سکے۔

یہ فقرہ کہ "تم عامیوں کی فہم میں نہیں آ[سکتا]" نکتہ سنج حضرات کا پیٹنٹ فقرہ ہے۔ فضولیات بکیں گے۔ اور دوسروں کو بڑی شان سے بےوقوف ٹھہرا[ئیں] گے۔ آپ ان عالم صاحب سے کہہ دیجئے کہ جناب ہم عامی ہی اچھے خدا ہمیں عامی ہی رکھے۔ اور ان[...] میں شامل ہونے سے بچائے۔ جو اللہ اور رسولؐ کے [...] میں اپنی زبان ڈالنے کی گستاخی کرتے ہیں۔ اور خود صاحبِ عرفان پوز کرنے کی جدوجہد میں علم و متانت کی حدود سے گذر جاتے ہیں۔ بےشک ہم غلام

یہ ہے کہ متن میں تو لکھا گیا کہ سورۃ الممتحنۃ مکیۃ۔ لیکن ترجمہ میں لکھا گیا ہے "سورہ ممتحنہ مدنی" ہے۔

مزید لطیفہ یہ ہے کہ مولانا اشرف علیؒ تو اپنی بیان القرآن میں وہی "مدنیۃ" لکھتے ہیں۔ لیکن تاج کمپنی نے ان کے ترجمہ و تفسیر کی جو حمائل چھاپی ہے اس میں "مکیۃ" لکھا ہوا ہے۔ ہمارے علم کے مطابق یہ کتابت ہی کی خامیاں ہیں ورنہ ممتحنہ کے مدنی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

قرآن و حدیث

سوال:- از محمد امین۔ سرینگر کشمیر

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْــَٔـلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝ الانبیاء رکوع ۵۔ آیت ۶۲، ۶۳

(ابراہیم کے آنے پر) انھوں نے "پوچھا کیوں ابراہیم تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟" اس نے جواب دیا "بلکہ یہ سب کچھ ان کے اس سردار نے کیا ہے۔ ان ہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں" (تفہیم القرآن حصہ سوم ص۱۶۶)

ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں:-

بدقسمتی سے حدیث کی ایک روایت میں یہ بات آگئی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زندگی میں تین مرتبہ جھوٹ بولا ہے ان میں سے ایک "جھوٹ" تو یہ ہے اور دوسرا "جھوٹ" سورۂ صافات میں حضرت ابراہیم کا قول اِنِّیْ سَقِیْمٌ ہے اور تیسرا "جھوٹ" ان کا اپنی بیوی کو بہن کہنا ہے جس کا ذکر قرآن میں نہیں بلکہ بائبل کی کتاب پیدائش میں آیا ہے۔ ایک گروہ روایت پرستی میں غلو کر کے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے بخاری و مسلم کے چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں کہ اس سے ایک نبی پر جھوٹ کا الزام عائد ہوتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ مولانا اوپر والی حدیث کو ناقابلِ قبول قرار دیتے ہیں۔ ناچیز کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مولانا ایک صحیح حدیث پر وار کیوں کرتے ہیں۔ جبکہ حدیث میں تاویل کی گنجائش بھی موجود تھی۔ امید ہے اپنے تفصیلی جواب سے مطلع فرمائیں گے۔

جواب:-

معلوم ہوتا ہے کہ آپ تجلی مستقلاً نہیں پڑھتے اگر پڑھتے ہیں تو آپ کے حافظے سے یہ بات نکل گئی ہے کہ اس موضوع پر ہم نے ابھی ستمبر ۶۸ء کے تجلی میں کچھ لکھا تھا۔ بہتر ہے کہ آپ یہ شمارہ دیکھ لیں۔ اس میں ص۹۶ پر آپ کو عنوان ملے گا "مولانا مودودی کی واقعی غلطی" اور اس کے ذیل میں دو صفحے تک اسی حدیث کی بحث ملاحظہ فرمائیں گے۔

اس بحث سے آپ پر یہ بھی منکشف ہوگا کہ جو بات مولانا مودودیؒ نے فرمائی ہے وہی ان سے قبل امام رازیؒ جیسے اکابر فرما گئے ہیں۔ ہمیں آپ سے شکایت یہ ہے کہ آپ نے مولانا مودودی پر اعتراض تو فرما دیا لیکن یہ زحمت نہیں اٹھائی کہ بخاری و مسلم کی مشہور و متداول شرحوں میں اس مقام کو دیکھ لیں۔ جہاں یہ حدیث آتی ہے کسی اہم مسئلہ پر ابھی تحقیق و تفحص کے بغیر زبان کھولنا علمی طریق نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سلف میں دونوں ہی آراء رہی ہیں۔ کچھ اکابر علماء یہ خیال کرتے رہے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ جیسے نبی کی طرف کذب کی نسبت کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ان حدیثوں کو نظر انداز کر دیا جائے جن میں یہ نسبت موجود ہے اور کچھ اکابر یہ کہتے رہے ہیں کہ حدیثوں کو نظر انداز کیسے کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ "صحیح" ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کا دو معاملوں میں خلافِ واقعہ کلام کرنا تو قرآن ہی سے ثابت ہے اور ایک معاملہ دوسری روایت میں بیان ہوا ہے لہٰذا ہم صرف تاویل سے کام لیں گے۔ حدیثوں کو نہیں جھٹلائیں گے۔ ناچیز کی رائے۔ جیسا کہ ستمبر ۶۸ء میں عرض کیا جا چکا ہے یہ ہے کہ دوسرا موقف قوی اور لائق ترجیح ہے اس رائے کی دلیل شرح و بسط کی طالب ہے۔ اس لئے اسے ہم نے چھوڑ دیا تھا۔ لیکن بہر حال نہیں کہا جا سکتا کہ پہلا موقف جس کا اتباع مولانا مودودی نے کیا ہے کوئی ایسا موقف ہے جس پر طعن کیا جائے۔ "حدیث پر وار" طعن کے الفاظ ہیں۔ آپ نے یہ لفظ استعمال کر کے ایک علمی اختلاف کو "ہدایت و گمراہی" کا اختلاف بنا دیا۔ یہی وہ زیادتی ہے جو فتنے پیدا کر دیتی ہے اور علمی اختلاف کو "مخالفت" کا رنگ دیتی ہے۔

صوفیائے کرام کی تبلیغی خدمات

از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مسلمانوں میں جو جماعت سب سے زیادہ تبلیغ دینِ الٰہی کے ذوق شوق سے گرم سعی رہی ہے وہ وہی صوفیائے کرام کی جماعت ہے جو آج ہندوستان میں (غیر منقسم ہندوستان یعنی موجودہ پاکستان اور بھارت) اس طرف سے بالکل ہی غافل ہے۔ خود ہندوستان میں اولیاء و صوفیاء نے جس بے نظیر استقلال اور دینی شغف کے ساتھ اسلام کی روشنیوں کو پھیلایا ہے وہ ہمارے آج کل کے حضرات متصوفین کے لیے اپنے اندر ایک عمیق درسِ بصیرت رکھتا ہے۔

یہاں کے سب سے بڑے اسلامی مبلغ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کی برکت سے راجپوتانہ میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور جن کے بالواسطہ اور بلاواسطہ مریدین تمام اقطاع ملک میں اسلام کی شمع ہدایت لے کر پھیل گئے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی کے اطراف میں،

حضرت فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے علاقۂ پنجاب میں،

حضرت نظام الدین محبوبِ الٰہیؒ نے دہلی اور اس کے نواح میں، حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ، اور حضرت زین الدین رحمۃ اللہ علیہ اور آخر زمانہ میں (اورنگ آباد) کے حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ملکِ دکن میں اور دورِ آخر میں حضرت شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ جہان آبادی نے دہلی مرحوم میں یہی دعوت الی الخیر اور تبلیغ اوامر اسلام کی خدمت انجام دی۔ ان کے علاوہ دوسرے سلسلوں کے اولیاءِ عظام نے بھی اس کام میں انتھک مستعدی سے کام لیا۔

پنجاب میں سب سے پہلے اسلامی مبلغ حضرت سید محمد اسماعیل بخاری تھے جو پانچویں صدی ہجری میں لاہور تشریف لائے تھے ان کے متعلق مشہور ہے کہ لوگ ہزارہا کی تعداد میں اُن کے ارشادات سننے آتے تھے اور کوئی شخص جو ایک مرتبہ اُن کا وعظ سُن لیتا وہ اسلام لائے بغیر نہ رہتا۔

مغربی پنجاب میں اسلام کی اشاعت کا فخر سب سے زیادہ حضرت بہاء الحق زکریا ملتانیؒ کو حاصل ہے۔

علاقہ بہاولپور اور مشرقی سندھ میں حضرت سید
اری رحمۃ اللہ علیہ کے فیضانِ تعلیم سے معرفتِ حق
پھیلی۔ اور ان کی اولاد میں سے حضرت مخدوم جہانیاں
رعلیہ نے پنجاب کے بیسیوں قبائل کو مسلمان کیا
ر بزرگ حضرت سید صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ اور
صاحبزادے حضرت سید کبیر الدین رحمۃ اللہ علیہ
ب کے بہت بڑے اسلامی مبلغ تھے۔ حضرت حسن
ی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تواریخ میں لکھا ہے کہ ان کی
ے میں عجب کشش تھی۔ محض اُن کے دیکھ لینے سے دل
ا کی عظمت و صداقت کا نقش مرتسم ہو جاتا تھا اور
د بخود ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔

سندھ میں اشاعتِ اسلام کا زمانہ وہ ہے جب
ب کا دور ختم ہو چکا تھا۔ آج سے تقریباً چھ سو برس
زت سید یوسف الدین رحمۃ اللہ علیہ وہاں تشریف
ور اُن کے فیض اثر سے لوہانہ ذات کی سات سو
ے نے اسلام قبول کیا۔

کچھ اور گجرات میں حضرت امام شاہ پیرانوی رح
عبداللطیف رح کی مساعی سے اسلام کی اشاعت

بنگال میں سب سے پہلے شیخ جلال الدین تبریزی رح
، مقدس فرض کو انجام دیا جو حضرت شیخ شہاب الدین
رح کے مریدانِ خاص میں سے تھے۔

آسام میں اس نعمتِ عظمیٰ کو حضرت ... شیخ
دین فارسی رح اپنے ساتھ لے گئے جو سلہٹ میں۔
یں۔

کشمیر میں اسلام کا علَم سب سے پہلے بلبل شاہ
رعلیہ نامی ایک درویش نے بلند کیا اور اُن کے
حبت سے خود راجہ مسلمان ہو گیا جو تاریخوں میں
ین کے نام سے مشہور رہے۔ پھر ساتویں صدی

ہجری میں سید علی ہمدانی سات سو سیدوں کے ساتھ
یہاں تشریف لائے اور تمام خطۂ کشمیر میں اس مقدس
جماعت نے نورِ عرفاں کو پھیلایا۔ حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ
علیہ کے عہد میں سید شاہ فریدالدین نے کشتوار کے راجہ
کو مسلمان کیا اور اس کے ذریعہ علاقۂ مذکور میں اسلام
کی اشاعت ہوئی۔

دکن میں اسلام کی ابتداء پیر مہابیر کھمدایت سے
سے ہوئی جو آج سے سات سو برس پہلے بیجاپور تشریف
لائے تھے۔ اور ایک بزرگ جو حضرت شیخ عبدالقادر
جیلانی رح کی اولاد میں سے تھے علاقۂ کونکن کے ہادی
اور رہبر تھے۔

وہار واڑ کے لوگ اپنے اسلام کو حضرت
شیخ ہاشم گجراتی کی طرف منسوب کرتے ہیں جو ابراہیم
عادل شاہ رح کے پیر طریقت تھے۔ ناسک میں حضرت محمد
صادق سرمست رح خواجہ اخوند میر حسینی رح کی برکاتِ روحانی کا
اب تک اعتراف کیا جاتا ہے۔

مدراس بھی اپنی ہدایت کے لئے چند صاحب حال
بزرگوں کا رہین منت ہے۔ جن میں سب سے زیادہ
مشہور سید نثار شاہ مدفون ترچناپلی ہیں۔ دوسرے
بزرگ سید ابراہیم شہید رح ہیں جن کا مزار اروادی میں
ہے اور تیسرے بزرگ شاہ الحامد رح ہیں جن کا مدفن ناگور
میں واقع ہے۔

نیوگنڈا کی طرف سے اسلامی آبادی عام طور
پر اپنے اسلام کو حضرت بابا فخر الدین رحمۃ
اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتی ہے جنہوں نے وہاں
کے راجہ کو مسلمان کیا تھا۔

(اسلام کا سرچشمۂ قوت)

شمس نوید عثمانی

کیا ہم مسلمان ہیں؟

"اے اللہ! میں اپنی ناطاقتی اور بےچارگی اور لوگوں میں اپنی بےوا خیسزی کی فریاد تجھ سے کرتا ہوں ـــــ

اے ارحم الراحمین! تو ہی ناتوانوں کی پرورش کرنے والا اور تو ہی میرا پروردگار ہے ـــــ

تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے؟ ـــــ کیا کسی اجنبی بیگانے کے؟ ـــــ جو مجھے دیکھ کر تیوری چڑھائے ـــــ یا کسی دشمن کے؟ ـــــ جس کو تو نے مجھ پر قابو دیدیا ہو ـــــ

ـــــ خدایا اگر تو مجھ سے خفا نہیں ہے تو پھر مجھے کسی کی بھی پروا نہیں ہے۔

تیری حفاظت میرے لئے بس ہے۔

میں طالب پناہ ہوں تیرے رخ کے اس نور سے جس سے تمام ظلمتیں کافور ہو گئیں ـــــ جس سے دونوں جہاں کی بگڑیاں بن جاتی ہیں۔ میں طالب پناہ ہوں اس بات سے کہ مجھ پر تیرا عتاب ہو ـــــ یا تو مجھ سے روٹھ جائے۔

تا وقتیکہ تو خوش نہ ہو جائے۔ تجھے منانے جانا ناگزیر ہے۔"

یہ کون کہہ رہا ہے؟

کس سے کہہ رہا ہے؟

کہاں کہہ رہا ہے؟

یہ خدا کے در پر خدا کے رسول ﷺ کی دل ہلا دینے والی پکار ہے جو آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے طائف کی کوہستانی وادیوں میں گونجی تھی اور آج صفحۂ قرطاس پر اترتی ہے تو جیسے قلم کا جگر کانپ کانپ جاتا ہے یہ پکار حبیب خدا سے سمیع و رحیم نے سنی ہوگی تو رحمت و غیرت کا کیا حال ہوا ہوگا ـــــ خدا گواہ ہے کہ کوئی اس کا صحیح تصور بھی نہیں کر سکتا تاریخ اتنا ضرور بتاتی ہے کہ ادھر یہ فریاد آپ ﷺ کے معصوم ترین ہونٹوں سے جدا ہوئی تھی اور ادھر خدا کا جواب آ پہنچا تھا ـــــ فضائے کائنات کو چیرتے ہوئے دو عظیم فرشتے فرش خاک پر آ کھڑے ہوئے تو ان میں ایک خود حضرت جبرئیل تھے۔ اور دوسرا وہ طاقتور فرشتہ جس کے شانوں پر خدا نے پہاڑوں کا نظم و نسق رکھا ہے

"السلام علیکم یا رسول اللہ ﷺ!" کمال ادب کے ساتھ جبرئیل امین نے کہا تھا" خدا نے وہ ساری گفتگو بنفس نفیس سن لی ہے جو آپ اور آپ

کی قوم کے مابین ہوئی ہے ___ اور اس نے اس فرشتے کو خدمت میں حاضر کیا ہے۔ جس کے سپرد کوہستانوں کا نظام ہے کہ جو حکم آپ چاہیں اس کو دیں۔"

بے رحم انسانوں نے جس پیغمبر پر پتھراؤ کیا تھا خدائے ارحم الراحمین نے اس کے قدموں پر پہاڑوں کو لا ڈالا تھا۔ حضور نے ارحم الراحمین کی اس بندہ نوازی کو سنا اور ابھی شکر نعمت میں ڈوبے ہوئے تھے کہ فی الفور دوسرا فرشتہ آگے بڑھا۔

"السلام علیکم یارسول اللہ!" وہ عرض کر رہا تھا "میں ہی وہ فرشتہ ہوں جو مالک کائنات کی طرف سے آپ کے حکم کی تعمیل پر مامور ہوا ہے۔ اگر حکم ہو تو طائف کے دونوں محاذوں کے پہاڑوں کو حرکت دوں۔ اور ایک دوسرے سے اس طرح ٹکرا دوں کہ اس سرکش آبادی کی کچلی ہوئی لاشوں پر رونے والا بھی کوئی نہ ہو۔"

کیسا عجیب وغریب وقت تھا! اے دل والو! ذرا سوچو تو سہی! ایک طرف وہ سنگ دل آبادی ہے جس نے انتہائی رحم کھانے والے کو پتھروں سے مارا ہے۔ اس کا انتہائی پاکیزہ اور بے لوث پیغام سن کر وحشیانہ تمسخر سے تالیاں پیٹی اور بغلیں بجائی ہیں۔ فقرے کسے اور ٹھٹھے کئے ہیں۔ دوسری طرف پہاڑوں کی باگ دوڑ خدا نے اپنے مظلوم رسول ؐ کے ہاتھ میں دیدی ہے اور پہاڑوں کے نظام پر مامور دیو پیکر فرشتہ ایک اشارے پر اس سفاک بستی کے جفا طرازوں کو سرمہ بنا ڈالنے کے لئے ہمہ تن اشارۂ چشم وابرو کا منتظر ہے اور ان دونوں لرزہ خیز مناظر کے درمیان خود ہی رحمۃ اللعالمین ؐ حائل ہے جس کے گھائل پیروں سے خون کے فوارے پھوٹ نکلے ہیں۔ پاپوش لہو سے چھلک رہے ہیں اور جس کی مظلومیت کے قدم فرط ضعف سے لڑکھڑانے لگے ہیں۔ لیکن جونہی اس کو محسوس ہوا۔ کہ ظالموں کے حق میں خدا عذاب کا فیصلہ کیا چاہتا ہے وہ اپنے ہر زخم کی کسک کو بھول ہی گیا۔ اس وقت اس کو بس ایک ہی بات یاد تھی کہ میں حق پھیلانے اور انسانوں کو بچانے کے لئے آیا ہوں۔ بے رحموں کی بستی کی طرف اس نے غمناک نظروں سے دیکھا اور اپنے گھائل جسم کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں۔ پھر وہ درد بھرا جواب دیا۔

"میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ اگر
یہ لوگ ایمان نہ لائے تو ان کی نسلوں
میں سے ایسے لوگ فرد پیدا ہوں گے
جو اللہ کی پرستش کریں گے۔"

یہ تھا وہ اشاعت حق کا اتھاہ سوز جس کی برکت سے ایک گناہ آلود بستی عذاب کے لپیٹ میں آتے آتے بچ نکلی۔ آج پھر دنیا عذاب کے زد پر ہے کاش خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس سوز درد کی یکی امین ثابت ہو۔ کم سے کم کوئی ایک سینہ تو اس سوز دردوں سے پھر ایک بار لالہ زار بن جائے۔

جب کوہ احد پر اہل ایمان کے ان قدموں میں ڈگمگاہٹ آئی جو ہمیشہ جمے رہنے کے لئے بنے تھے! جب خود پہاڑ لرز اٹھا تھا۔ جب کفر نے اسلام کے کھلے ہوئے سینے پر ناکام مشق ستم کے بعد اسلام کی پیٹھ میں خنجر اتار دینے کے لئے دست ستم بڑھایا تو گھن گرج کو کچل دینے والی ایک آواز فضا میں لہرا رہی تھی۔ یہ حضرت انس ؓ بن نظر کی پر شوق آواز تھی۔" اے اسعد! کہاں چلے؟ کیا تم محسوس نہیں کرتے مجھے تو جنت کی خوشبو اسی احد پہاڑ سے آرہی ہے!۔

پھر انھوں نے جواب کا انتظار کہاں کیا؟ تاب انتظار تھی کس کو؟ جنت کی خوشبو سے جو دماغ ڈول بس

گئے ہوں وہ دنیا کی عفونت میں کتنی دیر تک سکتے ہیں۔؟
دوسرے ہی لمحے حضرت انسؓ موت کے لشکر پر خود ہی ٹوٹ پڑے تھے۔ تلوار ان کے ہاتھ میں تھی اور جان ہتھیلی پر ؟ اور نگاہ اس جنت پر جس کی محض خوشبو سونگھ کر وہ دنیا ومافیہا سے دامن جھٹک کر چل دیئے تھے۔ جب ان کی روح خدا سے جا ملی تو لوگوں نے ان کے گھائل جسم کو دیکھا۔ ایک ایسے جسم کو دیکھا کہ جس کو جسم سے زیادہ زخم کہنا موزوں ہوگا۔ ایک لاش جس کو ان کی بہن بھی فقط ہاتھ کے پوروں سے پہچان سکی تھی! ۔ ایک مجاہد۔ ایک شہید جس کے جسم پر اسّی گھاؤ تیر اور تلوار ہی کے کیے گئے!
اللہ اکبر! اللہ اکبر! لا الہ الا اللہ، واللہ اکبر! اللہ اکبر ولللہ الحمد!۔

"اور مت کہہ بیامُردہ ان لوگوں کو جو راہِ خدا میں موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ نہیں نہیں!!۔ وہ تو جیتے جاگتے ہیں۔ لیکن یہ سمجھنا تمہارے بس کی بات نہیں!"

اسّی زخموں سے پارہ پارہ بدن گواہ ہے کہ زندگی وہی زندگی ہے جس کو دنیا موت کہے جائے۔ مگر خدا کہے کہ وہی تو زندگی ہے لیکن ذرا ان مردوں کا دھیان تو کرو جن کو تمام عمر کبھی اس زندگی کی آرزو تک نہیں ہوتی! کیسے تھے وہ لوگ بھی جو حق پر مر جانے کو مٹ جانے کو تڑپتے تھے!۔ اور، اور کیسے ہیں ہم کہ حق پر جینے کے لئے بھی تیار نہیں!، واحسرتا۔

حضرت ابوجندلؓ کتنے بڑے آدمی تھے! اللہ اکبر! کتنے بڑے آدمی تھے وہ بزرگ جو مکے سے زنجیریں تڑا کر حدیبیہ کے اس مقام تک گھسٹتے ہوئے آپہنچے تھے جہاں ان کے اپنے باپ کفارِ مکہ کے وکیل سہیل اور امتِ اسلامیہ کے "صاحبؐ" کے درمیان صلح کا معاہدہ ہو رہا تھا
"واپس جاؤ!" سہیل نے جو ابھی تک کافر تھے۔ اپنے مومن بیٹے ابوجندلؓ کو تلخ ترین لہجے میں حکم دیا تھا۔ لیکن اخوتِ اسلامی کے حسین حلقے تک آجانے کے بعد پھر کفر کی آہنی زنجیروں میں طرف واپس جانا بھلا ایک مومن کے لئے کیونکر ممکن ہو سکتا تھا۔ وہ واپس نہیں پلٹے۔ چیخ اٹھے۔ امتِ اسلامیہ کی طرف غمناک آنکھیں اٹھاتے ہوئے پکار اٹھے:۔

"مجھے بچاؤ!!"

اس چیخ نے رسولؐ اور مومن کے سینوں میں جذبۂ اخوت کا طوفان اٹھا دیا۔ معاہدہ کی مخصوص دفعہ کی زد سے ان کو بچانے کیلئے حضور نے درخواست تک فرمائی مگر پیکرِ کفر ایک قیدی کو مانگا ہوا دینے تک کے لئے کسی طرح راضی نہ ہوا، اب صرف ایک راہ باقی تھی۔ بال سے باریک اور تلوار سے تیز تر!۔ مگر سیدھی خدا تک لے جانے والی راہ۔ وہ راہ جس میں منزل ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ وہ راہ جس میں خدا نے بندے کے ساتھ ہو جانے کا یقین اپنی کتاب میں ششتر بار دلایا ہے۔ صبرِ جمیل کی راہ۔
"صبر!۔ اے ابوجندل صبر!" حضورؐ ضبطِ غم کی عظیم شان سے تلقین صبر فرما رہے تھے۔ "صبر کر! دیکھو ہم نے ان سے یہ عہد کرتے ہوئے خدا کا نام لیا ہے۔ صبر کرو، خدا تمہارے لئے راہ نکالے گا۔"

ٹھیک یہی صورت حال حضرت ابوبصیرؓ کے ساتھ اس وقت پیش آئی جب وہ ایمان لا کر مدینے میں داخل ہوئے تو ان کے پیچھے پیچھے کفر کے ہرکارے صلح حدیبیہ کے تحت اپنے آدمی کو واپس لے جانے کے لئے حضورؐ کے پاس آئے۔ ایک طرف اخوتِ اسلامی تھی تو دوسری طرف اس معاہدہ کی یہ دفعہ کہ مکّہ سے آنے والے کو مکّہ لوٹا دیا جائے گا۔ ایک طرف جذبات تھے تو دوسری طرف اصول۔ ابوبصیرؓ کا صبرِ جمیل ہی جذبات اور اصول کی درمیانی خلیج کو پاٹ سکتا تھا۔ اور انھوں نے

خونِ دل و جگر سے ہنسی خوشی یہ خلیج پاٹ دی۔

وہ دونوں واپس چلے گئے۔ دونوں نے صبر کا وہ جام اٹھایا۔ جو زہرِ ہلاہل سے بھی زیادہ تلخ تھا مگر حق کی اور ایمان نے اس میں نہ جانے کونسی حلاوت گھول دی تھی ہنسی خوشی یہ تلخاب پی گئے۔ نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہیے تھا۔ انھوں نے آنکھیں بند کر کے خدا پر بھروسہ کیا۔ اور خدا نے ان کے لئے راہ نکال دی۔ حالات اس درجہ دگرگوں ہوئے۔ کہ جو کافر ان کو ساتھ لے جانے کے لئے بڑی چوٹی کا زور لگاتے تھے۔ وہ ان کو واپس مدینے لانے کے لئے التجائیں کرتے نظر آتے۔!

مسلمان تو ہم بھی ہیں مگر ہم رات اور دن کو آگے دیکھ دیکھکر قدم بڑھاتے ہیں۔ وہ لوگ بھی مسلمان تھے مگر وہ اس ذات کی طرف دیکھا کرتے تھے جس کی قوت سے دن میں سے رات اور رات میں سے دن نکل آتا ہے اسی لئے ہم گردشِ ایام کے تھپیڑے کھاتے پھرتے ہیں۔ اور گردشِ ایام ان کے سامنے تہہ و بالا ہوا کرتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں قسم کے مسلمان مسلمان ہی ہیں۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ ورنہ سوچو تو سہی ہم جیسوں کا کہاں ٹھکانہ ہے۔

جلتی ہوئی ریت کی چنگاریوں پر سیدھا لٹا کر جھلستے ہوئے سینے کو منوں کی پتھریلی سل سے کچلکر کافروں کے جھنڈ کے جھنڈ ایک بلال رضؓ سے کہا کرتے تھے" ہمارے خداؤں کو مانو!"۔

" احد!۔ احد!۔ احد!۔ احد!۔ ایک!۔ ایک! ایک!۔ ایک!۔" خدا کی قسم! یہی تھا حضرت سیدنا بلالؓ کا بیقرار آہنگ!۔ درد و کرب کا احساس کہیں چلا نہیں گیا تھا۔ مگر جس کا دل ایمان سے چمک اٹھا ہو اس کے ہونٹوں سے کراہ بھی نکلتی تھی تو ایمان کی تب و تاب لئے ہوتے۔

رات کی تاریکی میں ان کو زنجیروں کے کڑ اؤ گھائل ہی کر ڈالتے۔ رات بھر یہ زنجیریں گوشت میں پیوست ہوا کرتیں۔ اور رات اسی طرح آنکھوں میں کٹ جاتی۔ صبح کی روشنی میں ان زخموں کو ادھیڑ ڈالنے کے لئے تڑاتڑ کوڑوں کی مار دی جاتی۔ نیلی نیلی رگیں ابھرتیں پھٹ جاتیں اور خون دینے لگتیں۔ جو رات بھر کے لئے اس سراپا جراحت کو من بھر زنجیروں میں اینٹھنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا۔ پہاڑ سی رات اسی عالم میں کٹ جاتی۔ ظالم تازہ دم ہونے کے لئے صبح ہوتے ہی خراٹے لیتے اور مظلوم کربناک زخموں اور [illegible] کروٹ بھی نہ بدل سکتا۔ دوسرے دن کا سورج دیکھتا کہ اس بلاکشِ حق و صداقت کو گرم گرم بالو کے جھاڑوں میں بے تحاشا جھونک دیا جاتا۔ "اب بھی کہہ دے خدا ایک نہیں....! کفر و شرک کے انسانی درندے اس کے اوپر جھکتے اور چلاتے۔

زخموں اور کرب و درد میں ڈوبی ہوئی ٹیسیں آواز پھر سینے سے ابھرتی اور" احد!۔ احد!۔ احد!۔ احد!۔ کا والہانہ آہنگ جوں کا توں سنائی دیتا۔ ظلم و سفاکی تھک ہار کر بیٹھ جاتی۔ اور بلالؓ کی آواز کو کسی طرح خاموش نہ کر پاتی۔ ہاں ہاں کبھی بالکل ایسا ہی تھا کہ ہزاروں ستم گر مل کر بھی کسی ایک بلالؓ کی آواز کو نہ دبا سکتے تھے۔ مگر اب کروڑوں مسلمانوں کے سینوں میں بھی اس آواز کی کوئی دھمک سنائی نہیں دیتی۔ ہم کروڑوں میں بھی ایک بلالؓ کی ایمانی طاقت نہیں۔ اور ہم اپنے ایمان کی اس نامعلوم ترین رمق پر کس اطمینان سے بیٹھے ہیں۔ پاؤں پسارے سو رہے ہیں۔ دن میں اکڑ اکڑ کر زمین پر چل پھر رہے ہیں۔ اے لوگو! یہ ہمیں کیا ہو گیا ہے۔؟ ......

لیکن جب تک حضورؐ ان کے سامنے رہے حضرت
بلالؓ عزیز مظالم کے پہاڑ بھی ٹوٹ گئے تو انھوں نے اُف
تک نہ کی۔ مگر حضورؐ کے وصال کے بعد انھیں اس دنیا میں
ایک دن ٹھہرنا دوبھر ہوگیا۔ عشقِ رسول میں مومن کے دل
اور پہاڑ کی طرح اٹل مگر حُبِّ رسول کی بارگاہ میں پانی
پانی! حضورؐ کے دنیا سے تشریف لے جاتے ہی بلالؓ
کا یہ حال تھا کہ وہ دیوانہ وار شہادت کو ڈھونڈتے پھرتے
تھے۔

ہاں وہ جنھوں نے حضورؐ کے دیدار سے
آنکھیں ٹھنڈی کر لی تھیں۔ ان کو یہ دیکھ کر کیسا اضطراب
تھا کہ یہ دنیا حضورؐ سے کیسی خالی ہوگئی ہے۔ لیکن ہم نے
حضورؐ کو کبھی نہیں دیکھا اور ان کے خلا کو کبھی اتنی شدت
سے محسوس نہیں کرتے! اگر ہمیں کبھی یہ آرزو نہیں ہوتی
کہ فرشِ زمین پر شہادت کا سُرخ سُرخ خون ٹپکاتے
ہوئے ہم بھی ادھر دوڑ سے چلے جائیں۔ جدھر حضورؐ
تشریف لے گئے ہیں۔ تو ہم اس ایمان کی لذت و سرمستی
سے کتنے دور ہیں۔ جو خدا اور خدا کے رسولؐ کی دلی چاہت
کے بعد قلب و روح میں فصلِ بہار کی طرح لہلہاتا ہے!

نظامِ عالم کی ذرا سی ہلچل پر حضورؐ کیسے کیسے
چونک جاتے تھے! کتنا گہرا اثر لیتے تھے! ذرا
ہوا تیز ہوتی اور آپ کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی۔
ذرا گھٹائیں اُمنڈتی ہوئی نظر آتیں کہ آپ کے مقدس
متبسم چہرے پر رنگ زرد پڑ جاتا اور آپ کے لبوں پر
یہ بیتاب دعا تھرتھرانے لگتی:-

"میرے اللہ! میں تجھ سے اس کی
خیر چاہتا ہوں۔ اور وہ خیر جو اس
میں ہے اور وہ خیر جو اس کے ساتھ
بھیجی گئی ہے۔ اور میرے اللہ! میں
اس کے شر سے تیری پناہ کا طالب
ہوں۔ اور اس شر سے جو اس کے
اندر ہے اور اس شر سے جو اس کے
ساتھ بھیجا گیا ہو۔"

حضورؐ موسم کی ان تبدیلیوں پر کیسے پریشان ہوتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خدا بھلا کرے کہ انھوں نے یہ راز معلوم کرنے کیلئے ایک دن حضورؐ سے سوال کر لیا اور ہمیں اس کی عظیم وجہ کا پتہ چل گیا۔ ان کے سوال کے جواب میں خوف و خشیت میں ڈوبی ہوئی حضورؐ کی یہ آواز تو سنائی دی تھی کہ "اے عائشہؓ! مجھے یہ کیسے اطمینان ہو جاتے کہ اس میں خدا کا قہر نہیں ہے؟" پھر آپ نے اس بدنصیب غارت شدہ قوم عاد کا تاریخی حوالہ دیا تھا جو ابر و باد دیکھ کر یہ خوفناک دھوکہ کھا چکی تھی کہ ان میں ہمارے لئے شادابیوں کے سوا کچھ اور نہیں۔ حالانکہ ان میں اس بستی پر ٹوٹ پڑنے کیلئے عذاب کے ہولناک دھماکے چلے آرہے تھے۔

دنیا آج پھر قوم عاد کی ذہنیت پر چل کھڑی ہوتی ہے۔ بادلوں کی گھن گرج۔ آندھیوں کے جھکڑ۔ طوفان کا خروش۔ بھونچالوں کے جھٹکے۔ اب تو آئے دن کی باتیں ہیں۔ لیکن کتنے چہرے اس سب سے اچھے جبکے کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ جو نظام عالم کی ذرا سی ہلچل پر خدا کے خوف سے ڈرا جاتا تھا۔ کتنے سینوں میں خدا کے قہر کا وہ اندیشہ سر اٹھاتا ہے جو ایسے مواقع پر حضورؐ کی بے قرار دعاؤں کے لفظ لفظ سے ٹپکا کرتا تھا۔ ہم خدا نہ کرے کہ اس زمین پر عذاب کی گوریز دم توڑیں۔ لیکن ایک عذاب رسیدہ قوم کی منحوس ذہنیت کو اپنا لینا کیا بجائے خود ایک مستقل عذاب سے کچھ کم ہے؟ وہ لوگ جو کھلی ہوئی آنکھوں سے یہ حقیقت کو نہیں

دیکھ سکتے۔ ان کا انجام اس وقت کیا ہوگا جب آنکھیں بند ہو چکی ہوں گی۔ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا ... يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ۔

اسی شب و روز کی دنیا میں ایک ایسی رات بھی تو آئی ہے جس کو حضورؐ نے رو رو کر گزارا تھا۔ آپ خدا کے سامنے اس وقت ہاتھ باندھے ہوئے لرزہ بر اندام کھڑے تھے اور رہ رہ کر رو پڑتے تھے جب دنیا میٹھی نیند کے مزے لے رہی تھی۔ اور آپ کی اس رات کی یہ آواز گواہ ہے۔ کہ آپ اپنے لئے نہیں اس دنیا کے غم میں رو رو کر جان ہلکان فرما رہے تھے۔

"یا مالک الملک! اگر آپ ان کو عذاب
میں ڈال دیں تو یہ آپ ہی کے غلام ہیں
اور اگر آپ ان کی خطائیں معاف
کر دیں تو بے شک آپ زبردست
اور حکیم ہیں"

تمام رات اسی عالم میں گزری۔

ہائے وہ رات!

اور ہائے وہ درد بھرے آنسو!

کاش! ہم اور کچھ نہیں تو ان آنسوؤں کی قیمت پہچان سکیں!

ذرا اس وقت کا دھیان تو کرو جب میدان حشر میں ایک طرف ہم اور دوسری طرف خدا ہوگا۔ اور جب گناہ و جرم کی ماری انسانیت ہولناک عذاب کی لپیٹ میں آ رہی ہوگی اور ہم سب اس کے چشم دید گواہ ہوں گے۔ جہاں دوسری طرف عرش الٰہی کے خنک سائے میں وہ خوش نصیب لوگ ہوں گے جن کے دن آبلہ پاؤں میں اور راتیں سجدوں میں گزری ہوں گی۔ اور اس طرح اس رات کی یاد تازہ ہوگی جو حضورؐ نے ساری دنیا کے غم میں رو رو کر بسر کی تھی۔ امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک پوری رات اس آیت قرآنی کے دریائے معانی میں سفینۂ بے تاب کی طرح چکراتی پھری۔

"ارے او مجرموں! آج کے دن
تم الگ تھلگ کھڑے ہو جاؤ!"

یہ تو طے ہے کہ قیامت کا میدان لگے گا۔ یہ بھی طے ہے کہ اس میدان میں تمام نوع انسانی ایک جھڑکی سنتے ہی دبے پاؤں سمٹ آئے گی اور ہم خود اس ہجوم بیکراں میں ہوں گے۔ اور یہ بھی طے ہے کہ وہاں سب ایک ساتھ نہ رہ سکیں گے۔ انسانیت کا لا متناہی خاندان صالحین اور مجرمین کے دو حصوں میں بٹ جائے گا الگ تھلگ کر دیا جائے گا۔ بتاؤ اے لوگو! سوچو تو سہی اس دن ہم ادھر بلائے جائیں گے۔ یا اُدھر ہنکائے جائیں گے۔؟ اِدھر جہاں خدا ہوگا خدا کا رسول ہوگا۔ اور مومنین و صالحین کی جماعت ہوگی یا اُدھر جہاں ابلیس لعین ہوگا۔ ملعون ابوجہل ہوگا۔ مردود فرعون ہوگا۔ اور عاد و ثمود جیسی بدبخت قومیں ہوں گی۔ اِدھر جہاں رحمت و مغفرت ہوگی۔ یا اُدھر جہاں عذاب ہی عذاب ہوگا۔ اِدھر جہاں پھولوں کی طرح ہنستے کھلتے چہرے ہوں گے۔ یا اُدھر جہاں دھول میں اٹے ہوئے چہرے۔ زنگ چڑھے ہوئے دل اور خوف و حیرت سے پھٹی ہوئی آنکھیں ہوں گی۔؟

ہاں ابھی ہم یہ سب کچھ سوچ سکتے ہیں، یہ مہلت ایک دن ضرور ختم ہو جاتی ہے لیکن ابھی ختم نہیں ہوئی۔ چاہے یہ لمحہ اس کا آخری لمحہ ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں ابھی ہم یہ سوچ سکتے ہیں کہ کیا ہم مسلمان ہیں؟ خدا کا شکر ہے کہ ابھی اس نے ہمیں سوچنے سمجھنے اور خدا کی طرف پلٹ جانے کی مہلت دے رکھی ہے ہے کوئی جو اس مہلت سے فائدہ اٹھائے۔ ☆ ☆ ☆

تجلی کی ڈاک

[illegible] چند [illegible] باتیں [illegible] فرمائیں۔

[illegible]

[illegible] جذبات واحساسات کی قدر کریں۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے سب بندوں سے [illegible] کی توفیق دے [illegible] اختلاف [illegible] حق [illegible] ایسا اختلاف [illegible] نہیں [illegible] حق [illegible] وہ غیر محدود اور غیر متغیرہ کبھی نہیں ہو سکتا۔

غلطی بحالتِ غصہ

سوال :- از مظہر علی خان رفعت پوش۔ مراد آباد

مہربانی فرما کر مندرجہ ذیل واقعہ کے ہو جانے پر عمل کیا کرنا چاہیے۔ اک مسلمان بہن جو کہ انتہائی غصہ ور ہیں اتنی کہ غصے میں اک طرح کی پاگل سی ہو جاتیں ہیں کئی بار اپنے گھر بار کے سامان کو و اک بار خود کو بھی نقصان پہنچا چکی ہیں۔ حال ہی میں اک بات پر بے حد غصہ میں آ کر انہوں نے کلام اللہ (قرآن مجید) کو زمین پر گرا دیا اور باقی کتابوں کے ساتھ قرآن کی دوسری جلد کو بھی اور دوسری دینی کتب کو بھی۔ اب سوال یہ اٹھتا

ہے کہ ہمارا رویہ ان کے ساتھ کیا ہونا چاہیے۔

(۱) ان سے بات چیت کی جائے کہ نہیں۔ ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھایا جائے کہ نہیں۔

(۲) اس کا کوئی کفارہ ہے کہ نہیں اگر ہے تو کیا۔ کیا دوسرا کوئی شخص وہ کفارہ ادا کر سکتا ہے کہ نہیں مہربانی فرما کر مطلع کریں۔

جواب ۱ :- آدمی الٹی سیدھی حرکتیں اور الٹی سیدھی بکواس غصے ہی میں کرتا ہے نارمل حالات میں کسی شخص سے غلط اور نامناسب حرکات وسکنات کی توقع نہیں کی جا سکتی غصے میں آدمی کتنا ہی آپے سے باہر کیوں نہ ہو جائے لیکن پھر بھی اس میں سوچنے سمجھنے کی حس موجود ہوتی ہے یہ حس اگر بالکل ہی فنا ہو جایا کرتی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو اس بات کی ہدایت نہ فرماتے کہ اگر حالتِ قیام میں غصہ آجائے تو آدمی کو بیٹھ جانا چاہیے اور اگر حالتِ قعود میں غصہ آجائے تو آدمی کو لیٹ جانا چاہیے۔ یہ ہدایت بجائے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ غصے کی حالت میں انسان کے ہوش وحواس معدوم نہیں بلکہ مغلوب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غصے میں دی جانے والی طلاق ضائع نہیں جاتی بلکہ واقع ہو جاتی ہے۔ محترمہ مذکورہ غصے کی حالت میں جو کچھ کر بیٹھی ہیں وہ یقیناً ایک بھیانک جرم ہے بے چارے قرآن حکیم نے کیا بگاڑا تھا جو اسکو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا گیا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ وہ غصہ میں الماری کی کتابیں پھینک رہی ہوں اور انہیں یہ یاد نہ رہا ہو کہ اسی الماری میں قرآن حکیم بھی رکھا ہوا ہے اگر واقعی ایسا ہوا ہے تو صرف کفارہ ہی ادا کر دینا کافی ہے اور اگر انھوں نے جانتے بوجھتے قرآن حکیم کو زمین پر پٹخا تھا تو پھر صرف کفارہ ادا کر دینا کافی نہ ہوگا بلکہ انھیں اس گناہ کی معافی بھی خدا سے مانگنی ہوگی۔ کفارہ ادا کرنے کی دو صورتیں ہیں اور احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ ایک ساتھ دونوں ہی صورتوں پر عمل کر لیا جائے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ قرآن حکیم کے برابر گیہوں کسی حاجت مند کو دیئے جائیں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ کم از کم ایک بار قرآن حکیم کی تلاوت کی جائے اگر قرآن کی تلاوت پر قدرت حاصل نہ ہو تو پھر ایک قرآن حکیم خرید کر مسجد میں رکھ دیا جائے یا کسی پڑھنے والے بچے کو بخش دیا جائے۔ محترمہ مذکورہ سے بات چیت کرنے اور ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانے میں قطعاً کوئی جرم نہیں ہے۔ بشرطیکہ غصہ اتر جانے کے بعد وہ اپنی اس غلطی پر نادم وشرمندہ ہوں۔ اگر قرآن کے ساتھ یہ گھناؤنا سلوک کرنے کے بعد بھی وہ خود کو گنہگار تصور نہ کر رہی ہوں تو پھر ان سے بطورِ تنبیہ قطعِ کلام کیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم

تعاون بالاثم

سوال ۲: غلام احمد۔ وزیر باغ سری نگر

شراب پینا شراب کشید کرنا۔ اور شراب کی تجارت کرنا حرام ہے۔ اب اگر کوئی سیاح کسی مسلمان کے ہوٹل میں۔ اپنے کمرے میں شراب پیئے۔ یا حرام چیز جھٹکا یا سور کھائے جن کا انتظام اس نے خود کیا ہو۔ کیا شرعی اعتبار سے اس کمرہ کا کرایہ مالک ہوٹل کے لئے جائز ہے۔؟

جواب :- قرآن حکیم میں صراحتاً یہ فرمایا گیا ہے کہ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اور گناہ اور برائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے تعاون سے احتراز کرو اس صریح ہدایت کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی شرابی اور بدکار آدمی کو اپنے ہوٹل میں ٹھہرائے جہاں تک کرایہ کا سوال ہے تو وہ بہرحال جائز ہے البتہ برے لوگوں کو پناہ دینے اور انھیں جرائم کے مواقع عطا کرنے کا گناہ مسلم رہا جس پر آخرت میں گرفت ہوسکتی ہے

لایعنی باتیں

سوال ۳: از عابد حیدر آباد دکن۔

ہمارے یہاں ایک عامل صاحب ہیں۔ بڑے نیک
ی ہیں۔ اگر کسی شخص پر "جن" وارد ہو جائے یا کسی مکان میں
ن کا گذر ہو جائے تو عمل کے ذریعہ سے جناتوں کو دور کرنا انکے
ئے بہت آسان کام ہے ان کا دعویٰ ہے کہ وہ بڑے سے بڑے
ن سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اس حد تک تو ہم کو بھی پورا یقین ہے
عملیات کے ذریعے ایسا کیا جا سکتا ہے۔

بقول عامل صاحب موصوف کے وہ جس وقت چاہیں
ؤکلوں سے مدد لے سکتے ہیں اور یہ کہ وہ اگر چاہیں تو حضرت
ضر علیہ السلام کو بھی طلب کر سکتے ہیں اور اُن سے کسی بھی معاملے
ں مشورہ لے سکتے ہیں۔ اور اکثر وہ مشورے حاصل کر چکے ہیں
ب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا خضر علیہ السلام اس دنیا میں موجود
ی ہیں کہ نہیں۔ بالفرض اگر وہ بقید حیات ہیں تو کیا ایک پیغمبر
د ایک انسان اپنے عمل کے زور سے جب اور جہاں چاہے طلب
کے ان سے گفتگو کر سکتا ہے ؟ ۔ یہ ایک اُلجھن ہے جو ہمیں
یشان کئے ہوئے ہے براہِ کرم اس سلسلے میں تشفی بخش
داب سے سرفراز فرمایا جائے تو احسن ہے۔

جواب :- مناسب ہے کہ اس طرح کے سوالات کے جوابات
اصل کرنے کیلئے عاملوں کی بجائے عاملوں سے رجوع کیا
ائے۔ بے چارے علما اور مفتیان تو اس طرح کے عجیب در
جیب مسائل سے کورے ہیں۔

عملیات کی کتابیں ٹٹولنے سے اتنی بات تو ہمیں بھی
علوم ہے کہ کچھ مخصوص قسم کے وظائف و علوم کا سہارا لے کر
جنات کو تابع کیا جا سکتا ہے۔ اور انہیں مذکورہ علوم و وظائف
کے ذریعہ زیر بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ہمیں آج تک عملیات
کی کسی کتاب میں یہ "خوش خبری" پڑھنے کو نہیں ملی کہ دنیا میں
کوئی ایسا بھی علم ایجاد ہو چکا ہے جس کا سہارا لے کر حضرت
خضر علیہ السلام کو بھی " طلب " اور " وصول " کیا جا سکتا ہے۔

ہم اپنی ناقص معلومات کی روشنی میں صرف اتنا ہی کہنا
مناسب سمجھتے ہیں کہ اس طرح کی تمام باتیں اور تمام دعوے
خرافات کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور اس طرح کی خرافات کے بارے
میں تشفی بخش جواب دینے کا کوئی طریقہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا

سوال ایضاً

عامل صاحب موصوف کا یہ دعویٰ ہے کہ اگر کوئی
شخص کسی پر جادو کرے یا کوئی اور بد عمل سے کسی کو نقصان
پہنچائے تو جادو کرنے والے کا نام اور پورا پتہ ان کو معلوم
ہو جاتا ہے یہ اور بات ہے کہ وہ مصلحتاً اس نام کو مخفی ہی
رکھتے ہوں۔ براہ کرم مطلع فرمائیے کہ ایسا ہونا ممکن ہے ؟
زحمت دہی کی معافی چاہی جاتی ہے۔

جواب :- عامل صاحب کا یہ دعویٰ بھی لاف و گزاف
سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ دنیا میں ابھی تک ایسا کوئی علم
اور عمل ایجاد نہیں ہو سکا ہے کہ جو مغیبات سے آگاہ کرانے
میں رہنما ثابت ہو۔

عملیات سے صرف اتنا ہی اندازہ ہو پاتا ہے کہ صاحب
مرض جسمانی بیماری کا شکار ہے یا سحر و آسیب وغیرہ کا۔ کسی عمل
کے ذریعہ یہ پتا چلا لینا ناممکن ہے کہ جادو کرانے والا کون شخص ہے
اور کہاں کا رہنے والا ہے۔

تعویذ گنڈے کرنے والے حضرات اگر اسی طرح کی
باتیں نہ بنائیں تو پھر ان کی دکان فیل ہو جاتی ہے بدعقیدگی کے
مارے ہوئے لوگ اسی طرح کی باتوں سے بہت محظوظ اور لطف
اندوز ہوتے ہیں۔ انہیں خوش کرنے کیلئے اور اپنا پورا سکہ جمانے
کے لئے یار لوگ ہوا میں اُڑنے انگارے چبانے پریوں سے متمتع
ہونے کے رنگ برنگے دعویٰ کرتے رہتے ہیں۔ جہالت زدہ اور بدعقیدہ
لوگ اس طرح کی باتیں سن کر وجد میں آ جاتے ہیں اور آپ جیسے صحیح
العقیدہ سمجھ دار لوگ اس طرح کے معاملات میں تشفی بخش
جواب چاہنے کے لئے مولویوں کی کنڈیاں کھٹکھٹانی شروع
کر دیتے ہیں۔

محترم ہمیشہ کے لئے یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ
موجودہ زمانہ میں تعویذ گنڈے کرنے والے حضرات ناجز محض

ہ۔ اور تاجر مختلف قسم کے حضرات اپنی تجارت کو فروغ دینے کے
کذب وافترا اور دجل وفریب کو کلیتہً جائز بلکہ ضروری
سمجھتے ہیں۔ ہر تعویذ باز یہی دعوے کرتا نظر آتا ہے کہ اگر چاہوں
یہ کردوں اور اگر چاہوں تو وہ کردوں۔
یہ سب باتیں اپنے گاہکوں کو مطمئن کرنے کے لئے
ہوا کرتی ہیں۔ اس طرح کی باتوں پر کان دھرنا اور پھر انھیں سچ
سمجھ کر تشفی بخش جواب چاہنے کی فکر میں دُبلا ہونا بڑی حیرتناک
بات ہے۔

کرشمۂ جہالت

سوال ۵ ازشیخ نبی۔ مارکاڑکہ پور
ایک محلّے کی جاہل عورت بغیر شوہر کی اجازت کے
غیروں کے ساتھ ترچھی دلیوستان جاکر پوجا کر کے آئی ہے
ایسی عورت کو مذہب اسلام میں رکھ سکتے ہیں یا نہیں۔
اس سے اس کا شوہر بھی ناراض ہے۔

جواب:۔ کسی مسلمان عورت کا مندر پوجا کی غرض سے
جانا یقیناً ایک غلط حرکت ہے لیکن محض اتنی سی بات کسی
مسلمان عورت کو "کافرہ" سمجھنے کیلئے کافی نہیں ہے۔
ممکن ہے جہالت۔ حماقت، غیر اسلامی ماحول معلومات
شرعیہ سے بے خبری کی وجہ سے مذکورہ عورت پوجا کر آئی ہو۔
اور اسے اس بات کا علم ہی نہ ہوگا کہ یہ ایک غلط حرکت تھی۔ جب
تک عورت اسلام کو چھوڑنے اور کفر کو اختیار کرنے کا صریح
الفاظ میں اظہار نہ کرے اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔
اُس کے شوہر کا فرض ہے کہ اس سے نفرت کرنے اور
اسے سزا دینے کی بجائے اس کے دل میں نرمی و محبت سے
یہ بات اتارے کہ اسلام خدائے برتر کی بارگاہ کے علاوہ
کہیں اور سر جھکانے کی اجازت نہیں دیتا۔ عبادت، پرستش
اور پوجا کی حقدار ایک ہی ذات ہے اور اس ذات کو کیا
جو ا سجدہ۔ وہ سجدہ ہے جو انسان کو ہزار سجدوں اور
دوسروں کی ہزار ٹھوکروں سے نجات دلاتا ہے۔ اس انداز
میں نصیحت کرنے سے عورت شرمندہ ہوگی۔ جبکہ شوہرانہ
قہر اسے ضد اور ہٹ دھرمی کے گرداب میں دھکیل کر دین
اسلام سے دور کرسکتا ہے۔

حاملہ عورت سے نکاح اور مباشرت

سوال ۶ ازنواب علی۔ اعظم پور ش
زید نے ایک عورت سے شادی کی جو پہلے سے
شادی شدہ نہ تھی۔ اور نہ ہی اس کو یہ معلوم تھا کہ وہ حاملہ
ہے پس شادی کے کچھ دن بعد اس نے زید کے لڑکا جنا اب یا عث
تفتیش یا یہ کہ ہفتہ عشرہ میں زید نے جو مباشرت کی ہے وہ کیا گناہ کا
درجہ رکھتی ہے اور اس عورت سے زید کا نکاح درست
ہوگیا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ حمل کے دوران نکاح کرنا مناسب نہیں اور
اگر نکاح کرلیا جائے تو وضع حمل تک مباشرت کرنا احتیاط
ومصلحت کے خلاف ہے تاہم اگر نفسانیت سے مغلوب
ہوکر مباشرت کرلی جائے تو اس کا نکاح پر کوئی اثر
واقع نہیں ہوتا۔ اور مذکورہ صورت میں تو زید غیر محتاط بھی نہیں کہا جاسکتا

مسلکی تناؤ

سوال ۷
ہمارے یہاں بدعتی عقائد کافی حد تک جڑ پکڑ چکے
ہیں۔ اور مسجدوں میں بھی ختمات اور بدعات کا دور دورہ
ہے اس وقت جب کہ مساجد میں شیئاً اور اسی قسم کے
دوسرے کلمات دہرائے جاتے ہیں۔ طبیعت پر گراں گزرتے
ہیں۔ لیکن اگر وہاں سے بھاگ کر نکلیں گے تو حالات اور
زیادہ نازک صورت اختیار کرسکتے ہیں۔ لہذا ہمیں اپنے
نیک مشوروں سے نوازیں کہ ہم ایسے حالات میں کیا کریں نیز یہ
بھی فرمائیں کہ کیا بدعتی امام کے پیچھے نماز جائز ہے؟

مجھے امید قوی ہے کہ آنجناب ایک خط کے ذریعے تجلی اور تجلی میں بھی اس کا کافی وشافی جواب دیں گے۔

جواب :- کیا آپ کے علاقے میں کوئی مسجد ایسی نہیں ہے جو صحیح العقیدہ لوگوں کے اثر میں ہو۔ کیا سبھی پر اصحاب بدعت کا تسلط ہے۔؟

اگر ایسا ہے تو بھی گھر میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے کہ آپ نماز مسجد ہی میں ادا کریں۔ البتہ بدعتی امام کے پیچھے نماز ادا کر لینے کے بعد گھر آ کر نماز پھر دہرالیں۔ اور حتی الامکان اپنی زبان کو بند رکھیں۔ زبان درازی ہی ہر فتنہ کی جڑ ہوتی ہے اور کبھی کبھی سچائیاں بھی مُضر ثابت ہوتی ہیں۔ جو سچ مسلمانوں میں خونریزی پیدا کرے اس سے وہ جھوٹ بہتر ہے جو مسلم معاشرہ کو صلح اور عافیت کی دولت عطا کر دے بدنصیبی اور جہالتِ فاحشہ کی وجہ سے ہم لوگ "زبان درازی" کو حق پسندی اور حق بیانی کا نام دیتے ہیں۔ حالانکہ جو حق بیانی فتنہ پیدا کرے وہ حق بیانی کس کام کی۔ کیا خدا اور رسول کی خاطر جھگڑنا ہی نیکی ہے۔ کیا خدا اور رسول کی خاطر صلح کرنا کچھ نہیں؟ ۔ مناظروں مباحثوں اور مجادلوں کے نتائج ہمارے سامنے آ چکے ہیں۔ اب ایک دوسرے کی عُریاں مخالفت کا سلسلہ بند ہونا چاہئے۔ تاکہ معاشرے میں بکھری ہوئی فتنہ انگیزی کا قلع قمع ہو۔ انشاء اللہ تجلی اس بات کی کوشش کرے گا کہ علمائے دیوبند، علمائے بریلی، علمائے اہل حدیث اکابرینِ تبلیغی جماعت اور زعمائے جماعتِ اسلامی کے کسی کسی حد تک صلح اور مفاہمت کی صورت پیدا ہو جائے اور ایک دوسرے کی پگڑیاں اُچھالنے کا سلسلہ بند ہو۔

بینک کے سود کا مسئلہ

سوال ۳ از شکیل احمد ورنگل

ہم روزانہ دس یا پانچ روپیہ بینک میں جمع کراتے ہیں اور پھر اس کی ایک سال کی مدت گزرنے کے بعد ہماری رقم ہم کو واپس مل جاتی ہے اور ہم یہ بھی کہ ایک سال پورا ہونے کے بعد میں ہماری رقم کے علاوہ کچھ سود بینک سے ملتا ہے اور ہماری نیت بینک میں رقم جمع کر کے سود حاصل کرنے کی نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ ہم رقم کی حفاظت کے لئے بینک کا سہارا لیتے ہیں۔ ہماری رقم ایک سال کے بعد بینک مشمت . . . .

. . . . ہم کو مل جاتی ہے اور کچھ سود ملتا ہے وہ کیا ہم غریبوں اور محتاجوں کو دے سکتے ہیں۔ اور وہ رقم کیا بنک کو چھوڑ دیں۔ کیا کریں۔ اس کا براہِ کرم مہربانی فرما کر لفافے کے ذریعے جواب دیں تو مہربانی ہوگی۔

جواب :- بینک کے سلسلہ میں علماء کے درمیان زبردست قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ بینک جو سود دیتا ہے اس میں کسی طرح کی کوئی قباحت نہیں اس لئے کہ بینک والے سبھی رقومات کو تجارت میں لگا دیتے ہیں۔ اور بالعموم وہ ایسی تجارت پر ہاتھ ڈالتے ہیں کہ جس میں نقصان کا کوئی پہلو نہیں ہوتا۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ بینک سے ملنے والا سود بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح ذاتی اور شخصی طور پر لئے اور دیئے گئے سود حرام ہوتے ہیں۔ لیکن سود کی رقم کو بینک میں نہیں چھوڑنا چاہئے۔

اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ سود کی رقم وصول کرنا فی نفسہ حرام ہے۔ خرچ کرنے نہ کرنے والا معاملہ تو بات کا ہے۔ گویا کہ بینک سے سود لیتے وقت لینے والا گنہگار قرار پاتا ہے یہ تو بعد کی بات ہے وہ اس رقم ۔ ہماری طالب علمانہ رائے یہ ہے کہ

بینک کے سود کو لے کر مغلوب الحال مسلمانوں کو بخش دینا چاہئے یا بطورِ تالیفاتِ قلب غیر مسلمین کے مسائل میں خرچ کر دینا چاہئے۔ واللہ اعلم

پیشۂ یارانِ طریقت ؟

"جماعت اسلامی ہند کے بعض قدیم واہم ارکان نے جماعت سے مستعفی ہو کر "تحریک اسلامی" کے نام سے ایک نیا ادارہ حیدرآباد (آندھرا) میں قائم کیا ہے اس کے بانی ناظم مولوی محمد عنایت اللہ ندوی صاحب نے جماعت اسلامی سے علیحدگی کے ضمن میں اسباب و وجوہ کی وضاحت کے مقصد سے لٹریچر کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا ہے اس سلسلہ کا ایک کتابچہ جماعت اسلامی ہند کا عقیدہ توحید سے انحراف ہے" عنوان بلاشبہ انتہائی سخت ہے۔ اس کتابچہ کا ایک اہم اور جواب طلب مضمون ہم بلا تبصرہ ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔ قارئین کرام یا جماعت اسلامی سے متعلق اگر کوئی صاحب تصویر کا دوسرا رُخ پیش کرنا چاہیں تو تجلی بصد خوشی اسے اپنے صفحات میں شائع کرے گا۔" (ادارہ)

برادرانِ اسلام۔ السلام علیکم۔ ورحمۃ اللہ

ناچیز مرتب سابق رکن جماعت اسلامی ہند (۱۹۴۱ء، ۱۹۴۷ء) کے مطالعہ میں چند سال قبل حسب ذیل خبر آئی تھی۔

"اخبار ذبیح حیدرآباد م ۱۹ر اگست ۷۳ء جماعتِ اسلامی انتخابات میں حصہ لے گی۔ جماعت اسلامی ہند کی مجلس شوریٰ کا اجلاس بنگلور کے بجائے مرکزی جماعت دہلی میں زیر صدارت مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت اسلامی ۹ر ستمبر کو منعقد ہوگا۔ جس میں جماعتِ اسلامی الیکشن میں حصہ لینے کے تعلق سے فیصلہ کرے گی۔"

یہ خبر اس شخص کے لئے جو جماعتِ اسلامی ہند کی کے فوری بعد رکن جماعت اسلامی بنا تھا جس نے زمانۂ طالب علمی ندوۃ العلماء لکھنؤ ہی سے دعوتی سرگرمیاں بتوفیق الٰہی کو رکھی تھیں اس کے لئے اسکا وحشت ناک خبر ہونا لازم تھا اسلئے کہ جماعتِ اسلامی ہند کے دستور بابت ۱۹۴۱ء اور جدید دستور جماعت اسلامی ۱۹۵۶ء کی رُو سے غیر اسلامی آئین کے تحت الیکشن میں حصہ لینا عقیدہ توحید کے منافی ہے اور ہر وہ رکن جماعت اسلامی جو ایسے الیکشن میں حصہ لے گا وہ ہر دو دستور کی رُو سے جماعتِ اسلامی کی رکنیت سے لائق اخراج ہے ایسی صورت میں یہ خبر حیران کن تھی کہ ایسے شرک اور کفر پر عمل کرنیکا فیصلہ جماعت اسلامی من حیث الجماعت کیسے کرسکتی ہے؟ میری یہ حیرانی اس سبب سے تھی کہ میں جماعت اسلامی کے انحراف سے باخبر نہ تھا۔ یہ بات کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوئی کہ جماعت اسلامی ہند تقریباً (۱۲) سال قبل ہی ۴ر دسمبر ۱۹۶۱ء سے اپنا توحیدی موقف ترک کر کے شرک وکفر کا منحرف راستہ اختیار کرچکی ہے۔ اس لاعلمی کی وجہ سے ناچیز نے ایک انتباہی قسم کا مضمون لکھ کر اخبار ذبیح م ۲۲ر اگست ۱۹۷۳ء میں شائع کروایا۔ جس کا عنوان تھا جماعت اسلامی ہند۔ بنام اقامتِ دین انہدام دین۔ اور اکابرِ جماعتِ اسلامی ہند کو ایسے کافرانہ فیصلے کرنے

ارکان مجلس شوریٰ کی طرف پھیر دیے ہیں یہ کیا معاملہ ہے؟ لیکن امیر جماعت سکوت پر ہی مصر رہے۔ یہ دیکھ کر کہ اس وقت مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی مرحوم مرکزی رکن مجلس شوریٰ بھی تشریف فرما ہیں۔ ان سے عرض کیا گیا کہ آپ کے امیر صاحب تو مجلس شوریٰ کے ارکان سے رجوع کے لئے فرما رہے ہیں۔ اور آپ خود بھی رکن شوریٰ ہیں۔ اس لئے آپ اس سلسلے میں کچھ ارشاد فرمائیں۔ مولانا مرحوم نے ارشاد فرمایا کہ "میں امیر کی موجودگی میں اس مسئلہ پر کوئی گفتگو نہیں کر سکتا۔" اس کے بعد موصوف نے ٹیلی فون کا ڈائل گھمایا اور کسی سے بات چیت کی ایکٹنگ کی اور کہا "ہاں ہاں ابھی آرہے ہیں" اس کے بعد رفقاء ادارہ سے کہا گیا کہ آپ لوگ جا سکتے ہیں۔ رفقاء ادارہ یہ کہتے ہوئے باہر نکل آئے کہ جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان ذھوقا۔ یہ ہیں اکابر جماعت اسلامی ہند! اور یہ ہیں مدعیان اقامت دین! اور یہ ہیں انبیاء طریقہ کار کے مطابق عمل کرنے والے!

اس کے بعد خیال ہوا کہ بانی جماعت مولانا مودودیؒ صاحب کو اس انحراف کی اطلاع دی جائے۔ لیکن ان دنوں پاکستان کی ڈاک کا سلسلہ بند تھا۔ اس لئے مجبوری رہی خیال ہوا کہ اس سلسلہ میں مرحوم مولانا عامر عثمانی "مدیر تجلی دیوبند" سے رجوع کیا جائے چنانچہ مولانا مرحوم کی خدمت میں دسمبر ۱۹۶۱ء سے ہونے والے مجلس شوریٰ و مجلس نمائندگان کے فیصلوں کی نقول روانہ کر کے ان سے رہنمائی حاصل کرنے کی سعی کی گئی۔ اس سلسلہ میں مولانا مرحوم کی چند باتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

عامر عثمانیؒ خط مورخہ ۲۱/مارچ ۱۹۷۴ء (بنام محمد عنایت اللہ ندوی)

اگر جماعت میں بعض چیزیں بھی ایسی دیکھ پائیں جو دینی رخ سے لائق قابل اصلاح ہیں اور منافی ... مقاصد سے ان کا تعلق

ہے تو انہیں خیر خواہی و نصح کے نقطۂ نظر سے منظر عام پر لانا آپ کی دیانت کا تقاضا ہو گا ... کے ...

خط ۳۱ رجولائی ۱۹۷۴ء ...... جماعت اسلامی کے تحریکی طریقہ کار کے سلسلے میں جدوجہد کے بارے میں ناچیز کا عقب عرصہ سے مطمئن نہیں ہے نہیں سمجھ میں آتا کہ موجودہ رفتار کار کہاں کب پہونچائے گی..... جو تضاد آپ نے عبارات میں دکھلایا ہے اس سے انکار ممکن نہیں.....

۱۵ اکتوبر ۱۹۷۴ء سے پاکستان کی ڈاک کھل ہو گئی بانی جماعت مولانا مودودی کی خدمت میں جماعت اسلامی ہند کی مجلس شوریٰ کے فیصلوں کی نقلیں جو دسمبر ۱۹۶۱ء تا جون ۱۹۷۴ء تک کئے گئے ہیں جو مرتجا عقیدہ توحید سے انحراف پر مبنی ہیں روانہ کئے گئے جماعت اسلامی ہند کے پانچویں کل ہند اجتماع نومبر ۱۹۷۴ء میں اکابر جماعت اسلامی لادینی جمہوریت پسندی پر جو مقالے پڑھے تھے اس پر لادینی صحافت کی جانب سے کچھ تحسین و ستائش کی گئی مثلاً اخبار بلٹز بمبئی روزنامہ سیاست حیدرآباد وغیرہ اس کے تراشے مودودی صاحب کی خدمت میں روانہ کئے گئے۔ اس سلسلے میں موصول جواب حسب ذیل ہے۔

ابوالاعلیٰ مودودیؒ خط ۲۱/دسمبر ۱۹۷۴ء (بنام محمد عنایت اللہ ندوی) محترمی

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۲/دسمبر، ۱۹/دسمبر کو وصول ہوا اس کے ساتھ اخباری تراشے بھی ملے جو آپ نے بھیجے ہیں ہم نے آج تک جس طرز عمل کی پابندی کی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں بیٹھ کر جماعت اسلامی ہند کے حق میں یا اس کے خلاف کوئی رائے

ئی سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا چونکہ مولانا موصوف
جواب بذریعہ ڈاک مجھے اس وقت تک ملا ہی نہ تھا مناسب
تھا کہ زیر بحث مسئلہ پر بات چیت کی خاطر اس اجتماع میں
ور شرکت کی جائے۔ چنانچہ چند رفقاء ادارہ کے ساتھ ناچیز
ں اجتماع میں گیا۔ اور مولانا ابواللیث صاحب سے ملا اور
ض کیا کہ مجھے آپ سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں۔ براہِ کرم
ہ وقت دیجئے۔ مولانا صاحب سمجھ گئے کہ بات اختلاف
ے متعلق ہے وہ دوسرے دن اپنی واپسی اور یہاں کی عدیم
فرصت کا عذر کر کے چند منٹ بھی گفتگو کے لئے تیار نہ ہوئے
س اعراض سے مولانا کے موقف کی حقیقت ظاہر ہو گئی۔
لین رفقاء ادارہ مولانا عبدالحی صاحب رکن مجلس شوریٰ
سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ آپ سے چند اہم دینی باتیں کرنی
ں۔ براہِ کرم کوئی وقت دیجئے۔ موصوف نے دوسرے دن
بجے صبح کا وقت دیا۔ اور دوسرے دن ہم سب مولانا
صاحبان کی قیام گاہ پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ قیام گاہ سے
یک جیپ نکل رہی ہے۔ جس میں مولانا عبدالحی صاحب
ولانا سراج الحسن صاحب رکن ناٹک، مولانا ابواللیث صاحب
سابق امیر جماعت سوار ہیں اور کہیں جا رہے ہیں رفقاء ادارہ
نے آگے بڑھ کر کار کو روک دیا اور مولانا عبدالحی صاحب
سے گزارش کی کہ آپ نے تو ہم کو وقت دیا تھا۔
ور آپ اس وقت کہیں جا رہے ہیں موصوف نے فرمایا کہ
ہم ابھی واپس لوٹتے ہیں آپ لوگ انتظار کریں۔ حسب
رشاد ہم لوگوں نے ۹ بجے سے ۱۲ بجے تک انتظار کیا بلکہ
گر شام تک انتظار کی نوبت آجاتی تب بھی انتظار کرتے
لیکن (۱۲) بجے اس قیام گاہ سے کوئی شخص آیا۔ اور ہم سب
منتظرین کو سنایا کہ مولانا صاحبان اب نہیں آئیں گے۔
دھر ہی سے دہلی واپس چلے جائیں گے۔ اس لئے آپ لوگ
رخصت ہو جائیں۔ اور ہم واپس آگئے۔
داہِ فرار کے ایک اور واقعہ کو بھی سن لیجئے۔ ماہِ

مئی ۱۹۸۴ء کے آخری ہفتہ یہ اخباری اطلاع پڑھی گئی کہ مولانا
یوسف صاحب امیر جماعت مع مرکزی چند ارکان مجلس
شوریٰ بنگلور سے واپس ہوتے ہوئے چند دن کیلئے حیدرآباد
میں ٹھہر گئے ہیں امیر جماعت کا اعلان ہے کہ جو لوگ موصوف
سے ملنا چاہیں وہ بعد نماز عصر ان سے مل لیں اس خبر
روح پرور کو سن کر میرے چند رفقاء حافظ انوار اللہ محمود
مقامی امیر جماعت کے پاس گئے۔ اور عرض کیا کہ ہم امیر
جماعت سے ملنا چاہتے ہیں براہِ کرم امیر جماعت سے مل کر
کوئی وقت دلوا دیجئے اس کے جواب میں مقامی امیر موصوف
نے بڑی خفگی کے ساتھ ان رفقاء کو جھڑک کر کہا "ایسے"
نٹ پونجیوں" سے ملنے کیلئے امیر جماعت کے پاس کوئی
وقت نہیں ہے رفقاء ادارہ ہر دو سیول انجینئر اور اعلیٰ
تعلیم یافتہ تھے وہ اس اہانت سے بیحد متاثر ہوئے لیکن
صبر کیا۔ لہٰذا اخباری اعلان کی بناء پر بعد نماز عصر ایک روز
جو عزیز اللہ خاں صاحب، عبدالباری صاحب رحمانی۔
سید میر صاحب رفقاء ادارہ پر مشتمل تھا امیر جماعت مولانا
محمد یوسف کی خدمت میں پہونچ کر ادارہ کے سہ کتابچے
پیش کئے ہم اس تعلق سے آپ سے کچھ باتیں کرنے کیلئے
آئے ہیں۔ امیر جماعت بے حد سراسیمہ ہو کر ارشاد فرمانے
لگے کہ میں اپنے اصولوں کے تحت مجبور ہوں آپ لوگوں
سے اس مسئلہ پر کوئی بات چیت نہیں کر سکتا۔ آپ لوگوں
کو چاہئے کہ مرکزی ارکان مجلس شوریٰ سے اس موضوع
پر بات کریں۔ رفقاء ادارہ نے اس حقیقت کو پیش کیا کہ
بشمول جناب والا (۲۵) اکابر جماعت کو (۲۵) خطوط لکھے
گئے جن میں اکثر ارکان مجلس شوریٰ تھے صرف (۳) مرکزی
ارکان مجلس شوریٰ نے جواب دیا اور وہ بھی یہ جواب کہ اس
کا جواب مرکزی امیر سے معلوم کیا جائے۔ اور جب ہم آپ
کے حضور میں حاضر ہو کر اس بارے میں کچھ باتیں کرنا چاہتے
ہیں تو آپ اپنے اصولوں کی مجبوری ظاہر کر کے پھر ہم کو

اسلام کی بدخدمتی کرنے سے باز رہنے کی تلقین کی۔ اور اس
اخبار کی کاپیاں دہلی روانہ کرکے اجلاس مجلس شوریٰ منعقدہ
۹ر ستمبر ۱۹۷۴ء میں تقسیم کرائی گئیں اس مضمون کی اشاعت
کے بعد مقامی ارکان جماعت اسلامی سے دریافت کرکے جماعت
اسلامی ہند کا وہ لٹریچر جو تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۷ء سے
لکھا جا رہا ہے حاصل کیا گیا۔ اس کے مطالعہ سے یہ حیرتناک
بات ظاہر ہوئی کہ تقسیم ہند کے بعد جماعت اسلامی ہند
کے لئے جو امارت اور قیادت نمودار ہوئی ہے وہ روزِ اوّل
سے ہی اپنے دستور جماعت ۱۹۴۱ء اور اس کی پالیسی اور
طریق کار سے متفق نہ تھی۔ حالانکہ یہ دستور اور اس کی پالیسی اور
اس کا طریق کار "ٹھیک ٹھیک" کتاب و سنت پر مبنی ہے
جس کی تصدیق نہ صرف مشاہیر علماء احناف علماء اہلِ حدیث
نے کی ہے بلکہ مشاہیر علماء اور عالم اسلام نے اس کی تصدیق
کی ہے۔ اس مطالعہ کے دوران یہ معلوم ہوا کہ جدید امارت
کو جماعت کے دستور سے تو اتفاق نہ تھا۔ لیکن جماعت کے
شعبہ مالیات، اس کے بیت المال اور اس کے وقف بکڈپو
اور اس کے املاک و اوقاف سے گہری دلچسپی تھی۔ بہ الفاظ
دیگر یہ نئی امارت اور قیادت شعبہ مالیات ہی کے مفادات
کی خاطر ظہور میں آئی۔ بظاہر جماعت کے عقیدہ، پالیسی،
طریق کار کی پابندی کا مظاہرہ کرتی رہی اور خفیہ طریقہ پر
جماعت اسلامی ہند کو انحراف کے راستے پر ڈالنے میں
سرگرم ہو گئی۔ جب اس امارت و قیادت کا قبضہ مضبوط
ہو گیا تو بہ لطائف الحیل دستور جماعت اسلامی ۱۹۴۱ء کو
ہی ترک کرکے ایک جدید دستور جماعت ۱۹۵۶ء وضع
و نافذ کیا گیا۔ تقریباً (۱۲) سال جدوجہد کے بعد جب
اطمینان ہو گیا کہ تقریباً نصف ارکانِ جماعت اسلامی
عقیدہ توحید سے منحرف ہو کر لادینیت پسند ہو گئے ہیں
اور اس حیثیت سے منحرف گروہ مضبوط ہو گیا ہے تو ۳۱ر
دسمبر ۱۹۶۱ء کو مجلس شوریٰ جماعتِ اسلامی ہند، بلا دلیل شرعی

... اسلامی کے
تحت الیکشن میں حصہ لینے کو جائز قرار دیا ہے
بہ حیثیت سابق رکن جماعت اسلامی ہند میرے لئے
ناممکن تھا کہ اس صورت حال پر سکوت اختیار کرکے کتمانِ حق
کا مجرم بن جائے۔ چنانچہ ۱۰ر ستمبر ۱۹۷۳ء کو ایک مختصر کتابچہ
شائع کیا گیا۔ بشمول ارکان مجلس شوریٰ (۵۰) ارکان جماعت
اسلامی کے نام بنام ۳ تا ۴ صفحات پر مشتمل خطوط روانہ کئے
گئے۔ ہر خط کے ساتھ ایک کتابچہ ملفوف کیا گیا۔ اور ادائی
جواب کیلئے جوابی آنے کا پوسٹ لفافہ ملفوف کیا گیا اور یہ
خطوط روانہ کئے گئے (۱۲) ارکان جماعت اسلامی نے کوئی
جواب ہی نہیں دیا۔ (۳) ارکان مجلس شوریٰ نے جواب بھی
دیا۔ تو یہ کہ اس کا جواب مرکز سے حاصل کیا جائے۔ وہ اس
بارے میں کوئی جواب نہیں دے سکے۔ سابق امیر جماعت
مولانا ابواللیث نے ۱۱ر مارچ ۱۹۷۴ء کو یہ جواب دیا۔ "ان
مسائل سے میں اب غیر متعلق ہو چکا ہوں اس لئے مجھے جواب
سے معذور سمجھیں" اس جواب سے ان کے غیر شرعی موقف
کی حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے لیکن اس
سلسلے کی ایک اور حقیقت بیان کے لائق ہے۔ وہ یہ کہ مولانا
موصوف نے میرے نام یہ خط ۱۱ر مارچ ۱۹۷۴ء کو پوسٹ
کیا تھا اس کے بعد فوری طور حیدرآباد کا سفر اختیار کیا گیا چونکہ
مولانا موصوف کو ۲۰/ یا ۲۱/ مارچ کی تواریخ میں تحفظ میں
دارالاشاعت کی رسم افتتاح انجام دینی تھی۔
لیکن اس خط میں اپنی حیدرآباد روانگی کی مجھے کوئی اطلاع
نہ دی۔ اور یہاں کسی ستم ظریف نے رفقاء ادارہ تحریک
اسلامی کے نام دعوت نامہ بھیج دیا کہ آپ لوگ اس جشن
میں شرکت فرمائیں۔
اس جشن میں سابق امیر جماعت اور دیگر مرکزی
ارکان مجلس شوریٰ بھی شریک ہو رہے ہیں ظاہر ہے
کہ اس رسم افتتاح کی سیاسی بدعت میں شریک ہونے کا

دی جائے۔ اور تقریباً اسی طرز کی پابندی
جماعت اسلامی ہند بھی کرتی ہے اب ہمارے
لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اپنی اس پالیسی کو تبدیل
کرکے جماعت کے حامیوں اور اس سے اختلاف
رکھنے والوں میں کسی کی تائید اور کسی کے ساتھ
اختلاف کا اظہار کریں۔ میں نے تقسیم ہند سے
پہلے مدراس میں جماعت اسلامی کے کارکن
کو جو مشورے دیئے تھے وہ میری طرف سے
آخری اور گویا الوداعی پیغام کی حیثیت
رکھتے تھے اس کے بعد میں نے کبھی خفیہ یا علانیہ
ہندوستان کی تحریک اسلامی کو نہ کوئی
مشورہ دیا اور اس کے اوپر کوئی تبصرہ
کیا (خاکسار۔ ابوالاعلیٰ)

مولانا مودودی نے مدراس کے جس الوداعی پیغام میں ارکان جماعت کو جو مشورے دیئے تھے ان میں ایک مشورہ یہ بھی تھا کہ ملک کے غیر اسلامی مجالس قانون ساز کے الیکشن میں ہرگز حصہ نہ لیں یہ غلطی ہی نہیں مہلک غلطی اور احمقانہ خودکشی ہوگی وغیرہ۔ یہ مشورہ کتاب وسنت کے نصوص پر مبنی تھا۔ دستور جماعت اسلامی ۱۹۴۱ء کی بنیاد پر تھا لیکن انحراف پسندوں نے ان نصوص کتاب وسنت سے بغاوت کی یہ بغاوت پہلے کشمیر کی جماعت اسلامی نے کی انتخابات میں حصہ لینا شروع کیا گیا۔ مہلک غلطی کی گئی۔ اور احمقانہ خودکشی کی گئی۔ اسی کے مہلک نتائج سے آج جماعت اسلامی کشمیر دوچار ہے جماعت اسلامی ہند ۱۹۶۱ء سے اپنے دستور جماعت سے بغاوت اختیار کی کثرت رائے سے غیر اسلامی الیکشن میں حصہ لینے کو جائز بنایا گیا اور برسراقتدار کانگریسی جمہوریت کی تائید اور ملک کی دوسری جماعتوں کو آمریت پسند قرار دیکر ان کی مخالفت کرنے لگ گئی۔ اس طرح اندرا حکومت کی آنکھوں کا تارہ بننے کی مسلسل سعی کی گئی۔ ایمرجنسی کا دور آیا۔ اسلام سے بغاوت اور شرک وکفر سے پیمان وفا باندھا کا موسم آیا جماعت اسلامی بھی ممنوعہ جماعتوں میں داخل کر دی گئی اس کے لیڈروں کے ساتھ بھی وہی سب کچھ کیا گیا جو دوسری جماعتوں کے ساتھ کیا گیا۔ اکابر جماعت اسلامی جیلوں میں پہونچے تو وہاں جن سنگھ اور آر ایس ایس سے دوستی ہوگئی جیل کے باہر آئے تو اندرا گاندھی آمریت پسند بن گئی اور جنتا پارٹی محافظ جمہوریت بن گئی۔ لہذا جماعت ۱۹۷۷ء کے جو بائی الیکشنوں میں جنتا پارٹی کو ووٹ دی، اب اندرا کانگریس جماعت اسلامی ہند کی مخالف ہے اس طرح جماعت اسلامی ہند غریب اسلام کو فریق جنگ بنا کر اسلامی تحریک کا خاتمہ کر کے رکھ دے گی سے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

ناچیز

محمد عنایت اللہ ندوی

ادارہ تحریک اسلامی یوسفیہ ہوٹل حیدرآباد (اے پی)

مستقل عنوان!

از ملا ابن العرب مکی

مسجد سے میخانے تک

چشم دید راویوں کا بیان ہے کہ پیران کلیر کا عرس اب کی بہت شاندار رہا۔ صوفی رجب علی نے تو قسم کھا کر بتایا کہ ایسا عظیم الشان میلہ کلیر میں بارہ تیرہ سال کے بعد دیکھنے میں آیا ہے پوچھا کہ تفصیل بتایئے تو فرمایا:۔

"تفصیل! ارے سو سے زیادہ زنانِ عاشقانِ اولیاء آئی تھیں۔ اور اہلِ دل کا تو کچھ شمار ہی نہیں بھارت کے کونے کونے سے کھنچ کر پروانہ وار آ گئے تھے۔ بھورے قوال کی ٹولی پار سال سے دوگنی تھی، ٹوپی والے سائیں بابا کی ٹکڑی میں ایک نہ دو پورے تین نعت خواں تھے۔ رسیلے میاں کی پارٹی کا تو بس کہنا ہی کیا۔ جانے ظالم کہاں سے لڑ کر چھانٹ لایا تھا۔ وہ چوٹیں ہوئی ہیں وہ وہ تانیں کھینچی ہیں کہ بجذ اولوں میں قندیلیں جل گئیں۔ صرف اپنی بلاقی بیگم پوری آٹھ ہزار کما کر گئی ہے۔"

ایک اور بہت معتبر صوفی مجاور علی نے خبر دی کہ اب کی سچ) اہلِ دل کلیر کی محفلوں سے جیبیں جھاڑ کر اٹھیں ہیں۔ کیوں کہ گانے والوں اور والیوں نے دنیا میں ہل چل مچا دی۔ اور وجد و حال کا اوسط پچھلے چند سالوں کے مقابلہ میں سولہ اعشاریہ بیس زیادہ رہا۔

خواجہ آہو چشم بقائی نے فرمایا کہ اس سال بفضلِ تعالیٰ لین دین بھی بہت اونچا گیا۔ میں نے مطلب نہ سمجھ کر پوچھا:۔ "لین دین؟"

بولے۔ "وہی پتوں کا کھیل، ایک ایک نشست میں ہزاروں کے وارے نیارے ہو گئے۔ اکیلا نقیب سات سو جیت کر لایا ہے۔"

غرض مجموعی اطلاع یہی ہے کہ امسال ماشاء اللہ کلیر کا عُرس بہت کامیاب رہا۔ فدوی کو بھی اس سلسلے میں ایک مختصر سا حادثہ پیش آ گیا۔ ہوا یوں کہ خاکسار ایک سہارنپور گیا۔ کام بھی کیا۔ ایک منت مانی تھی کہ میری مرغی انڈے کی بجائے بکری کا بچہ دیدے تو خواجہ مستان علی بابا عطائیؒ کے مزار پر اصلی ڈالڈا سے سات چراغ جلا کر تین سجدے کر دوں گا۔ خواجہ کی کرامت دیکھئے کہ مرغی نے تابڑ توڑ تین بکریاں دیں۔ اور فدوی مَنّت پوری کرنے سہارنپور چل دیا۔ قبلہ کا مزار سہارنپور ہی میں ہے مزار کا مجاور ایک پلے ہوئے بدن کا ڈراؤنا آدمی تھا کہنے لگا "اصلی ڈالڈا تمہیں کہاں ملے گا۔ پیسے مجھے دے جاؤ منگا کر چراغ جلوا دوں گا۔"

میں نے کہا۔ "بازار میں ڈالڈا بہت ملتا ہے" کہنے لگا "نقلی ملاوٹ والا۔ اصلی کہاں نصیب ہوتا ہے۔"

عرض کیا "تب آپ ہی کہاں سے منگا لیں گے"

بولا۔" بیٹے کون مائی کا لال نقلی دے سکتا ہے نقلی دیدے تو خواجہ پیا آگ لگا دیں۔ ثالثاً اس کے کارخانے میں۔"

میں نے کہا۔" خیر والله کے پیسے میں آپ کو دیدوں گا تین سجدے کرلوں۔"

یہ کہہ کر اندر چلنے لگا۔ مگر اس نے میرا بازو پکڑ کر کہا:۔ "یوں سجدے نہیں کرنے دوں گا فی سجدہ ایک روپیہ درگاہ کی زکوٰۃ ادا کرو۔"

میں سٹ پٹایا، تین روپے مذاق تو نہیں تھے۔ پھر اندیشہ تھا کہ وہ میرے روپوں سے شراب پی ڈالے گا۔ کیونکہ اس کالال بھبوکا چہرہ اور سرخ آنکھیں صاف بتارہی تھیں کہ خاصا بلا آشام ہے پھر کیا ہو۔ سوچتا رہا سوچتا رہا اور داورے میڈ اِن جرمن دماغ مشکل کا حل ڈھونڈ ہی نکالا دماغ کیا۔ بلکہ ایک حافظ کی کارگذاری کہیئے۔ یاد آیا کہ ایک دفعہ مولوی عرفان الدین سے میں نے پوچھا تھا کہ حضرت آپ مسجد میں نہیں آتے تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ میں آج کل ٹٹ پونجیا اماموں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔ میں نے کہا تھا کہ پھر نماز چھوڑنے کے گناہ سے کیسے بچتے ہیں؟ فرمایا تھا کہ جماعت ہی سے پڑھتا ہوں۔ اور ایسے امام کے پیچھے کہ ہندوپاک کے سارے امام مل کر بھی اس تنہا کی برابری نہیں کر سکتے۔ میں نے سوال کیا تھا وہ کون ہیں؟ انھوں نے بتایا تھا اپنے امام الہند مولانا شوال حسن مدظلہ۔ میں نے کہا تھا وہ تو دہلی رہتے ہیں۔ انھوں نے کہا تھا اس سے کیا ہوتا ہے۔ آخر مسلک طیور پر وہ " امام الہند" ٹھیرے تو ہند میں جہاں چاہو ان کی اقتدار کرلو۔ چنانچہ میں تو گھر ہی میں ان کی نیت کرلیتا ہوں۔ میں بیچارہ ملا ایسے مسائل کیا جانوں، بس احتیاطاً پوچھ لیا تھا کہ کیا یہ فقہ کی رو سے جائز ہے؟ اس پر انھوں نے بہت غصہ سے کہا تھا کہ جائز نہ ہوتا تو ہم کیا یونہی عمل کرتے۔

پس اس معتبر فقہی مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے میں نے سوچا کہ بھلا میں بھی کیوں نہ تین سجدے گھر بیٹھے خواجہ مستان علی کے نام پر کرلوں۔ یقیناً میری منت پوری ہو جائے گی۔ چنانچہ مجاور صاحب سے کہا:۔

" بندہ تو چلتا ہے خدا آپ کی مونچھوں کو ڈاڑھی سے بھی لمبا کرے ایک روپیہ فی سجدہ کا ریٹ تو بہت مہنگا ہے پار سال کالے شاہ کے درگاہ میں آٹھ آنے درجن کا بھاؤ تھا۔"

" آپ کب کی بات کرتے ہیں صاحب" اس نے للک کر کہا۔" اس سال میں گرانی کہاں سے کہاں پہنچی ہے ہم بھی تو آخر بال بچے رکھتے ہیں۔"

وہ ایک لمحہ کو چپ رہا پھر ذرا جوش کے ساتھ بولا۔" اور کالے شاہ اپنے پیر صاحب کی کیا برابری کریں۔ چار ہزار سے اوپر خلیفہ ہیں۔ اپنے پیر کے اور کالے شاہ تو ابھی سیکڑے کے پھیر سے بھی نہیں نکلا۔ پھر تین کیس پھانسی کے بچائے ہیں۔ اپنے مولا نے اور کالے شاہ تو کو بھی سزا سے نہ بچا سکا حالانکہ چار سال کا بچہ ہی تو مارا تھا اس غریب نے۔"

میں نے پوچھا۔" خواجہ مستان علی بابا آپ کے پیر ہیں؟ میں نے تو سُنا ہے کہ سو برسوں سے یہ مزار قائم ہے۔"

"ہاں ہاں۔ مگر اس سے ہوتا ہے کیا۔ وہ میرے پیر میرے باپ کے پیر۔ صوفی لوگ مرا نہیں کرتے۔ آپ تم چاہو تو دست بدست بیعت کرادوں۔"

"سچ؟" میں نے حیرت سے کہا۔

بولا۔" ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ ایک سو روپے گجراتی کی نیاز لے آؤ اور یوم ہفت شنبہ کو دل کھول کے عُرس کرادو۔ تمہارے سامنے قبر سے نکال کر لاؤں گا اپنے مولا کو......"

" ہفت شنبہ!" میں چونکا " یہ کونسا دن۔"

وہ ہنسا۔ جیسے کوئی بڑا بچے کی بات پر ہنستا۔

"آپ ان باتوں کو کیا سمجھیں گے۔ ہمارے خواجہ بغدادی کی نیاز سے خوش ہو کر جمعہ اور جمعرات کے بیچوں بیچ ایک نیا دن نکالتے ہیں۔ جسے ہفت شنبہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں سات قطب، سات غوث، سات سالک، سات قلندر، سات نعت خواں قل کی پرچی پر اجلاس فرماتے ہیں۔ اور نیاز کرنے والے کے لئے جنت کی سات حوریں سات غلمان سات محل سات نہریں سات باغ نامزد کرتے ہیں۔ خود میں نے پچھلے ہفت شنبہ میں جو بمبئی کے ایک سیٹھ کے لئے نکالا گیا تھا۔ اپنے خواجہ سے ساتویں بار بیعت کی ہے"۔

میں اب تک سمجھا کرتا تھا کہ اسرارِ طریقت کا مجھ سے زیادہ جاننے والا اب تک روئے زمین پر کوئی پیدا نہیں ہوا ہے۔ لیکن نیازِ حقیقت سن کر شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ اور احساسِ شکست کے ساتھ لوٹنے لگا۔

مگر مجاور صاحب نے ٹوکا۔ "جا کہاں رہے ہیں منت پوری نہیں کریں گے؟

میں نے کہا۔ "پھر کبھی۔ اب تو چلتا ہوں"۔

بولے۔ "یہ بڑے گناہ کی بات ہے۔ چلئے میں آٹھ ہی آنے درجن لگا لوں گا۔ بارہ پیسے تین سجدوں کے ہوئے اور آٹھ آنے ڈالڈا کے لئے دیتے جائیے"۔

میں نے کہا۔ "کرایہ ریل کے علاوہ میرے پاس صرف بارہ پیسے ہیں اس کی چائے پیوں گا۔ منت کی ترکیب سمجھ میں آگئی ہے"۔

وہ کہتا ہی رہ گیا۔ جل جاؤ گے۔ برباد ہو جاؤ گے مستان بابا پھونک ڈالے گا۔ اور میں سنی ان سنی کر کے اسٹیشن چلا آیا۔ ریل میں ایک سیٹ پر دو اعلیٰ درجے کے چاودری صوفی بیٹھے تھے۔ چاودری یوں کہ لباس بجز دا تعطیل سیموں کے طرز پر مجاوردار کٹے ہوئے تھے۔ گلوں میں تسبیحیں تھیں۔ موٹی موٹھ والے ونڈی ڈنڈے پاس رکھے ہوئے تھے۔ میں کان دبا کر پاس بیٹھ گیا۔ وہ میری طرف توجہ کئے بغیر اپنی سرگوشیوں میں منہمک رہے۔ ایک بولے تھے۔

یار قطب علی ایسا عرس تو بیس سال میں دیکھنے میں آیا ہے۔ سچی واللہ کیا رونق تھی کیا رونق تھی سبحان اللہ!

"جی ہاں" صوفی قطب علی نے جواب دیا۔ "احمق وہابی کہتے ہیں کہ اسلام مر رہا ہے۔ معاذ اللہ۔ آنکھیں ہوتی تو دیکھتے کہ اسی سرزمینِ کفار میں روحانیت کہاں سے کہاں جا رہی ہے۔ مگر اندھوں کو کون دکھائے کہ خدا کی قسم اکیلا کلیر سارے بھارت کو روحانیت کے سمندر میں تیرا دینے کے لئے کافی ہے"۔

وہ ایک لمحہ رک کر اس طرح بولے جیسے کچھ یاد آگیا ہو۔ "ہاں عبد الغوث میاں! وہ نعتیں پڑھنے والی اب کی کون تھی؟ پہلے تو کبھی نہیں دیکھا اسے"۔

"برقعے والی!۔ وہی جس نے انار کلی کے طرز پر چیزیں پڑھی تھیں؟"

"ہاں وہی۔ دیکھ رہے تھے آپ کیا رنگ روپ کھلا ہے ظالم پر۔ الامان۔ مگر یہ نہیں سمجھ میں آیا کہ "برقعے والی" کیوں کہلاتی ہے۔ برقعہ تو نہیں تھا اس کے جسم پر"۔

صوفی عبد الغوث دو معنی انداز میں مسکرائے۔

"ارے آپ نہیں سمجھتے اس اصطلاح کو" انھوں نے اس طرح کہا کہ گویا صوفی قطب نے دو اور دو چار ہونے کی وجہ دریافت کی ہو۔ "خواجہ چاند بغدادی کی "اسرار الاولیاء" نہیں پڑھی آپ نے؟"

"نہیں" صوفی قطب نے بے کسی سے جواب دیا۔ "گنج حکمت" اور "زلفِ بہار" تو پڑھی ہے"۔

"انھیں گولی ماریئے" عبد الغوث نے کہا "سچے پکے احوال صرف "اسرار الاولیاء" میں ہیں۔ یہ خواجہ چاند صاحب نے ایک تانگے کے چلّے میں لکھی ہے اور روشنائی کی جگہ اپنے دل کا خون استعمال کیا تھا۔ زنانِ عاشقانِ اولیاء کے باب

میں تحریر ہے کہ صاحب مزار بزرگوں کے تصرفات ان پر بہت ہیں۔ اور ایک خاص الخاص تصرف یہ ہے کہ توجہ کے سات موتی دھاگے میں پرو کر قلب کے طریقت والے نقطے میں اس طرح لٹکا دیئے جاتے ہیں کہ جیسے کہ مرلقا کا فرادا کے کانوں میں جھومکے پھر سلوک کے خزانے سے نور کا پردہ لیکر قلب اور پھیپھڑوں کے درمیان نفسِ امارہ کی انگلی پر لٹکا دیا جاتا ہے تاکہ مذکورہ موتیوں کی مالا شیاطین واجنہ کی نگاہِ بد سے محفوظ اور دور پہنچے ہوئے قلندر ہی پردہ سرکا کر اندر جھانک سکیں اس تصرف کا نام طریقت کی اصطلاح میں "برقع پوشی" ہے یہ نصیبن آگرہ میں تھی۔ کہ اچانک اس پر کلیری صاحب کا یہی تصرف ہوا۔ اور عطائے خاص سے نوازی گئی۔ جبھی سے اس نے اپنا لقب "برقعہ والی" رکھ لیا ہے۔

"سچی قسم پاک پروردگار کی میں تو دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا۔ بہت پہنچی ہوئی ہے۔" صوفی قطب نے کہا۔ "غضب کا لوچ۔ قیامت کی چلت پھرت۔ مولانا جامی کی چیزوں پر بھاؤ بتانا کوئی کھیل ہے۔ اسی کا دل گردہ تھا کہ مجال ہے تال اور گھونگرو کے بھاؤ میں بال برابر فرق آجائے۔"

عبدالغوث میاں مسکرائے۔ پھر فرمایا:-

"ارے ایک نصیبن کیا۔ اس در کا فیض تو عام ہے۔ چھبیلی کو دیکھو دو سال میں کہاں سے کہاں پہنچی۔ شمشاد کا رنگ کیا سے کیا ہوا۔ اور تو اور اس چودہ سال کے ایاز کو دیکھو۔ پار سال آیا تھا تو کیا تھا۔ انترا تک نہیں کھینچتا تھا۔ مگر اب کی سارے میلے کو تیرا گیا۔ دھوم مچا دی۔ دلوں کے بخئے اُدھیڑ دیئے۔ اکیلے سیٹھ جارو ب علی نے بارہ سو صرف ایک شعر پر دیئے ہیں..... کیا تھا بھلا شعر؟ ...... وہ .... وہ .... یاد آیا.....

ماشاء اللہ کیا کہہ گیا ہے ظالم.....

میرے خواجہ تیرے رخسار پہ تل کیا کہئے
اس کی گولائی سے گردش میں ہر دل کہئے

صوفی قطب نے تأسف کے ساتھ کہا:-

"افسوس یہ چیز میں نہ سن سکا کس وقت پڑھی گئی تھی؟"

"ٹھیک فجر میں۔ اذان پہ شروع کی تھی اور اسی شعر میں سورج نکال دیا تھا۔"

"میں فجر میں کٹورا پائی چار جانے والی کو سن رہا تھا۔ اس نے بھی بڑے غضب غضب کی چیزیں کہی ہیں مگر کے ایک صوفی نے تو وجد میں آکر اس کی کولی بھر لی تھی۔"

"یاد ہے کوئی شعر؟" عبدالغوث میاں نے مشتاقانہ سوال کیا۔

"شعر...... ہاں شاید ایک تو یہ تھا:-

قلندر تو اُونچے اُڑے جا رہے تھے
شریعت بچاری کی کھڑی تک رہی تھی

"سبحان اللہ...... شریعت بچاری..... واہ واہ...... ایک چیز اس نے ٹھیک آدھی رات کو کہی تھی۔ اس پہ بھی بڑا محشر بپا ہوا۔ ایک شعر تھا:-

اگر تجھ کو پانا ہے رازِ حقیقت
شریعت کی وادی سے بچ کے نکل جا

عبدالغوث میاں نے پھر داد دی اور جھک کر بولے:-

ارے ہاں ایک چیز بھوندو قوال کی بہت اڑ گئی۔ چار شعر تو دل پہ نوٹ ہو گئے ہیں۔

خواجہ کی یاد آئی تو لہرا کے پی گیا۔
توبہ کو پھینک پھانک کے غرا کے پی گیا

واعظ نے یہ اڑائی کہ پینا حرام ہے
میں اس کو سب کے سامنے جھٹلا کے پی گیا

اس سال میں شراب پہ اتنے بڑھے ہیں دام
میں نے سنے جو ریٹ تو غش کھا کے پی گیا

ہمراہِ بادہ جب نہ ملے سیخ کے کباب
بھوندو غریب عشق کا غم کھا کے پی گیا

صوفی قطب علی اچھل پڑے۔ "ارے واللہ کیا مست چیز کہہ گیا ہے۔ بھوندو غریب سے کتنی معصومیت

ہلکی سی ہے؟"

"اور ایاز دکا وہ ترانہ تو سب کو یاد ہو گیا۔" عبدالغوث میاں نے کہا۔ "وہ ...... وہ ہے نا ...... ارے وہی وہ ...... ریشمی شلوار کرتا جالی کا ...... کے وزن پر۔"

قطب علی نے پیشانی میں شکنیں ڈال کر حافظہ پر زور ڈالا اور فوراً ہی چہک اُٹھے :۔

"ہاں یاد آ گیا وہ" :۔

مجھ پہ کرم ہے زلفوں والے مالی کا
سیر کیا ہے میں نے ڈالی ڈالی کا

"ہاں بھئی۔ اس میں ایک بند بڑے غضب کا تھا وہ .... مجھ سے اب رہا نہ گیا۔ آپ خود سمجھئے ایک صوفی کی حیثیت میں میں کب تک خاموشی سے خونِ جگر پیئے جاتا۔ بیک وقت دونوں سے کہا :۔

"قبلہ! اب کی ہمارے دیوبند میں بھی قالو قلندر کا عُرس اعلیٰ درجے کا ہوا ہے۔ آپ لوگ تشریف نہیں لائے؟"

دونوں چونکے۔ مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں ایسی کیفیت تھی جیسے میری روح کے اندر جھانک رہے ہوں۔ پھر صوفی قطب علی نے پوچھا :۔

"آپ کی تعریف ؟"

میں شرما کے بولا۔ "تعریف تو سب آپ ہی لوگوں کا حصّہ ہے۔ مجھ ناچیز کو پہلے بے دال کا بودم کہا جاتا تھا پھر میری بیگم نے میرا نام مُلّا ابن العرب مکی رکھدیا۔"

"ابن العرب مکی" دونوں نے برا سا منہ بنایا۔ "آپ وہابی ہیں کیا؟"

"تھا پہلے کبھی تھا" میں نے کہا "بھلا ہو خواجہ بو قلندر رحمۃ اللہ مد ظلہ کا انھوں نے ساری وہابیت نکالدی اور نام بھی بدل دیا۔ اب فدوی کو قارون غوث نالبندی کہتے ہیں۔"

"ماشاء اللہ دونوں کے چہرے کھل گئے" یہ ہوا

نام ...... مگر یہ نالبندی؟

میں کھنکارا۔ فدوی سوچ بچار کے لئے کھنکارنا مفید ہوتا ہے۔

"اصل میں میرے پیر نے نقش بندی اور سہروردی کے ٹھیک بیچوں بیچ ایک لائن نکالی ہے یعنی میرا مطلب ہے طریقت کا راستہ۔ یہ راستہ سلوک کی وادی کے قلب سے گذر کر سدرۃ المنتہٰی سے جا ملتا ہے۔"

"بھئی واللہ آپ تو پہنچے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔" عبدالغوث نے خوش ہو کر کہا۔ "کیا دیوبند میں بھی ابکی عرس رہا؟" "بے شک رہا۔" میں نے کہا۔ "دو زنانِ عاشقانِ اولیاء آئی تھیں۔ کئی جوڑی قوال تھے۔ میں تو سوچ رہا ہوں اب کی الیکشن میں اپنا نشان "قوالوں کی جوڑی" رکھوں گا۔ کیا خیال ہے کانگریس کے بیلوں کی جوڑی سے چوٹ کیسی رہے گی؟"

دونوں ہنسے۔ "بڑا اچھا خیال ہے ہاں تو دیوبند کے عرس کا حال کچھ سنائیے۔"

"دیوبند کے اہلِ دل ابھی تربیت میں ذرا کچے ہیں۔" میں نے کہا "تین گھنٹے میں چار دفعہ لاٹھی چلی۔"

"لاٹھی؟" دونوں چونکے ...... "نہیں سچ کہئے۔"

"جی ہاں ...... ایک دفعہ تو ایسا ہوا کہ صوفی مخفور علی آگے بیٹھے تھے اور صوفی زمرد میاں جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے پیچھے کھڑے تھے دونوں بڑھ چڑھ کے نذرانے دے رہے تھے۔ ایک دفعہ صوفی مخفور علی نے گھونگٹ میں منہ دیکے روپیہ دیا تو صوفی زمرد میاں بگھر گئے۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ لاٹھی جڑ دی!"

"بھئی واہ ...... یہ بھی کوئی بات رہی" قطب علی نے کہا" ہم نے تو ہاتھ پکڑ پکڑ کے روپے دیتے ہیں، کسی کی مجال ہے اُف کرجائے۔"

"میں نے کہا نا دیوبند کے اہل دل ابھی کچے ہیں۔ یہی دیکھئے کہ کلیر شریف میں تو ......

لیکن عین اسی وقت ٹکٹ چیکر نے بات کاٹ دی۔

ٹ دکھائیے؟" مجھے بڑا ناگوار ہوا۔ کیسے کوتازہ نظر
نے لگے ہیں یہ عبارت سے چیکر۔ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ صوفیوں
کٹ مانگنا گویا کہ صوفیوں کی توہین ہے۔ خیر میں نے جیب
ٹکٹ نکال کر حوالے کر دیا۔ لیکن دونوں چغادری صوفیوں
ں کچھ بتلا نظر آیا۔ جیسے وجد کرنے والے ہوں۔ چیکر نے پھر کہا
ں دکھائیے، دونوں صوفیوں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے
ں ٹٹولیں۔ پھر حیرت و سراسیمگی ظاہر کرتے ہوئے کہا: "ارے
کہاں گئے!"

"اچھی طرح ڈھونڈ لیجئے" چیکر نے چبھتے ہوئے لہجے میں
میں جب تک دوسروں کو چیک کرتا ہوں!"

وہ لمبے ڈبے میں دوسروں کے ٹکٹ دیکھنے لگا۔

"اب کیا ہوگا؟" ایک صوفی نے دوسرے سے کانپتی
آواز میں کہا:-

میں سمجھ چکا تھا کہ ماجرا کیا ہے۔ تاہم ہمدردی میرا فرض
ض کیا:-

"کیا ٹکٹ گم ہو گئے؟...... اچھی طرح دیکھئے
ں تو نہیں ہیں؟"

دونوں کے ہاتھ بے اختیار نیفوں کی طرف گئے۔ مگر فوراً
نھوں نے محسوس کیا کہ میرا مشورہ غیر صوفیانہ ہے جھلا کر بولے

"آپ مذاق کرتے ہیں یہاں جان پر بنی ہے سنا ہے
ٹ مجسٹریٹ ریل کے ساتھ ہی چلتا ہے"

"جی ہاں" میں نے سنجیدگی سے کہا "اور قانون بھی بدل گیا
بلا ٹکٹ سفر کرنے کی سزا پھانسی تجویز ہوتی ہے"

"پھانسی!" دونوں کے منہ کھل گئے۔

"ہاں مگر رعایت بھی دیدی گئی ہے رسی کی بجائے
کی کرسی استعمال کی جائے گی۔ یہ امریکن طرز کی پھانسی
۔ اس میں تکلیف بالکل نہیں ہوتی"

دونوں کے چہروں کا نور نہایت خوشگوار زردی
تبدیل ہو گیا میں نے پوچھا:-

"آپ نے ٹکٹ نہیں لئے تھے؟"

صوفی عبدالغوث نے نزع کے عالم میں کہا:-

"ارے اس حرام زادے مجراتی بابا نے کہا تھا کہ
سارے جہان کا سفر کئے جاؤ ٹی ٹی تمہیں دیکھ ہی نہیں سکتا۔
سسرا بارہ روپے سوا چھ آنے نذرانے کے بھی لے مرا"

دونوں نے اپنے بازوؤں پر بندھے تعویذ دکھائے
میں نے اب دوسرا مشورہ دیا۔

"واحد راستہ یہ ہے کہ بیت الخلاء میں گھس جائیے
وہ دیکھئے ٹی ٹی کی پشت اس وقت ادھر ہے اندر سے چٹخنی
چڑھا لیجئے گا۔ ٹی ٹی مجھ سے پوچھے گا کہ کہاں گئے تو کہدوں گا
ہوا میں تحلیل ہو گئے۔ پہنچے ہوئے صوفی تھے۔ چلئے اٹھئے"

میں نے انھیں سوچنے کا موقع نہ دیا۔ ویسے بھی وہ
پھانسی کے نام سے اس قدر بدحواس ہو گئے تھے ۔ مگر کسی
طریقے سے بھی زیادہ خوش نہیں ہوئے۔ جلدی سے اٹھ کر
بیت الخلاء میں گھس گئے۔ گاڑی ہلکی ہونے لگی تھی دیوبند
آرہا تھا۔ ٹی ٹی میری طرف آیا اور پوچھا:-

"وہ آپ کے ساتھی کدھر ہیں:"

"ساتھی" میں نے ہنس کر کہا "وہ تو کھڑکی سے کود
گئے۔ بے ٹکٹ تھے"

"کیا کہتے ہیں...... کھڑکی میں تو سلاخیں لگی ہیں"

"سلاخیں انھیں نہیں روک سکتیں" میں نے کہا "وہ
کلیر شریف کے صوفی تھے"

ٹی ٹی بھڑک گیا "ٹھیک بتا دیجئے تو نہیں تو
آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا"

"بہت خوشی سے" میں نے کہا "زمین سے لے کر
آسمان تک جہاں چاہے چلئے"

اتنے میں ایک مسافر زور سے بولا:-

"ارے صاحب وہ تو چھپ گئے ہیں......"

ٹی ٹی نے جھٹ سے بیت الخلا کا دروازہ جا کھٹکھٹایا

دروازہ کھولنا چاہا مگر ظاہر ہے کہ وہ کیسے کھلتا۔ اس نے زور سے تھپتھپا کر کہا "دروازہ کھولو!" جواب نہ ملا تو پھر تھپتھپایا اور چیخا۔ "احمقو کھولو دروازہ۔ کیا اس طرح جان بچ جائے گی؟"

دروازہ پھر بھی نہیں کھلا۔ گاڑی دیوبند کے اسٹیشن پر رک گئی۔ ٹی ٹی نے سپاہی کو بلایا۔ سپاہی نے دروازہ پر زور زور سے ڈنڈا بجایا۔ اور آخرکار بمشکل تمام دروازہ کھلا اور صوفی حضرات ایک دوسرے سے بغل گیر برآمد ہوئے۔ چہروں پر جو کیفیات تھیں وہ تھیں ہی۔ لیکن لباس کے زیریں حصے پر گندگی لگی ہوئی تھی۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ دونوں حضرات نے راہِ فرار مسدود دیکھ کر باری باری قدمچے کے سرنگ نما خلاء سے نکل بھاگنے کی کوشش کی تھی۔ مگر ظاہر ہے یہ طریقت کی بھول بھلیاں کا معاملہ تو تھا نہیں کہ سوئی کے ناکے سے اونٹ نکل بھاگتا۔ پلے ہوئے بدن تپلی سرنگ سے باہر نہ ہو سکے۔ اور... اور۔

آگے کیا ہوا۔ یہ عاجز کو نہیں معلوم۔ کیوں کہ اس وقت ٹھیک ساڑھے سات بجے تھے۔ اور عاجز کو پونے آٹھ بجے اُس میٹنگ کی صدارت کو پہنچنا تھا جو دیوبند میں عُرس قوّالی کی شاندار مستقبل پر غور کرنے کے لئے طے پائی تھی۔ چنانچہ بھاگا چلا آیا۔ توقع یہ تھی کہ کلیری بابا کی توجہ و برکت سے صوفی حضرات پھانسی سے بچ گئے ہوں گے۔

افکارِ ابوالاعلیٰ

جو قوم کسی شخصیت کے بل پر اٹھتی ہے، وہ اس شخصیت کے ہٹتے ہی گر بھی جاتی ہے۔ اس کے قیام کو دوام اور اس کے ارتقاء کو استمرار اگر کوئی چیز بخش سکتی ہے۔ تو وہ صرف یہ ہے کہ اس شخصیت کے سہارے اٹھنے کے بعد وہ کوئی ایسا نصب العین پائے جس کی کشش اسے ہمیشہ کھینچتی رہے کوئی ایسا مقصدِ زندگی پائے جس کے حصول میں وہ پیہم سرگرم عمل رہے، اور کچھ ایسے اصول پائے جن کی بنیاد پر وہ اپنی حیاتِ قومی کی عمارت مستحکم کر سکے۔ شخصیتیں بہرحال فانی ہوتی ہیں۔ ان کے بل پر قوم اٹھ تو سکتی ہے مگر قائم نہیں رہ سکتی۔ تاہم بعض کسے لیے ان چیزوں کی ضرورت ہے جن کی عمر اشخاص و افراد کی عمر سے زیادہ ہو، جو مردانِ کار کی موت کے ساتھ مر نہ جائیں، بلکہ نسل در نسل چلتی رہیں جس سے گرمی حرکت اور طاقت پائی چلی جائے۔

●

اگرچہ اچھے کام کرنے والوں کو دنیا کی تمام سہولتیں اور آسائشیں بہم پہنچ جاتیں اور برے کام کرنے والوں پر آفتیں ٹوٹ جایا کرتیں: تو پھر کون ایسا احمق تھا کہ برائی اختیار کرتا اور بھلائی سے منہ موڑتا۔ پھر تو کامیابی آسان اور ناکامی دشوار ہوتی، جزا سستی اور سزا مہنگی ہو جاتی، انعام مفت ملتا اور عذاب پانے کے لیے محنت کرنی پڑتی۔ کیا اس کے بعد دنیا کی اس امتحان گاہ میں انسان کو بھیجنے کا کوئی فائدہ تھا؟ اور کیا اس کے بعد نیک انسانوں کی نیکی کسی قدر و قیمت کی مستحق قرار پا سکتی تھی؟ جب کہ ان کو نیکی کے راستے طے کرنے کے لیے قالین بچھا کے دیے گئے ہوں؟ درحقیقت اگر ایسا ہوتا، تو جنت کے بجائے جہنم کی طرف جانے والے زیادہ قابلِ قدر ہوتے!

●

کامیابی و ناکامی کا اصل معیار یہ نہیں ہے کہ امتحان دینے کے دوران کس نے تختِ شاہی پر بیٹھ کر امتحان دیا اور کس نے تختۂ دار پر۔ اور کس کی آزمائش ایک سلطنتِ عظیم دے کر کی گئی اور کسے ایک جھونپڑی میں آزمایا گیا۔ امتحان گاہ کے یہ وقتی اور عارضی حالات اگر اچھے ہوں تو بجائے خود کامیابی کی دلیل نہیں، اور برے ہوں تو یہ خائب و خاسر ہونے کے ہم معنی نہیں۔ اصل کامیابی جس پر ہمیں اپنی نگاہ جمائے رکھنی چاہیے یہ ہے کہ دنیا کی اس امتحان گاہ میں جس جگہ بھی ہم بٹھائے گئے ہوں، اور جو کچھ دے کر بھی ہمیں آزمایا جائے، اس میں ہم اپنے آپ کو خدا کا وفادار بندہ اور اس کی مرضیات کا متبع ثابت کریں، تاکہ آخرت میں ہم کو وہ پوزیشن ملے جو خدا نے اپنے وفاداروں کے لیے رکھی ہے۔

●

حق کے متعلق یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ وہ بجائے خود حق ہے۔ وہ ایسی مستقل اقدار کا نام ہے جو سراسر سچی اور صادق ہیں۔ اگر تمام دنیا اُس سے منحرف ہو جائے تب بھی وہ حق ہی ہے، کیونکہ اس کا حق ہونا اس شرط سے مشروط نہیں ہے کہ دنیا اس کو مان لے۔ دنیا کا ماننا یا نہ ماننا سرے سے حق و باطل کا فیصلہ کرنے کا معیار ہی نہیں ہے۔ اگر دنیا حق کو نہیں مانتی۔ تو حق ناکام نہیں ہے بلکہ ناکام وہ دنیا ہے جس نے اسے ماننے سے انکار کیا اور باطل کو قبول کر لیا۔ مصائب حق پر نہیں، بلکہ اہلِ حق پر آتے ہیں، لیکن جو لوگ سوچ سمجھ کر کامل قلبی اطمینان کے ساتھ یہ فیصلہ کر چکے ہوں کہ انہیں بہرحال حق ہی پر قائم رہنا اور اسی کا بول بالا کرنے کے لیے اپنا سارا سرمایۂ حیات لگا دینا ہے، وہ مصائب میں تو مبتلا ضرور ہو سکتے ہیں، لیکن ناکام کبھی نہیں ہو سکتے۔

بے مقصد (AIMLESS) زندگی بسر کرنا تو حیوانات کا کام ہے۔ اگر آدمی بھی صرف اس لیے جئے کہ جینا ہے اور اپنی قوتوں کا مصرف بقائے نفس اور تناسل کے سوا کچھ دیکھے تو پھر اس میں اور دوسرے حیوانات میں کیا فرق باقی رہا۔

شاد باش و شاد زی اے سرزمینِ دیوبند ہند میں اسلام کا تو نے کیا پرچم بلند
(مولانا ظفر علی خاں مرحوم)

دیوبند
اور
دارالعلوم دیوبند

۱۸۵۷ء کے بعد ملک و ملت کی نشأۃ ثانیہ کے علم بردار

دارالعلوم دیوبند

کے

اجلاس صد سالہ کے مبارک موقع پر
ادارۂ تجلی کی طرف سے نذرانۂ عقیدت

ماہنامہ **تجلّی** دیوبند

اشاعت خاص

مارچ، اپریل ۱۹۸۰ء

روزمرہ زندگی میں کام آنے والی ایک اہم طبی کتاب

رموزِ علاج و تشخیص

از جناب حکیم گنگا رام صاحب گاندھی

"رموز علاج و تشخیص" عام بیماریوں کے علاج کے سلسلہ میں ایک اہم اور قابلِ قدر کتاب ہے، جس میں مصنف موصوف نے اپنے زندگی بھر کے تجربات کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔ دورِ حاضر میں حکیم گاندھی صاحب کا شمار مشاہیر اطبائے اطبائے یونانی میں کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب نہ صرف عام گھروں کی ایک روزمرہ ضرورت ہے، بلکہ طبیب صاحبان کے لیے بھی مفید ہے۔ اس کے بارے میں چند دانشوروں اور ماہرفن معالجین کی آرا مختصراً ذیل میں درج کی جاتی ہیں :-

مولانا محمد مسلم صاحب ایڈیٹر روزنامہ "دعوت" دہلی "حکیم گنگا رام صاحب گاندھی فن طب کے قدیم اساتذہ میں سے ہیں۔ انہوں نے "رموز علاج و تشخیص" میں روزمرہ پائے جانے والے امراض کی علامتوں اور ان کے آسان علاج پر ایک مختصر لیکن سیر حاصل کتاب لکھ کر ہزاروں خاندانوں کی ضرورت کو پورا کر دیا ہے ..... موصوف کو ایک حاذق طبیب کی حیثیت سے تشخیص پر عبور حاصل ہے۔ اسے بھی مختلف امراض کے ضمن میں انہوں نے بیان فرما دیا ہے۔"

حکیم عبدالقوی دریا بادی۔ ایڈیٹر "صدق جدید" لکھنو "یہ کتاب طبی درسگاہوں میں داخلِ نصاب کیے جانے کے قابل ہے۔"

حکیم ترلوک ناتھ اعظم۔ سابق پرنسپل بھوپندر طبیہ کالج پٹیالہ "حکیم گنگا رام صاحب گاندھی کی ہستی قابلِ احترام اور مایۂ ناز ہے۔ ان کا معیارِ فن بہت بلند ہے۔ ان کی کتاب میں طبی معلومات کا نچوڑ نہایت اختصار کے ساتھ لیکن جامع طور پر شائع کیا گیا ہے۔"

ڈاکٹر مدن سروپ گپتا۔ ممبر سنٹرل کونسل آف انڈین میڈیسن "آپ نے اپنے سالہا سال کے تجربات کو آسان زبان میں تحریر فرما کر واقعی فن کی خدمت کی ہے۔ یہ کتاب اطبا اور طلبا دونوں کے لیے کارآمد ہے۔"

پروفیسر جگن ناتھ آزاد صدر شعبۂ اُردو جموں یونیورسٹی "یہ کتاب علاج و تشخیص کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی خوبیوں سے لبریز ہے۔"

حکیم رام لبھایا۔ ممبر بورڈ آف انڈین میڈیسن "یہ کتاب لکھ کر حکیم صاحب نے جہاں طب یونانی کی بڑی خدمت کی ہے، وہاں طب یونانی کے طلبا پر بھی بہت احسان کیا ہے۔"

کتابت و طباعت عمدہ۔ قیمت گیارہ رُپے پچیس پیسے۔ علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ :- مکتبہ "تجلی" دیوبند۔ ضلع سہارنپور (یو۔پی)

تصوّف کی حقیقت

تصوّف کیا ہے؟

" صرف " تصحیح نیّت "، اس کے سوا کچھ نہیں، جس کی ابتدا " اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتُ " سے ہوتی ہے اور انتہا " اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ " ہے۔"

" اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں، اسی کو حضوری کہتے ہیں"

" ذکر بالجہر بھی اس کے واسطے ہے، مجاہدہ و مراقبہ بھی اسی کے واسطے ہے اور جس کو اللہ جل شانہٗ اپنے لطف و کرم سے کسی بھی طرح سے یہ دولت (یعنی " تصحیح نیّت ") عطا کر دے، اس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں۔"

(از ملفوظات حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدفیوضہم)

THE "TAJALLI" DEOBAND (U.P.)

Regd. SHN May 1980

تاریکیوں میں ایک چراغ

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی بقلم حضرت مولانا محمد طیب قاسمی

[illegible] کے ساتھ اس باغ محمدی [illegible]

[illegible] زمانے کی [illegible]

[illegible] خواہشات کے [illegible]

[illegible]

[illegible] لوگوں کی [illegible]

[illegible] کا شیوہ اختیار [illegible] اخلاف وصدق [illegible]

[illegible] آنا چاہئے اور گھبرانا چاہئے [illegible] ہمت بلند [illegible]

[illegible] آپ کے ساتھ ہیں

از مکتوبات شیخ الاسلام

جلد دوم

ماہنامہ تجلی دیوبند

ماہنامہ تجلی دیوبند

جلد: ۳۲ | جون، جولائی ۱۹۸۰ء | شمارہ: ۶، ۷

مدیر: حسن احمد صدیقی

مضامین

سالانہ قیمت ———— چوبیس ۲۴ روپے

وی۔ پی سے طلب کرنے پر ———— اٹھائیس ۲۸ روپے

اس شمارہ کی قیمت ڈھائی روپے

پرنٹر پبلشر نسیم فاطمہ نے بمبئی آرٹ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر ماہنامہ تجلی دیوبند سے شائع کیا۔

[illegible] واقعی

[illegible] اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابیؓ [illegible] بات پر گرفت کرے تو یہ "حق بحق دار رسید" کہا جائے گا، لیکن اگر عرب کا ایک عام بدو بھرے مجمع میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر خلیفہ کو ٹوک دے اور الزامی پیرائے میں ان سے بازپرس کرے اور اس پر خلیفۂ وقت انتہائی خندہ پیشانی سے فوری طور پر اپنی صفائی میں بیان دیں تو یہ بات تاریخ میں لوگوں کو ایک بے نظیر عجوبہ نظر آتی ہے، حالانکہ اسلامی تعلیمات کے پیشِ نظر اس میں حیرت و استعجاب کا کوئی پہلو نہیں ہے۔

آج نہ وہ مملکت ہے، نہ خلافت، ہاں ملت ضرور ہے اور اس کے رہبران میں وہ بھی ہیں جو زبردستی ملت کے کاندھوں پر سوار ہوئے بیٹھے ہیں اور وہ بھی ہیں جنھیں ملت اپنی خواہش سے اپنے سر کا تاجِ عزیز بنائے ہوئے ہے۔

آج ایک "ہندی بدو" اپنے جملہ رہبران سے ملتجی ہے کہ آیئے، ایک بار تاریخ کو دوہرائیں۔ اسی جذبے سے یہ بدوئے ہندی پورے ادب و احترام کے ساتھ تجلی کے واسطے سے کچھ امور پر وضاحتوں کا خواستگار ہے اور بجا طور پر متوقع ہے کہ ملت کے یہ قائدینِ کرام ضرور توجہ فرمائیں گے جو کہیں جماعتوں کے صدر و امیر کے روپ میں نظر آتے ہیں، کہیں شیخ اور جانشین کی شکل میں۔ کہیں کسی ادارہ کے صدر و ناظم کے مقام پر فائز ہیں، کہیں سرخیلِ مفکرین و مدبرین کا درجہ سنبھالے ہوئے ہیں وغیرہ۔

یہ وضاحت طلب امور بتدریج صفحاتِ تجلی پر پیش کیے جا رہے ہیں۔ خدا کرے، بدوئے ہندی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ اللہ رے سناٹا! آواز نہیں آتی!

تجلی کا زیرِ نظر شمارہ بہتر ۷۲ صفحات پر مشتمل ہے، اسی لیے اس کی قیمت فی کاپی ڈھائی روپے مقرر کی گئی ہے، مستقل خریداروں کو یہ شمارہ ان کے مقررہ زرِ سالانہ کے حساب میں ہی ۴ بھیجا جا رہا ہے۔ قارئین عزیز اس شمارہ کے مطالعہ سے اس کے مشمولات کی اہمیت و افادیت کا اندازہ خود ہی لگالیں گے۔ بہرحال [illegible] والوں سے ان کی گراں قدر رائے اور مشورے جاننے کے متمنی ہیں۔ (مدیر)

آغازِ سخن

..... گھر کے چراغوں سے!

- دیوبند جیسے چھوٹے سے قصبے میں چار پانچ لاکھ آدمی کہاں سمائیں گے!
- اتنے آدمیوں کے بیک وقت کھانے کا انتظام ممکن نہیں!
- پانی کا کیا ہوگا؟ کنوئیں خالی ہو جائیں گے!
- بجلی (روشنی) کی موجودہ ناقص حالت انتہائی تکلیف دہ ہوگی!
- دن میں مکھیوں اور رات میں مچھروں کی وہ یلغار ہوگی کہ الامان والحفیظ!
- ہنگامی امراض پھوٹ پڑیں گے!
- بیرونی مہمان، خصوصاً معززینِ عرب چند منٹ بھی دیوبند میں نہ ٹھہر سکیں گے۔ وہ سب گھبرا کر اور خفا ہو کر دیوبند سے بھاگ کھڑے ہوں گے!
- منتظمین دارالعلوم اور اربابِ اجلاس صد سالہ نہ کوئی تجربہ رکھتے ہیں، نہ صلاحیت۔ وہ اس عظیم اجلاس کے ایک گوشہ کو بھی نہ سنبھال سکیں گے!
- "کس نمی پُرسد" کا عالم ہوگا، ہڑبونگ مچے گی، بلڑبازی ہوگی، ماردھاڑ ہوگی، بھگدڑ کا خوفناک عالم طاری ہوگا اور نہ جانے کون کون سی قیامتیں ہوں گی جو اس موقع پر ہر آن اور ہر پل ٹوٹ پڑنے کے لئے تیار رہیں گی اور بالآخر دارالعلوم بدنام ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ اور اسی قسم کے بہت سے بھیانک خدشات تھے جو دارالعلوم کے اجلاس صد سالہ کے ضمن میں مہینوں پہلے سے اپنے اور بیگانے سب ہی کے دماغوں پر چھاتے ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ اربابِ دارالعلوم دیوبند اور منتظمین اجلاس کی اکثریت بھی اِن ہی ذہنی خطرات کا شکار بنی "نیم کشم" کی تصویر نظر آتی تھی۔ بعض نے تو راہِ فرار کی تلاش بھی شروع کر دی تھی اور زیادہ تر اس "مسیحِ ناشکور" میں غلطاں و پیچاں نظر آتے تھے کہ اجلاس میں کم سے کم مہمان آئیں اور جو آئیں وہ دن کے دن واپسی اختیار کریں۔ عربوں کے لئے تو متفکر سب ہی تھے کہ ان کا کیا ہوگا! غرض یہ کہ ایک قسم کی دماغی افراتفری عام تھی۔ البتہ اپنے علم و مشاہدہ کی حد تک حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم کے بارے میں بے شبہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہر موقع پر یقین و اعتماد اور صبر و استقامت کا کوہ پیکر ہی نظر آئے اور یہ بحمد اللہ ان کی شان و مقام کے عین مطابق تھا۔ اللھم زد فزد

لیکن ہوا کیا؟

دیوبند اور دارالعلوم کو اللہ رب العزت نے وہ عظمت اعلیٰ عطا فرمائی کہ جس کی مثال تاریخِ عالم میں ملنی محال ہے اس مختصر سے قصبہ میں چار پانچ لاکھ نہیں۔ بلکہ پندرہ بیس لاکھ کے قریب مہمانِ کرام اس طرح "مَن تو شُدم تو مَن شُدی" کی تفسیر بن کر رہے کہ نہ کسی کو کھانے پینے کی شکایت ہوئی، نہ روشنی کی۔ اجلاس کے ایام میں نہ کہیں مکھیوں کا پتہ تھا، نہ مچھروں کا، نہ کوئی بیماری پھیلی نہ کوئی ماردھاڑ ہوئی، نہ کہیں بلڑبازی ہوئی۔ نہ ہڑبونگ مچی۔ نہ عرب مہمانوں میں سے کوئی گھبرایا، بلکہ ان ماذک

جملہ مہمانوں نے تو دیوبند کی خاک دھول اور جملہ بے آرامیوں کو اپنے لئے سعادت اور عزت و شرف کا موجب سمجھا۔

البتہ یہ حقیقت ہے کہ بقول حضرت محمد طیب صاحب زاد اللہ مجدہم اجلاس کے پہلے ہی دن منتظمین کا سارا انتظام وانصرام اور پروگرام تحلیل ہو کر رہ گیا۔ ان کا کوئی کنٹرول باقی نہ رہا۔ اس کے باوجود کون ہے جو اس اجلاس کو ناکام کہہ کر کفرانِ نعمت میں مبتلا ہو گا۔!

حقیقت یہ ہے کہ اس اجلاس کا بعافیت تمام ہونا اللہ تعالٰی کی طرف سے پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا اور ہم تو کہیں گے کہ حق تعالٰی شانہ نے اپنے فرشتے اس اجلاس کی بحسن و خوبی تکمیل کیلئے تعینات کر دیئے تھے، جنھیں ہماری آنکھیں نہ دیکھ پائیں۔ اور اسی کا ثمرہ تھا کہ تمام عقلی و منطقی خدشات وخطرات پا در ہوا ثابت ہوئے۔ اس پر ہر صاحب ایمان کا فرض ہے کہ خوش ہو اور خدائے قدیر کا شکر بجالائے۔ بحمد اللہ عامۃ المسلمین مسرور بھی ہیں اور شکر گزار بھی بایں ہمہ تعجب و تأسف کا مقام ہے کہ ان تمام حقائق کو پس پشت ڈال کر بعض کوتاہ نظر اور "آزردہ حسد" اصحاب اجلاس صد سالہ کی مفروضہ ناکامیوں پر ماتم سرا ہیں حالانکہ ان کو "محو تماشہ" ہونے کی ضرورت تھی، تاکہ کثرتِ نظارہ "سے فیض یاب ہو کر عیب جوئی محض کی سطح سے بلند ہو سکتے۔ ان اصحاب کے برعکس کچھ لوگ ہیں کہ اجلاس کی تمامتر کامیابیوں کا سہرا اپنے سر باندھنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ انہی میں بعض تو اخباروں میں "در مدح خود بقلم خود" مضامین بھی شائع کرا رہے ہیں، حالانکہ ان میں سے ہر ایک کو اس کلمہ شکر سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے کہ

دکھ لی مرے خدا نے مری بے کسی کی شرم

تاہم یہ دونوں طرح کے لوگ تو ایک حد تک نظر انداز کئے جانے کے قابل ہیں، کیونکہ ایسے مواقع پر انسانی فطرت اس رنگ میں بھی اپنے جلوے دکھایا کرتی ہے، لیکن اس سے کہیں بدرجہا زائد مقام افسوس یہ ہے کہ گھر کے چراغ ہی دانستہ یا نادانستہ گھر کو جلانے پر کمربستہ ہو جائیں!

معاف فرمایئے، کلمہ سخت ہے مگر واقعہ اس سے کہیں سخت تر ہے، اس لئے تلخ نوائی پر عفو خواہی کے ساتھ بصد ادب عرض گزار ہیں کہ ہمارے مشارٌ الیہ حضرات اس پہلو پر توجہ فرمائیں کہ ان کی شان میں اس جرأت گستاخی کی نوبت ہی کیوں آئی! اب واقعہ سنئے!

حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب کو اللہ تعالٰی نے بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے۔ ان کا ایک بڑا وصف یہ ہے کہ وہ انتہائی فعال ہیں۔ جو کام بھی کرتے ہیں اسے پوری لگن اور تن دہی وجاں فشانی سے تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بات الگ ہے کہ بعض اوقات ان کی اس صفت میں غیر سنجیدہ عجلت پسندی یا حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی شامل ہو کر ان کے بہتر سے بہتر پروگرام پر بھی انگشت نمائی کا موقع فراہم کر دیتی ہے۔

غلط یا صحیح کی بحث سے قطع نظر مولانا موصوف نے اجلاس صد سالہ کی ایک تجویز "تنظیم فضلائے دارالعلوم" کے مقابل "مؤتمر ابنائے قدیم دارالعلوم" قائم کر ڈالی۔ چلئے "اس حد تک کچھ نہ کچھ سمجھنے سمجھانے اور سلجھنے سلجھانے کی بات تھی، لیکن ہوا یہ کہ ابھی حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب پوری طرح "غزل سرا" بھی نہ ہوئے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ایک محترم رکن حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی صاحب نے پورے زور وشور سے مصرعہ اٹھا ڈالا۔ اس کا نتیجہ ہے کہ اخبارات کے قارئین یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ اب وقت کا سب سے اہم اور نازک مسئلہ ملتِ اسلامیہ کے لیے "مؤتمر ابنائے قدیم دارالعلوم" کا قیام ہے اور والسّلام بس، باقی ہوس!

حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب کی سرگرمی رفتار

کے تحت [illegible] دارالعلوم کی شرکت کے ساتھ [illegible]
اوقات کی تجویز بھی کافی عرصے کو ذکر میدانِ کارزار میں اپنے اپنا جوہر بھی کچھ پہلوان مثل لنگوٹ کس کر [illegible] رہے ہیں۔ طرفین کے مضامین کو پڑھ کر ہنسی آتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ناسمجھ بچے باہم بحثوں میں الجھے ہوتے ہیں کہ نڈر دعوے۔ بے وزن دلیلیں۔ اصل غائب، تاویل حاضر، موضوعِ بحث دور، رنج بھی قریب، سچ جھوٹ سے ٹوٹ، حقیقت ریا آلودہ۔ اللّٰھم احفظنا۔

ہمارے ایک اور محترم بزرگوار ہیں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدیر ماہنامہ الفرقان۔ آں محترم کسی نامعلوم وجہ سے دارالعلوم کے اجلاس صد سالہ میں شرکت نہیں فرما سکے۔ حالانکہ حضرت موصوف چالیس سال کی طویل مدت سے دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی ہیں اور اجلاس میں شرکت کو اپنے "متعلقات کا تقاضا اور حق" بھی سمجھتے ہیں (واضح ہو کہ "فرض" نہیں) اب مولانائے معظم نے ماہ مئی کے الفرقان میں سینۂ دارالعلوم پر بنام خدا تیروں کی بوچھار شروع کر دی ہے، جبکہ ادھر مولانا میرٹھی صاحب کے تیر پہلے ہی برس رہے ہیں۔

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جو بحثیں اندرونِ مجلس چھڑنے کی تھیں ان کو اخبارات و رسائل کی زینت بنا کر معمولی اختلافِ رائے کو "بازاری جنگ و جدال" کیوں بنایا جا رہا ہے؟ کیا "قضیۂ زمین برسرِ زمین" حل ہونا ممکن نہ رہا تھا؟ کیا گھر کی باتوں کو گلیوں میں پھیلائے بغیر کوئی چارہ نہ رہا تھا؟ مولانا میرٹھی مولانا نعمانی دونوں ہی تا ایں دم تحریر دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں۔ کیا یہ بزرگ اپنے محاذِ اختلاف کو مجلس ہی میں نہیں کھول سکتے تھے؟ اور اگر مشقِ ناز کرنا ضروری ہی تھا تو کیا اصولاً یہ لازم نہ تھا کہ پہلے مجلس کی رکنیت سے مستعفی ہو جاتے؟ کیا ساری حجتیں تمام ہو چکی ہیں کہ برسرِ پیکار ہونا پڑا؟

دونوں بزرگ قمر کے چراغ ہیں۔ اور قابلِ احترام ہیں۔ ادب کے ساتھ ہم ان سے "نوشتۂ دیوار" پڑھنے کی استدعا کرتے ہیں۔

اسی کے ساتھ ہم مخدومنا حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم کی خدمت میں بصد خلوص عرض کریں گے کہ حضرت آپ کی پوری زندگی اس کی شاہد ہے کہ آپ کی ذات والا تبار سے چاہے کسی کو فائدہ پہنچا ہو لیکن نقصان بھی کسی کو نہیں ہوا۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ آپ زندگی بھر "شر" میں "خیر" کی تلاش کرتے رہے ہیں۔ اس موقع پر بھی اپنے اس عملِ حسنہ کو تازہ فرمائیے اور اجلاس صد سالہ کے "خیر" میں جو لوگ "شر" کی کھوج میں غلطاں ہیں، ان کو دعوت "حی علی الفلاح" سے نوازیے!

جماعتِ اسلامی اور تجلی

تجلی کے گزشتہ دو شماروں میں "احوالِ واقعی" کے زیرِ عنوان جماعتِ اسلامی کے باب میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بعض کرم فرماؤں کے لئے حد سے زیادہ گراں خاطری کا سبب بن گیا ہے جواباً انھوں نے طنز و تشنیع کی بوچھار شروع کر دی ہے۔ ایسے دوستوں کے چند خطوط اسی اشاعت میں شریک کئے جا رہے ہیں، تاکہ ان احباب کا جذبۂ حملہ آوری تسکین پا سکے اور جماعتِ اسلامی کے ذمہ داران بھی اس کا اندازہ کر سکیں کہ ان کے متبعین کس مقام پر ہیں؟ ہم یہ تسلیم کر سکتے ہیں کہ ہماری تحریر میں کچھ زیادہ تلخی پائی گئی ہوگی، لیکن اسے ایک دکھی دل کی پکار بھی تو سمجھا جا سکتا تھا! ہمیں گمان تھا کہ بزرگانِ جماعت اس پکار کا جواب دیں گے۔ وہ کم از کم ایک بار تو ضرور کہیں گے کہ "لوٹ آؤ، کیوں گم راہی اختیار کرتے ہو! ہمارے خیال میں یہ "جماعتی"

فریضہ بھی تھا اور "اسلامی" بھی۔ ہم یہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ "تنقیدِ زندگی" بھی کوئی چیز ہے اور وہ شفقت و محبت سے عاری بھی ہو سکتا ہے!

خیر زندگی کے بیش قیمت تجربات میں ایک تجربہ یہ بھی سہی!

قارئین اس حقیقت سے واقف ہیں کہ تجلی ہمیشہ جماعتِ اسلامی پر بے جا حملہ کرنے والوں کے آگے سینہ سپر رہا ہے اسی کے ساتھ اس نے جماعت اور اربابِ جماعت کی لغزشوں سے بھی کبھی درگزر نہیں کیا اور انھیں ہر غلطی پر دلائل و براہین کے ساتھ متنبہ کیا ہے اگرچہ آج ہم بار بار یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ کہیں تجلی کی "سینہ سپری" ہوش سے زیادہ ایسے جوش کا نتیجہ تو نہ تھی۔ جسے "چستی گواہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے!

بہرحال نہایت صفائی کے ساتھ ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں کہ یہی پالیسی تجلی کی آیندہ بھی رہے گی، صرف اس اضافہ کے ساتھ کہ اس کا دامن اب دین کی خدمت کرنے والی ہر جماعت کے لئے اسی طرح وسیع ہوگا۔ جس طرح اب تک جماعتِ اسلامی کے لئے رہا ہے ہم کوشش کریں گے کہ اس دامن میں سب ہی کے لئے پھول ہوں، لیکن آپ جانتے ہیں کہ گل اور خار لازم و ملزوم ہیں۔ پھول چننے والوں کو کانٹے کی چبھن سے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے۔ کہ یہ عین فطرت ہے۔ کانٹوں سے گھبرا کر گل چینی ترک کرنے والے محرومی کا شکار ہوتے ہیں۔

تجلی انشاء اللہ خادمانِ دین کے احترام میں کوتاہی نہ کرے گا لیکن وہ اپنے فرضِ تبلیغ سے بھی غافل نہ ہوگا اور جہاں اسے کسی کے سہوِ فکر و نظر کا احساس ہوگا۔ وہ گناہِ خاموشی کا مرتکب بھی نہ ہوگا۔

حضرت مولانا مودودی علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا نعمانی

بچپن سے سنتے آئے ہیں اور پڑھتے بھی کہ انسانوں کے درمیان اختلافات ان کی زندگی تک محدود رہتے ہیں۔ بعدِ وفات ہر اختلاف خود ہی ختم ہو جاتا ہے گزر جانے والے کی خطاؤں اور لغزشوں کا ذکر انتہائی معیوب قرار دیا جاتا ہے۔ مرنے والے کا ہر معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد ہو جاتا ہے وہ جیسے چاہے محاسبہ کرے۔ زندوں میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اس کے جرائم کی فردِ تیار کرنے بیٹھ جائے۔

حضرات علماء کرام ہم سے کہیں زیادہ اس حقیقت کو بہتر جانتے اور سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر علَمِ کفر کعبہ ہی سے بلند ہونے لگے تو کوئی بتائے کہ اسلام کو کہاں تلاش کریں!

یادش بخیر! حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب جماعتِ اسلامی کے بانی اراکین میں شمار ہوتے ہیں۔ ایک وقت تھا کہ موصوف جماعت کے زبردست وکیل تھے اور اس وکالت کے صدقہ میں اپنوں سے بھی برگشتہ خاطر رہتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ طبقۂ علماء میں بھی مولانا مودودی علیہ الرحمۃ بے چون و چرا تسلیم کئے جائیں پھر جلد ہی حضرت مولانا نعمانی کو بدگمانیوں اور اختلافات نے آگھیرا اور وہ "یا بایں شورہ شوری یا بایں بے نمکی" کی تصویر بن کر رہ گئے اور انجام جماعت سے "استعفیٰ مرا باحسرت و یاس" برآمد ہوا۔ اس کے بعد مولانا نعمانی صاحب نے خواص کو اپنے مکتوبات گرامی کے توسط سے اور عوام کو اپنے مؤقر ماہنامہ الفرقان کے ذریعہ مولانا مودودیؒ سے اپنے اختلافات کو روشناس کرایا۔ دوسروں نے بھی ان کے بیانات پر نقد و جرح کی اور بات جہاں کی تہ

رہ گئے مولانا نعمانی صاحب دوسری راہ پر گامزن ہو گئے اور جماعت اسلامی میں کوئی ان سے اتنا بھی کہنے والا سامنے نہ آیا کہ "کبھی ہم میں تم میں بھی راہ تھی تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو" مگر آہ مولانا مودودی علیہ الرحمۃ! کو زندگی میں بھی چہار طرف سے ان کا تعاقب کیا گیا اور اب بعد وفات بھی متعاقبین ان سے درگزر کرنے پر تیار نہیں۔

صد افسوس کہ ایسے حضرات میں مولانا محمد منظور نعمانی سرفہرست ہیں حضرت مولانا مودودی کے انتقال کے بعد مولانا نعمانی صاحب نے فوراً ایک تصنیف لطیف "مولانا مودودی سے میری رفاقت کے چند سال" پورے ادعائے زہد و تقویٰ کے ساتھ ادائے فرض کفایہ کے طور پر مارکیٹ میں فروختِ عام کے لئے پیش کر دی ہے، تاکہ سند بھی رہے کہ وقت ضرورت کام آئے اور "ثواب تجارۃ" بھی حاصل ہو سکے۔

قارئین ہمارے ان الفاظ کو مشاہدۂ حق کی گفتگو میں "بادہ و ساغر" کی دخل اندازی نہ سمجھیں اور اس پر توجہ دیں کہ کتاب مذکورہ کے مضامین کی الفرقان میں اشاعت کے بعد ان کو مستقل کتابی صورت میں مزین کرنے کا کیا مقصد ہے! ان سطور میں ہمیں اس سے بحث نہیں ہے کہ حضرت مولانا مودودی علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا نعمانی میں سے کون برحق ہے! نہ اس وقت ہمیں اس سے غرض ہے کہ مولانا مودودی مرحوم اپنے مقاصد میں کس درجہ مخلص تھے یا ان سے کون کون سے تعبیراتی سہو ہوئے ہیں اور نہ فی الحال ہمیں اس سے کوئی سروکار ہے کہ مولانا نعمانی کی یہ کتاب مکمل طور پر ان کی ذاتی و نفسیاتی الجھنوں کا پشتارہ ہے یا ان کی "شکست پندار" کی صدا ہے!

اس بحث کو اس وقت ہم "موضوعِ محفوظ" قرار دیتے ہوئے حضرت مولانا نعمانی کی خدمت میں ان کے پورے ادب و احترام کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ حضرت! دیانتِ عالمانہ کے ساتھ فوراً سجدۂ سہو کر لیجئے، کیونکہ بے شک و شبہ مولانا مودودی کی وفات کے بعد آپ کی اس کتاب کی اشاعت آپ کی بہت بڑی اور ناقابل عفو بھول ہے۔ ان کی حیات میں آپ اس سے بھی زیادہ ناگفتہ بہ انداز کی کتابوں کے ڈھیر لگا دیتے تب بھی ہم آپ جیسے بزرگ عالم کے مقابل اس طرح "تلخ نوا" نہ ہوتے، لیکن کیا کریں کہ آپ کے اس عمل ناواجب نے ہمیں "چھوٹا منہ بڑی بات" کے گناہ پر مجبور کر دیا ہے۔ اس لئے بہ تقاضائے عدل فوری طور پر اس کتاب کی اشاعت ہمیشہ کے لئے واپس لے لیجئے اور اعلان فرما دیجئے کہ یہ فعل واقعی سہو جلی ہے۔

مولانائے مکرم! ہم بصد اضطراب خلوص آپ کے اس اعلان گرامی کے منتظر ہیں۔ یقین ہے کہ آپ ہمیں مایوس نہ کریں گے۔ بصورت دیگر ــــ! آپ ذی فہم ہیں، جہاں دیدہ ہیں، خوب سمجھتے اور جانتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات سے کچھ اور لوگ بھی واقف ہیں، جو نقد و جرح کا حق بھی ادا کر سکتے ہیں۔ ان کو صرف اتنا کرنا ہوگا کہ آپ کی زندگی سے فنِ تجارت کا سبق سیکھ لیں۔

حضرت! جب آپ کے بقول "وقت" کم رہ گیا ہے تو کیا اعترافِ سہو کے ساتھ رجوع الی الحق میں عجلت لازم نہیں!

اجلاس صد سالہ کی ایک تجویز

تنظیم فضلاء دارالعلوم دیوبند

"دارالعلوم کا یہ عظیم الشان اجلاس تجویز کرتا ہے کہ دارالعلوم کے ثمرات اور اکابر دارالعلوم کی برکات کو وسعت دینے کے لئے فضلاء دارالعلوم کی تنظیم کی جائے۔ اس تنظیم کا مرکز دارالعلوم دیوبند ہو۔ اور اس کی شاخیں ہند و بیرون ہند کے مرکزی مقامات پر قائم ہوں۔ دارالعلوم کی یہ شاخیں اپنے اپنے حلقوں میں فضلاء دارالعلوم کی تنظیم کریں، ان کے مابین رابطہ قائم کریں۔ اور وقتاً فوقتاً ایسے جلسے منعقد کریں کہ جن سے دارالعلوم کے مقاصد کی نشر و اشاعت ہو اور اکابر دیوبند کی علمی و دینی فیوض سے اس علاقہ کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ مستفیض ہونے کا موقع ملے۔ اس تنظیم کا صدر دارالعلوم دیوبند کا مہتمم ہو۔" (الجمعیۃ ۸ر اپریل ۱۹۸۰ء)

اتنی سی بات افسانہ بنتی ہے!

(زتاثرات حضرت مولانا زین العابدین سجاد میرٹھی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم

"جلسہ کی روح وہ تجاویز تھیں جن کا مقصد علم و تعلیم کے میدان میں دارالعلوم دیوبند کی کوششوں کو پندرہویں صدی ہجری کے حالات اور تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا اور اسلامی افکار و نظریات کی ترویج علوم دینیہ کی اشاعت اور مسلمانوں کے اخلاق، و اعمال کی اصلاح کے سلسلہ میں جو خدمات وہ انجام دے رہا ہے ان کو مفید تر اور وسیع تر بنانا ہے دیگر ارباب فکر کے علاوہ مجلس شوریٰ کے ارکان گرامی سے بھی اس سلسلے میں تجاویز مانگی گئی تھیں خاکسار نے بھی دو تجویزیں بھیجی تھیں دارالعلوم کی مجلس عاملہ کے ارکان کا جو اجتماع اجلاس سے ایک ہفتہ قبل ہوا تھا اس میں طے پایا تھا کہ اجلاس کے شروع سے ایک روز قبل سبجیکٹ کمیٹی کر لی جائے جس میں باہر سے آنے والے ارباب علم و فضل اور ارکان شوریٰ شریک ہوں۔ اور ان کی گراں قدر آراء کی روشنی میں تجاویز کو آخری شکل دے دی جائے چنانچہ خاکسار نے اجلاس سے ایک روز قبل آکر، حضرت مہتمم صاحب، حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی اور محمد اسلم صاحب قاسمی ناظم اعلیٰ اجلاس سے تجاویز کے سلسلے میں معلوم کیا مگر سب نے اس سلسلے میں لاعلمی کا اظہار فرمایا! جلسہ کے دوران بھی رفقاء کرام سے (جو سب تقریباً ایک ہی جگہ ٹھہرے ہوے تھے) اس بارے میں کچھ معلوم نہ ہوسکا۔

۲۳ مارچ کو صبح کے وقت اجلاس کی آخری نشست میں مطبوعہ پروگرام کے مطابق ان تجاویز کے لئے ایک گھنٹہ کا مستقل وقت رکھا گیا تھا اور یہ تجاویز مختلف ارکان شوریٰ کی طرف سے اجلاس میں پیش کرنی تھیں مگر کسی وجہ سے پروگرام کے اس پورے حصے کو نظر انداز کر دیا گیا۔

اجلاس کے اختتام سے کچھ ہی دیر قبل حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب نے محض یہ ارشاد فرمایا کہ ان عنوانات

پر چند تجاویز بھی ہیں۔ اور معرف مقامات بتا دیئے ہ مارچ کے اخبار الجمعیۃ میں چار ارکان شوریٰ کے ناموں کے ساتھ تجاویز شائع کردی گئیں۔ قرآن کے پڑھنے کا موقع ملا۔ تجاویز بہت اہم ہیں کاش ان کو بحث و گفتگو کرکے منظور کرلیتا۔

گرہ بر گرہ!

مولانا قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی پیش کردہ تجویز جو اجلاس صدسالہ میں منظور ہوئی اور جسے وہ خود اپنے ہاتھوں پامال کر رہے ہیں۔

انکے قلم سے لکھی ہوئی انکی تحریر جوں کی توں ملاحظہ فرمایئے

تجاویز برائے جلسہ صدسالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از زین العابدین

" دارالعلوم دیوبند کا یہ عظیم الشان صدسالہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ دارالعلوم کے ثمرات اور اکابر دارالعلوم کی برکات کو وسعت دینے کیلئے فضلائے دارالعلوم کی تنظیم کی جائے۔ اس تنظیم کا مرکز دارالعلوم دیوبند ہو، اور اس کی شاخیں ہند و بیرون ہند مرکزی مقامات پر قائم ہوں، دارالعلوم کی یہ شاخیں اپنے اپنے حلقوں میں فضلاء دارالعلوم کی تنظیم کریں۔ ان کے مابین رابطہ قائم کریں اور وقتاً فوقتاً ایسے جلسے منعقد کریں جن سے دارالعلوم کے مقاصد کی نشر و اشاعت ہو اور اکابرِ دیوبند کے علمی و دینی فیوض سے اس علاقہ کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ مستفیض ہونے کا موقع ملے۔ اس تنظیم کے صدر حکیم الاسلام حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم ہوں گے۔"

نوٹ۔ محترم قاضی صاحب کی اپنی تحریر دارالعلوم دیوبند میں محفوظ ہے۔ ان کی تجویز ایک جزوی لفظی ترمیم کے ساتھ اجلاس میں منظور ہوئی جو یہ ہے "اس تنظیم کا صدر دارالعلوم دیوبند کا مہتمم ہوگا" (مولانا) اخلاق حسین قاسمی دہلوی۔ لال کنواں دہلی۶

اب جگر تھام کے بیٹھو!

"دھلی۔ مولانا قاضی زین العابدین جنرل سکریٹری عالمی موتمر فضلاء و ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند نے ایک وضاحتی بیان میں کہا ہے کہ مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب دہلوی کی طرف سے ایک اشتہار دیوبند سے شائع ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صدسالہ میں تنظیم ابناء فضلاء کی کوئی تجویز منظور ہوئی ہے جو میری پیش کردہ اور جسے اب میں خود پامال کر رہا ہوں۔ چونکہ اس سے سخت غلط فہمی پھیلنے کا اندیشہ ہے اس لئے مسئلہ کی مختصر وضاحت میرے لئے ضروری ہوگئی ہے۔"

صورت واقعہ یہ ہے کہ ۲۳ر جنوری سنہء کو مولوی محمد اسلم قاسمی ناظم اعلیٰ اجلاس صدسالہ کا خط مجھے ملا۔ جس میں انھوں نے مجھ سے اجلاس کے لئے تجاویز مانگی تھیں۔ چنانچہ میں نے وہ تجاویز بھیجدیں۔ جن میں سے ایک

تنظیم ابنائے قدیم سے متعلق اور دوسری دارالعلوم میں یونیورسٹی کے طلبار کے لئے خصوصی نصاب تعلیم جاری کرنے سے متعلق تھی پھر اجلاس سے ایک ہفتہ پہلے مجلس عاملہ کے ارکان کا ایک اجتماع اجلاس کے انتظامات پر آخری نظر ڈالنے کے لئے دیوبند میں منعقد ہوا۔ تو اس میں تجاویز کے متعلق طے پایا کہ اجلاس سے ایک روز قبل سبجیکٹ کمیٹی بلائی جائے جس میں اہم فضلائے کرام بھی شریک ہوں۔ اور ارکانِ شوریٰ بھی اور تجاویز بحث وگفتگو کے بعد ان کو آخری شکل دے دی جائے۔ پھر انہیں جلسۂ عام کی نشست میں پیش کر کے منظور کرالیا جائے۔ چنانچہ مطبوعہ پروگرام میں اسی کے مطابق ۲۳ر مارچ ۸۰ء کو یکشنبہ کے دن صبح ۸½ بجے کا وقت تجاویز کے لئے رکھا گیا تھا اور تجاویز پیش کرنے کے لئے مختلف ارکانِ شوریٰ کے اسمائے گرامی کا تعین کر دیا گیا تھا۔ جس میں اس خاکسار کا نام بھی شامل تھا۔ نیز مجھے بذریعہ خط مؤرخہ ۸۰-۳-۱۱ اطلاع بھی دیدی گئی تھی کہ اس تاریخ کو مجھے اپنی تجویز پیش کرنی ہے۔ اور اس پر تقریر بھی کرنی ہے۔

اس سب کے باوجود جب میں قرارداد ۲۰ر مارچ کو دیوبند حاضر ہوا اور حضرت مہتمم صاحب اور مولانا منت اللہ صاحب رحمانی اور مولوی محمد اسلم صاحب وغیرہ سے تجاویز کے سلسلے میں بات کی تو سب نے لاعلمی کا اظہار کیا الغرض نہ یہ تجاویز سبجیکٹ کمیٹی میں آئیں اور نہ مجلس شوریٰ میں منظور ہوئیں۔ جلسے کے آخری دن صبح کو جب پروگرام کے مطابق یہ تجاویز ارکانِ شوریٰ کی طرف سے اجلاس میں پیش ہونی تھیں تب بھی پیش نہ ہوئیں اور پروگرام کا یہ حصہ ہی حذف کر دیا گیا۔ البتہ جلسہ ختم ہونے سے تھوڑی دیر قبل حضرت مولانا منت اللہ صاحب نے ڈائس پر آکر کچھ کاغذات نکالے۔ اور کچھ عنوانات بتا کر فرمایا کہ ان عنوانات سے متعلق کچھ تجاویز بھی ہیں۔ نہ وہ تجاویز پڑھ کر سنائی گئیں اور نہ اس سے متعلق اجلاس کی رائے طلب کی گئی۔ یہ ہے حقیقت دارالعلوم کے اجلاس صدسالہ میں تنظیم ابنائے دفضلار کی تجویز کی منظوری کی۔ مولانا اخلاق حسین قاسمی ایک عالم ہیں۔ سیاسی آدمی بھی ہیں۔ اور صوبہ دہلی کی جنتا پارٹی کے صدر۔ کیا وہ فرما سکتے ہیں کہ کسی تجویز کا صرف نوٹس دینے سے وہ تجویز پاس قرار دے دی جاتی ہے۔ میری تجویز پر سرعنوان یہ عبارت لکھی ہوئی ہے "تجاویز برائے جلسہ صدسالہ" جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ میری تجویز جلسہ میں پیش کر کے منظور کرانی کی تھی۔ نہ کہ منظور شدہ تجویز۔ اور ۲۲ مارچ شنبہ کی شام کو ہزارہا فضلائے دارالعلوم نے جنھیں دارالعلوم کی محبت اور روشن مستقبل کی فکر ہزارہا میل سے کھینچ کر دیوبند لائی تھی۔ اجلاس صدسالہ کے پروگرام میں اپنے لئے کوئی جگہ نہ پاکر اپنے کیمپ میں ایک عظیم الشان جلسہ کر کے اپنی تنظیم قائم کر لی۔ یوں بھی یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں ابنائے قدیم کی تنظیم ادارے کی سرکار کی حدود سے باہر ہی قائم ہوتی ہے اور وائس چانسلر اس کا صدر نہیں ہوا کرتا۔ اور اسی طرح وہ ادارے کو اپنی آزاد آراء سے مستفید کر کے اسے عروج وترقی کی منازل طے کرنیکا موقع فراہم کر سکتی ہے پھر خبر نہیں کیوں فضلائے دارالعلوم کو اپنی قائم کردہ تنظیم کی اس سختی سے مخالفت کی جارہی ہے اور میں اس میں شامل ہو گیا تو مجھے مجرم قرار دیا جارہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرا یہ بیان غلط فہمیوں کا پردہ چاک کر دے گا۔"

(الجمعیتہ۔ ۳۰۔ اپریل سنہ ۱۹۸۰ء)

(جاری)

ازحضرت مولانا محمد منظور نعمانی۔ رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم

"مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

الفرقان کے فروری و مارچ کے مشترک شمارے میں جو اجلاس سے تقریبًا ایک ہفتہ پہلے شائع ہوا تھا، اسی عنوان کے تحت جو کچھ لکھا گیا تھا وہ اپنے دینی الخطاط دارالعلوم کے موجودہ حالات اور زیادہ کی رفتار سے کچھ خطرا محسوس کرتے ہوئے لکھا گیا تھا۔ لیکن جو وقوع میں آیا۔ اس نے تبلایا کہ ہم اس سطح سے بہت نیچے گر چلے ہیں جس کا خطرہ تھا۔

اس عاجز کا دین و دنیا کا سارا سرمایہ بس وہ تھوڑا سا بہت تھوڑا سا علم ہی ہے جو از اول تا آخر دارالعلوم ہی کا صدقہ ہے ــــ اس مادر علمی کا باقاعدہ طالب علم بن کر تقاب سے تقریبًا ۵ سال پہلے صرف آخری دو درجوں کی تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن اس سے پہلے بھی جو کچھ کہیں پڑھا، دارالعلوم کے بلا واسطہ یا بالواسطہ... فیض یافتہ اساتذہ ہی سے پڑھا، اس طرح جو کچھ پایا۔ اس کا سرچشمہ دارالعلوم ہی ہے ــــ اس کے علاوہ۔ دارالعلوم اور مسلک دارالعلوم سے ایک اختصاصی تعلق یہ بھی رہا کہ مختلف میدانوں میں اس کی نمائندگی اور وکالت و ترجمانی کا شرف بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اور اس بارہ میں اپنے اکابر مرحومین کا پورا اعتماد نصیب رہا۔ ولا فخر

ایک ضابطہ کا اور کسی درجہ میں ذمہ داری کا تعلق یہ بھی رہا کہ یہ عاجز قریبًا چالیس سال سے اس کی مجلس شوریٰ کا رکن رہا ہے۔

ان سب تعلقات کا تقاضا اور حق تھا کہ میں اجلاس میں نہ صرف شریک ہوتا بلکہ اس میں میرا نمایاں حصہ ہوتا۔ اجلاس کے بہت پہلے سے میں مختلف ملک کے دوستوں کے خطوط کے جواب میں لکھتا رہا تھا کہ انشاء اللہ دارالعلوم کے اجلاس میں ملاقات ہوگی ــــ پھر جب تاریخ قریب آنے لگی تو رزرویشن بھی کرالیا، لیکن صرف تین دن پہلے (جس دن مجھے دیوبند کیلئے روانہ ہونا تھا) اطلاع ملی کہ اجلاس کے منتظمین اور ذمہ دار حضرات نے اجلاس کے پروگرام کے سلسلہ میں (کسی مجبوری سے یا اپنے نزدیک صحیح ومناسب سمجھ کر) بعض ایسے فیصلے کرلئے ہیں جن سے بہرحال مجھے شدید اختلاف ہے اور دارالعلوم دیوبند جیسے مقدس روایات رکھنے والے علوم نبوی اور ہدایت وارشاد کے کسی مرکز کے لئے میرے نزدیک ایسی کسی بات کا کوئی جواز نہیں ہے۔

یہ اطلاع ملنے کے بعد میں غور وفکر میں اس نتیجہ میں پہنچا کہ اب وہاں پہنچکر میرے برملا اظہار اختلاف سے صرف انتشار ہی پیدا ہوگا، پروگرام میں کسی تبدیلی کا اب کوئی امکان نہیں ہے ــــ اس لئے میں نے اپنے بارے میں شریک نہ ہونے کا فیصلہ کرلیا اور سفر کا ارادہ منسوخ کردیا۔ ممکن ہے کہ جن حضرات نے وہ فیصلے کئے جن سے مجھے اختلاف ہے اُن کے پاس اس کی کچھ وجوہ ہوں جن پر وہ فیمابینہم وبین اللہ مطمئن ہوں، لیکن اس عاجز

کا نقطۂ نظر وہی ہے جس کو ان سطروں میں عرض کیا گیا ہے «کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ»

گزشتہ دو تین ہفتوں میں اندرونِ ملک اور بعض بیرونی ممالک سے بھی راقم سطور کے پاس بکثرت خطوط آئے ہیں۔ جن میں دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم سے میرے تعلق کی بنیاد پر اجلاس سے متعلق مختلف قسم کے سوالات کیے گئے ہیں، بعض اخبارات و رسائل نے بھی اس سلسلہ میں مجھے مخاطب کیا ہے اور میرا موقف دریافت کیا ہے بعض خطوط میں میری عدم شرکت کے بارے میں بھی دریافت کیا گیا ہے۔ میں نے ان خطوط و مراسلات کا الگ الگ جواب دینے کے بجائے الفرقان میں یہ سطریں لکھ دینا مناسب سمجھا۔

وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ٥

(الفرقان مئی ۱۹۸۰ء)

اس مضمون کی ابتدائی سطور سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت مولانا نعمانی صاحب کو اجلاس صد سالہ کے تحت دارالعلوم کی طرف کچھ خطرات کا شدت سے احساس تھا، جس کا ذکر موصوف نے مارچ اپریل کے الفرقان میں پیشگی تنبیہ کے طور پر کیا تھا۔ ہم نے الفرقان کا یہ شمارہ تلاش کر کے مولانا کا مضمون بڑے غور سے پڑھا لیکن افسوس کہ مولانا کے مذکورہ الفاظ کی صداقت اس مضمون سے ہرگز واضح نہ ہو سکی۔ قارئین ذیل میں یہ مضمون خود بھی ملاحظہ فرمالیں۔ (تجلی)

دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ اجلاس

"سن ہجری کے لحاظ سے اب سے ۷۲ سال پہلے ۱۳۲۸ھ میں اور سن عیسوی کے لحاظ سے ٹھیک ۷۰ سال پہلے ۱۹۱۰ء میں دارالعلوم دیوبند کا ایک عظیم جلسہ دستار بندی ہوا تھا۔ یہ دارالعلوم کی عمر کا بیالیسواں سال تھا بزرگوں سے سنا ہے کہ ہندوستان میں وہ اپنی نوعیت کا پہلا اجلاس تھا۔ اسی وقت دارالعلوم کے بانی حضرت نانوتوی رح تو موجود نہیں تھے اور اس کے مربی و مرشد حضرت گنگوہی رح بھی پانچ سال پہلے وفات پا چکے تھے، لیکن ان دونوں کی خصوصیات کے پورے وارث سچے جانشین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن جو دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث بھی تھے۔

حضرت مولانا احمد حسن امروہی رح حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح اور اس طبقہ کے دوسرے اکابر و مشائخ موجود تھے۔ اور دارالعلوم سے اس وقت تک فارغ ہونے والے جن کئی سو فضلاء کی دستار بندی اس اجلاس میں ہوئی تھی۔ ان میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رح حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رح حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح حضرت مفتی کفایت اللہ بنوسی ثم دہلوی رح جیسے حضرات بھی تھے۔ جو بہت پہلے فارغ ہو چکے تھے اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رح حضرت مولانا فخرالدین مرادآبادی حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندی جیسے اس وقت کے نوجوان فضلاء بھی تھے جو سال دو سال پہلے فارغ ہو چکے تھے۔ میرے خاص استاد مربی حضرت مولانا کریم بخش سنبھلی اور ان کے بڑے صاحبزادے مولانا عبدالحق صاحب دونوں باپ بیٹوں کی دستار بندی اس اجلاس میں ساتھ ہی ہوئی تھی۔ ایسی بہت سی مثالیں اور بھی رہی ہوں گی۔ اس اجلاس کے دیکھنے والے

اپنے اکابر واساتذہ سے سنا ہے کہ اسی میں خارق عادت برکات کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوا تھا۔

۱۳۲۸ھ اور ۱۹۱۰ء کے اس اجلاس کے بعد اب اسی مہینے مارچ کی ۲۱۔۲۲۔۲۳ کو اسی دارالعلوم کا صدسالہ اجلاس ہو رہا ہے۔ پون صدی کی اس طویل مدت میں دنیا میں اور ہمارے ملک میں جو انقلابات آئے اور جو تبدیلیاں اور ترقیاں ہوئی ہیں۔ قانونِ قدرت کے مطابق اس کے اثرات پوری انسانی زندگی پر پڑ رہے ہیں، اور جماعت اور اداروں پر بھی۔ ایسی حالت میں ہماری یہ خواہش اور تمنا تھی کہ ۱۴۰۰ھ اور ۱۹۸۰ء میں ہونے والے اس اجلاس کا نظام و نقشہ ستر سال پہلے ہونے والے اجلاس کا تھا اور ہماری آنکھیں وہی مناظر دیکھیں۔ جو اس وقت دیکھنے والوں نے دیکھے تھے۔ ایسی ہی تمنا ہے جیسے کہ ہم اس زمانہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پہنچ کر عہدِ نبوی اور دورِ خلافت راشدہ والی مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی دیکھنے کی خواہش و تمنا کریں۔ یہ تمنا خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے ہو لیکن ناممکن کی تمنا ہے۔

دارالعلوم دیوبند اور جماعت دیوبند اور اس کے اکابر سے لوجہ اللہ تعلق و محبت رکھنے والے تمام حضرات سے اس عاجز کی استدعا ہے کہ ان دنوں میں خاص اہتمام سے پورے الحاح اور تضرع کے ساتھ دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ اس اجلاس کو دارالعلوم کے لئے اور پوری امتِ مسلمہ اور خاص کر ملتِ اسلامیہ دیوبند کے حق میں صلاح و فلاح اور خیر و سعادت کا وسیلہ بنائے۔ اور ایسی تمام باتوں سے حفاظت فرمائے جو اس کی ناراضگی کا باعث بننے والی ہوں۔

دارالعلوم اور اس کے اجلاس کے لئے یہ دعا براہِ راست دین کے لئے اور پوری امتِ مسلمہ کے لئے دعا ہے اللہ تعالےٰ راقم سطور کو بھی اس کے اہتمام کی توفیق نصیب فرمائے۔"

(الفرقان۔ مارچ اپریل کا مشترکہ شمارہ)

نوٹ:۔ قارئین تجلی سے گزارش ہے کہ یہ متفرقات پڑھنے کے بعد زیر نظر شمارہ کا "آغازِ سخن" ایک بار پھر ملاحظہ فرما لیجئے۔ اس پر ہمارے تبصرہ کی ضرورت ہی نہیں۔

حیراں ہوں سر کو پیٹوں کہ روؤں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھو نوحہ گر کو میں

(تجلی)

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے!

اجلاسِ دیوبند میں بیرونِ ہند کے فضلائے کرام اور دوسرے اصحاب بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ ان میں قدرتی طور پر کثرت اہلِ پاکستان کی تھی، کیوں کہ وہاں دیوبند کے فیض یافتگان اور معتقدین کی تعداد بھی دوسرے ملکوں سے زیادہ ہے۔ ان میں سے بعض محترم فاضلینِ دیوبند پاکستان ہی میں نہیں، بلکہ عالمِ اسلام میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ یہ حضرات والہانہ ذوق و شوق سے دیوبند آئے اور "وارفتہ تمنائے باز آید" اپنے وطن واپس گئے، لیکن غالباً کچھ کرم فرماؤں کو یہ بات قطعی ناگوار گزری ہے کہ "دیوبندیت" کی راہ سے بھی پاکستان و ہندوستان میں قرب و یگانگت اور اخلاص وللّٰہیت کا کوئی دروازہ کھل جائے! ایسے لوگوں کی پست ذہنی اور تنگ نظری دیوبند کے اجلاس کی بے مثال کامیابی پر غم و غصہ سے تلملا اٹھی اور یہ دیکھ کر تو وہ انگاروں ہی پر لوٹنے لگے کہ اس اجلاس کو ہند و پاکستان دونوں طرف کے سربراہوں کا تعاون حاصل ہوا، اسی لئے ان مہربانوں نے پاکستان میں کذب و افترا کا بازار گرم کر ڈالا اور مختلف قسم کی مکروہ و پلید افواہیں دارالعلوم دیوبند اور وزیرِ اعظم ہند مسز اندرا گاندھی کے بارے میں پھیلائیں۔ مثلاً یہ کہ دارالعلوم کے منتظمین نے اجلاس کا افتتاح مسز گاندھی سے کرایا اور اس طرح ایک ناقابلِ عفو گناہ کے مرتکب ہوئے! اجلاس میں پاکستان زندہ باد کے "لرزہ خیز" نعرے لگائے گئے! مسز گاندھی اس اجلاس میں "بِن بلائے مہمان" بنیں اور ان کی اپنی شدید خواہش اور بار بار کے اصرار پر ادبابِ دارالعلوم نے با دلِ ناخواستہ انہیں شرکتِ اجلاس کی "اجازت" دی!

وغیرہ۔ تجارتی گرم بازاری کے جویا اخبارات ایسی افواہوں کے لئے ہمیشہ کان لگائے رہتے ہیں اور یہ اخبارات دونوں طرف ہیں۔ اُدھر یہ افواہیں خبر بنیں اور اِدھر یہ جھٹ سے اداریوں کے آغوش میں آ بیٹھیں!

پاکستان میں دارالعلوم دیوبند سے محبت کرنے والے اصحاب نے ان خرافات کو اپنے اخباروں کی زینت بنتے دیکھا تو دفاع پر کمربستہ ہو گئے۔ لاہور کے مؤقر جریدہ "چٹان" نے اس ضمن میں پاکستان کے مولانا عبدالرحمٰن اشرفی اور مولانا عبدالقادر صاحب آزاد سے انٹرویو لئے۔ یہ دونوں حضرات پاکستان سے دیوبند تشریف لائے اور شریکِ اجلاس ہوئے تھے۔ ان کے انٹرویو اب پاکستان کے مشہور و قیع ماہنامہ الرشید میں بھی نقل کئے گئے ہیں، لیکن ہمیں سخت حیرت ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی مدافعت کے شوق میں یہ دونوں ذمہ دار حضرات خود بھی افواہوں کے جال میں الجھ کر رہ گئے، بلکہ ان کے بہکنے کا یہ عالم ہوا کہ دیوبند میں مسز گاندھی کی آمد کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے حضرت مولانا طیب صاحب کے منہ میں نہایت لغو، لچر اور واہیات کلمے ڈال دیتے ہیں، جو کسی طرح بھی حضرت موصوف کے شایانِ شان نہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن اشرفی صاحب اور مولانا عبدالقادر صاحب کے انٹرویو سے دو باتیں قطعی ثابت ہیں، ایک یہ کہ وہ حقیقت کے علم سے کوسوں دور ہیں، دوسرے یہ کہ ان کو حضرت مولانا محمد طیب صاحب کی بلند اخلاقی، وسیع المشربی، عالی ظرفی اور منکسر المزاجی کا شمہ برابر علم نہیں ہے، ورنہ وہ بھولے سے بھی ایسے من گھڑت جملے حضرت کی طرف منسوب کرنے کی جرات نہ کرتے۔ آہ، ثم آہ!

ہم ان پاکستانی علماء کے پورے احترام کے

ساتھ عرض کرتے ہیں کہ آپ سے (غالباً نادانستہ) تصدیق و تبلیغِ بہتان و افترا کا عمل صادر ہوا ہے۔ ہم ارادتاً اور مصلحتاً آپ کے جملوں کو "نقل کفر، کفر نباشد" کے درجہ میں بھی تجلی کے صفحات پر جگہ نہیں دینا چاہتے۔ آپ خود ہی اپنے بیان کو پڑھئے اور اس میں جو کذبِ صریح داخل ہوگیا ہے اس پر اسلام کے نظریۂ عدل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے غور فرمائیے۔ آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ آپ کا موجودہ دینی منصب آپ سے فوری طور پر توبہ و استغفار کا متقاضی ہے۔ بات ہم نے سیدھے اور صاف لفظوں میں کہہ دی ہے، مولویانہ و مفتیانہ انداز سے گریز کیا ہے، اور اب آپ مولانا نصیر احمد صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے بیان کا ایک جزو ذیل میں ملاحظہ فرمالیجئے اور بتائیے کہ آپ کے انٹرویو کے فرمودات کا وزن کیا ہے؟ یہ بیان دہلی کے ایک اخبار کی اداریہ مغوات کی تردید کے طور پر روزنامہ الجمعیۃ دہلی مورخہ ۱۷ مئی ۱۹۸۰ء میں شائع ہو چکا ہے:

"شریمتی اندرا گاندھی کی شرکتِ اجلاس کو بھی ایک معمہ بنادیا گیا ہے، حالانکہ بات بالکل سیدھی ہے کہ شریمتی اندرا گاندھی ملک کی سربراہ ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے ذمہ دار حضرات کا فرض تھا کہ وہ سربراہِ مملکت کو ایسے بین الاقوامی اجلاس میں شرکت کی دعوت دیں چنانچہ وزیراعظم کے علاوہ دوسرے سیاسی رہنماؤں کو بھی دارالعلوم نے دعوت دی اور وہ لوگ بھی شریکِ اجلاس ہوئے۔ اس کے علاوہ ایڈیٹر صاحب نے شریمتی اندرا گاندھی کی شرکت سے متعلق جو کہانی پیش کی ہے وہ نہایت غیر ذمہ دارانہ ہے۔"

اگرچہ ہمارے نزدیک مولانا نصیر احمد صاحب کا یہ بیان خاصا تشنہ ہے اور الزامی جواب کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن اس سے کم از کم یہ حقیقت صاف ہو جاتی ہے کہ وزیراعظم از خود نہیں، بلکہ اربابِ دارالعلوم کی دعوت پر شریکِ اجلاس ہوئیں۔

افسوس ہے، اجلاس صد سالہ کے منتظمین تو "وہ رات گئی، وہ بات گئی" کی تصویر بنے اپنی جسمانی و فکری آسودگیوں میں مگن ہیں اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دام فیوضہم کا اہتمام چہار اطراف کے متہم و مغضوب بنا ہوا ہے، کیونکہ ان کی دعاؤں کے ثمرات کے احساس سے زیادہ یہ لوگ ابھی تک بادۂ شبانہ کی سرمستیوں میں گم ہیں، اب ان سے کون کہے کہ "اٹھیے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی"!

ہمارے علم کی حد تک یہ امر واقعہ ہے کہ دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ نے پہلے مولانا حامد الانصاری غازی صاحب کو اجلاسِ صد سالہ کی ذمہ داریاں سونپی تھیں، جو خود بھی شوریٰ کے ایک ممبر ہیں ("منبر" نہیں!)۔ ان کے مستعفی ہونے کے بعد یہ فرائض مجلس شوریٰ نے اتفاقِ رائے سے وسیع ترین اختیارات کے ساتھ مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی کے سپرد کیے اور انھیں "ناظمِ اعلیٰ" قرار دیا۔ ان کے بعد جو کچھ ہوا، وہ مجلس شوریٰ کی نگرانی میں دفتر اجلاس صد سالہ کے بااختیار ذمہ داران نے کیا، جس میں ہمارے نزدیک دارالعلوم کا اہتمام برائے بیت ہے، اس لیے ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اس کے بھلے برے کا جواب دہ دارالعلوم کا اہتمام کیوں بنے!

———

الجمیعۃ زندہ باد! پاکستانی مہربانوں کی بہی خواہوں اور ان سے منسلک ذمہ داران کے بارے میں ہم اپنی دانست میں اوپر کی سطور میں بہت کچھ لکھ چکے تھے اور تجلی کی کاپیاں پریس بھی جا رہی تھیں کہ ۳۱ مئی کا الجمیعۃ نظر نواز ہوا۔ اس کا اداریہ بھی اسی عنوان زیر بحث پر اصل حقیقت کی وضاحت کے لیے ہمدردانہ جذبہ سے لکھا گیا ہے اور حسن اتفاق کہیے کہ بنیادی طور پر ہماری اور الجمیعۃ کے مدیر محترم کی رائے میں یکسانیت موجود ہے، فرق صرف بات کی پیش کش کے انداز میں ہے ہم نے سطور بالا میں صورت واقعہ کی نزاکت اور اس سے وابستہ ارباب پاکستان و دارالعلوم دیوبند کے مقام کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی گفتگو میں اشاراتی اسلوب اختیار کیا ہے اور الجمیعۃ کے اداریہ میں وہی بات ذرا کھل کر اور صحافیانہ انداز میں کہی گئی ہے۔ اس کے بعض جملوں سے اختلاف ہو سکتا ہے اور بعض الفاظ گرانی طبع کا سبب بھی بن سکتے ہیں، لیکن کوئی شبہ نہیں کہ اس نے یہ اداریہ لکھ کر دارالعلوم کی خدمت کا فرض انجام دیا ہے اور صحافت حاضرہ کی عامیانہ روش سے کافی ہٹ کر اور محتاط پیرایہ میں دارالعلوم دیوبند اور ذمہ داران پاکستان کو ضرورت ناگزیر کی طرف دعوت التفات دی ہے۔ الجمیعۃ کا یہ اداریہ پورے غور و فکر سے پڑھنے کے بعد جو تاثر خوش آئند ہم نے قبول کیا ہے، اس سے ہم ان سطور کو "الجمعیۃ زندہ باد!" کا عنوان دینے پر مجبور ہوئے، کیونکہ اس مضمون کے بین السطور میں ہمیں دارالعلوم و ارباب دارالعلوم کے لیے محبت و ہمدردی کا صحیح جذبہ رواں دواں نظر آیا ہے اور بہر حال اس کی قدر کی جانی چاہیے اور اس اندازِ نگارش کو سراہنا چاہیے کہ یہ حق شناسی بھی ہے اور مصلحت اندیشی کا تقاضا بھی۔

الجمیعۃ کے مدیر محترم کی یہ بات بھی ہمیں تسلیم ہے کہ آجکل اخبارات میں مسابقت کا جذبہ بہت زیادہ ہے اور وہ خبروں کی صحت و عدم صحت کی تحقیق کے چکر میں عموماً مبتلا نہیں ہوتے بلکہ اُن کی فوری اشاعت پر تُلے بیٹھے رہتے ہیں چاہے کسی خبر کی دوسرے دن ہی تردید کرنی پڑے لیکن معاف کیجیے ہم الجمیعۃ العلمائے ہند کے واحد ترجمان سے یہ توقع نہیں رکھتے کہ وہ بھی "سرگشتۂ خمار رسوم و قیود" ثابت ہوگا ہماری دلی تمنا ہے کہ ہر اعتبار سے اس کا معیار مثالی ہو، اس کے اداریے، اس کے شذرات اور اس کے جملہ مندرجات دوسرے اخباروں کے لیے چراغ راہ بن سکیں۔ اسے کاروباری نفع و نقصان کی ترازو میں تولنا ہرگز درست نہیں۔ اسے تو ملک و ملت کی سچی راہ نمائی کا فریضہ ادا کرنا ہے۔

کاش ہماری یہ درخواست ذمہ داران الجمیعۃ کے لیے در خور اعتنا رہو اور وہ گزشتہ دو ماہ کے شماروں پر نظر ثانی کا موقع نکال سکیں! ایسا ہوا تو وہ بھی یقیناً ہماری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ گھر کی لڑائی کو بازار میں لے آنا ہر لحاظ سے غلط ترین ہے اور دو بھائیوں کے گھریلو اختلافات کو الجمیعۃ کے صفحات میں جگہ دینا "عام اخباری جذبۂ مسابقت" کی تعریف میں ہرگز نہیں آتا۔ اس لیے الجمیعۃ ایسے مؤقر روزنامہ کے بیش قیمت کالموں کو غیر ذمہ دارانہ، غیر شریفانہ، نازیبا، غلط فہمی پیدا کرنے والے اور "پگڑی اچھال" قسم کے مراسلوں اور خبروں سے محفوظ رکھنا چاہیے، خواہ وہ جوابا ہی کیوں نہ ہوں کہ گالی کے جواب میں گالی اور بھی بدتر فعل ہے۔

الجمیعۃ کے مدیر گرامی بخوبی جانتے ہیں کہ ضلع سہارنپور کے شیخ زادگان میں شادی بیاہ کے موقع پر لڑکے والوں کی طرف سے اکثر "ڈھپرے" بجوائے جاتے ہیں جو "باجے" کی معروف اصطلاح سے کوئی نسبت نہیں رکھتے، لیکن اگر ایک مابہ النزاع معاملہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ کا ایک مراسلہ نگار "بارات ڈھپروں کے ساتھ تھی" کے بجائے "باجے کے ساتھ تھی" لکھ دے تو کس قدر بھیانک مغالطہ آفرینی ہوگی!

(ملاحظہ ہو الجمیعۃ ۳۱ مئی صفحہ ۲)

اب مدیر موصوف خود غور فرمائیں کہ الجمیعۃ میں ہر جمعہ "آید دھر گھسیٹ" کی روشِ عام کس طرح مناسب ہے!

ہوئے تم دوست جسکے اسکا دشمن آسماں کیوں ہو !

دارالعلوم دیوبند کی تاریخ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا دورِ اہتمام بے شک وشبہ تابناک ترین دور ہے۔ لیکن یہ بھی امر واقعہ ہے کہ دارالعلوم میں صرف انہی کی ہستی ہے، جسے ہم بوجوہ "مظلوم" کہہ سکتے ہیں۔ صدیقی ہوتے ہوئے بھی اللہ جل شانہٗ نے ان میں "عثمانی صفات" زیادہ ودیعت کی ہیں۔ شاید یہی ان کی "مظلومیت" کا راز ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ اسی سے حق تعالیٰ کی جناب میں ان کے درجات مزید بلند ہیں۔

حضرت مولانا موصوف مدظلہٗ کی ذات پر سب سے بڑا اور مسلسل "ظلم" تو یہی ہے کہ ان کو اپنے گرد وپیش کے اصحاب و رفقائے کار کی تمام خامیاں کوتاہیاں اور دانستہ غلطیاں بجبر واکراہ اپنے سر لینی پڑتی ہیں اور وہ "اُف" تک بھی نہیں کرتے کہ کہیں کسی کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ طلبا رہوں یا اساتذہ، عام کارکنان ہوں یا شعبوں کے سربراہان، اہتمام کے ساتھی ہوں یا مجلس شوریٰ کے رفقاء، اپنے ہوں یا پرائے، کوئی نہیں سوچتا کہ ہماری کس کس حرکت سے ان پر کیا کیا قیامتیں گزر جاتی ہیں اور وہ صابر وشاکر سب برداشت کیے جاتے ہیں، لیکن اس سے بدرجہا زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ بعض اپنوں نے ان کو مظلومیت کے دائرہ سے گھسیٹ کر ظالموں کی صف میں لاکھڑا کرنے کی تدبیریں شروع کردی ہیں اور ظاہر ہے یہ کام حامی ومعاون کا نقاب اوڑھ کر ہی کیا جاسکتا ہے۔ ہم شاید یہ تو تسلیم کرسکتے ہیں کہ ان لوگوں کا یہ فعل دانستہ نہیں، لیکن یہ ماننا ہمارے لیے ممکن نہیں کہ یہ فعل فہم ودانش کا کوئی شائبہ بھی اپنے اندر رکھتا ہے بلکہ ہم تو واضح الفاظ میں یہی کہیں گے کہ جہلِ مرکب کی آخری حدود تک پہنچنے والے یہی لوگ ہیں، جو اہتمامِ دارالعلوم اور اس سے اختلاف رکھنے والے اصحاب کے درمیان

خواہی نخواہی اپنی "اہتمام دوستی" کے لغو ولچر مظاہرے کر رہے ہیں۔

ابھی آخر مئی میں ہمیں ایک کتابچہ پڑھنے کو ملا (نہ ملتا!) اس کا عنوان ہے "دارالعلوم دیوبند اجلاس صدسالہ اور مولانا .... کی معاندانہ روش"۔ اسے دیکھ کر دل بے اختیار "الامان والحذر" پکار اٹھا۔

اس کتابچہ کا ایک بڑا حصہ جو اپنے لکھنے والوں کی غمازی کر رہا ہے، اجلاس صدسالہ کے متعدد شعبوں میں صرف ایک شعبہ "رابطہ کمیٹی" کی مدح سرائی سے لبریز ہے۔ اسے پڑھیے تو یہی سمجھ میں آئے گا کہ اجلاس کی تمام تر کامیابی صرف اور صرف رابطہ کمیٹی اور اس کے ایک دو ذمہ دار کارکنوں کی کارگزاریوں کا نتیجہ ہیں۔ اگر یہ کمیٹی نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا یہاں تک کہ شاید اجلاس ہی نہ ہو پاتا! اس طرح کا مضمون اس سے قبل بھی بعض اخباروں میں شائع ہوچکا ہے اور پسِ پردۂ زنگاری کا تعارف خود کرا رہا ہے۔ اب حضرت مولانا طیب صاحب دام فیوضہم لاکھ فرماتے رہیں کہ اجلاس سب ہی کی کوششوں سے واقع وکامیاب ہوا ہے، رابطہ کمیٹی تو "نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا"! ہی کا راگ الاپتی رہے گی اور "لاشریک لہٗ" کا نعرہ لگاتی رہے گی!

مذکورہ کتابچہ میں رابطہ کمیٹی کی قصیدہ خوانی کے ساتھ ساتھ مضمون اس شخصیت کی ہجو پر مشتمل ہے جسے بعض بدبختانہ اتفاقات نے اہتمام دارالعلوم کے حریف کا لباس پہنا دیا ہے۔ ہم اس کتابچہ میں دیے گئے واہیات مندرجات کی پرزور الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے ذمہ داران دارالعلوم سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنے دامن ودستوں سے اپنی برأت کا اظہار کریں اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کی "مقدس مظلومیت" کو مجروح نہ ہونے دیں۔ حضرت مولانا سے بھی گزارش ہے کہ وہ اپنوں سے ہوشیار رہیں جو انھیں لاکی "ظالم" بناکر اس مظلومیت سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ ایسی خرافات کا جو اثر کسی درجہ بیہودہ ہوسکتا ہے، پناہِ خدا

دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ اجلاس

از مولانا مصباح الدین اصلاحی

دارالعلوم دیوبند میں اس کا صد سالہ اجلاس ۲۱،۲۲،۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء کو دھوم دھام سے ہوا. یہ عظیم الشان اجلاس دارالعلوم دیوبند کا چھٹا جلسہ دستار بندی (کانووکیشن) بھی تھا. اس کا پانچواں اجلاس بہتّر برس پہلے ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں ہوا تھا. اس کے بعد سے پھر کوئی اجلاس نہیں ہو سکا. اس صد سالہ جشن کا غلغلہ گذشتہ کئی برسوں سے بپا تھا مگر یہ برابر ملتوی ہوتا رہا، اب دارالعلوم کے قیام کو سو برس سے زیادہ ہو چکا ہے اور چودھویں صدی ہجری ختم اور پندرھویں شروع ہونے والی ہے، اس لئے اجلاس میں اب مزید تاخیر مناسب نہیں سمجھی گئی۔

دارالعلوم دیوبند ایک عالمی درسگاہ ہے، اس کی شہرت اس برصغیر کے علاوہ بیرونی ممالک تک پہنچ چکی ہے اس لیے اس اجلاس میں بین الاقوامی رنگ پیدا ہو گیا تھا[1]، اس میں افغانستان کو چھوڑ کر تقریباً پوری اسلامی دنیا کے نمائندے شریک تھے، ہندوستان کے گوشے گوشے سے دارالعلوم دیوبند کے قدردان اسکی تقریبات میں شرکت کیلئے ٹوٹ پڑے تھے،

محتاط اندازے کے مطابق ہندوستان کے طول و عرض، مغربی ایشیا، افریقہ، یورپ اور لاطینی امریکہ کے تقریباً پانچ لاکھ مسلمان اس اجلاس میں شریک ہوتے۔ غالباً مسلمانانِ ہند کا اس سے بڑا علمی، تعلیمی اور دینی اجتماع کبھی نہیں ہوا تھا۔

شرکاءِ اجلاس میں ساٹھ ہزار فضلاء دارالعلوم بھی تھے جن کی دستار بندی ہوئی، ہندی، انگریزی اور اردو اخباروں کے نامہ نگار، آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ دہلی اور پاکستان ریڈیو کے نمائندے بھی بڑی تعداد میں شریک تھے۔

دارالعلوم نے دس ہزار سے زیادہ افراد کے کھانے اور ناشتے کا خود انتظام کیا تھا، مدرسہ اصغریہ دیوبند اور مسلمانانِ دیوبند نے بھی ہزاروں مہمانوں کی ضیافت کی، اس کے علاوہ لگ بھگ سو ہوٹل بھی تھے۔

تقریبات کے لیے دارالعلوم سے ملحق شمال و مغرب کی جانب موضع قاسم پور کی بارہ سو بیگھہ اراضی کرایہ پر حاصل کی گئی تھی، اس میں اکثر بڑے بڑے کیمپ خود دارالعلوم نے لگائے تھے اور دوسری رفاہی

---

[1] اصلاحی صاحب! معاف فرمائیے، ایک واضح حقیقت کے اظہار کے لئے اس درجہ سبک پیرایہ اختیار نہ کیجئے۔ یہ اجلاس اپنے بنیاد کا مقاصد، پروگرام اور عمل کے ہر پہلو سے بین الاقوامی تھا۔ اور خود دارالعلوم دیوبند بھی بین الاقوامی ہے، بشرطیکہ یہاں لفظ "اقوامی" کا استعمال جائز ہو! (دہلی) [2] دراصل محتاط اندازے کے بموجب اجلاس میں شرکت کیلئے دیوبند آنے والوں کی تعداد پندرہ، بیس لاکھ کے درمیان ہے (دہلی)۔ [3] اس ضمن میں غالباً مولانا اصلاحی صاحب کو حضرت مولانا اسعد مدنی [illegible] سہو [illegible]

[illegible]
[illegible] اجلاس [illegible] قریب [illegible]
اور سو بیدار [illegible] روشنی اور پانی وغیرہ کا
مناسب بندوبست تھا، دارالعلوم کے زیر نگرانی
ایک طبیہ کالج بھی عرصہ سے قائم ہے، اس کی عمارت
میں طبی امداد کے لئے ایک اسپتال کا انتظام کیا گیا تھا
جلسہ ایک نہایت وسیع وعریض پنڈال میں ہوا، جس
میں تقریباً ڈیڑھ دو[1] لاکھ آدمیوں کے بیٹھنے کا انتظام
تھا مگر یہ ناکافی ثابت ہوا۔

حکومت ہند نے شرکائے اجلاس کی سہولت
کے پیش نظر کنسیشن[2] فارم جاری کئے تھے اور بعض
مرکزی اہم شہروں سے اسپیشل ٹرینیں چلائی گئی تھیں
اسٹیشن سے مہمانوں کو لانے کے لئے بسوں، کاروں
اور جیپوں کا بھی انتظام تھا۔

پورا قصبہ بلا امتیاز وملت مہمانوں کے لئے فرش
راہ بنا ہوا تھا۔ مگر خود منتظمین کو اتنے بڑے مجمع کی توقع
نہ تھی۔ اس لئے نظم وضبط پر قابو[1] مشکل ہو گیا تھا۔

۲۱ مارچ کو جمعہ تھا، مختلف کیمپوں اور
مسجدوں میں بھی جمعہ کی نماز ہوئی۔ سب سے بڑی
جماعت جلسہ گاہ میں پنڈال میں ہوئی، جہاں لاکھوں
شرکاء نے مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم
دیوبند کی اقتدار میں نماز جمعہ ادا کی۔

پہلا اجلاس جمعہ کی نماز کے بعد سعودی عرب

[illegible]
[illegible] سعودی عرب کے [illegible]
[illegible] مصر
کے قاری عبدالباسط عبدالصمد نے قرآن پاک کی تلاوت
کی، جس سے سامعین [illegible] اور دل نواز قرأت سے ہر ایک متاثر
تھا، ان کا شمار دنیا کے ممتاز قاریوں میں ہوتا ہے، ان
ان کے بعد کویت کے وزیر اوقاف شیخ یوسف جی نے
اجلاس کا رسمی افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ دارالعلوم کے
بزرگوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بڑی خدمت کی،

پھر مولانا قاری محمد طیب صاحب نے اپنا خطبۂ استقبالیہ
پڑھا۔ خطبہ استقبالیہ کے بعد صدر نے شاہ خالد ا ور
ولی عہد شاہزادہ فہد کا تہنیتی پیغام پیش کیا، انھوں
نے اسلامی تعلیمات کی اشاعت کے سلسلہ میں دارالعلوم
کی مفید خدمات اور اس کے اکابر کے کارناموں کا
اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ جو چیز ہندوستان کے مسلمانوں
کے لئے تکلیف دہ ہوگی وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے
لئے اذیت کا باعث ہوگی۔

شیخ عبداللہ المحسن ترکی نے اپنی حکومت
کی طرف سے دارالعلوم دیوبند کو دس لاکھ روپے
کی نذر پیش کی، اسی اجلاس میں عراق کے نمائندے
نے بھی دارالعلوم کے لئے چار لاکھ ساٹھ ہزار روپے
کے عطیہ کا اعلان کیا، کویت کی حکومت کی طرف سے
چھ لاکھ روپے کا عطیہ دیا گیا، بعض اور حکومتوں

صـ ١٩ کی وسیع ترین جہانی فوادیوں کا علم نہیں ہو سکا (تجلی)

[1] یہ پنڈال ایک وقت میں تین چار لاکھ کے قریب افراد بیٹھنے کے لئے بنایا گیا تھا (تجلی)

[2] اس سلسلے میں بھی مولانا اسعد مدنی نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ (تجلی)

نے بھی دارالعلوم کو رنگین بنادیں۔

ہندوستان کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی بھی اس اجلاس میں شریک تھیں بجو بعض حلقوں میں ان کی شرکت کو تعجب انگیز سمجھا گیا، مگر ان کی تقریر عام طور سے پسند کی گئی جو شستہ و شگفتہ اردو میں تھی، انھوں نے قومی بیداری اور ملک کی آزادی کی جدوجہد میں دارالعلوم دیوبند کی خدمات کا اعتراف کرنے کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کے گوناگوں کارناموں اور قابلِ فخر یادگاروں کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ مسلمانوں نے ہندوستانی زندگی کے مختلف شعبوں پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ ہم کو بھی ان پر فخر ہے۔ ان سے ہندوستان کو طاقت ملی۔

۲۲ر مارچ کو دو عام اجلاس ہوئے اور ۲۳ر کو پانچواں اور آخری عام اجلاس ہو کر دوپہر میں یہ سہ روزہ تقریبات ختم ہوگئیں۔ یہ اجلاس عرب ملکوں کے نمائندوں کی صدارت میں ہوئے اور مختلف ملکوں کے نمائندوں، دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے بعض ارکان و اساتذہ نے کارروائی میں حصہ لیا۔ روس کی نمائندگی وسطی ایشیا اور قزاقستان کے مسلم مذہبی بورڈ کے وائس چیئرمین ڈاکٹر یوسف شاکروف نے کی یہ بورڈ دنیا کی مسلم تنظیموں کے ساتھ دوستانہ اور برادرانہ تعلقات کے لئے قائم ہوا ہے، ڈاکٹر یوسف نے تقریر شروع کی تو مجمع سے "افغانی مجاہدین زندہ باد" اور "روس افغانستان سے واپس جاؤ"، کی آوازیں سنائیں دیں، اس پر اسٹیج سکریٹری نے کہا کہ ہم حاضرین کی ترجمانی کرتے ہوئے روسی نمائندہ سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ ہمارے جذبات اپنی حکومت تک پہنچا دیں۔ اور اس کو بتادیں کہ ہم افغانستان میں روسی مداخلت کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔

ہندوستان کے علماء میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور پاکستانی علماء میں مولانا مفتی محمود اور مولانا غلام اللہ خاں کی تقریریں عام طور سے پسند کی گئیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو اللہ تعالیٰ نے جہاں گوناگوں کمالات اور خوبیوں سے نوازا ہے وہاں ان کو تقریر و خطابت کا بھی بڑا ملکہ عطا کیا ہے۔

اصلاحی صاحب نے اس "تعجب" کیطرف اشارہ تو کردیا ہے لیکن اس کی وضاحت کو مستور و محذوف رہنے دیا ہے۔ کم سے کم اہل دیوبند کو اس اجلاس میں مسز گاندھی کی شرکت پر تعجب نہیں، بلکہ فخر ہے، حیرت نہیں بے پایاں مسرت ہے کہ ایک ایسے بے مثال اجتماع میں، جہاں عام لوگوں کی بے پناہ تعداد کے ساتھ دنیا بھر کے زعماء اور متعدد حکومتوں کے باضابطہ نمائندے بھی موجود تھے، ہمارے عظیم ملک کی غیر مسلم وزیر اعظم نے (جن کے لئے دنیا کی سب سے بڑی طاقتیں بھی گوش بر آواز رہتی ہیں) پہلی بار بیانگ دہل اور واضح ترین الفاظ میں دارالعلوم دیوبند کی ان ملکی و ملی خدمات کو سراہا، جن کا تذکرہ کئے بغیر ہندوستان کی کوئی تاریخ بھی مکمل و صحیح کہلانے کی حقدار نہیں ہوسکتی۔ دارالعلوم دیوبند نے مسز گاندھی کو مدعو کر کے اپنا حق حاصل کیا اور انھوں نے برمحل اعتراف حقیقت کے ذریعہ اپنا ایک فرض ادا کیا۔ انتہیٰ؛

[illegible]

اور از دل خیزد بر دل ریزد کا مصداق تھی۔ انھوں نے بے مثال مجمع اور حاضرین کی غیر معمولی تعداد سے متاثر ہو کر اپنی تقریر قرآن مجید کی اس آیت سے شروع کی:

وَاذْكُرُوْا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ	اور یاد کرو اس وقت
مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ	کو جب تم زمین میں قلیل
تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ	اور ضعیف سمجھے جاتے تھے
النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ	اور ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ
بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ	تمہیں اچک نہ لیں تو اللہ
الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ	نے تم کو جگہ دی اور اپنی
(انفال: ۲۶)	مدد سے تم کو قوت بخشی اور
	پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں
	تاکہ اس کا شکر کرو،

اور فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھے یہ آیت اس وقت الہام کر دی گئی ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کا اصلی اثاثہ اور مایہ الامتیاز سرمایہ کو بتاتے ہوئے کہا کہ میں نے عربوں سے بھی یہ بات بار بار کہی ہے کہ آپ کو اس دین کی بدولت اعزاز و اکرام حاصل ہوا تھا، آپ جب اس کی دعوت لے کر اٹھے تو ساری دنیا سے افضل و برتر سمجھے گئے اور آج اسی دین سے تعلق کم ہونے پر ہم کو ناکامیوں اور محرومیوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے، دارالعلوم دیوبند کا قیام دین ہی کی حفاظت کے لئے عمل میں آیا تھا، اس کا یہ جشن اس عظیم جہاد کی یاد دلاتا ہے جو ایک صدی پہلے کفر و الحاد کے اندھیروں کے خلاف شروع کیا گیا تھا، مولانا علی میاں نے کہا کہ مسلمان اس ملک میں فاتح کی حیثیت سے آئے تھے، انہوں نے اس ملک کو تہذیب، تمدن [illegible] کل و گلزار بنا دیا۔ یہاں مختلف تہذیبیں آئیں مگر ان کا پتہ اور نام و نشان تک باقی نہیں مگر اسلام باقی ہے اور مسلمانوں کی تہذیب بھی باقی ہے۔ اس وقت یہ ملک اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے جس دلدل میں پھنس گیا ہے اور ملک کی اجتماعی زندگی میں جو گندگی بھر گئی ہے اس کی صفائی صرف مسلمان ہی کر سکتے ہیں، ان کو یہیں جینا اور مرنا ہے اور اپنی دینی امتیاز اور ملی تشخص کو بھی برقرار رکھنا ہے۔ وہ کسی حال میں بھی نہ اسلامی تہذیب و تمدن کی کسی یادگار کو چھوڑنا گوارا کریں گے، اور نہ اپنے کو اس ملک کے قومی دھارے میں ضم ہونے دیں گے، مسلمان کسی سیاسی پارٹی کے رحم و کرم پر نہیں جی رہے ہیں بلکہ ان کی حفاظت خدا کر رہا ہے۔ آج اگر اس ملک میں مسلمانوں کو رہنا اور باعزت زندگی بسر کرنا ہے تو پہلے اپنے خدا پر، پھر اپنے آپ پر اعتماد کرنا چاہیے، کسی جماعت اور نظام کے اندر اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ ان کو زندہ رکھے یا ختم کر دے۔

آخر میں مولانا نے دارالعلوم دیوبند کی ان چار امتیازی خصوصیات کا ذکر کیا (۱) توحید خالص (۲) اتباع سنت (۳) تعلق باللہ (۴) اعلاء کلمۃ اللہ اور پھر ہر ایک کی نہایت موثر اور دل نشین تشریح کی۔

مولانا کی اس ایمان پرور تقریر سے مسلمانوں کے اندر خود اعتمادی پیدا ہوئی اور ان کو اپنی عظمت کا احساس ہوا یہ تقریر بہت پسند کی گئی اور اس سہ روزہ اجلاس کا حاصل سمجھی گئی۔

اسی اجلاس سے مشہور پاکستانی عالم اور نامور سیاسی رہنما مولانا مفتی محمود نے بھی خطاب کیا، ان کی تعلیم دیوبند[*]

* مولانا مفتی محمود صاحب نے دیوبند میں نہیں، بلکہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں تعلیم حاصل کی (باقی صفحہ ۲۳ پر)

ہی میں ہوئی، مگر ان کو ۳۳ سال کے بعد ہندوستان آنے اور اپنی مادر علمی کو دیکھنے کا موقع ملا تھا مفتی صاحب نے بتایا کہ پاکستان کے ساڑھے تین سو مدارس کا ایک وفاق قائم ہے۔ انھوں نے تجویز پیش کی کہ جس طرح کا اجتماع اس وقت دیوبند میں ہو رہا ہے، اسی طرح کا اجتماع پاکستان اور بنگلہ دیش میں بھی کیا جانا چاہئے اور نزاعی مسائل سے پرہیز کیا جانا چاہئے اور ان میں اعتدال پیدا کیا جانا چاہئے، ان کی تقریر بھی عام طور سے پسند کی گئی۔

اس اجتماع میں مختلف ملکوں کے صدر و مملکت اور سربراہوں کے پیغامات بھی پڑھ کر سنائے گئے جن میں پاکستان کے جنرل ضیاء الحق، مصر کے انور السادات اور ہندوستان کے صدر نیلم سنجیوا ریڈی کے پیغام بھی تھے، اجلاس سے بابو جگ جیون رام اور راج نرائن نے بھی خطاب کیا، جموں و کشمیر کے وزیر اعلیٰ شیخ عبداللہ نے اپنے صاحبزادے ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو اپنی نمائندگی کے لئے بھیجا تھا، انھوں نے دارالعلوم دیوبند کو دو لاکھ کا عطیہ بھی دیا۔

اجلاس کے موقع پر کتابوں کی نمائش کا اہتمام بھی کیا گیا تھا، دارالعلوم کا کتب خانہ بڑا ہے، اور اس میں مخطوطات و نوادر کا بھی اچھا ذخیرہ ہے، اس لئے یہ نمائش اہل علم اور اصحاب ذوق کی دلچسپی کا مرکز رہی، سہ روزہ اجلاس کے درمیان ۲۲ر مارچ کو "دینی تعلیم اور عہد حاضر کے تقاضے" کے عنوان سے سمینار کے دو اجلاس ہوئے، پہلا جلسہ دن میں ۳ بجے مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایڈیٹر برھان کی صدارت میں اور دوسرا رات کو ۹ بجے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی صدارت میں ہوا، جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن ناظم دارالمصنفین بعض موانع کی بنا پر دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صدسالہ میں شرکت نہیں فرما سکے تھے ان کو سمینار میں مدعو کیا گیا تھا، انہوں نے اپنا مقالہ "ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تاریخی مدارس" راقم کو دیدیا تھا جس کو راقم نے وہاں پڑھا اسے حاضرین نے بڑے غور سے سنا، اس میں مسلمان حکمرانوں کے دور کے بعض عظیم مدرسوں کا ذکر کر کے یہ بتایا گیا تھا کہ ان سے جو جید علماء فارغ ہوئے، ان میں سے بعض قاضی ابو یوسف، امام محمد، امام غزالی اور امام الحرمین وغیرہ کے ہم پایہ تھے، مگر اب یہ سب مدارس معدوم ہو چکے ہیں یہاں تک کہ ان کے کھنڈر بھی باقی نہ رہے، آخر اس کے اسباب کیا ہیں؟ مقالہ نگار کے نزدیک اس کا یہ جواب تشفی بخش نہیں ہے کہ جب مسلم سلاطین کی حکومتیں ختم ہوئیں تو ان کی سرپرستی سے محروم ہو جانے کی بناء پر یہ مدارس بھی ختم ہو گئے، انھوں نے مورخانہ اور ناقدانہ تجزیہ کر کے ثابت کیا ہے کہ ان مدرسوں کے باقی نہ رہنے کی ذمہ داری سے علماء کو بری قرار نہیں دیے جا سکتے۔

۲۳ر مارچ کو اجلاس ہوا، اس میں مولانا منت

(صـ۲۲) لیکن مدرسۂ مذکورہ اور دارالعلوم دیوبند کے گہرے روابط کے زیر اثر حضرت مفتی صاحب دیوبند سے اتنا ہی ذہنی لگاؤ رکھتے ہیں، جتنا کہ مراد آباد سے۔ (تجلی)

امیر شریعت بہار واڑیسہ و جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے وہ تجویزیں پڑھ کر سنائیں جو اس اجلاس میں منظور کی گئیں۔

ایک اہم تجویز تھی کہ اسلام کی دعوت و سربلندی نیز دنیا کو درپیش موجودہ نئے مسائل کے حل کے لئے ایسے علماء تیار کئے جائیں جو علوم نبوت سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ہی جدید علوم، سائنس اور ٹکنالوجی سے بھی واقف ہوں اور موجودہ دور کے حالات اور نزاکتوں سے بھی باخبر ہوں تاکہ وہ امت کی علمی، فکری دینی اور اجتماعی رہنمائی کرسکیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ تجویز تھی کہ دارالعلوم موجودہ بدلے ہوئے حالات میں جدید مسائل کو اسلامی شریعت کے مطابق حل کرنے کے لئے فقہ اسلامی میں تخصص کا ایک شعبہ قائم کرے، جس میں فقہ، اصول فقہ، فلسفہ قانون، قواعد وکلیات دین اور مختلف ائمہ کے مناہج واستنباط کے تقابلی مطالعہ کا اہتمام ہو۔

فلسطین اور افغانستان کے مسلمانوں کی حمایت میں بھی تجویزیں منظور کی گئیں۔ اگر اس جشن اجتماع میں کچھ بے نظمی اور تنگی بھی پیدا ہو گئی ہو تو وہ ذکر کے لائق نہیں، اس اجتماع سے جہاں... دارالعلوم کی غیر معمولی مقبولیت کا اندازہ ہوا، وہیں اس کی گوناگوں ذمہ داریوں کا بھی پتہ چلتا ہے جن کو اس اجتماع نے اور بڑھا دیا ہے، قوم وملت نے جس شان اور گرم جوشی سے اس کی دعوت پر لبیک کہا ہے، یقین ہے کہ اسی شان اور گرم جوشی سے وہ اس کی قیادت اور رہنمائی بھی قبول کرے گی، دارالعلوم کو ملت کے اس اعتماد کو ہر حال میں باقی رکھنا ہوگا۔ مسلمان اس وقت جن حالات سے دوچار ہیں ان میں انکی صحیح رہنمائی بہت ضروری ہے، اسکا حق سب سے زیادہ دارالعلوم ہی کو ہے جسکی گوناگوں قدیم اور اہم روایات ہیں۔ (معارف)

لہ کیا فرماتے ہیں، حضرت مولانا زین العابدین سجاد میرٹھی اور ان کے مؤیدین، جو بغیر سکون ووقفہ یہ کہے چلے جارہے ہیں کہ اجلاس میں نہ کوئی تجویز سنائی گئی، نہ پاس ہوئی! (تجلی) سہ لاریب فیہ یاران عیب چیں اس ایک سطر کی گہرائی پر غور کریں (تجلی) سہ مولانا اصلاحی صاحب کو حق تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے اپنے اس مضمون میں اختلافی ونزاعی پہلوؤں سے گریز کرتے ہوئے برمحل وواجب ترین دعوت خیر دی ہے اور درحقیقت اب پورا اجلاس وقت کا سب سے بڑا مطالبہ وتقاضا بھی یہی ہے کہ "کیا ہوا اور کیا نہیں ہوا؟" کی بحث کو ترک کر کے جملہ وابستگان وفیض یافتگان دارالعلوم ان اسباب ووسائل سے جلد سے جلد فراہمی کی سعی میں جٹ جائیں، جن سے اجلاس کے مقاصد کی تکمیل ہوسکے۔ آپسی جھگڑوں اور مسلکی مجادلوں سے امت مسلمہ کب نہال ہوتی ہے جو اب ہوگی جلسے سے متعلق شکایتوں کے دفتر کھول کر بیٹھ جانے اور اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے رہنے سے نہ دارالعلوم کو کوئی فائدہ ہوسکتا ہے اور نہ قوم کو ۔ مناسب ہے کہ ان تمام باتوں سے احتراز کرتے ہوئے ہم دارالعلوم کی ترقی اور مسلمانوں کی دینی فلاح کے بارے میں کوئی طریقہ اور لائحہ عمل تیار کریں (تجلی)

اجلاس صد سالہ کے بعد
تعمیری کام

مولانا ازہر شاہ قیصر
مدیر دارالعلوم دیوبند

اپنے مخلص بزرگ مولانا محمد ازہر شاہ قیصر کا یہ مضمون جو خاص تجلی کے لئے تحریر کیا گیا ہے۔ ان کے شکریہ کے ساتھ بغیر تبصرہ ذیل میں پیش کر رہے ہیں بعض پہلوؤں سے یہ مضمون خاصا محل نظر ہے لیکن نقد و جرح کا یہ موقعہ نہیں ہے تاہم اتنا عرض کرنے میں ہمیں تامل نہیں کہ بہتر ہوتا اگر شاہ صاحب اس مضمون میں بعض اعتراضات پر تشنہ جوابی اشارہ نہ کرتے اور مزید بہتر یہ ہوتا کہ شاہ صاحب اسی موقعہ پر کم سے کم تحریکِ تنظیم فضلائے دارالعلوم کی تاریخ اور اس کے موجودہ پروگراموں پر تفصیلی روشنی ڈالتے۔

(مدیر)

اجلاس صد سالہ اپنی بے مثال ہنگامہ آرائیوں کے ساتھ ختم ہوگیا۔ نکتہ چین اصحاب کو اس اجلاس کے انتظامات میں جزوی طور پر کچھ بدنظمی بھی نظر آسکتی ہے لیکن جن اصحاب کو یہ بات معلوم ہے کہ دارالعلوم نے کیمپنگ، پنڈال، پانی، بجلی وغیرہ کے انتظامات اپنی توقع کے مطابق ۴ لاکھ افراد کے لئے کئے تھے مگر مجمع کم از کم ۲۰ لاکھ کا آیا اور دنیا کے گوشہ گوشہ سے لاکھوں افراد دیوبند کی طرف اُمنڈ آئے۔ اس صورتِ حال میں اگر بڑی سے بڑی کوئی سلطنت اور اس کے شاہانہ شان انتظامات بھی ہوتے تو انہیں ناکام ہو جانا تھا مگر یہ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ رہائش، کھانے، بجلی، پانی، لاؤڈ اسپیکر کے انتظامات ناکافی ثابت نہ ہوئے۔ اور دیوبند جیسے ایک قصبہ جس کی آبادی کل ۵۰، ۶۰ ہزار ہے پانچ شبانہ روز ۲۰ لاکھ افراد کو اپنے اندر سمائے رکھا۔ ہرچند کہ مجھے اجلاس صد سالہ کی گذری ہوئی کارروائیوں پر کچھ نہیں کہنا ہے مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ ایک عزیز نوجوان ایک وفد کے ساتھ حال ہی میں پاکستان گئے۔ وہاں انہوں نے جماعت اسلامی کے نمائندگان اخبار و ایشیا" کے سامنے بیان دیا کہ اجلاس میں حاضری ڈھائی، تین لاکھ تھی۔ مجھے اپنے ان عزیز نوجوان کی سرگرمیوں کی قدر ہے مگر میں اس انتہائی غلط بیانی پر ان سے شکایت کروں گا۔ یہ عزیز ذہناً جماعتِ اسلامی سے مربوط سہی مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ دارالعلوم کی اہمیت کو ختم کرنے کیلئے ۲۰، ۲۵ لاکھ کی تعداد کو ڈھائی، تین لاکھ کی تعداد بتائیں۔

میں اپنے اس پُرجوش عزیز کو ان کے مرکز جماعتِ اسلامی ہند کی اس روش پر متوجہ کروں گا کہ ہرگز یہ بات نہیں کہ جماعتِ اسلامی اور جماعتِ دیوبند کے درمیان جو علمی اور فکری اختلاف ہے جماعت کے مرکز نے اسے نظر انداز کر دیا ہو، مگر یہ جماعت کے احساس فرض کی ایک مثال ہے کہ اس اختلاف کو موجود اور قائم رکھتے ہوئے بھی اجلاس کے سلسلہ میں مرکز جماعتِ اسلامی اور اس کے اخبار "دعوت"،

[illegible] کا منظاہرہ [illegible] کیا۔

حیرت ہے تو ایک [illegible] بات سمجھے [illegible] پر کرنا ہے کہ اجلاس صد سالہ دارالعلوم کے لئے بجائے خود کوئی منزل نہیں تھا اور نہ صرف اجلاس کی ہنگامہ آرائی کیلئے اس نے اتنا طویل کام اپنے ذمہ لیا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ارباب دارالعلوم کافی عرصہ سے یہ محسوس کر رہے تھے کہ موجودہ دور میں نئے نئے مذہبی اور سیاسی نظریات کے مقابلہ میں دعوت اسلامی کو جس ڈھنگ سے پیش کرنے کی ضرورت ہے دارالعلوم کو حالات کا جائزہ لیکر اس کی پیشقدمی کرنی چاہیئے۔ اپنی تعلیم، تدریس، اور تصنیف کو ایسے معیار پر لانا چاہیئے کہ وہ جدید و قدیم ذخائر علمی کا مجموعہ بن کر ملت اسلامیہ کی صحیح رہنمائی کر سکے۔ اس کے ساتھ ہی دارالعلوم کو یہ بھی احساس ہے کہ ملت نے اس دور میں اگر ملی اور قومی اور مذہبی بہت سے نقصانات بھی برداشت کئے مگر بڑا نقصان یہ سامنے آیا کہ اخوت کا جذبہ عالم اسلام کے ذہن سے نکل گیا۔ آج ہزاروں مصلحتوں کے دائرے میں گھوم رہا ہے۔ لیبیا اپنے مال سرمایہ کو اپنے ڈھنگ سے خرچ کر رہا ہے — سعودی عرب کی حدود جہلاوں کا نشانہ کچھ اور ہے کویت کے فکر و نظر کا رُخ کسی اور طرف ہے۔ پاکستان کے مسائل کچھ اور ہیں۔ ہندوستانی مسلمان کسی اور زندگی کسی اور فضا میں اپنا وقت گزار رہے ہیں۔ یہ سب کچھ ہے۔ مگر اخوت اسلامی کا کوئی جذبہ کہیں نظر نہیں آتا۔ اسلام ایک ہمہ گیر فکر اور عالمگیر طرز زندگی کا نام ہے مگر آج بھی اسلام رنگ و نسل، ملک و ملت کے ساتھ فرقہ بندیت میں بٹ گیا ہے کٹ گیا ہے اور خود اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں رہی افغانستان کا مسلمان اگر روسی حملہ سے جاں بلب ہوتا ہے اور

[illegible] اور [illegible] سعودی عرب کو اس کی کوئی پرواہ نہیں [illegible] وہ ایک ایسی [illegible] سیاسی [illegible] بکھرے ہوئے ریزوں کی شیرازہ بندی ہو تو دنیا کی کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

دارالعلوم سیاسی جوڑ توڑ اور سیاسی نظریات سے بالکل بلند ہو کر یہ سوچتا ہے کہ صرف ملت اسلامیہ کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی بھلائی . . . . اس میں ہے کہ ہر ملک اور ہر قوم ذاتی غرض مندیوں کے دام ہم رنگ زمین سے باہر نکلے اور خود جیو دوسروں کو جینے کا موقع دو۔ کے اصول کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بنا کر . . . انسانیت عامہ کو سانس لینے کا موقع دے۔ اس انسانیت عامہ کی سب سے پہلی سیڑھی اسلامی اخوت ہے۔ مسلمان ممالک، مسلمان ریاستیں، مسلمان جماعتیں مسلمان ادارے پہلے خود ایک ہو جائیں۔ اپنا اتحاد و یگانگت اور اس کے ثمرات و نتائج کو دنیا کے سامنے رکھیں۔ اور پھر انسانیت عامہ کو باہمی جنگ و جدال کے جہنم زاروں سے نکال کر محبت و رواداری کے لالہ زاروں کی طرف لائیں۔

دارالعلوم علمی اور فکری انداز میں علماء اور عوام کی تربیت کے لئے کچھ نئے شعبوں نئی تحریکات اور نئے اقدامات کی بھی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اس نے اپنے نصاب تعلیم میں وقتاً فوقتاً کچھ ترقیات کی بھی ہیں مگر اب پورے عالم اسلامی کو ایک نقطۂ اتحاد پر جمع کرنے کے لئے اسے ایک نصاب تعلیم، ایسا نظام اور ایسا حلقہ بنانا ضروری ہے جو ہر اسلامی ملک کی اپنی اپنی ضرورتوں کو پورا بھی کر سکے۔ اور

سب سے پہلے جو ایک ایسا رشتہ استوار کر سکے
جیسا کہ تسبیح کے دانوں کا باہم ایک رابطہ ایک تعلق
ہوتا ہے۔ تسبیح کا ہر دانہ اپنا ایک ایک جدا وجود ایک
شخصیت رکھتا ہے مگر رشتۂ تسبیح میں آجانے کے
بعد وہ سب دانے ایک ہو جاتے ہیں اور ان کا ایک ہی
نام اور ایک ہی عمل ہوتا ہے۔

تعلیم و تدریس اور تربیت کے انداز
.... میں یکساں صورت، یکساں زندگی، یکساں
ذہن، یکساں خیال پیدا کرنے کیلئے سب سے اہم
تجویز مدارسِ اسلامیہ کے ایک باہمی وفاق کی ہے
اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ مقامی اور .... ملکی
طریقہ پر پہلے ان تمام اداروں کو ایک فکر اور ایک
مقصد پر جمع کر لیا جائے جو صرف ملتِ اسلامیہ میں
قدیم اور عصری اسلوب کو پھیلانے ہی کے ذمہ دار
نہیں بلکہ سیرت سازی اور شخصیت سازی کے
سب سے بڑے کارخانے اور ادارے ہیں۔ وفاقِ مدارس
کی تجویز اگر صحیح شکل میں صورت پذیر ہو جائے تو
مدارسِ اسلامیہ کا ایک نصاب، ایک نظام، ایک
مقصد اور ایک زندگی بن سکتی ہے اور ان درسگاہوں
میں تعلیم پانے والے افراد یکساں فکرِ اسلامی کا ایک
نمونہ بن کر پورے عالمِ اسلام اور پوری دنیائے
انسانیت کو اتحاد، اجتماعیت و یگانگت کا سبق
دے سکتے ہیں۔ وفاق مدارس کی تحریک کے بہت سے
فوائد ہیں جن میں سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی یقینی ہے
کہ ان سب مدارس کی طاقت جیسے اس وقت
مختلف دائروں میں بٹی ہوئی ہے آئندہ ایک جگہ جمع
ہوگی، منظم ہوگی اور زیادہ مؤثر ہوگی۔ اجلاس
صد سالہ کے موقع پر دارالعلوم نے جو تجاویز پیش
کی ہیں، میں ان سب کو بہت ضروری اور ....
تجویز سمجھتا ہوں لیکن ان میں سب سے زیادہ دلکش
تجویز جو میرے لئے ہے وہ وفاقِ مدارسِ اسلامیہ کی
ہے اور سچائی کے ساتھ میری رائے یہ ہے کہ وفاقِ
مدارسِ اسلامیہ کا کام جتنی خوش اسلوبی کیساتھ
دارالعلوم انجام دے سکتا ہے اور جس طریقہ
پر وہ اس کے مختلف گوشوں پر کنٹرول کر سکتا ہے
اس طرح کوئی اور درسگاہ نہیں کر سکتی۔

ایک تجویز یہ بھی ہے کہ مدارسِ اسلامیہ کے لئے
نئے اساتذہ تیار کئے جائیں اور صلاحیت مند اور باشعور
افراد کو استاذی اور معلمی کی تربیت دی جائے عصری اور
انگریزی تعلیم کے نظام میں تو ٹریننگ اسکولوں اور
کالجوں کا رواج عام ہے جسمیں لوگوں کو بتایا جاتا ہے کہ
کس طرح لڑکوں کو تعلیم دیجائے۔ دارالعلوم دیوبند
میں پہلے ایک شعبہ مستقل معین المدرسین کا تھا جسمیں
ہونہار فضلاء کو باقاعدہ تنخواہ دیکر انہیں مختلف علوم
وفنون پڑھانے کا موقعہ دیا جاتا تھا اور ان کی علمی
استعداد کو پختہ بنایا جاتا تھا اب واقعہ یہ ہے کہ...
مدارسِ عربیہ اور دینیہ ہزاروں کی تعداد میں ملک کے
کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں مگر ذی استعداد
مدرسین کا فقدان ہے ایسے مدرس جو اپنی ذہانت...
اور محنت کو صرف کر کے مد شوق طلبہ میں علم کی دلچسپی
اور ذہنی طور پر کوئی اچھی صلاحیت رکھنے والے..
لڑکوں میں علمی استعداد پیدا کر سکیں۔ یہی وجہ ہے
کہ مدارس کی عام تعلیمی حیثیت نمایاں اور قابلِ
اعتماد نہیں۔ اور ان مدارس سے جتنے لوگ پڑھ کر باہر
آتے ہیں وہ مسلمانوں کی علمی، تہذیبی اور سماجی
ضرورتوں کو اچھی طرح انجام نہیں دے سکتے۔ اگر
دارالعلوم نے اس تکلیف دہ صورتِ حال کو بھانپا
اور اسکی سفارش کی کہ اساتذہ کیلئے ایک تربیت گاہ

تا [illegible] اور علم سے نئی نسل کو [illegible] کیا اور انہیں درس و تدریس اور تربیت کے جدید و قدیم اصولوں سے باخبر کیا گیا تو انشاءاللہ مدارس اسلامیہ کی ایک بڑی ضرورت پوری ہوگی اور ملک کے کل مدارس عربیہ کا معیارِ تعلیم بلند ہو سکے گا۔

دارالعلوم کی طرف سے یہ سب خوش آئند اور خوش گوار تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم کے لئے ایسے حالات پیدا ہوگئے ہیں وہ ان تجاویز کو عملی شکل دے سکتا ہے۔ تحریک ابنائے قدیم جو دارالعلوم کی ان تجاویز کا ایک حصّہ ہے اگر دارالعلوم ہی کے دامنِ فیض میں پروان چڑھ جائے تو ابنائے قدیم اپنے تجربہ اور بصیرت علمی کی روشنی میں ان سب تجاویز کو آگے بڑھا سکتے اور دارالعلوم سے یہ تقاضا کر سکتے ہیں کہ وہ ان تجاویز کو جلد بروئے کار لائے۔ بڑی ضرورت اس کی ہے ان سب تجاویز کو اداروں اور شعبوں کی شکل دینے کیلئے افرادِ کار کا دائرہ وسیع کر لیا جائے ان کاموں کو پورا کرنے کے لئے اگر حلقۂ دیوبند سے باہر کے افراد سے اشتراکِ عمل کی ضرورت ہو تو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے۔ نئے کاموں کیلئے فضا یکسر علمی اور تعمیری ہونی چاہیئے لیکن وہ کسی خاص مکتبِ فکر کا ترجمان بن کر نہ رہ جائے ہر ایک شعبہ سے متعلق موزوں افراد کا انتخاب ہو ان کی خدمات حاصل کر کے ایسی فضا میں انہیں کام سونپے جائیں کہ وہ کام کے دوران کسی طرح کی کوئی گھٹن محسوس نہ کریں۔ علمی اور تعمیری اداروں میں جس طرح ذہنی اور دماغی طور پر ایک آزادانہ فضا پیدا کی جاتی ہے وہ فضا یہاں قائم کی جائے۔

تحریک ابنائے قدیم کے سلسلہ میں دارالعلوم نے [illegible] مولانا [illegible] قاسمی۔ مولانا مفتی ضیاء الحق [illegible] اور محترم مولانا جمیل الرحمٰن پرتاپگڑھی کی خدمات حاصل کی ہیں۔ میں اس انتخاب کی تائید کرتا ہوں یہ سب حضرات دارالعلوم کے ابنائے قدیم ذی شعور اور باصلاحیت افراد ہیں۔ ایک ایسے شخص نے جسکے ذاتی حالات کا مجھے علم ہے اپنی کم علمی سے اپنے چند بے ربط سطروں میں لکھا ہے کہ دارالعلوم نے بے روزگاروں کا روزگار فراہم کر دیا ہے بات بہت گری ہوئی ہے لیکن ان صاحب کو اسکے سوا اور کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا ہے کہ یہ صرف آپ کی بے روزگاری ہے جس نے ان حضرات کو کام میں لگتے ہوئے حسد محسوس کیا ورنہ واقعہ یہ ہے کہ یہ سب حضرات اپنی اپنی جگہ پر ممتاز... حیثیت میں کام کر رہے ہیں اور یہ نہایت گندہ جھوٹ ہے کہ یہ سب بے روزگار رہتے دارالعلوم نے ایک روزگار میں لگا دیا۔

کچھ حلقوں سے یہ آواز آرہی ہے کہ یہ اجلاس بے معنی اور بے مقصد تھا محض ایک ہلڑ بازی اور ہنگامہ آرائی تھی۔ جس پر خواہ مخواہ لاکھوں روپیہ خرچ کیا گیا۔ ایسی نکتہ چینی کرنے والے اصحاب ذرا عجلت سے کام لے رہے ہیں۔ یہ بات سب کے سامنے کھل کر آچکی ہے کہ دارالعلوم نے کافی علمی اور عملی منصوبے بنائے ہیں جن کا اجمالی ذکر حضرت نے اپنی اس تحریر سے کیا ہے۔ یہ منصوبے جادو کے کرشمے نہیں کہ چھو منتر کر کے کوئی جادوگر صاف زمین میں آم کا پودا لہلہاتا دکھا دے بلکہ محنت طلب اور طویل المدت منصوبے ہیں جنہیں عملی جامہ پہنانے کے لئے دارالعلوم نے ابھی سے کام شروع کر دیا ہے

دعوتِ تازگیِ فکر و نظر

از حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ اس پارٹی کا اصل الاصول یہ ہے کہ تمہاری موافقت اور مخالفت۔ تائید اور تردید۔ دوستی اور جنگ اتحاد اور اختلاف ہر چیز نفسانیت سے پاک اور اشخاص یا جماعتوں کی الفت و عداوت سے قطعاً مبرا ہو۔ خدا کے دیئے ہوئے علم اور اس کی بخشی ہوئی فکر و نظر کو ان تمام رنگین عینکوں سے پاک رکھو جو بات حق پاؤ اسے بے تامل قبول کرو۔ جو غلط دیکھو اُسے بے تامل رد کر دو۔ جو سیدھے راستے پر جا رہا ہو اُس کا ساتھ دو۔ جو غلطی کا مرتکب ہو۔ بیلاگ انصاف کے ساتھ اس کو خطاوار ٹھہراؤ اور راہ راست پر لانے کی کوشش کرو۔ جن کی موافقت کرو صرف اس حد تک کرو جس حد تک وہ حق اور صداقت پر ہوں اور جس سے اختلاف کرو صرف اس حد تک کرو جس حد تک وہ غلطی پر ہو۔"

"ہر وہ شخص جس کو دین و ملت کی حقیقی خدمت کرنی ہو اس کے لئے لازم ہے کہ اپنے اندر یہی اصلاحی ذہنیت پیدا کرے۔ اس کو کسی پارٹی یا گروہ کے ساتھ ایسا معاہدہ نہ کرنا چاہیئے کہ ہر خطا و صواب اور صعب و سہل میں اس کی موافقت کرے گا۔ اور نہ کسی کے خلاف یہ عہد کرنا چاہیئے کہ تمام امور میں اس کی مخالفت کرے گا۔ اس کو قائم بالقسط اور شہید للہ ہونا چاہیئے۔ اس کو اوثق عری الایمان پر قائم ہونا چاہیئے اس کا عدل بے لاگ ہونا چاہیئے۔ اس کی.... حق پرستی پارٹیوں اور اشخاص کی محبت و عداوت سے بالکل پاک ہونی چاہیئے۔ وہ صرف حزب اللہ کا ممبر بن کر رہے۔ ہر صحیح بات کی موافقت کرے۔ خواہ وہ کسی کی طرف سے پیش ہو اور ہر غلط بات کی مخالفت کرے بلا لحاظ اس کے کہ اس کا پیش کرنے والا کون ہے۔ جس حد تک کوئی شخص یا جماعت حق پر ہو وہ بھی اس کے ساتھ رہے اور جہاں کوئی راہِ راست سے ہٹے وہ نہ صرف اس سے الگ ہو جائے۔ بلکہ اس کو حق کی طرف کھینچ لانے میں پورا پورا حق ادا کرے، مگر مخالفت ہو یا موافقت دونوں میں۔ اُسے ٹھیک ٹھیک عدل اور حق پرستی کو ملحوظ رکھنا چاہیئے تاکہ وہ خود ظالمین میں شامل نہ ہو جائے۔"

"گروہ بندی ضد پیدا کرتی ہے اور ضد میں انسان حق و باطل کی تمیز کھو دیتا ہے کس قدر شرم کی بات ہے کہ.. ایک گروہ کے لئے آپ کے نزدیک جو اصول حق ہوں۔ دوسرے گروہوں کیلئے انہی کو آپ باطل ٹھہرائیں۔

(ترجمان القرآن شعبان ۱۳۵۷ھ)

مسلمانوں کا وقار دنیا پرستوں [illegible] پر قایم نہیں ہوتا کہ تنقید سے اس کو صدمہ پہنچنے کا خوف ہو اور وہ ناقدوں کے منھ بند کرتا پھرے۔ اس کے وقار کی بنیاد حق کے سوا کسی دوسری چیز پر نہیں ہوتی اس لیے وہ تنقید سے ڈرتا نہیں بلکہ اپنے آپ کو برملا تنقید کے لیے پیش کرتا ہے اور حجت سے اپنا برسرِ حق ہونا ثابت کر دیتا ہے۔ اس کے وقار کو تو اس وقت بھی صدمہ نہیں پہنچتا جب وہ امیرِ قوم کی حیثیت سے منبر پر کھڑا ہو اور ایک معمولی آدمی اُٹھ کر اس سے پوچھے کہ یہ چادر تو کہاں سے لایا؟ وہ اس محاسبہ پر جھنجھلانے کے بجائے اس کا جواب دیتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک جس شخص کا حساب بیباق ہو اس کو محاسبہ سے باک نہ ہونا چاہیے اور اس کا وقار محاسبہ کی چوٹ پڑتے ہی ٹوٹ پھوٹ جائے اس کے وقار کا ٹوٹ جانا ہی اچھا ہے نہیں بلکہ مسلمان کو علانیہ پبلک میں ایک معمولی بڑھیا کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے بھی وقار کے کھوئے جانے کا خوف نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے نزدیک غلطی پر قایم رہ کر آخرت میں اپنا وقار کھونے سے یہ لاکھ درجے بہتر ہے کہ غلطی مان کر دُنیا میں وقار کھو دیا جائے۔"

(ترجمان القرآن جمادی الاولیٰ سنہ ھ
م جولائی ۳۸ء)

دوسروں کی چیرہ دستیوں اور جارحانہ کارروائیوں پر شکوہ سنج ہونا اور اپنی کمزوریوں اور غلطیوں سے نہ صرف غفلت برتنا بلکہ اُن کے لیے جواز واستحسان کے دلائل ڈھونڈنا بہت خوشگوار چیز ہے جس سے دل خوب بہلتا ہے مگر اسکی حیثیت

ہمارے اخلاق کی سی ہے جو ایک جسم جس کے نشے میں مریض سو تو جاتا ہے مگر وہ انفعالی خرابیاں دور نہیں ہوتیں جن کے سبب سے بیرونی آفات کو اس پر تسلط حاصل ہوا ہے۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم)

"جماعت کے ارکان کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ایک بہت بڑا دعویٰ لے کر بہت بڑے کام کے لیے اٹھے ہیں۔ اگر اُن کی سیرتیں ان کے دعوے کی نسبت سے اس قدر پست ہوں کہ نمایاں طور پر ان کی پستی محسوس ہوتی ہو تو وہ اپنے آپ کو اور اپنے دعوے کو مضحکہ بنا کر رکھ دیں گے۔ اس لئے ہر شخص کو جو اس جماعت میں داخل ہو اپنی دہری ذمہ داری محسوس کرنی چاہیے۔ خُدا کے سامنے تو وہ بہرحال ذمّہ دار ہے مگر خلقِ خُدا کے سامنے بھی اس کی ذمّہ داری بہت سخت ہے جس بستی میں بھی آپ لوگ موجود ہوں۔ وہاں کی عام آبادی سے آپ کے اخلاق بلند ہونے چاہییں۔ بلکہ آپ کو بلندیٔ اخلاق۔ پاکیزگیٔ سیرت اور دیانت و امانت میں ضرب المثل بن جانا چاہیے آپ کی ایک معمولی لغزش نہ صرف جماعت ... کے دامن پر بلکہ اسلام کے دامن پر دھبہ لائے گی۔ اور آپ بہت سے لوگوں کے لئے گمراہی کا سبب بن جائیں گے۔ (روداد جماعت حصہ اوّل)

تجلی حق کی خاطر اپنوں اور بیگانوں سے انتھک لڑائی لڑ رہا ہے — تجلی کی اعانت کر کے حق پسندی اور حق نوازی کا ثبوت دیجئے —

مولانا عامر عثمانیؒ

آیات و روایات

ایک آیت کی بحث

سوال :- (نام ندارد) کریم نگر اے۔پی۔

... پر سورۂ نساء آیت ۳۳ کے تحت علمی گفتگو کے بعد آپ نے جس مفہوم و ترجمہ کو راجح قرار دیا ہے۔ اس میں "موالی" بمعنی حصہ لیا ہے۔

عربی زبان میں کبھی کہیں اور کبھی بھی موالی بمعنی نصیب نہیں آیا۔ آپ سوچیں یہ بات کہاں تک مناسب ہوگی کہ ہم اپنے کسی مفہوم کو مرجح قرار دینے کے لئے کسی لفظ کی گردن مروڑ دیں سیدھے طریق پر یہ کیوں نہیں کہا جاسکتا کہ کلٍ بمعنی کل احد ہے اور جعلنا کا پورا جملہ فعلیہ کلٍ کی صفت ہے دانی بمعنی ورثہ ہے اور یہ کلٍ والا پورا جملہ خبر مقدم ہے نصیبٌ جو مبتدا مؤخر محذوف کا اس ترکیب کی رو سے مفہوم وہی ہوگا جو موالی کے قتل عام سے آپ بنانا چاہتے ہیں۔ اس ترکیب پر غور و فکر کے بعد اپنی رائے تجلی میں ظاہر فرمائیں۔ نیز آیت کے آخری ٹکڑے کی بھی تفسیر فرمادیں میں سخت خلجان میں مبتلا ہوں۔

جواب :-

یہ آپ نے درست فرمایا کہ لغۃً موالی کا ترجمہ نصیب (حصہ) نہیں ہوتا۔ ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ موالی جمع اور نصیب واحد ہے۔

لیکن ہمارا منشاء فی الحقیقت یہ تھا کہ لفظ "نصیب" کو مقدر مان لیا جائے جیسا کہ صاحب روح المعانی علامہ آلوسیؒ نے بعض سلف سے نقل کیا ہے اور جیسا کہ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں ذکر فرمایا ہے۔ مقدر مان کر جو ترجمہ ہم نے کیا تھا وہ یہ ہے:

"اور ہر شخص کے لئے ہم نے حصہ مقرر کر دیا ہے اس مال میں جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ مریں"

اس ترجمہ میں لفظ موالی کا ترجمہ موجود نہیں بلکہ اسکی جگہ حصہ نے لی ہے۔ یہی بات ہم نے ان الفاظ میں کہی تھی کہ:-

... موالی کا ترجمہ نصیب کر لیا جائے دراصل ہماری بڑی دشواری یہ ہے کہ گفتگو ہم کسی مجلسِ علمی یا محفلِ علماء میں نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ ایک ایسے جریدے کے صفحات پر کر رہے ہیں جس کے پڑھنے والوں کی غالب اکثریت عربی اور اسکی گرامر اور اس کے محاورات وغیرہ سے ناواقف ہے وہ فن کے بعض سادہ الفاظ بھی تشریح کے بغیر نہیں سمجھ سکتی۔ مثلاً "تقدیرِ کلام" علم النحو کی ایک عام اصطلاح ہے۔ لیکن عام لوگ اسے نہیں سمجھ پاتے۔ اگر یہ دشواری نہ ہوتی تو ہم ہرگز یہ بات نہیں کہتے کہ "موالی" کا ترجمہ ورثاء نہیں بلکہ نصیب (حصہ)

کیا جاتے۔ بلکہ یوں لکھتے کہ "نصیب کا لفظ مقرر مان لیا جاتا"۔ ہماری دشواری کا آپ احساس فرما لیتے تو بطور ترجمہ قتل عام اور گردن مروڑنے کے الفاظ استعمال نہ کرتے۔
صاحب روح المعانی علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:-

ولکل قوم جعلناهم (موالی)
نصیب مما ترکه والداهم
واقربوهم۔

(روح المعانی ج ۵ ص ۲۱)

اور ہر قوم کیلئے ہم نے بنائے ہیں وارث کہ
ان کا حصہ ہے اس مال میں جو ان کے والدین
اور رشتہ دار چھوڑ گئے۔

یعنی انھوں نے (موالی) کو جعل کا مفعولِ ثانی بنا تو ہوئے بریکٹ میں قائم رکھا اور ضمیر "ھم" محذوف مان کر اسے مفعول اول بنایا۔ بات بالکل درست لیکن اردو ترجمہ میں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم نے جو ترجمہ کیا تھا وہ ابھی نقل ہوا۔ دیکھ لیجئے کیا یہ آیت کے منشاء اور مدعا سے پوری مطابقت نہیں رکھتا؟ اگر رکھتا ہے اور یقیناً رکھتا ہے تو یہ بھی دیکھ لیجئے کہ اس میں موالی کی جگہ "حصہ" نے لی ہے۔ گویا لفظ "حصہ" موالی کے ترجمے کے طور پر نظر آ رہا ہے۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ جناب کے نفسِ اعتراض کی ہم تائید کریں گے یعنی موالی کا لغوی ترجمہ "حصہ" اور "نصیب" نہیں ہوا کرتا اور یہ بھی ہم اعتراف کریں گے کہ بات کو عام فہم بنانے کے لئے ہم نے الفاظ ایسے لکھ دیئے ہیں جو قابلِ اعتراض ہیں مگر شکوہ بھی آپ سے یہی ہے کہ تعریض آپ نے اس لب و لہجے میں نہیں کی جس میں تبصرہ ہے بھول چوک، تسامح، سہو، سبقت قلمی یا بے خیالی جیسا کوئی لفظ آپ اپنے اعتراض کا عنوان بنا لیتے تو اس علمی امانت کے مطابق ہوتا جو اس تبصرے ملحوظ رکھی گئی ہے۔

آیت کے آخری ٹکڑے وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ میں آپ کو سخت الجھن کیوں ہے نہیں

بحث آیا۔ فرمایا گیا ہے کہ:

"اور جن لوگوں سے تم نے عہد و پیمان
کر رکھا ہے۔ انھیں [illegible]
ان کا حصہ فرمادو۔"

مفسرین نے حضرت [illegible] سے نقل کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے عہد میں [illegible] ہوا کرتا تھا کہ ایک شخص دوسرے شخص سے دوستی کرتا تو اس طرح کی باتیں کرتا کہ میرا تیرا خون ہے میرا مال تیرا مال ہے، تو میرا وارث ہوگا اور میں تیرا۔ یہ گویا عہد و پیمان ہوا کرتا۔ اسلام نے ابتداءً اس عہد و پیمان کو [illegible] جو کوئی مرے اس کے تمام مال کا چھٹا حصہ [illegible] وراثت میں پہنچے۔ یہ دراصل اس لئے تھا کہ اس وقت تک اسلام لانے والے بہت کم تھے۔ زید اسلام لے آیا ہے تو اس کے بہت اعزہ کافر ہی ہیں۔ حضورؐ ایسا کرتے کہ کسی اور مسلمان سے اس کا رشتۂ اُخوت قائم کر دیتے۔ پھر ان میں ایک دوسرے کی میراث جاری ہوتی۔ اس کے بعد لوگوں کے قبولِ اسلام میں اضافہ ہوا تو اللہ کی طرف سے ترمیم یہ ہوئی کہ عہد و پیمان کی صورت میں صرف چھٹا حصہ وراثت میں پہنچے گا۔ اس کے بعد قبولِ اسلام میں اور اضافہ ہوا، تو سورۂ انفال کی ایک آیت نے اس چھٹے حصے کو بھی منسوخ کر دیا اور قانون یہ قرار پایا کہ وراثت تو صرف رشتہ داروں ہی کے لئے ہے ہاں عہد و پیمان کو یا تو زندگی ہی میں پورا کیا جانا چاہئے یا پھر ⅓ مال کی حد تک وصیت کی جائے۔ یہ قانون جب سے اب تک جوں کا توں موجود ہے۔ آج زید اگر بکر سے وعدہ کرتا ہے کہ میں تجھے ایک ہزار روپے دوں گا تو اسے چاہئے کہ وعدہ پورا کرے۔ یا کسی وجہ سے زندگی میں پورا نہ کر سکا تو وصیت کر جائے بشرطیکہ اس کا ترکہ تین ہزار سے زائد ہے۔

جس "عقد" کا آیت میں ذکر ہے وہ عقدِ موالاۃ کہلاتا تھا دونوں میں سے ہر فریق کو مولی الموالاۃ کہتے

تھے کہ ایمان بھی جہاں سے کہ ید ملی آ گئے ہیں۔ ماہنامہ اتحاد قسم ۔ اہل فن نے ترتیب یہاں معنی اوّل کو دی ہے۔ گویا ید سے ہاتھ اشارہ ہے عہد وپیمان کی مضبوطی کی طرف۔

امام ابوحنیفہ کا مسلک آج بھی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کے ہاتھ پر ایمان لائے اور دونوں عہد کریں کہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ پھر دونوں میں سے ایک مر جائے۔ اور اس کا کوئی شرعی وارث زندہ نہ ہو تو تمام ترکہ دوسرے کو (مولی الموالاۃ کو) پہنچ جائے گا یہ مسلک اس آیت کے خلاف نہیں ہے جس نے مولی الموالاۃ کی وراثت کو ختم کر دیا تھا۔ اس لئے خلاف نہیں ہے کہ اس میں اولوالارحام کا ذکر موجود ہے۔ یعنی مرنے والے کے عصبات موجود نہ ہوں بلکہ فقط اولوالارحام موجود ہوں تب بھی وہی ترکہ کے حقدار ہوں گے ۔ مولی الموالاۃ کی وراثت اس صورت میں ہی منسوخ ہوتی ہے جب کہ مورث کا کوئی بھی وارث موجود ہو۔ اولوالارحام آخری درجے کے وارث ہیں۔ جب وہ بھی موجود نہیں تو اس عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ والی آیت کا حکم اپنی جگہ بحال رہا اور کسی بھی آیت نے اسے منسوخ نہیں کیا۔

اس توضیح کے بعد بھی آپ کو اگر کوئی الجھن لاحق خلجان ہو تو بخوشی اسے پیش فرما سکتے ہیں۔ ہم اپنی بساط بھر ازالہ کی کوشش کریں گے۔ واللہ المعین۔

نوٹ :۔ آپ نے اپنا نام خط میں نہیں لکھا۔ ایسے خطوط کو ہم لائق اعتبار نہیں سمجھتے۔ اب تو جواب دے دیا ہے لیکن آئندہ لکھیں تو نام کے ساتھ لکھیں ورنہ جواب کی امید نہ رکھیں

مولانا آزاد کا ایک ترجمہ

سوال :-

مولانا آزاد کا ترجمان القرآن، مطبوعہ زمزم کمپنی لمیٹڈ، لاہور، صفحہ ۳۷۲ سورۂ نساء کی ۴۳ ویں آیت کے ترجمہ کا ایک حصہ یوں ہے :۔

"..... اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو
یا تم سے کوئی آدمی جائے ضرورت
سے فارغ ہو کر آئے۔ یا ایسا ہو کہ
تم نے عورت کو چھوا ہو (یعنی زناشوئی
کی بات ہوئی ہو) اور (وضو
اور غسل کے لئے) پانی نہ ملا ہو۔ تو اس
صورت میں چاہئے کہ پاک زمین سے
کام کرلو......"

یہاں سوال صرف اس قدر ہے کہ قوسین میں جو لفظ زنا استعمال کیا گیا ہے وہ کیا معنی رکھتا ہے اگر زنا کی جگہ صحبت یا مباشرت کہا جاتا تو چھوا ہو کا مطلب ادا نہیں ہو سکتا تھا کیا اور زنا اور مباشرت میں باہمی فرق نہیں ہے کیا؟

جواب :-

ہمارے پاس اس وقت مولانا آزاد کی تفسیر موجود نہیں ہے ورنہ اپنی عادت کے مطابق آپ کی نقل فرمودہ عبارت سے اسے کھول کر ضرور دیکھتے لیکن اس بدگمانی کی وجہ بظاہر کوئی نظر نہیں آتی۔ کہ آنجناب نے صحیح نقل نہ کیا ہو، اس نقل کو درست ہی مان کر جواب عرض کرتے ہیں۔

مولانا آزاد علیہ الرحمۃ بہت بڑے عالم اور دانشور تھے ان کی کسی تحریر میں نقص نکالنا ہم جیسے بدبضاعتوں کا کام نہیں ہے۔ لیکن جب سوال سامنے آ ہی گیا ہے تو اپنے فرض کی دیانتدارانہ ادائیگی میں ہمیں مجبوراً کہنا پڑ رہا ہے کہ یہاں ان سے ایک نہیں دو لغزشیں ہوئی ہیں۔

ایک یہ کہ انھوں نے اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ کا صحیح ترجمہ کرنے کے بعد بریکٹ میں وہ مفہوم دیا۔ جو

فی الحقیقت ترجمہ شیخ الہند کا ہو یا عبد الماجد کا ہے یعنی عورت کے
ساتھ صحبت اور دوسری یہ کہ صحبت کیلئے " ذنا شوئی " کا
لفظ استعمال کیا۔

پہلی لغزش میں وہ تنہا نہیں ہیں۔ بلکہ بعض بڑے
بڑے مفسرین سے بھی یہی لغزش ہوئی ہے مگر بعض بڑے
لوگوں سے کسی لغزش کا سرزد ہو جانا ظاہر ہے کہ لغزش
کو صحت میں تبدیل نہیں کر دیتا۔

معاملہ مولانا آزادؒ جیسے وحید العصر کا ہے اس لئے
گفتگو ذرا ہم تفصیل سے کریں گے۔

قرآن یہاں بعض ایسی صورتیں بیان کر رہا ہے جن
میں پانی میسر نہ آنے پر تیمم کی اجازت ہے پانی کی ضرورت وضو
میں بھی پڑتی ہے۔ اور غسل میں بھی۔ وضو اور غسل دونوں میں
تیمم کفایت کرتا ہے لیکن یہ آیت وضو یا غسل کی وضاحت
نہیں کرتی۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى	اور اگر ایسا ہو کہ تم بیمار ہو
سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ	یا سفر میں ہو یا کوئی تم سے
مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ	قضائے حاجت کر کے آئے
فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا	یا تم نے عورتوں سے لمس
صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا	کیا ہو اور پھر اسے پانی میسر
بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ۔	نہ آئے تو پاک مٹی سے فائدہ
	اٹھاؤ اور اس سے اپنے
	چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو

یہاں اگر لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ کے معنی صحبت و
مباشرت کے لے لیں تو یقیناً ماننا ہوگا کہ تذکرہ غسل کا ہے لیکن
اس کو چھونے تک محدود کہیں تو پھر اس کا تعلق اسی طرح وضو
سے بھی ہو سکتا ہے جس طرح مرض یا سفر یا قضائے حاجت
کا تعلق وضو سے ہے۔

ہمارا مطلب یہ نہیں کہ [illegible]
تک محدود ہے [illegible]

[illegible]
تعلق ہے اس میں غسل کا حکم صراحتہً موجود نہیں ہے امام شافعیؒ
اور امام مالکؒ کے نزدیک۔ اور بقول مشہور امام احمدؒ کے
نزدیک بھی عورت کو مطلق چھو دینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے
لہٰذا ان کے نقطۂ نظر سے اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ
اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے نقطۂ نظر سے یہاں لمس کا
مطلب صحبت نہیں ہے بلکہ صرف چھو لینا بھی ہو سکتا ہے۔

ہم احناف عورت کو چھو لینے سے وضو ٹوٹ جانے
کے قائل نہیں اور ہمارے دلائل بھی مقابلتہً کافی قوی ہیں۔
لہٰذا ہمارے نزدیک تو یہاں لمس سے مراد یقیناً صحبت و
مجامعت ہی ہو سکتی ہے لیکن احتیاط اور علمی رواداری کا
تقاضہ یہ ہے کہ ہم اپنی رائے کو تفسیر میں ظاہر کریں نہ کہ ترجمے
میں۔ کوئی حنفی مفسر اگر تفسیر کرنے نہیں بیٹھا بلکہ صرف ترجمہ
قرآن پر اکتفا کر رہا ہے تب تو اس کے لئے جائز ہے۔ کہ
لٰمستم النساء کا ترجمہ ایسا کرے جو صحبت کے معنیٰ
متعین کرنے والا ہو۔ اس طرح وہ اپنے مسلک کا اظہار
کر سکے گا۔ لیکن جو حنفی تفسیر بھی ساتھ ساتھ کر رہا ہو اسے
ایسا ترجمہ نہیں کرنا چاہیے جو ان الفاظ کی گنجائش کو محدود
کر کے صرف مجامعت میں منحصر کر دے۔ کیونکہ ایسا کرنا بعض
صحابہؓ اور بعض ائمہؒ کے حق میں ظلم ہوگا۔ یہ حضرات اگر لمس
مراد یہاں صرف چھونا لے سکتے ہیں تو اس سے ظاہر ہے کہ
الفاظ قرآنی میں اس کی گنجائش موجود ہے ان حضرات کے
بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن کے کسی لفظ
کے وہ معنی لیں گے کہ جس کی گنجائش زبان و لغت کی رو سے نہ
ہو چنانچہ عبداللہ ابن مسعودؓ کا یہ قول منقول ہے کہ بوسہ بھی لمس
میں داخل ہے اور ابن عمرؓ بھی اسے لمس میں شامل سمجھ کر وضو
ٹوٹ جانے کے قائل تھے۔ امام شافعیؒ وغیرہ لٰمستم کی دوسری
قرأۃ (لَمَسْتُمْ) کی [illegible] کہتے ہیں کہ خود قرآن میں [illegible]
[illegible] کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ [illegible]

کتابانی قدرطاہیں مکشوہ مایہ ہے۔ نیز وہ اس حدیث کو شہادۃ میں پیش کرتے ہیں جس میں خود حضورؐ نے لمس کو چھونے کے معنی میں استعمال فرمایا ہے (لمَسَتْ) عام بول چال کی بھی متعدد نظیریں وہ پیش کرتے ہیں۔ مثلاً شاعر کا مصرعہ ہے۔:-

وَلَمَسْتُ کفّی کَفَّہٗ اطلب الغنیٰ

(اور میرے ہاتھ نے اس کے ہاتھ کو چھوا۔ میں دراصل تونگری کا طالب تھا۔

یہ نمونۃً چند دلائل ہیں ورنہ یہ حضرات اور بھی دلائل پیش کرتے ہیں ہمارے نزدیک بلاشبہ ان کے دلائل کمزور ہیں۔ لیکن ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ عین ترجمۂ قرآن میں ہم اپنی رائے کو اس طرح ظاہر کریں۔ کہ اسے عین قرآن سمجھا جائے۔ اور ان اکابرین پر خلافِ قرآن رائے قائم کرنے کا الزام آئے۔ ہاں تفسیر میں ہم بہ اطمینان تفصیل پیش کرسکتے ہیں اور شد ومد سے کہہ سکتے ہیں کہ یہاں لمس سے مراد چھونا نہیں مجامعت ہے۔

اسی لئے ہم مولانا آزادؒ کے بریکٹ کو لغزش سے تعبیر کر رہے ہیں۔ دوسری لغزش کا جہاں تک تعلق ہے وہ بدیہی ہے "زنا" محاورے میں حرام مجامعت کو کہتے ہیں، بیوی سے مجامعت پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا حالانکہ آیت میں حقیقۃً تو بیوی سے یا پھر باندی سے مجامعت کا ذکر ہے۔ تاہم ضعیث ظاہری الفاظ پر رُک جائیے۔ تو بہرحال جائز اور ناجائز کا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ لمس حرام وحلال دونوں صورتوں کو شامل ہے لہذا مجامعت ومباشرت یا صحبت یا ہم بستری کوئی بھی لفظ ... استعمال کر لیا جاتا وہ دونوں کا جامع ہوتا۔ ان میں سے ہر لفظ بیوی یا باندی کے لئے بھی اسی طرح مستعمل ہے جس طرح کسبی اور داشتہ کے لئے۔

اللہ تعالےٰ مولانا آزادؒ کو جنت الفردوس میں جگہ

جگہ دے۔ بہت بڑے عالم اور فہیم وذکی تھے۔ مگر لغزش وخطا سے کون بشر خالی ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

مولانا آزادؒ کا دوسرا ترجمہ

سوال:- (ایضاً)

اسی تفسیر ترجمان القرآن میں سورۂ بقر کی ۶۵ ویں آیت میں "السبت" کے ترجمے کے سلسلے میں بتایا گیا کہ "ذلیل وخوار بندروں کی طرح ہو جاؤ ....." تو کیا اب جو بندر ہیں انھیں کی اولاد ہیں۔ یا ان میں (مطلب ہیں) کوئی اور بات چھپی ہے۔؟

جواب:-

اس واقعہ کی نسبتاً زیادہ تفصیل سورۂ اعراف رکوع ۲۱ میں آئی ہے جن لوگوں نے یوم السبت (سنیچر) کے احکام کی خلاف ورزی کی انھیں اللہ نے بطور سزا بندر بنا دیا تھا۔

دونوں مقامات پر اللہ تعالےٰ کے یہ الفاظ ہیں:-

کُوْنُوْا قِرَدَۃً خَاسِئِیْنَ۔ ہو جاؤ بندر ذلیل

یہ مسخ جسمانی تھا یا صرف ذہنی وقلبی۔ اس میں اختلاف ہے۔ ایک جلیل القدر تابعی حضرت مجاہدؒ کا خیال یہ ہے کہ ان کے جسم نہیں بلکہ ذہن وقلب بندروں جیسے کر دیئے گئے تھے لیکن جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ مسخ جسمانی تھا نہ کہ باطنی ونفسی۔

ہمارے نزدیک صحیح وقوی بات یہ ہے کہ جمہور مفسرین کی رائے درست ہے الفاظِ قرآنی اسی کی تائید کرتے ہیں اور بہت سی روایات بھی اسی کے حق میں ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کے فرمودات کی روشنی میں یہاں تک تفصیل دی ہے۔ کہ ان کے بندروں جیسی دُمیں نکل آئیں تھیں اور باقی جسم بھی چہرے سمیت بندروں کے سے ہو گئے تھے۔ البتہ پہچانے وہ اس حالت میں بھی جاتے تھے کہ یہ فلاں ہے اور یہ فلاں۔ گویا خدوخال کا ابتا

مناسب کچھ نہ کچھ مسخ کے بعد بھی موجود رہا تھا۔

حضرت ابن عباس رضؓ سے یہ بھی منقول ہو کہ وہ تین دن اسی حالت میں رہے پھر سب کے سب اس طرح ہلاک کر دیئے گئے کہ ان کا نام و نشان مٹ گیا ان سے کوئی نسل نہیں چلی اور یہ جو بندر دنیا میں پائے جاتے ہیں ان کا کوئی نسلی تعلق اس مُخذّب قوم سے نہیں بلکہ یہ اسی طرح بندر ہیں جس طرح گھوڑا گھوڑا اور بھیڑ یا بھیریا ہے۔

مولانا آزاد کا ترجمہ یہاں بھی قابل نظر ہے آیت میں کوئی تمثیلی لفظ موجود نہیں لہذا " بندروں کی طرح " کہنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ مولانا مرحوم کو یہ حق تو بلاشبہ تھا کہ جمہور مفسرین کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے مجاہدؒ کی رائے سے اتفاق کرتے اور مسخ کو اخلاقی و نفسی مسخ قرار دیتے نہ کہ جسمانی۔ مگر اس حق کا استعمال تفسیر میں موزوں تھا ترجمے میں نہیں۔ ترجمہ تو ٹھیک ایسا ہی ہونا چاہیئے جو الفاظِ قرآنی سے مطابقت رکھتا ہو۔

جب ہم کہتے ہیں کہ زید نے شیر کی طرح حملہ کیا تو اس کے واحد معنی یہ ہوتے ہیں کہ شیر جیسی شجاعت اور بیباکی سے حملہ کیا۔ یہ نہیں ہوتے کہ زید شکل و ہیبت کے اعتبار سے بھی شیر بن گیا تھا اسی طرح جب یہ الفاظ بولے جائیں گے کہ " ذلیل و خوار بندروں کی طرح ہو جاؤ " تو ان سے بھی یہ بات متعین ہو جائے گی کہ بندروں جیسی ذلت و خواری مراد ہے نہ کہ بندروں جیسی شکل و صورت صاف ظاہر ہے کہ یہ ترجمۂ قرآن میں اس مراد کو متعین کر دینا نہ صرف الفاظِ قرآنی سے مطابقت نہیں رکھتا بلکہ جمہور مفسرین کی رائے کو قطعیت کے ساتھ مسترد کر دیتا ہے حالانکہ جمہور کی رائے الفاظِ قرآنی سے زیادہ قریب ہے اور زیادہ روایات بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔

ہماری ناقص رائے میں اس مسخ کی صحیح تر شکل یہ تھی کہ ان کے بدن تو بندروں جیسے بنا دیئے گئے تھے لیکن ذہن و شعور اور جذبات و خیالات پہلے کے لوگ انسانوں جیسے چھوڑ دیئے گئے تھے۔ قرآن ایک حسی واقعہ کا ذکر کر رہا ہے اور حسی یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ مسخ جسمانی واقع ہوا ہو۔ ذہن و شعور وغیرہ کا جوں کا توں رہنا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں وہ اپنی شرمناک ذلت و خواری کا احساس کر سکتے تھے۔ بندر یا گدھے ہم انسانوں کی نظر میں کیسے ہی ذلیل کیوں نہ ہوں۔ لیکن اپنے خلقی ذہن و شعور کے ساتھ وہ خود اپنے آپ کو ذلیل و کمتر محسوس نہیں کر سکتے۔ ان میں اس طرح کے احساسات کی صلاحیت ہی نہیں رکھی گئی لہذا یہ معذب لوگ اپنی پستی اور خواری کا احساس اسی صورت میں کر سکتے تھے کہ جذبہ و احساس و فکر و شعور بدلے گئے ہوں۔

جن حضرات نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ انقلاب صرف ان کے مزاج و عادات یا بہ الفاظِ دیگر قلب و ذہن پر ہوا تھا اور بندروں جیسی اشتعال پذیری شر پسندی اور فساد انگیزی ان کے اندر آ گئی تھی انہوں نے شاید یہ فرض کر لیا ہے کہ وہ اس مسخ کے بعد کافی دنوں زندہ رہے کیونکہ کچھ مدت زندہ رہے بغیر ان اوصافِ رذیلہ اور خصائلِ فاسدہ کے اثرات و ثمرات کا ظہور کیسے ہو سکتا تھا لیکن حضرت ابن عباس رضؓ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی ایسی قوم جسے مسخ کا عذاب دیا گیا ہو کبھی تین یوم سے زیادہ زندہ نہیں رہی۔ لہذا مسخِ معنوی یا مسخِ باطنی سے عذاب کی یا انقلاب و تغیر کی کوئی حسی قدر و قیمت باقی نہیں رہ جاتی۔ البتہ جس رائے کا ہم نے اظہار کیا ہے وہ نہ صرف حسی عذاب و انقلاب کو نمایاں کرتی ہے بلکہ عذاب کی معنویت بھی مظہر ہے ذرا سوچیئے جو لوگ صورۃً بندروں میں تبدیل کر دیئے گئے ہوں اور ذہنی و شعوری طور پر وہ اب بھی انسان ہی ہوں ان پر اس حالت کے تین دن کس قیامت کے گذریں گے تین دن تو بہت ہیں تین گھنٹے بھی اپنی ذلت و خواری

کا ایسا مشاہدہ اور احساس و شعور صدیوں کے عذاب سے بدتر ہے قرآن جہاں اس تفصیل کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتا وہیں وہ اس کی تردید بھی نہیں کرتا ہم یعنی وہ بندرسے قرآن کے مخاطب ہیں آدمی اور جانور میں بھی قسموں اور ناموں کے فرق کا مدار جسمانی ہیئت پر ہی ہے ذکاء صفات و خصائل پر شیر ایک متعین جسمانی ہیئت رکھنے والے جانور کا نام ہے اس میں شجاعت پائی جاتی ہے یہ الگ بات ہے لیکن صرف شجاعت کی بنا پر ہر جانور کو شیر نہیں کہہ سکتے اسی طرح جب اللہ نے فرمایا کہ "بندر ہو جاؤ" تو اس حکم کا قطعی نتیجہ تو لازماً ہونا چاہیے کہ ان بدنصیبوں کی جسمانی ہیئت بندروں جیسی ہو جائے تاکہ تکوینی فیصلے کا حسی مشاہدہ ہو سکے۔ رہا اوصاف و مزاج اور ذہن و قلب کا بدلنا تو وہ معنوی اور مخفی شے ہے لہٰذا وہ اس حکم قطعی اور فرمان شاہی کا مدلول ہی نہیں، نہ اس سے کوئی فائدہ ہے جبکہ تین دن سے زیادہ ان عذاب گرفتوں کو زندہ ہی نہیں رہنا ہے۔

جو حضرات صرف قلب و ذہن کے مسخ کا قول کرتے ہیں وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ پھر تو "بندر" کی تشبیہ زیادہ بھرپور نہیں رہتی۔ جانوروں میں زیادہ ذلیل و خوار تو گدھے اور کرگس اور کتے اور خنزیر سمجھے گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے آج کے مغرب زدہ لوگوں کے نزدیک کتا اور خنزیر کچھ معزز ہو گئے ہوں۔ گر گدھے اور کرگس کو وہ بھی بندر سے زیادہ گھٹیا تصور کرتے ہیں لہٰذا صرف ذلت و خواری کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ بندر ہی کا ذکر کیوں فرماتا۔ گدھے یا کتے یا خنزیر کا کیوں نہ فرماتا۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ بات صرف تشبیہ یا مسخ باطنی کی نہیں نہ بندر کا نام مجازاً لیا گیا ہے بلکہ حقیقتہً یہ لوگ بندروں کی شکل ظاہری میں تبدیل کر دیے گئے تھے۔

ھذا ما عندی والعلم عند اللہ۔

مولانا عامر عثمانی رح کی خاص عادت تھی کہ وہ اپنی غلطی کا بروقت اور برملا اعتراف کر لیا کرتے تھے۔ تجلی کے بے شمار صفحات ان کی اس تواضع اور مومنانہ صفت کی غمازی کرتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد رح نے منقولہ بالا ترجمہ میں " زناشوئی " کا لفظ مباشرت کے معنی استعمال کیا تھا۔ مولانا عامر جیسا مدبر اور انشا پرداز قلم کار بھی مغالطہ میں مبتلا ہو گیا اور " زناشوئی " کو زنا کے ہم معنی سمجھ بیٹھا۔ لیکن اگلے ہی شمارہ میں جب ایک صاحب نے اس غلطی کی توجہ دلائی تو مولانا عامر عثمانی رح نے اپنی غلطی کا کھلے لفظوں میں اعتراف کر لیا۔ ہم وہ سوال و جواب بھی لفظاً بہ لفظاً ذیل میں نقل کر رہے ہیں۔ (۲-ص)

لفظ " زناشوئی "

سوال :- از شمس الہدیٰ۔ پٹنہ

تجلی بابت جنوری و فروری سنہ ء میں آپ کے جواب ... کے ضمن میں مولانا آزاد کی دوسری لغزش کی جو نشاندہی کی ہے وہ غالباً آنجناب کا تسامح ہے بریکٹ میں لفظ زنا نہیں زناشوئی ہے جو مباشرت کے ہم معنی ہے۔

جواب :- اللہ کا شکر ہے کہ تجلی جہاں عوام میں ذوق و شوق سے پڑھا جاتا ہے وہیں اسے ذی بصیرت اور ذی علم خواص کا بھی ایک بڑا حلقہ میسر ہے جو وقتاً فوقتاً ہمیں ہماری کسی علمی و فکری لغزش پر فوراً ٹوک دیتا ہے اور ہمیں اپنی اصلاح کا موقع مل جاتا ہے۔

اب اسی " زناشوئی " کے قضیہ کو لیجیے۔ اس کے سلسلے میں آپ ہی کی طرح متعدد اور مخلصین نے بھی ہماری دینائی فرمائی اور شکریہ کا موقع دیا۔ ہم اسے اپنے حق میں ایک نعمت سمجھتے ہیں کہ ہمیں ٹوکنے والے موجود ہیں اور غلطیوں پر تنبیہ ہوتا رہے۔ لفظ زناشوئی

[illegible] کے بارے میں جو تحقیق سامنے آئی ہے [illegible] کے الفاظ کی [illegible] ۔ یہ ہے کہ زنا کی ز اور شوق کا ش [illegible] دونوں پر فتح ہے۔ (زناشوقی) لہٰذا اس کا کوئی [illegible] عربی والے [illegible] ۔

بات معقول ہے اہل زبان جس حد تک بھی کوئی اصطلاح تراشیں وہ اس کے حق دار ہیں اور مولانا آزادؒ جیسے اہل علم اسے استعمال فرمائیں تو علمی رُخ سے ان پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ وجدانی اور ذوقی اعتبار سے بعض ایسے الفاظ سے پرہیز ہی بہتر ہے جو کسی غلط فہمی کو جنم دینے کا احتمال رکھتے ہوں۔ لفظ زنا بدکاری کے معنی میں اتنا معروف اور شائع ہے کہ تمام جہلا اور جہلا سب اسے جانتے ہیں۔ قرآن میں استعمال ہو کر اس نے اپنا صوتی اور لفظی تعارف تو مسلمانوں کے ننھے بچوں تک سے کرا دیا ہے جو کمسنی ہی میں قرآن پڑھ لیتے ہیں۔ اور معنوی تعارف بھی تو ہیں نا دس'' بالغوں تک پہنچا ہوا ہے۔ اس کے برخلاف ''زناشوقی'' اتنا عام فہم نہیں۔ پھر یہ ایک مرکب لفظ ہے جس کی وضعی حقیقت اور ترکیبی بلم کا علم خواص ہی کو ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ فارسی ہے اور عین ممکن بلکہ اب تو واقعہ ہے کہ کسی ملک کے مسلمان رفتہ رفتہ فارسی سے نابلد ہوتے چلے جائیں۔ کیا ہمارے ملک میں یہی نہیں ہو رہا ہے۔ عربی کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ کم سے کم قرآن سے مسلمانوں کا تعلق اٹل ہے اور لفظ زنا کبھی ان کے ذہنوں سے دھندلا نہیں پڑ سکتا۔ نیز یہ بھی محتاج بیان نہیں کہ اُردو کتابوں کو ـــــ خواہ وہ تفسیریں ہی کیوں نہ ہوں قارئین کا بڑا حصہ جو میسر ہے۔ وہ علماء و فضلاء کا نہیں کم علموں کا ہے مستزاد یہ کہ زناشوئی لکھتے ہوئے بہ اہتمام کوئی نہیں کرتا کہ زنا کی زا پر فتح بھی لگائے جس طرح زنا کے لفظ پر کسرہ لگانے کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ دونوں گویا صورۃً بالکل یکساں ہیں اور یہی یکسانی ان میں صوتی مماثلت بھی پیدا کرتی ہے پھر آخر کیوں ایسی اصطلاح استعمال کی جائے جو ایک گندے لفظ سے صورۃً اتنی مکمل مماثلت رکھتی ہو اور یہ مماثلت کم سے کم عوام کے حق میں معنوی مماثلت تک بھی جا سکتی ہو۔ یہاں قرآن کی ایک مثال کو ملحوظ رکھ لیا جائے۔ تو شاید بے محل نہ ہو گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں یہودی بھی آکر بیٹھتے تھے۔ بعض مواقع پر وہ راعِنا کا لفظ استعمال کرتے جس کا مطلب بظاہر یہ تھا کہ یارسول اللہ ذرا رکیئے، ہمیں بات سمجھ لینے دیجیئے۔ یا یارسول اللہؐ ہماری رعایت فرمایئے۔ ہماری طرف دھیان دیجیئے۔ گویا جو مفہوم عربی میں عاطنا کا تھا وہی کم و بیش اس کا تھا مگر اسکے ایک معنی بے وقوف کے بھی آتے ہیں اور ذرا عین کو کھینچ کر بولئے تو یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ اے ہمارے چرواہے۔ نیز اسی سے ملتا جلتا ایک عبرانی لفظ تھا جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ''سُن۔ تو بہرا ہو جائے'' یہودیوں کی دیکھا دیکھی بعض صحابہؓ نے بھی اس لفظ کے استعمال میں مضائقہ نہ سمجھا حالانکہ ظاہر ہے کہ ان کے حاشیۂ خیال تک میں کوئی اہانت آمیز معنی نہیں ہو سکتے تھے مگر اللہ نے آیت نازل کی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا (البقرہ آیت ۱۰۴)

(اے اہل ایمان راعنا مت کہو بلکہ انظرنا کہو (یعنی ہماری طرف دیکھئے متوجہ ہو جیئے)

اس سے سبق ملا کہ اگر کسی لفظ میں کسی بھی وجہ سے قبیح و رکیک معنی کی جھلک آسکتی ہو یا وہ صورۃً کسی خراب لفظ سے مشابہت رکھتا ہو تو اس سے پرہیز ہی اولیٰ

تاہم ہمیں اصرار نہیں ہے کہ ہمارے ذوق و وجدان کو معیار مانا جائے۔ خدا مولانا آزادؒ کی مغفرت فرمائے۔ انھوں نے ''زناشوئی'' لکھ کر کوئی لغوی و لسانی غلطی نہیں کی لیکن یہ ہمارا عرض کردہ پہلو انھیں بروقت محسوس ہو جاتا تو عجب نہیں کہ وہ بھی اس لفظ سے پرہیز کرتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تیسری قسط

سیرتِ سرورِ دو عالمؐ

حسن احمد صدیقی

آپ نے اپنے اوقات کو تین حصّوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک حصّہ عبادت کیلئے وقف تھا۔ دوسرا خدمتِ خلق کیلئے اور تیسرا اپنے گھریلو مسائل کے لئے۔

عام عادت یہ تھی کہ فجر کی نماز پڑھکر جائے نماز پر بیٹھ جاتے اور سورج کے نمایاں ہونے تک بیٹھے رہتے اس اثنا میں صحابہ کرامؓ آپؐ کے اردگرد جمع رہتے اور آپؐ کی نصیحتوں سے فیضیاب ہوتے خوابوں کی تعبیر بھی اسی وقت بیان فرماتے۔ اور وظائف مالِ غنیمت کی تقسیم بھی عام طور پر اسی وقت ہوتی۔

آپؐ کی مجلس سنجیدگی اور شائستگی کا بے مثال نمونہ تھی۔ صحابہ کرامؓ انتہائی ادب واحترام کے ساتھ اور ہمہ تن آپ کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھا کرتے تھے۔ آپؐ دوزانوں ہوکر بیٹھ جاتے۔ آپ کی گفتگو میں عجیب طرح کا.. مٹھاس تھا۔ سامعین محو ہو جاتے۔ مجلس عام میں سب سے پہلے آپؐ حاجت مندوں کی طرف متوجہ ہوتے۔ پہلے ان کی ضروریات پوری فرماتے پھر دوسرے مسائل پر گفتگو ہوتی۔ آپؐ کی مجلس میں تہذیب وشائستگی کا خاص طور سے خیال رکھا جاتا تھا۔ ایک شخص جب تک اپنی بات پوری نہ کر لیتا دوسرے کو بولنے کی اجازت نہ ملتی۔ آپؐ خود بھی قطع کلامی سے محترز رہا کرتے تھے۔ مجلس میں اگر کوئی آپؐ کا شکریہ ادا کرتا تو آپ قبول فرماتے۔ آپ کی مجلس میں ہلکا پھلکا مذاق بھی ہو جاتا۔ لیکن دامنِ متانت کسی کے ہاتھ سے نہ چھوٹنے پاتا۔ دورانِ مجلس اگر کسی قوم کا کوئی معزز شخص آجاتا تو حسبِ مراتب آپ اس کی تعظیم فرماتے۔ آپ کی تاکید تھی کہ ہر قوم کے معزز آدمی کی توقیر کرو

آپ فرداً فرداً مزاج پُرسی کرتے۔ اور فرداً فرداً دریافت فرماتے کہ کسی کی مجھ سے کوئی ضرورت تو وابستہ نہیں؟

آپؐ کی نشست گاہ مخصوص نہیں تھی۔ جہاں بھی جگہ خالی ہوتی آپ وہیں بیٹھ جاتے۔ آپؐ کے بیٹھنے کا انداز بھی عبدیت سے خالی نہ تھا آپ فرمایا کرتے تھے کہ اجلس کما یجلس العبد میں اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح خدا کا کوئی بندہ بیٹھتا ہے۔

مخلوق نوازی کا عالم یہ تھا کہ حاضرینِ مجلس زمانۂ جاہلیت کے قصے سنایا کرتے تو آپ اُکتاہٹ کا اظہار کرنے کی بجائے اس میں دلچسپی لیتے تاکہ قصہ گو حضرات کی دل شکنی نہ ہو۔ سنی ہوئی بات بھی آپ کامل توجہ کیساتھ سنتے۔ قصہ گو ہنستا تو آپ خود بھی ہنستے۔ حاضرین اگر کسی بات پر حیرت کا اظہار کرتے تو آپ بھی حیرت کا اظہار فرماتے۔

دورانِ تکلم اگر کوئی شخص غیر متعلق بات چھیڑ دیتا تو اسے نظر انداز کرتے ہوئے گفتگو جاری رکھتے اور اپنا موضوع پورا کرکے پھر اس کی طرف متوجہ ہوتے بات کرنے والے سے آپ اس وقت تک رُخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود ہی منہ نہ پھیر لیتا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نہایت ہی ملنس مُکھ اور انتہائی مہربان تھے آپ کی زبان سے کبھی کوئی بُری بات نہ نکلتی۔ جو بات آپ کو ناپسند ہوتی اس پر تنقید کرنے کی بجائے اس سے چشم پوشی فرماتے۔ کسی بھی اُمید وار کو آپ مایوس نہ کرتے۔ بحث ومباحثہ سے بچتے۔ جو بات آپ کے مطلب کی نہ ہوتی اس کی فکر نہ کرتے صحابہ کرامؓ آپؐ کی مجلس میں اس طرح سر جھکا کر اور ساکت وصامت بیٹھتے تھے گو

ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی آپ کے ساتھ گستاخی کا رویہ اختیار کرتا تو آپ برداشت کرتے اور اس کے ساتھ بھی شفقت و محبت سے پیش آتے آپ کو پہلی بار دیکھنے والا مرعوب ہوجاتا لیکن جوں جوں آپ کی صحبت میں بیٹھتا آپ کی نرمی اور محبت... واشگاف ہوجاتی اور یہ اندازہ ہوجاتا کہ محمد سے زیادہ ہمدرد اور بااخلاق کوئی نہیں۔

معمولی قسم کے غلام آپ کی خدمت میں پانی لے کر حاضر ہوتے کہ آپ اس میں ہاتھ ڈالدیں اور پانی متبرک ہوجائے۔ جاڑے کے سخت دنوں میں بھی آپ پانی میں ہاتھ ڈالدیا کرتے۔ لیکن انکار کرکے غلاموں کا دل نہ توڑتے۔

"حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور کسی کو برا نہ کہتے تھے۔ آپ برائی کے بدلہ میں کسی کے ساتھ برائی نہ کرتے بلکہ معاف کردیتے آپ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو ان دونوں میں جو آسان ہوتی اسے اختیار فرماتے۔ بشرطیکہ وہ منجملہ تقصیرات نہ ہو۔

آپ نے کبھی اپنے کسی ذاتی معاملہ میں کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ اگر کوئی خدا کے احکام کے خلاف کرتا تو اسے خدا کی مقرر کردہ سزا دیتے۔ آپ نے کبھی کسی مسلمان کا نام لے کر اس پر لعنت نہیں فرمائی کسی لونڈی، غلام عورت، خادم اور انتہا یہ ہے کہ کسی جانور تک کو نہیں مارا۔ آپ نے کبھی کسی کی جائز درخواست رد نہیں کی۔

آپ گھر میں تشریف لاتے تو خوش و خرم اور مسکراتے ہوئے۔ دوستوں میں بیٹھتے تو پاؤں پھیلانے سے احتراز کرتے۔ باتیں کرتے تو نہایت ٹھہر ٹھہر کر کہ ہر شخص خوب سمجھ لے۔ اور لکھنے والا لکھ سکے اور یاد کرنے والا یاد کرسکے"

یہ بات روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ نے جو کام جس وقت کیا اور جس طرح سے شروع کیا نہایت اہتمام کے ساتھ آخر تک اس کے پابند رہے۔

ایک بار ایک شخص نے حضرت عائشہ رض سے دریافت کیا کہ کیا حضور کسی عمل کو کسی خاص دن کیا کرتے تھے۔؟

حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ نہیں۔ ان کا ہر کام بارش کی جھڑی کی طرح تھا۔ جو کام ایک بار اختیار کیا اس پر بغیر قوی موانع کے ہمیشہ عمل پیرا رہے۔

آپ کا فرمان ہے کہ اِنَّ اَحَبَّ الْعَمَلَ الی اللہ اَدْوَمَہٗ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ کام ہے جس پر انسان سب سے زیادہ مداومت کرے

جو عبادت آپ نے شروع کردی وہ پھر ترک نہیں کی۔ جس کام کے لئے آپ نے جو وقت مقرر فرمالیا۔ کبھی اس کی خلاف ورزی نہیں کی۔ سونے کا۔ جاگنے کا، کھانے کا۔ خدا کے بندوں سے ملاقات کرنے کا ایک وقت مقرر تھا اور بغیر کسی قوی عذر کے اوقات کی پابندی میں کوئی اختلال واقع نہ ہوتا تھا۔ صحابہ میں کوئی بیمار ہوجاتے تو از راہِ عیادت اور اگر کسی کی وفات ہوجائے تو از راہِ تعزیت جانا آپ کے معمولات میں داخل تھا۔ عیادت کے لئے جاتے تو پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے اور اس کو تسلی دیتے اور صحت یابی کی امید بھی دلاتے اور دعا بھی کرتے تعزیت کے لئے جاتے تو پس ماندگان کو صبرِ جمیل کی تلقین کرتے اور مرنے والے کے لئے استغفار کرتے۔ مرنے والے کے جنازے میں شریک ہوتے ان کی نماز جنازہ پڑھاتے۔ اور تدفین کے بعد واپس آتے۔

۞ ۞

۞

اخلاق کی اصل بنیاد کیا ہے ؟

شیخ یوسف القرضاوی

نفس انسانی کی گہرائیوں میں ایک مخفی قوت موجود ہوتی ہے جسے نہ خوردبین سے دیکھا جا سکتا ہے نہ علم الطبیعات اس کا ادراک کر سکتا ہے اس کا کام فرائض وواجبات کی طرف انسان کی رہنمائی کرنا ہے اور خیر و صلاح کی طرف کھینچ لینا جیسے مقناطیس قطب نما کی سوئی کو کھینچے رکھتا ہے اور شر و فساد سے اسے بچاتا ہے جیسے باپ بیٹے کو غلط حرکات سے بچاتا ہے یا جیسے استاد اپنے تلامذہ پر نظر رکھتا ہے یہ باطنی قوت جو تاریکی میں روشنی کا کام دیتی ہے فضائل پر آمادہ کرتی اور رذائل سے باز رکھتی ہے۔ معروف کا حکم دیتی ہے اور منکر سے منع کرتی ہے علماء اخلاق اسے ضمیر اور وجدان سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اسلام نے اس کا نام القلب یعنی دل رکھا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "ہر وہ کام نیکی ہے جسے کر کے باطن سکون محسوس کرے اور دل مطمئن ہو اور گناہ وہ کام ہے جس کے ارتکاب سے نفس کو نہ سکون حاصل ہو اور نہ دل کو اطمینان اگرچہ مفتی حضرات تجھے اس کے جواز کا فتوے دے ڈالیں" اور ایک دوسری حدیث میں ہے آپ نے فرمایا "اگرچہ لوگ تجھے فتویٰ دیں تاہم تو اپنے دل سے فتویٰ طلب کر"

قلب و ضمیر اخلاق کا بنیادی ستون ہے اس کے بغیر اخلاق کی عظیم الشان عمارت قائم نہیں رہ سکتی زندہ ضمیر اخلاق کی تعمیر و تشکیل کا باعث بھی ہوتا ہے اور اس کے مستند دربان کی طرح اس کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ کوئی معاشرہ محض قوانین اور آئینی ضوابط کے بل بوتے پر پولیس اور فوج کی قوت سے ترقی و تنظیم اور سعادت و خوش بختی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ حصولِ سعادت کے لئے بیدار ضمیر اور زندہ قلوب کا وجود ضروری ہے۔ اور یہ کلمۂ حکمت تو آپ نے سُنا ہی ہوگا کہ عدل و انصاف قانون کے الفاظ میں نہیں بلکہ قاضی اور حاکم کے ضمیر میں ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح عامۃ الناس کی نظر میں قانون کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ ایک شاعر نے ان کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ؎

لن یصلح القانون فینا رادعًا

حتی تکون ذوی ضمائر تردع

(ترجمہ) قانون کی سرزنش ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی جب تک کہ ہم خوف سے لبریز دلوں کے حامل نہ بن جائیں۔

پس جب اخلاق کے نشو و ارتقا میں ضمیر اس درجہ دخیل ہے تو آیئے اس امر کا جائزہ لیں کہ خود ضمیر کی تخلیق کا راز کس چیز میں مضمر ہے۔؟

ضمیر اور ایمان

ضمیر کی تعمیر و تخلیق میں ایمان بنیادی کردار ادا کرتا ہے اسے زندگی عطا کرنے، اس کی آواز کو زیادہ موثر بنا

اور ہر قدم پر اس کی متحرک اور فعال حیثیت برقرار رکھنے کے لئے ایمان ناگزیر ہے اللہ پر ایمان انسان کے اندر یہ اعتقاد راسخ کر دیتا ہے کہ وہ جہاں بھی ہو اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ سفر میں، حضر میں، خلوت میں، جلوت میں اللہ سے اس کی کوئی کیفیت چھپی نہیں رہ سکتی۔ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے انسان کے نہاں خانۂ دل و دماغ کے اسرار و رموز۔ اس کے پوشیدہ اعمال اور اس کی ظاہری حرکات ہر ایک سے اللہ پوری طرح باخبر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ (المجادلہ۔ ۷)	کیا تم کو خبر نہیں ہے کہ زمین اور آسمان کی ہر چیز کا اللہ کو علم ہے؟ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں کوئی سرگوشی ہو اور ان کے درمیان چوتھا اللہ نہ ہو اور یا پانچ آدمیوں میں کوئی سرگوشی ہو اور ان کے اندر چھٹا اللہ نہ ہو خفیہ بات کرنے والے خواہ اس سے کم ہوں یا زیادہ جہاں کہیں بھی وہ ہوں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر قیامت کے روز انکو متنبہ کر دے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

٭ ٭ ٭

٭ ٭

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (یونس: ۶۱)	اے نبی تم جس حال میں بھی ہوتے ہو اور قرآن میں جو کچھ بھی سناتے ہو اور لوگو! تم جو کچھ بھی... ہو اس کام کے دوران ہم تم کو دیکھتے رہتے ہیں کوئی ذرہ برابر چیز آسمان و زمین میں ایسی نہیں ہے کہ چھوٹی و بڑی جو تیرے رب کی نظر سے پوشیدہ ہو بلکہ ایک صاف دفتر میں درج نہ ہو۔

٭ ٭

٭

ایمان باللہ کے بعد ضمیر انسان کو جو چیز مزید سنوارا اور نکھار دیتی ہے وہ یوم آخرت پر ایمان ہے۔ یوم آخرت پر ایمان دراصل اس حقیقت کا شعور ہے کہ مرنے کے بعد رب العزت کی بارگاہ میں انسان کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہے ہر اچھے عمل کی جزا وصول کرنی ہے اور ہر برائی کا خمیازہ بھگتنا ہے اس وقت اس کی زندگی کی لمحہ بہ لمحہ تفصیل اس کے سامنے رکھ دی جائے گی۔

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔ (ق۔ ۱۸)	دو کاتب اس کے دائیں اور بائیں بیٹھے ہر چیز ثبت کر رہے ہیں کوئی لفظ اس کی زبان سے نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لئے ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو۔
اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ۔ (الزخرف۔ ۸۰)	کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتیں اور سرگوشیاں نہیں سنتے ہیں۔ ہم سب کچھ سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس ہی ہر چیز لکھتے جاتے ہیں۔

٭ ٭

حیاتِ انسانی کا یہ سارا ریکارڈ ـــ جسے اللہ

کے فرشتوں نے پہ[illegible] تعلیمات کے ساتھ مرتب کیا ہوگا اور جس کے مطابق انسان سے مواخذہ و محاسبہ کیا جائے گا ــــــ ایک ایسی ہی ناقابلِ تردید دستاویز ہوگی کہ جس کا ذرا سا احساس ہی قلب کی زندگی کا ضامن اور ضمیر کی بیداری کا باعث ہے۔

اللہ کے بارے میں یہ اعتقاد اور یومِ آخرت پر اس نوعیت کا ایمان ہی انسان کو ہر آن اللہ کی نگرانی کا احساس دلاتا ہے اور اپنے نفس کے محاسبہ پر مجبور کرتا ہے چنانچہ وہ کھلی آنکھوں سے اپنے افعال و اعمال کا جائزہ لیتا ہے، نتائج و عواقب پر نظر رکھتا ہے۔ نہ ظلم و ستم کرتا ہے نہ خیانت و بدعہدی کا مرتکب ہوتا ہے نہ ڈینگیں مارتا ہے اور نہ تکبر کرتا ہے نہ اپنے فرائض کا انکار کرتا ہے نہ دوسروں کے حقوق کا دعویدار ہوتا ہے۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کے محاسبے سے گُل خائف ہو۔ نہ چھپ کر کوئی ایسی حرکت کرتا ہے کہ جس کے منصۂ شہود پر آنے سے ندامت لاحق ہو سکتی ہو۔ خدا کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین کامل اُسے راہِ صواب سے ذرہ برابر اِدھر اُدھر ہونے نہیں دیتا۔

کما قال شاعر صوفی ؎

إذا ما خلوت الدهر يوماً فلا تقل
خلوتُ ولكن قُل عليَّ رقيبُ!
ولا تحسبن الله يغفل ساعة
ولا ان ما تخفيه عنه يغيب

(ترجمہ) اگر تو کبھی ایک دن کیلئے بھی خلوت نشین ہو تو یہ نہ کہہ کہ میں اب تنہا ہوں۔ بلکہ یہ کہہ کہ مجھ پر ایک علیم و خبیر نگران ہے اور اللہ کے بارے میں کبھی یہ گمان نہ کر وہ ایک لحظہ کے لئے بھی غافل ہو جاتا ہے یا جو کچھ تو اس سے چھپانا چاہتا ہے وہ اس کی نظر سے فی الواقع چھپ جاتا ہے۔

صوفیاء اور احتسابِ نفس

ایک اہلِ اللہ سے سوال کیا گیا کہ اس ارشادِ الٰہی کا کیا مطلب ہے۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ۔

اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ اور یہ مقام اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اپنے رب سے ڈر جائے

انہوں نے فرمایا رب سے ڈر جانے کا مطلب ہے اپنے آپ کو رب کی نگرانی میں محسوس کرنا۔ اپنے نفس کا محاسبہ کرنا اور آخرت کے لئے توشۂ حسنات جمع کرنا۔

محمد علی الترمذیؒ نے فرمایا:-

اپنے آپ کو اس ذات کی نگرانی میں دے دے کہ جس کی نظر سے تو کبھی چھپ نہیں سکتا۔ اپنے شکر و سپاس کو اس کیلئے خاص کر دے کہ جس کے انعامات کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ صرف اس کی فرمانبرداری اختیار کر کہ جس سے تو کبھی بے خبر نہیں ہو سکتا اور اپنے خشوع و خضوع کا مستحق اس کو گردان کہ جس کی سلطنت سے قدم باہر رکھنا ممکن نہیں۔

حضرت ذوالنون مصریؒ سے پوچھا گیا: بندہ جنت کیسے حاصل کر سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا پانچ چیزوں سے استقامت سے جو ہر شائبۂ مکر و انحراف سے پاک ہو۔ کوشش سے جس میں سہو و نسیان نہ ہو۔ خوفِ خدا سے جو بظاہر بھی ہو اور بباطن بھی۔ موت کی تیاری کرنے کے بعد اس کے انتظار سے اور محاسبۂ نفس سے بیشتر اس کے کہ اس کا حساب لیا جائے۔

بلاشبہ وہ ضمیر جس کی تربیت ایمان کرتا ہے۔ خوفِ خدا اور حسابِ آخرت سے سرشار

بیدار و توانا اور شدید [illegible] وہ عمل سے
پیشتر ہی انسان کا احتساب کرتا ہے کہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ کیوں کرنا چاہتا ہے؟ کس کے لئے کرنا چاہتا ہے؟ پھر اسی پر اکتفا نہیں وہ عمل کے بعد بھی محاسبہ جاری رکھتا ہے۔ تو نے کیا کیا ہے؟ کیوں کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ نورِ ایمان سے منور ضمیر بڑا مستعد قاضی ہوتا ہے جو جزا یا سزا پر مشتمل اپنا فیصلہ فوراً صادر کر دیتا ہے اور اس کا فیصلہ باطنی طعن و ملامت ہی کی صورت نہیں اختیار کرتا۔ بلکہ کبھی کبھی مادی اور جسمانی سزاؤں کا باعث بھی بن جاتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے "وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ" کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ مومن جب بھی اپنے گریبان میں منہ ڈالتا ہے نفس کو معتوب کرنے لگتا ہے۔ میری اس بات سے تیری مراد کیا تھی؟ میرے کھانے میں تیرا کیا ارادہ مضمر تھا؟ میرا پینا کس مقصد کے تحت تھا؟ مگر فاسق و فاجر کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے وہ معصیت میں آگے ہی بڑھتا جاتا ہے۔ اور کبھی پلٹ کر اسے نفس پر عتاب بھیجنے کی توفیق بھی نہیں ہوتی۔

حضرت مالکؒ بن دینار نے فرمایا: اللہ بندے پر رحم فرمائے جس نے اپنے نفس کو سرزنش کرتے ہوئے کہا۔ کیا تو اس چیز کا مالک نہیں؟ کیا تیرے پاس وہ چیز نہیں؟ اللہ کی نعمتیں یاد دلانے کے بعد پھر نفس کو لگام دی اور نکیل ڈال دی۔ اور کتاب اللہ کی پیروی پر اسے مجبور کر دیا۔

حضرت ابراہیم تیمی نے فرمایا: میں عالم تصور میں اپنے نفس کو جنت میں لے گیا۔ اور اس کے پھل کھانے لگا۔ اس کی صاف شفاف نہروں کا پانی پیا اور وہاں کی حسین و جمیل دوشیزاؤں سے بغل گیر

[illegible] عیاں اس کے کڑوے کسیلے پھل کھاتے اس کے بعد دوزخ کا لہو اور پیپ پینے کی کوشش کی اور طوق و سلاسل پہنے مقابلے معصیت رہا۔ پھر میں نے اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہا کہ ان میں سے کون سا مقام تجھے مطلوب ہے؟ نفس نے جواب دیا: میں سرزمین دنیا میں ہی رہ کر کچھ اعمال صالح کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر آنجناب نے فرمایا: تیری مراد پوری ہو گی اب عمل ہی کئے جا۔

مذکورہ بالا احوال و واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ ایمان ضمیر کو جھنجوڑنے اور بیدار کرنے کی کیا کیا صورتیں اختیار کرتا ہے؟ جناب احنف بن قیس اس مقصد کے لئے ایک اور طریقہ اختیار فرمایا کرتے تھے آپ چراغ کے پاس چلے جاتے اور چراغ کی لو پر انگلی رکھ دیتے۔ جب آگ اسے جلانے لگتی تو آپ اپنے نفس سے کہتے۔ اے احنف! گناہوں کی سزا بھی آگ ہے فلاں دن تو نے جو گناہ کیا تھا۔ تجھے اس پر کس چیز نے اکسایا؟ اور فلاں دن تو نے جو کچھ کیا۔ اس پر کس چیز نے مجبور کیا؟ کیا اس وقت آگ کا خوف نہ تھا۔

محاسبہ نفس کا ایک اور اسلوب وہ ہے۔ جو توبۃ الصمۃ سے مروی ہے آپ نے نفس کا محاسبہ کرتے ہوئے اپنی عمر کا حساب لگایا تو وہ ساٹھ سال بنی پھر آپ نے ان سالوں کے دن گنے تو وہ اکیس ہزار پانچ سو تھے اس پر آپ چیخ اٹھے اور گویا ہوئے ہائے افسوس!! گناہوں کو لے کر خدا کے دربار میں حاضر ہوں گا۔ پھر خیال آیا کہ گناہوں کی یہ تعداد تو اس صورت میں ہے اگر روزانہ ایک ہی گناہ کیا ہو۔ لیکن اپنا حال یہ ہے کہ ایک ایک دن میں ہزاروں گناہ سرزد ہوئے ہیں۔

اوپر ہم نے کہیں ذکر کیا ہے کہ ضمیر کے فیصلے کے نتیجے میں کبھی کبھی مادی سزا بھی آدمی کو مل جاتی ہے

اور بیدار ضمیر انسان اسے خوشی بلا تاخیر قبول کر لیتا ہے تو اس کی مثال حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا یہ واقعہ ہے کہ آپ ایک روز اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ خوش گوار ماحول میں نماز پڑھتے تب آپ کی توجہ شاخِ شجر پر بیٹھے ہوئے ایک پرندے کی طرف مبذول ہو گئی۔ اور آپ کو تھوڑی دیر احساس نہ رہا کہ آپ حالتِ نماز میں ہیں۔ جب خیال آیا کہ بجائے اللہ کے دل پرندے کی طرف مائل رہا ہے تو آپ نے اس نقصان کا کفارہ یوں ادا کیا کہ پورے باغ ہی کو صدقہ کر ڈالا اور آئندہ کیلئے ہر نقصان سے محفوظ ہو گئے

حقیقتِ آخرت

اے بندگانِ خدا جان لو کہ یہ سرائے فانی جس میں ہم رہتے ہیں وہ آخرت کی کھیتی ہے اور وہ عالم جہاں ہم کو جانا ہے۔ وہ سرائے ابدی ہے اور مقامِ جزا ہے یہ دنیا راستے کی منزل ہے یہیں سے سب مسافر توشہ لیتے ہیں۔ اور آخرت کیلئے جاتے ہیں۔ اللہ نے اپنے بندوں میں سے ہر ایک کیلئے ایک مدت مقرر فرمائی ہے جس میں وہ اس منزل میں رہتا ہے اس مدت کی آخری حد موت ہے اس میں زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔ جب موت آتی ہے تو روح جسم سے نکل جاتی ہے اور قیامت میں جو بدلہ اور حساب کا دن ہوگا۔ روح کو جسم واپس دیا جائے گا اور سب کو اٹھایا جائے گا۔ ہر شخص اپنے کردار و عمل کو نامۂ اعمال میں دیکھے گا جو کچھ کیا ہے اس کو یاد دلایا جائے گا۔ ہر شخص کو اسکی فرمانبرداری اور گناہگاری اور نافرمانی کی مقدار یاد دلائی جائے گی۔ اس ترازو سے جو اس کام کے لائق ہوگا۔ اعمال تولے جائیں گے اور وہ ترازو اس دنیا کے ترازو کی طرح نہ ہوگی قبر کا حساب حق ہے قبر میں روح جسم میں لائیں گے۔ اور پھر جسم کو بٹھایا جائے گا اس کے دین اور پیغمبر کے بارے میں سوال کریں گے کافروں کو عذاب ہوگا اور ایک دروازہ دوزخ کی جانب سے ان کی قبر میں کھول دیا جائے گا۔ مومنوں کو دلہن کی طرح سلا دیا جائے گا۔ اور ان کی قبر میں جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔ یہ بھی جان لیجئے کہ تمام مخلوق کو پلصراط پر سے گذارا جائے گا۔ پل صراط بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہوگی۔ جو کوئی اس عالم میں صراطِ مستقیم پہ ثابت قدم رہا ہوگا وہ پل صراط پر سے آسانی سے گذر جائے گا اور جو صراطِ مستقیم پر نہ رہا ہوگا۔ وہ پل صراط پر راستہ نہ پا سکے گا اور دوزخ میں جا گرے گا۔ یہ جاننا چاہیئے کہ تمام مخلوق پلصراط پر سے گذرے گی۔ اور اس سے کردار و عمل کے بارے میں سوال ہوگا صادقوں سے صدق کی حقیقت طلب کی جائے گی۔ منافقوں، ریا کرنے والوں اور کافروں کو شرمندہ اور ذلیل کیا جائے گا۔ اور ان کی فضیحت و رسوائی ہوگی۔ ایک جماعت کو بغیر حساب جنت میں داخل کیا جائے گا۔ ایک کا آسانی سے حساب لیا جائے گا اور ایک جماعت کو حساب میں دشواری ہوگی۔ آخر کار سب کافروں کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ اور ان کو ہرگز رہائی نہ ملے گی۔ اطاعت گذار مسلمانوں کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اور گناہگار مسلمانوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا اور ان میں سے جن کو انبیاء کرام علیہم السّلام اور اولیاء اللہ کی شفاعت حاصل ہوگی ان کی بخشش ہوگی۔ اور جس کی شفاعت نہ ہوگی ان کو دوزخ میں بھجوا دیا جائے گا۔ وہ بقدرِ گناہ سزا پائیں گے۔ آخر میں اللہ تعالےٰ کی رحمت اور انبیاء علیہم السّلام کی شفاعت سے بہشت میں داخل ہوں گے۔

توشۂ آخرت از امام غزالیؒ

ماہر القادری مرحوم

اثر کرے نہ کرے سُن تو لے مری فریاد

آج ہمارا خطاب خاص طور سے اُن لوگوں سے ہے جو آخرت فراموش تہذیب، خود نما تمدن اور مادہ پرست دور میں "دین دار" کہلاتے ہیں اور یہ خطاب بجا طور پر انہیں زیب بھی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر فضل ہے کہ یہ حضرات دین کو صرف قبول ہی نہیں کرتے بلکہ پسند بھی کرتے ہیں، اُن کی دلی تمنا بھی یہی ہے کہ اللہ کے دین کو غلبہ اور سربلندی حاصل ہو، عالمِ انسانیت اور اسلام کو اسی طبقہ سے خیر و فلاح کی اُمیدیں وابستہ ہیں انجیل کی اصطلاح میں یہ لوگ "زمین کا نمک" ہیں اور شعر و ادب کی زبان میں ؎

یہ لوگ چمن ہیں، چمن کی بہار بھی!

یہ دین دار اور مذہبی لوگ کسی خاص جماعت طبقہ اور ملک میں محدود نہیں ہیں۔ یہ ہر جگہ پائے جاتے ہیں اور شاید انہی کا وجود اور نیکیاں اس خدا فراموش دور میں اللہ تعالیٰ کے غضب کو تھامے ہوئے ہیں۔ ورنہ یہ دنیا بحر دو بغاوت اور عصیان و سرکشی کی اس حد تک قریب قریب پہنچ چکی ہے کہ آسمان سے پتھروں کی بارش ہو اور انسانوں کی بستیاں عاد و ثمود جیسی نافرمان قوموں کی طرح ایک افسانۂ عبرت بن کر رہ جائیں۔

اس اعترافِ خوبی و کمال اور مدح و مناقب کے بعد ان دین پسند حضرات سے ہم آج کی فرصت میں کچھ گزارشیں بھی کرنا چاہتے ہیں، مقصد نہ کسی پر طنز و تعریض ہے اور نہ اپنی پاکبازی اور اسلام پسندی کا اظہار و اعلان مقصود ہے۔ دوسروں کو ٹوکنے سے پہلے ہم خود اپنی کمزوریِ اور نفس کی دراز دستیوں کا اقرار کرتے ہیں۔ خدا جانتا ہے کہ ہم اوروں کو دعوت احتساب دیتے ہوئے خود شرم و ندامت محسوس کرتے ہیں کہ حقیقت میں ہم اس منصب کے اہل نہیں ہیں۔ مگر اس کو کیا کیجیے کہ پورا معاشرہ وبائے عام میں مبتلا ہے حالات اس نوبت تک پہنچ چکے ہیں کہ خود مریض... دوسرے مریض کو دوا اور پرہیز کی ہدایت کر رہا ہے اور اُسے ایسا ہی کرنا ہی چاہیے۔ پس قریب قریب ایسی ہی پوزیشن راقم الحروف کی ہے اس مضمون میں مضمون نگار نے نہ جانے کتنا احتساب خود اپنے پر کیا ہے۔

ہم اُن لوگوں میں سے نہیں ہیں جو ؎

تن ہمہ داغ داغ شد۔ پنبہ کجا کجا نہم!!

کہہ کر زخموں کی دوا دارو اور مرہم پٹی ہی سے بے نیاز اور غافل ہو جاتے ہیں ہم تو عزم رکھتے ہیں کہ جسم کے جتنے داغوں کی بھی دیکھ بھال ہو سکے اس سے غفلت نہ برتنی چاہیے۔ اکتاہٹ، مایوسی، بے نیازی اور بے دلی مردِ مومن کو زیب نہیں دیتی!

آپ پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ کبھی کبھی غفلت کے سبب نماز قضا ہو جاتی ہے تو آپ کو خاصا ملال ہوتا ہے مگر یہ سوچیے کہ آپ پر یہ کیفیت کیا کبھی طاری ہوتی

ہے کہ آپ [illegible] سے گویا اللہ آپ کو دیکھ رہا ہے" یعنی حضوری کا احساس کہ آپ سچ مچ اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑے ہو کر اپنی احتیاج والتجا اور عجز و نیاز کو پیش کر رہے ہیں۔ پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ آپ کے دوستوں اور عزیزوں میں اور خود آپ کے گھر میں کتنے لوگ پابندی سے نماز ... پڑھتے ہیں۔ اور جو نہیں پڑھتے ان میں سے کتنوں کو نمازی بنانے کے لئے آپ نے جدوجہد کی۔ کیا اپنے بے نمازی دوستوں کی خفگی کے ڈر سے انھیں یہ تک محسوس ہونے دیا کہ ان کا نماز نہ پڑھنا آپ کو پسند نہیں ہے۔ آپ کا لڑکا یا بھائی کسی دن اتفاق سے اسکول نہ جا سکے۔ تو آپ کو جتنا رنج اس کے اسکول نہ جانے کا ہوتا ہے۔ کیا اتنا غم اس کے نماز قضا کر دینے کا بھی ہوتا ہے۔؟

آپ نماز میں تعدیلِ ارکان کا کتنا خیال رکھتے ہیں؟ کسی دعوت یا جلسہ کا اہتمام کرنا یا کسی سے ملنے کیلئے جانا یا کوئی اور ضروری کام درپیش ہو تو اس وقت نماز پڑھتے ہیں آپ کی توجہ کا کیا عالم ہوتا ہے؟ آپ ڈاک کے لفافہ پر پتہ لکھتے ہیں تو اس میں کس قدر صحت کتابت کو ملحوظ رکھتے ہیں اور پتہ لکھنے میں کیا انہماک ہوتا ہے اور کس قدر احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ مگر کیا نماز ادا کرنے میں لفافہ کا پتہ لکھنے کے برابر بھی آپ یکسوئی اور توجہ کو صرف فرماتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے روزہ بھی رکھتے ہیں۔ اور طبیعت کے اضمحلال کے باوجود شب میں تراویح بھی پڑھتے ہیں۔ مگر آمد ماہِ صیام کے ساتھ جس چیز کا سب سے زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔ وہ ماکولات اور مشروبات ہیں! کھانے پینے کے ذوق کی سیرابی کا اہتمام ایک طرف اور تقویٰ..... پاکیزگی اور ذکرِ الٰہی کی تیاری دوسری طرف۔ ان دونوں میں آپ خود ہی موازنہ فرما سکتے ہیں کہ ان میں سے کس کا پلہ بھاری رہتا ہے۔ روزہ دار کو روزہ اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ جو لوگ افلاس و ناداری کے سبب بھوکے رہتے ہیں ان بیچاروں پر کیا گزرتی ہو گی۔ اس احساس کے بعد آپ کے اندر قدرتی طور پر ماہِ رمضان میں انفاق کا جذبہ دوسرے مہینوں کے مقابلہ میں تیز تر ہو جانا چاہیے۔ مگر ماہِ رمضان میں خود آپ کے کھانے پینے کے مصارف میں اتنی زیادتی ہو جاتی ہے کہ آپ کو بھوکوں اور فاقہ زدوں کی امداد کا خیال آتا بھی ہے تو اپنے بڑھے ہوئے بجٹ کو دیکھ کر یہ خیال عمل کے قالب میں ڈھلنے نہیں پاتا جس مہینہ میں آپ کو سراپا ایثار بن جانا چاہیئے تھا، اس میں آپ سب مہینوں سے زیادہ آرام طلب۔ خوگر راحت اور کام و دہن کی لذت کے شوقین بن جاتے ہیں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک عورت اور خوشبو کو پسند فرمایا ہے اور آپ کا بھی یہ ارشاد ہے کہ جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت دیا ہو۔ اس کا اظہار اس شخص کی ظاہری حالت سے بھی ہونا چاہئے۔ مگر حضورؐ نے خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھانا بھی تو کھلایا ہو فقر کا یہ عالم کہ کئی کئی دن تک حریم نبوت اور کاشانۂ رسالت میں چولہا گرم ہونے کی نوبت نہ آتی تھی۔ حضورؐ کسی سائل کو ناکام نہ پھیرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض اہلِ سوال سے یہ فرما دیا کہ تم میرے نام پر کسی سے قرض لے لینا میں اسے ادا کر دوں گا۔ سرکارؐ (روحی فداک) کی معاشرت اس قدر سادہ تھی کہ وہ سادگی رہتی دنیا تک کے لئے ایک مثال بن کر رہ گئی ہے!

حضورؐ کی مقدس زندگی کا ایک ایک ورق آپ کے سامنے ہے۔ سرکارؐ کی سیرت چاند، سورج سے زیادہ روشن ہے ممکن ہے کہ آسمانوں پر بھی کہیں کہیں تاریکی ہو۔ مگر بزمِ رسالت میں ہر طرف نور و تجلی ہی ملے گی۔ آپ کہ حضورؐ کی اتباع کو ایمان کا سب سے زیادہ تقاضا سمجھتے ہیں اور نامِ نامی سنکر آپ کے ہونٹوں پر صلوٰۃ و سلام کے نغمے ابھر آتے ہیں اور فرطِ عقیدت سے آپ کی

برہنہ پیر ہو جاتا ہے ــــ آپ اپنے پر خود احتساب کریں کہ ضرورت کے اتیاج میں کسی بیوہ کے اور نادار کی خاطر ہو کہ رہا ہو، کیا آپ نے کسی مفلس اور ضرورت مند کے لئے اپنے ... خرچ کے مصارف میں بھی کمی کی ہے اور کیا کوئی ایسا مہینہ بھی آپ پر گذرا ہے کہ اپنی آمدنی کا آپ نے بیسواں حصہ بھی اہل حاجت پر صرف کیا ہو؟

آپ کو مال و دولت سے، جائداد اور عہدہ سے شہرت اور ناموری سے اور عیش و راحت کے اسباب سے جو انتہا درجہ کی دل چسپی ہے اور جس کے لئے آپ زمین و آسمان ایک کئے دیتے ہیں کیا سفر آخرت کے لئے "زادِ راہ" مہیا کرنے والوں کے شوق و دل چسپی کا یہی معیار اور مطلوب ہونا چاہیے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ تمنائیں، خواہشیں اور ان کے حصول کی کوششیں حرام ہیں مگر کیا "حرام" سے اونچا کوئی درجہ نہیں ہے۔ کیا آپ اپنی زندگی میں صرف "زہر" سے پرہیز کرتے ہیں اور "زہر" کے علاوہ ہر چیز نوشِ جان کر لیتے ہیں۔ نہیں، آپ ایسا نہیں کرتے۔ آپ کھانے کی ان چیزوں سے بھی بچتے ہیں جن میں "زہر" کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ مگر ان کا استعمال آپ صحت کے لئے مضر سمجھتے ہیں!!

آپ کی بیمار پرسی، تعزیت اور جنازوں میں شرکت کا دار و مدار تعلقات، روابط اور قرابت داری پر ہے۔ جن مسلمانوں سے آپ کی شناسائی نہیں ہے۔ اُن کے جنازوں کو آپ دیکھ کر گذر جاتے ہیں۔ آپ عام طور پر سلام بھی جاننے والوں کو ہی کرتے ہیں۔ اور اس "مفت" کے ثواب کو محض اپنی مزعومہ خودداری کے پندار میں ضائع کر دیتے ہیں جیسے کہ "افشوا السلام" کا حکم حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جیسے اہلِ ایمان کو دیا گیا تھا آپ تک پہنچتے پہنچتے اس حکم کی نوعیت بدل گئی ہے!

کسی یتیم کے سر پر آپ نے دستِ شفقت پھیر کسی بیوہ کی غمگساری کی: کسی اندھے اور اپاہج کو سہارا دیا ہو جائے کی نسبت جب آپ ... دیتے ہیں اور ... اور فی بنیان پہنے پھرتے ہیں کیا کسی نادار کی عریانی کا بھی خیال آتا ہے کہ سردی میں اس بیچارے پر جس کا گزر بھی ثابت نہیں ہے کیا گزرتی ہوگی؟

آپ کو تلاوت کا بھی شوق ہے مگر اس پورے زمانۂ تلاوت کا جائزہ لیجئے کہ قرآن پڑھتے میں کتنی بار آپ کی آنکھیں خدا کے خوف سے اشکبار ہوئی ہیں کتنی بار خشیت الٰہی سے آپ کا دل ہلا ہے اور رونگٹے کھڑے ہوئے ہیں۔

اس کو بھی سوچئے کہ آپ کو جہاں نہ کسی قسم کی توقع ہے اور نہ مضرت کا خطرہ ہے وہاں آپ کس بیباکی کے ساتھ اعلانِ حق فرماتے ہیں۔ مگر جہاں آپ کی کچھ امیدیں وابستہ ہیں اور جس جگہ حق بات کہنے سے آپ پر آنچ آتی ہے وہاں آپ کا جذبۂ حق گوئی کیا روش اختیار کرتا اور کن تاویلوں اور مصلحتوں کی پناہ ڈھونڈتا ہے؟

آپ "آخرت" پر یقیناً ایمان رکھتے ہیں اور آخرت کے اچھے ہونے کی ہر نماز میں دعا بھی مانگتے ہیں۔ مگر جس طرح کسی عدالت میں مقدمہ کی پیشی سے پہلے کسی ملزم کی حالت میں شدید اضطراب پایا جاتا ہے اور اس کے پیشِ نظر ہر لمحہ یہی اندیشہ رہتا ہے کہ نہ جانے حاکم عدالت کیا فیصلہ سنا دے ــــ کیا اللہ کے دربار میں حاضری اور اعمال کی بازپرس کا اس سے دس گنا کم خوف بھی آپ کے اندر موجود ہے!

کیا قبر کی تاریکی کے خوف سے آپ کی نیند اچاٹ ہوتی ہے؟ کیا میزانِ عدالت میں اعمال وزن کئے جانے کے ڈر سے آپ کے کھانے پینے اور عیش و تفریح کے مشاغل میں کوئی کمی آتی ہے؟ کیا جہنم کے عذاب کے خوف نے آپ کو رُلایا ہے؟ دن میں نہیں، ایک مہینہ میں، بلکہ سال بھر میں کے بار آپ کو موت یاد آتی ہے؟ ــــــــ

آپ کو یقیناً مسلمانوں کی بدعملی دیکھ کر دکھ ہوتا ہے لیکن۔ اپنے مشاغل کا جائزہ لے کر بتائیے کہ آپ نے خود اپنے محلّہ کے مسلمانوں میں سے کس کس کے پاس جا کر تبلیغ کا حق ادا کیا ہے۔؟ آپ نے اپنے وقت کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی اس اہم کام میں صرف کیا؟ کسی دن اس کے لئے زحمت اٹھائی ہے؟ اگر کسی سے کچھ کہنے کی توفیق نصیب ہوئی تو اس کی بے نیازی اور عدم توجہی کو دیکھ کر آپ نے پھر اس طرف کا رُخ نہیں کیا۔ حالانکہ اپنے ذاتی کاموں میں آپ اتنی جلد مایوس نہیں ہوجاتے اور امید بندھی ہوتی رہتی ہے کہ شاید اب کی بار کامیابی ہوجائے؟

اگر آپ اسلام پسند شاعر، ادیب، مقرر، افسانہ نگار، یا انشاء پرداز ہیں۔ تو دل کو ٹٹولئے کہ ہر علمی و ادبی پیشکش پر شہرت کا، ہر دلعزیزی کا اور یہ کہ لوگ داد دیں تعریف کریں۔ اس کا کتنا داعیہ آپ کے دل کی تہہ میں کروٹیں لیتا رہا۔ آپ کے اخلاص کے ہم منکر نہیں ہیں آپ پر نفاق کا خدانخواستہ ہم شبہ نہیں کرتے۔ عرض کرنا صرف یہ ہے کہ اس "اخلاص" میں کوئی دوسرا جذبہ اور داعیہ بھی شریک تھا یا نہیں؟

سختی کے ساتھ جائزہ لیجئے کہ خود آپ کی زندگی سیرت، اعمال و مشاغل اور حالات سے کتنے لوگوں نے دینی تاثر قبول کیا ہے؟ اگر آپ کے اندر دینی حرارت تھی تو یہ کیسی حرارت تھی جس نے اپنے ماحول تک کو ذرا سا بھی گرم نہیں کیا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ آپ کی زندگی کے آتشدان میں اوپر اوپر کجلائی ہوئی چنگاریوں سے گرم دھواں نکل رہا ہو اور ان کے نیچے برف کے ٹکڑے رکھے ہوں!

پوری ذمہ داری اور انصاف کے ساتھ اس کا فیصلہ کیجئے کہ آپ کی تقریر اور تحریر سے آپ کے جس دینی شغف، فکر و عمل کی پاکیزگی اور خلوص و للہیت کا پتہ ملتا ہے کیا آپ واقعی اپنے عقیدت مندوں، قدر شناسوں اور تعریف کرنے والوں کے "حُسنِ ظن" کے مصداق ہیں۔ اور لوگوں کو آپ کے وعظ و تقریر سن کر اور آپ کے مضامین پڑھ کر جو کچھ آپ کو سمجھا ہے کیا آپ کی زندگی اس کے عین مطابق ہے؟

آپ بیشک اللہ کے دین کا غلبہ چاہتے ہیں آپ اس کے لئے دعائیں بھی کرتے ہیں اور اپنے اندر اضطراب و بے چینی بھی پاتے ہیں۔ کہ سارے عالم میں اسلام کا بول بالا ہو اور صرف اسلام ہی غالب ہو کر رہے! یہ تمنا بہت مبارک اور اس کے لئے دعائیں اور زیادہ بابرکت ہیں۔ مگر کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ کسی کسان نے بیج بوئے کی صرف تمنا اپنے دل میں پیدا کر کے دعا کی ہو اور اس کے ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر آپ ہی آپ فصل اُگ آئی ہو! آپ اگر کسی کافرانہ ماحول میں زندگی گزار رہے ہیں تو سوچئے کہ وہاں آپ اللہ کے دین کو قائم رکھنے اور غالب کرنے کے لئے کیا جد وجہد کر رہے ہیں کفر کے ساتھ آپ کا رویہ مصالحانہ اور دوستانہ ہے یا معاملہ اس کے برعکس ہے یعنی آپ کفر کی مشین کے پرزے بن کر کام کر رہے ہیں یا اس مشین سے الگ تھلگ ہیں!

اور اگر آپ مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہیں۔ تو نظامِ حق کے قیام کیلئے آپ نے کیا جد وجہد کی ہے؟ دامے، درمے، قدمے، سخنے۔ اس جد وجہد میں آپ نے کس قدر حصہ لیا ہے۔ آپ کا اب تک رول کیا رہا ہے؟ اور جو خدا کے بندے نظامِ حق کے قیام کی خاطر عملاً دوڑ دھوپ کر رہے ہیں ان کی آپ نے حوصلہ افزائی اور رفاقت کی ہے، یا ان کی راہ میں رُکاوٹیں ڈالی ہیں اور کانٹے بچھائے ہیں؟

آپ کی نمازیں، اوراد و وظائف اور مذہبی شغف اپنی جگہ تسلیم۔ بلکہ لائقِ احترام۔ مگر یہ سوچئے کہ آپ کے

[illegible]

آپ کی روشنی نے ان کے ہاتھ مضبوط کئے جو کسی عنوان .. اسلام کو معاشرے نظم و نسق میں داخل ہونے دینا ہی نہیں چاہتے یا ان جرأت مندوں کی طاقت کو کمزور کر دیا یا جو دین حق کے غلبہ کیلئے تمنا اور کوئی تمنا اور امنگ ہی اپنے اندر نہیں رکھتے!

اس کا بھی اندازہ لگائیے کہ فسق و فجور اور منکرات کو دیکھ کر آپ کے دل کے اندر جھنجلاہٹ پیدا ہوتی ہے یا انھیں گوارا کرنے کی طرف طبیعت مائل ہے! آپ کے اندر جرأت اور توانائی کس قدر ہے۔ بدی کو مٹانے کیلئے آپ کس حد تک جا سکتے ہیں؟

کیا آپ بندوں کے حقوق کا کم سے کم اتنا خیال کرتے ہیں کہ راستہ میں کیلیں، کانٹے، یا چبھنے والے پتھر دکھائی دیں تو انھیں اٹھا دیں۔ ریل میں سفر کر رہے ہوں، اور جگہ کی تنگی ہو تو کسی کھڑے ہوئے مسافر کو جگہ دینے کے لئے خود ذرا سکڑ کر بیٹھ جائیں۔ کیا آپ کی خودداری اس کو گوارا کر سکتی ہے کہ قلی آپ کا سامان اٹھانے میں .. اضطراب اور دقت محسوس کر رہا ہو، تو آپ سامان اٹھانے میں اس کی مدد کر دیں!

آپ خود ہی سوچئے کہ مسجد کے اندر آپ کا کتنا دل لگتا ہے اور نماز پڑھتے ہی کہیں آپ اس طرح تو نہیں بھاگ جاتے کہ جیسے کوئی پرندہ قفس کا در کھلتے ہی گھبرا کر اڑ جاتا ہے۔ امام قرأت کو ذرا طویل کر دے تو آپ کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ جاتی ہیں۔ یا آپ کے تیوروں سے ذوق و شوق کا اظہار ہوتا ہے۔؟

آپ جن محفلوں میں اٹھتے بیٹھتے یا آتے جاتے ہیں۔ ان میں آپ اہل محفل کے ذوق رجحان اور افتاد طبع کی کتنی رعایت ملحوظ رکھتے ہیں۔ دین و اخلاق کا کوئی ایسا نکتہ آپ چھیڑنے کی شاذ و نادر ہی جرأت کرتے ہیں جس سے اس مقبولیت پر جو دوستوں میں آپ کو حاصل ہے [illegible] رہتا ہے!

ایک طرف آپ کی تمنائیں اور خواہشیں ہیں اور دوسری طرف دین کے تقاضے اور مطالبے ہیں۔ آپ کو جائزہ لینا ہے کہ آپ کی توانائیاں اور صلاحیتیں زیادہ تر کس کام آ رہی ہیں ۔۔۔ آپ نے دین کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنی خواہشوں کو قربان کیا ہے یا خود دینی مطالبوں کو آپ کی خواہشوں اور آرزوؤں پر قربان ہونا پڑتا ہے!

حالات کس طرح بدلیں گے؟

جن باتوں کی طرف اوپر اشارے کئے گئے ہیں ان کا جائزہ کوئی دوسرا لے ہی نہیں سکتا یہ تو خود ہمارے کرنے کا کام ہے ایمانداری اور سچائی کے ساتھ خود اپنا احتساب اور اس کے بعد کمزوریوں کو دور کرنے کی جد و جہد یہ ہونی چاہئے ایک مخلص مسلمان کی روش! اپنی ذات پر نقد و احتساب کے وقت شیطان کے فریب اور نفس کے حیلوں سے پوری طرح باخبر رہنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ یہ ظالم تو برائیوں اور کمزوریوں کے لئے ایسی ایسی نازک اور باریک تاویلیں سجھا دیتا ہے کہ آدمی پہلے سے بھی زیادہ پست ہو جاتا ہے۔

دنیا کے حالات بدلنے کیلئے آسمان سے فرشتے نازل نہیں ہوں گے اور نہ اجرام فلکی اس فرض کو انجام دیں گے اور نہ اللہ تعالٰی کی یہ سنت رہی ہے کہ جو لوگ اپنے کو بدلنے کا سرے سے کوئی داعیہ ہی اپنے اندر نہ رکھتے ہوں۔ اور اس کام کیلئے کوئی عملی اقدام نہ کریں۔ اللہ تعالٰی اپنی قوت قاہرہ کے زور سے حالات میں انقلاب پیدا کر دے۔ اگر ایسا ہو سکتا تھا انبیاء کرام اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے مگر ان مقدس ترین انسانوں کی زندگیاں گواہ ہیں کہ انہوں نے اللہ کے دین کو سربلند

نے اور دنیا میں انقلاب لانے کی کیسی کیسی دردناک مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ اور ایک لمحہ کیلئے بھی وہ اپنے فرض سے غافل نہیں رہے! (علیہم السلام)

ایک آئین اور ایک دعوت کے تیاری بھی محنت اور لگن چاہتی ہے آپ سے جو عظیم الشان فریضہ متعلق ہے اس کا تو تقاضہ یہ ہے کہ ایثار و قربانی کا جذبہ آپ کی زندگی کی تمام دوسری صفات پر غالب ہو جائے! حالات کی تبدیلی کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ جو دنیا کے حالات کو بدلنے کا داعیہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ وہ سب سے پہلے خود بدل جائیں!

حق کی راہ یقیناً دشوار ہے مگر چلنا تو اسی راہ میں ہے سچائی کا پیالہ تلخ اور ناخوش گوار سہی مگر نوش جان تو اسی کو کرنا ہے! اس ذمہ داری کو جب آپ اٹھا چکے ہیں تو پھر پس و پیش کیسا!

باطل کی جڑیں بہت کمزور ہیں مگر آپ ہمت ہی نہیں کرتے! حق کو غالب اور سر بلند ہی ہونا ہے لیکن آپ کہ حق کی نمائندگی کا دم بھرتے ہیں جرأت سے کام ہی نہیں لیتے!

دنیا میں بہت کچھ تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں مگر آپ اپنے سوزِ دل و جان کی شمعیں روشن کر دیں تو تاریکیوں کی مجال ہے کہ وہ دم بھر کے لئے بھی ٹک سکیں!

اللہ تعالےٰ کی زمین کے جائز وارث آپ ہیں مگر آپ کی غفلتوں نے اس ورثہ کو غاصبوں کے قبضہ میں دے دیا ہے دنیا کی قیادت کے آپ مستحق ہیں۔ مگر اس اپنے حق کو آپ نے خود ہی چھوڑ رکھا ہے خدا کے لئے اپنے منصب کو پہچانیئے۔ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کیجئے۔ اور باطل کے مقابلہ میں اس عزم کے ساتھ — حق کی سربلندی یا موت — صف آرا ہو جایئے۔ پس پھر فوز و فلاح اور کامیابیوں کی ایسی ایسی راہیں کھلیں گی کہ فتح مقدر مدائن کی یاد تازہ ہو جائے گی۔!

دنیا میں جہاں کہیں بھی فساد پایا جاتا ہے۔ اس کے مٹانے کی ذمہ داری اُسی امت پر عائد ہوتی ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے "خیر الامم" اور "خاتم الامم" بنا کر اٹھایا ہے "خدائی فوجدار" ایک طنز ہے مگر یہ واقعہ ہے کہ اُمتِ مسلمہ ساری کائنات کے لئے سچ مچ "خدائی فوجدار" کی حیثیت رکھتی ہے اگر کسی کافرانہ ماحول کی کروڑوں انسانوں کی آبادی میں بھی ایک مسلمان پایا جاتا ہو۔ اُسے حق کی غربت و بے سروسامانی سے دل شکستہ اور کفر و باطل کے غلبہ سے مرعوب نہ ہونا چاہیئے مردِ مومن جہادِ زندگی میں سپر انداز تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اسلام کے پرچم اور حق کے جھنڈے کو وہ تیروں کی بوچھار دل میں بھی مضبوطی کے ساتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے رہے گا۔ ہاتھ کٹ جائیں گے تو اپنے دانتوں کی گرفت میں پرچم اسلام لے لیگا۔ یہاں تک کہ اس کا سر قلم ہو جائے۔ پس پھر اس پر کوئی ذمہ داری نہیں کہ وہ اپنا حق ادا کر چکا۔

بارِ الٰہا! جو تیرے بندے نظامِ حق کے قیام کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں۔ ان کے اعمال میں جہاں کہیں کھوٹ پائی جاتی ہے اسے اخلاص سے بدل دے ان میں اگر اختلاف ہے تو اُسے یا تو مٹا دے یا اسے رحمت بنا دے!

یا اللہ! مسلمانوں کی پراگندگی کو جمعیت سے اور ان کی پریشاں حالی اور شکستہ دلی کو نشاط و اطمینان سے بدل دے۔ یا ربِ قادر و قیوم! اہلِ نفاق کے شر سے اُمتِ مسلمہ کو بچا۔ اسلامی حکومتوں کی زمامِ اقتدار ان کو سونپ جن کی زندگیوں میں اسلامی اخلاق جھلکتے ہوں اور جو اسلام کی سربلندی چاہتے ہوں۔ یا اللہ! مسلم عوام کو ان لوگوں سے نجات دے جو سازشوں کے ذریعہ اپنے اقتدار کی عمر بڑھانے میں اپنی تمام توانائیاں صرف کرتے ہوں۔ (آمین)

برکتوں سے [illegible] کے قیام [illegible] کو کس قدر فائدہ پہنچا
آپ کی روش نے ان کے ہاتھ مضبوط کئے جو کسی عنوان ..
اسلام کو جو ظلم و فسق میں داخل ہونے دینا ہی نہیں چاہتے
یا ان جرأت آزماؤں کی طاقت کو کمزور کر دیا یا جو دین حق
کے غلبہ کے خواہاں اور کوئی تمنا اور امنگ ہی اپنے اندر نہیں رکھتے!

اس کا بھی اندازہ لگایئے کہ فسق و فجور اور منکرات
کو دیکھ کر آپ کے دل کے اندر جھنجلاہٹ پیدا ہوتی ہے
یا انھیں گوارا کرنے کی طرف طبیعت مائل ہے! آپ
کے اندر جرأت اور توانائی کس قدر ہے۔ بدی کو مٹانے
کیلئے آپ کس حد تک جا سکتے ہیں؟

کیا آپ بندوں کے حقوق کا کم سے کم اتنا خیال
کرتے ہیں۔ کہ راستہ میں کیلیں، کانٹے۔ یا چبھنے والے
پتھر دکھائی دیں تو انھیں اٹھا دیں۔ ریل میں سفر کر رہے
ہوں، اور جگہ کی تنگی ہو تو کسی کھڑے ہوئے مسافر کو جگہ
دینے کے لئے خود ذرا سکڑ کر بیٹھ جائیں۔ کیا آپ کی خودداری
اس کو گوارا کر سکتی ہے کہ قلی آپ کا سامان اٹھانے میں ..
اضطراب اور دقت محسوس کر رہا ہو، تو آپ سامان اٹھانے
میں اس کی مدد کر دیں!

آپ خود ہی سوچئے کہ مسجد کے اندر آپ کا کتنا
دل لگتا ہے اور نماز پڑھتے ہی کہیں آپ اس طرح تو نہیں
بھاگ جاتے کہ جیسے کوئی پرندہ قفس کا در کھلتے ہی گھبرا کر
اڑ جاتا ہے۔ امام قرأت کو ذرا طویل کر دے تو آپ کی
پیشانی پر سلوٹیں پڑ جاتی ہیں۔ یا آپ کے تیوروں سے ذوق
و شوق کا اظہار ہوتا ہے؟

آپ جن محفلوں میں اٹھتے بیٹھتے یا آتے جاتے
ہیں۔ ان میں آپ اہل محفل کے ذوق رجحان اور افتاد طبع
کی کتنی رعایت ملحوظ رکھتے ہیں۔ دین و اخلاق کا کوئی ایسا
نہ کہ آپ چھیڑنے کی شاذ و نادر ہی جرأت کرتے ہیں۔ جس
سے اس مقبولیت پر جو دوستوں میں آپ کو حاصل ہے

حرف آتا ہے!

ایک طرف آپ کی تمنائیں اور خواہشیں ہیں اور
دوسری طرف دین کے تقاضے اور مطالبے ہیں۔ آپ کو
جائزہ لینا ہے کہ آپ کی توانائیاں اور صلاحیتیں
زیادہ تر کس کام آ رہی ہیں۔ ... آپ نے دین کے
تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنی خواہشوں کو قربان
کیا ہے یا خود دینی مطالبوں کو آپ کی خواہشوں اور
آرزوؤں پر قربان ہونا پڑا ہے!

حالات کس طرح بدلیں گے؟

جن باتوں کی طرف اوپر اشارے کئے گئے ہیں
ان کا جائزہ کوئی دوسرا لے ہی نہیں سکتا یہ تو خود ہمارے
کرنے کا کام ہے ایمانداری اور سچائی کے ساتھ خود اپنا
احتساب اور اس کے بعد کمزوریوں کو دور کرنے کی جدوجہد
یہ ہونی چاہئے ایک مخلص مسلمان کی روش! اپنی ذات
پر نقد و احتساب کے وقت شیطان کے فریب اور
نفس کے حیلوں سے پوری طرح باخبر رہنے کی ضرورت
ہے۔ ورنہ یہ ظالم تو برائیوں اور کمزوریوں کے لئے
ایسی ایسی نازک اور باریک تاویلیں سجھا دیتا ہے کہ
آدمی پہلے سے بھی زیادہ پست ہو جاتا ہے۔

دنیا کے حالات بدلنے کیلئے آسمان سے فرشتے
نازل نہیں ہوں گے اور نہ اجرام فلکی اس فرض کو انجام دیں
گے اور نہ اللہ تعالےٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ جو لوگ اپنے کو
بدلنے کا سرے سے کوئی داعیہ ہی اپنے اندر نہ رکھتے
ہوں۔ اور اس کام کیلئے کوئی عملی اقدام نہ کریں۔ اللہ
تعالےٰ اپنی قوت قاہرہ کے زور سے حالات میں انقلاب
پیدا کر دے۔ اگر ایسا ہو سکتا تھا انبیاء کرام اس کے
سب سے زیادہ مستحق تھے مگر ان مقدس ترین انسانوں
کی زندگیاں گواہ ہیں کہ انہوں نے اللہ کے دین کو سربلند

کرنے اور دنیا میں انقلاب لانے کی کیسی کیسی دردناک مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ اور ایک لمحہ کیلئے بھی وہ اپنے فرض سے غافل نہیں رہے! (علیہم السلام)

ایک آلپین اور ایک دھاگے کی تیاری بھی محنت اور لگن چاہتی ہے آپ سے جو عظیم الشان فریضہ متعلق ہے اس کا تو تقاضہ یہ ہے کہ ایثار و قربانی کا جذبہ آپ کی زندگی کی تمام دوسری صفات پر غالب ہو جائے! حالات کی تبدیلی کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ جو دنیا کے حالات کو بدلنے کا داعیہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ وہ سب سے پہلے خود بدل جائیں!

حق کی راہ یقیناً دشوار ہے مگر چلنا تو اسی راہ میں ہے سچائی کا پیالہ تلخ اور ناخوش گوار سہی مگر نوش جاں تو اسی کو کرنا ہے! اس ذمہ داری کو جب آپ اُٹھا چکے ہیں تو پھر پس و پیش کیسا!

باطل کی جڑیں بہت کمزور ہیں مگر آپ ہمت ہی نہیں کرتے! حق کو غالب اور سربلند ہی ہونا ہے لیکن آپ کہ حق کی نمائندگی کا دم بھرتے ہیں جرأت سے کام ہی نہیں لیتے!

دنیا میں بہت کچھ تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں مگر آپ اپنے سوزِ دل و جاں کی شمعیں روشن کر دیں تو تاریکیوں کی مجال ہے کہ وہ دم بھر کے لئے بھی ٹک سکیں!

اللہ تعالیٰ کی زمین کے جائز وارث آپ ہیں مگر آپ کی غفلتوں نے اس ورثہ کو غاصبوں کے قبضہ میں دے دیا ہے دنیا کی قیادت کے آپ مستحق ہیں۔ مگر اس اپنے حق کو آپ نے خود ہی چھوڑ رکھا ہے خدا کے لئے اپنے منصب کو پہچانئے۔ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کیجئے۔ اور باطل کے مقابلہ میں اس عزم کے ساتھ ___ حق کی سربلندی یا موت ___ صف آرا ہو جایئے۔ پھر فوز و فلاح اور کامیابیوں کی ایسی ایسی راہیں کھلیں گی کہ فتح مصر و مدائن کی یاد تازہ ہو جائے گی۔!

دنیا میں جہاں کہیں بھی فساد پایا جاتا ہے۔۔ اس کے مٹانے کی ذمہ داری اُسی امت پر عائد ہوتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے "خیر الامم" اور "خاتم الامم" بنا کر اٹھایا ہے "خدائی فوجدار" ایک طنز ہے مگر یہ واقعہ ہے کہ اُمتِ مسلمہ ساری کائنات کے لئے سچ مچ "خدائی فوجدار" کی حیثیت رکھتی ہے اگر کسی کافرانہ ماحول کی کروڑوں انسانوں کی آبادی میں بھی ایک مسلمان پایا جاتا ہو۔ اُسے حق کی غربت و بے سروسامانی سے دل شکستہ اور کفر و باطل کے غلبہ سے مرعوب نہ ہونا چاہئے مردِ مومن جہادِ زندگی میں سپر انداز تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اسلام کے پرچم اور حق کے جھنڈے کو وہ تیروں کی بوچھاروں میں بھی مضبوطی کے ساتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے رہے گا، ہاتھ کٹ جائیں گے تو اپنے دانتوں کی گرفت میں پرچم اسلام رے لیگا۔ یہاں تک کہ اس کا سر قلم ہو جائے۔ بس پھر اس پر کوئی ذمہ داری نہیں کہ وہ اپنا حق ادا کر چکا۔

بارِ الٰہا! جو تیرے بندے نظامِ حق کے قیام کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں۔ ان کے اعمال میں جہاں کہیں کھوٹ پائی جاتی ہے اسے اخلاص سے بدل دے ان میں اگر اختلاف ہے تو اُسے یا تو مٹا دے یا اسے رحمت بنا دے!

یا اللہ! مسلمانوں کی پراگندگی کو جمعیت سے اور ان کی پریشاں حالی اور شکستہ دلی کو نشاط و اطمینان سے بدل دے۔ یا رب جبار و قیوم! اہلِ نفاق کے شر سے اُمتِ مسلمہ کو بچا۔ اسلامی حکومتوں کی زمامِ اقتدار ان کو سونپ جن کی زندگیوں میں اسلامی اخلاق جھلکتے ہوں اور جو اسلام کی سربلندی چاہتے ہوں۔ یا اللہ! مسلم عوام کو ان لوگوں سے نجات دے جو سازشوں کے ذریعہ اپنے اقتدار کی عمر بڑھانے میں اپنی تمام توانائیاں صرف کرتے ہوں۔ (آمین)

بدعتوں سے [illegible] کے قیام میں [illegible] کو کس قدر فائدہ پہنچا
آپ کے دوستوں نے ان کے ہاتھ مضبوط کئے جو کسی عنوان..
اسلام کو جدید نظم و نسق میں داخل ہونے دینا ہی نہیں چاہتے
یا ان جرأت تمناؤں کی طاقت کو کمزور کر دینا یا جو دین حق
کے غلبہ کے سوا اور کوئی تمنا اور امنگ ہی اپنے اندر نہیں رکھتے!

اس کا بھی اندازہ لگائیے کہ فسق و فجور اور منکرات کو دیکھ کر آپ کے دل کے اندر جھنجھلاہٹ پیدا ہوتی ہے یا انھیں گوارا کرنے کی طرف طبیعت مائل ہے! آپ کے اندر جرأت اور توانائی کس قدر ہے۔ بدی کو مٹانے کیلئے آپ کس حد تک جا سکتے ہیں؟

کیا آپ بندوں کے حقوق کا کم سے کم اتنا خیال کرتے ہیں کہ راستہ میں کیلے، کانٹے، یا چھلکے والے پتھر دکھائی دیں تو انھیں اٹھا دیں۔ ریل میں سفر کر رہے ہوں، اور جگہ کی تنگی ہو تو کسی کھڑے ہوئے مسافر کو جگہ دینے کے لئے خود ذرا سکڑ کر بیٹھ جائیں۔ کیا آپ کی خودداری اس کو گوارا کر سکتی ہے کہ قلی آپ کا سامان اٹھانے میں.. اضطراب اور دقت محسوس کر رہا ہو، تو آپ سامان اٹھانے میں اس کی مدد کر دیں!

آپ خود ہی سوچئے کہ مسجد کے اندر آپ کا کتنا دل لگتا ہے اور نماز پڑھتے ہی کہیں آپ اس طرح تو نہیں بھاگ جاتے کہ جیسے کوئی پرندہ قفس کا در کھلتے ہی گھبرا کر اڑ جاتا ہے۔ امام قرأت کو ذرا طویل کر دے تو آپ کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ جاتی ہیں۔ یا آپ کے تیوروں سے ذوق و شوق کا اظہار ہوتا ہے؟

آپ جن محفلوں میں اٹھتے بیٹھتے یا آتے جاتے ہیں۔ ان میں آپ اہل محفل کے ذوق رجحان اور افتاد طبع کی کتنی رعایت ملحوظ رکھتے ہیں۔ دین و اخلاق کا کوئی ایسا نکتہ آپ چھیڑنے کی شاذ و نادر ہی جرأت کرتے ہیں جس سے اس مقبولیت پر جو دوستوں میں آپ کو حاصل ہے حرف آتا ہے!

ایک طرف آپ کی تمنائیں اور خواہشیں ہیں اور دوسری طرف دین کے تقاضے اور مطالبے ہیں۔ آپ کو جائزہ لینا ہے کہ آپ کی توانائیاں اور صلاحیتیں زیادہ تر کس کام آ رہی ہیں۔۔۔ آپ نے دین کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنی خواہشوں کو قربان کیا ہے یا خود دینی مطالبوں کو آپ کی خواہشوں اور آرزوؤں پر قربان ہونا پڑا ہے!

حالات کس طرح بدلیں گے؟

جن باتوں کی طرف اوپر اشارے کئے گئے ہیں ان کا جائزہ کوئی دوسرا لے ہی نہیں سکتا یہ تو خود ہمارے کرنے کا کام ہے ایمانداری اور سچائی کے ساتھ خود اپنا احتساب اور اس کے بعد کمزوریوں کو دور کرنے کی جد و جہد یہ ہونی چاہئے ایک مخلص مسلمان کی روش! اپنی ذات پر نقد و احتساب کے وقت شیطان کے فریب اور نفس کے حیلوں سے پوری طرح باخبر رہنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ یہ ظالم تو برائیوں اور کمزوریوں کے لئے ایسی ایسی نازک اور باریک تاویلیں سمجھا دیتا ہے کہ آدمی پہلے سے بھی زیادہ پست ہو جاتا ہے۔

دنیا کے حالات بدلنے کیلئے آسمان سے فرشتے نازل نہیں ہوں گے اور نہ اجرام فلکی اس فرض کو انجام دیں گے اور نہ اللہ تعالٰی کی یہ سنت رہی ہے کہ جو لوگ اپنے کو بدلنے کا سرے سے کوئی داعیہ ہی اپنے اندر نہ رکھتے ہوں۔ اور اس کام کیلئے کوئی عملی اقدام نہ کریں۔ اللہ تعالٰی اپنی قوت قاہرہ کے زور سے حالات میں انقلاب پیدا کر دے۔ اگر ایسا ہو سکتا تو انبیاء کرام اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے مگر ان مقدس ترین انسانوں کی زندگیاں گواہ ہیں کہ انہوں نے اللہ کے دین کو سر بلند

۔ نے اور دنیا میں انقلاب لانے کی کیسی کیسی دردناک
ہیبتیں اٹھائی ہیں۔ اور ایک لمحہ کیلئے بھی وہ اپنے فرض سے
فل نہیں رہے! (علیہم السلام)

ایک آلپن اور ایک دھاگے کے تیاری بھی محنت
رلگن چاہتی ہے آپ سے جو عظیم الشان فریضہ متعلق ہے
ں کا تو تقاضہ یہ ہے کہ ایثار و قربانی کا جذبہ آپ کی زندگی
نام دوسری صفات پر غالب ہو جائے! حالات کی
ہدلی کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ جو دنیا کے حالات
ید لنے کا داعیہ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ وہ سب سے
لے خود بدل جائیں!

حق کی راہ یقیناً دشوار ہے مگر چلنا تو اسی راہ میں
ہ سچائی کا پیالہ تلخ اور ناخوش گوار سہی مگر نوشِ جان
اسی کو کرنا ہے! اس ذمہ داری کو جب آپ اُٹھا
۔ ہیں تو پھر پس وپیش کیسا!

باطل کی جڑیں بہت کمزور ہیں مگر آپ ہمت
نہیں کرتے! حق کو غالب اور سربلند ہی ہونا ہے
ن آپ کہ حق کی نمائندگی کا دم بھرتے ہیں جرأت سے
م ہی نہیں لیتے!

دنیا میں بہت کچھ تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں
۔ آپ اپنے سوزِ دل وجان کی شمعیں روشن کر دیں تو
یکیوں کی مجال ہے کہ وہ دم بھر کے لئے بھی ٹک سکیں!

اللہ تعالےٰ کی زمین کے جائز وارث آپ ہیں
۔ آپ کی غفلتوں نے اس ورثہ کو غاصبوں کے قبضہ
ں دے دیا ہے دنیا کی قیادت کے آپ مستحق ہیں۔
اس اپنے حق کو آپ نے خود ہی چھوڑ رکھا ہے خدا
۔ لئے اپنے منصب کو پہچانئے۔ اپنی ذمہ داریوں کو
موس کیجئے۔ اور باطل کے مقابلہ میں اس عزم کے
ٹھ ــــ حق کی سربلندی یا موت ــــ صف آرا
جائیے۔ پس پھر فوز و فلاح اور کامیابیوں کی ایسی
ایسی راہیں کھلیں گی کہ فتح مصر و مدائن کی یاد تازہ ہو
جائے گی۔!

دنیا میں جہاں کہیں بھی فساد پایا جاتا ہے۔۔
اس کے مٹانے کی ذمہ داری اُسی امت پر عائد ہوتی
ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے "خیرالامم" اور "خاتم الامم"
بنا کر اٹھایا ہے "خدائی فوجدار" ایک طنز ہے مگر یہ
واقعہ ہے کہ اُمتِ مسلمہ ساری کائنات کے لئے سچ مچ
"خدائی فوجدار" کی حیثیت رکھتی ہے اگر کسی کافرانہ
ماحول کی کروڑوں انسانوں کی آبادی میں بھی ایک مسلمان
پایا جاتا ہو۔ اُسے حق کی غربت و بے سروسامانی سے
دل شکستہ اور کفر و باطل کے غلبہ سے مرعوب نہ
ہونا چاہیئے مردِ مومن جہادِ زندگی میں سپر انداز تو ہو
ہی نہیں سکتا۔ اسلام کے پرچم اور حق کے جھنڈے کو
وہ تیروں کی بوچھاروں میں بھی مضبوطی کے ساتھ اپنے
ہاتھوں میں تھامے رہے گا، ہاتھ کٹ جائیں گے تو اپنے
دانتوں کی گرفت میں پرچمِ اسلام لے لیگا۔ یہاں تک
کہ اس کا سر قلم ہو جائے۔ بس پھر اس پر کوئی ذمہ داری
نہیں کہ وہ اپنا حق ادا کر چکا۔

بارِ الٰہا! جو تیرے بندے نظامِ حق کے قیام
کے لئے جد وجہد کر رہے ہیں۔ ان کے اعمال میں جہاں
کہیں کھوٹ پائی جاتی ہے اسے اخلاص سے بدل دے
ان میں اگر اختلاف ہے تو اُسے یا تو مٹا دے یا اسے رحمت بنا دے!

یا اللہ! مسلمانوں کی پراگندی کو جمعیت سے اور ان کی پریشاں
حالی اور شکستہ دلی کو نشاط و اطمینان سے بدل دے۔ یا رب قادر و
قیوم! اہلِ نفاق کے شر سے اُمتِ مسلمہ کو بچا۔ اسلامی حکومتوں کی
زمامِ اقتدار ان کو سونپ جن کی زندگیوں میں اسلامی اخلاق
جھلکتے ہوں اور جو اسلام کی سربلندی چاہتے ہوں۔ یا اللہ! مسلم
عوام کو ان لوگوں سے نجات دے جو سازشوں کے ذریعہ اپنے اقتدار کی
عمر بڑھانے میں اپنی تمام توانائیاں صرف کرتے ہوں۔ (آمین)

مستقل عنوان

کیا ہم مسلمان ہیں؟

شمس نوید عثمانی

وہ اور ہم؟

خلافتِ رسولؐ جو یقیناً ایک بہت بڑی تاج پوشی اور ایک زبردست اعزاز تھی۔ ان لوگوں کے لئے کیا چیز تھی جو اس بات پر ایمان لے آئے تھے کہ ہمارا ایک ہی خدا ہے اور ہمیں ہر اعزاز کا استحقاق ثابت کرنے کیلئے ہی زبردست خدا کے آگے پیش ہونا ہے۔ اس کا کچھ اندازہ اس تاریخی تقریر سے ہوتا ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے خلیفہ ہونے کے بعد ایک خاص کرب و درد کے عالم میں امتِ اسلامیہ کے روبرو کی تھی۔ جب لوگ ان کے سر پر خلافت کا تاج رکھ رہے تھے۔ تو انھوں نے ان کا شکریہ ادا نہیں کیا بلکہ کیسی پُرسوز پکار ان کے منہ سے نکلی تھی!

"اے لوگو! میری خواہش تو یہ تھی کہ کوئی اور شخص اس بوجھ کو اٹھاتا! بات یہ ہے کہ اگر تم مجھ سے اپنے پیغمبرؐ کی سنّت کا اتباع چاہو گے تو یہ ایک اتنا بھاری مطالبہ ہے کہ جس کے برداشت کی سکت مجھ میں نہیں۔ کیونکہ تم لوگ جانتے ہو مجھ میں اور ان میں کیا فرق ہے۔ وہ شیطان سے محفوظ تھے۔ اور ان پر آسمان سے وحی

اُترا کرتی تھی ....."

اور یہ۔ خلافت سے بچنے کی خواہش انھیں کس قدر سنجیدگی کے ساتھ تھی۔ اس کا عملی ثبوت بھی انھوں نے پیش کر دیا۔ اسلامی قلمرو کی باگ ڈور ۔ سلطنت کے سیاہ و سفید کی طاقت اور عظیم خزانوں کی کنجیاں جن ہاتھوں میں آ پہنچی تھیں وہی ہاتھ محلے کی غریب چھوکریوں کے کہنے پر انکی بکریوں کے تھن نچوڑتے ہوئے دیکھے گئے۔ خلافت کا اعلان ہوئے کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ مفلوک الحال بچیوں نے ان کا دامن پکڑ کر بڑے نازونخرے کیساتھ احتجاج کیا۔

"اب آپ ہماری بکریاں نہیں دوہتے! بتایئے باپ! اب کون انھیں دوہا کرے گا؟"

خلافت کی معرکہ خیز ذمہ داریوں میں سر سے پیر تک لدے پھندے ہوئے ابوبکر صدیق رضؓ نے سادہ لوح بچیوں کی یہ شکایت سُنی۔ اور شفقت بھری نظروں اور محبت بھرے ہاتھوں سے ان بچیوں کو پچکارتے اور تھپکی دیتے ہوئے فرمایا:۔

"میں دوہا کروں گا تمہاری بکریاں ۔ بیٹی! اسی طرح جس طرح اب تک دوہتا آیا ہوں"

اپنی خلافت کے عہدِ زرّیں میں

دوسرے خلیفۂ رسول حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ "خدا کے گھر" کا طواف کر کے سوئے مدینہ تشریف لے جا رہے تھے۔ تو انھیں اُن کا بے حد اچھا عہد بہت زیادہ یاد آ رہا تھا۔ خانہ کعبہ کے گرد پروانہ وار چکر کاٹتے ہوئے جب وہ یہ کہہ رہے تھے کہ "میں حاضر ہوں اے میرے اللہ! میں حاضر ہوں" تو یہ پُرسوز پکار ان کی روح کو خدا کے حضور پہنچنے کی ایک زبردست تڑپ بخش رہی تھی۔ مگر ساتھ ہی ساتھ آخرت میں ان تمام ذمہ داریوں کا محاسبہ بھی پوری شدّت کے ساتھ دیدۂ دل کے سامنے آ گیا تھا اس کیفیت میں وہ چلتے چلتے رُکے۔ دھول سے اَٹے ہوئے سنگریزے اکٹھے کئے اور خاک کے بستر پر چادر بچھا کر وہ سیدھے لیٹ گئے۔ جن کے پیروں میں قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت لوٹ رہے تھے یوں فرشِ خاک پر عاجزانہ لیٹ کر انھوں نے آسمان کی طرف نمناک آنکھوں سے دیکھا تو بے ساختہ لیٹے لیٹے دُعا کے لئے ایک بھکاری کی طرح ہاتھ پھیلائے ہوئے پکار اٹھے:۔

"خداوندا! دیکھ تو میں اب کتنا بوڑھا
ہو گیا ہوں۔ میرے قویٰ ضعیف ہو گئے
مولا۔ اور میری رعایا ہر جگہ پھیل گئی۔ بس
اے مالک! مجھے اس حالت میں اٹھا لے
کہ میرے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور میں
حدِ اعتدال سے آگے نہ بڑھوں"

اور یہی ہے کہ بہت ہی بڑا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے۔ نالۂ نیم شبی سے ہوش آتا تو فوراً یہ فکر ستاتی کہ کہیں تہجد گزار تھک ہار کر سوتے نہ رہ جائیں۔ وہ اٹھتے اور نمازیوں کو نمازِ فجر کے لئے جگاتے پھرتے تھے۔ وہ کھانا کھانے کے لئے بیٹھتے تو یہ اندیشہ ہاتھ کا نوالہ ہاتھ میں اور منہ کا نوالہ منہ میں روک دیتا کہ کوئی اللہ کا بندہ بھوکا نہ پڑا رہ گیا ہو! اسی لئے نمازِ عشاء کے بعد یہ بھی ان کا معمول تھا کہ مسجد میں پھر پھر کر نمازیوں کے چہرے دیکھتے اور پھر ذرا سا شائبہ ہوتا تو گھبرا کر پوچھتے "تم نے روٹی کھا لی کہ نہیں؟"۔ سونے کے لئے بستر ان کی طرف بازو پھیلاتا تو پاؤں رکھتے ہی یہ فکر تڑپا کر اٹھا دیتی کہ لوگوں کی جان و مال پر آنچ نہ آ جائے!۔ بس پھر نیند کہاں! وہ اُٹھتے اور سونے والوں کے گھروں کا پہرہ دیتے۔ فوجیں جنگ پر جاتیں تو دل ہر وقت انہی میں اٹکا رہتا۔ نہاوند کا واقعہ پیش آیا تو راتیں کی راتیں کروٹ بدل کر کاٹیں۔ قادسیہ کی جنگ چھڑی تو رہ رہ کر گھر سے نکلتے۔ شہر سے باہر پہنچ جاتے۔ صبح سے دوپہر تک وہیں چکر کاٹتے۔ اور کوئی شتر سوار ادھر سے آ رہا ہوتا تو دوڑ دوڑ اس کے پاس جاتے اور جنگ کا حال معلوم کرنا چاہتے۔ ایسے ہی موقعہ پر ایک بار محاذِ جنگ کا ایک سوار خبریں لئے ہوئے خلیفۂ رسول کی خدمت میں جلد پہنچنے کے لئے سواری کو تیز دوڑا آ رہا تھا اور خلیفۂ رسول بنفسِ نفیس خاک و دھول میں لت پت اس سوار کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اور جلدی جلدی جنگ کی خبریں معلوم کر رہا تھا۔ اس عالم میں اسے اتنی بھی فرصت نہ ملی کہ پیٹھ پھیرے ہوئے دوڑتے ہوئے مسافر کو یہ بتانے کی ضرورت سمجھتا کہ جس شخص کی طرف تو دوڑے جا رہا ہے وہی اس وقت تیرے پیچھے دوڑے آ رہا ہے!

اس کے باوجود وہ مطمئن نہ تھے کہ خدا کو اپنی ذمہ داریوں کا حساب آسانی سے دے سکیں گے۔ کبھی کبھی یہ تشویش اتنی بڑھتی کہ دل کی تڑپ زبان پر آ جاتی۔ ایک بار نہ جانے کس کیفیت میں تھے کہ بے اختیار منہ سے نکلا:۔

"اگر کوئی دوسرا شخص اس بار کو اٹھانے
کی سکت رکھتا تو میرے لئے کہیں زیادہ
آسان ہوتا کہ آگے بڑھ جاؤں اور میری گردن
اڑا دی جائے"

قاتلانہ گھاؤ لگ چکا ہے۔ شمعِ زندگی کی لو تھرتھرا رہی ہے۔ سانس۔ آخری سانس گنے جا رہے ہیں۔ مگر

حضرت عمرؓ جبکہ اس وقت اپنی زندگی کے خون کے آخری قطرو سے لوگوں کی غمناک سماعت پر ٹھیک ان دو باتوں کی درد بھری وصیت لکھے دے رہے ہیں۔ جن کا ذکر و فکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک جان کو دم واپسیں لاحق تھا۔ وہی نماز اور خدا کے کمزور بندوں کی حقوق کی فکر۔ خون بہتے بہتے نبضیں چھوٹی جا رہی ہیں۔ ہوش و حواس رہ رہ کر غشی میں ڈوب جانا چاہتے ہیں۔ مگر نماز کا فکر ان کو مرتے مرتے چونکا دیتا ہے۔ اور خلافت کے زیر سایہ بندوں۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے حقوق کی یاد آتی ہے تو اس وقت بھی جھنجوڑ ڈالتی ہے۔ جبکہ وہ اپنی زندگی کی آخری قوت سمیٹ کر اور انسانیت کی حفاظت کا حق ادا کر رہے ہیں۔ موت کے خطرے کو ان کی طرف تیزی سے بڑھتا ہوا پا کر جب کسی نے ان سے یہ درخواست کی کہ "حضرت! اپنے بعد کسی شخص کا انتخاب کرتے جائیے" تو یہ سنکر ان کو جیسے خوف کے مارے پسینہ آگیا اور بڑی ہی درد بھری اور قابلِ ترحم کیفیت سے لوگوں کو تکتے ہوئے انھوں نے ٹوٹتے چھوٹتے مضمحل الفاظ میں کہا "تو ...... کیا ..... یہ بوجھ ... ... میں موت اور ..... زندگی دونوں ... حالتوں میں ... اٹھاؤں ..... ارے میری ..... تو ..... صرف یہ آرزو ہے کہ عذاب و ثواب برابر سرابر ..... ہو جائے ..... اے کاش! ....."

خدا کا ڈر ان لوگوں کو ایسے گھیرے ہوئے تھا کہ حکمرانوں کی زبردست طاقت کا ایک ذرہ بھی نفس کی لذت کے حصے میں آنا محال ہو چکا تھا۔ کسی دن کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ خلافت کے نازک ترین امور کی گتھیاں سلجھانے میں ہمہ تن منہمک تھے کہ اچانک ایک شخص اندر گھس آیا۔ اور آتے ہی حضرت عمرؓ کی عظیم محویت کو درہم برہم کرتے ہوئے پکار اٹھا:-

"اے امیر المومنین ۔ اے امیر المومنین!! ۔ مجھ پر فلاں شخص نے ستم ڈھا دیا۔۔۔"

دین و ملت کے بڑے اہم معاملوں میں حضرت عمرؓ اس وقت جس طرح مصروف تھے اس میں انھیں یہ بے وقت کی دہائی اور مداخلت فی الدین سے کم محسوس نہ ہوئی۔ سخت غصہ آیا۔ اور آنے والے کے سر پر ایک کوڑا جما دیا۔

"جب میں مقدمات ہی فیصل کرنے کیلئے خاص طور سے بیٹھتا ہوں تو تم لوگ آتے نہیں ہو!" انھوں نے بگڑ کر کہا۔ "اور جب مسلمانوں کے دوسرے کاموں میں مصروف ہوتا ہوں تو دادرسی کے لئے آموجود ہوتے ہیں!"

آنے والے کی سٹی گم ہو گئی۔ مگر اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ بڑی دل شکنی اور بڑی خفگی کے ساتھ واپس مڑ رہا تھا۔ یہ منظر دیکھتے ہی حضرت عمرؓ کا چہرہ خوف خدا سے فق ہو گیا۔ اس روحانی کرب کے دفعیہ کی اب محض ایک شکل باقی تھی کہ مسلمانوں کے امیر کے سر پر یہ عامی مسلمان کوڑے کے جواب میں کوڑے مارے ۔ اور یہی شکل حضرت عمرؓ کے لئے کس قدر آسان اور جاں نواز تھی۔ سہمی ہوئی آواز میں انھوں نے جانے والے کو پکار کر اور اس کے سامنے وہی کوڑا بے تکلف ڈالتے ہوئے انھوں نے اپنے جسم کو اس سزا کیلئے پیش کر دیا۔ اس وقت لفظی معافی بھی ان کے دل کا بوجھ ہلکا نہ کر سکتی تھی۔ "تم مجھ سے قصاص لو" انھوں نے اپنے اس فیصلے پر ایک خاص انداز سے پورا زور ڈالتے ہوئے اس شخص کی ہمت بندھائی۔

"جی!؟" وہ شخص حیرت کی شدت سے ہکلانے لگا۔ "یہ ...... آپ ... کیا فرما رہے ہیں! ...... اچھا... اچھا ... میں نے آپ کو خدا کے لئے اور آپ کے لئے معاف کر دیا۔"

"جی نہیں!" حضرت عمرؓ نے ایسی معافی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جس کے الفاظ سے یہ بو آ رہی تھی کہ وہ انکے عہدے کا لحاظ کر رہا ہے۔ "صاف کہو کیا کہتے

ہو؟" ــ تم نے مجھے خدا کے لئے معاف کیا۔ یا میرے لئے؟"

مخاطب بات کی تہہ تک پہنچ گیا۔ اور خلیفۂ رسول کو مطمئن کردیا۔ کہ میں نے خاص خدا کے لئے آپ کو دل سے معاف کردیا ہے۔

ایک بار مسجد سے گھر آرہے تھے کہ ایک صحابیہؓ نے ان کو سلام کے فوراً بعد اس طرح آڑے ہاتھوں لیا۔

"اے عمرؓ! میں نے تمہارا وہ زمانہ دیکھا ہے جب عکاظ کے بازار میں لوگ تمہیں "عمیر، عمیر" کہا کرتے تھے پھر کچھ دنوں کے بعد تم عمرؓ ہوگئے۔ اور اب ــ تمہارا لقب امیر المومنین ہے۔ **پس محکوموں کے معاملے میں خدا سے ڈرو!**"

بوڑھی صحابیہؓ کی شفقت و نصیحت کا یہ انداز اس قدر تیز و تند تھا کہ حضرت عمرؓ کے ساتھ چلنے والوں کو کھل گیا مگر خود حضرت عمرؓ کچھ نہ بولے۔

"بی بی"! ایک شخص سے رہا نہ گیا اور کہہ اٹھا تم نے تو امیر المومنین کو بہت کچھ کہہ ڈالا۔۔۔۔"

"اس بات کو جانے دو!" حضرت عمرؓ نے اپنے حمایتی کو فوراً روک دیا۔ اور آہ سرد بھرتے ہوئے بولے "کیا تم نہیں جانتے کہ یہ خولہؓ بنت حکیم ہیں۔ اور عبادہؓ بن صامت کی اہلیہ ہیں۔ خدا نے تو سات آسمان اوپر سے ان کی بات سُن لی تھی (اور ان ہی کے مسئلے میں سورۂ مجادلہ اتری تھی) تو پھر عمر کو تو اور بھی زیادہ سُننا چاہیئے"

حضرت عثمانؓ غنی نے تو خلافت کی فوجی طاقت کو اپنے لئے اس وقت بھی استعمال نہیں کیا جب فسادیوں کی گستاخ ٹولی ان کے جسم اطہر پر خنجر آزمائی کے لئے ان کے مکان پر چڑھی آرہی تھی۔

"فسادیوں کی سرکوبی کے لئے آپ فوجوں کو حکم دیجئے نا! زبردست خطرے کے وقت دردمند دل پکار اٹھے۔

"نہیں" حضرت عثمان غنیؓ نے خدا کے خوف سے لرزتے ہوئے کہا: "اس طرح تو امت کا خون ہو جائے گا ...... یہ مجھ سے کبھی نہیں ہوگا۔"

اور آخر خلافت کی طاقت کا تاج پہنے ہوئے انھوں نے خونِ شہادت سے خود کو تر کرلیا۔ خلافت ملنے سے پہلے ان کی زندگی سے ان کی زبردست دولت و ثروت لاکھ جھلکتی رہی ہو مگر تختِ خلافت کے چھوتے ہی وہ محض مشتِ خاک ہو کر رہ گئے تھے۔ اور ان کے اندر کا فقر باہر کی طرف اُبل پڑا تھا۔ اب وہ صحنِ مسجد میں اس طرح زمین پر کروٹیں لیتے ہوئے دیکھے جاتے تھے کہ سر کے نیچے ایک چادر تہہ کی ہوئی رکھی ہے اور ناز و نعم میں پلے ہوئے نازک جسم کی کھال پر سنگریزوں اور کنکروں نے جی بھر کے نقش و نگار بنا دیئے ہیں۔ اپنی جان کے لئے جس کی یہ کیفیت تھی وہ دوسروں کے حقوق کی حفاظت میں سراپا تشویش و احتیاط تھا۔ دیکھا گیا کہ مسجد میں نماز کیلئے صفیں درست ہو رہی ہیں مؤذن نے اقامت شروع کردی ہے مگر حضرت عثمانؓ خدا کے سامنے اس وقت دست بستہ پیش ہونے سے پہلے بیتاب ہیں کہ بازاروں کے صحیح نرخ کے سلسلے میں اپنی بات جلدی جلدی پوری کرلیں۔

اپنے دورِ خلافت میں حضرت علیؓ بازار کی نگرانی اور معائنے پر پھر رہے تھے کہ ایک خرما فروش کی دوکان پر ایک لونڈی روتی ہوئی دکھائی دی۔ جلدی سے اس کی طرف دوڑے:-

"کیا بات ہے؟" اس کے پاس جا کر اس کا حال پوچھا۔

"اس دوکاندار نے" کنیز نے انھیں دیکھ کر سسکتے ہوئے کہا "ایک درہم کھجور میرے ہاتھ فروخت کی۔ لیکن میرے آقا نے اس کو واپس کردیا تو یہ واپس لینے کے لئے تیار نہیں۔۔۔"

"کھوں بھئی؟" نرم خفگی کے ساتھ دکاندار کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت علیؓ نے کہا۔ "واپس لے لو اور اس کے دام لوٹا دو۔"

"کیسی واپسی!!" دوکاندار اس سفارش پر بگڑ گیا اور تاؤ میں آکر حضرت علیؓ کو دھکا دے دیا۔

"ہائیں! ہائیں!!" دیکھنے والے چلائے "پہچانتے نہیں ہو یہ امیر المومنین ہیں!....."

یہ سننا تھا کہ دوکاندار کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے ...بڑھ کر دام لوٹائے اور اس گستاخی پر خوف سزا سے ...نے اٹھا۔

"مجھے معاف کر دیجئے۔ اور مجھ سے راضی ہو ...یئے" بہت بہت ڈرتے اس نے عرض کیا۔

"اگر تم لوگوں کا حق پورا پورا دو گے" حضرت ...رضؓ نے ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ فرمایا "تو پھر مجھ سے ...ز اور کون تم سے راضی ہوگا؟" یہ فرمایا اور پھر چپکے ...ے آگے بڑھ گئے۔

خدا کی بندگی پر کجکلاہی کی مغرور روایتوں کو بھینٹ ...ھانے کا یہ رقّت انگیز اسوہ اِن چاروں خلفائے راشدین ...نہیں ختم ہوا بلکہ اس کی ایمان افروز جھلکیاں رہ رہ کر انسانی ...ہ کی آنکھ کو خیرہ کرتی رہی ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ ...عنہٗ جو ظاہری شان و شوکت اور ایک خاص سیاسی ...ت کی بنا پر دربارِ فاروقی سے کسرائے عرب کا عظیم ...پا چکے تھے۔ ان کی خلوتِ فاخرہ کے اندر بھی کیسا قلب دھڑک رہا تھا! ایک بار انھوں نے چند سو درہم کسی ...ی کو بھجوائے۔ ان کو یہ رقم اس خاص موقع کے لحاظ ...ست حقیر محسوس ہوئی۔ خفا ہو گئے اور اپنے بیٹے کو ...کہ جاؤ اور یہ رقم ان ہی کے منہ پر مار آؤ!" اطاعت ...بیٹا روانہ ہونے لگا تو غیظ آلود کیفیت میں باپ نے

...— تو بچا...

"قسم کھاؤ کہ یہ رقم تم ٹھیک ان کے منہ پر مار کر ہی آؤ گے۔"

بیٹا قسم کھانے پر مجبور ہو گیا اور ایک سخت ذہنی کشمکش کے عالم میں دربارِ معاویہ میں کشاں کشاں حاضر ہوا اس کی عقل حیران و سرگرداں تھی کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے! آخر یہی شکل ممکن نظر آئی کہ یہ سارا ماجرا صاف صاف حضرت معاویہؓ کے سامنے بیان کر ڈالے۔

"میرے باپ سخت بدمزاج ہیں۔" لڑکے نے جاکر کسرائے عرب سے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "اور انہوں نے مجھے قسم دے کر اور قسم لے کر بھیجا ہے کہ آنجناب کا یہ تحفہ منہ پر مار کر آؤں۔ خدا کے لئے بتایئے میں باپ کے حکم اور آپ کے احترام کے تقاضے کو کس طرح پورا کروں....."

یہ باتیں سننے کے بعد حضرت معاویہؓ بگڑنے کے بجائے زیرِ لب مسکرائے۔

"اس میں پریشانی کی تو کوئی خاص بات نظر نہیں آتی!" انہوں نے سر جھکائے کہنا شروع کیا "ایسا کیا جائے کہ میں اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیتا ہوں اور تم اطمینان سے اپنی قسم پوری کر ڈالو!۔ مگر دیکھنا بہت زور سے نہ مارنا بیٹا! تم دیکھ رہے ہو کہ میں کافی بوڑھا آدمی ہوں۔"

پھر اس کے بعد۔ اس واقعہ کے بعد جب وہ لڑکا واپس جانے لگا تو حضرت معاویہؓ نے دوگنی رقم بھی ان انصاری کی خدمت میں روانہ کر دی۔

خدا جانے یہ لوگ ــ یہ کشتگانِ بندگی کونسی مٹی کے بنے ہوئے تھے۔ کہ جو سونا چاندی کے جگمگاتے ہوئے خزانوں میں بیٹھ کر دنیائے دنی کو اس حقیقت کا دو دہرا سبق دے سکتے تھے۔ کہ آدمی سچ مچ مٹی سے بنا ہے اور جلد یا بدیر مٹی ہی میں رَل مِل جانے والا ہے کتنی بڑی کل چیز تھا وہ

جو نخوت و تکبر کی مخصوص مسندوں پر جلوہ افروز ہو کر یہی راز سمجھا ہوا تھا کہ خدائے ذوالجلال کے قدموں میں جس آدمی کی روح کو جگہ مل گئی ہو اسے تخت شاہی پر بھی قرار نہیں آتا! یہ تھی وہ مخلوق جو ایمان ویقین کی سب سے بڑی وجد انگیز کیفیت میں جب باقی کو فانی پر ترجیح دیتی تھی۔ تو اس کے دل کو حقیقی قرار آتا تھا۔ یہ تھے وہ لوگ جن کا عظیم نام "مسلمان" تھا۔ لیکن آج "مسلمان" کہتے کسے ہیں؟ — آہ! میرے مولا! یہ ایک سوال نہیں روح کا ناسور ہے۔ جو ذرا سی چھیڑ سے رسنے لگتا ہے۔ ہائے ہم! — جو آج مسلمان کہلاتے ہیں اور موت سے صرف اس لئے ڈرتے ہیں کہ ہم نے دنیا کو اب تک آباد اور آخرت کو برباد کیا ہے اسی لئے آخرت کی طرف بڑھنے کا تصور ہمیں بستی سے ویرانے کی طرف بڑھتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ اے کاش! یہ سوال ہمیں جہاں کبھی ہو بھی بڑی بے چینی عطا کرے کہ "کیا ہم مسلمان ہیں؟" اور پھر یہی بے چینی ہمیں وہاں تک پہنچا دے جہاں میرے خدا کا کہنا ہے کہ نہ کوئی غم ہے اور نہ کوئی خوف۔

اسلامی سماج

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں اسلامی سماج کی جو تصویر بنتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمان کے درمیان اس طرح رہتا ہے کہ وہ انکو غیر نہیں سمجھتا بلکہ اپنا ہی ایک حصہ سمجھتا ہے دوسروں کے کسی رویہ سے جب اس کو خوشی محسوس ہوتی ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ دوسرے کس طرح خوش ہوتے ہیں اسلئے وہ خود بھی دوسروں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنے لگتا ہے اسی طرح جب کسی ایک کا رویہ اس کیلئے تکلیف کا باعث ہوتا ہے تو اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ دوسرے کس چیز سے تکلیف محسوس کرینگے۔ اور وہ اس کا سخت اہتمام کرتا ہے کہ دوسروں کو اسکی ذات سے اس قسم کے سلوک کا تجربہ نہ ہونے پائے حتیٰ کہ ایک مسلم آبادی ایک واحد جسم کے مانند ہو جاتی ہے جسم کے ایک حصہ میں تکلیف ہو تو ناممکن ہے کہ بقیہ جسم اس کے لئے تڑپ نہ اُٹھے۔ اسی طرح ایک مسلمان کی تکلیف سارے مسلمانوں کی تکلیف بن جاتی ہے۔ اور لوگوں کو اسوقت تک چین نہیں آتا جب تک وہ اپنے بھائی کی تکلیف دور نہ کر دیں۔ اسلام کا سماج ایک ایسا سماج ہے کہ جب بھی ایک شخص کا دوسرے سے واسطہ پڑتا ہے تو وہ اس کے اندر محبت اور رحم دلی اور مہربانی پاتا ہے ہر ایک دوسرے کی حاجت روائی کے لئے اسطرح تیار رہتا ہے جیسے کہ اس کا اپنا مسئلہ ہو۔ کوئی دوسرے مسلمان کو ننگا یا بے گھر دیکھتا ہے تو اس کو محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ خود ننگا اور بے گھر ہو گیا ہو۔ کسی کو برداشت نہیں ہوتی کہ وہ دوسرے بھائی کو بے سہارا چھوڑ دے ایک کو دوسرے سے ظلم اور گھمنڈ کے بجائے تواضع اور انصاف ملتا ہے کوئی کسی کے اوپر فخر نہیں کرتا۔ کوئی کسی کے اوپر حسد نہیں کرتا۔ بلکہ ہر ایک دوسرے کا خیر خواہ ہوتا ہے ہر ایک، دوسرے کا ساتھی بن جاتا ہے مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح رہتے ہیں کہ ان کے لئے ناقابلِ تصور ہوتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کے خون کو اپنے لئے جائز کر لیں۔ خواہ اس سے ان کو کتنی ہی زیادہ تکلیف پہنچی ہو ..... ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا مال لے لینے سے اس طرح بچتا ہے جس طرح کوئی شخص آگ کو ہاتھ میں لینے سے بچتا ہے۔ ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی آبرو پر حملہ کرنا اسی طرح ناممکن ہو جاتا ہے۔ جیسے اپنے آپ کو بر سر بازار ننگا کرنا۔



تجلّی کی ڈاک

لائف ممبری

سوال:- از نجم الہدیٰ پٹنہ

اخبارات و رسائل کی لائف ممبر بننے کا سلسلہ عام ہے جبکہ لائف ممبری عقلاً جائز معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ لائف ممبر بننے کے بعد ممکن ہے کہ رسالہ کا ایڈیٹر فوراً ہی فوت ہو جائے یا ممکن ہے کہ پچاس سال بھی فوت نہ ہو۔ پہلی صورت میں لائف ممبر کا نقصان ہے اور دوسری صورت میں ایڈیٹر کا آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ جتنی قیمت ادا کی گئی ہے، اتنے ہی رسالے (کم نہ زیادہ) لائف ممبر کو موصول ہوں۔ فریقین میں سے کسی ایک کا نقصان بھی شریعت کی نظروں میں مباح کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب

لائف ممبری کی فیس اُجرت نہیں بلکہ رسالہ کے ساتھ ایک طرح کا تعاون ہوتا ہے اس تعاون کے بعد معاون کو رسائل اعزازی طور پر روانہ کئے جاتے ہیں، قرآن حکیم میں صاف طور پر فرمایا گیا ہے کہ احسان کا بدلہ صرف احسان ہی ہو سکتا ہے۔ لائف ممبری قبول کرنے والا شخص رسالہ کے ساتھ "ایثار" کا معاملہ کرتا ہے "خرید" کا نہیں یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ میں کسی طرح لکھت پڑھت نہیں ہوتی محض رقم ادا کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے اور یہی احسان و ایثار کا عام طریقہ ہے۔ اس احسان کے بعد رسالہ ایڈیٹر کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے معاون و محسن کی خدمت میں رسالہ تا زندگی بھیجتا رہے۔ واضح رہے کہ "لائف" ایڈیٹر کی نہیں رسالہ کی زندگی مراد ہوتی ہے ایڈیٹر کی وفات کے بعد اگر رسالے کو چلانے والے ایڈیٹر کے پس ماندگان ہی ہوں تو ان کے لئے بھی اخلاقاً یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے بڑوں کے ساتھ کئے گئے احسانات کو فراموش نہ کریں، اور لائف ممبران کا رسالہ اعزازی طور پر جاری رکھیں، لیکن اگر ایڈیٹر کے وصال کے بعد رسالہ غیر کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے تو یہ ایڈیٹر لائف ممبران کے ساتھ معاونت کرنے کا پابند نہیں ہو سکتا۔ اور شرعاً اسے پابند کیا بھی نہیں جا سکتا۔ لیکن اگر وہ بہ صدقِ دل خود ہی اس پابندی کو گوارہ کرے تو اس کا احسان لائف ممبران پر نہیں سابق ایڈیٹر کے پس ماندگان پر ہوتا ہے۔ بہرحال لائف ممبری کا طریقہ چونکہ خالصتہً احسان و ایثار سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا اس میں شرعاً کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں ہے۔ اگر آپ

طلاق بہرحال واقع ہوجاتی ہے جبکہ تحریری طلاق صرف اس صورت میں واقع ہوتی ہے جب طلاق نامہ مرضی سے لکھا گیا ہو۔ اگر کسی طرح یہ ثابت ہوجائے کہ طلاق نامہ زبردستی کرکے قلم بند کرایا گیا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

زیرِ بحث مسئلہ میں ڈاک سے روانہ کردہ طلاق نامہ اگر ہندہ کو موصول بھی نہیں ہوا ہے تو طلاق اسی وقت واقع ہوچکی ہے جس وقت طلاق نامہ لکھ لیا گیا تھا۔ اور عدت اسی تاریخ سے شمار ہوگی لیکن اگر خط میں یہ لکھا ہو کہ جس وقت تمہیں یہ خط مل جائے اس وقت سے تم اپنے کو مطلقہ سمجھو تو پھر طلاق اسی وقت پڑسکے گی جب یہ خط ہندہ تک پہنچ جائے۔ اگر خط ڈاک کی گڑبڑ کی وجہ سے ہندہ تک نہیں پہنچ پایا تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔

جنازہ اٹھنے سے پہلے فاتحہ

سوال :- از معراج الحق سردھنہ

ہمارے یہاں بعض علاقوں میں یہ دستور ہے کہ میت کے گھر تعزیت کرنے والوں کا ایک ہجوم ہو جاتا ہے میت کو غسل دینے کے بعد سب لوگ کھڑے ہوجاتے ہیں اور بیک آواز "الفاتحہ" کہہ کر فاتحہ پڑھنا شروع کردیتے ہیں۔ بعض حضرات اس طریقہ کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ ازراہِ کرم جواب دیکر مسئلہ کی صحیح صورت واضح کریں۔

جواب :-

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر تبع تابعین تک اس طرح کی "بے تکی" باتیں شروع نہیں ہوتی تھیں۔ یہ سب بعد کی پیداوار ہیں اس طرح کی باتوں سے احتراز ضروری ہے مُردے کے لئے ذاتی طور پر مغفرت کی دعا کرنا جائز ہے لیکن کسی خاص ڈھنگ سے اجتماعی طور پر دُعا کرنا سنتِ رسول اور طریقہ اصحابؓ کے خلاف ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں تحریر ہے۔

کرہ ان یقوم رجل بعد ما اجتمع القوم لاصلوٰۃ وید عو اللمیت ویرفع صوتہ

مکروہ ہے یہ بات کہ لوگ نمازِ جنازہ کے لئے جمع ہوں پھر ایک شخص کھڑے ہوکر میت کے لئے بآوازِ بلند دعا کرے۔

حائضہ سے صحبت

سوال :- از شرافت علی کشمیر

پچھلے دنوں ایک مولانا نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ کوئی شخص اگر اپنی بیوی کے ساتھ ایامِ حیض میں صحبت کرے تو وہ نصف دینار کے بقدر رقم خیرات کرے تو کیا حائضہ سے صحبت کرنے کی شریعت نے فیس مقرر کی ہے۔

جواب :-

آپ نے مقرر کی بات کا مطلب بالکل غلط نکالا ہے۔ نصف دینار کی خیرات بطورِ فیس نہیں بطورِ جرمانہ ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ رمضان المبارک کی کوئی روزے دار نفسانیت سے مغلوب ہوکر بیوی کے ساتھ مباشرت کر بیٹھے تو اس کے لئے کفارہ کی ادائیگی ضروری ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کفارہ مباشرت کی اُجرت یا فیس ہے۔ بلکہ کفارہ ایک طرح کا جرمانہ جو غضبِ خداوندی کو رفع کرنے کے لئے ادا کیا جاتا ہے۔

حالتِ حیض میں صحبت کرنے کی حُرمت قرآن حکیم سے ثابت ہے۔ سورۃ نساء میں فرمایا

[illegible] شرائط پر [illegible] اشکال یا اعتراضات ابھرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔

بہ سلسلۂ وراثت

سوال :- از خلیل احمد (شہر کا نام ندارد)

ہمارے یہاں پچھلے دنوں ایک صاحب کا انتقال ہوگیا ہے مرحوم نے ایک بیوہ تین لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ اور مرحوم کا ایک سگا بھائی بھی ہے جو بیوی بچوں والا ہے از راہ کرم یہ وضاحت فرمائیں کہ ترکہ کی تقسیم کس طرح ہوگی مرحوم نے کم و بیش ایک لاکھ کی جائداد چھوڑی ہے۔

جواب :-

اگر مرنے والے نے کسی طرح کی وصیت نہ کی ہو اور اس پر کسی کا قرض بھی نہ ہو تو کل جائداد کے بہتّر حصے کر لئے جائیں پھر نو حصے بیوی کو پندرہ حصے بھائی کو اور سولہ سولہ حصے لڑکیوں کو دیئے جائیں۔ فرض کر لیجئے کہ مرنے والے نے ایک لاکھ آٹھ ہزار روپے چھوڑے تو بیوی کو ساڑھے تیرہ ہزار بھائی کو ساڑھے بائیس ہزار۔ اور لڑکیوں کو چوبیس چوبیس ہزار روپے دیئے جائیں۔

تحریری طلاق

سوال :- خواجہ سرفراز الدین۔ شعلہ پور

زید نے اپنی بیوی کو "طلاق نامہ" لکھ کر بند لفافے بذریعہ ڈاک روانہ کیا تھا۔ لیکن ڈاک کی گڑبڑ کی وجہ سے طلاق نامہ بیوی تک نہیں پہنچ سکا۔ کئی ماہ کے بعد زید کو علم ہوا کہ ہندہ تک طلاق نامہ پہنچا ہی نہیں تو اس نے رجسٹری سے طلاق نامہ روانہ کیا۔ جو ہندہ نے وصول کر لیا۔ اس سلسلے میں جو [illegible] دریافت طلب بات ایک یہ ہے کہ تحریری طلاق کی حیثیت کیا ہے بعض حضرات یہ کہہ رہے ہیں کہ تحریری طور پر طلاق دینا بدعت ہے اور تحریری طلاق واقع بھی نہیں ہوتی۔ دوسری دریافت طلب بات یہ ہے کہ اگر طلاق پڑ گئی تو ہندہ کی عدت کب سے شمار ہوگی؟ تجلی کے ذریعہ جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

جواب :-

تحریری اور زبانی طلاق میں کوئی فرق نہیں دونوں کا حکم ایک ہی ہے جو حضرات تحریری طلاق کو بلادلیل بدعت قرار دے رہے ہیں انہیں فقہ و شریعت کا علم حاصل نہیں۔ یاد رکھیئے کہ بدعت، مکروہ، حرام ہونا ایک الگ بات ہے۔ اور طلاق کا واقع ہونا ایک بالکل ہی الگ بات ہے ایک ہی وقت میں تین طلاق دینے کو احناف نے بدعت قرار دیا ہے لیکن ایک وقت میں تین طلاق دینے سے طلاقِ مغلظہ واقع ہو جاتی ہے۔ حالتِ حیض میں طلاق دینا مکروہ ہے، لیکن اگر کوئی شخص حالتِ حیض میں طلاق دیدے تو اس کے واقع ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا بعض حضرات کا یہ کہنا کہ تحریری طلاق بدعت ہے اس لئے واقع نہیں ہوتی جہالت کا شاخسانہ ہے۔ اگر تحریری طلاق کو بدعت مان بھی لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ طلاق کا یہ طریقہ پسندیدہ نہیں ہے۔ جس طرح حمل کی حالت میں نکاح اور حیض کی حالت میں طلاق کو پسند نہیں کیا گیا لیکن حمل کی حالت میں ہو جانے والا نکاح اور حیض کی حالت میں دی جانے والی طلاق درست ہو جاتی ہے زبانی اور تحریری طلاق میں فرق صرف اتنا ہے کہ زبانی

کیا ہے:-

لیسئلونک عن المحیض قل ھوا
فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوھن
حتی یطھرن۔

(اے نبی) لوگ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھا کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ ایک گندی چیز ہے اور ان سے کہہ دیجئے کہ حیض کی حالت میں عورتیں صحبت نہ کریں جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص حائضہ عورت سے صحبت کرے، یا عورت کے خلاف فطرت مقام میں صحبت کرے یا کسی کاہن کے پاس آئے تو وہ دین محمدی کا منکر ہے بدنصیبی سے اگر کوئی مسلمان اس گناہ کا مرتکب ہو جائے تو غضب خداوندی کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے توبہ و استغفار بھی کرے اور بطور جرمانہ نصف دینار بھی خیرات کرے۔ کتنی ڈھٹائی کی بات ہوگی کہ اگر کوئی شخص جرمانہ کو اجرت یا فیس تصور کرے۔ (العیاذ باللہ)

ضبطِ ولادت

سوال:- عشیق حسین۔ جعفرآباد

میرے ایک دوست ہیں ان کی بیوی بہت کمزور ہیں۔ اب تک تین بچے ان کے ہو چکے ہیں ایک لڑکا ہے اور دو لڑکیاں، ہر بار ولادت کے وقت ان کی حالت نازک ہو جاتی ہے ڈاکٹروں کے مشورے پر میرے دوست نے نس بندی کرانے کا فیصلہ کر لیا ہے لیکن پھر بھی وہ اس بارے میں شرعی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مقامی جامع مسجد کے امام صاحب نے مجبوری کی حالت میں نس بندی کرا لینے کو جائز بتایا ہے۔ امام صاحب کا کہنا ہے کہ عورت کی زندگی کا تحفظ شرعاً ضروری ہے امید ہے کہ آپ اس سلسلہ میں تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔

جواب:-

بلاشبہ بعض حالات میں ضبطِ ولادت کی غرض سے نرودھ وغیرہ کا استعمال کرنا جائز ہے لیکن آپریشن کرا لینا بہت ہی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں جائز ہو سکتا ہے۔ آپ کے دوست کی بیوی چونکہ بہت کمزور ہیں (بقول آپ کے) اس لئے بوقت ولادت انھیں زیادہ تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے ممکن ہے کہ وہ آئندہ صحت مند ہو جائیں اور پھر ولادت میں انھیں ایسی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے کہ جس سے جان جانے کا اندیشہ ہو۔

ہماری رائے میں عارضی طور پر بچوں کی روک تھام کریں تو بہتر ہے آپریشن کرا لینے کا مطلب یہ ہے کہ بچوں کی آمد کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مقفل کر دیا جائے۔ تاہم اگر عورت کے صحت یاب ہونے کی توقع نہ ہو تو آپریشن بھی کرایا جا سکتا ہے لیکن اس صورت میں آپریشن عورت ہی کا ہونا چاہئے۔ آپ کے دوست اپنا آپریشن کرانے پر کیوں آمادہ ہو گئے؟

شریعت میں معذور ہی کو سہولت دی جاتی ہے۔ مذکورہ صورتِ حال میں معذور آپ کے دوست نہیں آپ کے دوست کی زوجہ ہیں۔ لہٰذا شریعت ان ہی کو آپریشن کرانے کی اجازت دے سکتی ہے۔ عقلاً بھی یہی درست ہے کہ نس بندی مرد کی نہیں عورت کی ہونی چاہئے تاکہ دوسری شادی کرنے کی صورت میں دوسری بیوی ماں بننے سے محروم نہ رہے۔

☆ ☆ ☆

یہ نامے میرے نام آتے ہیں!

عنوان بالا کے تحت زیرِ نظر شمارے سے قارئین کرام کے ان مکتوبات گرامی کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے جو تجلی کی موجودہ روش کے بارے میں ان کے ذاتی تاثرات پر مشتمل ہیں موصول ہورہے ہیں۔ ہم ان مکتوبات کو نہ "ہفوات" کہنے کی گستاخی کریں گے اور نہ ان کے مندرجات پر "جماعتی عصبیت" کا لیبل لگائیں گے۔ عتاب و انتقام کی بو سے بری نہ ایسے خطوط ہم کو "شکوہ" قرار دے سکتے ہیں اور "بدم گفتی وخرسندی عفاک اللہ نکو گفتی" کو "جوابِ شکوہ" کے طور پر پیش کرتے ہوئے ہم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ اس دعا کے دامن میں پناہ لیتے ہیں۔ اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون (مدیر)

یہ سب خطوط بغیر حذف واضافہ اور بغیر اصلاح کے لفظ بہ لفظ پیش کئے جارہے ہیں۔

از۔ اے۔ ایچ۔ تبریز
کریم نگر (اندھرا)

محترم مدیر تجلی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ بخیر وعافیت ہوں گے۔

گذشتہ کئی سالوں تک مرحوم مولانا عامر عثمانیؒ کی زیرِ ادارت "ماہنامہ تجلی" اسلام پسند اردو قارئین کی، دینی، فکری، علمی، وادبی لحاظ سے جو بلند پایہ و بے لوث خدمات انجام دیتا رہا تھا۔ وہ بلاشبہ اتنی شاندار، بے نظیر اور جلیل القدر رہیں کہ اُن سے کوئی صاحبِ خرد صرفِ نظر نہیں کرسکتا۔ مولانا کے ارتحال کے بعد ایک عظیم خلاء کا پیدا ہونا لازمی ہی تھا۔ نیز معیار میں مسلسل انحطاط کے نتیجہ میں تجلی کی طلب میں کمی بھی خلافِ توقع نہ تھی بلکہ تجلی کے پانچ ماہ تک طویل عرصہ تک بند رہنا قابلِ تاسف تو تھا لیکن ناقابلِ فہم نہ تھا۔ نیز جنوری وفروری کے تجلی کا آغاز مئی سے بشکل ذو یوم قبل ہمدست ہونا بھی ہمارے لئے کوئی غیر متوقع بات نہ تھی۔ مزید برآں تقریباً پچاس صفحات پر مشتمل اس رسالہ کے تقریباً ۲۰ صفحے کو قارئین کی "نیک خواہشات" کے اظہار کے لئے مخصوص کردینا بھی زیادہ تعجب خیز نہ تھا۔ اور تجلی کی شکل وصورت، ہیئت وجسامت میں نمایاں تبدیلی بھی کوئی حیرت انگیز بات نہ تھی، لیکن سخت حیرت کی بات یہ رہی کہ آپ نے تجلی کے مذکورہ شمارے کا صرف بیرونی ردوبدل ہی نہیں کیا تھا بلکہ اُسے داخلی واندرونی طور پر بھی قابلِ ترس حالت پر لا چھوڑا تھا۔

بانیٔ تجلی کے سانحۂ ارتحال کے ساتھ ہی تجلی کی روح بھی پرواز ہو چکی تھی لیکن زیرِ نظر شمارے کے ذریعے بیچارے تجلی کی جو درگت بنی ہے اس پر مولانا مرحوم کی روح یقیناً مضطرب ہوگی۔ ساری عمر جس عظیم الشان مقصد کی خاطر مرحوم قلمی مجاہدہ کرتے رہے اور جس فکر و نظر کے وہ داعی رہے اس سے سرِمو انحراف بھی تجلی جیسے رسالہ کیلئے کبھی روا نہیں ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپکا حالیہ طریقۂ کار مولانا مرحوم رحمہ کی نیک نامی اور شہرت سے بیجا فائدہ اٹھانے کی .... افسوسناک مثال ہے۔

راقم کو یقین کامل ہے کہ آپ کے "احوالِ واقعی" جو دراصل "احوالِ غیر واقعی" تھے۔ کسی بھی قاری پر کوئی خوشگوار تأثر قائم نہیں کیا ہوگا سوال یہ ہے کہ پانچ ماہ کی مسلسل آزمائش کشاکش و تذبذب نے کہیں آپ کی فکرِ صالح، فہم رسا پر ضرب تو نہیں لگائی؟ اگر آپ تجلی کی گاڑی کو آگے نہیں بڑھا سکتے تو خدارا اسے کم از کم پٹری سے تو نہ اتاریئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے "احوالِ واقعی" کو مقناطیسی نیند کی حالت میں تحریر کیا ہے۔

تب ہی تو شاید حق کی حمایت پر بھی آپ شرمسار ہیں۔ تاہم ہمیں یقین ہے کہ ان گذارشات کے ذریعے آپ کو اس گہری اور غیر فطری نیند سے بیدار ہونے میں ضرور مدد ملے گی۔ بتایئے "عمر کھپانے" کا لفظ آپ جیسی شخصیت کے لئے بھلا کیسے موزوں ہو سکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ جماعتِ اسلامی یا کسی بھی حق پسند گروہ کو کبھی کسی وکالت کی ضرورت نہیں رہی خالص سونے کی تکذیب اس کی ہئیت و اصلیت میں تبدیلی کا باعث نہیں ہوا کرتی البتہ خالص سونے کو سنگ یا آہن ثابت کرنے کی کوشش انسان کی فہم و فراست کو ہر دانشمند کی نگاہ میں مشکوک کر دیتی ہے لہٰذا اگر کسی فرد یا گروہ نے جماعت اسلامی اور اس کی سرفروشانہ جدوجہد کی قولی یا فعلی تائید کی ہے تو اسنے اپنے تئیں احسان کیا ہے۔ لیکن اگر اسکے خلاف سمع و بصر و فؤاد کی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہوئے قلم درازی کی ہے تو مخالفین حق کی دلجوئی کا مرتکب ہوا ہے۔ جو "ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" کے سراسر مغائر ہے۔

ہم ہرگز یہ نہیں کہتے کہ مذکورہ بالا جماعت کے افراد و ارکان فرشتے ہیں کہ جنکا معصوم عن الخطا ہونا لازمی ہو اور ان سے اختلاف کبھی جائز نہ ہو بلکہ ہمارا کہنا یہ ہے کہ بشر بہرحال بشر ہے۔ خطا و نسیان ہر ایک سے ممکن ہے لیکن بہرحال "افراد جماعت" اور خود "جماعت" دونوں مترادف الفاظ نہیں۔ اگر افراد سے بالفرض کچھ سہو سرزد ہو جائے تو اس پر جماعت کو ملزم ٹھیرانا کہاں کی انصاف پسندی ہے؟ کیا آپ کی مسلمان کو بے نمازی، اسراف پسند، جاہل و بدمزاج دیکھکر خود براہ راست اسلام سے بیزاری و نفرت کا اظہار کرنے لگیں گے؟ شخصی مخاصمت کی جڑیں سینہ میں کتنی ہی پیوست کیوں نہ ہوں اسکی بنا پر جماعت پر کیچڑ اچھالنا ناعاقبت اندیشی نہیں تو اور کیا ہے۔

جب آپ ہی کے قول کے مطابق بند کمروں میں بیٹھکر متوازن رائے کا قیام ممکن نہیں تو سوال یہ ہے کہ آپکی موجودہ رائے کیا کسی کھلے میدان میں قائم کی گئی ہے؟ بہرحال ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ افراد اور جماعت کے درمیان امتیاز کرنے سے بالکل قاصر ہیں۔ جس سے سادہ لوح عوام کے مغالطہ میں پڑنے

کے امکانات قوی ہو جاتے ہیں اور حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے غیر محتاط قلم کاری معصوم کو ملزم ٹھیرانے کے مترادف ہے۔

آج مسلمان افتراق و اختلاف، انتشار و تشتت کا شکار ہیں۔ آج اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ انھیں اتحاد و محبت کی روح پھونکتے ہوئے ہر صحیح العقیدہ فرد کو اپنا حقیقی بھائی تصور کیا جائے۔ اعلائے کلمۃ اللہ اور اشاعت حق کے فرائض میں ہمارا پرخلوص تعاون ہر مسلم جماعت کے ساتھ رہے۔ اس بات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اتحاد، محبت وسعت نظری اور تبلیغ و اقامت دین کی راہ میں بھرپور حصہ لینا نیز افرادِ امت کی شیرازہ بندی ہمارے فرائض دین میں شامل ہے۔

یقیناً ہمارا زوال و انحطاط ہماری ذلت و پستی کا اس وقت تک ازالہ ممکن نہیں جب تک کہ ہماری صفوں میں اتحاد و اتفاق، عشق و محبت کی فضا پیدا نہ ہو جائے۔ نقائص و عیوب کی پردہ پوشی کے بجائے انکا مبالغہ آمیز اظہار اور برملا اعلان نہ صرف یہ کہ حکمت و خردمندی کے منافی ہے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی سراسر بدخدمتی ہے۔ کیا آپ جیسے قابل و فاضل مصنفین کا اپنے منصب کو یکسر فراموش کر کے اہم ذمہ داریوں سے اعراض کرنا امت کا نقصان عظیم نہیں؟

یہ امر اب کسی سے پوشیدہ نہیں رہا کہ دینی سیاسی و معاشی لحاظ سے اہل ملک کے اور بالخصوص مسلمانوں کے حالات کتنے ابتر ہیں اور ان میں کن کن پہلوؤں سے اصلاح و سدھار کی ضرورت ہے دین کے صحیح فہم سے آشنا کرنے کے لئے ان میں کونسی جماعتیں پیہم سعی کر رہی ہیں۔ پھر ان میں سب سے

[illegible] کونسی ر
ہے کہنے دار و رسن کے مصائب برداشت
جھیلے ہیں۔ تذلیل و تذلیل کے حربے کس پر چلائے
جاتے رہے ہیں۔ کسی جماعت کو طرح طرح کے مذم
خطابات سے نوازا گیا ہے کس نے ہر قسم کی دشنا
طرازیوں کے باوجود صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے ن
چھوڑا ہے۔ وہ کونسی جماعت ہے جسکو محض کلمۂ ح
بلند کرنے کے سبب گمراہ اور بے دین ثابت کر
کی کوشش کی گئی ہے اور یہ سب کچھ کس جرم ک
پاداش میں؟

یہی نا کہ اس نے انسانی زندگی کے ہر شعبے
دین اسلام کو نافذ کرنے کی تلقین کی اور کرتی رہیگ

پھر خدارا بتایئے کہ ایسی ستم رسید
جماعت کے لئے تجلی جیسے حق پسند پرچے میں حوص
شکن کلمات کیا قابلِ مذمت نہیں؟ آپکا تو فرض ت
کہ اسکی خدمات کو سراہتے اور اس کی حوصلہ افزا
کرنے میں بانیٔ مرحوم رحمہ اللہ کی طرح اپنی سار
توانائی اور زندگی وقف کر دیتے اور اس بات
حسب استطاعت سعی کرتے کہ "تعاونوا علی ا
والتقوی" پر عمل پیرا ہو سکیں۔ لیکن افسوس
آپ نے جو راہ پسند فرمائی وہ جماعت اسلامی سے
واقف کسی بھی شخص کے لئے باعث مسرت نہیں
انشاء اللہ آپ کو جلد ہی اس امر کا احساس ہو جا
گا کہ آپکی اختیار کردہ راہ نہ صرف یہ کہ دینی و اخلا
نقطۂ نظر سے مہلک ہے بلکہ خالص معاشی و تجار
لحاظ سے بھی بالکل بے سود ہے۔

آخر میں آپ سے گذارش ہے کہ اس پر خل
قلب کی پکار کو بحث و تکرار کا آغاز ہرگز نہ سمجھیں
ایسی باتوں سے اجتناب کریں۔ جن سے غلط فہمیا

بتوں اور بچوٹ کو مزید فروغ حاصل ہو اور امت کا شیرازہ پارہ پارہ ہو جائے۔ آپ سے ہمیں توقع ہے کہ اس سلسلے کو اپنے ماہنامے کی اولین اشاعت میں جگہ دیکر اپنی صحافتی دیانت کا ثبوت فراہم کریں گے۔ نیز اپنی فکری اغلاط کی تصحیح کرتے ہوئے ظن و تخمین پر فیصلہ کرنے سے کامل احتراز کریں گے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر اولین فرصت میں اپنے ماہنامے کا نام بھی تبدیل فرما دیں گے۔ تاکہ بانی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کی روح اپنی مرقد بننے سے بے قرار نہ رہے۔

خدا ہمارے، آپکے اور تمام اہل ایمان کے قلوب کو اخوت و محبت کے جذبات سے معمور کردے اور ہمیں کسی کا زر خرید غلام اور ان تمام برائیوں کے اختیار کرنے سے محفوظ رکھے۔ جو اوّل اوّل بڑے حسین لبادے میں جلوہ نما ہوتی ہیں۔ لیکن بالآخر مرتکبین کو سنگین نتائج اور بھیانک عواقب بھگتنے پر مجبور کردیتی ہیں۔ خدا تجلی کو پہلے کی طرح منظور نظر بنادے۔ آمین۔

فقط آپکا مخلص

اے۔ ایچ۔ تبریز۔ کریم نگر

محترم المقام ایڈیٹر صاحب

ماہنامہ تجلی دیوبند یوپی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ تجلی آٹھ ماہ کے بعد مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ احوال واقعی کو دیکھا تو آپ نے پانچ ماہ کا ذکر کیا تھا کہ تجلی پانچ ماہ کے بعد پھر شروع ہوا ہے لیکن مارچ اپریل ۱۹۷۹ء کے مشترک شمارے کے بعد مجھے جنوری فروری ۱۹۸۰ء کا شمارہ مل گیا ۱۹۷۹ء میں نومبر دسمبر کے شمارے بھی نہیں ملے۔ اگر یہ شمارے شائع ہو چکے ہوں تو مہربانی کر کے بھیجدیں جہاں تک جماعت اسلامی کی غیر ضروری وکالت کر گزرنے کا سوال ہے اور اس طرح کی تمام حمایتوں پر شرمسار ہونے کا سوال ہے تو میرے خیال میں یہ صرف ان حالات کا اثر ہے جو پچھلے سال برصغیر میں رونما ہوئے ہیں۔ اگر آپ نے اسلامی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جماعتِ اسلامی کی حمایت کی ہوتی تو آپ کو شرمسار نہ ہونا پڑتا۔ حمایت اور مخالفت کو کسوٹی تو اسلامی اصول ہونے چاہئیں شخص پرستی یا بغض یزید نہیں آخر افراد سے اختلاف کس کو نہیں دیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کو بھی کچھ مسائل میں اختلاف رہتا تھا لیکن وہ اسلام کی رہ میں حائل نہیں ہوتا تھا۔ بہرحال آپ ایک عالم ہیں اور راقم نے مروجہ تعلیم حاصل کر کے ہی تھوڑی بہت اسلامی کتابیں پڑھی ہیں۔ جنمیں رشید احمد گنگوہیؒ۔ مولانا تھانویؒ صاحب۔ علی میاں، مولانا عامر عثمانیؒ اور جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت کی کتابیں شامل ہیں۔ اور ان سے ہی تھوڑی بہت دینی علم حاصل کیا ہے۔

لیکن آپ کے یہ الفاظ "غیر ضروری وکالت" اور "شرمساری" کے الفاظ بہت کھٹکے۔

مجھے امید ہے کہ آپ میری گستاخیوں کو معاف کریں گے۔ اور اگر مذکورہ بالا شمارے چھپے ہیں۔ تو ضرور بھیجدیجیے۔

اللہ تعالےٰ مرحوم عامر عثمانیؒ اور سیّد مودودیؒ کو کروٹ کروٹ جنّت نصیب کرے۔ جنہوں نے ہمکو اسلام کی طرف بُلایا۔

خدا حافظ والسلام

آپکا۔ شیخ محمد سردار

پن کوڈ نمبر ۱۹۳۵۰۲۔ کشمیر۔

جنابِ عالی صدیقی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

جنوری و فروری ۸۰ء کا "تجلی" زیرِ مطالعہ

ہے۔ "احوالِ واقعی" پیرا [illegible] ... یہ نکتہ

ا:۔ جماعتِ اسلامی کی حمایت میں ایک عمر کھپا دی۔

:۔ بعض قارئین کی توجہ دلانے سے اس بات کا اندازہ ہوا ہم بھی کبھی جماعتِ اسلامی کی غیر ضروری وکالت بھی کر مذر ستے تھے۔

ا:۔ اسی طرح کی تمام حمایتوں پر شرمسار ہونا پڑ رہا ہے آنکھیں بند کر کے کی گئی تھیں۔

:۔ جماعتِ اسلامی ہند کے بعض ارکان و افراد کے طور ریق و معاملات ضرور محلِ نظر ہیں۔

:۔ ازراہِ خلوص مخالفت اور موافقت شیوا ہے۔

ان نکات پر نکتہ چینی کرنے سے پہلے ہم آپ خدمت میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ کہ آپ پہلے وظیفہ ر غلام نہ تھے۔ مگر اس "احوالِ واقعی" سے وظیفہ ری کی بو آتی ہے پانچ ماہ سے بند رسالہ پھر سے شروع نا ہے اور وہ بھی کسی کی اعانت سے معاون شرط رکھتا کہ جناب کو جماعتِ اسلامی کے خلاف بھی قلم کاری ا ہو گی۔

رسالہ چلوانا ہے اس لئے شرط منظور کر لی گئی۔ اگر نہیں تو ہمارا گمان ہے کہ جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔

دیگر یہ کہ بعض قارئین غلط رائے بھی دے سکتے ا۔ غلط توجہ دلا سکتے ہیں۔ د غلط بیانات کی نشاندہی کر سکتے ۔ جو ان میں سے کسی حضرات نے جماعت کے کسی فرد بیان کی توڑ موڑ کر اپنی مطلب برآری کے لئے... عمال کرنے کیلئے ذریعہ بنایا ہو۔

پھر آپ نے آنکھیں بند کر کے حمایت کرنے عمر کھپا دی۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ کی آنکھیں کھلی کب ں جو اب کھلیں گی۔ کسی کی توجہ دلانے پر آنکھیں نا کھولنا نہیں ہوتا۔

کسی بند آنکھوں والے گوشہ نشین کو کسی رسالہ [illegible] ... تک اور ذہانت افراد ہوا کرتے ہیں۔ جو اپنے ارد گرد کی دنیا پر، ماحول پر اور رونما ہونے والے واقعات پر نظر رکھتے ہیں یا پھر شاطر ہوتے ہیں کہ جھوٹ سے رسالہ جاری رکھ سکیں۔

کسی کے اشاروں پر ناچنا مدیروں کا کام نہیں ہوا کرتا۔ وہ تو ہوش و حواس کی دنیا میں رہا کرتے ہیں۔

کیا آج تک تجلی میں جو کچھ شائع ہوا وہ سب غلط شائع ہوا؟ کیا عامر صاحب کی بند آنکھوں نے شائع کیا؟ جو کہ اس معاملے میں آپ کذب سے کام لے رہے ہیں۔ اب تجلی کا وہ معیار نہیں رہا ہے جو مرحوم عامر صاحب کے وقت تھا۔

کیا عامر صاحب باشعور انسان نہ تھے؟ تنقید گوارا کرنے والے تھے؟

کیا انہوں نے بھی آنکھیں بند کر کے حمایت کی؟ ہم آپ کے ۱۔ ۲۔ ۳۔ نکات سے اتفاق نہیں کرتے البتہ ۴ سے ضرور التفات کریں گے۔

معقول، مدلل تبصرہ اور تنقید ہونی چاہیے تاکہ انہیں غلطی کا احساس ہو۔ ویسے کیچڑ اچھالنا الگ بات ہے۔ وہ کام منظور نعمانی صاحب الجمعیۃ، نئی دنیا، عوام، نشیمن، بلٹز، خود دارالعلوم دیوبند کا شعبہ تحقیقاتِ مودودیت، علامہ ذکریا صاحب کی فتنۂ مودودیت، یہ کچھ کم تھا۔ جو اب آپ ان کی خلاف قلم کاری کرنے جا رہے ہیں۔

جماعتِ اسلامی کی حمایت میں ایک عمر کھپا دی مگر غلط ہم جب کہ مرحوم عامر صاحب کے تجلی سے خلافت و ملوکیت میں مودودی صاحب کی بھی گرفت کی اور صحیح کیا ہے وہ کیا یہ عامر صاحبؒ نے آنکھیں بند کر کے کی تھی؟

احمد آباد میں جو فسادات پر مجموزہ تیم ہوا تھا اس پر بے لاگ تبصرہ اور تنقید کی اور علماء جماعت کی اچھی خاصی خبر لے ڈالی۔ کیا یہ آنکھیں بند کر کے کی گئی تھیں۔ پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ "ایک عمر حمایت میں کھپا دی"۔

اس لئے کہتا ہوں اب تجلی کا وہ معیار نہیں رہا۔

جماعتِ اسلامی کے افراد کو نکھار ابھی تجلی نے تھا اب وہ تجلی نہیں رہا۔

۲۔۳۔۵۔ کانگریسی مسلمان، لیگی مسلمان، اشتراکی مسلمان یا منافقت لئے ہوئے مسلمان یا پھر آپ کے معاون جن کو جماعت کے کچھ افراد سے کد و بغض ہو گا۔ اور توجہ دلائی ہو گی۔

"آنکھیں اس وقت بھی بند تھیں اور اب بھی بند ہیں"۔

مسلمان صرف مسلمان رہ سکتا ہے۔ کانگریسی لیگی۔ اشتراکی یا منافق ہو گا۔ ان ایزموں پر یقین رکھنے والا۔ ان کے اصولوں پر چلنے والا مسلمان نہیں۔ اگر اسلام کا دم بھرتا ہے۔ اور گاندھی ایزم، لیگ ایزم کیموزم پر یقین رکھکر عمل کرتا ہے وہ منافق ہے۔

ایک جماعت پچھلے کچھ دنوں سے بھٹو پرستوں کی میدان میں آئی ہے۔ جن کا شیوا جماعت کو بدنام کرنا ہے۔ اسلام اور قانونِ اسلام کو ۱۴۰۰ سال پرانا فرسودہ نظام کہتا ہے خدا کا قانون یا اقامتِ دین سب بوگس باتیں ہیں۔ جمہوریت کہتی ہے کہ اپنا یہ نظام مصطفیٰ ردی کے ٹوکرے میں پھینک دو۔ ایسے ہی لوگ آپ کے اب کے قارئین ہوں گے۔ جو توجہ دلا رہے ہیں۔ اور آنکھیں بند کر کے ان کی توجہ دیکھ رہے ہیں۔ اب قلم کاری انکے خلاف ہو گی۔ تمہارا وہ خلوص مجروح ہو گا جس کا تمہیں دعوے ہے۔

اب بھی دست بستہ عرض ہے جماعت کے افراد کے غلطیوں کی نشاندہی ضرور کیجئے۔ صحیح تنقید و تبصرہ ضرور کیجئے۔

اب جو خلوص کا دامن ہاتھ سے چھوٹا تو پھر شرمسار ہونا پڑے گا۔ لیکن خود راہ بھٹو پرستوں۔ اشتراکیوں۔ لیگیوں، کانگریسیوں (کا ہاتھ) کی زد میں نہ آئیے۔ کلام رب کو "حرفِ حق" جان کر اُسے آئینہ بنا کر اسی معیار پر سب کو جانچئے۔ اور بے لاگ تبصرہ کیجئے ورنہ اس دل سے یہی دعا نکلے گی کہ "تجلی" کا بند ہو جانا ہی اچھا ہے جو عامر صاحب مرحوم کے اصولوں کو خاک میں ملائے جا رہا ہے۔

رہا تبلیغی حضرات کا معاملہ تو ان پر عامر صاحب کے پرخلوص تبصرہ کیا ہے۔

خود میرے شہر اور میرے شہر کے محلے میں ان حضرات کا کافی وسیع حلقہ ہے مگر دعوت نماز کے سوا اکثر باتیں ان میں رسولِ شریعت کے خلاف ہیں اگر آپ اجازت دیں تو ان پر بھی تبصرہ کر سکتا ہوں۔ اُن کے اکل اور اشرب کے بارے میں بھی تحقیقی مضمون دے سکتا ہوں۔ مگر اس لئے خاموش ہوں کہ وہ خود بھی دین کا کچھ کام کرتے ہیں۔ نماز کی دعوت دیتے ہیں۔ دین کا ایک حصہ نہیں تو کچھ تو کہتے ہیں۔ آخرت کا خوف دلاتی ہیں۔ مگر کچھ باتوں میں بے خوف ہیں۔

ایک مثال دوں ایسے لوگوں کی دعوت کھاتے ہیں۔ جن کی کمائی کسی طرح بھی جائز نہیں۔ حلال کی نہیں شراب فروشی اور قمار بازی کی ہے۔ یا اسمگلروں کی ہے میں کچھ غلط لکھ گیا تو اس کی معافی چاہتا ہوں تجلی سے ہمدردی ہے اور وہ کوئی قدم اٹھائے تو سوچ کر اٹھائے۔ اس طرح جماعتِ اسلامی سے ہمدردی ہے مگر افراد کی غلطی بتائی جائے تو دلیل کے ساتھ۔ تما جماعت کو لوگ غلط نہ سمجھ بیٹھیں۔ اور اس کے خلاف

...اد کرتے تھے۔

خدا حافظ والسلام

خاکسار ظفر (احمد آباد)

محترم مولانا حسن احمد صدیقی صاحب

سلام مسنون!

تجلی" جنوری و فروری ۹۰ء کا شمارہ اور "اجتماع"
...ایک وقت میں ملے۔ ہم لوگ تو "تجلی" اور "اجتماع"
...وں کو بھول ہی گئے تھے۔

مت پوچھئے "تجلی" ہاتھ میں پاکر کتنا دھچکا لگا۔
...وہ حق پرست "مولانا عامر عثمانی رح" صاحب (خدا ان
...قبر شریف کو نور سے بھر دے) اور کہاں مصلحت پسند
...حسن احمد صدیقی صاحب" معاف کیجئے۔ حالیہ شمارے
...احوالِ واقعی، "اجتماع" میں انٹرویو کا اشتہار اور اس کے
...وہ چند اور ذرائع اطلاع ہمیں یہ تاثر دیتے ہیں کہ "حسن احمد
...صاحب" مفوضہ کے اس پیرے کی طرف آیئے جس کی ابتداء
...کے جملے سے ہوتی ہے "تجلی نے جماعت اسلامی کی حمایت
...ایک عمر کھپا دی ہے"

میں پوچھتا ہوں (تلخ نوائی معاف) کیوں کھپا دی؟
جماعت والوں کو خوش کرنے؟ کیا دیوبندی مسلک کی
...لفت کرنے؟ اور کیا جماعتِ اسلامی کے وظیفہ خوار غلام
...نے کی وجہ سے؟ ذرا غور کیجئے کیا آپ کے اداریئے کی طرز
...رش عامر عثمانی رح کی رد نہیں کر رہی ہے؟ کہاں وہ شمشیر
...ہنر "جو "حق" کیلئے کمر بستہ ہوتا تھا اور کہاں آج کے ایڈیٹر
...صاحب "حق" کو "حق" ماننے سے کتراتے ہیں۔ کیا جماعت
...اسلامی کی حمایت اب حق نہیں رہی۔ مجھے نہیں معلوم کہ لوگ
...رت کو کیوں بھول جاتے ہیں۔

خوب یاد رکھیئے کہ مولانا عامر عثمانی رح صاحب کبھی
...جماعت اسلامی کی "غیر ضروری وکالت" نہیں کرتے تھے۔
...آپ؟ آپ تو غیر ضروری وکالت "تبلیغی جماعت" کی کرتے

... جماعت اسلامی کی حمایت آپ ... کرتے
آئے تھے کیونکہ یہ تجلی کا مسلک تھا جو عین حق پر تھا۔
"اسی طرح جماعت اسلامی کی تمام حمایتوں پر
شرمسار ہونا" یہ الفاظ وہی لکھ سکتا ہے جو قوتِ فیصلہ سے
محروم بھی ہو۔

"بعض ارکان" کے طرز و طریق خواہ کیسے ہی کیوں
نہ ہوں اس سے پوری جماعت بری الذمہ ہے اس کا الزام
پوری جماعت پر عائد نہیں کیا جا سکتا۔

کیا آپ نہیں جانتے کہ کسی ایک صحابہ کرام رض کو حد
جاری کیا گیا۔ کوڑے برسائے گئے۔ الغرض اسلامی سزائیں
دی گئیں تو کیا اس سے پوری صحابہ رض کی جماعت یا ان کے امیر
حضرت محمد ﷺ پر بھی آپ ایسا ہی الزام لگا سکتے ہیں؟

دو ایک آدمیوں کی زیادتیوں سے یا غلطیوں سے
آپ کیا کچھ کرنے جا رہے ہیں؟ کیا آپ نے ان ارکان کے
سلسلے میں متعلقہ جماعت کے ذمہ داروں کو بھی اس طرف
توجہ دلائی۔ کیا خود آپ نے عفو و درگذر سے کام لیا؟ یا
کورٹ کچہری کی دھمکیاں دیں؟

آپ کا بند کمروں میں بیٹھ کر انٹرویو دینا۔ جماعتوں
پر بے لگام رائے ظاہر کرنا کیا یہی خلوص ہے؟ کیا اب یہی
صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرنا تھا؟ میں سمجھتا ہوں آپ
کا رویہ ذرا لچکدار ہونا چاہیئے تھا۔ آدمی اپنی فطرت سے مجبور ہے
اسلئے وہی کرتا ہے جو وہ کر سکتا ہے۔ یہ خط جو انتہائی سخت لہجے میں
لکھ رہا ہوں اللہ اور آخرت کی یاد تازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور اگر
یہ غلطی ہے تو میں اس گستاخی کی معافی بھی چاہتا ہوں۔

امید ہے کہ آپ اس خط کا جواب خط سے دیں گے۔
اور بس۔ کاش آپ نے تجلی بیچی ہی نہ ہوتی۔ تجلی کے ادارے
والوں تک سلام عرض کر دیجئے۔

فقط نظام محمد صالح جگلور

ملا ابن العرب مکی

مسجد سے میخانے تک

خدا رکھے۔ ایک جن سنگی مولوی صاحب دیوبند تشریف لائے تھے۔

آپ چونکے ہوں گے کہ یہ کون سی نئی قسم مولوی کی نکل آئی ہے۔ گھبرائیے نہیں۔ قسم نئی نہیں۔ صرف لیبل نیا ہے مال وہی پرانا ہے کوکوجم۔

خیر تو میں نے ان کی داڑھی کے بالوں کی گنجانی اور گہری سیاہی کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"ماشاء اللہ۔ کیا داڑھی پائی ہے آپ نے ــــ زلف بنگالہ کی بھی نانی!"

پھٹی پھٹی مشتبہ آنکھوں سے دیکھ کر بولے۔

کون ہیں آپ جی؟۔

جی میں ہوں۔ یعنی ضمیر متکلم!۔ آپ کو کوئی اعتراض ہے۔؟

انھوں نے گرم چائے سے ہونٹ جلاتے ہوئے کہا۔ آپ ملحد معلوم دیتے ہیں!

"آپ کی ہمت افزائی ہے ورنہ میں کیا اور میرا الحاد کیا۔ آپ تو ماشاء اللہ اونچی منزلوں میں ہوں گے!"

ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ ہوٹل سے سرکنے کا ارادہ کرنے لگے۔ میں نے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

"کچھ گہرا ہاتھ بھی مارا ہے یا یوں ہی۔"

حضرت چونک پڑے.......

"کیا مطلب؟"

میں نے عرض کیا۔

"مطلب کو تو جانے دیجئے۔ بات صاف یہ ہے کہ میں کچھ دنوں سے بیکار ہوں یہ الیکشن کا زرخیز موسم اور یہ میں با ایں ہمہ ریش مقدس بیکار! کانگریس والے سمجھتے ہیں کہ میں کانگریس کا مخالف ہوں۔ اور مخالفین سمجھتے ہیں کہ کانگریسی ــــ دو پاٹوں کے بیچ میں سالم بچا نہ کوئی! ــــ بتائیے کس طرح ان لوگوں کو سمجھاؤں کہ بھائی میں تو ابھی کرائے کیلئے خالی ہوں ــــ

حضرت نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا ــــ

"تو یوں کہئے کہ آپ بھی پانچویں سواروں میں ہیں۔

.... دیکھئے۔" انھوں نے اِدھر اُدھر دو معنی نظروں سے دیکھتے ہوئے میرے کان میں کہا۔ "شیطان پور کی سیٹ پہ کام کی اشد ضرورت ہے۔ جن سنگی مہا تماشری روپ لنگو نے کل ہی مجھ سے کسی اچھے مولوی کیلئے کہا تھا۔ بولئے کیا لیں گے آپ؟"

میرے کرما تھے پر ایسی چوٹ پڑی جیسے تانبے کی تھالی میں جست کی گولی گرے۔ یعنی تھوڑا کھنا کا بھی اور ٹھوس پن بھی ــــ عرض کیا۔

"لینا دینا کیا۔ آپ خود ہی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں ــــ میری تو بس دال روٹی چل جائے۔"

"دال روٹی ــــ ارے صاحب دیکھئے گا کیا کیا چلے گا۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ پچاس روپے یومیہ فی الحال کافی ہوگا۔؟"

"پچاس روپے یومیہ! آہ مگر یہ فی الحال سے کیا مطلب!"

"تجدید کے بعد میں اگر جیت ہوئی تو ہزاروں روپے
یں گے ......"

گفتگو آگے چلی .... خوب چلی۔ پوری لکھوں
ب انسانہ بن جائے۔ مختصر یہ کہ قبلہ مولوی صاحب کے
تین انڈے دو کیک ایک ٹکیہ مکھن اور دو پیالی چائے
، جان فرما کر میں شام کو ملنے کا وعدہ کر کے سیدھا دفتر
آیا۔ بیچارے ایڈیٹر تجلی وہی قلم کاغذ کے ساتھ سر پھوڑ
ہے تھے۔ بڑا ترس آیا۔ ہائے رے یہ قلم کے مزدور!

"دیکھئے صاحب!" میں نے عرض کیا۔ "خاکسا
مطالبات لیکر حاضر ہوا ہے ــ بات یہ ہے کہ آپ کے
بات کو تو لگ گیا مولویت کا گھن ــ "مجھے اس دنیا
جینا اور دنیا کا لطف اٹھانا ہے۔"

ایڈیٹر صاحب نے حیرت ملی ہوئی تیکھی نظروں
مجھے گھورا ــ

"کیا بکواس ہے ــ تمہید چھوڑو ــ مطلب
بات کہو۔"

میں نے کہا ــ "بات یہ ہے کہ میرا استعفا منظور
یجئے ــ یہ آپ کے پچاس روپے مہینہ میرے لئے قطعاً
کافی ہیں ــ اس موسم میں ایک ایک ملا سو سو اور دو
سو روپے روز کما رہا ہے۔ اور میں باوجود ملاؤں کا بادا
م ہونے کے پچاس روپے مہینہ ــ یعنی ساڑھے بارہ
ر پے ہفتہ۔ یعنی ایک روپیہ ساڑھے دس آنے روز کی مزدوری
دوں ــ درآنحالیکہ "مسجد سے میخانے تک" جیسی چیز
ین وجاپان تک میں کسی نے نہیں لکھا۔

ایڈیٹر صاحب ہنس دیئے۔

"شیطان ملا ــ میرے پاس لغویات کیلئے وقت
ہیں ــ اس مہینہ میں ویسے بھی آمدنی کم ہے۔ چالیس
یں گے!"

مجھے ہچکی آئی ــ چالیس! ــ خیر مجھے چوں کہ فوراً
جا کر چوغے کیلئے کپڑ خریدنا تھا اور درزی سے سلوانا تھا لہٰذا
مختصر عرض کیا۔

"فی الحال الیکشن کے اختتام تک میرا استعفا
"مسجد سے میخانے تک" آپ خود ہی لکھئے یا اعلان شائع
کر دیجئے کہ ملا ابن العرب کچھ دنوں کے لئے مر گیا ہے۔

میں فوراً بازار پہنچا۔ لالہ گھسیٹا مل کے یہاں سے ساٹھ
میں کالا رام داس کا چمکیلا کپڑا خریدا اور محلّے کے درزی کو ایک
مہینہ کے ادھار پر فوراً سلوانے کیلئے دیدیا۔

سخت انتظار کے بعد شام آئی میں ہوٹل پہنچا تو
حضرت مولوی صاحب چائے میں مشغول تھے۔ آس پاس
کوئی نہیں تھا۔ مجھے دیکھتے ہی دوسری چائے اور توس
وغیرہ کا آڈر دیا۔ میں بیٹھ گیا بولے۔

"بھئی ایک بڑی دقت ہے ــ میں نے دوپہر
مہاتما روپا سنگھ سے بات چیت کر کے دور سے تمہیں دکھا
دیا تھا اور بڑی تعریف کر دی تھی۔ لینے دینے کو تو وہ ہر طرح
تیار ہیں۔ لیکن کہہ رہے تھے کہ داڑھی نہیں چلے گی ــ
چھوٹی ہے ــ"

میرا ہاتھ بے اختیار اپنی مختصر سی داڑھی پر گیا
"چھوٹی ہے!"

"ہاں ــ" انھوں نے فخر آمیز تبسم کے ساتھ اپنی
گھنی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا ــ "اتنی نہ سہی تو بھر پور
یکمشت تو ہوتی ــ آپ کی تو بالکل لڑکوں کی سی ہے۔"

"تو کیا لڑکیوں کی سی ہوتی!" میں نے گھبرا کر
پوچھا۔ "نہ خیر ــ میرا مطلب تھا کہ ذرا بڑی ہوتی ــ
تاہم آپ فکر نہ کیجئے میں نے سب انتظام کر لیا ہے۔"

یہ کہہ کر انھوں نے جیب سے ایک داڑھی نکالی
اور چوغے کی آڑ سے دکھلا کر پھر جیب میں رکھ لی۔

"سمجھ گئے نا آپ!"

جی اوہ! .... بھئی آپ تو واقعی جالینوس کے

استاد۔۔۔"

ارے جالینوس کیا۔۔ہم نے اچھوں اچھوں کو راہ دکھائی ہے۔۔۔یہ بال کوئی دھوپ میں تھوڑی سیاہ ہوئے ہیں۔!"

اس وقت میں نے چار انڈے دو کیک مکھن، چار توس اور دو کیک کھائے تین پیالیاں پیں۔ پھر صبح حضرت کے ساتھ یہیں ہوٹل سے شیطان پور چلنے کا پروگرام طے کر کے گھر آیا۔ ایک بجے تک نیند نہ آئی۔ پچاس روپے روز کا کھنا کانوں اور دماغوں میں اور آنتوں وغیرہ میں گونجتا رہا۔ نیند آئی تو عجیب وغریب خواب دیکھے۔ جیسے پچاس کے ہندسے کا صفر ایک دم بڑا ہونا شروع ہوا اور ہوتے ہوتے مٹکے کی برابر ہو کر غبارے کی طرح پھٹا اور سیکڑوں صفر برابر برابر سلیقے سے رکھے گئے۔ اور میں نے اکائی دہائی سیکڑہ ہزار کے گننا شروع کیا تو پچاس سے پانچسو اور پھر پانچہزار پھر پانچ لاکھ اور پھر پانچ کروڑ اور پھر۔۔۔۔۔۔۔۔ بس جیسے دولت کا آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔

صبح گھر چائے پیے بغیر، چوغا بغل میں دبائے ہوٹل میں پہنچا۔ خیال تھا کہ اس وقت کئی دن کا ناشتہ اپنے مولوی صاحب کے ساتھ اکھٹا کروں گا۔ کیا خبر شیطان پور میں اچھا ہوٹل ہو کہ نہ ہو۔ خیالات میں گمن ہوٹل میں آیا تو عجیب طرح کی باتیں سننے میں آئیں۔ ایک کہہ رہا تھا

"یار غضب کا بھرو پیا تھا۔۔۔۔۔۔ ظالم۔۔۔۔!"

"اور لڑائی کس بات پر ہوئی؟"

"اور۔۔۔۔۔ مگر یہ سب باتیں بے کینڈی سی تھیں۔ میں نے تحقیق کی تو حاصل تحقیق یہ نکلا کہ رات۔۔۔ میرے مولوی دوست سے ایک کانگریسی صاحب کی تو تو میں میں ہو گئی اور کانگریسی حضرت نے ان کی مرمت الگ کی اور پوری داڑھی الگ صاف کر دی!

داڑھی صاف کرنا ویسے تو نائیوں کا کام ہے۔۔ لیکن ہاتھ صاف کرنا اور جیب صاف کرنا وغیرہ چونکہ ترقی پسندانہ پیشہ۔ بلکہ آرٹ ہے۔ اور آرٹ پر سب سے بڑا اختیار حکومت کو ہوتا ہے۔ اور حکومت کانگریس کی ہے۔ لہذا مولوی صاحب کی داڑھی صاف کرنے میں کانگریسی دوست نے ایسی ہاتھ کی صفائی دکھائی کہ پوری کی پوری داڑھی جڑ سے الگ ہو گئی اور خون بھی نکلا۔ اور مولوی صاحب رات ہی کو کہیں نو دو گیارہ ہو گئے۔

ہائے رے رے۔۔۔ میرا کیا ہوگا۔۔۔ اور میں تو گیا بھاڑ میں۔۔۔ اس چوغے کا کیا ہوگا!۔۔۔ ہے کوئی خریدار تجلی جو اسے بذریعہ وی۔ پی منگا کر مجھے قرض خواہوں کے حملے سے بچائے۔!

تصوف کی حقیقت

تصوف کیا ہے؟

"صرف "تصحیح نیت"" اس کے سوا کچھ نہیں، جس کی ابتداء "اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتُ" سے
ہوتی ہے اور انتہا "اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ" ہے"
"اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یاداشت کہتے ہیں، اسی کو حضوری کہتے ہیں"
"ذکر بالجہر بھی اس کے واسطے ہے، مجاہدہ و مراقبہ بھی اسی کے واسطے ہے اور
جس کو اللہ جل شانہٗ اپنے لطف و کرم سے کسی بھی طرح سے یہ دولت
(یعنی "تصحیح نیت") عطا کر دے، اس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں"

(از ملفوظات حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب مدفیوضہم)

فہرست کتب

مکتبہ تجلّی دیوبند یوپی پن کوڈ نمبر ۲۴۷۵۵۴

چند ضروری گذارشات

(۱) اپنا نام و پتہ مکمل وصاف لکھیں، ممکن ہو تو انگریزی یا ہندی میں بھی لکھ دیں۔

(۲) آرڈر کا مال ریلوے سے منگوانا ہے یا ڈاک خانہ سے واضح کر دیں۔ ریلوے سے منگوانا ہو تو اسٹیشن کا نام اردو کے ساتھ انگریزی میں ضرور لکھ دیں۔

(۳) بلٹی جس بینک سے منگوانی ہو، اس کا نام و پتہ لکھیں تاکہ تاخیر نہ ہو۔

(۴) آرڈر کے ہمراہ اندازہ کر کے کم سے کم پندرہ فیصدی رقم پیشگی ضرور روانہ کر دیں۔ پیشگی رقم وی۔ پی سے وضع ہو جاتی ہے۔ بغیر اس کے تعمیل مشکل ہوتی ہے۔

(۵) اگر آپ کتابیں مجلد کرا کے منگوانا چاہتے ہیں تو جلدوں کی وضاحت بھی کر دیا کریں، کہ کیسی جلد بندھوانا چاہتے ہیں، مجلد پشت کونہ پشتہ، سالم رنگین۔ ہاف چرمی یا پھر سالم چرمی۔

(۶) جس آرڈر میں کتابیں مجلد کرائی گئی ہو وہ بغیر پیشگی رقم کے آئے قطعاً تعمیل نہیں ہوگا۔

(۷) کتابوں کی قیمت کم وبیش ہوتی رہتی ہے، لہٰذا آرڈر کے وقت جو قیمت ہوگی وہی درست سمجھی جائے گی۔

(۸) اگر کسی بھول یا حسابی غلطی کے تحت آپ کو کوئی شکایت ہو تو آپ بعد وصول ہمیں بل کے حوالہ سے لکھ دیں، انشاء اللہ خاطر خواہ تلافی ہوگی۔

(۹) محصول مصارف ریلوے کے ہوں۔ بینک کے ہوں، یا ڈاک کے بہر صورت خریدار کے ذمّہ ہوتے ہیں۔

(۱۰) بھیجا ہوا مال کسی حالت میں بھی واپس نہیں لیا جائے گا۔

(۱۱) سابقہ فہرست، قیمت اور کمیشن منسوخ سمجھیں۔

منیجر مکتبہ تجلی

نام کتاب	موضوع	مصنف	قیمت
الف			
اسلام اور کفر کی حقیقت	ردِّ بدعت	انشاء اللہ قاسمی	۹/-
اپنی اصلاح آپ	اصلاحی	نعیم صدیقی	
آپ حج کیسے کریں	مسائلِ حج	مولانا منظور نعمانی صاحب	۴/-
اختلاف الائمہ	تحقیق	مولانا زکریا صاحب	۲/۵۰
آخرت کے فکرمندوں کے پچاس قصے	قصص	مولانا عاشق الٰہیؒ	۱/۵۰
آدابِ زیارتِ قبور	آداب، مسائل	شاہ اسماعیل شہیدؒ	۱/-
آدابِ زندگی	〃	یوسف اصلاحی صاحب	۴/-
اسلام کیا ہے	تعلیم و تربیت	مولانا منظور نعمانی صاحب	۸/-
اعمالِ قرآنی	تعویزات	مولانا اشرف علی تھانویؒ	۵/-
امام اعظم ابو حنیفہؒ	سیرت و سوانح	مفتی عزیز الرحمٰنؒ	۱۰/-
ایمان اور آزمائش	اصلاح و تبلیغ	اخلاق حسین	-/۷۰
اسلامی سلائی کڑھائی		ایس۔ ثروت علی	۱۰/-
ابن الوقت کی خانہ تلاشی	ردِّ بدعت	مولانا اسماعیل شہیدؒ	۵/-
طلاق کیا ہے؟	اصلاح و تبلیغ	میر صدر الدین	۴/-
آداب المساجد	مسائل و آداب	مفتی محمد شفیعؒ	۱/۵۰
اسلام اور مغربی تحریکات	تحقیق	مولانا ظفیر الدین	۱/-
اسلام تغیر پذیر دنیا میں	〃	〃	۳/-
اسلام کا نظامِ تربیت	〃	〃	۳/۷۵
اسلام کا نظامِ تعمیرِ سیرت	〃	〃	۳/-
انفاسِ عیسیٰ	تصوف	مولانا اشرف علی تھانویؒ	۴۰/-
اقبال کے ممدوح علماء	تعریف و تعارف	قاضی افضل حق قریشی	۱۰/-
التبلیغ	اصلاح و تبلیغ	مولانا اشرف علی تھانویؒ	فی جزء ۴/-
ایک منزل کئی قافلے	تاریخ	یعقوب سروش	۲/۵۰
اصلاحِ انقلاب	اصلاح	مولانا اشرف علی تھانویؒ	۲۵/-
اسلامی خطوط نویسی	ادب و انشاء	ایس ثروت علی	۱/۵۰
اصلاحِ فاتحہ	ردِّ بدعت	مولانا عبد الرؤف	۳/-
اکبر اعظم کے نو رتن	تاریخ		۱/۷۵
اسلام اور قوالی	ردِّ بدعت	اشتیاق حسین	۵/-

نام کتاب	موضوع	مصنف	قیمت
آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکامات	تحقیق و مسائل	مفتی محمد شفیع	۵/۷۵
اورنگ زیب ہندوؤں کی نظر میں	تاریخ		۶/-
اسلامی نظام کیوں؟	تحقیق	نعیم صدیقی	۱/-
اختری بہشتی زیور محشی	مسائل	مولانا اشرف علی تھانویؒ	۴۰/-
اختری بہشتی زیور غیر محشی	〃	〃	۲۵/-
اختری بہشتی زیور محشی	〃	〃	۵۰/-
اعجازِ قرآنی	تعویزات	خلیفہ اعجاز احمد تھانویؒ	۳/۷۵
ب			
بدعت کیا ہے؟	ردِّ بدعت	مختلف حضرات	۱۰/۵۰
بیمۂ زندگی	تحقیق و مسائل	نعیم صدیقی	
بلاغ المبین	ردِّ بدعت	شاہ ولی اللہؒ	۷/۵۰
بازارِ رشوت	مسائل		۴/۵۰
براہینِ قاطعہ	ردِّ بدعت		۱۶/-
بریلوی فتنہ کا نیا روپ	〃	برہان الدین سنبھلی	۶/-
برکاتِ رمضان	مسائل و فضائل	مولانا منظور نعمانی	۲/-
بیٹے سے خطاب	اصلاح و تبلیغ		۲/-
بیاضِ محمدی	تعویزات		۴/-
بیاضِ یعقوبی	〃		
بیماری اور اس کا روحانی علاج	〃	ڈاکٹر میر ولی الدین	۱۵/-
پریشانیوں کا شرعی علاج	〃	ابو الحسن علی	۴/۵۰
ت			
تعزیہ علماءِ اسلام کی نظر میں	تحقیق و تنقید	شاہ ولی اللہ	۶/۸۰
تفسیر سورۂ حجرات	تفسیر	مولانا شبیر احمد عثمانیؒ	۱/-
تفسیر سورۂ نور	〃	مولانا مودودیؒ	
تحریکِ وہابیت پر اک نظر	ردِّ بدعات	مولانا ثناء اللہ امرتسری	۱/-
تاریخ غلافِ کعبہ	تاریخ	مولانا مودودیؒ	۱/-
تلاشِ راہِ حق	تحقیق	اسعد گیلانی	۶/-

نام کتاب	موضوع	مصنف	قیمت
تنبیہ الغافلین	اصلاح وتبلیغ	مولانا اشرف علی تھانوی	۱/۵۰
تقلید کیا ہے؟	بحث ومسائل	مولانا تقی عثمانی	۱/۵۰
تاریخ اسلام	تاریخ	اکبر خاں نجیب آبادی	۹۶/-
تاریخ اسلام کے			۲۱/-
نا قابل فراموش واقعات	قصص	مولانا عبدالرؤف عالی	۳/-
تاریخ اسلام عاشقی	تاریخ	مولانا عاشق الہی	۲۶/-
تاریخ الخلفاء	〃	علامہ سیوطی	۴۰/-
تاریخ دیوبند	〃	محبوب رضوی مرحوم	۱۲/-
تاریخ دارالعلوم	〃	〃	۷/-
تاریخ ادب اردو	〃	ڈاکٹر عباداللہ	۷/۵۰
تاریخ علم الفقہ	〃	عمیم الاحسان	۱۵/-
تاریخ مشائخ چشت	〃	مولانا محمد زکریا صاحب	۱۲/-
تبلیغی نصاب اوّل	فضائل	〃 〃 〃	۲۱/-
دوم	〃	〃 〃 〃	۲۹/-
تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کا جواب	تبلیغ	〃 〃 〃	۵/-
تبلیغ دین محشی	اصلاح وتبلیغ	امام غزالی	۹/-
تبلیغی تقریریں	اصلاح وتبلیغ	مولانا حسین احمد مدنی	۲/-
تجہیز وتکفین کے مسائل	احکام ومسائل	مولانا محمد سعید	۲/-
تحذیر الناس	ختم النبوت	مولانا قاسم نانوتوی	۳/-
تذکرہ مجدد الف ثانی	سیرت وسوانح	مولانا منظور نعمانی	۱۲/-
تذکرہ شیخ ابن عبدالوہاب نجدی	〃	صفی الرحمن اعظمی	۱۰/-
تذکرہ مخدوم علی صابر کلیری	〃	مفتی عزیز الرحمن	۶/-
تصوف کی حقیقت	تحقیق ومسائل	شاہ ولی اللہ	۱۰/-
تصوف کیا ہے؟	تصوف	مولانا منظور نعمانی	۵/-
تعبیر نامہ خواب	تعبیر وخواب	علامہ ابن سیرین	۹/-
تعدد ازواج	مسائل	مولانا مودودی	۱/-
تعلیم الدین	اصلاح	مولانا اشرف علی تھانوی	۲/۵۰
تفہیم القرآن	〃	مولانا مودودی	زیر طبع
تفسیر حقانی	تفسیر	مولانا عبدالحق حقانی	۱۵۰/-
تفسیر ابن کثیر	〃	علامہ ابن کثیر	۲۱۰/-
تفسیر درس قرآن	〃	مولانا تھانوی	۲۶۰/-
تفسیر ابن عباس ۳۰ پارے	〃	حضرت ابن عباس	۱۲۰/-

نام کتاب	موضوع	مصنف	قیمت
تفسیر بیان القرآن	تفسیر	مولانا اشرف علی تھانوی	۱۲۵/-
تفسیر ہدایت القرآن	〃	مفتی سعید احمد پالن پوری، مولانا کاشف الہاشمی	۵/۵۰ فی
تفسیر معارف القرآن	〃	مفتی محمد شفیع	۳۰۰/-
تفہیم البخاری	حدیث	مترجم عبدالباری	۲۰۰/-
تلبیس ابلیس	معرفت	علامہ ابن جوزی	۲۷/-
تذکرۃ الخلیل	سیرت وسوانح	مولانا محمد زکریا	۲۵/-
ج			
جواہر الفقہ در دو جلد	فقہ	مفتی محمد شفیع	۵۲/-
جادو کیا ہے؟	تحقیق	قاسمی	۳/-
جانوروں کے حقوق	حقوق وفرائض	مولانا اشرف علی تھانوی	۱/-
جائزہ تراجم قرآن	جائزہ	مولانا عبدالرؤف	۹/-
جنت اور دوزخ	تعارف	سید عبدالقادر جیلانی	۲/۵۰
جنت کی کنجی	اصلاح وتبلیغ	مولانا احمد سعید دہلوی	۸/-
جنت کی باتیں		مولانا عاشق الہی میرٹھی	۲/۵۰
جہاد اور اسلام	تحقیق ومسائل	مولانا آزاد	۴/-
چالیس بدعتیں	ردِ بدعت	مولانا مطیع الحق	۱/۵۰
چھ باتیں عکسی	اصلاح وتبلیغ	مولانا عاشق الہی	۲/-
ح			
حالاتِ جہنم	اصلاح وتبلیغ	مولانا عاشق الہی	۴/-
حکایاتِ صحابہ	قصص	مولانا زکریا صاحب	۲/۵۰
حصنِ حصین	وظائف ودعائیں	علامہ ابن جوزی	۱۳/-
حیات الصحابہ	قصص	مولانا زکریا صاحب	۱۸/-
حدیثِ دفاع	فنونِ حرب	جنرل اکبر خاں	۱۸/-
حضرت ابوبکرؓ	سیرت وسوانح	مولانا اسمٰعیل پانی پتی	۲/-
حیاتِ ابن عباسؓ	〃 〃	مولانا محمد زکریا صاحب	۵۲/
حضرت ابوذر غفاریؓ	〃 〃	اعزاز علی	۱/-
〃 ابوہریرہؓ	〃 〃	مظہر القادری	۱/-
〃 امام حسنؓ	〃 〃	مولانا اسمٰعیل پانی پتی	۲/۰
〃 امیر معاویہؓ	〃 〃	〃 〃	۲/۵۰
〃 انس خادم رسولؐ	〃 〃	انیس احمد	-/۷۵
〃 اویس قرنیؓ	〃 〃	مقبول احمد سیوہاروی	-/۶۵
〃 بلال حبشیؓ	〃 〃	〃 〃	۱/۲۵
〃 خالد ابن ولیدؓ	〃 〃	〃 〃	۱/۲۵
〃 خالد سیف اللہؓ	〃 〃	〃 〃	۱/-

نام کتاب	موضوع	مصنف	
حضرت خدیجہؓ	سیرت وسوانح	مولانا اسماعیل پانی پتیؒ	1/-
〃 رابعہ بصریؒ	〃	〃	2/50
〃 سلمان فارسیؓ	〃	مولانا اعزاز علی	-/75
〃 عائشہؓ	〃	مولانا اسمٰعیل پانی پتیؒ	2/-
〃 عثمان غنیؓ	〃	〃	1/-
〃 عمر بن عبدالعزیز	〃	〃	1/50
〃 عمر فاروقؓ	〃	〃	1/-
〃 عیسیٰؑ	〃	〃	2/-
〃 فاطمہؓ	〃	مولانا امام الدین رام نگری	2/-
〃 موسیٰؑ	〃		2/-
〃 نظام الدین اولیاءؒ	〃	مقبول سیوہاروی	1/-
حیاتِ ابوذر غفاریؓ	〃		2/-
〃 امام ابوداؤدؒ	〃		2/-
〃 امام بخاریؒ	〃		2/-
〃 امام طحاویؒ	〃		2/-
〃 انور شاہؒ	〃	ازہر شاہ قیصر	21/-
حیاتِ جاوید	〃	ڈاکٹر قمر رئیس	24/-
حضرت مولانا محمد یوسف امیرِ تبلیغ	〃	مفتی عزیز الرحمٰنؒ	9/-
حفظ الایمان	فقہ	مولانا اشرف علی تھانوی	1/-
خ			
خاتم النبیینؐ	سیرتِ رسولؐ	مولانا محمد طیب صاحب	2/50
خصائل نبویؐ خورد	〃	مولانا سعید حسن خاں	2/50
خصائل نبویؐ معہ شمائل نبویؐ	〃	مولانا زکریا	18/-
خطبات الاحکام	خطبہ جمعہ	مولانا تھانویؒ	12/-
خطباتِ جمعہ وعیدین	〃	مولانا مدنیؒ	1/50
خطبِ شہید	〃	حضرت اسماعیل شہیدؒ	
خطبات ماثورہ	〃		2/-
خواب کی تعبیر	تعبیر نامہ	اصغر میاں صاحب	1/-
خواجہ غریب نوازؒ			7/50
خلفائے راشدین	سیرت وسوانح	مولانا عبدالشکور فاروقیؒ	6/-
خلافت معاویہ و یزید	تاریخ	محمود احمد عباسی	20/-

نام کتاب	موضوع	مصنف	
د			
حضرت داتا گنج بخشؒ	سیرت وسوانح		2/-
دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ نمبر	تاریخ وتذکرہ	ماہنامہ الرشید	50/-
دس بڑے مسلمان	تاریخ	اسماعیل پانی پتی	15/-
دعوات عبدیت مکمل سیٹ	وعظ ونصیحت	مولانا اشرف علی تھانویؒ	11/-
دنیا کی پہلی مسلمان عورت	تاریخ	مولانا اسمٰعیل پانی پتیؒ	1/25
دینی خدمات اور معاوضہ	مسائل	مفتی محمد داؤد	6/-
دینی دعوت کے قرآنی اصول	دعوتِ اسلام	مولانا محمد طیب صاحب	4/-
ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں	مسائل	مفتی محمد سعید پالن پوری	3/50
ڈاڑھی کا فلسفہ	〃	مولانا حسین احمد مدنیؒ	1/-
دنیا کا مسافر	اصلاح وتبلیغ	صوفی اسماعیل	2/-
دنیا کی حقیقت	اصلاح وتبلیغ	صوفی اسماعیل	2/-
دین کی باتیں	مسائل	مولانا اشرف علی تھانویؒ	-/50
درسِ عبرت	شعروادب	فاروق جوہر	1/-
دیوانِ حالی	〃	اصغر حسین	20/-
دینِ الٰہی کا تاریخی پس منظر	تعارف	محمد اسلم قاسمی	12/-
ذ			
ذکرِ الٰہی	اصلاح وتبلیغ	مولانا مسیح اللہ خاں	2/-
ذکرِ رسولؐ	〃	〃	2/-
ذکرِ نبی رحمتؐ	〃		2/-
ر			
رحمۃ للعالمین مکمل مجلد	سیرت پاک	سلیمان منصور پوریؒ	60/-
رحمۃ للعالمین اک نظر میں	〃	نسیم احمد علوی	2/-
رحمتِ عالمؐ	〃	سید سلیمان ندویؒ	6/-
رحمتِ رضواں	تذکرہ امام ابوحنیفہ	مولانا اصغر حسینؒ	1/-
ردِ بدعت اردو	بدعت کے رد میں	مجدد الف ثانیؒ	4/-

نام کتاب	موضوع	مصنف	قیمت
رسول اللہؐ مجلد	سیرت پاک	مولانا احمد سعید دہلویؒ	۳/-
رسول اللہؐ کے ۳۰۰ معجزات مجلد	معجزے		۵/۵۰
رسول اللہ کی پیشین گوئیاں	پیشین گوئیاں	مولانا عاشق الٰہیؒ	۳/۷۵
رسول اللہؐ کی صاحبزادیاں	سیرت وسوانح	مولانا عاشق الٰہیؒ	۲/۵۰
رسالہ تذکیر و تانیث	مؤنث و مذکر کا فرق بتلانے والی		۳/-
رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی مجلد	سیرت و تاریخ	ڈاکٹر حمید اللہ	۱۵/-
رسول عربی (بچوں کیلئے)	سیرت پاک	مولانا فرید الواحدی	۴/۵۰
رضیہ کا شاہی دسترخوان	کھانا پکانے کا طریقہ	رضیہ بیگم	۵/-
رضا سلائی کڑھائی مجلد	کشیدہ کاری اور سلائی کڑھائی کیلئے	عبیدہ ثروت اور ثروت علی آرٹسٹ	۶/-
" غیر مجلد	"	"	۵/-
ردِّ فتنۂ مودودیت	بحث و تحقیق	ڈاکٹر سید انور علی	۶/-
رمضان کیا ہے؟	حقیقت رمضان	مولانا محمد عبد اللہ	۳/۵۰
روح تصوف مع آداب شیخ و مرید	تصوف	مولانا تھانویؒ	۶/-
روز محشر	اصلاح و تبلیغ	محمد اسحاق دہلویؒ	۲/۵۰
رویت ہلال کا مسئلہ	مسائل		۱/۵۰
روشنی اور اجالا	سیرت	مولوی اسلم قاسمی	-/۷۵
ریاض الصالحین اردو مع عربی	حدیث	علامہ نووی	۵/-
زلزلہ در زلزلہ مجلد بجواب زلزلہ	دیوبندی عقائد	نجم الدین احیائی	۶/۵۰
زرتشت	سوانح		۱/۵۰
زیارتِ قبور اضافہ شدہ	آدابِ قبرستان	مفتی کفیل الرحمٰن	۳/-
سبعہ معلقات مع حاشیہ فتح المعلقات	عربی ادب		۴/-
سپاس نامے	تاریخ اسفار	مختلف حضرات	۷/۵۰

نام کتاب	موضوع	مصنف	قیمت
سچا دین حصہ اول	دینی تعلیم	افضل حسین ایم۔ اے	۲/-
" " " ۲	"	"	۲/-
" " " ۳	"	"	۲/۵۰
" " " ۴	"	"	۲/۵۰
سدرۂ طوبیٰ مجلد	مجموعۂ کلام	الم مظفرنگری	۳/۷۵
سعید کشیدہ کاری مجلد	کشیدہ کاری		۱۰/-
سکھ اور جنگ آزادی مجلد	تاریخ	علامہ انور صابری	۴/-
سنت و بدعت مع مسئلہ علم غیب اور سایۂ رسولؐ	ردِّ بدعت		۲/-
سیرت ختم الرسل	سیرت وسوانح	مولانا مودودیؒ	۴/۵۰
سیرت خاتم الانبیاء	"	مفتی محمد شفیعؒ	۵/۷۵
سیرت پاکؐ مجلد	"		۴/-
سیرت حضرت بلالؓ مجلد	"	نسیم احمد علوی	۳/-
سیرت النعمان امام ابوحنیفہ کی سوانح	"	علامہ شبلیؒ	۹/-
سیدہ کا لالؓ	"	راشد الخیریؒ	۵/-
سیرت طیبہ	"	قاضی زین العابدین	۱۰/-
ش			
شادی کی رسمیں	ردِّ بدعت	مفتی کفیل الرحمٰن	۱/-
شاہنامہ اسلام مکمل منظوم	تاریخ اسلام	حفیظ جالندھری	۲۴/-
شب برات کی حقیقت		صوفی اسماعیل	۲/-
شب برات کیا ہے؟		مولوی اسلام الحق	۱/۲۵
شریعت و طریقت مجلد	تصوف	مولانا اشرف علی تھانویؒ	۱۵/-
شریعت و تصوف عکسی "	"	مولانا مسیح اللہ	
شیطان کا فریب	نصیحت	مفتی محمد شفیعؒ	-/۷۵
ص			
صاحب المثنوی سوانح مولانا رومؒ	سیرت وسوانح	قاضی تلمیذ حسین	۳/۵۰
صحائفِ معرفت اردو مجلد	تصوف	شاہ العالمینؒ	۸/-
صحیح معلومات	مفید معلومات	محمد مصطفیٰ نصیر آبادی	۱/۵۰
صحیفۂ ابرار (ملفوظات)	تصوف	شاہ العالمینؒ	۳۰/-

نام کتاب	موضوع	مصنف	قیمت
صدائے جمہور (منظوم)	مجموعۂ کلام	فاروقی جوہر	۱/۵۰
صراطِ مستقیم اردو کلاں	تصوف	شاہ اسمٰعیل شہیدؒ	۴/-
صراطِ مستقیم اردو مجلد	″	صوفی عابد حسینؒ	۲/-
صفائی معاملات	اصلاح	مولانا اشرف علی تھانویؒ	۱/۵۰
صلوٰۃ الرحمٰن ترجمہ اردو منیۃ المصلی	فقہ		۴/۵۰
صلیبیں میرے دریچے میں۔ مجلد	ایام اسیری کے ۲۵ خطوط کا مجموعہ	فیض احمد فیض	۱۲/-
صنوبروں کا شہر مجلد	مجموعۂ کلام	سہیل احمد	۱۲/۵۰
صہبائے خیال مجلد	″	عاصم بریلوی	۲/-
ض			
ضمانُ الفردوس			۲/۵۰
ضیاء القرآن	مسائل	مولانا جمیل	۲/۵۰
ط			
طبِ نبویؐ مجلد	دعائیں اور دوائیں		۲/۵۰
طریقِ القلندر	معلومات	مولانا اشرف علی تھانوی	۱/۵۰
طریقۂ تعلیم اردو مترجم	″	مولوی انظر شاہ صاحب	۳/-
طریقۂ طلاق	تحقیق و مسائل	مولانا اشرف علی تھانویؒ	۱/-
طہارت	مسائل		۱/-
طہور المسلمین	مسائل پاکیزگی	مولانا سید اصغر حسینؒ	۱/-
ظ			
ظہور المخزون اردو	سیرت نبویؐ	حضرت شاہ ولی اللہؒ	۲/-
ظفر المحصلین	سوانح	مولوی حنیف	۲۰/-
[redacted]			
عالمگیر اورنگ زیب ہندوؤں کی نظر میں	تاریخ و حالات		۶/-
عالمِ برزخ	حالات	مولانا قاری محمد طیب صاحب	۲/-
عرب کا چاند ایک تاریک غار میں	نعتیہ کلام	علامہ ندرت میرٹھی	۴/-
عروج	سیرت	مولانا محمد اسلم قاسمی	۲/۷۵
عربی بول چال مکمل اردو مع عربی	عربی سیکھنے کے لئے	عبدالرحمٰن امرتسری	۸/-
علمی لطائف	لطائف	مولانا عبدالرؤف عالی	۹/-
عورتوں کی نماز	نماز کے طریقے	ایس ثروت علی	۲/۵۰

نام کتاب	موضوع	مصنف	قیمت
عورت کیا کچھ کر سکتی ہے؟ مجلد	تاریخ و حالات	خواجہ عبدالوحید عثمانی	۴/-
عورتوں کے مسائل مجلد		مولانا عاشق الٰہیؒ	۳/-
عورت اور مرد اسلام کی نظر میں	تحقیق	مولوی بلال عثمانی	۲/۲۵
عورت کی جنت	عورتوں کے مسائل	حافظ محمد طیب صاحبؒ	۳/-
عورتوں کیلئے شرعی پردہ	″	مولانا محمد میاںؒ	۱/۵۰
عہدِ نبویؐ کے میدانِ جنگ مجلد	تاریخ	ڈاکٹر حمید اللہ	۲/۵۰
عیدین مجلد	مسائل اور اہمیت	مولانا آزادؒ	۲/-
غ			
غبارِ خاطر	مکتوبات	مولانا آزادؒ	۵/-
غدر کے چند علماء مجلد	حالات	مولانا احمد سعیدؒ	۲/۵۰
غزوۂ بدر	سیرت و تاریخ	مولوی اسلم قاسمی	۱/۷۵
غزوۂ احد	″ ″	″ ″ ″	″
غزوۂ حنین	″ ″	″ ″ ″	″
غزوۂ تبوک	″ ″	″ ″ ″	″
غزوۂ خیبر	″ ″	″ ″ ″	″
غزوۂ احزاب	″ ″	″ ″ ″	″
غلبۂ اسلام	″ ″	″ ″	″
غنیۃ الطالبین	اصلاح و تصوف	شیخ عبدالقادر جیلانیؒ	۳۶/-
غیبت کیا ہے؟ مجلد	نصائح	مولانا عبدالشکورؒ	۲/-
ف			
فاتح سندھ محمد بن قاسمؒ	تاریخ و سوانح		۱/-
فاتحہ کا صحیح طریقہ	مسائل		۱/-
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل در ۸ حصہ	فتاویٰ و مسائل	مختلف مفتیوں کے	۱۹/-
فتاویٰ دارالعلوم جدید جلد ۱	″ ″	مفتی عزیز الرحمٰن صاحب	۶/-
″ ″ ۲	″ ″	″ ″	۲/-
″ ″ ۳	″ ″	″ ″	۸/-
″ ″ ۴	″ ″	″ ″	۱۲/-
″ ″ ۵	″ ″	″ ″	۷/-
″ ″ ۶	″ ″	″ ″	۱۶/-
″ ″ ۷	″ ″	″ ″	۱۳/-

نام کتاب	موضوع	مصنف	قیمت
فتاوی دارالعلوم دیوبند	فتاوی و مسائل	مفتی عزیز الرحمٰن	۳۶/-
〃 〃 مـ۸	〃 〃	〃 〃	۲۲/-
〃 〃 مـ۱۰	〃 〃	〃 〃	۱۴/-
فتاوی رشیدیہ	〃 〃	مولانا رشید احمد گنگوہی	۲۲/-
فتاوی عزیزی اول و دوم فارسی	〃 〃	شاہ عبد العزیز	۲۵/-
فتاوی عالمگیری اردو مکمل دو ماہی قسطوں میں ۳۵ قسط تیار	〃 〃	〃	۵/۵۰
فتوح الغیب اردو	اصلاح و تصوف	شیخ عبد القادر جیلانی	۸/-
فتح مکہ	سیرت و تاریخ	مولوی اسلم قاسمی	
فتح الملہم عربی شرح مسلم جز اول	حدیث	مولانا شبیر احمد عثمانی	۱۵/-
〃 〃 دوم	〃	〃 〃 〃	۱۸/-
فرعون و کلیم کی داستان کشمکش	تاریخ	ڈاکٹر سعید رمضان	۸/-
فردوس کشیدہ کاری	کشیدہ کاری	فردوس عثمان	۳/-
فریب تمدن (مغربی تمدن کی اک جھلک)	آئینۂ تہذیب	اکرام اللہ ایم، اے	۱۲/-
فیروز اللغات اردو پاکٹ سائز	لغت	فیروز الدین	۸/۵۰
فیروز اللغات کلاں سائز	〃	〃	۱۶/-
فرقہ وارانہ فسادات اور	تحقیق	جمیل احمد نذیری	۳/-
فیوض یزدانی	تصوف	مولانا اشرف علی تھانوی	۴۰/-
فضائل نماز	فضائل	مولانا محمد زکریا صاحب	۲/۵۰
فضائل قرآن مجید	〃	〃 〃 〃	۲/-
فضائل رمضان	〃	〃 〃 〃	۲/-
فضائل تبلیغ	〃	〃 〃 〃	۱/۷۵
فضائل ذکر	〃	〃 〃 〃	۵/-
فضائل درود شریف	〃	〃 〃 〃	۳/۷۵
فضائل صدقات	〃	〃 〃 〃	۱۸/-
فضائل حج	〃	〃 〃 〃	۶/۵۰
فضائل قربانی	〃	〃 〃 〃	

نام کتاب	موضوع	مصنف	قیمت
فضائل استغفار	فضائل	مولانا اشرف علی تھانوی	۲/۵۰
فطری حکومت مکمل	تحقیق مذہب	مولانا قاری محمد طیب	۴/۵۰
فلسفۂ نماز	اصلاح و تبلیغ	〃 〃 〃	۴/-
فلسفۂ نعمت و مصیبت مکمل	〃	〃 〃 〃	۱۰/-
فلاح ملت	رد بدعت	محمد شعبان	۵/۵۰
ق			
قافلۂ سخت جاں	روداد زنداں	سید اسعد گیلانی ایم اے	۱۵/-
قبر کیا کہتی ہے؟	اصلاحی	صوفی محمد اسمٰعیل	۲/۵۰
قبر کی پہلی رات	〃	〃	۲/-
قبیلوں کے ساتھ	سیرت و تاریخ	مولوی اسلم قاسمی	-/۷۵
قرآنی مراسلاتی کورس اردو مع عربی		مرتبہ درس قرآن	۴/-
قرآن اور حدیث مجلد	حدیث و قرآن	مولانا مودودی	۴/۵۰
قرآن اور تصوف	تصوف	ڈاکٹر میر ولی الدین	۹/-
قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟	تعلیم قرآن	مولانا منظور نعمانی	۸/-
قرآن کی باتیں	〃	مولانا محمد سعید احمد دہلوی	۴/-
قرآن سے ستاروں تک مجلد	موجودہ سائنس پر	مولوی محمد عبد اللہ	۹/-
قرآن اور اسکے حقوق	حقوق		۹/-
قادیانیت کے جیب و گریباں	ردِ قادیانیت	مولانا عامر عثمانی	۳/۵۰
قصص القرآن مکمل در ۴ جلد	قرآنی قصے	مولانا حفظ الرحمٰن	۱۰۰/-
قصص الانبیاء کلاں	انبیاء کے قصے		۲۲/۵۰
قصص الاولیاء مکمل در ۱۰ جلد	اولیاء کے قصے	مولانا اشرف علی تھانوی	۵۰/-
قرآن مجید حافظی			۱۸/-
قرآن مجید ع۳			۲۲/-
قرآن مجید ۵۳			۱۵/-
قیامت نامہ	اصلاح	شاہ رفیع الدین	۳/۵۰
قیامت کیا ہے؟ مجلد	〃	مولانا اشرف علی تھانوی	۴/-
ک			
کشف المحجوب اردو	تصوف	حضرت داتا گنج بخش	۲۵/-
کفر اور اسلام کے حدود	ردِ قادیانیت	مولانا منظور نعمانی	۳/-
کفر اور اسلام کی کسوٹی	ردِ بدعت	حکیم انیس الحق	۵/-

نام کتاب	موضوع	مصنف	قیمت
کلمات طیبات	تفاسیر	مولانا محمد طیب صاحب	1/50
کلمہ طیبہ کی حقیقت		مولانا منظور نعمانی	1/50
کلام اسعد منظوم	مجموعۂ کلام		1/50
کمیونزم یا اسلام؟		نعیم صدیقی	1/-
کمیونزم اور مذہب	ردِّ کمیونزم		2/-
کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟	تحقیق مسائل	مفتی سعید پالن پوری	/-
کیا ہم مسلمان ہیں؟ حصہ ۱	تاریخ کے آئینہ میں	شمس نوید عثمانی	7/50
〃 〃 ۲		〃	6/-
〃 〃 ۳	〃	〃	9/-
کید الشیطان یعنی شیطان کا فریب	درس عبرت	مفتی محمد شفیع	1/25
کثرت آبادی کا علاج		نعیم صدیقی	1/50
ل			
گنجینۂ جواہرات	مواعظ		30/-
گنجینۂ اسرار مجلد	عملیات و تعویذات	علامہ انور شاہ صاحب	/-
گناہ بے لذت		مفتی محمد شفیع صاحب	1/50
مسجد سے میخانے تک حصہ اول	اصلاحی ادب	ملا ابن العرب مکی	15/-
〃 〃 دوم	〃	〃	16/-
مسئلہ تعدد ازواج	مسائل	مولانا مودودی	1/50
مسنون دعائیں مترجم عکسی پاکٹ سائز (کمال والی)			2/-
موت کا منظر	اصلاح و تبلیغ	حافظ محمد اسحٰق دہلوی	2/50
میاں بیوی کے حقوق	حقوق و مسائل	مفتی عبد الغنی	2/-
میری نماز عکسی	مسائل و فضائل	مولوی ادریس	2/50
〃 〃 غیر عکسی	〃	〃	1/50

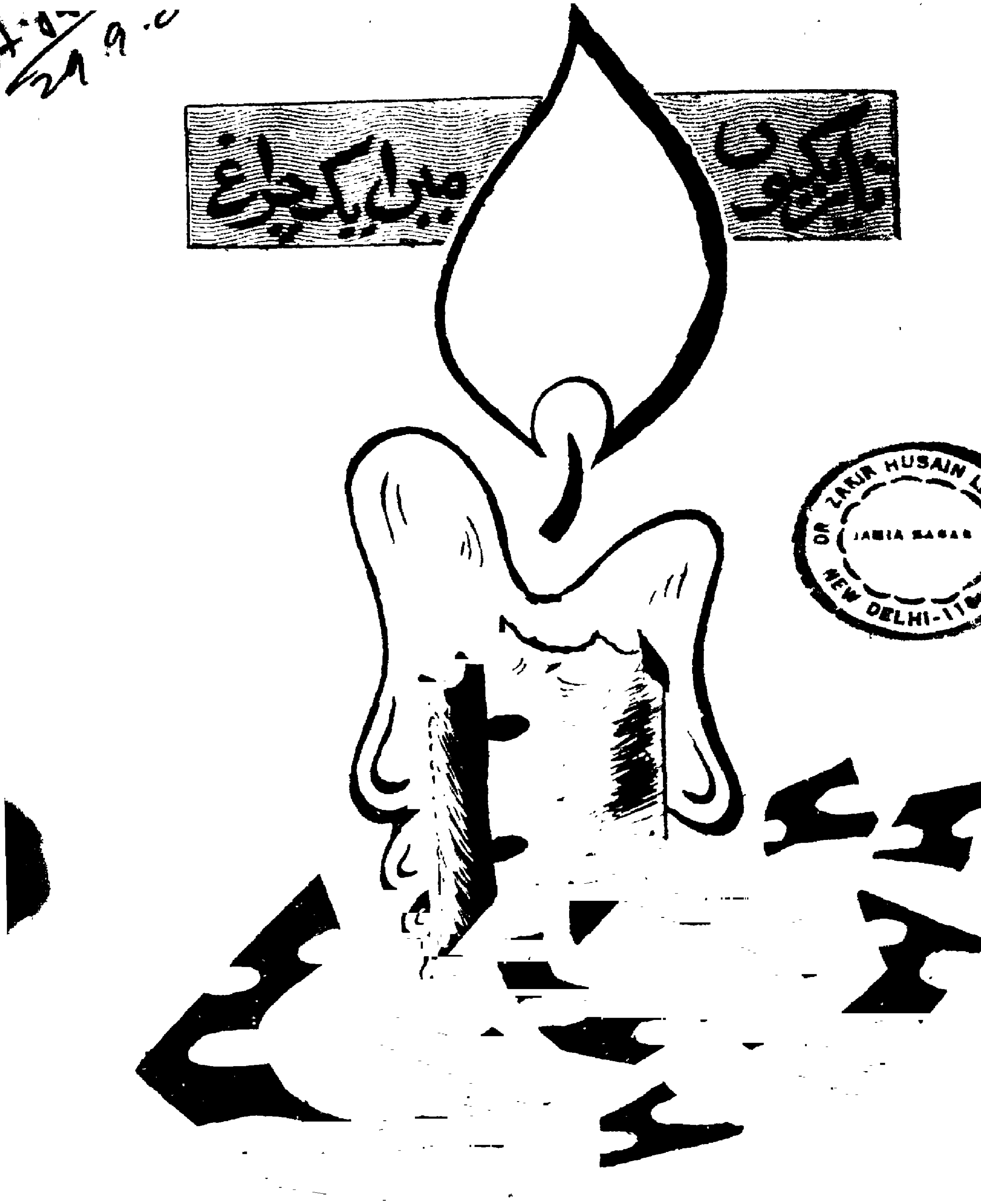
نام کتاب	موضوع	مصنف	قیمت
مسنون دعائیں مترجم عکسی	ہر اقسام کی دعائیں	مرتبہ مولانا عاشق الٰہی	/۰
مسلمان خاوند مجلد	حقوق و مسائل	مولانا ادریس انصاری	/۰
مسلمان بیوی	〃	〃	/۰
مسدس حالی اردو منظوم	ادب	علامہ حالی	/-
مشاہیر امت	مقالات و تذکرہ	قاری محمد طیب صاحب	/-
مکتوبات حضرت علی			/-
مخزن اخلاق			/-
مقبول نماز مترجم مع جملہ مسائل و تعینین مجلد انگریزی	نماز و مسائل	صوفی اسمٰعیل	/-
مکاتیب گیلانی مجلد	مختلف موضوعات	مولانا مناظر احسن گیلانی کے خطوط	/-
مولانا مودودی سے ملیے مجلد	مکمل سوانح اور حالات	اسعد گیلانی ایم، اے	/-
مولانا مودودی اور تصوف	تصوف کی نظر میں	مولانا شفیع احمد	/-
مقام صحابہ		عاصم نعمانی	-
مسند ابوبکر		مولوی شبیر احمد ازہر	/-
مولانا مودودی اور مجاہد اسلامی علماء کی نظر میں			/-
ن			
نجات المسلمین	اصلاح و تبلیغ	مفتی محمد شفیع	/۰
نماز مقبول مترجم		صوفی محمد اسماعیل	/-
والدین کے حقوق مجلد	حقوق و مسائل		/۰
وعظ بے نظیر	مجموعۂ وعظ		/۰
ولی کامل مجلد	سوانح مولانا زکریا	مفتی عزیز الرحمٰن	/-
ہ			
ہمارا دین حق		مولانا ریحان الدین	-
ہزار مسئلہ اردو	مسائل		-
ہمدرد مطب اردو عکسی	اردو مطب	ہر مرض کے آسان ترین نسخے	-
یوم الفرقان معرکۂ شہدائے بدر	تذکرہ تاریخ	محمد علی حسین	-
یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ	شخصیات	اطہر شاہ قیصر	-

مکتبہ تجلی، دیوبند ۲۴۷۵۵۴

THE "TAJALLI" DEOBAND (U.P.)

Regd. S HN

Jun[illegible] 1980



ایڈیٹر:- حسن احمد صدیقی (فاضلِ دارالعلوم دیوبند)

ماہنامہ

تجلی

جلد ۳۲ اگست وستمبر ۸۶ء شمارہ ۷،۸

دیوبند مدیر :- حسن احمد صدیقی

فہرست مضامین

سالانہ قیمت ————

———— چوبیس ۲۴ روپے

وی، پی سے طلب کرنے پر

———— اٹھائیس ۲۸ روپے

اس شمارہ کی قیمت ————

———— دو ۲ روپے

اگر اس (۱۰) دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجیے کہ اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے اب یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت روانہ کردیں یا بذریعہ خط وی. پی کی اجازت دیں. خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی. پی سے بھیجا جائے گا

پرنٹر پبلشر نسیم فاطمہ نے جے. کے آفسیٹ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر ماہنامہ تجلی دیوبند سے شائع کیا۔

مجلّے کا چندہ وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔

گزشتہ شمارہ دو مہینوں کی اشاعت پر مشتمل
تھا اور یہ شمارہ بھی دو مہینوں کی
اشاعت پر مشتمل ہے۔ کوشش تو یہی تھی کہ اگست
کا شمارہ قارئین کے ہاتھوں میں جولائی کے وسط
تک پہنچ جائے لیکن حالات کچھ ایسے رہے کہ ہماری
کوشش کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

اور اشاعت کے تسلسل کو قائم رکھنے کی
ایک ہی صورت سمجھ میں آئی کہ حالیہ شمارہ کو دو
مہینوں کی اشاعت پر مشتمل کر کے وسطِ اگست
میں قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے
اسی طرح ستمبر کا شمارہ وسطِ اگست میں
اور پھر انشاء اللہ العزیز اکتوبر کا شمارہ وسطِ
ستمبر میں منظرِ عام پر آنے کی سعادت حاصل
کر سکے گا۔

دو دو مہینے کے شمارے دیکھ کر قارئین
کو جو کوفت ہوتی ہے اس کا ہمیں اندازہ ہے لیکن
چونکہ قارئین تجلی ہمیشہ تجلی کے شریکِ حال
رہے ہیں۔ اس لئے تاخیرِ اشاعت پر خفت اور
تشویش کے ساتھ ساتھ ہمیشہ ہمیں ایک گونہ
اطمینان حاصل رہا ہے ہمیں امید ہے کہ قارئین
حسبِ سابق ہماری کوتاہیوں کو نظر انداز کرتے
ہوئے اس دو ماہی اشاعت کو گوارا کریں گے
زیرِ شمارہ میں ایک مضمون رمضان کے متعلق
شائع کرایا گیا تھا اشاعت میں تاخیر ہو جانے
کی وجہ سے مضمون کی اہمیت پھیکی پڑ گئی ہے
تاہم بعض خصوصیات کی وجہ سے اس مضمون کو
کو ماہِ مقدس کے رخصت ہونے کے بعد بھی
پڑھا جا سکتا ہے۔

خدا کا فضل و احسان ہے کہ جون و جولائی
کے شمارے کو خاصا سراہا گیا۔ اور بعض اربابِ
قلم نے مفید مشوروں سے نوازا کر اس بات
کا احساس دلایا کہ ہم تنہا نہیں بلکہ خدا کے کچھ بندے
ایسے بھی ہمارے ساتھ ہیں جن کے مشوروں کی
رہنمائی ہمیں کجروی سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

اکثر قارئین نے تجلی کے موجودہ سائز
پر تنقید کی ہے۔ ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ
تجلی جیسے حق پرست پرچے کے لئے اس کا اپنا
پرانا سائز ہی موزوں ہے اس سلسلے میں کچھ اور
خطوط کا انتظار ہے اگر باقی قارئین کی رائے بھی
یہی رہی کہ تجلی کو پرانا ہی سائز پر چھاپا جائے
تو ہمیں پرانے ہی سائز پر رسالہ چھاپنے میں
کوئی تامل نہ ہوگا خواہ اس میں ہماری جیب کو
گرانبار ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

تفہیم الحدیث

حسن احمد صدیقی

پڑوسی کے حقوق

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپؐ فرمایا کرتے تھے جبرئیلؑ مجھے پڑوسیوں کے بارے میں اس انداز و تاکید سے وصیت کرتے تھے کہ مجھے یہ گمان ہونے لگتا ہے۔ وہ پڑوسی کو شریکِ وراثت ٹھہرادیں گے۔

(الادب المفرد)

عرفِ عام میں پڑوسی کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو اپنے گھر کے نزدیک مقیم ہو۔ لیکن اسلام کی نظر میں ہر وہ شخص پڑوسی کہلانے کا مستحق ہے جو کسی بھی لحاظ سے نزدیک ہو۔ ایک ساتھ کام کرنے والے لوگ، ایک مدرسے میں تعلیم پانے والے طلبار، ایک کارخانے میں کام کرنے والے مزدور، ایک مسجد میں نماز پڑھنے والے حضرات، ایک دکان کے مختلف شرکار وغیرہ جیسے تمام ہی انسان باہم ایک دوسرے کے ہمسائے کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ پڑوسی اور ہمسائے کی ان سب ہی قسموں میں تفوق کا مقام اس شخص کو حاصل ہے جو باعتبار قرابت بھی قریب ہو۔ اپنے مکان کے اردگرد جتنے افراد بھی مقیم ہوں۔ وہ سب پڑوسی ہونے کے ناطے ہمدردی کے مستحق ہیں لیکن ان میں ہمدردی و تعاون کا مقابلۃً وہ شخص زیادہ حقدار ہے جو پڑوسی ہونے کے ساتھ قرابت دار بھی ہو۔

پڑوسیوں اور اردگرد کے لوگوں سے محبت کرنا کوئی خلافِ قیاس بات نہیں۔ آس پاس رہنے والے تمام انسانوں سے خود بخود ایک قسم کا تعلق ہوجاتا ہے اسلام نے تو اس تعلق پر خصوصی توجہ دینے کی ہدایت کی ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ وہ شخص مومن نہیں جو خود تو پیٹ بھر کے کھائے اور اس کا پڑوسی شدت بھوک سے تڑپ رہا ہو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک موقع پر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے اس وقت آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہوسکتا۔ خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہوسکتا۔ خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہوسکتا۔ صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ کون؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ شخص جس کی شرارتوں سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔

ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور یوم جزا پر ایمان رکھتا ہے، اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ہمسائے کی عزت کرے۔ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک بہتر انسان وہ ہے۔ جو اپنے دوستوں کے حق میں بہتر ہو اور پڑوسیوں میں بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے حق میں بہتر ہو۔

یہ تمام روایات صحیح بخاری کی ہیں اور ان میں کوئی بھی روایت ایسی نہیں ہے۔ جس پر ائمہ محدثین میں سے کسی نے کوئی اشکال ظاہر کیا ہو۔ ان روایات پر اچٹتی ہوئی نظر ڈال لینے سے بھی یہ بات روزِ روشن کی عیاں ہو جاتی ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کرنے والے لوگ "بہترین" اور "پرہیزگار" کہلانے کے حقدار نہیں ہوسکتے۔

امام بخاریؒ نے "الادب المفرد" میں یہ روایت

عمل کی بہت کی [illegible]
تھیں دن کو ایک [illegible]
اور رات کو روزے رکھتی [illegible] اور صدقات بھی بہت کرتی
تھیں مگر زبان کی [illegible] پڑوسیوں کو وقتاً
فوقتاً سخت سست [illegible] لوگوں نے ان کا احوال
حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] کئے۔ تو حضورؐ نے
فرمایا کہ انھیں [illegible] پھر صحابہؓ نے ایک
دوسری عورت [illegible] فرائض ادا کرنے
پر اکتفا کرتی تھیں لیکن [illegible] بہت محتاط تھیں اور
کسی پڑوسی کی دل [illegible] کرتی تھیں۔ حضورؐ نے فرمایا
کہ یہ بے حساب جنت میں جائے گی۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن
میں حقوق سے متعلق جو مقدمہ سب سے پہلے پیش ہوگا وہ
پڑوسیوں کا ہوگا۔ اس کے بعد دوسرے مقدمات کا نمبر
آئے گا۔

اسلام نے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید
اس لئے کی ہے تاکہ معاشرے میں سدھار پیدا ہو۔ دراصل
معاشرہ ایک عمارت کی مانند ہے اور عمارت اسی وقت مضبوط
اور خوشنما ہوتی ہے جب اس کی اینٹیں ایک دوسرے کے
ساتھ مضبوطی اور خوبی سے جڑی ہوئی ہوں۔ جس طرح
ایک اینٹ کی خرابی اور کمزوری پوری دیوار کو کھوکھلا بنا دیتی
ہے۔ اسی طرح ایک فرد کی خرابی اور برائی پورے معاشرے
پر اثرانداز ہوتی ہے۔ فرد [illegible] افراد بنتے ہیں پھر افراد کو
خاندان اور گھرانے جنم لیتے ہیں۔ پھر خاندان اور گھرانوں
کے مجموعے سے قصبے اور شہر تیار ہوتے ہیں۔ اگر کسی
گھر کا کوئی فرد بگڑ جائے تو اس کے بگاڑ سے پورا
معاشرہ متاثر ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک گھر میں
رہنے والے چند افراد باہم محبت و ہمدردی کرنے
کے خوگر ہوں تو ان افراد کے مجموعے سے ظہور میں

[illegible]

[illegible] کہ اگر [illegible]
مسلمانوں کا [illegible] پڑوسیوں کے ساتھ بے مثال
رہا۔ بزرگان دین کے واقعات [illegible] پیش کئے جا سکتے
ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہ بہت مشہور واقعہ ہے کہ وہ
اپنے یہودی پڑوسی کو [illegible] کرتے
تھے۔ حالانکہ اس یہودی کا یہ دائمی معمول بن گیا تھا کہ وقت
[illegible] امام صاحب [illegible]
غلاظت ڈالتا تھا اور مختلف طریقوں سے ایذا پہنچا
کر [illegible] کیا کرتا تھا۔ امام اعظمؒ نے خیال کیا کہ اس
کا فعل اپنی جگہ لیکن میرا فرض یہ ہے کہ میں ہمسایہ ہونے
کی وجہ سے اس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کروں
اور مصیبت میں اس کے کام آؤں۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ ایک بکری
ذبح کی۔ ان کے پڑوس میں ایک یہودی رہا کرتے تھے۔
انہوں نے اپنے اہل خانہ سے دریافت کیا کہ تم نے یہودی
ہمسائے کو بھی کچھ بھیجا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے جبرئیلؑ نے
ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک کی اتنی تاکید کی ہے کہ
مجھے خیال ہونے لگا کہ کہیں پڑوسی کو ترکہ میں حصہ دار
قرار نہ دے دیا جائے۔ بہرحال ہر پڑوسی بلا تخصیص
اس بات کا حقدار ہے کہ اس کے ساتھ احسان و ایثار
کا معاملہ کیا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

بحیثیت داعی الی الحق

جناب پروفیسر خورشید احمد صاحب

انسان بنیادی طور پر دو ایسی ضروریات کا محتاج ہے جن سے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی صرفِ نظر نہیں کر سکتا ایک طرف اسے ان اشیاء و وسائل کی ضرورت درپیش ہے جو اس کی مادی احتیاجات کو پورا کریں، جن کے ذریعہ وہ اپنے جسم اور روح کے رشتے کو قائم و استوار کرے اور بقائے حیات کے مادی تقاضوں کو پورا کرے، دوسری طرف وہ اس ہدایت اور رہنمائی کا محتاج ہے جس کی روشنی میں وہ اپنی اخلاقی، اجتماعی اور تمدنی زندگی کی تشکیل صحت مند بنیادوں پر کر سکے اور اس طرح انسانیت کے حقیقی مقاصد کی بوجہ احسن تکمیل کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کا تقاضہ ہے کہ وہ انسان کی ان دونوں ضرورتوں کو پورا کرے۔ پہلی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اس نے زمین و آسمان میں وسائل معیشت کا ایک نہ ختم ہونے والا خزانہ ودیعت کر دیا ہے اور انسان ان وسائل کے ذریعہ اپنی مادی ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے پوری کائنات انسان کے لئے اپنا دامن پھیلائے ہوئے ہے اور اپنے سینے سے وہ وسائل اگل رہی ہے جو انسانیت کی بے شمار اور ہر آن بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو بحسن و خوبی پورا کر رہے ہیں۔

دمادم رواں ہے یم زندگی
ہر اک شے سے پیدا رم زندگی

انسان کی دوسری بنیادی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت اور اپنے نبی مبعوث فرمائے تاکہ وہ انسان کو زندگی کی حقیقت سے روشناس کرائیں۔ انہیں زندگی کے معنی اور اس کے مقاصد سے آشنا کرائیں، انہیں جینے کے طریقے سکھائیں اور ان اصول تمدن کی تعلیم دیں جو زندگی کو اس کے اصل مقاصد سے ہمکنار کر دیں اور خدا کی زمین پر ایک صحت مند نظام قائم کریں جس پر زمین اپنی نعمتیں اگل دے اور آسمان اپنی برکتیں نازل کرنے لگے۔

انبیاء کی بعثت کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ خدا اور بندے کے تعلق کو توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد کی بنیادوں پر استوار کرائیں اور دعوت دین اور اجتماعی جد و جہد کے ذریعہ تاریخ کی رو کو موڑ دیں اور الہامی ہدایت کی روشنی میں انفرادی

اور اجتماعی زندگی کی تعمیر۔ سورۃ الحدید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

ہم نے اپنے رسول واضح نشانیاں دے کر بھیجے اور ان کے ساتھ قرآن یعنی قانون حیات، اور میزان عدل اتاری تاکہ انسانوں پر انصاف قائم کریں۔

سورۃ الصف میں رب السمٰوٰت والارض کا ارشاد ہے:۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

وہی ہے ذات باری تعالیٰ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام نظام ہائے زندگی پر غالب کر دے۔

—— یہ ہے انبیاء کا مشن اور یہی وجہ ہے کہ نبی کی جو حیثیت اس کی تمام حیثیتوں سے نمایاں اور ممتاز ہے وہ داعی الی الحق کی حیثیت ہے۔ اسلام کا اصل مقصد انسانی زندگی کو ایک خاص نہج پر چلانا ہے۔ اسلام کوئی پوجاپاٹ کا جامد نظام نہیں بلکہ ایک زندہ اور متحرک تحریکِ فکر و عمل ہے جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو ہدایت الٰہی کا پابند بناتی ہے۔ اسلام ایک دعوت ہے جو انسانوں کو خدا کے دین کی طرف بلاتی اور ان کی زندگیوں کو نورِ الٰہی سے منور کرتی ہے۔ اسلام ایک مکمل دین، ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے اور اس کی تمام وسعتوں پر حاکمیت الٰہی قائم کرنے کا دعویدار ہے۔ انبیاء وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جو اس دعوت کے داعی اور اس تحریک کے قائدین ہیں اور جنکی رہنمائی میں پہلا اسلامی معاشرہ برپا ہوتا ہے اور جس سلسلۂ النبوت کی آخری کڑی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

قرآن پاک آپ کی بعثت کا مقصد اس چیز کو قرار دیتا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ۔

وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے (یعنی حضرت محمدؐ کو) پیغمبر بنا کر بھیجا، جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے، ان کا تزکیہ کرتے اور خدا کی کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ صریح گمراہی میں تھے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ (المائدہ۔ ۶۷)

اے رسول، جو حق تم پر تمہارے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔

فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ ۖ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (شوریٰ)

پس اسی راہ کی دعوت دو اور اس پر استقامت کے ساتھ جمے رہو جس طرح کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے۔

ان آیاتِ ربانی سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادی حیثیت داعی کی حیثیت ہے آپ کا اصل مشن تھا کہ خدا کی ہدایت لوگوں تک پہنچا دیں، انہیں خدا کی کتاب اور حکمت و دانش کی تعلیم دیں اور انہیں دعوت دیں کہ وہ دین کو اپنی پوری زندگی پر غالب کر دیں۔ پھر جو لوگ اس دعوت پر لبیک کہیں انہیں ایک تحریک اور ایک امت میں

منظم کریں، ان کے اخلاق کا تزکیہ کریں۔ ان میں کردار کے جوہر پیدا کریں اور اجتماعی جدوجہد کے ذریعہ اپنی قیادت و رہنمائی میں وہ تہذیب و تمدن قائم کریں جو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام فکر و نظر اور علم و عمل میں ایک ہمہ گیر انقلاب کا داعی ہے وہ انسان کو غیر اللہ کی ہر غلامی سے نجات دلا کر اس کی زندگی کو خدا کے لئے خالص کرنا چاہتا ہے اس کا پیغام یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ پر، خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی سماجی ہو یا سیاسی، معاشی ہو یا معاشرتی، قومی ہو یا بین الاقوامی، خدا کی حاکمیت قائم کرو، ہر اطاعت پر خدا کی اطاعت اور ہر قانون پر خدا کا قانون مقدم ہے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حاکمیت الٰہی کی دعوت تھی اور آپ کی سیرت پاک کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے دعوتِ اسلامی کے کام کو باقی تمام کاموں پر مقدم رکھا اور ہر دور ہر حالت میں اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ہمہ تن مصروف رہے۔ آپ اول بھی داعی تھے اور آخر بھی داعی۔ اور صرف داعی الی اللہ۔ آیئے آپ کی دعوتی زندگی کے چند اہم پہلوؤں کا مطالعہ کریں تاکہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو آپ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ادا کرنے کی کوشش کر سکیں۔ اس اس لئے کہ داعی الی الحق کی جو ذمہ داری آپ کے مبارک شانوں پر تھی اب وہ پوری اُمتِ مسلمہ کے کندھوں پر ہے۔

لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (الحج)

تاکہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو۔

یعنی جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کی شہادت اور گواہی دی اب اسی طرح پوری اُمت کو تمام انسانیت کے سامنے اس حق کی شہادت دینی ہے۔

(۱) آپ کی دعوت زندگی کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ جو تعلیم آپ نے دنیا کو دی اس پر سب سے پہلے ایمان لانے والے آپ خود تھے۔

اٰمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ۔

رسول اس پر ایمان لائے جو رب کی طرف سے ان پر نازل کیا گیا اور تمام مومن بھی۔

آپ اس ہدایت پر سب سے پہلے ایمان لانے والے اور اپنی زندگی کو سب سے پہلے اس کے تابع کرنے والے تھے أَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ۔ میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں۔ أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ۔ میں سب سے پہلا مسلم ہوں۔

جو دعوت آپ نے دی آپ کی پوری زندگی اس کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ بقول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی زندگی سراپا قرآن تھی۔ دنیا میں بے شمار مصلح اور فلسفی آئے۔ جو گفتار کے غازی تو ضرور تھے مگر کردار کے غازی نہ تھے جو تعلیم انہوں دی وہ خود بھی اس پر عامل نہ تھے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ نے اپنی دعوت کے ہر پہلو پر خود عمل کر کے دکھایا اور انسانیت کے لئے بہترین نمونہ پیش فرمایا تاکہ لوگ صرف آپ کے ارشادات ہی سے ہدایت حاصل نہ کریں بلکہ آپ افعال و اعمال کی بھی پیروی کریں اور زندگی کا کوئی

گوشت اور قلب و دماغ کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہ تھا جس پر آپ کے سیرت و کردار کی گہری چھاپ موجود ہو۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ۔

(۲) دوسری بنیادی چیز یہ ہے کہ آپ نے جزوی اصلاح کے مقابلے میں کلی انقلاب کی جدوجہد کی۔ آپ کا مقصد چند جزئیات میں پیدا کرنا نہ تھا بلکہ پوری زندگی کو ہدایتِ الٰہی کے مطابق استوار کرنا تھا۔ آپ نے لوگوں کے خیالات اور نظریات کی اصلاح کی اور انہیں ایک ایمان اور جوش زندگی بخشا۔ آپ نے ان کے اخلاق و کردار کو سنوارا اور ایک نیا انسان پیدا کیا۔ آپ نے تمدن و معاشرت کی اصلاح فرمائی۔ اور ایک نئی سوسائٹی کی تعمیر کی۔ آپ نے طاغوت کو زندگی کے ہر میدان میں شکستِ فاش دی اور پھر وہاں حاکمیتِ الٰہی کے تخت بچھائے۔ یہ ایک ہمہ گیر انقلاب تھا اور انسانی تاریخ کا وہ واحد انقلاب ہے جس نے انسانیت کی پوری زندگی کی اصلاح و تعمیر کی۔

پھر ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور سرور کائنات کو دین کی فتح و کامرانی اور اس سربلندی پر ہمیشہ گہرا اور غیر متزلزل یقین رہا۔ عین اُن پرآشوب حالات میں جب مسلمانوں کی کشتی مخالفتوں کے طوفانوں میں گھری ہوئی تھی۔ اور دور دور ساحل کا کہیں نام ونشان نہ ملتا تھا اور روشنی کی کوئی رمق موجود نہ تھی۔ اس وقت بھی قطعاً مایوس نہ ہوئے۔ مکی زندگی کا مشہور واقعہ ہے کہ مسلمان قریش کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ ہر مسلمان کی جان خطرے میں تھی۔ صبح ہوتی تھی شام کا بھروسہ نہ تھا اور شام ہوتی تھی تو صبح کا یقین نہ تھا۔ بظاہر اسلام کا کوئی مستقبل نظر نہ آرہا تھا اور جو لمحہ گذرتا تھا غنیمت معلوم ہوتا تھا۔ ایسی حالت میں ایک مظلوم مسلمان حضرت خبابؓ آپ کے پاس آئے۔ آپ بیت اللہ کے سامنے بیٹھے تھے۔ حضرت خبابؓ نے کہا: یا رسول اللہ! اب تو پانی سر سے گزرا جارہا ہے آپ ہمارے لئے دعا کیجئے۔ آنحضرت کا چہرہ سرخ ہوگیا، آپ نے فرمایا: "بس خباب گھبرا گئے۔ پہلی امتوں میں تو یہ ہوا کہ مومن کو گڑھا کھود کر گاڑ دیا گیا اور سر پر آرہ چلایا گیا یہاں تک کہ اس کے بدن کے دو ٹکڑے ہوکر گر گئے اور لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت ہڈیوں سے جدا کیا گیا مگر اس کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی۔ خدا کی قسم اللہ اپنے دین کو مکمل کرے گا یہاں تک کہ اس دین کی عمومیت اور غلبہ کا یہ حال ہوگا کہ سوار صنعا سے حضر موت تک سینکڑوں میل کی مسافت طے کرتا چلا جائے گا اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا کھٹکا نہ ہوگا۔ سوائے اس کے کہ اس کو بھیڑیئے سے خطرہ ہو کہ وہ اس کی بکریوں پر حملہ کرے۔ لیکن تم جلدی بہت کرتے ہو۔"

یہ واقعہ کئی حیثیت سے بڑا اہم ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی کو اپنی دعوت پر کتنا اعتماد ہے کہ بڑی سے بڑی مشکل اور آزمائش کو بھی وہ خاطر میں نہیں لاتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی عمومیت اور غلبہ کا مقصد اپنے تمام... تضمنات کے ساتھ اس کے سامنے اس وقت بھی تھا جب غلبہ اور حکمرانی بظاہر ناممکن نظر آتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی استقامت کے اس مقام پر ہوتا ہے جہاں سے کوئی چیز اس کے ارادہ کو متزلزل نہیں کرسکتی۔

(۳) [...] یہ نظر آتی ہے کہ آپ نے بعثت سے لے کر زندگی کی آخری سانس تک دین کی دعوت کو پھیلانے کی کوشش میں انہماک اور تندہی سے کی کہ اس کی نظیر تاریخ انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ہر لمحہ اسی فکر میں بسر کرتا تھا کہ کسی طرح خدا کا پیغام خدا کے بندوں تک پہنچائیں اور ان کو جہنم کی آگ اور دنیا کے خسران سے بچائیں یہ فکر آپ کو اس درجہ دامن گیر رہتی تھی کہ ایک مرتبہ آپ دن بھر کی تبلیغی جدوجہد اور دشمنوں کی اذیت رسانی سے چور ہو کر وقت کو تھکے ہارے گھر واپس آئے۔ بدن تکان سے چور ہو رہا تھا اور آپ چند منٹ کے لئے لیٹ گئے تھے اتنے میں اطلاع ملی کہ گاؤں سے چند میل پر ایک پہاڑی کے نیچے ایک قافلہ آکر رکا ہے یہ سنتے ہی آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ ان تک خدا کا پیغام پہنچائیں، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ بہت تھکے ہوئے ہیں قافلہ والوں سے کل صبح مل لیں" آپ نے فرمایا "کیا معلوم صبح تک مجھے موت آجائے یا وہ قافلہ راتوں رات کہیں اور چلا جائے اور اس صورت میں میرا فرض نامکمل رہ جائے"۔ دعوت اسلامی کے کام کو حضور کتنی اہمیت دیتے تھے اور فرض کی بجا آوری کو آپ نے کیا مقام دیا۔ فرض شناسی کی یہ مثال ہمارے لئے روشنی کا مینار ہے۔

(۴) پھر آپ کی دعوتی زندگی کا یہ بھی ایک نمایاں پہلو ہے کہ آپ نے ہر مرحلے اور ہر دور کے حالات کے مطابق دعوت دین کی راہیں نکالیں اور ہر زمانے میں نہایت حکمت و دانشمندی کے ساتھ کلمۂ حق کا اظہار کیا اور بالآخر دین حق کو قائم کیا بعثت کے فوراً بعد خاموشی کے ساتھ آپ نے اپنی دعوت کا آغاز کیا اور قریبی حلقوں میں دین کا پیغام پہنچانا شروع کیا بعثت کے تیسرے سال جب دعوت عام کی اجازت ملی تو آپ نے تمام قریش کو فاران پر جمع کیا اور اسلام کی دعوت ان تک پہنچائی پھر معززین قبیلہ کو خصوصی دعوت دی اور کھانے پر بلا کر ان کو خدا کے کلام سے آگاہ کیا آپ ایک ایک قبیلہ، ایک ایک خاندان، ایک ایک گروہ اور ایک ایک فرد تک پہنچے اور ان کو اسلام سے روشناس کرایا، نجی گفتگوئیں، مکالمات مذاکرات تقریر و وعظ الغرض ہر ممکن طریق سے اسلامی تعلیمات ان کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی اور جب تک دعوت کی راہیں کھلی رہیں آپ برابر حق کی طرف برملا بلاتے رہے اور جب کھلے بندوں تبلیغ کا امکان نہ رہا تو خاموشی سے نجی ملاقاتوں کے ذریعہ اپنے مشن کی تبلیغ کرتے رہے جب آپ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا تو آپ خاموشی کے ساتھ جن جن مقامات پر جا سکتے تھے اس زمانے میں بھی ان مقامات پر دعوت پہنچانے سے آپ نہ رکے۔ پھر جب مکہ میں دعوت کے مزید پھیلانے کا امکان نہ رہا تو آپ نے مکہ سے باہر جا کر دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیا میلوں اور جلسوں کے موقعہ پر باہر کے قبائل سے ملے۔ طائف کا سفر کیا اور دوسرے بیرونی قبائل کو اپنی دعوت کی طرف بلایا حتی کہ بیرونی قبائل میں اس کوشش کے نتیجہ میں اسلامی دعوت کا نیا مرکز مل گیا اور اہل مکہ کی سختی اور ان کا تشدد ذریعہ بنے دین حق کے نئے مرکز — مدینۃ الرسول کے قیام اور اس کے ذریعہ بالآخر دعوت اسلامی کے غلبہ کا۔

پھر مدینہ میں جب قوت و اقتدار اسلام

گوشہ اور قلب و دماغ کا کوئی ریشہ ایسا باقی نہ رہے جس پر آپ کے سیرت و کردار کی گہری چھاپ موجود ہو۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

(۲) دوسری بنیادی چیز یہ ہے کہ آپ نے جزوی اصلاح کے مقابلے میں کلی انقلاب کی جدوجہد کی، آپ کا مقصد چند جزئیات میں پیدا کرنا نہ تھا بلکہ پوری زندگی کو ہدایتِ الٰہی کے مطابق استوار کرنا تھا۔ آپ نے لوگوں کے خیالات اور نظریات کی اصلاح کی اور انہیں ایک ایمان اور جوش زندگی بخشا۔ آپ نے ان کے اخلاق و کردار کو سنوارا اور ایک نیا انسان پیدا کیا۔ آپ نے تمدن و معاشرت کی اصلاح فرمائی۔ اور ایک نئی سوسائٹی کی تعمیر کی۔ آپ نے طاغوت کو زندگی کے ہر میدان میں شکست فاش دی اور پھر وہاں حاکمیتِ الٰہی کے تخت بچھائے۔ یہ ایک ہمہ گیر انقلاب تھا اور انسانی تاریخ کا وہ واحد انقلاب ہے جس نے انسانیت کی پوری زندگی کی اصلاح و تعمیر کی۔

پھر ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور سرور کائنات کو دین کی فتح و کامرانی اور اس سربلندی پر ہمیشہ گہرا اور غیر متزلزل یقین رہا عین اُن پُر آشوب حالات میں جب مسلمانوں کی کشتی مخالفتوں کے طوفانوں میں گھری ہوتی تھی۔ اور دور دور ساحل کا کہیں نام و نشان نہ ملتا تھا اور روشنی کی کوئی رمق موجود نہ تھی۔ اس وقت بھی قطعاً مایوس نہ ہوتے۔ مکی زندگی کا مشہور واقعہ ہے کہ مسلمان قریش کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوتے تھے۔ ہر مسلمان کی جان خطرے میں تھی۔ صبح ہوتی تھی شام کا بھروسہ نہ تھا اور شام ہوتی تھی تو صبح کا یقین نہ تھا۔ بظاہر اسلام کا کوئی مستقبل نظر نہ آرہا تھا اور جو لمحہ گذرتا تھا غنیمت معلوم ہوتا تھا۔ ایسی حالت میں ایک مظلوم مسلمان حضرت خبابؓ آپؐ کے پاس آئے، آپؐ بیت اللہ کے سامنے بیٹھے تھے۔ حضرت خبابؓ نے کہا: یا رسول اللہ! اب تو پانی سر سے گزر رہا ہے آپ ہمارے لئے دعا کیجئے۔" آنحضرت کا چہرہ سرخ ہوگیا، آپ نے فرمایا: "بس خباب گھبرا گئے۔ پہلی امتوں میں تو یہ ہوا کہ مومن کو گڑھا کھود کر گاڑ دیا گیا اور سر پر آرہ چلایا گیا یہاں تک کہ اس کے بدن کے دو ٹکڑے ہوکر گر گئے اور لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت ہڈیوں سے جدا کیا گیا مگر اس کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی۔ خدا کی قسم اللہ اپنے دین کو مکمل کریگا یہاں تک کہ (اس دین کی عمومیت اور غلبہ) کا یہ حال ہوگا کہ سوار صنعا سے حضر موت تک سینکڑوں میل کی مسافت طے کرتا چلا جائے گا اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا کھٹکا نہ ہوگا۔ سوائے اس کے کہ اس کو بھیڑیئے سے خطرہ ہو کہ وہ اس کی بکریوں پر حملہ کرے ۔۔ لیکن تم جلدی بہت کرتے ہو۔"

یہ واقعہ کئی حیثیت سے بڑا اہم ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی کو اپنی دعوت پر کتنا اعتماد ہے کہ بڑی سے بڑی مشکل اور آزمائش کو بھی وہ خاطر میں نہیں لاتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی عمومیت اور غلبہ کا مقصد اپنے تمام... تضمنات کے ساتھ اس کے سامنے اس وقت بھی تھا جب غلبہ اور حکمرانی بظاہر ناممکن نظر آتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی استقامت کے اس مقام پر ہوتا ہے جہاں سے کوئی چیز اس کے ارادہ کو متزلزل نہیں کر سکتی۔

(۳) تیسری چیز ہمیں یہ نظر آتی ہے کہ آپؐ نے بعثت سے لیکر اپنے آخری سانس تک دین کی دعوت کو پھیلانے کی کوشش اس انہماک اور تندہی سے کی کہ اس کی نظیر تاریخ انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ کا ہر لمحہ اسی فکر میں بسر ہوتا تھا کہ کسی طرح خدا کا پیغام خدا کے بندوں تک پہنچائیں اور ان کو جہنم کی آگ اور دنیا کے خسران سے بچائیں یہ فکر آپؐ کو اس درجہ دامن گیر رہتی تھی کہ ایک مرتبہ آپؐ دن بھر کی تبلیغی جد وجہد اور دشمنوں کی اذیت رسانی سے چور ہو کر رات کو تھکے ہارے گھر واپس آئے۔ بدن بخار سے تپ رہا تھا اور آپؐ چند منٹ کے لئے لیٹ گئے اتنے میں اطلاع ملی کہ مکہ سے چند میل پر ایک پہاڑی کے نیچے ایک قافلہ آکر رکا ہے یہ سنتے ہی آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے تاکہ ان تک خدا کا پیغام پہنچائیں، لوگوں نے عرض کیا یا رسول آپ بہت تھکے ہوئے ہیں قافلہ والوں سے کل صبح مل لیں" آپؐ نے فرمایا "کیا معلوم صبح تک مجھے موت آجائے یا وہ قافلہ راتوں رات کہیں اور چلا جائے اور اس صورت میں میرا فرض نامکمل رہ جائے" یہ دعوتِ اسلامی کے کام کو حضورؐ کتنی اہمیت دیتے ہیں اور فرض کی بجاآوری کو آپؐ نے کیا مقام دیا۔ فرض شناسی کی یہ مثال ہمارے لئے روشنی کا مینار ہے۔

(۴) پھر آپؐ کی دعوتی زندگی کا یہ بھی ایک نمایاں پہلو ہے کہ آپ نے ہر مرحلے اور ہر دور کے حالات کے مطابق دعوتِ دین کی راہیں نکالیں اور ہر زمانہ میں نہایت حکمت و دانشمندی کیساتھ کلمہ حق کا اظہار کیا اور بالآخر دینِ حق کو قائم کیا بعثت کے فوراً بعد خاموشی کے ساتھ آپ نے اپنی دعوت کا آغاز کیا اور قریبی حلقوں میں دین کا پیغام پہنچانا شروع کیا۔ بعثت کے تیسرے سال جب دعوت عام کی اجازت ملی تو آپ نے تمام قریش کو فاران پر جمع کیا اور اسلام کی دعوت ان تک پہنچائی۔ پھر معززین قبیلہ کو خصوصی دعوت دی اور کھانے پر بلا کر ان کو خدا کے کلام سے آگاہ کیا آپؐ ایک ایک قبیلہ، ایک ایک خاندان، ایک ایک گروہ اور ایک ایک فرد تک پہنچے اور ان کو اسلام سے روشناس کرایا، نجی گفتگوئیں، مکالمات و مذاکرات تقریر و وعظ الغرض ہر ممکن طریق سے اسلامی تعلیمات ان کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی اور جب تک دعوت کی راہیں کھلی رہیں۔ آپ برابر حق کی طرف بلاتے رہے اور جب کھلے بندوں تبلیغ کا امکان نہ رہا تو خاموشی سے نجی ملاقاتوں کے ذریعہ اپنے مشن کی تبلیغ کرتے رہے جب آپ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا تو آپ خاموشی کے ساتھ جن جن مقامات پر جا سکتے تھے اس زمانے میں بھی ان مقامات پر دعوت پہنچانے سے آپ نہ رکے۔ پھر جب مکہ میں دعوت کے مزید پھیلانے کا امکان نہ رہا تو آپؐ نے مکہ سے باہر جا کر دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیا میلو اور جلسوں کے موقع پر باہر کے قبائل سے ملے۔ طائف کا سفر کیا اور دوسرے بیرونی قبائل کو اپنی دعوت کی طرف بلایا حتیٰ کہ بیرونی قبائل میں اس کوشش کے نتیجے میں اسلامی دعوت کا نیا مرکز مل گیا اور اہلِ مکہ کی سختی اور ان کا تشدد ذریعہ بنے دینِ حق کے نئے مرکز ۔ مدینۃ الرسول ۔ کے قیام اور اس کے ذریعہ بالآخر دعوتِ اسلامی کے غلبہ کا۔

پھر مدینہ میں جب قوت و اقتدار اسلام

حاصل ہوگیا تو آپ نے ریاست کی تمام طاقتیں دعوتِ اسلامی کے فروغ کے لئے وقف کردیں۔ ایک طرف مدینہ میں اسلامی ریاست قائم کی اور دوسری طرف اس ریاست کے ذریعہ تمام عرب اور بالآخر تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی۔

(۵) پھر آپ کی زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوتِ اسلامی کا لازمی تقاضا ہے کہ ہر کونے میں اور جہت سے اس کی مخالفت کی جائے اور مخالفت کی نت نئی صورتیں نکالی جائیں۔ آپ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں۔ آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ آپ کو سب و شتم کا نشانہ بنایا گیا آپ کے متعلق افواہیں پھیلائی گئیں، آپ پر پتھر پھینکے گئے، آپ کو زدوکوب کیا گیا۔ آپ کے گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا گیا۔ عین عالم سجدہ میں آپ کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑی تک رکھ دی گئی ۔۔۔ آپ کے ساتھیوں کو آگ پر لٹایا گیا ریت پر گھسیٹا گیا، پتھر کی سلوں کے نیچے دبایا گیا اتنا مارا گیا کہ شہید ہوگئے ۔۔۔ لیکن ہر حال میں آپ ثابت قدم رہے، آپ نے دعوتِ اسلامی کا کام جاری رکھا اور راہ کی کوئی مشکل اور مصیبتوں کا کوئی طوفان آپ کی پیش قدمی کو نہ روک سکا۔ اسی طرح کوئی لالچ کوئی ترغیب خواہ وہ دولت کی ہو یا سرداری کی، آپ کو اپنے مشن سے ہٹا نہ سکی اور ہر حالت میں آپ نے کہا تو یہی کہا:

"خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھکر کہیں کہ مہر ومہ کے عوض میں تبلیغ دین کا کام ترک کردوں تو مجھے منظور نہیں ۔ اگر راہ میں مجھے ہلاکت نظر آئے تب بھی میں پیچھے نہ لوٹوں گا۔ حتی کہ یہ مشن کامیاب ہو یا میں اس کام میں آجاؤں ۔۔۔۔"

یہ تھا داعی کا عزم! اور سچ ہے کہ داعی اگر اپنے مشن میں سچا اور اپنی دھن کا پکا ہو تو انہی مشکلات سے کامیابی کی راہیں پھوٹیں گی اور دینِ حق فاتح و کامران ہوگا۔ جس طرح کلی کی موت ہی کے بعد پھول خندہ زن ہوسکتا ہے اور جس طرح آگ کے جلے بغیر روشنی اور حرارت ممکن نہیں، اسی طرح آزمائش اور ابتلا کے بغیر دعوتِ حق کی کامیابی کا امکان ممکن نہیں۔ فتح مکہ کی منزل شعبِ ابی طالب کی گرفتاری، طائف کی ہزیمت اور بدر و اُحد کی خوں پاشی کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے اور یہی فطرت کا قانون ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا۔ اور تم خدا کے طریقے میں تبدیلی نہ پاؤ گے۔

ماہِ رمضان کے فضائل و برکات

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماہِ شعبان کی، آخری تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک خطبہ دیا ــــ اس میں آپ نے فرمایا: ''اے لوگو! تم پر ایک عظمت و برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے، اس مبارک مہینے میں ایک رات (شبِ قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینے کے روزے اللہ نے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہِ خداوندی میں کھڑے ہونے (یعنی تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے۔ جس کا بہت بڑا ثواب رکھا ہے) جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانے کے ستّر فرضوں کے برابر ثواب ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے جس نے اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کے لئے) افطار کرایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتشِ دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا، اور اس کو روزدار کے برابر ثواب دیا جائے گا بغیر اس کے کہ روزدار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے''

ــــ آپؐ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسّر نہیں ہوتا (تو کیا غرباء اس ثوابِ عظیم سے محروم رہیں گے؟) آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ یہ ثواب اس شخص کو دے گا جو دودھ کی تھوڑی لسّی یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزدار کے افطار کرا دے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ارشاد فرمایا کہ) اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلا دے اس کو اللہ تعالےٰ میرے حوضِ (کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی تاآنکہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا ــــ (اس کے بعد آپؐ نے فرمایا) اس ماہِ مُبارک کا ابتدائی حصّہ رحمت ہے اور درمیانی حصّہ مغفرت ہے اور آخری حصّہ آتشِ دوزخ سے آزادی ہے۔ (اس کے بعد آپؐ نے فرمایا) اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کر دے گا اللہ تعالےٰ اس کی مغفرت فرمادیگا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے گا۔

(بیہقی)

اسی حدیث کی بعض روایات میں اتنا اضافہ اور ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ:-

اس مہینے میں چار کام کثرت سے کرو (۱) میں سے دو کام ایسے ہیں کہ ان کے ذریعہ تم اپنے پروردگار کو راضی کروگے اور دو کام ایسے ہیں جن سے تم بے نیاز ہو ہی نہیں سکتے۔ وہ دو کام ایسے ہیں جن سے تم بے نیاز ہو ہی نہیں سکتے وہ دو کام جن کے ذریعہ خدائے پاک کی خوشنودی حاصل ہوگی، یہ ہیں:-

(۱) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا کثرت سے ورد رکھنا

(۲) خدائے پاک سے مغفرت مانگتے رہنا۔

اور وہ دو چیزیں جن سے تم بے نیاز نہیں رہ سکتے یہ ہیں:-

(۱) اللہ تعالیٰ سے جنت مانگنا۔ اور

(۲) اور دوزخ سے پناہ مانگنا۔

(ترغیب وترہیب)

تشریح۔ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطاب کا مدّعا واضح ہے۔ تاہم اس کے چند اہم اجزاء کی مزید وضاحت کے لئے کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

اس ماہ کی سب سے بڑی فضیلت

اس خطبے میں ماہِ رمضان المبارک کی سب سے بڑی فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں ایک ایسی رات ہوتی ہے جو ہزاروں دنوں اور راتوں سے نہیں، بلکہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

ایک ہزار مہینوں میں تقریباً تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں۔ شبِ قدر کے ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا مطلب یہ سمجھنا چاہیئے کہ خاصانِ خدا اس ایک رات میں قربِ خداوندی کی اتنی مسافت طے کر سکتے ہیں جو دوسری ہزاروں راتوں میں طے نہیں ہو سکتی۔ جس طرح اس دنیا میں تیز رفتار ہوائی جہاز یا راکٹ کے ذریعے اب ایک دن کی ایک بلکہ گھنٹے میں اس سے زیادہ مسافت طے کی جا سکتی ہے جتنی پرانے زمانے میں سینکڑوں برس میں طے ہوا کرتی تھی، بالکل اسی طرح رضائے الٰہی حاصل کرنے والوں کے سفر کی رفتار شبِ قدر میں اتنی تیز کر دی جاتی ہے کہ جو بات سچے طالبوں کو سینکڑوں مہینوں میں حاصل نہیں ہو سکتی وہ اس مبارک رات میں حاصل ہو جاتی ہے۔

نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ستّر فرضوں کے برابر ملنا

شبِ قدر کی خصوصیت تو رمضان المبارک کی ایک مخصوص رات کی خصوصیت ہے۔ لیکن رمضان المبارک کے ہر دن اور ہر رات کی عام برکت وفضیلت یہ بیان فرمائی کہ اس میں جو نفل نیکی کی جائے اسکا ثواب دوسرے زمانے کی فرض نیکی کے برابر ملے گا اور فرض نیکی کرنے والے کو دوسرے زمانے کے ستّر فرض ادا کرنے کا ثواب ملے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے (آمین!)

یہ صبر اور غم خواری کا مہینہ ہے

اس خطبے میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ صبر اور غم خواری کا مہینہ ہے۔ دینی

زبان میں صبر کے اصل معنی ہیں اللہ کی رضا کے لئے اپنی نفس کی خواہشوں کو دبانا اور تلخیوں اور ناگواریوں کو جھیلنا۔ روزہ کا اوّل و آخر ایسا ہی ہے اور نیز روزہ رکھ کر ہر روزہ دار کو تجربہ ہوتا ہے کہ فاقہ کیسی تکلیف کی چیز ہے اس سے اس کے اندر غربا اور مساکین کی ہمدردی اور غمخواری کا جذبہ پیدا ہونا چاہیے۔ جو بیچارے ناداری کی وجہ سے فاقوں پر فاقے کرتے ہیں۔ اس لئے رمضان المبارک کا مہینہ بلاشبہ صبر اور غمخواری کا مہینہ ہے۔

اس مہینے میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے

اس خطبے میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ

"اس بابرکت مہینے میں اہلِ ایمان کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے"

اس کا تجربہ تو بلا استثنا ہر صاحبِ ایمان روزہ دار کو ہوتا ہے کہ رمضان المبارک میں جتنا اچھا اور جتنی فراغت سے کھانے پینے کو ملتا ہے، باقی گیارہ مہینوں میں اتنا نصیب نہیں ہوتا خواہ وہ اس عالم اسباب میں کیسی بھی راستے سے آتے سب اللہ ہی کے حکم سے اور اُسی کے فیصلے سے آتا ہے۔

ماہِ مبارک کے تین حصے

اس خطبے میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ

"رمضان المبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا وقت ہے"

اس راجح اور دل کو لگنے والی تشریح یہ ہے کہ رمضان المبارک کی برکتوں سے استفادہ کرنے والے بندے تین طرح کے ہو سکتے ہیں:۔

(۱) ایک وہ متقی پرہیزگار لوگ جو ہمیشہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام رکھتے ہیں اور جب کبھی ان سے کوئی لغزش اور خطا ہو جاتی ہے تو اسی وقت توبہ واستغفار سے اس کی صفائی اور تلافی کر لیتے ہیں تو ایسے خاصّانِ خدا پر تو شروع ہی مہینے سے بلکہ اس کی پہلی ہی رات سے اللہ کی رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے اور وہ موردِ رحمت بن جاتے ہیں۔

(۲) دوسرے وہ لوگ جو ایسے متقی اور پرہیزگار تو نہیں ہیں لیکن اس لحاظ سے بالکل گئے گزرے بھی نہیں ہیں تو ایسے لوگ جب رمضان کے ابتدائی حصے میں روزوں اور دوسرے اعمالِ خیر اور توبہ و استغفار کے ذریعہ اپنے حال کو بہتر اور اپنے کو رحمت و مغفرت کے لائق بنا لیتے ہیں تو درمیانی حصے میں ان کی بھی مغفرت اور معافی کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے

(۳) تیسرے وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس پر بہت ظلم کر چکے ہیں اور ان کا حال بڑا ابتر رہا ہے اور اپنی بداعمالیوں سے وہ گویا دوزخ کے پورے مستحق ہو چکے ہیں۔ وہ بھی جب رمضان کے پہلے اور درمیانی حصے میں عام مسلمانوں کے ساتھ روزے رکھ کر اور توبہ واستغفار کر کے اپنی سیہ کاریوں کی کچھ صفائی اور تلافی کر لیتے ہیں تو اخیر عشرہ میں جو دریائے رحمت کے جوش کا عشرہ ہے اللہ تعالےٰ دوزخ سے ان کی بھی نجات اور رہائی کا فیصلہ فرما دیتے ہیں۔

اس تشریح کی بنا پر رمضان المبارک کا ابتدائی حصہ "رحمت" درمیانی حصہ "مغفرت" اور آخری حصے میں "جہنم سے آزادی" کا تعلق ترتیب وار، امّتِ مسلمہ کے ان مذکورہ بالا تین طرح کے لوگوں سے ہوگا۔

رمضان المبارک میں کرنے کے چار کام

آخر میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں ان چار کاموں کے کرنے کی بڑی اہمیت کے ساتھ تاکید فرمائی ہے۔ جو ماہِ مبارک کے دستورالعمل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کا اہتمام بہت ضروری اور لازمی ہے وہ چار کام یہ ہیں:-

(۱) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا وِرد رکھنا

یہ بہت ہی مُبارک کلمہ ہے۔ ایک حدیث میں اس کو تمام اذکار سے افضل تبلایا گیا ہے اور دیگر احادیث میں اس کے اور بھی بڑے بڑے فضائل آئے ہیں اس کی فضیلت سمجھنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ نوّے برس کا کافر و مشرک بھی اگر صدقِ دل سے ایک بار یہ کلمہ پڑھ لے تو وہ اسی لمحہ گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہوجاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بچہ گناہوں سے پاک ہوتا ہے یہ خدائے پاک کی بڑی رحمت ہے جو اس نے اپنے بندوں پر بہت ہی عام فرما رکھی ہے اور بلاقید اس کے پڑھنے کی عام اجازت دے رکھی ہے۔ جب کافر و مشرک جملہ گناہوں سے پاک ہوسکتا ہے تو مومن کو کیا کوئی نفع نہ ہوگا ضرور ہوگا اور بے انتہا ہوگا ایک حدیث میں امیتوں کو اس کلمے کے ذریعے بار بار تجدیدِ ایمان کرتے رہنے کی تلقین کی گئی ہے اس لئے چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے کثرت سے اس کا وِرد رکھیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت مانگتے رہنا

حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کونسا بندہ ایسا ہے جس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کلّکم خطّاؤن وخیر الخطّائین التوّابون تم سب خطاوار ہو اور اچھے خطاوار ہیں جو توبہ کرتے رہتے ہیں، اس لئے توبہ و استغفار سے کوئی بندہ بھی مستغنی نہیں اور یہ مبارک مہینہ ہے ہی مغفرت و بخشش کے لئے، اس لئے اس میں بہت خصوصیت سے توبہ و استغفار کا معمول رکھا جائے اور زیادہ سے زیادہ استغفار کیا جائے۔ آسان استغفار یہ ہے:-

اَسْتَغْفِرُ اللہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

ترجمہ: میں اللہ جلّ شانہٗ سے جو میرا پروردگار ہے ہر ہر گناہ سے معافی مانگتا ہوں اور اس کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

اور صرف اَسْتَغْفِرُ اللہَ۔ اَسْتَغْفِرُ اللہَ پڑھنا بھی استغفار میں داخل ہے اور کافی ہے۔

(۳) جنّت کا سوال کرنا۔

(۴) دوزخ سے پناہ مانگنا۔

اِن کے بارے میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا، وہ حرف بحرف درست ہے، واقعی یہ دو ایسے اہم ترین کام ہیں جن کو مانگے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے اور ان میں سے کسی طرح کوئی شخص بے نیاز نہیں۔ جب دنیا کی گرمی اور سردی کی سہار نہیں ہے تو دوزخ کیسے برداشت ہوسکتی ہے؟ اور جنّت میں جائے بغیر کیسے سکون مل سکتا ہے؟ اس لئے موقع بموقع دل کی گہرائی سے جنّت کا سوال کریں اور دوزخ سے پناہ مانگیں ـــ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور دوزخ سے اپنی پناہ میں رکھے!

آمین

رمضان میں دعاء قبول ہونا اور شیاطین کا قید ہو جانا

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رمضان المبارک کی پہلی شب ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اُمتیوں سے خطاب فرمانے کے لئے) کھڑے ہوئے اور اللہ جل شانہ کی حمد وثنا بیان فرما کر آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے لوگو! تمہاری طرف سے تمہارے دشمن جنات کے لئے خدا تعالےٰ کافی ہیں اور اس نے تم سے دُعاء قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے (چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:- اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یعنی مجھ سے دُعاء مانگو میں تمہاری دُعاء قبول کروں گا (سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا) خوب سن لو اللہ جل شانہ نے ہر سرکش شیطان پر سات فرشتے (نگرانی کے لئے مقرر فرما دیئے، لہٰذا (اب وہ) ماہ رمضان گزرنے تک چھوڑنے والے نہیں (اور یہ بھی) سُن لو رمضان شریف کی پہلی رات سے اخیر رات تک آسمان کے دروازے کھلے ہوتے ہیں اور اس مہینے میں دُعاء قبول ہوتی ہے۔

(اب آگے حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کی عملی جد وجہد اور عبادت میں انہماک کا ذکر فرماتے ہیں) جب رمضان المبارک کے (آخری) عشرہ کی پہلی شب ہوتی تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم (ہمہ تن عبادت میں مصروف ہونے کے لئے) تہبند کس لیتے اور ازواجِ مطہرات سے علیحدہ ہو جاتے اعتکاف کرتے اور شب بیداری کا اہتمام فرماتے ـــــ کسی شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شَدُّ المِئزَر (تہبند کس لینے) کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا: اس سے مُراد یہ ہے کہ مبارک دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں سے جُدا رہتے تھے۔

(کنز العمال)

تشریح:- دیگر احادیث میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دو ماہ پیشتر رمضان المبارک کے لئے دُعاء فرمانا اور امتیوں کو سکھلانا ثابت ہے پھر شعبان کی آخری تاریخ کو ایک جامع خطبہ ارشاد فرما کر ماہِ مبارک کے ہر گوشے کو اُجاگر کرنا۔ اس کے بعد رمضان المبارک کی پہلی شب کو پھر اُمت سے خطاب فرمانا۔ رمضان المبارک کی کس قدر عظمت واہمیت پر دلالت کرتا ہے ـــــ کاش ہم نالائقوں کو بھی اس کا کچھ احساس ہو اور ان گراں قدر لمحات کی دل سے قدر کریں۔

اس خطبے میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے:-

۱۔ سرکش شیاطین پر ملائکۃ اللہ کا سنگین پہرہ۔

۲۔ دُعاء قبول ہونا۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو معلوم ہو کہ گناہوں پر اُبھانے اور خدا تعالےٰ کی نافرمانی پر اکسانے والی دو ہی قوتیں ہیں، ایک نفس، دوسرے شیطان ـــــ روزہ رکھوا کر قوتِ نفس کو پامال کر دیا گیا دوسری طرف شیاطین کو قید میں ڈال کر اور ان پر فرشتوں کا سخت پہرہ بٹھا کر شیطانی قوتوں کو ناکارہ بنا دیا۔ یہ سب کچھ صرف اور صرف اس لئے ہوا تا کہ بندگانِ

دا نہایت یکسوئی اور پوری توجہ کے عبادتِ الٰہی ں مشغول ہوں، نفس و شیطان بھی عبادت میں لل نہ ڈالیں ـــــ چنانچہ رمضان المبارک میں ایاں طور پر مشاہدہ ہوتا ہے کہ نیک تو نیکیوں میں بں سبقت لے جاتے ہیں، سینکڑوں بے نمازی غفلت زدہ انسان ابھی نماز روزے میں فکر کرنے لگتے ہیں اور توبہ و استغفار کرنے لگ جاتے ہیں، یہ سب خدائی مارشل لاء کا اثر ہے، جس سے آپ بھی استغفار کر سکتے ہیں۔

بہرحال خدائے پاک جل شانہ کی جانب سے ان کی اطاعت و عبادت کا ایک موقع فراہم کر دیا گیا ہے اور معمولی ہمت و توجہ سے ہر شخص عبادت میں لگ سکتا ہے اور گناہوں سے بچ سکتا ہے ـــــ اب دیکھنا ہے کہ کون اس نادر موقعہ سے فائدہ اٹھا کر اپنے آپ کو ان کی رحمت کا مستحق بناتا اور ان کی اطاعت پر لبیک کہتا ہے اور کون بدبخت حقیقۃً محروم ہی رہنا چاہتا ہے۔

رہی دوسری اہم بات یعنی "دعاء قبول ہونا" یہ حق تعالیٰ کی بہت ہی رحمت، بہت ہی شفقت ہے کہ اپنے نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنا وعدہ یاد دلا رہے ہیں اور مختلف انداز سے یہ بات ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ہو، ہم تمہارے ہیں، ہمارے سوا اور تمہارا کون ہے؟ ہم سے مانگو! ہم دیں گے، ہمارا وعدہ ہے! کریم کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ یقین مانو خدا تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا ـــــ دیگر روایات میں بھی اس کی بڑی تفصیل آئی ہے جن کے لکھنے میں طوالت کا اندیشہ ہے۔

بہرحال اپنے لئے، اپنے اہل وعیال کے لئے والدین، اساتذہ، عزیز واقارب، ملک وملت اور پورے عالمِ اسلام کی صلاح وفلاح کے لئے دعا مانگیں اور دعا مانگنے کا خصوصی اہتمام رکھیں۔

ماہِ مبارک میں روزانہ ساٹھ ہزار افراد کی دوزخ سے نجات

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ ع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب رمضان شریف کی پہلی شب ہوتی ہے تو جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں (اور پورے مہینے یہ دروازے کھلے رہتے ہیں) ان میں سے کوئی بھی دروازہ پورے ماہ بند نہیں رہتا اور دوزخ کے دروازے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں (اور تمام مہینے بند رہتے ہیں) اس دوران ایک دروازہ بھی نہیں کھلتا اور سرکش جنات قید کر دیئے جاتے ہیں اور (رمضان المبارک کی) ہر رات ایک آواز لگانے والا (تمام رات) صبح صادق تک یہ آواز لگاتا رہتا ہے: اے بھلائی اور نیکی کے ڈھونڈنے والے (نیکی کا) ارادہ کر اور خوش ہو جا! اور اے برائی کا ارادہ کرنے والے (برائی سے) رُک جا اور اپنے حالات کا جائزہ لے۔ اور نیز یہ بھی آواز لگاتا ہے: کوئی گناہوں کی معافی چاہنے والا ہے (کہ اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں۔ کوئی توبہ کرنے والا ہے؟ اس کی توبہ قبول کر لی جائے! کوئی دعا مانگنے والا ہے؟ اس کی دعا قبول کی جائے۔ کوئی (ہم سے کسی چیز کے متعلق) سوال کرنے والا ہے؟ کہ اس کا سوال پورا کر دیا جائے۔ اور رمضان المبارک کے مہینے میں روزانہ رات کو (روزہ) افطار کرتے

وقت ساٹھ ہزار آدمی اللہ تعالیٰ جہنم سے بری فرماتے ہیں ــــ پھر جب عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اتنی ہی تعداد میں جہنم سے بری فرماتے ہیں جتنے ساٹھ ہزار یومیہ کے حساب سے مجموعی طور پر پورے مہینے میں آزاد فرمائے ہیں، جن کی مجموعی تعداد تقریباً اٹھارہ لاکھ ہوتی ہے (بیہقی)

تشریح :- رمضان المبارک میں اللہ کے نیک صالح بندے چونکہ طاعات وحسنات میں مشغول ومنہمک ہوجاتے ہیں، وہ دنوں کو روزہ رکھ کر ذکر و تلاوت میں گذارتے ہیں اور راتوں کا بڑا حصہ تراویح وتہجد اور دعاء واستغفار میں بسر کرتے ہیں اور ان کے انوار وبرکات سے متأثر ہو کر عام لوگوں کے قلوب بھی رمضان المبارک میں عبادات اور نیکیوں کی طرف راغب اور بہت سے گناہوں سے کنارہ کش ہوجاتے ہیں، تو اسلام اور ایمان کے حلقے میں سعادت اور تقوے کے اس عام رجحان، اور نیکی اور عبادت کی اس عام فضا کے پیدا ہوجانے کی وجہ سے وہ تمام طبیعتیں جن میں کچھ بھی صلاحیت ہوتی ہے، اللہ کی مرضیات کی جانب مائل اور گناہوں اور نافرمانی سے متنفر ہوجاتی ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس ماہِ مبارک میں تھوڑے عمل کی قیمت اور دنوں کی بہ نسبت بہت زیادہ بڑھا دی ہے اس لئے ان سب باتوں کے نتیجے میں ان لوگوں کے لئے جنتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے ان پر بند ہوجاتے ہیں اور شیاطین ان کو گمراہ کرنے سے عاجز اور بے بس ہوجاتے ہیں، ہر طرف نیکی کی فضا قائم ہوتی ہے اور بندوں پر باری تعالیٰ کے عفو وکرم کی بارش ہوتی ہے اور یومیہ ساٹھ ہزار خطاکاروں کی مغفرت فرمادی جاتی ہے وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

بہرحال ان کی مغفرت وبخشش کا تعلق ان اہل ایمان سے ہے جو رمضان المبارک کی رحمتوں اور برکتوں سے مستفید ہونے کے لئے عبادات و طاعات کو اپنا شغل بنا لیتے ہیں ــــ باقی رہے وہ کفار اور خدا فراموش، غفلت شعار لوگ جو رمضان اور اس کے احکام وبرکات سے کوئی سروکار نہیں رکھتے اور نہ اس کے آنے پر ان کی زندگیوں میں کوئی تبدیلی آتی ہے بلکہ اُلٹا اعتراض کر دیا جاتا ہے کہ روزہ وہ رکھے جس کے گھر کھانے کو نہ ہو۔ یا روزہ عرب کی غربت وافلاس کے پیش نظر رکھا جاتا تھا۔ آج کی ضرورت نہیں۔ تو ظاہر ہے اس قسم کی بشارتوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے رحمت سے اپنے آپ کو خود ہی محروم کر لیا ہے اور بارہ مہینے شیطان کی پیروی پر مطمئن ہیں تو پھر اللہ کے یہاں بھی ان کے لئے محرومی وبدبختی کے سوا اور کچھ نہیں۔

ماہِ مبارک کی ہر شب میں چھ لاکھ انسانوں کی بخشش

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ رمضان المبارک کی ہر شب میں چھ لاکھ آدمیوں کو جہنم سے بری فرماتے ہیں اور جب رمضان المبارک کی آخری شب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ (جہنم سے اتنی تعداد میں) بری فرماتے ہیں جتنے آج رات تک یومیہ چھ لاکھ کے حساب سے پورے مہینے میں آزاد فرمائے ہیں۔ جن کی مجموعی تعداد تقریباً ایک کروڑ اسی لاکھ ہوتی ہے۔ (بیہقی)

ماہِ مبارک میں افطار کیوقت یومیہ دس لاکھ کی مغفرت

ایک طویل حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت ہے کہ انھوں نے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ اللہ جل شانہٗ رمضان شریف میں روزانہ افطار کے وقت ایسے دس لاکھ آدمیوں کو دوزخ سے بَری فرماتے ہیں جو جہنم کے مستحق ہو چکے تھے اور جب رمضان کا آخری دن ہوتا ہے تو یکم رمضان سے آج تک جس قدر لوگ جہنم سے آزاد کئے گئے تھے ان سب کے برابر اس ایک دن میں آزاد فرماتے ہیں، (جن کی مجموعی مقدار تقریباً تین کروڑ بنتی ہے)۔

(الترغیب والترہیب)

تشریح:۔ ماہِ رمضان خداوند قدوس کی رحمت کی گھٹاؤں اور بہاروں کا خاص مہینہ ہے گنہگار اور خطاکار بندوں پر شب و روز عفو و درگزر کی موسلادھار بارش برستی ہے۔ کوئی بندہ ذرا بھی شرم وندامت کے ساتھ ان کی طرف رجوع ہوتا ہے فوراً رحمت سے پاک وصاف کر دیا جاتا ہے بلکہ ایک سرکاری مُنادی ماہِ مبارک کی ہر شب میں پکار پکار کر کہتا ہے اور تمام رات پکارتا رہتا ہے کہ کوئی گناہوں کی معافی چاہنے والا ہو تو اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں۔ کوئی توبہ کرنے والا ہو تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے۔

(کما مرّ فی الحدیث السابق)

جب خود ان کی طرف سے عفو و درگزر کی پیش کش ہو رہی ہو تو بتلایئے پھر شب و روز لاکھوں کی معافی اور دوزخ سے نجات میں کیا شبہ رہ سکتا ہے؟ اور صاحب! ان کی رحمت کوئی محدود تھوڑی ہے کہ کم وبیش معاف کرنے سے کوئی کمی آجائے گی، ان کی شانِ عفو وکرم لامحدود ولامتناہی ہے، اگر اولین وآخرین جمع ہو کر آنِ واحد میں طلبِ عفو ہوں اور وہ بخش دیں تو بھی ان کے دریائے رحمت میں کوئی کمی نہ آئے، اس لئے خوب بڑھ بڑھ کر معافی چاہو اور پوری اُمتِ مسلمہ کی معافی پیش کرو اور فلاحِ دارَین طلب کرو۔

رحمتِ باری تعالٰے کا واقعہ عجیب

اللہ تعالٰے کی رحمت وعنایت کے بارے میں اپنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ایک واقعہ سُنا تھا کہ حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ رحمتِ باری پر چالیس سال تک وعظ کہتے رہے پھر ایک روز خیال آیا کہ کہیں لوگ رحمتِ خداوندی سن سن کر گناہوں پر جری نہ ہو جائیں یہ سوچ کر دوسرے دن خوفِ خداوندی پر وعظ فرمایا کہ جس کا اثر اتنا ہوا۔ اتنا ہوا کہ مجمع میں کئی سامعین جان بحق ہو گئے۔ شیخ پر عتاب ہوا اور فرمایا کہ اے عبدالقادر! کیا ہماری رحمت چالیس سال ہی میں ختم ہو گئی؟ اور حکم ہوا کہ ہماری رحمت ہی بیان کیا کرو!

انباءِ آخرت بننے کا مہینہ

رمضان المبارک کے ثمرات و برکات کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، اس کی رحمتوں اور برکتوں پر مشتمل احادیث اس قدر موجود ہیں کہ اگر ان سب کو یکجا کیا جائے تو ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب

میرے لئے یہی کافی ہے

صعصعہ بن معاویہ مشہور شاعر فرزدق کے چچا تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپؐ نے ان کو سورہ زلزال سنائی یہاں تک کہ آپؐ اس آیت تک پہنچے۔

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرًا
یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ
شرًا یرہ ○

"جس نے ایک ذرہ برابر بھی
نیکی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا"

حضرت صعصعہ نے اس کو سنکر کہا "اس کے بعد میں کچھ اور سنوں تب بھی میرے لئے یہ کافی ہے۔

(رواہ الامام احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ نئے اسلام لانے والوں کو کسی صحابی کے سپرد کر دیتے تاکہ وہ ان کو دین کی باتیں سکھا دیں اسی طرح ایک صحابی کو آپؐ نے حضرت عمرؓ کے سپرد کیا تھا وہ چند دن آئے۔ اور اس کے بعد غائب ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے جب کئی دن تک ان کو مسجد میں دیکھا تو آپؐ نے حضرت علی رضؓ سے ان کے بارے میں دریافت فرمایا۔ جن سے سپرد ان کی تعلیم ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ کئی دن سے وہ میرے پاس نہیں آئے ہیں۔ آپؐ نے لوگوں سے کہا کہ ان کا پتہ کر کے بتائیں آخر ایک روز ان کی ایک شخص سے ملاقات ہو گئی وہ لکڑی کا گھٹا سر پہ رکھ اس کو بیچنے جا رہے تھے۔ انہوں نے ان سے کہا "رسولؐ آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے کہ چل کر ملاقات کر لو۔"

آپ جلد جلد بازار گئے اور لکڑیوں کا گٹھا کسی کے ہاتھ بیچ کر آپؐ کی خدمت حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا "تم کئی روز سے ادھر نہیں آئے۔"

انہوں نے کہا کہ "میں اس لئے نہیں آیا کہ میری تعلیم پوری ہو گئی۔"

آپؐ نے فرمایا۔ "ابھی تو چند دن ہی ہوئے ہیں تمہاری تعلیم کیسے پوری ہو گئی؟"

انہوں نے کہا کہ "میرے سامنے قرآن کی یہ آیت آئی۔

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرًا یرہ
ومن یعمل مثقال ذرۃ شرًا یرہ
(جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو
دیکھ لیگا اور جو ذرہ برابر برائی کریگا
وہ اس کو دیکھ لیگا)

اس آیت کو ماننے کے بعد اب میرا یہ حال ہو گیا ہے کہ جب بھی کوئی کام کرنا ہوتا ہے تو یہ خیال آجاتا ہے کہ قیامت میں اس کا انجام کس صورت میں سامنے آئے گا تو اس کو کرتا ہوں اور اگر اس اعتبار سے کھٹک پیدا ہوتی ہے تو رک جاتا ہوں پھر وہ کام مجھ سے نہیں ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پھر تو تمہارے لئے یہی کافی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆

تزکیۂ نفس کا طریق کار

از - ابوالاعلیٰ مودودی

"اخلاقی کمزوریوں کے تین علاج ہیں۔ ایک مخلص دوستوں کی دعائے خیر دوسرے صحبتِ خیر اور تیسرے خود اپنی سعی خیر دعائیں بھی آپ کے حق میں کرتا ہوں اور ان شاء اللہ آپ کے دوسرے رفقاء بھی کریں گے صحبت ایسے آدمیوں کی اختیار کیجیے جو خدا سے ڈرنے والے ہوں اور ان لوگوں سے دور رہیے جن کے اندر خدا سے بے خوفی کی علامت پائی جاتی ہوں۔ رہی تیسری چیز تو احتسابِ نفس سے زیادہ کارگر کوئی دوسری چیز اس مقصد کے لئے نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک ایسی چیز عطا کی ہے جو اس کے بُرے بھلے کا فرق بھی بتاتی ہے بُرائی سے ٹوکتی اور ملامت بھی کرتی ہے اور بھلائی کی طرف اسے اکساتی بھی ہے ہمارے قدیم لٹریچر میں اس کو نفس لوامہ کہتے تھے۔ موجودہ زمانہ کی اصطلاح میں اس کو ضمیر کہتے ہیں اگر انسان اس کو زندہ رکھے اس کی ملامتوں پر توجہ کرے اور جس جس چیز پر وہ ملامت کرتا جائے اسے چھوڑنے کی اور جس جس چیز کے اختیار کرنے کی وہ ہدایت کرتا جائے اسے اختیار کرنے کی کوشش کرتا رہے تو یوماً فیوماً اس کی ترقی ہوگی لیکن اگر آدمی اس کو دبانے کی کوشش کرے اور جب وہ کسی برائی پر ٹوکے تو تاویلیں کرکے اسے خاموش کرتا رہے اور اس کے تقاضوں کی خلاف ورزی کرتے کرتے اسے بالکل بے جان کر ڈالے تو پھر آدمی کا اخلاقی اور روحانی تنزل بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اسفل السافلین میں پہنچ جاتا ہے یہی بات ہے جو قرآن مجید میں فرمائی گئی ہے کہ قد افلح من زکھا وقد خاب من دسہا پھر ضمیر بھی دو چیزوں کا محتاج ہے ایک یہ کہ اس کو زیادہ سے زیادہ علم کی روشنی بہم پہنچائی جائے تاکہ وہ بھلائی اور برائی دونوں سے خوب واقف ہو اس غرض کے لئے قرآن اور حدیث اور سیرتِ نبوی اور صالحین کی سیرتیں نہایت مفید ہیں۔ دوسرے یہ کہ آدمی اپنے ضمیر کو مقویات کھلاتا رہے اور اس کی مقویات ہیں فرض اور نفل نمازیں۔ فرض اور نفلی روزے۔ زکوٰۃ اور صدقات و خیرات۔ اور بندگانِ خدا کی خدمت اور راہِ خدا میں عملاً دوڑ دھوپ یہ مقویات اس کو کھلاتے جائیے اور ترقی کے آسمانوں پر چڑھتے جائیے"

نوادر الفقہ — مولانا عامر عثمانی

توضیح آیات و رویا

قرآن کی ایک آیت کا مفہوم

سوال:- از۔ محمد حسن خاں۔ (بنارس)

عرض ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۴۶۔

اَلَّذِیْنَ آتَیْنٰھُمُ الْکِتَابَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ۔ کے ترجمے میں دو طرح کے خیالات پائے جاتے ہیں ایک یہ کہ وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں کہ جیسا کہ اپنے بیٹے کو پہچانتے ہیں۔" دوسرے یہ کہ" وہ لوگ کعبے کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں"

قدرتی طور پر ہم جیسے کم علم آدمی کے ذہن میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ قرین قیاس ترجمہ کونسا ہو سکتا ہے؟ قرآن کریم میں متذکرہ آیات کے گرد وپیش مضمون کے سیاق وسباق پر غور کرنے سے تو یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ کعبے کو ہی پہچاننے کی بات کہی گئی ہے۔

لیکن پھر بھی یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننے کا خیال جو ترجمہ میں پیش کیا گیا ہے بغیر کسی دلیل کے نہ ہوگا۔ ورنہ اکثر مترجم اس قسم کا اظہارِ خیال کیوں کرتے ـــــ لہٰذا امید ہے کہ تجلی کی قریبی اشاعت میں مفصل طور پر معتبر دلائل کے ذریعے اس بحث کو منظر عام پر لاکر اپنے خیالات کو بھی پیش کریں گے۔

جواب:-

دونوں ہی ترجموں کی گنجائش آیت میں موجود ہے کہ سیاق وسباق تو بے شک یہی کہہ رہا ہے کہ یعرفونہ کی ضمیر کعبہ کی طرف پھیر دی جائے اور مفہوم یہ لیا جائے کہ جو اہلِ کتاب تحویل کعبہ پر معترض ہیں اور یہ ماننے کو تیار نہیں کہ اب بیت المقدس کے بجائے کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی جائے وہ ہٹ دھرمی ہیں جان بوجھ کر جاہل بن رہے ہیں ورنہ پچھلے آسمانی صحائف میں صاف طور پر یہ اطلاع دیدی گئی ہے کہ اللہ کا آخری پیغمبر پہلے کچھ دنوں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھے گا پھر کعبہ کی طرف۔ اور یہ بھی انہیں معلوم ہے کہ کعبہ ہی ملّتِ ابراہیمی کا قبلہ ہے اور ہمیشہ رہے گا اس کے باوجود ان کا معترض ہونا جلن، ضد اور دھاندلی کی بنا پر ہے۔

لیکن زیادہ مفسرین نے ضمیر کا مرجع حضورؐ کو قرار دیا ہے اور ان کی تفسیر یہ ہے کہ حضورؐ

کو اہل کتاب کے اعتراض سے تشویش تھی۔ آپ تمنا کر رہے تھے کہ کاش اہلِ کتاب کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ مان لیں اور طرح طرح کے شوشے نکال کر لوگوں کو تذبذب میں نہ ڈالیں۔ صحابہؓ کی بھی یہی آرزو تھی کیوں کہ دفعتًا تحویلِ قبلہ نے کفار کو چہ میگوئیوں کا موقع دیدیا تھا۔ اس پر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اے لوگو ان معترضین کی پروا مت کرو۔ یہ تو ہٹ دھرم ہیں انھیں خوب معلوم ہے کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ ان آسمانی کتابوں میں اس رسول کے بہتر سے اوصاف صراحت کیساتھ درج ہیں اور اس کا رسول ہونا یہ اسی طرح جانتے ہیں جس طرح ایک باپ اپنے بیٹے کو ہزاروں میں پہچان لیتا ہے لہٰذا ایک تحویلِ قبلہ ہی ایسی بات نہیں جس کے خلاف یہ زبانِ اعتراض دراز کر رہے ہوں بلکہ یہ سرے سے رسالتِ محمدی کے منکر ہیں۔

صاف ظاہر ہے کہ سرے سے رسالت کا منکر ہونا اس سے زیادہ سخت ہے کہ محض قبلہ کے انکار کی راہ اختیار کی جائے۔

البتہ اشکال یہ پیدا ہوتا کہ آگے پیچھے حضورؐ کے لئے صیغۂ خطاب استعمال ہو رہا ہے لہٰذا یعرفونہ میں اگر حضورؐ کو پہچاننے کی بات کہی گئی ہوتی تو خطاب ہی کی شکل میں کہی جاتی یعنی یوں کہا جاتا کہ یعرفونک (تجھے یہ لوگ اسی طرح پہچانتے ہیں کہ جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) خطاب کے بجائے ضمیرِ غائب لانا بتا رہا ہے کہ اشارہ کعبہ کی طرف ہے نہ کہ حضورؐ کی طرف۔

نحوی اعتبار سے یہ اشکال بے جان نہیں لیکن قرآن میں ایسے اندازِ بیان کی بہت مثالیں ملتی ہیں کہ ایک ہی مشارٌ الیہ کے لئے بالکل قریب قریب غائب اور حاضر دونوں کی ضمیریں استعمال کی جائیں۔ جیسے عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَاءَہُ الْاَعْمٰی وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰی (اس نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس بات سے کہ آیا اس کے پاس اندھا اور تجھکو کیا خبر ہے شاید کہ وہ سنور جاتا) معلوم ہے کہ پہلے فقرے کے تینوں غائب کے صیغوں کا فاعل وہی رسولؐ ہے جسے اگلے ہی فقرے میں مخاطب فرمایا جا رہا ہے عبد اللہ ابن مکتوم کی آمد پر حضورؐ ہی نے ناخوشگواری اور بے توجہی اختیار فرمائی تھی مگر اللہ نے اسے صیغۂ غائب میں بیان فرمایا پھر فورًا ہی صیغۂ خطاب کیساتھ ارشاد کیا کہ اے رسول تمہیں کیا خبر شاید یہ وہ نابینا ان لوگوں سے زیادہ اثر پذیر اور باسعادت ثابت ہوتا جن کو متاثر کرنے کے سلسلے میں تمہیں اس کی آمد بے وقت معلوم ہوئی تھی۔

تغیرِ اسلوب کی ایسی مثالیں قرآن میں اور بھی بہت ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن میں نحوی و صرفی لطائف و اسرار کا کوئی شمار ہی نہیں۔ صرف خطاب کے تینوں سے اوپر اسلوب ہیں۔ لہٰذا جن حضرات نے یعرفونہ کی ضمیر حضورؐ کی طرف پھیری (اور یہی لوگ اکثریت میں ہیں) انہوں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو قواعدِ علمیہ کے خلاف ہو۔

یہاں مزید بحث کی ضرورت نہیں جس کو جو مفہوم زیادہ دل لگتا معلوم ہو وہی اختیار کرے مقصدِ قرآن بہرحال ان لوگوں کی ہٹ دھرمی بیان کرتا ہے جو تحویلِ قبلہ کے وقت اعتراضات کا طوفان اٹھا رہے تھے

سورۂ فاتحہ اور قرآن عظیم

سوال:۔ از۔ عبدالمقیت۔ رامپور

تحریر فرمائیں کہ ہمارے مؤقر اور معتبر علماء میں سے کسی نے یہ دعویٰ کرنے جسارت کی ہے کہ

"سورۂ فاتحہ کلام اللہ تو ضرور ہے مگر قرآن مجید کا جزو نہیں ہے" اگر یہ دعویٰ کیا گیا ہے تو اس کے اثبات کے دلائل کیا دیئے ہیں (بعض اقوال) (۱) اللہ کی سکھائی ہوئی دعاء ہے بندے کی جانب سے اور قرآن جواب دعا ہے خدا کی جانب سے۔ اس قول میں یہ قرینہ موجود ہے کہ دعا اور اس کا جواب الگ الگ دو چیزیں ہیں (۲) فاتحہ دیباچہ اور آغاز کے ہم معنی ہے (ظاہر ہے کہ دیباچہ یا حرفِ آغاز ایک علیحدہ عنوان ہوتا ہے (۳) ولقد اٰتینٰک سبعًا من المثانی والقرآن العظیم کیا دو چیزیں ہوگئیں؟

(۴) کیا اصل قرآن الٓمّ کے پارے سے شروع ہوتا ہے؟ (۵) ام القرآن کی ترکیب بھی معنی خیز ہے۔

جواب:-

جہاں تک ہمیں علم ہے خلف وسلف میں کسی مستند عالم اور مفسر نے یہ قول نہیں کیا کہ سورۂ فاتحہ قرآن کا جزو نہیں ہے۔ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ قرآن ہی کا جزو ہے اور موجودہ ترتیبِ قرآن میں قرآن کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔ نہ کہ الٓمّ سے رہا آپ کا یہ خیال کہ بعض مفسرین کے بعض اقوال سے اس کے خلاف مطلب نکلتا ہے تو یہ محض ایک وہم ہے کسی بھی مسئلہ میں اگر ایک صریح قول موجود ہے تو کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ دوسرے غیر صریح اقوال سے ایسا مطلب اخذ کرے جو اس صریح قول کے خلاف ہو۔ اس اصول کے پیشِ نظر ہم اور آپ کسی بھی مفسر کے کسی قول سے یہ معنی اخذ نہیں کر سکتے کہ سورۂ فاتحہ قرآن سے خارج ہے۔

پہلا قول جو آپ نے نقل کیا ہے کسی کا بھی ہو اس میں یہ قرینہ بالکل نہیں پایا جاتا کہ سورۂ فاتحہ قرآن سے الگ کوئی چیز ہے۔ جہاں تک الگ الگ دو چیزوں کا تعلق ہے قرآن کے ہر پارے ہر سورت میں الگ الگ چیزیں موجود ہیں۔ کہیں فرعون کا قول ہے کہیں حضرت موسیٰؑ کا۔ کہیں دوزخ کا ذکر ہے کہیں جہنم کا، کہیں شیطان کا ذکر ہو رہا ہے کہیں بعثت محمدی ﷺ کا وغیرہ ذالک۔

مگر الگ الگ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ایک چیز قرآن سے خارج ہے اور دوسری قرآن میں داخل یہ سارے جداگانہ مضامین قرآن ہی کا جزو ہیں قرآن میں اور بھی مقامات پہ اللہ نے اپنے بندوں کی دعائیں نازل فرمائی ہیں ان دعاؤں کو ہم سب دہراتے رہتے ہیں اور ان میں خدا نے ہمارے لئے متکلم ہی کے صیغے رکھے ہیں جس طرح سورۂ فاتحہ میں رکھے ہیں مگر ان صیغوں کی بنا پر انھیں کلام الٰہی سے خارج تو نہیں کہا جا سکتا۔

قول نمبر ۲ سے بھی آپ نے خوامخواہ ایک غلط نتیجہ نکالا ہرگز نہیں کہ دیباچہ یا حرفِ آغاز اصل کلام سے علیحدہ چیز ہے، تحریروں اور تقریروں میں اصل مضمون اور مدعا سے پہلے عموماً تمہید اٹھائی جاتی ہے یہ تمہید اصل تحریر یا تقریر سے خارج نہیں ہوتی۔ آپ دراصل یہ غلط مبحث کر رہے ہیں کہ جو شئے کوئی الگ عنوان رکھتی ہو وہ گویا خارج از اصل ہے حالانکہ عنوان کا الگ ہونا خارج ہونے کے ہم معنی نہیں۔ ایک ہی کتاب میں کیا متعدد عنوانات نہیں ہوتے؟ —— ان گوناگوں عنوانات کا مجموعہ ہی کتاب قرار دیا جاتا ہے۔

نمبر ۳ میں قرآن کی آیت نقل کر کے آپ نے جو سوال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قطعاً دو

چیزیں نہیں ہوئیں بلکہ سبعًا من المثانی کو اس کی اہمیت کے پیش نظر الگ بیان کیا گیا ہے ورنہ وہ قرآنِ عظیم سے جدا کوئی شے نہیں ہے۔

سبعًا من المثانی (ایسی سات آیتیں جو بار بار دہرائی جائیں) سے مُراد اگرچہ زیادہ مفسرین کے نزدیک سورۂ فاتحہ ہی ہے لیکن کچھ اہل علم نے اس سے قرآن کی سات بڑی بڑی سورتیں بھی مراد لی ہیں۔ جیسے سورۂ بقر سورۂ نساء وغیرہ۔ تو ظاہر ہے کہ اگر سبع مثانی قرآن سے الگ تصور کی جا سکتیں، تو کوئی بھی اہل علم ان سے وہ بڑی بڑی سورتیں مراد نہ لیتا جو قرآن کے ایک بڑے جزو کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اصح ترین بات یہی مانی گئی ہے کہ سبع مثانی سورۂ فاتحہ کو کہا گیا ہے جو ہر نماز میں دہرائی جاتی ہے اور اسے قرآن عظیم سے الگ بیان کرنا اس کی عظمت و اہمیت کی بنا پر ہے نہ کہ اس بنا پر کہ وہ خارج از قرآن ہے۔

"ام القرآن" سے مراد یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ سارے قرآن کا مغز اور خلاصہ ہے۔ آپ اُردو بول چال کے اعتبار سے "ام" کا مطلب ماں لے لیں اور پھر یہ سوچیں کہ ماں اور اولاد تو الگ الگ وجود ہیں ــــ تو یہ ایک غیر علمی طریقہ ہوگا۔ عربی میں "ام" کا لفظ وسیع المعنیٰ ہے امام شافعیؒ نے اپنی کتاب کا نام "کتاب الام" رکھا تو ان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ دین و شریعت کے جو مسائل اس کتاب میں بیان ہوتے ہیں ان سب کی والدہ میری یہ کتاب ہے جو ان مسائل سے الگ ایک وجود رکھتی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ بلاشبہ قرآن ہی کا حصہ ہے اور بعض اقوال سے جو مطالب آپ نکال رہے ہیں وہ درست نہیں ہیں۔ کسی کے قول کو زبردستی ایک غلط معنیٰ پہنانا ایک نامناسب حرکت ہے۔

مولانا احمد رضا صاحب کا ایک ترجمہ

سوال:- از۔ اکبر علی۔ بلیا۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی سورۂ فاتحہ کی ایک آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ (ہم کو سیدھے راستہ پر چلا۔ ان کا راستہ جن پر تو نے احسان کیا) اب میں کہنا چاہتا ہوں کہ ..... اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا ترجمہ یوں ہونا چاہیئے کہ جن پر تو نے انعام عطا کیا ــــ اگر احسان تسلیم کر لیا جائے تو ہمارے خیال سے معنیٰ غلط ہو جائیں گے کیوں کہ احسان تو خدا کا پوری کائنات پر ہے جس میں۔ انسانوں ہی کی دنیا میں بہت قومیں ہیں۔ اس صورت میں اگر ہم خدا سے دعا مانگیں تو اس کا مطلب ہوگا کہ تمام قوموں کا راستہ مانگ رہے ہیں۔ مثلاً تو ہندو، یہودی، عیسائی وغیرہ ہم کا راستہ کیا کفار پر خدا کا احسان نہیں ہے کہ دنیا میں خدا کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں اور اسی کی بغاوت بھی کرتے ہیں مگر پھر بھی خدا کا احسان ہی کرنا ہے کہ ان کو روئے زمین پر قائم رکھتا ہے، یہ احسان ہی ہے۔ بہرحال صحیح ترجمہ سے باخبر ہیں۔

جواب:-

ہم نے آپ کے سوال کی عبارت کو بڑی حد تک درست کر دیا ہے ورنہ وہ لسانی اعتبار سے ایسی ہی تھی جیسے کسی غیر اہلِ زبان کی تحریر۔

بحث اٹھانے سے پہلے آپ کوئی عربی اردو لغت دیکھ لیتے تو بہتر ہوتا۔ مصباح اللغات

آج کی معروف لغت ہے جو بآسانی دستیاب ہوجاتی ہے اس میں بالنعمۃ کے معنی احسان ہی کے لکھے ہیں۔

اور قاموس القرآن تو عین لغات قرآنی پر مشتمل ہے اس میں دیکھئے آپ اَنعَمتَ کے معنی یہ ملیں گے تو نے احسان کیا۔ تو نے فضل کیا۔

جب صورت حال یہ ہے تو ہمیں یا آپ کو کسی ایسے مفسر پر اعتراض کا کیا حق رہ جاتا ہے جس نے نعمت کا ترجمہ "احسان" کردیا ہو۔ آپ "انعام کا" لفظ رکھ کر بحث کئے جاتے ہیں حالانکہ یہ تو عین وہی لفظ ہے جو قرآن نے استعمال کیا ہے پھر اسے اردو ترجمہ کیسے کہیں گے۔

انعام اور احسان و فضل یہ سب الفاظ اردو میں مرادفات کی حیثیت سے بولے جاتے ہیں لہٰذا عام فہم مطلب پیش نظر رہنا چاہیئے نہ کہ منطق و فلسفہ کے دقائق۔

اور منطقی اعتبار سے بھی آپ کے اعتراض میں جان نہیں ہے جیز کو آپ انعام کہہ رہے ہیں وہی تو عین احسان ہے حضرت عیسیٰؑ یا موسیٰؑ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت کے جو مناصب اعلیٰ عطا کئے گئے وہ جہاں انعام ہیں وہیں احسان بھی ہیں۔ بلکہ انعام اُردو بول چال میں جس مفہوم میں بولا جاتا ہے وہ یہاں صادق ہی نہیں آتا۔ انعام ہم اس عطا کو کہتے ہیں۔ جو کسی شخص کو اس کے کسی کارنامے یا خدمت کے صلہ میں پیش کی گئی ہو۔ نبوت کی یہ حیثیت نہیں۔ جو بھی فرد نبی بنایا گیا وہ اپنے کسی کارنامے کے صلہ میں نہیں بنایا گیا لہٰذا اردو بول چال کے اعتبار سے یہ احسان ہے انعام نہیں۔

دراصل اَنعَمتَ عَلَیہِم سے مراد خاص قسم کا فضل ہے اسی کو چاہے بغیر کئے انعام کہہ لیجئے یا ترجمہ کے طور پر احسان اور فضل کہہ لیجئے۔ مفہوم و مراد میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب بے شک ایک مکتب فکر کے شیخ ہیں جس سے آپ کو بعض معتقدات میں سخت اختلاف ہوگا لیکن اس کا یہ مطلب نہ ہونا چاہیئے کہ ان کی ہر سیدھی بات میں بھی ٹیڑھ نکالا جائے۔ قرآن کے ترجمے میں ہمیشہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ مترجم نے مفہوم قرآنی کو بدلا تو نہیں۔ الفاظ تو ہر مترجم اپنے الگ ہی لکھے گا اصل چیز ہے مفہوم و مصداق یہاں صاف ظاہر ہے کہ لفظ احسان نے مفہوم پر کوئی غلط اثر نہیں ڈالا۔

قَابَ قَوسَین

سوال:۔ از ڈاکٹر ضیاء الدین۔ بہرائچ۔

اگست ۵۷ء کا تجلی میرے ہاتھوں میں صفحہ ۳۱ کالم ۲ کی آخری لائنوں پر آپ نے معراج نبویؐ کو جسمانی ثابت کرنے میں قاب قوسین والی آیت کا حوالہ دیا ہے۔

تفہیم القرآن اور دیگر قرآن مترجم دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاب قوسین والی آیتوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے جبریلؑ کو اس کا فاصل مانا گیا ہے آپ نے بھی جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے مؤخر الذکر کو پچھلے قریب کے شماروں میں اپنایا ہے۔ پھر یہ تضاد کیسا؟

اُمید ہے کہ آئندہ اشاعت میں اس پر روشنی ڈالیں گے۔

جواب:۔ سورۃ النجم کی آیت قَابَ قَوسَین اَو اَدنیٰ کا جو ذکر اگست ۵۷ء والے متذکرہ

جواب میں کہا گیا تھا وہ ضمناً اور اشارۃً تھا شاید اسی لئے آپ کو غلط فہمی ہوئی۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ حضور صلی اللہ علیہ کے اتنے قریب آگئے کہ دونوں کے درمیان ایک کمان کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ جن حضرات کو یہ خوش فہمی ہوئی ہے کہ یہ فاصلہ اللہ کے اور حضورؐ کے مابین ہوا ہے انکے نقطۂ نظر سے ماقبل کی آیت دَنیٰ فَتَدَلّٰی کا فاعل اللہ ہونا چاہیئے یعنی اللہ اور زیادہ قریب ہوا اور لٹک آیا۔ مگر یہ نقطۂ نظر یقینی طور پر غلط ہے اور ان دونوں افعال (دنیٰ اور تدلّٰی) کا فاعل جبرئیلؑ ہیں۔ یعنی حضورؐ نے ابتدا جبرئیل علیہ السلام کو افقِ اعلیٰ پر دیکھا پھر جبرئیلؑ آپؐ کے قریب آگئے یہاں تک کہ ان کے اور آپؐ کے درمیان کم و بیش ایک کمان کا فاصلہ رہ گیا۔

اس تفصیل سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ بحث نبی کریم فاعل ہونے کی نہیں بلکہ اللہ یا جبرئیلؑ کے فاعل ہونے کی ہے یہ تو متفق علیہ ہے کہ جن دو ہستیوں کے درمیانی فاصلے کا ذکر قرآن کر رہا ہے ان میں سے ایک حضورؐ ہیں۔ دوسری ہستی جبرئیلؑ کی ہے یا باری تعالیٰ کی یہ ہے نکتۂ اختلاف۔ لیکن فی الاصل یہ کوئی علمی اختلاف نہیں۔ علمی حیثیت سے قطعی طور پر دنیٰ فتدلّٰی کا فاعل جبرئیلؑ ہیں نہ کہ باری تعالیٰ۔ محض جذباتی خوش عقیدگی اور عجوبہ پسندی نے یہ شوشہ نکال دیا ہے کہ اللہ اس قدر قریب آ گئے۔ حالانکہ اگر رویتِ باری اور قربِ الٰہی کا ذکر قرآن کا مقصود ہوتا تو یہ الفاظ نہ کہے جاتے کہ "پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا" یہ الفاظ صریح طور پر ایسی جسمانی حرکت و جنبش اور نقلِ مکانی کا پتہ دیتے ہیں جو مخلوق کے ساتھ مخصوص ہے۔ باری تعالیٰ جسم سے منزّہ ہے وہ تو سراپا اور تجلی ہے لہذا اس کے قرب و بُعد کو اسطرح کے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اگست ۶۷ء میں ہم نے معراجِ روحانی کے عقیدے پر تعریض کرتے ہوئے قاب قوسین کی آیت کا اشارۃً ذکر کیا تھا۔ نہ جانے آپ نے یہ نتیجہ کیوں اخذ کر لیا کہ اس ذکر کے وقت ہم آیت کا وہ مفہوم نہیں لے رہے تھے جو پچھلے قریب کے شمارے میں دیا ہے۔ حالانکہ اس وقت بھی مفہوم یہی تھا کہ حضرت جبرئیلؑ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تقریباً کمان بھر فاصلہ رہ گیا یہ نہیں تھا کہ باری تعالیٰ اور نبی کریمؐ کے درمیان اتنا فاصلہ رہ گیا۔ اس کے باوجود معراج روحانی کے عقیدے کی تردید میں لے لانا کوئی پیچیدہ بات نہیں بشرطیکہ آپ قرآن کھول کر پوری سورۃ النجم کا مطالعہ فرمائیں۔

اس سورۃ میں بتایا گیا ہے کہ جو فرشتہ اللہ کی طرف سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغامِ وحی لا کر دیتا تھا اسے اس کی اصلی شکل میں رسول اللہؐ نے بچشمِ سر دیکھا ہے ایک مرتبہ اس طرح کہ پہلے یہ فرشتہ آپؐ کو آسمان کے اونچے کنارے پر نظر آیا پھر وہ قریب تر آتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ بالکل ہی قریب آ گیا اور دوسری مرتبہ اس طرح کہ یہ فرشتہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اترا تھا اور آپ کی آنکھ اسے پوری درستگی اطمینان یقین اور خیرگی کے بغیر دیکھ رہی تھی۔

(وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ

آیت ۱۳ تا ۱۷)

اہلِ علم و تحقیق متفق ہیں کہ دوسری مرتبہ کے دیدار کا تعلق شبِ معراج سے ہے۔ یہ دیدار اگر

جاگتے میں نہ ہو خواب میں ہو یا اس کا تعلق جسمانی نوع کے مشاہدے سے نہ ہو بلکہ معنوی اور روحانی قبیل سے ہو تو اوّل یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (نہ ہو آپ کی نگاہ بہکی نہ بھٹکی) یہ جملہ صاف بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ خلوق کو مکمل اطمینان دلا رہے ہیں کہ رسول ؐ نے وحی لانے والے فرشتے کو اسکی حقیقی شکل میں سر کی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

دوسرے اس آیت میں رویت کا جو مفہوم لیا جائے گا وہی مفہوم لازماً قاب قوسین والی آیت کا بھی لینا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی سلسلۂ کلام میں ایک ہی مضمون کے طور پر دو روایتوں کو بیان کیا ہے دونوں روایتیں نوعیت اور حقیقت کے اعتبار سے یکساں ہونی چاہئیں۔

اب کھلی بات ہے کہ قاب قوسین میں جس رویت کا ذکر ہے وہ چشمِ سر کی رویت ہے حالتِ بیداری کی رویت ہے۔ ٹھیک ایسا ہی مشاہدہ ہے جیسا کہ ہم سب عالمِ ظاہر میں محسوس و مشہور چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ لہٰذا دوسرا شبِ معراج کا مشاہدہ بھی لازماً اسی نوع کا ماننا ہوگا۔ پھر معراج کو روحانی اور غیر جسمانی کہنے کی گنجائش کہاں۔

آپ کے سوال کا جواب تو ہو گیا۔ لگے ہاتھوں ایک شبہ کا ازالہ کرتے چلیں جسے معراجِ روحانی کے معتقدین بطور دلیل استعمال کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی (جھوٹ نہیں کہا رسول ص کے دل نے جو دیکھا) اس سے بادی النظر میں یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ جس دیکھنے کا ذکر ہو رہا ہے وہ ایسا عام دیکھنا نہیں جس کا تعلق صرف آنکھوں سے ہی ہے بلکہ کوئی مخصوص قسم کا دیکھنا ہے جس میں دل کی بھی... شمولیت رہی ہوگی۔ اس طرح وہ دعویٰ کمزور پڑ جاتا ہے کہ حضور ؐ نے جبرئیل ؑ کو ٹھیک اسی طرح سر کی آنکھوں سے دیکھا جس طرح دنیا میں ہر شخص ایک دوسرے کو اور مختلف مشہود چیزوں کو دیکھتا ہے۔

جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ ہم انسانوں کے مشاہدے اور رویت میں ہمیشہ دو قسمیں موجود رہی ہیں۔ ایک یہ کہ ہم جس چیز کو دیکھتے رہے ہیں اس کے بارے میں ہمارا قلب مطمئن ہوتا ہے کہ ہمارے مشاہدے میں کوئی نقص اور دھوکا نہیں دوسرے یہ کہ دیکھنے کے باوجود ہمارا قلب مطمئن نہیں ہوتا بلکہ اس میں یہ احساس موجود ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی نقص اور دھوکا واقع ہوا ہے۔

پہلی قسم کی مثالیں محتاج ذکر نہیں۔ ہمارا بیٹا یا کوئی عزیز یا دوست ہمارے سامنے آیا اور ہم نے اس پر نظر ڈالی تو ہمارا قلب یکسر مطمئن رہا کہ مشاہدے میں کوئی خامی اور فریب نہیں۔

دوسری قسم کی مثال ان مشاہدوں میں کو رکھئے جن سے ہمیں کسی بازیگر کسی شعبدہ باز کسی ساحر کے کھیل تماشوں کے دوران سابقہ پیش آتا ہے بازیگر نے اسٹیج کی میز پر مرغی کا انڈا رکھا پھر اس پر اپنے سر کا ہیٹ ڈھک دیا۔ اب وہ چند لمحے چرب زبانی کرنے کے بعد ہیٹ اٹھاتا ہے تو بجائے انڈے کے وہاں کبوتر غٹر غوں کرتا نظر آتا ہے یہ سب آپ دیکھ رہے ہیں۔ جاگتے ہیں پورے ہوش و حواس کے ساتھ دیکھ رہے ہیں لیکن آپ کا دل یقیناً اسے جھٹلا رہا ہے اس میں یہ یقین موجود ہے کہ جو کچھ نظر آیا وہ حقیقت نہیں

فریب ہے۔ نظر بندی ہے شعبدہ بازی ہے۔

خواب میں آپ نے دیکھا کہ زید اپنے بازوں کو پروں کی طرح پھڑپھڑاتے ہوئے فضا میں بلند ہو کر غائب ہو گیا ہے یا ایک جاگنے کے بعد یہ جواب میں داخل ہو کر غائب ہو گیا ہے اب جاگنے کے بعد یہ خواب آپ کی لوحِ حافظہ پر کتنی ہی پختگی کے ساتھ ساتھ موجود ہو مگر آپ کا قلب اس کی تصدیق نہیں کریگا بلکہ صاف جھٹلا دے گا۔

تو معلوم ہوا کہ دیکھنا خواہ جاگتے میں ہو یا سوتے میں بارہا ایسا ہوتا ہے کہ دل اس کی تکذیب کرتا ہے۔ اب آیت مذکورہ کو اس کے سیاق و سباق میں دیکھئے۔ اللہ تعالےٰ بندوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ سلسلہ وحی کوئی موہوم چیز نہیں جس کی تاویل و توجیہہ میں اقرار و انکار دونوں طرح کی گنجائش ہو۔ وہ تو ایک واضح اور مشہور خارجی حقیقت ہے جو فرشتہ وحی لانے پر مامور ہے اسی بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح سر کی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں جس طرح دنیا کی دوسری چیزیں اور اجسام دیکھے جاتے ہیں اور دیکھتے وقت اس کے دل کی وہ کیفیت نہیں تھی جو جادو یا مسمریزم یا نظر بندی یا شعبدہ بازی کے کارنامے دیکھتے وقت انسان کی ہوتی ہے بلکہ اس کا دل پوری طرح مطمئن تھا کہ جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے حقیقت ہے ریب سے بالاتر۔ دو اور دو چار کی طرح قابلِ وثوق۔ دھوکے اور مغالطے کی آمیزش سے پاک۔

قرآن کے اس صاف و سادہ مدعا کو نظر انداز کر کے یہ گمان کرنا کہ یہاں رویت کی کوئی خاص پیچیدہ اور روحانی قسم کا ذکر ہے محض مغالطہ ہے اور کچھ بھی نہیں۔

خدا کے حضور میں سائنس کا خراج عقیدت

جناب مسعود جاوید عثمانی

"سائنس اور مذہب" کا تضاد بیشتر انسانی ذہنوں میں تقریباً ایک مسلم حقیقت بن چکا ہے۔ یہ سائنس اور مذہب کی بھی بدقسمتی ہے اور غالباً انسان کی بھی ــــ سائنس علم محض کا نام ہے۔ خصوصاً وہ علم جو شاہدات وتجربات کے ذریعہ مظاہرِ فطرت کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتا ہے اور قوانینِ فطرت کے اسرار کی معرفت وآگاہی حاصل کرکے ان کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی شکلیں معلوم کرتا ہے مذہب نے نہ تو ذہنِ انسانی کی ایسی کوششوں پر روک لگائی ہے، اور نہ ایسی تحقیق وتلاش میں یہ خطرہ ہی مضمر ہوسکتا ہے کہ انسان لازمی طور پر اپنے خالق کے وجود سے منکر ہوجائے گا یہ بات الگ ہے کہ بیشتر سائنسداں اپنے شغف میں بے راہ روی کا شکار ہوگئے۔ جس کا سبب غالباً یا تو یہ تھا کہ سائنسی طلسمات کی اس منزل میں پہلا قدم رکھنے سے پیشتر ہی ان کے دل میں وجود باری کا کوئی روشن احساس نہ تھا یا یہ کہ "کثرتِ انوار" نے ان کی بصیرت وبصارت کو ایسا "حیران" کردیا کہ وہ مخلوق کو ہی خالق سمجھ بیٹھے اور سائنسی تحقیق میں اس آخری قدم کے اٹھانے سے پہلے ہی رُک گئے۔ جس کے تمام نتائج کا ایک آخری نتیجہ شروع ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ انسانی ذہن کی یہ کوتاہی نہ تو سائنس کا قصور تھا اور نہ سائنس کا کوئی لازمی مطالبہ ــــ انتہائی شدید قسم کا مادہ پرست بھی اس دلیل سے انکار نہیں کرسکتا کہ اگر خدا کا وجود ہے تو اس کے ثبوت وآثار موجوداتِ فطرت میں ضرور پائے جانے چاہئیں۔ مذہب نے اسی لئے وجدان واحساس کے علاوہ معقولات سے بھی رجوع کیا ہے یہ دوسری بات ہے کہ کبھی کبھی "دل" کو "پاسبانِ عقل" سے دور بھی رکھنا ضروری ہوجائے ــــ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر عقل وفہم سے خدا کا وجود سمجھ میں آسکتا ہے تو اس کے لئے مظاہرِ فطرت کا غائر مطالعہ ہی بہترین ذریعہ ہے اور اس لئے اگر ایمان وتحقیق کی روشنی لے کر سائنس کی منزل تلاش وتحقیق میں قدم رکھا جائے تو قدم قدم پر معبود کی عظمت کے سامنے سر اعتراف وتسلیم جھکانا پڑے گا، یہی وجہ ہے کہ بہت سی سائنسی دانشور غور وتحقیق کی منزل طے کرتے ہوئے،

آخر کار اس جائز نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ فطرت کے اس طلسمی کارخانے کے پسِ پشت کوئی ایسا "ذہن" کارفرما ہے جو لانہایت ہے ـــ ازلی اور ابدی ہے! ـــ خصوصاً فلکیات کی جدید سائنس جب بڑا اسرار بے پایاں خلاؤں میں پرواز کرتی ہے ہزاروں آفتابوں، ہزاروں ماہتابوں اور کروڑوں ستاروں کے عجائبات پر ششدر و حیران ہوتی ہوئی اور ہر آفتاب، ہر ماہتاب اور ہر ایک ستارے میں بذاتِ خود ناقابلِ یقین قوتوں کے اسرار محسوس کرتی ہوئی آخر کار تھک جاتی ہے۔ اور بے اختیار سوچتی ہے کہ پنہائیوں کی کوئی حد بھی ہے کہ نہیں ـــ تو خود ہی ایک عظیم لفظ اس کے ذہن پر کوند جاتا ہے ـــ "خدا"!

اور شاید ایسے ہی عالم میں دور سے کسی اہل دل کی یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ ؎

برگِ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

فطرت کا ہر ذرہ معرفتِ کردگار کا ایک دفتر ہے اور خاک سے اُگنے والی گھاس کی ہر ہر پتی اعلانِ توحید کی نقیب! ـــ یہ کوئی مذہبی جذبات اور شاعرانہ تخیلات کا ادعا نہیں۔ کچھ عرصہ پیشتر شاید لوگ ایسا ہی سمجھتے ہوں۔ لیکن یہ اب ایک ٹھوس سائنسی حقیقت ہے ـــ یقین نہ ہو تو سطورِ ذیل کا مطالعہ فرمائیے۔ جن میں اے کریسی مارسین نے خدا کے وجود پر سائنس کے سات دلائل پیش کئے ہیں ـــ

"شبابِ آغاز" ہی ہے پھر بھی سائنس تحقیقات کی ایک خصوصیت جو شروع سے اب تک جاری وساری ہے وہ یہ ہے کہ بڑھنے والی روشنی کی ہر کرن کے ساتھ کائنات میں ایک "ذہنِ خلاق" کی موجودگی اور کارفرمائی کے شواہد بے نقاب ہوجاتے ہیں ڈارون کے عہد سے لے کر اب تک ہم عظیم ترین اور انقلاب آفریں حقائق کی دریافت کرچکے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر قدم پر ہمارے اندر اپنی بے مائیگی و عاجزی کا احساس اور مذہبیت کا شعور پیدا ہوجاتا ہے جو ہمیں وجودِ باری کے وقوف و شعور سے قریب تر لاتا جاتا ہے۔

خدا کے وجود پر ایمان کے لئے میرے پاس سائنس کے مندرجہ ذیل سات دلائل ہیں:-

دلیلِ اول ـــ ٹھوس اور اٹل قانون

ریاضی سے ہم یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ ہماری کائنات کی تشکیل وتخلیق ایک عظیم ولانہایت "ذہن و صناع" نے کی ہے۔

فرض کیجئے کہ آپ دس پیسے لیکر اور ان پر ایک سے دس تک ہندسے لکھ کر اپنی جیب میں ڈال لیتے ہیں اور جیب کو خوب ہلاکر پیسوں کو خلط ملط کردیتے ہیں۔ ایسا کرنے کے بعد آپ یہ کوشش کیجئے کہ اپنی آنکھوں کی مدد کے بغیر ان پیسوں کو جیب میں سے ایک ایک کرکے نکالیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ پیسے ایک سے دس تک سلسلے وار ترتیب وار باہر نکلیں اور ہر پیسے کو نکالنے کے بعد پھر جیب میں ڈال کر اچھی طرح ہلادیں۔ ہم جانتے ہیں کہ پہلی مرتبہ پیسہ نمبر ۱ ہی نکالنے کا امکان علمِ حساب کی رو سے ایک اور دس

ترقی کے تمام کمالات کے باوجود یہ دور جو ہمارے سامنے ہے سائنس کا "آغازِ شباب" یا

کی نسبت (۱:۱۰) کا ہوگا ـــ پیسہ نمبر ایک اور نمبر ۲ کو ترتیب وار نکالنے کا امکان ایک اور سو کی نسبت (۱:۱۰۰) کا ہوگا۔ مختصر یہ کہ امکان اسی طرح کم ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ ایک سے لے کر دس تک تمام پیسوں کو ترتیب سے نکالنے کا امکان ایک اور ایک سنکھ (۱............. ۱:۱) جیسی ناقابل یقین نسبت تک پہنچ جائے گا۔

اس استدلال کے تحت ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ سطح ارض پر زندگی کے ظہور و قیام کے لئے جن قطعی اور نپے تلے حالات کی ضرورت ہے ان کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ مناسب مقدار و ربط کے ساتھ اُن سب کا محض حُسنِ اتفاق سے جمع ہو جانا اور قائم رہنا ناممکن ہے کہ کرۂ ارض اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھومتا ہے اگر اس کی رفتار سو میل فی گھنٹہ ہوتی تو ہمارے رات دن موجودہ مدت سے دس گناہ طویل ہو جاتے اور اس حالت میں اگر ایک طرف گرم سورج کی شعلہ بار کرنیں اس لمبے دن میں ہماری تمام نباتات کو خاکستر کر ڈالتیں تو دوسری طرف ہر ایک لمبی رات سورج کی گرمی سے بچ جانے والے ہر چشمہ کو برف میں تبدیل کر دیتی۔

علاوہ ازیں سورج ہماری زندگی کا چشمہ ہے اس سطح کی مقدار حرارت ۱۲۰۰۰ ڈگری (فیرن ہائٹ) ہے ہماری زمین سورج سے ٹھیک اس قدر فاصلے پر ہے کہ یہ "لازوال آتشکدہ" ہمیں صرف اتنی ہی حرارت پہنچاتا ہے جو ہمارے لئے کافی و ضروری ہے ـــ نہ زیادہ نہ کم ـــ اگر سورج اس موجودہ حرارت میں سے نصف حرارت ہم سے چھین لیتا تو ہم برف کی طرح منجمد ہو جاتے اور اگر موجودہ حرارت کی نصف مزید ہمیں دے دیتا تو ہم کباب کی طرح جل بھن کر رہ جاتے۔

زمین کا محور ۲۳ درجہ زاویہ پر جھکا ہوا ہے اس جھکاؤ کی وجہ سے موسم بنتے ہیں اگر محور اتنا جھکا ہوا نہ ہوتا تو سمندر سے اٹھنے والے ابخارات جنوب و شمال کی طرف بڑھ جاتے اور ہمارے لئے برفستانی براعظم پیدا کر دیتے۔ اگر ہماری دنیا کا چاند اپنے موجودہ فاصلہ کے بجائے صرف ۵۰ ہزار میل زمین سے دور ہوتا تو ہمارے سمندروں میں اس قدر زبردست مد و جزر پیدا ہوتے کہ سارے براعظم شب و روز میں دو مرتبہ زیر آب ہو جایا کرتے اور پہاڑوں کے بڑے بڑے سلسلے تک پانی سے ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو جاتے۔ اگر زمین کی بالائی تہہ صرف دس فیٹ زیادہ دبیز ہوتی تو آکسیجن کا وجود ہی نہ ہوتا اور اس کے بغیر سطح ارض پر حیوانی زندگی ضرور نابود ہو جاتی اگر سمندر چند فیٹ گہرے ہوتے تو کاربن ڈاکسائڈ اور آکسیجن جذب ہو جاتیں اور کوئی نباتاتی زندگی باقی نہ رہ سکتی ـــ یا اگر ہمارا ہوائی کرہ بہت زیادہ لطیف اور ہلکا ہوتا تو جو ستارے روزانہ لاکھوں کی تعداد میں خلا کی وسعتوں میں جل کر بھسم ہو جاتے ہیں ان میں سے بہت سے ستارے ہماری دنیا کے مختلف حصوں سے متصادم ہو جاتے اور ہر جگہ آگ لگا دیتے۔

متذکرہ بالا حقائق اور ان کے علاوہ بیشمار فطری شواہد کی موجودگی میں یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ ہماری زمین پر زندگی کا ظہور و قیام محض ایک حادثہ یا اتفاق ہے۔ اس چیز کا امکان ایک اور ایک کروڑ کی نسبت سے بھی کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

دلیل دوم — اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے زندگی جو مختلف

ذرائع تلاش اور پیدا کرتی رہتی ہے اُن سے ایک پوشیدہ اور صاحبِ ادراک قوت کا وجود ثابت ہوتا ہے جو.. ساری کائنات میں جاری و ساری ہے

خود زندگی کیا شے ہے اس راز کا کوئی حل نہیں کر سکا زندگی نہ کوئی مادی وزن ہے، اور نہ طول و عرض — لیکن اس میں ایک قوت ضرور موجود ہے — وہ قوت جس کی مدد سے پودوں کی پھیلنے والی جڑیں چٹانوں میں شگاف کر دیتی ہیں! — زندگی نے پانی، زمین اور ہوا کو فتح کیا ہے۔ عناصر پر قابو پالیا ہے اور ان کو منتشر کر کے از سرِ نو ترکیب و ترتیب دیا ہے۔

زندگی ایک سنگ تراش ہے جو تمام زندہ مخلوق کی صورت گری کرتا ہے۔ وہ ایک مصوّر ہے جو ہر ایک درخت کے ہر ایک پتے کی تشکیل کرتا اور ہر ایک پھول میں رنگ بھرتا ہے زندگی ایک موسیقار ہے جو ہر ایک پرندے کو محبت کے گیت سکھاتا ہے اور چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑوں کو ہزاروں قسم کی مترنم آوازوں میں ایک دوسرے کو پکارنے کے طریقوں سے آگاہ کرتا ہے۔ زندگی ایک بلند ترین ماہر کیمیات ہے جو پھلوں کو ذائقہ اور پھولوں کو خوشبو دیتا ہے پانی اور کاربونک ایسڈ کو شکر اور لکڑی میں تبدیل کرتا ہے اور تبدیلی کے دوران آکسیجن اخذ کر کے حیوانات کو نفسِ حیات کا سامان فراہم کرتا ہے۔

زندگی کی اس سب سے زیادہ حقیر شکل کو غور سے دیکھئے جسے "پروٹوپلازم" کی اصطلاح دی گئی ہے — صرف ایک ننھا سا قطرہ — تقریباً غیر مرئی — شفاف — وہ نقل و حرکت کی اہلیت رکھتا ہے اور سورج سے طاقت حاصل کرتا ہے۔ یہ واحد خلیہ — یہ شفاف اور کہرہ سے بھی چھوٹا قطرہ اپنے اندر زندگی کا جرثومہ لئے ہوتے ہے اور اس زندگی کو دنیا کی تمام چھوٹی بڑی جاندار چیزوں میں تقسیم کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ اس ننھے ذرے کی قوتیں ہماری دنیا کی تمام حیوانات و نباتات سے زیادہ ہیں۔ کیونکہ زندگی سب کو اسی سے ملی ہے۔ زندگی کو نیچر یا قدرتی موجودات نے تخلیق نہیں کیا........

تو پھر اس زندگی کو اس ننھے سے ذرے میں کس نے رکھ دیا؟

دلیل سوم — عقل حیوانی ناگزیر

ثبوت ہے ایک مہربان خالق کے وجود کا۔ جس نے جانوروں کو جبلّیات عطا فرما کر ایک تباہ کن معذوری سے بچا لیا۔

سالمن قسم کی ایک نوعمر مچھلی متعدد سال تک سمندر میں اِدھر اُدھر گھوم کر بسر کرتی ہے۔ اس کے بعد وہ خود اپنے دریا میں واپس آجاتی ہے اور پانی کے بہاؤ کے خلاف سفر کر کے آخر کار اس معاون دریا تک پہنچ جاتی ہے جہاں وہ پیدا ہوئی تھی۔ وہ کون سی چیز ہے جو اسے بالکل صحیح مقام پر واپس لے آتی ہے؟ — اگر آپ اسے کسی اور معاون دریا میں منتقل کر دیں تو وہ فوراً سمجھ جائے گی کہ وہ صحیح راستہ پر نہیں ہے وہ اس غلط معاون دریا کے نشیب کی طرف جد و جہد کرتی ہوئی پہلے اصلی بڑے دریا میں واپس آئے گی اور بعدہٗ پانی کے

بہاؤ سے جنگ کرتی ہوئی ٹھیک اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جائے گی۔

اس سے بھی زیادہ پیچیدہ راز اُن مچھلیوں کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے جن کو "ایل" کہا جاتا ہے۔ یہ حیرتناک مچھلیاں جب پوری عمر کو پہنچتی ہیں تو تمام تالابوں سے ——— تمام دریاؤں سے ——— ہر جگہ سے ایک طویل سفر پہ روانہ ہو جاتی ہیں۔ یورپ سے ہزاروں میل سمندر میں سفر کرنے کے بعد سب کی سب برمودا کے قریب تاریک اور بھیانک سمندری گہرائیوں میں پہنچ جاتی ہیں۔ ساری دنیا میں ان سب کی منزلِ مقصود ایک یہی مقام ہے یہاں وہ بچے پیدا کرتی ہیں اور مرتی ہیں۔ یہ ننھے بچے صرف یہ جانتے ہیں کا وہ ایک ویران سمندر میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اور کچھ جاننے کا کوئی ظاہری ذریعہ انہیں میسّر نہیں ہوتا۔ بایں ہمہ وہ واپس روانہ ہوتے ہیں اور نہ صرف اس ساحل تک ——— پہنچ جاتے ہیں جہاں سے ان کے والدین آتے تھے، بلکہ اس مقام سے آگے بڑھ کر مختلف دریاؤں، جھیلوں اور چھوٹے تالابوں میں پھیل جاتے ہیں اور اس طرح پانی کا ہر حصّہ ہمیشہ ان مچھلیوں سے آباد رہتا ہے۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایل قسم کی کوئی امریکی مچھلی یورپ میں پکڑی گئی ہو، یا امریکی کے سمندروں میں پائی گئی ہو۔ علاوہ ازیں قدرت نے یورپ والی مچھلی کی عمر میں ایک سال کا اضافہ بھی کر دیا ہے تاکہ اس کے طویل سفر کی تلافی ہو سکے۔ ان مچھلیوں میں نقل مکانی کا یہ جذبہ اور مقامات کا صحیح علم کہاں سے آیا؟ -

ایک زنبور کو دیکھئے ——— وہ ننھی ٹڈی کو مغلوب کر دیتی ہے زمین ایک سوراخ کھودتی ہے اور ٹڈی کے جسم پر ٹھیک ایسے مقام پر نیش زنی کرتی ہے کہ وہ مرتی نہیں بلکہ بے ہوش ہو جاتی ہے اور زنبور کی یہ غذا اپنی اصلی حالت میں محفوظ رہتی رہتی ہے اس محبوب غذا کے قریب ہی زنبور انڈے دیتی ہے، تاکہ جب اُن سے بچے نکلیں تو اس شکار کو صرف تھوڑا تھوڑا کر کے اس طرح کھا سکیں کہ شکار نہ مر جائے! ——— کیونکہ مُردہ گوشت اُن کے لئے مہلک ہوتا ہے انڈے دینے کے بعد ہر ایک زنبور ابتدائے آفرینش سے مسلسل اسی طرح کرتی آئی ہے ورنہ دنیا میں اس کا وجود ہی نہ رہتا۔ یہ تمام حیرتناک اور پُراسرار طریقے اکتسابی نہیں ہو سکتے ——— اور نہ ان کو اضطراری مطابقت ماحول کہا جا سکتا ہے ——— یہ اسرار یقیناً عطا کردہ ہیں! ———

لیکن کس کے عطا کردہ؟

دلیل چہارم ——— انسان کے پاس حیوانی جبلت کے ماسوا ایک اور چیز بھی ہے ——— قوّتِ فکر و استدلال!

انسان کے علاوہ اور کوئی حیوان آج تک ——— دس تک گنتی نہیں گن سکا بلکہ یوں کہیے کہ دس تک گنتی کے معنیٰ بھی نہیں سمجھ سکا۔ اگر جبلّت کو ساز کا صرف ایک سُر کہا جائے ——— حسین محدود ——— تو انسانی دماغ تمام سازوں کی تمام آوازیں رکھتا ہے اس نکتہ کو زیادہ طول دینا بیکار ہے یہ انسانی استدلال و فکر کی اہلیت کا ہی نتیجہ ہے کہ ہم اس حقیقت کا پورا احساس کر سکتے ہیں کہ ہم جو کچھ بھی ہیں محض اس چیز کی بدولت ہیں کہ ہمیں اس "لانہایت ذہن ہمہ گیر" کا ایک حقیر سا حصّہ مل گیا ہے جو ساری کائنات میں کارفرما ہے۔

دلیل پنجم ——— زندگی کے تمام لوازمات

چند ایسے مظاہر قدرت میں پائے گئے ہیں جو ڈارون کو معلوم نہ تھے لیکن آج ہمیں معلوم ہیں — مثلاً حیات" (GENES) کے عجائبات!۔

یہ "عناصر حیات" اس درجہ ناقابل بیان حد تک چھوٹے ہوتے ہیں کہ دنیا کے تمام زندہ انسانوں کے ان عناصر کو لیکر ایک جگہ جمع کیا جائے تو صرف ایک انگشتانہ کے اندر انھیں رکھا جا سکتا ہے۔۔ یا یں ہمہ یہ خوردبینی چیزوں سے بھی چھوٹے عناصر اور اُن کے دوسرے ساتھی جن کو کروموسوم (CHRO-MSOMES-) کہا جاتا ہے۔ ہر ایک زندہ خلیہ میں پائے جاتے ہیں اور تمام انسانی حیوانی اور نباتاتی خصوصیات کی آخری قطعی اساس ہوتے ہیں ایک چھوٹے سے انگشتانے میں دنیا کے بیس سنکھ انسانوں کی انفرادی خصوصیات کو جمع کر دینا کس قدر حیرتناک چیز ہے ؟ — لیکن حقائق اس قدر صریح و روشن ہیں کہ ان پر شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا — کون ہے جو بتا سکے کہ یہ عناصر حیات ہمارے گروہ در گروہ آباد واجداد کی تمام موروثی خصوصیت کو کس طرح اپنے اندر منتقل اور ہر ایک کی انفرادی نفسیات کو کس طرح اس قدر مختصر اور تنگ جگہ میں قائم رکھتے ہیں ؟۔

دراصل ارتقائے حیات کی ابتدا اسی خلیہ سے ہوتی ہے جو اپنے اندر متذکرہ بالا عناصر حیات کو لئے ہوئے ہے۔ محض چند کروڑ ذرات جن کے اندر یہ عناصر محبوس ہیں کس طرح تمام دنیا کی زندگی پر حکومت کرتے ہیں ؟ — یہ ایک سربستہ راز ہے — اور ثبوت ہے کہ ایک ایسی "عمیق دانش" کا جو صرف "لانہایت ذہنِ خلاق" سے ہی عمل میں آسکتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی جواب اس مسئلہ کا ہو ہی نہیں سکتا۔

دلیل ششم

— قدرتی موجودات کے اہتمام وانتظام کو دیکھ کر ہم اس احساس پر مجبور ہیں کہ اس کارخانہ کی ضروریات کو صرف ایک "لامحدود عقل" ہی پہلے سے محسوس کر کے آئندہ تمام امکانات کا بندوبست کر سکتی تھی۔

بہت سال گذرے آسٹریلیا میں ایک قسم کی خاردار جھاڑیوں پودوں کی حفاظت کے لئے ایک احاطہ کی شکل میں لگائی گئی تھیں۔ چونکہ آسٹریلیا میں ان خاردار جھاڑیوں کا کوئی دشمن کیڑا موجود نہ تھا اس لئے وہ بہت کثرت کے ساتھ بڑھنا شروع ہوئی ۔ ان کی یہ خوفناک پالیدگی برابر قائم رہی۔ یہاں تک ان خاردار پودوں سے ایک اس قدر بڑا رقبہ معمور ہو گیا جتنی پورے انگلستان کی وسعت ہے انسانی باشندوں کو ان خوفناک پودوں نے قصبات دیہات سے بھگا دیا اور کھیت برباد کر دیئے۔ اس تباہی کو روکنے کیلئے آسٹریلیا کے سائنس دانوں نے پودوں کے دشمن کیڑوں کی تلاش میں دنیا کی خاک چھانی۔ آخر کار انھیں ایک ایسا کیڑا مل گیا جو کہ ان خاردار جھاڑوں کے علاوہ اور کچھ نہ کھاتا تھا اس کیڑے کی نسل بھی کافی تیزی سے پھیلتی تھی اور آسٹریلیا میں اس کا کوئی دشمن کیڑا بھی نہ تھا اس کیڑے نے جلد ہی نباتات پر فتح حاصل کر لی اور آج ان خوفناک پودوں کا خطرہ دور ہو گیا ہے ان کیساتھ ہی ان کیڑوں کی بھی صرف ایک مختصر سی تعداد باقی رہ گئی ہے تاکہ ان پودوں کی پالیدگی پر ہمیشہ ایک بندش قائم رکھے۔

اس قسم کی بندشیں اور توازن کائنات میں ہر جگہ مہیا کئے گئے ہیں۔ اپنی نسل کو انتہائی تیزی سے بڑھانے والے کیڑے مکوڑے کیوں آج تک دنیا میں نہیں چھا سکے؟ ——— صرف اس لئے کہ ان کے پاس انسان جیسے پھیپھڑے نہیں ہیں وہ نلکیوں کے ذریعے سانس لیتے ہیں، لیکن جب وہ بڑے ہوتے ہیں تو ان کی سانس کی نلکیاں اُن کے جسم کی نسبت سے نہیں بڑھتیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کبھی کوئی کیڑا بہت بڑے ڈیل ڈول کا نہیں ہو سکا۔ بالیدگی پر یہ بندش تمام کیڑوں کو روکے ہوتے ہے اگر یہ جسمانی بندش عائد نہ کی جاتی تو انسان زمین پر زندہ نہ رہ سکتا۔ ذرا تصور کیجئے ایک زنبور یا بچھو کا جو شیر جیسا قد و قامت رکھتا ہو۔

دلیل ہفتم ——— خود یہ حقیقت ہی خدا کے وجود کا ایک بے مثال ثبوت ہے کہ انسان خدا کا ایک تصور قائم کر سکتا ہے۔

خدا کا تصور انسان کی اس کی الوہی قوت سے اُبھرتا ہے جو کہ دوسری مخلوق کو عطا نہیں کی گئی اور جسے ہم "قوتِ تخیل" کہتے ہیں۔ انسان صرف انسان ہی اپنی اس قوت کے ذریعہ غیر مرئی یا نادیدہ اشیاء کے وجود کا احساس و یقین کر سکتا ہے۔ انسان کی نگاہوں کے سامنے اس کی یہ قوت جو فضا پیش کرتی ہے وہ لامحدود ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب انسان کی تخیل مکمل ہو کر ایک روحانی حقیقت بن جاتی ہے تو وہ کائنات کی ہر چیز میں ایک "صنّاع" کی چابک دستی اور ایک مقصد کار فرمایا تا ہے اور اس حقیقت کا احساس کر سکتا ہے کہ خدا ہر جگہ اور ہر شے میں ہے لیکن کسی جگہ بھی وہ ہم سے اس قدر قریب نہیں جتنا کہ ہمارے قلوب میں ہے۔

دُرہائے آب دار

اے آمنہ کے لال دو عالم کے تاجدار رحمت ہے سب کے حق میں تری ذاتِ ذی وقار
والی یتیم کا تو ضعیفوں کا آسرا حامی ہے بیکسوں کا غریبوں کا غم گسار
تو ماہتاب برجِ رسالت ہے بالیقین روشن ہیں تیرے جلوے سے ہر شہر ہر دیار
اے شمع دین مشعلِ توحید نورِ حق تیرے وجود سے تھا منوّر حرا کا غار
مومن وہی ہے اصل میں ہے جسکو تجھ سے عشق
ایمان کا ہے تیری محبت پہ انحصار

(از حافظ دھام پوری

از:- نسیم سلیمانی

اختلافِ باہمی اور مسلمان

جب کوئی جماعت حق کی تبلیغ کے لئے اٹھ کھڑی ہوتی ہے تو پیغامِ صداقت کو پیش کرنے کا اس کا انداز کچھ مختلف ہوتا ہے اور یہی اندازِ خطابت، تبلیغ کا طریقہ کبھی کبھی اختلاف کا باعث بنتا ہے۔ اور جب کچھ لوگ اس کو سمجھ نہیں پاتے، تو انکی نیت کا مذاق اڑایا جاتا ہے انھیں تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اور دوسروں کو بھی ان کی طرف سے بدظن و بدگمانی کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔

اس صورتِ حال سے اس جماعت کو کچھ زیادہ ہی سابقہ پڑتا ہے۔ جو اپنے مقصد میں راست اور حساس ہوتی ہے اور وہ حق کو اپنی دیانت اور جامع دلیلوں کے ساتھ پیش کرتی ہے کہ باطل خود پرست روحیں چونک پڑتی ہیں اور پھر ان مبلغین کی راہوں میں اعتراض اور تنقید کے سنگ و خار حائل کئے جاتے ہیں تاکہ کسی طرح ان خدایانِ حق کا راستہ مسدود ہو جائے اور یہاں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جماعت جو اپنے مسلک میں اور حق کی تبلیغ میں بہت زیادہ راست اور مخلص ہوتی ہے۔

اس مسلسل استہزاء و تنقید سے اثر قبول کر کے دوسروں کی کمزوریوں کو تلاش کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور پھر وہ بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دینے پر آمادہ نظر آتی ہے..... اس طرح کی جوابی کاروائی میں پھنس کر وہ حق پرست جماعت بھی تبلیغ حق سے دور، اور اپنے نصب العین سے روگردانی کرنے لگتی ہے ـــــ آج یہی صورت حال ہمارے سامنے کبھی فتنۂ مودودیت کی شکل میں نظر آتی ہے، تو کبھی ردِ فتنہ کی صورت میں...... ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنا ایک دوسرے کے مضامین میں کمزوریوں کو تلاش کر کے تنقید کی بوچھار کرنا۔ آخر یہ سب کیا ہے؟ دو جماعتوں میں اختلاف تو ہو سکتا ہے مگر ان میں نفرت کا پایا جانا میرے نزدیک ایسا ہی ہے کہ دو شخص کسی مادی مسئلہ کی وجہ سے ذاتی اغراض کے لئے آپس میں رسہ کشی کریں۔ کبھی کبھی یہ نفرت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ جماعت کے عام ممبر بھی صحیح علم اور جامع اصولوں کے بغیر دوسروں پر اس طرح تنقید اور نشتر زنی کرنے لگتے ہیں کہ اپنی لاعلمی کے باعث کبھی کبھی خدا اور حق پر

تنقید کر بیٹھتے ہیں۔ اور یہ صرف اس لئے ہے کہ جماعتیں اپنے مقصد سے ہٹ کر تنقید و تنقیص کا شکار ہو جاتی ہیں — ،

آج مسلمانوں کا ذہنی تنزل اس حد تک پہونچ چکا ہے کہ وہ غور وفکر کی گہرائی کھو چکے ہیں اور ذہنی طور پر بالکل سرد پڑ چکے ہیں وہ نفس کے تقاضے کو شریعت کا نام دیتے ہیں۔ قرآن کی تلاوت آج بھی کیجاتی ہے مگر سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے نہیں —، اور اس خود ساختہ مصروفیات میں حدیث پڑھنے کے لئے وقت نکالنا بقول ان کے یہ " ناممکن " ہے۔ دوسری طرف علمائے کرام فتنہ اور ردِّ فتنہ میں الجھے ہوئے ہیں..... ایک عام مسلمان ذہنی طور پر اتنا تھک چکا ہے کہ کبھی کبھی وہ پریشان ہو جاتا ہے کہ کون سا راستہ اختیار کرے۔ ہر طرف دوراہے کس طرف جائیں۔ کس کا یقین کریں —؟ اور پھر وہ یہ سوچنے لگتا ہے کہ اس کے خیالات پر دہریت کی چھاپ صاف نظر آتی ہے۔ افسوس صد ہزار بار یہ اختلاف کس حد تک بڑھ چکا ہے سوچئے۔ غور کیجئے۔ اس کا ذمہ دار کون ہے؟

وہ عالمگیر، اخلاص پسند مذہب جو غیر مسلموں سے اخوت ومحبت سے پیش آنے کا حکم دیتا ہے۔ اس مذہب کی تبلیغ کے لئے اٹھی ہوئی امت کا یوں آپس میں دست و گریباں ہونا کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔

اس طرح آپس میں نفرت وتعصب کو جگہ دینے والے عامی اور جاہل لوگ نہیں بلکہ ذہین فہیم اور ہوش مند علماء ہیں۔ یہ وہ طبقہ ہے جو سب سے زیادہ سنجیدہ اور دور اندیش تصور کیا جاتا ہے۔" اے امت مسلمہ کے باہوش علماء کرام! بے شک آپ کو مقام رسالت کی وراثت کا شرف حاصل ہے۔ ذرا سنبھلئے خدارا متحد ہو جائیے۔ دین کے مسئلہ کو اپنے وقار کا مسئلہ مت بنائیے بلکہ اپنے وقار اپنے نفس کو دین پر قربان کر دیجئے۔ اپنی دنیا سے باہر آجائیے۔ اور دیکھئے آج کا مسلمان کس حد گر چکا ہے۔ اور روزے، نماز اور اعمال صالح سے بے پروا ہو کر صرف تنقید کا آلہ کار بن چکا ہے اور یہی بس استہزاء اور تنقید اس کا مذہب بن کر رہ گیا ہے (بے شک آج بھی کئی علماء کرام صحیح تبلیغ اور بے لوث تذکیر کے فرائض انجام دے رہے ہیں)..... اور مسلمان اپنی ساری الرجی اپنا سارا زور، اور اپنی تمام تر توجہ اس اختلاف اور تنقید کے پیچھے صرف کر کے خود اپنی قوم و ملت کو ذلیل کر رہے ہیں۔

یہاں رک کر ذرا یاد کیجئے — وہ وقت جب جنگ احد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضؓ شہید کئے جاتے ہیں۔ اور ابوسفیان کی بیوی ہندہ حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر کچا چبا جاتی ہے۔ چہیتے چچا اور جلیل القدر ہستی کی شہادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر بڑا دردناک تاثر چھوڑ جاتی ہے — اور اس کے چار سال بعد ہی مسلمان مکہ فتح کر لیتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہر مکہ میں فاتح کی حیثیت سے تشریف لاتے ہیں۔ اس وقت مکہ والوں کو وہ سارے ظلم وستم یاد آرہے ہیں جو کبھی انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر ڈھائے تھے۔ ان میں ہندہ

بھی شامل ہے۔ ان لوگوں میں ایسے ایسے قاتل اور ظالم بھی موجود ہیں کہ انصاف کے اعتبار سے ان کی سزا قتل کے سوا کیا ہو سکتی ہے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شفقت و رحمت سے سب کو معاف کر دیتے ہیں ___ سبحان اللہ کیا حوصلہ تھا اور کیسی شفقت تھی۔ ذرا غور کیجئے ___!

اور اب اس صورت حال کو نظر میں رکھئے ___ آج امریکہ ساری دنیا کو زیر کرنے کے لئے نیوٹران بنا رہا ہے۔ روس اپنی بات منوانے کے اسلحہ جات کے ڈھیر لگا رہا ہے۔ فرانس نے اپنی کمر ٹھونک دی ہے تو چین بھی تند و ترشی کے لئے تیار کھڑا ہے..... خانہ جنگی، خون خرابہ قتل و غارت گری، دھمکیاں دھونس۔

ان حالات کے پیش نظر اب ___ ہم اپنا جائزہ لیں۔ آج ہم اپنی بات پیش کرنے کیلئے کسی کی پیروی کر رہے ہیں؟ کس کے نقطہ نظر سے ہم زیادہ قریب نظر آتے ہیں۔ ہمارے رویے اور کردار میں کس کی خصوصیت ہم دانستہ یا دانستہ پیدا کرتے جا رہے ہیں ___؟ کس کے اثرات ہم قبول کر رہے ہیں۔ اور ہم اپنے افعال و کردار سے کس کی قوت بنتے جا رہے تعمیر کی یا تخریب کی۔؟ حق کی یا باطل کی ___!!

فیصلہ جلد کیجئے۔ وقت بہت کم ہے باطل اپنی پوری قوت کے ساتھ متحد ہو کر بڑھ رہا ہے۔ اور زمانہ قیامت کی چال چل گیا ہے ___!!!

یہ نامے میرے نام آتے ہیں

محترم المقام جناب حسن احمد صدیقی صاحب

السلام علیکم۔

ماہنامہ تجلی کا خاص نمبر (مارچ۔اپریل) نظر نواز ہوا۔ شکریہ! بڑی کاوش اور عرق ریزی سے آپ نے دارالعلوم دیوبند کے مختلف گوشوں کو اجاگر فرمایا ہے۔ مبارک باد قبول فرمایئے۔

زعمائے دارالعلوم "شخصیات" کے سلسلے میں عرض ہے کہ اگر ان بزرگوں کے پس ماندگان کے تعلق سے بھی دو دو سطور لکھ دی جاتیں تو معلوم ہوتا کہ ان کے بعد کی نسل کس راہ پر گامزن ہے اور جو دینی و ملی خدمات ان برگزیدہ ہستیوں نے انجام دیں تھیں انہیں پس ماندگان نے کس حد تک بڑھانے کی کوشش کی ہے یوں بھی ایسی مقتدر ہستیوں کے اخلاف میں دلچسپی ہونا فطری چیز ہے۔ بس اتنی تشنگی اس مضمون میں رہ گئی ہے۔

قبل اس کے کہ میں کچھ لکھوں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا تعلق کسی بھی دینی یا سیاسی ادارہ یا جماعت سے نہیں ہے۔ بس ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنے خیالات کا اظہار کر رہا ہوں۔

"احوالِ واقعی" کے زیرِ عنوان جو آپ نے جماعت اسلامی پر اپنے جذبات کا اظہار فرمایا ہے انہیں پڑھ کر رنج اور افسوس ہوا۔ اوّل تو اس جلے میں اس چیز کے لانے کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ یہ خاص نمبر دارالعلوم دیوبند کی تاریخ اور اس کی دینی و ملی خدمات اور افادیت کو منظرِ عام پر لانے کے لئے نکالا گیا ہے نہ کسی جماعت پر نکتہ چینی کرنے کے لئے۔ اس سلسلے میں آپ کی توجہ اسی خاص نمبر میں مولانا محمد تقی عثمانی کے مضمون "اکابر دیوبند کیا تھے" کے صفحہ ۱۶۱ "مخالفین کے ساتھ سلوک" کی طرف مبذول کرانا چاہوں گا کیا جماعت اسلامی پر آپ کے چھینٹے اس موقف سے مطابقت رکھتے ہیں؟

یہ بات بڑی دلشکن ہے کہ ہم اپنی صلاحیتوں کو ایک دوسرے کی ایسی نکتہ چینیوں میں ضائع کرتے ہیں جن سے ملت میں سوائے انتشار اور تفرقہ کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اغیار میں ہمارا وقار گر جاتا ہے اور وہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر مزید تفرقے ڈالنے میں کامیاب ہو رہے ہیں ہر جماعت اپنے اپنے اصول اور طریقۂ کار اور عقائد کی حمایت میں جس قدر چاہے تبلیغ کرے کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا مگر بدمزگی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ایک جماعت دوسری جماعت پر نکتہ چینی کر دے اور اپنے سوا سب کو کافر و زندیق

سمجھنے لگے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ان باتوں کو کسی اور صحبت میں "واشگاف" کریں گے میرے ناقص خیال میں آپ اس سے احتراز ہی فرمائیں تو بڑی دینی و ملی خدمت ہوگی۔ اس وقت تو مسلم دینی اور سیاسی اعتبار سے ہندوستان میں اس قدر منتشر ہیں کہ دس کروڑ سے بھی زیادہ ہونے کے باوجود اپنی کوئی آواز نہیں رکھتے۔ ہر سیاسی جماعت مسلمانوں میں تفرقہ ڈلوا کر انہیں بیوقوف بناتی ہے اور کام نکل جانے پر ٹھکرا دیتی ہے۔ مسلمانوں میں یک جہتی ہی نہیں کہ اپنا لوہا منوا کر کسی کو مرعوب کر سکیں بس خس و خاشاک کی طرح منتشر ہیں۔ آپ جیسے صاحبِ قلم اور روشن دماغ اصحاب کی تو یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ آپسی تفرقے خواہ وہ مذہبی ہوں یا سیاسی مٹ جائیں اور مسلمان ایک مرکز پر جمع ہوں۔ عوام تو بیچارے عوام ہی ہیں جدھر بھی لے جایئے چلے جاتے ہیں۔ قصور تو علماء اور دوسرے صاحبِ فکر و فہم ارباب کا ہے کہ انہیں آپس میں لڑاتے رہتے ہیں۔ اور کوئی مستحکم مرکز بننے نہیں دیتے تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کو بڑے سے بڑا نقصان مسلمانوں ہی کے ہاتھ پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے "من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد۔ والا مضمون ہے۔ سیاست میں مسلم مجلس، مسلم لیگ، مشاورت وغیرہ اور دین میں جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت، دیوبندی، بریلوی، جمعیت العلماء وغیرہ بجائے ایک دوسرے سے تعاون کرنے کے آپس میں ہی برسرِ پیکار ہیں۔ سادہ لوح مسلمان کس کا منہ دیکھیں۔ ان کا اعتبار اپنے رہنماؤں پر سے اٹھتا جارہا ہے اور وہ بنا گڈریئے کے بھیڑوں کا ریوڑ بن کر رہ گئے ہیں کہ جدھر منہ اٹھا چل پڑے اور جس بھیڑیئے نے چاہا اپنا لقمہ بنا لیا وقت کی بڑی ضرورت پوری ہوگی اور ایک قابلِ قدر ملی و دینی خدمت ہوگی اگر آپ جیسے حضرات اپنی صلاحیتوں کو مسلمانوں کے آپسی تفرقوں خواہ وہ مذہبی اور اقتصادی ہوں یا سیاسی کو مٹانے میں بروئے کار لائیں۔

تجلی ماہ مئی کے شمارے میں "چیست یارانِ طریقت" کے زیر عنوان جو مولانا عنایت اللہ صاحب کا مضمون شائع ہوا ہے اس کے سلسلے میں آپ سوال و جواب کا اکھاڑہ کھولنا چاہتے ہیں اوّل تو ایسے تفرقہ انگیز مضمون کو آپ نے تجلی کے صفحات میں جگہ ہی نہ دینی چاہیئے تھی۔ کجا کہ اس جنگ کو جاری رکھنے کے لئے حوصلہ افزائی کی جائے۔ جواب در جواب سے سوائے بدمزگی اور مزید نفاق کے کچھ حاصل نہیں۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ مسلمان بس ایک دوسرے نبرد آزمائی ہی کرتے رہیں اور اسی میں اپنی تمام صلاحیتیں ختم کر دیں۔ مولانا مودودی رح کی کئی تصانیف اور اراکین جماعتِ اسلامی ہند کی تقاریر اور تحریریں میں نے بھی دیکھی ہیں۔ مجھے تو ان میں عقیدۂ توحید کا انحراف کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ شاید میری ہی کوتاہ نظری اس کی ذمہ دار ہے کیا مولوی عنایت اللہ صاحب جماعتِ اسلامی کو کافروں کی جماعت سمجھتے ہیں؟ عقیدۂ توحید کے انکار کے تو یہی معنی میں سمجھتا ہوں، تجلی جسے مولانا عامر عثمانی رح نے اپنے خون سینچا تھا اور ان تفرقہ خرافات سے پاک رکھا تھا آپ کیوں اسے ان میں ملوث کرنا چاہتے ہیں؟

مجھے اس وقت اقبالؒ کا ایک بند بے اختیار یاد آرہا ہے اور اسی پر اپنی تحریر کو ختم کرتا ہوں اگر کوئی چیز میری تحریر میں باعثِ گرانیِ خاطر ہو تو معافی کا خواستگار ہوں۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانہ میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

خاکسار

ڈاکٹر سید محمود حسین خطیب

(ہر بھنی)

محترم المقام مدیر محترم صدیقی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے

اگرچہ تجلی کا اندرون پہلے سے مختلف ہے اور پالیسی میں بہت ہی اختلاف ہے پھر بھی طویل دوستی کے ناطے "تجلی" کی تلخ نوائی کو برداشت کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ گویا کہ ایسا لگتا ہے کہ ہمارے رفیقِ مکرم جناب صدیقی صاحب "تجلی" کو کسی جماعت اسلامی کے دشمن یا تحریک اسلامی کے مخالف سوشلسٹ یا کمیونسٹ نواز کسی کرایہ کے آدمی کو وقتی طور سپرد کر کے دورہ پر چلے گئے ہیں اور یہی امید ہے کہ آئندہ شمارہ تک واپسی ہو گی تو یہ وقتی کوفت دور ہو جائے گی خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

اگر آپ کی موجودہ پالیسی نفس پرستی پر مبنی نہیں ہو گی تو عنقریب دونوں صورتوں میں آپ کا جریدہ آپ کے مضامین، آپ کا قلم اور ایک ایک اس سے متعلق چیز آخرت میں پیش ہو گی اور آپ یقیناً اسکا صلہ پا...... اللہ کے حضور پائیں گے خدا کرے کہ آپ کی موجودہ تبدیلی اللہ کے رضا کے لئے ہو آمین — اور اللہ سے یہ بھی دعا ہے کہ آپ مولانا مرحوم حامی تحریک اسلامی کے صحیح اور حقیقی جانشین ثابت ہوں۔ آمین۔

یقیناً مولانا مرحوم تحریک اسلامی کے ذمہ داروں کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر گرفت کرتے تھے یہاں تک مولانا مودودی مرحوم تک سے اختلاف کیا کرتے تھے مگر مرحوم کے ایک ایک لفظ سے درد دل اور سوز دروں کے دریا چھلکتے تھے خیر ناچیز جیسے عامی انسان کی باتیں بار خاطر نہ گذریں آپ کو حق ہے کہ آپ زور سے کہیں اے پہاڑی کہیں کے کلمہ تو ہم نے تمہیں سکھایا ہمارے "تجلی" کے ذریعے سے دین کی کچھ باتیں معلوم ہوئیں اور پھر یہ جسارت؟ جناب صدیقی صاحب بجا فرمائیں گے۔۔ مگر آپکو معلوم نہیں آپ کے موجودہ طرزِ نگارش نے ہمیں کتنی تکلیف پہنچائی ہے شاید آپ کا نکاح ان دنوں نہیں ہوا تھا۔

جب ناچیز امیر جماعت اسلامی کشمیر کے علاوہ جناب قاری صاحب موجودہ نائب امیر جماعت اسلامی جموں و کشمیر اور دیگر تین حضرات کے ساتھ اس پہاڑی علاقے سے مولانا مرحوم کی ملاقات کے لئے آپ کے آج کے دولت کدہ میں مہمان آئے تھے اور جناب عمر فاروق صاحب اس وقت کے منیجر "تجلی" نے ہمارا استقبال کیا تھا۔ دوسری بار

پھر ایک تعلیمی دورے پر آپکے سلسلے میں دینی اخوت کی بنیاد پر ملاقات ہوتی تھی بہرحال یہ اس دور کی باتیں ہیں اس کے بعد مولانا مرحوم انتقال کر گئے (عامر صاحبؒ) آپ کو کیا معلوم ہم پر کیا گذری انشاء اللہ کل قیامت کے دن معلوم ہوگا اسکے بعد پرچے کی ادارت میں جب آپ نے اپنا حصہ ادا کرنا شروع کیا شروع کے دو رسالے چھوڑ کر ہمیں یقین ہو چلا تھا کہ مولانا زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے مگر اب .... ؟ جب سے آپ کے دیدار کو آنکھیں ترستی ہیں اور ذہنی منصوبہ تھا کہ آپ کی خدمت میں ایک حاضری دیں۔ آپ ہیں کہ یہ منصب چھوڑ کر نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو رہے ہیں، جس سے ہم تکلیف محسوس کر رہے ہیں خدا کرے یہ جدائی عارضی ہو! توقع ہے کہ آپ جو اپایا دفرمائیے چاہیے "تجلی" کے ذریعے ہی سہی مخصوص دعاؤں میں نہ بھولئے اللہ تعالے آپ کی حفاظت کرے اور شیاطین جن و انس کے شر سے محفوظ رکھے اپنی آخری گذارش یہ ہے کہ آپ تعاونوا علی البر کے لئے ہی زندہ رہیں ... اگرچہ ہو سکتا ہے کسی رفیق کے کسی غلط حرکت سے آپ متاثر ہوں ہم سب آج کی دنیا کے انسانوں میں رہتے ہیں فرشتوں میں نہیں۔

خاکسار

ابوالحفیظ صدیقی

مسجد سے میخانے تک

مصلحینِ کرام

یادش بخیر

شیخ نسیم اللہ کے لڑکے کی شادی تھی۔ اپنی حویلی کی صرف سجاوٹ پر انھوں نے ہزاروں روپے خرچ کئے، حویلی کی سبھی دیواریں ننھے ننھے برقی قمقموں کے جھالروں سے آراستہ تھیں ریکارڈنگ کی آواز دور دور تک پھیلانے کے لئے انھوں نے چار لاؤڈ اسپیکر فٹ کرائے تھے۔

جس وقت وہ مولانا ریحان کے یہاں پہنچے میں وہیں موجود تھا۔ انھوں نے علیک سلیک کے بعد کہا:-

"مولانا۔ آج بوقت عصر لڑکے کا نکاح ہے۔ آپ ہی کو نکاح پڑھانا ہے۔"

"کیوں — یہ ذمہ داری آپ مجھی پر کیوں ڈال رہے ہیں:" مولانا نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔

"بھلا آپ کے ہوتے ہوئے اور کون نکاح پڑھا سکتا ہے۔"

"نہیں بھئی — میں تو معذرت چاہونگا۔"

"جی یہ آپ کیا فرما رہے ہیں" شیخ نسیم اللہ کے چہرے پر حیرت جھلکی

"آپ کو تکلیف ہوگی سنکر" مولانا نے سنجیدگی سے کہا "میری تو شرکت بھی مشکل ہی ہے چہ جائیکہ نکاح پڑھاؤں"

"ایسا نہیں ہو سکتا حضرت، بھلا آپ ہی شریک نہ ہوں گے تو خیر و برکت کہاں سے آئے گی۔ میں تو سب سے کہہ بھی چکا ہوں کہ نکاح حضرت مولانا ہی پڑھائیں گے۔"

"شیخ صاحب آپ پڑھے لکھے آدمی ہیں۔" مولانا نے بڑی متانت سے فرمایا۔ "غالباً سید مبارک شاہ کے مُرید بھی ہیں خود سوچیئے خیر و برکت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے جب آپ ایک حرف گانے بجانے کا اہتمام کر رکھا ہے دوسری طرف ہزاروں روپے وقتی سجاوٹ پر خرچ کر رہے ہیں اللہ تعالٰے نے قرآن میں فضول خرچی کی شدید مذمت کی ہے۔"

شیخ کے چہرے پر ایک رنگ آیا اور ایک گیا انھیں شاید ایک فی صد بھی توقع نہیں تھی کہ اتنے زیادہ تعلقات ہوتے ہوئے بھی مولانا ایسا کھردرا جواب عنایت فرمائیں گے۔ ان کے ہونٹ متحرک ہوئے مگر الفاظ نہیں نکلے پھر انہوں نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ میں نے گردن جھکا لی۔

"مولانا صاحب۔ یہ باجا اور روشنی تو برادری میں ناک رکھنے کے لئے ہے۔" شیخ نے رک رک کر کہا "آخر میری بھی تو کوئی عزت ہے۔"

"بے شک۔ آپ کی عزت ہماری عزت ہے مگر شیخ صاحب دین و شریعت کی تحقیر کر کے جو عزت ملے وہ تو مسلمان کے لئے سو ذلتوں سے بڑھ کر ذلت ہونی چاہئے۔"

"آخر اور لوگ بھی تو یہی کرتے ہیں۔"

"حلال و حرام کے معاملہ میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کون کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔ میں طے کر چکا ہوں کہ کسی ایسی تقریب میں شرکت نہیں کروں گا جس میں علانیہ شریعت کی خلاف ورزی کی جا رہی ہو۔"

شیخ صاحب مایوس ہو گئے۔

"اب تو سارا انتظام ہو چکا ہے مولوی صاحب ریکارڈنگ ہم رکوا بھی چاہیں تو لڑکا نہیں مانے گا۔"

"لڑکا آپ کا بیٹا ہے باپ تو نہیں۔" مولانا کے لہجے میں تلخی تھی۔

"جی جی وہ۔ دراصل اس کے کچھ دوست بھی باہر سے آئے ہوئے ہیں۔"

"خیر یہ عذر و معذرت آپ جانیے۔ میں بہر حال حاضر نہ ہو سکوں گا۔"

شیخ صاحب بے حد بد دل ہو کر اٹھے۔ میں بھی ان ہی کے ساتھ باہر نکلا۔ کچھ دور تک میرا اور ان کا راستہ ایک ہی تھا۔

"مولوی مسیح الزماں ٹھیک ہی کہہ رہے تھے۔" شیخ نے کھسیاہٹ کے انداز میں مجھ سے کہا "یہ مولوی صاحب بھی واقعی میں مودودی ہو گئے ہیں۔"

"بے شک مجھے بھی حیرت ہے۔" میں بولا "آپ سے اتنے تعلقات اور ایسا ٹکا سا جواب۔ اس سے بڑا مودودی تو دنیا کے پردے پر نہ ہو گا۔"

"دیکھی جائے گی۔ نکاح تو مولوی مسیح الزماں بھی پڑھا ہی دیں گے۔"

"کیوں نہیں۔ مگر آج وہ ہیں کہاں۔ غالباً مراد آباد گئے ہوئے ہیں۔"

"اچھا تو پھر قاضی رضوان ہی کی طرف چلو وہ بھی کوئی چھوٹے مولوی نہیں ہیں۔"

"جی ہاں۔ لیکن کل سے وہ بھی باہر ہیں شاید میرٹھ پہنچے ہوئے ہیں۔ میرا خیال ہے مولوی تفضل ٹھیک رہیں گے۔"

"نہیں بھائی۔" شیخ نے جھٹ سے انکار کیا

"کیوں؟"

"ارے تمہیں خبر نہیں کیا ان کا پڑھا ہوا نکاح کبھی بھلا ہرا ہوا ہے کیا۔ میاں خلیل احمد کی صاحبزادی کا نکاح انہوں نے ہی پڑھایا تھا۔ چھ مہینے بعد طلاق ہو گئی۔ مرزا بادی کی لڑکی بھی آج بیوہ ہے جوان شوہر اللہ کو پیارا ہو گیا یہ نکاح بھی مولوی تفضل ہی کا پڑھایا ہوا تھا۔"

"آں ہی۔ یہ تو واقعی ہیں قابل غور ہے۔"

"جی نہیں ایسے منحوس آدمی کا تو محفل میں شریک ہونا بھی ٹھیک نہیں۔ حافظ خورشید حسن ٹھیک رہیں گے چلو انہیں کی طرف چلتے ہیں۔"

"میں بھی چلوں؟"

"ہاں میاں۔ کونسی مہندی چھٹ جائیگی۔"

حافظ خورشید گھر پر مل گئے۔ لیکن ان کا جواب بھی مایوس کن تھا۔

"مجھے معذور سمجھئے۔ پچھلے جمعہ کو ارباب حل و عقد کی مجلس میں طے کیا گیا ہے کہ کسی بھی ایسی تقریب میں شرکت نہیں کی جائے گی جہاں حلال و حرام کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو۔"

"صاحب۔ حد ہے۔" شیخ جھلائے "خدا کی

نے کتنی دھوم دھام سے شہنائی بجوائی تھی کہ لو حلوائی نے کیسا بینڈ باجا شہر بھر میں گھمایا تھا۔ مولوی راحت علی نے کتنی بجلیاں اپنے گھر لگوائی تھیں ان سب کے یہاں سبھی مولوی، لوگ شریک ہوئے۔ آج ہمارے یہاں کار ہے تو حلال حرام کی بحثیں اُٹھ رہی ہیں۔"

"شیخ صاحب۔ غلطی بہرحال غلطی ہے اگر وہ کل کی گئی تو ضروری نہیں کہ آج بھی دہرائی جائے آخر دیکھئے ناملت کس حال کو پہنچ گئی ہے۔"

"ہم کیا دیکھیں مولوی صاحب۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔"

یہاں سے مایوس ہی لوٹنا پڑا۔ شیخ صاحب کے چہرے پر تاؤ بھی تھا اور بے بسی بھی۔

"صاف ظاہر ہے شیخ بھائی۔ یہاں کے تمام سبھی مولوی مودودیہ ہو گئے ہیں۔ اب گاڑی کیسے چلے گی۔" میں نے کفِ افسوس ملا۔

"یہی تو ہم بھی سوچ رہے ہیں۔ قاری سلطان اور مولوی نصرالدین وغیرہ سے بھی اب کیا اُمید ہو سکتی ہے چلو خیر چلے چلیں اُدھر بھی۔"

یہ بھی کر کے دیکھ لیا۔ مگر بے کار۔ ظالموں نے مسکوٹ کر رکھی ہے کہ شیخ نسیم اللہ کے یہاں شریک ہو کر ہی نہیں دیں گے۔

"لعنت بھیجئے شیخ بھائی اِن سب پر۔" میں نے حوصلہ بڑھایا۔ "میں حافظ بھپیندے کو پکڑ لاؤں گا وہ یٰسین شریف کا عامل بھی ہے ایسا عقدِ نکاح باندھے گا کہ قیامت تک کھل ہی نہیں سکتا۔"

"کس پاجی کا نام لیتے ہو۔" شیخ بھڑک گئے "وہ تو سٹے بازوں میں بیٹھتا ہے۔ چرس کا دم لگاتا ہے سارے شہر میں بدنام ہے۔"

"اچھا تو مستا حسن کو بلوا لیجئے۔ ان کے بھی تو کافی لمبی داڑھی ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ اسے تو پاس پڑوس والے سودی چچا کہتے ہیں۔ میاں تم ہی کیوں نہ پڑھا دو۔ تم بھی تو پورے مولوی ہو۔"

"میں ــ یعنی کہ میں......"

"ہاں ہاں کیا حرج ہے۔"

"بہت حرج ہے مجھے وہ سورۃ ہی یاد نہیں جو نکاح باندھتی ہے۔"

"کیوں جھوٹ بولتے ہو۔ سُنا ہے لطیف احمد چمڑے والے کی صاحبزادی کا نکاح بھی تم ہی نے پڑھایا تھا۔"

"غلط سُنا ہے۔ میں تو بس گواہ تھا۔ نکاح قاضی سمنون نے پڑھایا تھا۔"

"پھر۔ پھر آخر کیا کیا جائے۔" شیخ کو سخت تشویش لاحق ہو گئی تھی۔

"سوائے اس کے کیا چارہ ہے کہ بینڈ موقوف کرا دیجئے۔ بجلی کے جھالر اُتروا دیجئے۔"

"بڑی بدنامی ہو گی۔ یار دوست عمر بھر مذاق اڑاتے رہیں گے۔"

"مشیت ایزدی میں کیا چارہ ہے۔ آخری ترکیب یہ ہے کہ نکاح پڑھوا دیجئے ہی مت۔ بس ایجاب و قبول کرا لیجئے۔"

"ہائیں ــ گالی دے رہے ہو۔" شیخ تلملا اٹھے۔

"معافی چاہوں گا۔ پھر آخر کیا ہوا۔"

بالآخر یہی طے پایا کہ بینڈ موقوف کرا دیا جائے۔ اور کم سے کم باہر کی سجاوٹ سے غیر ضروری حصے نکال دیئے جائیں۔ یہ طے کر کے پھر وہ مجھے ساتھ لئے مولانا ریحان کی طرف چلے۔ اتنے میں

صوفی زبرجد مل گئے۔ ان سے شیخ نے اپنی بپتا کہی تو ان کی آنکھوں میں جلال اتر آیا۔

"ہم پہلے ہی سمجھ رہے تھے کہ یہ۔ ے شہر میں مودودیت پھیلنے والی ہے۔ معاذ اللہ۔ استغفر اللہ یہ ٹکے ٹکے کے مولوی لوگوں کا دین برباد کر دیں گے۔" "نہیں صوفی جی۔ ٹکے ٹکے کے مولوی نہیں" شیخ نے تعارض کیا "بڑے بڑے مولوی بھی ایک ہی بات بول رہے ہیں۔"

"کیا کہا۔ یہاں بڑا مولوی بھلا کون ہے سب کٹھ ملّا۔"

"ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔" شیخ بدبدائے۔ "بتائیے اب کیا کریں۔"

"کرنا کیا ہے۔ نکاح ہم پڑھائیں گے ہمارے جتنے مرید ہیں سب آپ کے یہاں شریک ہوں گے۔"

شیخ کی باچھیں کھل گئیں۔ میری طرف تائید طلب نظروں سے دیکھا۔ میں بڑے غور سے صوفی زبرجد کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے نا میاں ملّا۔" شیخ نے مجھے جھنجھوڑا۔ "اکدم فس کلاس ـــ بالکل جی ہاں۔"

تائید تو میں نے کر دی مگر صوفی صاحب کے جاتے ہی عرض کیا۔

"یہ تو پکے بدعتی ہیں۔ ان سے ناطہ جوڑ کر آپ سب سے کٹ جائیں گے۔"

"لعنت ہے سب پر۔ جب سبھی ہمارے خلاف ہو رہے ہیں تو ہم کیوں ان کی پروا کریں۔ مودودیوں سے اچھے تو بدعتی۔ لاج تو رکھ لی ہمارکی"

"آپ جانیں۔ مگر میں نے سُنا ہے کہ بدعتی کا پڑھایا ہوا نکاح کچا رہ جاتا ہے۔"

"مذاق کرتے ہو۔ کیا سچ مچ؟" وہ تذبذب کے انداز میں مجھے گھور رہے تھے۔

"یقین کیجئے۔ یہ بات میں نے بڑے بڑے مفتیوں سے سنی ہے۔"

"تب پھر؟"

"بس مولانا ریحان ہی کے یہاں چلئے دل پر پتھر رکھنا ہی ہوگا۔"

"بڑی مشکل ہے لڈن پتہ نہیں کیا آفت برپا کرے۔ بینڈ پارٹی اس نے خاص طور سے بلوائی تھی۔"

"مجبوری کا کیا علاج ہے مولویوں نے ایکا کر لیا ہے تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔"

"مگر میاں یہ ہمارے مولانا لوگ ویسے تو مودودیوں کو گالیاں دیتے رہتے ہیں اب خود ہی مودودی بن گئے۔"

"یہ قدرت کی کاریگری ہے شیخ بھائی۔ آپ دیکھئے کہ ایک ہوتا ہے گھوڑا اور ایک ہوتا ہے گدھا۔ پھر قدرتِ خداوندی خچر پیدا کرتی ہے جو نہ گھوڑا ہوتا ہے نہ گدھا۔ بس اسی طرح یہ لوگ بھی مودودی ہیں نہ غیر مودودی بیچ کی راس ہیں۔"

بہرحال مولانا ریحان کی خدمت میں پہنچکر شیخ بھائی نے ہتھیار ڈال ہی دیئے۔ مولانا بے حد خوش ہوئے۔

"جزاک اللہ۔ خدا آپ کو دین دنیا کی نعمتوں سے نوازے۔" انھوں نے دعا دی اور وعدہ کیا کہ اب ہم ضرور شریک ہوں گے۔

باہر نکل کر ہم دونوں کو اپنی اپنی راہ لینی تھی مگر شیخ بھائی سر ہوئے کہ گھر تک چلو۔ لڈن کو سنبھالو۔ اور دل کو بھی سمجھاؤ۔ ہمارا تو دماغ فیل

میں نے کہا چلئے۔ اور پھر کچھ دور ہی چلے تھے کہ خواجہ رومان اور مولوی شمشیر سے مڈبھیڑ ہو گئی وہ چھپتے چلے آرہے تھے اور کسی موضوع پر تیز تیز باتیں ہو رہی تھیں۔ ہمیں دیکھ کر رک گئے اور خواجہ نے شیخ بھائی سے کہا:۔

"آپ غالبًا مولانا ریحان کے یہاں گئے تھے؟"

"جی ہاں ۔"

"وہ اسکیم اب ختم سمجھئے۔ ہم لوگ آپ کے یہاں لازمًا شرکت کریں گے۔"

شیخ چونکے۔ میں بھی چونکا۔

"کیا ۔ یعنی کہ؟" میں بڑبڑایا۔

"آیئے ۔ کہیں بیٹھ کر آپ کو پوری صورتِ حال سمجھائیں۔"

مولوی بدرالدجیٰ کی بیٹھک قریب ہی تھی وہاں بیٹھ کر خواجہ رومان نے فرمایا:۔

"ہم لوگوں نے ایک انجمن اصلاح الرسوم کے نام سے بنائی تھی جس کا صدر مولانا ریحان کو تجویز کیا گیا تھا لیکن اب پتہ چلا ہے کہ مولانا ریحان کے عقائد خراب ہو گئے ہیں۔ لہٰذا نیا صدر بنانے تک انجمن کی کاروائی ملتوی کی جا رہی ہے۔"

"تو یہ شیخ بھائی کی تقریب کا بائیکاٹ اسی انجمن کے تحت کیا جا رہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ اب تو مولانا ریحان کو انجمن سے الگ کیا جائے گا۔ یا انجمن ہی توڑ دی جائے گی۔"

"آخر کس قسم کے عقائد انھوں نے اختیار کر لئے ہیں؟"

"آپ ملّا میاں ان نکات کو نہیں سمجھ سکینگے۔"

"نکات اپنی جگہ رکھیے ۔ رسومِ قبیحہ کی اصلاح تو بہر حال اختلافی مسئلہ نہیں۔"

"نہ ہو مگر ...... مگر آپ کو کیا بھلا سمجھائیں۔ یہ دقیق مسئلہ ہے۔"

پھر شیخ بھائی کے یہاں مشین بجی۔ بینڈ باجے نے سڑک سڑک نغمے بکھیرے اور نصف درجن سے زیادہ مولوی اور صوفی ان کے یہاں شریک ہوئے۔

چند روز بعد معلوم ہوا کہ انجمن فی الحال نامعلوم مدّت کے لئے ختم کر دی گئی ہے۔ اور عنقریب ایک بڑا سا پوسٹر چھپایا جا رہا ہے جس میں عامۃ المسلمین کو بتایا جائے گا کہ مولانا ریحان کے عقائد بگڑ گئے ہیں ان کا مسلک ہم علمائے حق سے جُدا ہے ان پر مودودیت حملہ آور ہو گئی ہے۔ اللہ اللہ خیر سلّا۔

TH


ماہنامہ
تجلی
دیوبند

اجتماع

ترقی اور مقبولیت کے نئے ریکارڈ قائم کر چکا ہے آپ ہی کیوں محروم ہیں ؟

آپ بھی اجتماع سے رشتہ قائم کر کے ملک و ملت کے مسائل پر بے باک تحریریں پڑھیے۔

سالانہ چندہ بارہ ۱۲ روپے

فی کاپی کی قیمت ساٹھ پیسے

بڑے حضرت جناب احمد رضا خانصاحب کی بازیگری

چلتے چلتے "بڑے حضرت" کی ایک فن کاری بھی ملاخطہ فرمالی جائے۔ عربی زبان میں۔ اَخٌ کے معنی ہیں۔ بھائی یہ لفظ واحد ہے جمع کے لئے عموماً اِخْوَانٌ، اِخْوَۃٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ہندوستان کے مشہور عالم نفسانیت مجدد بدعات ومحدثات، قرآن کی معنوی تحریفات کے علمبردار، احمد رضا خانصاحب بریلوی عرف (بڑے حضرت) نے سورۃ شعراء وغیرہ کی آیات میں اَخُوْھُمْ اور اَخَاھُمْ کا ترجمہ "ہم قوم" کیا ہے (یہ آیات ہم پیچھے ایک مقام پر درج کرآئے ہیں) بلاشبہ "ہم قوم" سے آیات کے مفہوم میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا لیکن بھائی کے لفظ کی جگہ "ہم قوم" کا لفظ فٹ کرنا آخر کیا معنی رکھتا ہے؟ جبکہ انہی خانصاحب نے سورۃ اعراف کی آیات ۶۵، ۷۳، ۸۵ میں لفظ اَخَاھُمْ کا لفظ برادری کیا ہے اور یقیناً لفظ برادری ہم قوم ہی کا مرادف ہے لیکن فارسی کا برادر اور اردو کا بھائی کیا دو مختلف چیزیں ہیں؟ پھر کیوں نہ سیدھا سادھا لفظ بھائی ہی کے ترجمہ کے اندر استعمال کرلیا گیا؟ یہ بھلا ہم کیسے کہدیں کہ "اتنے بڑے حضرت" کے دل میں کوئی چور بھی رہا ہوگا۔

قرآن اور علمی خوانچہ فروش

قرآنِ حکیم کا اعلان ہے کہ جو شخص ایمان بالغیب رکھتا ہے عملاً قیام صلوٰۃ ادائے زکوٰۃ کا اہتمام کرتا ہو تمام کتب سماویہ کے منزل من اللہ ہونے اور وقوع آخرت کا یقین رکھتا ہو، وہ متقین میں سے ہے اور ہدایت وفلاح یافتہ جماعت کے افراد میں اس کا شمار ہوگا سورۂ بقرہ آیات ۲۔۳۔۴۔۵)۔

گویا اللہ کے نزدیک ہر وہ شخص مومن ہے جو ایمان باللہ وبما جاء من عند اللہ کے اعتقاد وعمل کا حامل ہے اگر کوئی بدترین قسم کا دشمن اسلام بھی ایمان وعمل کے مطلوبہ معیار پر پورا اتر جاتے تو اسکی زندگی کا تمام کفر وشرک مٹ جائیگا لیکن خدا کی پناہ کہ یہ بے قیمت اور بے سوز قسم کے علمی خوانچہ فروش جنکی نفرفی الحقیقت اسلامی عقائد واعمال پر نہیں بلکہ شکم اور ہضم، روٹی بوٹی حلوے اور پراٹھے، جیب اور تجوری پر ہے چیختے اور چلاتے پھرتے ہیں کہ فلاں کافر ہے اور فلاں بدعقیدہ اور فلاں وہابی ہے اور فلاں گمراہ اور محض اس بنیاد پر کہ ان میں کا ہر فلاں اور فلاں ان شکم پرستوں کے گھڑے ہوئے خرافی اعمال وعقائد پر ان سے اتفاق نہیں کرتا۔

مُفید اور قابلِ مُطالعہ کتابیں

"آرڈر روانہ کرتے وقت چوتھائی رقم ایڈوانس روانہ کردیں ورنہ آرڈر کی تعمیل ممکن نہ ہوگی۔ تجلی کے خریدار اس شرط سے مستثنیٰ ہیں۔

تجلی کے خریداروں کو مندرجہ ذیل تمام کتب پر ۱۵ فی صد کی رعایت دی جائے گی۔ خریدار حضرات آرڈر دیتے وقت اپنا خریداری نمبر ڈالنا نہ بھولیں ــــ محصول ڈاک منگانے والے کے ذمہ ہوگا۔

منیجر مکتبہ تجلی دیوبند

تفسیر ابن کثیر مکمل مجلد	۲۵۰-۰۰	مسجد سے میخانے تک مکمل سیٹ	۳۲-۰۰	حکیم الاسلام اور ان کی مجالس	..
تفسیر حقانی 〃 〃	۱۸۰-۰۰	حصنِ حصین	۳۰-۰۰	تنظیم الاشتات شرح مشکوٰۃ	.
بہشتی زیور 〃 〃	۵۰-۰۰	فتاوے عبدالحی	۳۰-۰۰	حیاتِ جاوید	.
فیوضِ یزدانی 〃 〃	۴۰-۰۰	نظام الفتاویٰ	۳۰-۰۰	مخزنِ اخلاق	..
ورق ورق روشن	۴۰-۰۰	اشرف الجواب	۲۹-۰۰	تبلیغی نصاب	..
جواہر الفقہ مکمل سیٹ	۵۱-۰۰	مخزن المعلومات	۲۷-۰۰	مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مجالس	.
موطا امام مالکؒ	۵۰-۰۰	تلبیس ابلیس	۲۷-۰۰	خصائل نبوی کلاں	..
مسند ابوبکر صدیقؓ	۴۰-۰۰	کیا ہم مسلمان ہیں مکمل مع تین جلد	۲۶-۰۰	مولانا مودودیؒ سے ملئے	.
غنیۃ الطالبین	۴۰-۰۰	مسند امام اعظم	۲۵-۰۰	حدیثِ دفاع	.
مومن اور مطالعۂ مومن	۳۶-۰۰	اصلاحِ انقلاب	۲۵-۰۰		
انفاس عیسیٰ	۴۰-۰۰				

فرقہ وارانہ فسادات	۲-۰۰
تقلید کیا ہے	۱-۵۰
اپنی اصلاح آپ	۱-۰۰
عرش (نعتیں)	۱-۰۰
سید قطب شہیدؒ	۱-۵۰
ایک مسئلہ اور اہم سوال	۱-۲۵
لالہ وگل	۱-۰۰
ضروریات دین	۰-۹۰
قوالی اور اسلام	۶-۵۰
ذکر النبی	۳-۰۰
اُصولِ تبلیغ	۳-۰۰
الحج	۳-۰۰
حق کا پتہ	۳-۲۵
خدا کی جنت	۱-۵۰
عورت اور پردہ	۱-۵۰
سراب سے حقیقت تک	۱۱-۷۵
تاریخ غلافِ کعبہ	۱-۲۵
تاریخ قربانی	۱-۲۵
تفہیم المنطق	۲-۰۰
حیات امام ابوداؤد سجستانی	۳-۵۰
اسلامی خطوط نویسی	۱-۵۰
کثرتِ آبادی کا علاج	۱-۰۰
علماء کے لئے لمحہ فکریہ	۰-۷۵
مومن کی زندگی قرآن کی روشنی میں	۲-۵۰
حضرت عیسیٰ	۲-۰۰
زرتشت	۱-۵۰
سوانح حیات شیرشاہ سوری	۲-۰۰
حضرت داتا گنج بخش	۲-۰۰
توضیح البیان فی حفظ الایمان	۲-۰۰

اکبر اعظم کے نورتن	۲-۵۰
جہانگیر	۱-۵۰
نورجہاں	۱-۵۰
ارشاداتِ نبویؐ	۱-۰۰
شہدائے بدر	۱-۲۵
طریقہ فاتحہ	۱-۰۰
اسلام میں پردے کی حقیقت	۱-۷۵
فضیلتِ علم	۴-۰۰
پریشانیوں کا شرعی علاج	۵-۰۰
جہاد اور اسلام	۲-۵۰
ایک منزل کئی قافلے	۵-۰۰
ضمان الفردوس	۳-۰۰
تقریر ایسے کیجئے	۳-۵۰
مذہب اہم ہے	۳-۰۰
ملحدین کے شبہات	۱-۲۰
مذہب اور تخلیق کائنات	۱-۲۰
طہارت	۲-۰۰
تجارتِ آخرت	۱-۵۰
تعددِ ازدواج	۱-۲۵
جزیہ کی حقیقت	۱-۲۵
قربانی کی کہانی	۱-۲۵
تیسیر المبتدی	۱-۰۰
قرآن شریف کا آسان قاعدہ	۰-۵۰
اسلام اور پردہ	۰-۵۰
طلاق کیا ہے	۶-۰۰
تاریخ ادب اردو	۶-۵۰
صحیفۂ ادب	۶-۵۰
احکامِ موتیٰ	۳-۰۰

معین التجوید	۰-۶۰
ترجمۂ قرآن مجید	۳-۵۰
	۳-۵۰
راہِ حق کے دو مسافر	۳-۰۰
خدا کی صفات	۱-۰۰
خدا کا وجود	۱-۰۰
رضاخانیت کی ننگی تصویر	۰-۵۰
دو مقدمے اور دو سوال	۰-۶۰
طریقہ مولد شریف	۱-۰۰
حیرۃ الفقہ	۱-۵۰
حکایات صحابہ محشیٰ کلاں	۴-۰۰
فضائل ذکر	۴-۰۰
فضائل درود	۳-۰۰
فضائل قرآن	۲-۵۰
فضائل نماز	۲-۵۰
فضائل رمضان	۲-۰۰
تبلیغی تقریریں	۱-۵۰
ڈاڑھی کی قدر وقیمت	۱-۵۰
آخرت کے فکرمندوں کے پچاس قصے	۱-۵۰
ربانی چھ باتیں کلاں	۱-۰۰
شاہ نامۂ اسلام مکمل	۳۹-۰۰
کتاب زندگی الادب المفرد	۱۲-۰۰

علاوہ ازیں درسی اور غیر درسی تمام کتابیں مناسب ریٹوں پر ملنے کا پتہ :-

مکتبہ تجلی دیوبند یوپی

حکایاتِ اولیاء	۱۰-۰۰
شریعت یا جہالت	۱۵-۰۰
خصائلِ نبوی متوسط	۱۵-۰۰
فریبِ تمدن	۱۵-۰۰
راہِ سنت	۱۵-۰۰
قافلۂ سخت جاں	۱۵-۰۰
انتخابِ صحاحِ ستہ	۱۴-۰۰
بدعت کیا ہے	۱۲-۰۰
صراطِ مستقیم کلاں	۱۲-۰۰
شیخ ابنِ عبدالوہاب نجدیؒ	۱۲-۰۰
تعبیر نامۂ خواب	۱۰-۰۰
مرنے کے بعد کیا ہوگا	۱۰-۰۰
اسلاف کے حیرت انگیز کارنامے	۱۰-۰۰
اسلام اور کفر کی حقیقت	۱۰-۰۰
دسنس ولی	۹-۰۰
فتوح الغیب	۸-۵۰
تفسیر سورۃ نور	۸-۵۰
روحِ تصوف	۷-۵۰
تصوف کی حقیقت	۹-۰۰
مولانا مودودی اور تصوف	۷-۵۰
صراطِ مستقیم خورد	۹-۵۰
مولانا عبیداللہ سندھی اور اُن کے ساتھ	۷-۵۰
تلاشِ راہِ حق	۶-۰۰
تعلیمِ ہدایت	۶-۰۰
سیرتِ خلفائے راشدین	۶-۰۰
ردِ فتنۂ مودودیت	۶-۰۰
مصنفینِ زنداں	۶-۰۰
قرآن وحدیث	۵-۵۰
ہمارے اسلاف	۵-۰۰

عہدِ نبوی کے میدانِ جنگ	۴-۵۰
طبِ نبوی	۵-۰۰
عورت کیا کچھ کرسکتی ہے	۴-۰۰
حیاتِ انور	۲۱-۰۰
اقبال کے ممدوح علماء	۹-۰۰
اسلامی دستور کے بنیادی اور رہنما اصول	۱۴-۰۰
ولی کامل سوانح شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب	۱۰-۰۰
تذکرہ مولانا محمد یوسفؒ	۹-۰۰
یادگارِ زمانہ ہیں یہ لوگ	۹-۰۰
نمازِ مقبول	۱۲-۰۰
کمیونزم یا اسلام	۱-۰۰
مناسک الحج	۲-۰۰
کمیونزم اور مذہب	۲-۵۰
مُہرِ نبوت	۲-۵۰
قادیانیت کے جیب وگریباں	۳-۵۰
گلہائے مدینہ	۱-۰۰
نصیحت کی باتیں	۲-۰۰
قیمتی باتیں	۱-۰۰
فرعون وکلیم کی داستانِ کشمکش	۱-۲۵
محمد رسول اللہ	۴-۵۰
فضائلِ بسم اللہ	۱-۵۰
مشاہیرِ معروف	۳-۲۵
مولانا مودودیؒ اسّی علماء کی نظر میں	۴-۰۰
گلزارِ سنت	۰-۷۵
کلماتِ طیبات	۲-۰۰
کلامِ اسعد	۱-۵۰

مسئلہ تعددِ ازدواج	۱-۰۰
پردہ اور اسلام	۱-۰۰
باکورۃ الادب	۲-۵۰
فرہنگ	۱-۲۵
حسین ویزید	۱-۵۰
ایمان وآزمائش	۰-۷۵
دینی خدمات پر معاوضہ	۸-۰۰
مواعظ اول دوم	۱-۰۰
انعامِ ربانی	۲-۰۰
	۱-۰۰
بیٹے سے خطاب	۲-۰۰
کسبِ معاش کا اسلامی نظریہ	۳-۵۰
بی بی عائشہ	۲-۰۰
جنت اور دوزخ	۳-۰۰
سلطان ٹیپو شہید	۲-۰۰
ہادیِ دوراں	۰-۵۰
شمعِ رسالت	۰-۵۰
حق پر کون ہے	۲-۵۰
دنیا کی حیثیت	۳-۰۰
خدا کا انکار کیوں	۱-۲۰
خدا ہے	۱-۲۰
خدا پرستی	۱-۲۰
کیا خدا کی ضرورت نہیں	۱-۲۰
شرک عظیم ترین گمراہی	۱-۲۰
شرک کے اثرات	۱-۲۰
اسلام کا تصورِ توحید	۱-۲۰
خصائلِ نبوی	۰-۵۰
علمِ دین کیا اور کیوں	۰-۵۰

ماہنامہ

تجلی

دیوبند

تاریکیوں میں ایک چراغ

آغاز نومبر ۴۹ء

سالانہ زرِ تعاون چوبیس ۲۴ روپے

خط و کتابت کیلئے ہمارا مکمل پتہ
دفتر تجلی۔ دیوبند
یو۔ پی

اگر اس دائرے ( ) میں سرخ نشان
ہے تو سمجھئے کہ اس پرچے پر آپ کی خریداری ختم
ہے یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت
دیں۔ آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع
دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا
جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔
وی پی ۲۸/۰ روپے کا ہوگا منی آرڈر بھیجکر
آپ وی پی خرچ سے
بچ جائیں گے
[illegible]

ایڈیٹر
حسن احمد صدیقی
فاضل دارالعلوم
دیوبند

فی شمارہ دو ۲ روپے پچاس پیسے

مطبع۔ جے۔ کے۔ آفسیٹ پریس دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دسمبر ۸۰ء شمارہ ۶

ماہنامہ تجلی دیوبند

فہرست مضامین

تاریکیوں میں ایک چراغ

آغاز

نوشتہ

سالانہ زرِ تعاون چوبیس ۲۴ روپے

فی شمارہ دو ۲ روپے پچاس پیسے

ایڈیٹر
حسن احمد صدیقی
فاضل دارالعلوم
دیوبند

خط و کتابت کیجئے
ہمیشہ مکمل پتہ
دفتر تجلی دیوبند
یو-پی

اس دائرے میں
سُرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچے پر آپ کی خریداری
ختم ہے یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کا انتظار
دیں۔ آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں۔
خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائے گا۔
جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔
(وی پی ۲۸ روپے کا ہوگا) منی آرڈر بھیجکر
آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے۔

مطبع جے۔ کے۔ آفسیٹ پریس دہلی

احوالِ واقعی ادارہ

قارئین کی خدمت میں زیر نظر شمارہ جنوری ۱۹۸۱ء کے اوائل میں پہونچ رہا ہے۔ قمری تاریخوں کے اعتبار سے پندرھویں صدی کا آغاز ہو چکا ہے۔ ہم پروردگار سے دعا کرتے ہیں کہ نیا سال اور نئی صدی دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے باعث سکون و عافیت ثابت ہو۔

مراد آباد وغیرہ کے ہیبتناک فسادات کے بعد ہندوستان میں جو صورت حال پیدا ہوئی ہے وہ مسلمانوں کے لئے یقیناً باعث تشویش ہے لیکن مسلمانوں کو اپنی تاریخ سے سبق لینا چاہئے۔ خوف و ہراس، مایوسی اور تعطل جیسی برائیوں سے مسلمانوں کی تاریخ بالکل پاک صاف ہے۔

مسلمان تو ہمیشہ سے ایسا رہا ہے جو نہ ڈرتا ہے اور نہ مایوس ہوتا ہے۔ اللہ کے سوا مسلمانوں کو کسی سے خوف نہ کھانا چاہئے۔ ہمیشہ یہ تاریخ رہی ہے اللہ نے اپنے خلق کو حقیر کر دیا۔ عزت و ذلت کی کنجیاں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ جس نے ہمیں حکمران بنایا تھا وہی ہمیں محکوم بنا سکتا ہے۔ خدا کرے یہ نئی صدی ہمارے لئے

ردابہ

اندازِ سخن

۲۷، ۲۸ر اکتوبر کو لکھنؤ میں حلقۂ پیامِ انسانیت کا کنونشن منعقد ہوا، جس میں دم توڑتی ہوئی انسانیت کے بارے میں غور و فکر کرنے اور فرقہ وارانہ فسادات کے انسداد پر جد و جہد کرنے کی تجویزیں پاس ہوئیں۔ عرصۂ دراز سے مولانا ابوالحسن ندوی صاحب حلقۂ پیامِ انسانیت کے ذریعہ انسانیت کو آگے بڑھانے کی کوشش میں مصروف رہے ہیں۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ ان کے قائم کردہ حلقہ میں غیر مسلمین کی بھی کھپت ہے — انسانیت کے سلسلہ میں سرگرمیوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ اس جاہلانہ عصبیت کا شکار نظر نہیں آتے جس نے اُمّتِ مسلمہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا ہے۔

غیر مسلمین سے ہمارا اختلاف غیر معمولی اختلاف ہے۔ جو فرق روشنی اور اندھیرے میں ہے بالکل وہی فرق ہمارے نقطۂ نظر سے ہمارے اور غیر مسلمین کے مذہب میں ہے — اس غیر معمولی — اور عیاں بیاں فرق کے ہوتے ہوئے مولینا ابوالحسن ندوی نے غیر مسلمین سے دوستی اور بھائی چارے کی پینگیں بڑھا کر انسانیت کے نیم مردہ جسم پر ایک عظیم الشان احسان کیا ہے غیر مسلمین کو سینہ سے لگا کر تعصب اور فرقہ واریت کو نیست و نابود کرنے کی جد و جہد اس بات کا بین ثبوت ہے کہ مولانا ابوالحسن ندوی انسانیت کو عام کرنے میں واقعتاً مخلص ہیں، لیکن یہ تصویر کا ایک رُخ ہے

تصویر کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ مولانا ابوالحسن ندوی کو مولانا ابوالاعلیٰ سے شدید اختلاف ہے — اس اختلاف کا اظہار وہ انتہائی شد و مد کے ساتھ وقتاً فوقتاً کرتے رہے ہیں۔ بعض کتابیں انھوں نے "جوشِ اصلاح" میں اس طرح کی لکھ ماری ہیں۔ جن سے بے شمار مسلمانوں کو اذیت پہنچی ہے اس لئے کہ یہ کتابیں ان کے پیشوا مولانا ابوالاعلیٰ کے خلاف لکھی گئی ہیں۔ ممکن ہے کہ مولانا ابوالاعلیٰ کے نقشِ قدم پر چلنے والے لوگ مولانا ابوالحسن ندوی کے نزدیک مسلمان ہی نہ ہوں — ان لوگوں کو کسی عجیب غریب فلسفہ کے ذریعہ "غیر مسلم" اور "گمراہ" ثابت کردینا خلافِ امکان ہوگا لیکن یہ بات ضرور خلافِ امکان

بلکہ خلاف انسانیت ہوگی کہ ان بیچاروں کو انسان تک نہ سمجھا جائے ۔ انسانیت کے دور میں تڑپنے والے لوگ بھی اگر اتنے تنگ نظر ہو جائیں کہ انھیں اپنے وجود کے سوا کچھ اور نظر نہ آئے اور یہ لوگ اپنی دکان چمکانے کیلئے دوسرے دکانداروں کی توہین کے مرتکب ہو کر تاجرانہ سمجھداری کا ثبوت دیتے رہیں۔ ان کے سازوسامان اور باردانے کو ہدف ملامت بناتے رہیں تو پھر نیم مردہ انسانیت کی رگوں میں خون حیات کیسے دوڑ سکتا ہے ؟

مسلک کا اختلاف کوئی بری چیز نہیں، یہ تو وہ چیز ہے جسے خدا کے رسول نے "رحمت" قرار دیا ہے لیکن جب اختلاف شرافت و نجابت اور مسلک و نقطہ نظر کی حدوں سے گذر کر انسانیت اور ذاتیات میں داخل ہو جاتے تو پھر یہی رحمت ۔۔ "لعنت" بن کر سامنے آتی ہے۔

ایک ایک اینٹ کی خانقاہوں اور ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی مسجدوں نے جو فتنے پھیلائے ہیں۔ اور رحمت کو لعنت بنانے میں جو بھیانک رول ادا کیا ہے وہ مولانا ابوالحسن ندوی، جیسے زیرک انسان سے پوشیدہ نہ ہوگا، اختلاف و منافرت کے انگاروں پر تڑپتے تڑپتے امت مسلمہ اتنی بے حس ہو چکی ہے کہ اب اسے اپنی اور اپنے مذہب کی آبرو کا کوئی احساس نہیں ۔ تنقید فیشن بن چکی ہے ۔ اختلاف کا اظہار ایک آرٹ سمجھا جانے لگا ہے ۔ دوسروں کی پگڑیاں اچھالنا روزمرہ کی ضروریات میں داخل ہو چکا ہے۔ ایسے سنگین اور تباہ کن حالات میں اگر کوئی ... شخص انسانیت کو فروغ دینے کا بیڑا اٹھائے، تو اس کے قدموں کی خاک بھی اس لائق ہے اسے پلکوں میں جگہ دی جائے ۔ یہ شخص بہرحال قابل احترام ۔ اس کا پیغام، بلاشبہ اس لائق کہ اسے مکے اور مدینے کی فصیلوں پر سجا دیا جائے لیکن افسوسناک بات تو یہ ہے کہ انسانیت کے پیغام کو عام کرنے والے لوگ بھی اپنے خیالات کی تنگ و تاریک کوٹھری سے باھر نہیں نکل پاتے۔

مولانا ابوالحسن ندوی کے تیار کردہ دائروں میں جب "دھرم ویر" جیسے ہندو سمٹ جائیں تو خوشی ہوتی ہے۔ کہ انسان نے دوسرے انسانوں کو گلے لگا لیا ۔ لیکن جب ان دائروں میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی شخصیت نہ سما سکے تو پھر افسوس ہوتا ہے کہ ایک انسان نے دوسرے انسان کو نظر انداز کر دیا انسان ہونے کی حیثیت سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کسی دھرم ویر؎ سے کسی درجہ کم نہیں ۔ ان کو رسوا کرنے والی مہم میں شرکت یا ایسی کسی مہم کی کمر تھپ تھپانا بلاشبہ انسانیت اور اخلاق عامہ کے خلاف ہے دوسروں پر طعن کرنے والی باتیں علماء کے بارے میں بدگمانیاں پیدا کرتی ہیں اور ان ہی باتوں کی وجہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حلقہ پیام انسانیت ہو یا حلقہ پیام تصوف یہ بالعموم اپنے وجود کو پھیلانے کے لئے قائم ہوتے ہیں۔

خدا کرے کہ مولانا ابوالحسن ندوی کا تیار کردہ حلقہ دوسرے حلقوں سے مستثنیٰ ہو لیکن ہم اسے اس وقت تک مستثنیٰ نہیں سمجھ سکتے جب تک مولانا موصوف مسلم جماعتوں پر طبع آزمائی سے گریز کرتے ہوئے اُن حضرات سے بیزاری کا اظہار نہ کریں جو دوسروں کا قد گھٹانے اور اپنا قد، بڑھانے کیلئے "اسلام" اور "شریعت" کو آڑ بناتے ہیں ۔ اور جن کا مقصد بجز اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ دنیا انہیں کسی بارگاہ تصوف کا امام تسلیم کرتے

؎ کانگریس آئی کے صدر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتابِ مستند ہے یہ، نہیں ہے کوئی شک اِس میں — ذرا سا بیش و کم ہوگا نہ ہرگز حشر تک اِس میں

یہ قندیلِ ہدایت ہے خدا کے نیک بندوں کو — دوائے کارگر بخشی گئی ہے دردمندوں کو
خدا کے نیک بندے اپنی یہ پہچان رکھتے ہیں — کہ بن دیکھے ہوئے وہ "غیب" پر ایمان رکھتے ہیں
وہ اپنے آپ کو پابند رکھتے ہیں نمازوں کا — یہی تو ہے علاجِ دردمندی پاکبازوں کا
خدا کی دی ہوئی دولت برابر خرچ کرتے ہیں — نہ تنہا جیب بھرتے ہیں، نہ تنہا پیٹ بھرتے ہیں

وہ اِس قرآن کی آیات بھی برحق سمجھتے ہیں — گزشتہ ساری تعلیمات بھی برحق سمجھتے ہیں
یقیں رکھتے ہیں کامل، آخرت کی زندگی پر وہ — کبھی نازاں نہیں ہوتے حیاتِ عارضی پر وہ
یہی اللہ سے اپنے ہدایت یاب ہیں بے شک — بھیانک ظلمتوں میں مہرِ عالمتاب ہیں بے شک
یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب و کامراں ہوں گے — یہاں بھی شادماں ہوں گے، وہاں بھی شادماں ہوں گے

٢- سورة البقرة مدينة ٨٧

آيات ٢٨٦ ركوع ٤٠

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا
الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ	اس کتاب میں کچھ شک نہیں
هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ	راہ بتاتی ہے ڈر والوں کو
الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ	جو یقین کرتے ہیں بن دیکھا
وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ	اور درست کرتے ہیں نماز
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ	اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں
وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ	اور جو یقین کرتے ہیں جو کچھ اترا تجھ پر
وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ	اور جو اترا تجھ سے پہلے
وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۙ	اور آخرت کو وہ یقین جانتے ہیں
اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ	انھوں نے پائی ہے راہ اپنے رب کی
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝	اور وہی مراد کو پہنچے

تفہیم الحدیث

مخلوق سے میل جول

زندگی گزارنے سے بہتر ہے

"حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا — وہ مسلمان جو لوگوں میں گھلا ملا رہتا ہے ان میں آمد و رفت رکھتا ہے اور ان کی ایذا رسانیوں پر صبر سے کام لیتا ہے وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہے اور ان کی ایذا دہی پر صبر نہ کرے

اس روایت میں اس شخص کو بہتر قرار دیا گیا ہے جو خدا کی مخلوق کیساتھ گھل مل کر زندگی بسر کرے — اور زندگی کی راہوں میں قدم قدم پر ہونے والی دل شکنی کو برداشت کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ لطیف سا اشارہ اس بات کی طرف بھی کر دیا گیا ہے کہ بہر وہ شخص "غیر محمود" ہے کہ جو شخص مخلوق کی ایذا رسانیوں کے ڈر سے گوشہ عزلت میں بیٹھ جائے —

انسانوں کی بھیڑ میں زندگی بسر کرنے والا کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو ایذا رسانیوں سے محفوظ ہو۔ ہر شخص کو کسی نہ کسی سے کوئی نہ کوئی شکایت ضرور ہوتی ہے۔ برتن ٹوکرے میں ہوں اور نہ کھنکیں یہ ممکن ہی نہیں۔ اسی طرح کسی ایسے معاشرہ کا وجود بھی ممکن نہیں کہ جو مختلف برادریوں اور گھرانوں پر مشتمل ہو اور اختلاف و تکرار سے محفوظ و مامون ہو۔

معاشرہ اور برادری تو آگے کی چیز ہے کوئی گھر ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس میں ایک ساتھ رہنے والے ممبران آپسی بحث اور جھڑپ سے کلیۃً بچے ہوئے ہوں — اختلافات سے محفوظ رہنا ممکن نہیں — اختلافات تو ضرور پیدا ہوتے ہیں۔ اختلاف کو برداشت کرنا۔ اور اختلاف رکھنے والے حضرات کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا انسانیت کا کمال ہے۔

جو لوگ پہاڑوں اور غاروں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ محض اس لئے تاکہ مخلوق سے انہیں کوئی اذیت نہ پہنچے وہ کتنے ہی عبادت گذار ہوں — وہ دینِ محمدی کی رُو سے "بہتر" کہلانے کے حقدار نہیں۔ اس کے برعکس وہ حضرات یقیناً بہتر کہلانے کے مستحق ہیں جو خدا کی مخلوق سے ربط ضبط رکھیں۔ اسکے دُکھ سکھ میں شریک ہیں اور اسکی طرف سے پیش آنے والے شکایت کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے رہیں۔ اسلام میں رہبانیت کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام کو "معاشرتی" زندگی مطلوب ہے۔ اسلام اس زندگی کی مذمت کرتا ہے۔ جو تہہ خانوں میں بسر ہو — جو لوگ اسلام کے پرستار

ہیں۔ انہیں خدا کی مخلوق کے درمیان مشاکشی کی زندگی گذارنے میں جو اطمینان حاصل ہوتا ہے وہ اطمینان انہیں اس گوشۂ تنہائی میں میسر نہیں آسکتا، جہاں بظاہر سکون ہی سکون ہوتا ہے سکون درحقیقت ایک کیفیت کا نام ہے، یہ کیفیت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ بھیڑ میں زندگی بسر کرنے والے لوگوں کے قلوب غیر مطمئن ہوں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ تنہائی میں پڑے رہنے والے حضرات کے قلوب طمانیت سے بہرہ ور ہوں۔ مسلمان کے لئے سب سے زیادہ باعثِ سکون رسولِ خدا کی اتباع ہے۔ رسولِ خدا کی اتباع کرنے والے لوگ بھیڑ میں ہوں یا تنہائی میں ان کے اذہان و قلوب طمانیت و سکون کی دولتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ "حضرت ابو موسیٰ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی چیز کوئی شخص بھی اذیت پر صبر کرنے میں پروردگار عالم کا مثیل نہیں ہوسکتا۔ لوگ اس کے لئے اولاد تک ثابت کر دیتے ہیں (جو انتہائی افسوسناک حرکت ہے) مگر پھر بھی وہ اپنے بندوں پر مہربان نظر آتا ہے اللہ انہیں اپنی نعمتوں سے بھی سرفراز کرتا رہتا ہے۔"

([illegible])

[illegible] ایذا رسانی [illegible] والے کو معاف کر دینے کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ ہر انسان پیدا ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور رحمتوں کے بوجھ میں دب جاتا ہے۔ سب سے بڑی نعمت تو زندگی ہی ہے پھر زندگی گذارنے کا ہر ذریعہ اور وسیلہ بجائے خود ایک نعمت ہے، آنکھیں کان، دانت، ناک اور دیگر اعضاء اللہ کی دی ہوئی نعمتیں ہی ہیں۔ ان میں سے اگر کوئی ایک نعمت بھی فوت ہو جائے تو زندگی کا مزا کرکرا ہو جاتا ہے۔ بہرکیف انسان اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں دبا رہتا ہے۔ اس کے باوجود بھی وہ منعمِ حقیقی کی نافرمانی کرنے سے باز نہیں آتا۔ پھر بھی منعمِ حقیقی اپنے بندوں سے قدرت کے باوجود کوئی انتقام نہیں لیتا۔ وہ ان پر برابر اپنے احسانات و انعامات کی بارشیں برساتا رہتا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روایت کے ذریعہ اپنی امت کو اس بات کی ترغیب دی ہے کہ اذیت پر صبر و ضبط کر لینے پر قناعت نہ کریں، بلکہ "تخلقوا باخلاق اللہ" کے تحت ایذا دینے والوں پر اپنی عنایات و کرم فرمائی کے سلسلہ کو جاری رکھیں، اور برائی کا بدلہ برائی سے دیکر برائی کی جڑیں مضبوط کرنے کی مذموم کوشش نہ فرمائیں۔

عظمت اور اعلیٰ ظرفی کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ انسان ان لوگوں پر بھی احسان کرتا رہے۔ جو اس کے درپے ہوں ۔ صرف دوستوں سے معاملۂ ہمدردی اور صرف فائدہ پہنچانے والوں سے اظہارِ تعلق نہ انسانیت کا کمال ہے نہ اعلیٰ ظرفی کا مظہر۔ اعلیٰ ظرفی اور انسانیت کا کمال یہ ہے کہ انسان اپنے حاسدوں کو بھی محبت اور حسنِ اخلاق سے محروم نہ رکھے۔

سیرتِ شاہِ امم ﷺ

عفو و درگزر

حسن احمد صدیقی

لوگوں کی غلطیاں نظرانداز کرنا آپ کی عادات کا ایک اہم جزو تھا حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا ——— انتقام تو درکنار آپ ﷺ اپنے نفس کے معاملہ قصاص لینے سے بھی پرہیز کیا کرتے تھے۔ البتہ اگر کوئی احکاماتِ خداوندی میں گڑبڑ کرتا یا دیگر انبیاء کی توہین کا مرتکب ہوتا تو پھر آپ کے غصہ کی انتہا نہیں رہتی تھی۔

طائف کے میدان میں آپ ﷺ پر پتھروں کی بارش ہوئی ——— آپ ﷺ کے پاؤں لہو لہان ہوگئے ——— مگر آپ ﷺ کے لبوں پر دعاؤں کی اس سوغات کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

" اے خدا ان کو سمجھ عطا کر اور انہیں دولتِ اسلام سے مستفیض فرما۔"

قریش آپ ﷺ کو گالیاں اور دھمکیاں دیتے راستوں میں کانٹے اور غلاظتیں بچھاتے۔ آپ ﷺ کے گلے میں پھندے ڈال کر کھینچتے اور طرح طرح کی گستاخیاں کرتے، لیکن آپ کا برتاؤ قریش کے ساتھ ہمیشہ قابلِ تحسین رہا۔ کبھی کوئی حرفِ شکایت آپ کی زبان مبارک پر نہ آیا ——— ابوجہل جیسے لوگوں کی عمر بھر یہ خواہش رہی کہ ایک بار تو محمد ﷺ تلخ کلامی پر مجبور ہوجائیں تاکہ ہمیں حاشیہ آرائی کا موقع مل جائے لیکن تاریخ کے مقدس صفحات گواہ ہیں کہ ابوجہل اور اس کے ہمنواؤں کی یہ ذلیل خواہش کبھی پوری نہ ہوسکی۔ آپ ﷺ نے گالیوں کے جواب میں دعائیں دیں — پتھروں کے جواب میں پھول برسائے، نفرت کے بدلے میں محبّت تقسیم کی، اور بدخوئی کی پاداش میں حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کیا۔

ابوجہل خاص طور پر آپ ﷺ کا تعاقب کیا کرتا تھا ——— چیخ چیخ کر کہتا تھا کہ اے لوگو محمد ﷺ کی باتوں پر کان نہ دھرنا یہ تمہیں تمہارے مذہب سے برگشتہ کردے گا — یہ چاہتا ہے کہ لات و عزیٰ کی پرستش سے باز آجاؤ — یہ تمہیں (نعوذ باللہ) گمراہی کی دعوت دیتا ہے — آپ ﷺ یہ تمام باتیں سنتے رہتے — اپنی راہ چلتے رہتے، اور ابوجہل کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھتے۔

ایک بار آپ ﷺ ایک راہ سے گذر رہے تھے کہ کسی بدبخت انسان نے آپ کے سر پر مٹی ڈالدی — آپ ﷺ نے اس بدبخت انسان سے کوئی شکوہ نہ کیا — آپ ﷺ خاموشی کے ساتھ گھر واپس آگئے حضرت فاطمہ رضہ نے آپ ﷺ کے سر مبارک کو دھوتے ہوئے غم و غصہ کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فاطمہ رضہ کو صبر و ضبط کی تلقین کی اور فرمایا خدا تمہارے باپ کو اس کا اجر دے گا ———

حقیقت یہ ہے کہ اس پوری کائنات میں آج تک ایک انسان بھی ایسا نہیں گذرا جس نے آنحضور ﷺ کی طرح اپنے دشمنوں اور بدخواہوں کو اس فراخدلی سے برداشت کیا ہو، اور ان کی ہر گستاخی کو "طفلانہ شرارت" سمجھ کر نظرانداز کردیا ہو۔

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں

سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

مولانا عامر عثمانیؒ — زیرِ ترتیب کتاب کے چند اوراق

نوادر الفقہ

استعانت بالاولیاء

سوال :- از عبدالصمد۔ حیدرآباد دکن

تجلی ماہ دسمبر ۶۵ء مستقل عنوان "تجلی کی ڈاک" ذیلی سرخی "خودکشی کا مسئلہ" کے تحت آپ نے جو جواب سپردِ قلم فرمایا اور صبر کی جزا جنت کو سامنے رکھ کر مسلمانوں کو صبر و استقامت کی جو تلقین فرمائی بے حد پسند آیا۔ لیکن معروضہ یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کو مشرک اور دائمی جہنمی کہتے ہیں۔ یعنی اہل سنت والجماعت کے متفق علیہ مسئلہ "استعانت بالاولیاء" کو شرک اور اس کے ماننے والوں کو مشرک۔ حالانکہ اس مسئلہ کی قرآن وحدیث تائید کرتی ہیں۔ یہاں میں استعانت بالاولیاء کی تائید میں کتاب "حقیقت فاتحہ واستعانت بالاولیاء" طبع سوم از حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب مولوی کامل، موزن دکن صدر مجلس علمائے دکن وشیخ المعقولات وسابقہ ناظم جامعہ نظامیہ جو ہند و پاک میں مقبول ہوئی دو دلیلیں بجنسہٖ نقل کرتا ہوں جو حسب ذیل ہیں (۱)(۲) صفحہ ۲۱۔

(۱) حدیث شریف میں ہے جب کوئی شخص بحالتِ سفر راستہ بھٹک جائے تو "یا عباد اللہ اعینونی" کہے یعنی اے اللہ کے بندو میری اعانت کرو تو اللہ کے بندے اسکی ضرور رہبری کریں گے اور مدد فرمائیں گے (۲) ارشادِ باری ہے کہ فَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ یعنی صبر اور نماز سے مدد طلب کرو۔ صبر اور نماز بندوں کا فعل ہے تو کیا یہ غیر اللہ سے استعانت نہیں ہوئی؟ اس مضمون کی آیات اور احادیث صحیحہ بکثرت موجود ہیں۔ ضرورت ان کا علم حاصل کرنے اور سمجھنے کی ہے۔ بلا علم وفہم شرک و کفر کہنا بے جا جرأت اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی شان میں گستاخی و بے ادبی کا موجب ہے۔

لہذا اس سے ثابت ہوا کہ استعانت بالاولیاء کا عقیدہ جیسا کہ حضرات کہتے ہیں شرک نہیں ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ شرک کی سزا دائمی عذاب اور شہید کی جزا جنت ہے جو مسلمانوں اہل باطل یعنی مشرکین کے ہاتھوں مارے جا رہے ہیں کیا وہ عنداللہ شہید ہیں یا نہیں چونکہ آپ کے نزدیک مسلمانوں کا مذکورہ عقیدہ شرک اور مسلمانوں کی اکثریت شرک میں مبتلا ہے۔ اُمید کہ جواب تجلی کی قریبی اشاعتوں

میں عنایت فرمائیں گے۔

جواب :-

آپ نے غلط سمجھا کہ ہم مسلمانوں کو مشرک اور دائمی جہنمی کہتے ہیں۔ ہم نے جب بھی کسی عقیدے کے متعلق سے کسی کو مشرک کہا ہے اس سے مراد یہ رہی ہے کہ فلاں عقیدہ عقیدۃً مشرک ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے … حدیثوں میں زنا اور چوری وغیرہ کو افعال کافرہ میں داخل فرمایا گیا ہے لیکن یہ مطلب نہیں کہ ہر مسلمان زانی اور چور کافر ہو جاتا ہے۔ ریا کو شرک فرمایا گیا ہے لیکن ہم مسلمان کتنے ہی معاملات میں بار ہا ریا کاری سے کام لیتے ہیں، لیکن اس عمل سے ہم واقعتًا مشرک تو نہیں ہو جاتے۔

اس وضاحت کی روشنی میں ہمارا موقف و مسلک اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ کسی بھی اہل قبلہ کو ہم کافر یا مشرک قرار دینے کے حق میں نہیں البتہ جو اعمال وعقائد مشرکانہ ہیں انہیں لازمًا مشرکانہ کہنا پڑے گا چاہے وہ کسی مسلمان ہی کی فردِ عمل میں درج کیوں نہ ہوں۔

آپ کا یہ کہنا کہ "استعانت بالاولیاء" اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے ایسا ہی ہے جیسے کوئی قادیانی، یوں کہے مرزا غلام احمد کو نبی ماننا ہر پکے اور سچے مسلمان کا متفق علیہ عقیدہ ہے، آپ بتائیے اگر قادیانی حضرات اپنا لقب "سچا اور پکا مسلمان" رکھ لیں تو کیا آپ آمنا وصدقنا پکار اٹھیں گے؟

اگر نہیں —— تو انصاف فرمائیے کہ جن لوگوں نے واہی عقائد نکالے بدعتیں نکالیں، مشرکانہ تصورات نکالے وہ اگر اپنا لقب "اہل سنت والجماعت" رکھ لیتے ہیں تو کیا نادانوں اور سادہ لوحوں کے سوا کوئی اس قسم ظریفی پر لاحول پڑھے بغیر رہ سکے گا ——؟ ہم پوری ایمان داری اور جذبۂ خیر خواہی کے ساتھ آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ آج کے نام نہاد اہل سنت والجماعت نے "استعانت بالاولیاء" کا جو تصور رواج دے دیا ہے اس کا کوئی وجود نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں تھا نہ صحابہؓ کے عہد مسعود میں نہ تابعین کے زمانۂ خیر میں۔ چاروں اماموں کی فقہ آپ کے سامنے موجود ہے۔ اس کا ورق ورق دیکھ جائیے کہیں نہ ملے گا کہ "استعانت بالاولیاء" کا وہ سبق کسی امام نے دیا ہو جیسے آج کے خود ساختہ اہل سنت والجماعت دُہراتے پھرتے ہیں۔ اس کے برخلاف ایسی بے شمار وضاحتیں آپ کو کتب فقہ میں ملیں گی کہ غیر اللہ کو غائبانہ پکارنا حرام ہے اللہ کے سوا کسی کے بارے میں علم غیب کا عقیدہ رکھنا شرک ہے، قبروں پر چادریں چڑھانا اور چراغاں کرنا بدعت ہے۔

آپ نے سُنا ہوگا کہ آج کے اہل سنت والجماعت کے یہاں ایک وظیفہ عام ہے

یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئًا للہ

معروف ومستند مفتیوں نے جگہ جگہ اسے حرام وناجائز لکھا ہے۔ اگر استعانت بالاولیاء کا مروجہ تصور برحق ہوتا تو اس وظیفے کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی پھر کیا آپ یہ کہیں گے کہ نہ تو صحابہؓ وتابعین اہل سنت والجماعت تھے نہ ائمہ وفقہاء

اور کیا قرآن میں آپ اس طرح کی آیتیں نہیں دیکھتے کہ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىٕهِمْ غٰفِلُوْنَ (ان لوگوں سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو غیر اللہ کو پکارتے ہیں —— حالانکہ یہ غیر اللہ ان کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت سے نوازنے کے اہل قیامت تک نہیں ہو سکتے انہیں تو یہ بھی علم نہیں کہ کون انہیں کیوں اور کب پکارتا ہے)

رہیں "حقیقت فاتحہ واستعانت اولیاء" جیسی کتابوں تو ان کی احتیاج انہیں ہے جو براہِ راست قرآن وحدیث سے فیض حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ اس طرح کی کتابیں اگر عوام کے کسی حلقے میں مقبول ہو جاتی ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ علم وخبر کے میزان میں ان کا کوئی وزن ہے بلکہ وجہ صرف یہ ہے کہ اکثر عوام بے علم اور سادہ لوح ہیں —— ان کے دل ودماغ پر مشرکانہ ماحول کا زہر اثر انداز ہے۔ اور ان میں یہ سمجھنے کی صلاحیت ہے ہی نہیں کہ قرآن وحدیث سے کونسا استدلال واقعی استدلال ہے

اور کونسا فقط تمسخر اور کھیل — یہ جو آپ نے دلائل لکھے واقعہ یہ ہے کہ اہل علم و فہم کے نزدیک تو وہ ہرزہ سرائی اور تمسخر سے زیادہ کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے۔

یاعباد اللہ اعینونی اول تو حدیث ہے ہی نہیں۔ پھر اس میں اولیاء اور بزرگوں کا ذکر بھی نہیں ہے۔ عباد اللہ تو فاسق و فاجر اور کفار و مشرکین سبھی ہیں، حتیٰ کہ جن بھی عباد اللہ ہی ہیں۔ فرض کیجئے آپ صحرا میں جا رہے ہیں۔ راستہ گم کر بیٹھے۔ اب کوئی شخص آس پاس نظر نہیں آتا کہ راستہ پوچھ لیں۔ ایسی حالت میں آپ نے نعرہ لگایا کہ "اے اللہ کے بندو میری مدد کرو" تو ہو سکتا ہے کہ آپ کی آواز سُنکر اِدھر اُدھر سے کوئی آدمی مدد کو آہی پہنچے۔ یا ہو سکتا ہے کوئی جن وہاں موجود ہو اور وہ آپ پر رحم کھا کر شکل انسانی میں سامنے آئے اور راستہ بتا دے۔ اس فقرے سے آخر "استعانت بالاولیاء" کا عقیدہ کہاں سے نکل آیا — جاہلوں کو اجہل بنانا اور بات ہے۔ اس کے عقائد چلتے بھی عموماً جاہلوں یا کم عقلوں یا وہم پرستوں ہی میں ہیں دلیل کا کوئی سر پیر ہونا چاہیئے۔ کوئی علمی پیرایہ ہونا چاہیئے، محض تک بندی اور لفاظی کو دلیل نہیں کہتے۔

آپ ایک پڑھے لکھے سمجھدار آدمی ہیں۔ ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچئے کہ اگر قرآن میں استعینوا بالصبر والصلوٰۃ آیا ہے تو اس سے "استعانت بالاولیاء" کے اس عقیدے کا کیا جوڑ ہے جس پر گفتگو ہو رہی ہے صبر اور نماز کسی ذی روح مجسمے کا نام نہیں ہے اور ان سے مدد لینا ایسا ہی محاورہ ہے جیسے ہم بولتے ہیں کہ پیسے کی مدد سے ہمارا فلاں کام ہو گیا۔ اب ظاہر ہے کہ پیسہ کوئی جاندار چیز نہیں جس نے خود بڑھ کر ہماری مدد کی ہو بلکہ وہ بے جان چیز ہے جسے ہم خود استعمال کرتے ہیں، اسی طرح صبر ایک باطنی کیفیت کا نام ہے اور نماز ایک ظاہری عمل کا۔ یہ دونوں چیزیں آدمی میں مشکلوں کی برداشت اور بے خوفی اور عزم و جرأت پیدا کرتی ہیں لہٰذا حکم ملا کہ ان سے مدد لو، اب اگر قرآن میں اس آیت کا آجانا ہی اس بات کی دلیل بن گیا کہ مردہ بزرگوں کو غائبانہ پکارو اور مدد کی التجا کرو، تو آپ بتائیے ایک کافر و مشرک بھی یہ دعوے کرنے میں کیوں حق بجانب نہ ہوگا کہ آپ کے قرآن میں جب "غیر اللہ" سے یعنی صبر و صلوٰۃ سے مدد چاہنے کا حکم آگیا اور اسے آپ نے "استعانت بالاولیاء" کی دلیل مان لیا تو ہم کیوں نہ اپنے دیوی دیوتاؤں کو پکاریں اور کس لئے آپ ہمیں کافر و مشرک کہیں!

ایک موٹی سی بات بالکل معمولی عقل والا آدمی بھی دیکھ سکتا ہے کہ صبر و نماز سے مدد چاہنے کا حکم تو ایسی چیزوں سے مدد چاہنے کا حکم ہے جو آپ کے پاس موجود ہیں۔ صبر جس سے آپ مدد لیں گے آپ کے اندر ہی مطلوب ہے نہ کہ باہر کہیں اور۔ اور نماز جس سے آپ مدد لیں گے۔ وہ بھی آپ ہی کو پڑھنی ہے نہ کہ کسی اور کو — پھر بھلا وہ شخص لغو گو نہ سمجھا جائے گا جو اس حکم سے ان اولیاء کو پکارنے اور ان سے مدد طلب کرنے کا جواز پیدا کرے جو مر چکے جو دُور نہ جانے کہاں کس حال میں ہیں۔ جن کا سایہ تک ہمیں نظر نہیں آتا۔

یہ کہنا کہ بکثرت احادیثِ صحیحہ اور آیاتِ قرآنیہ سے استعانت بالاولیاء کا مروجہ عقیدہ ثابت ہوتا ہے ایسا ہی ہے جیسے یہ کہنا کہ بکثرت احادیث اور آیات سے شرک و بدعت کا جواز بلکہ استحسان ثابت ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے محترم بھائی! کہ جن لوگوں نے آجکل اپنا نام اہل سنت والجماعت رکھ لیا ہے ان کے ذہنوں میں شرک کی کوئی متعین تعریف یا واضح تصوّر پایا ہی نہیں جاتا۔ وہ بس یہ سمجھتے ہیں کہ جو لوگ صریح طور پر ہندو یا عیسائی یا یہودی وغیرہ ہیں ان کے اعمال و عقائد تو بیشک مشرکانہ کہلانے کے مستحق ہیں، لیکن جو لوگ اسلام کے نام لیوا ہیں وہ کچھ بھی عقیدہ رکھیں، کیسے ہی باطل تصورات میں مبتلا ہوں کچھ بھی اعمال و افعال کئے جائیں انہیں بھلا شرک کیسے چھو سکتا ہے۔

حالانکہ شرک تو ایک عقیدہ ہے ایک طرزِ فکر ہے ایک اندازِ نظر ہے۔ جو بھی اس میں مبتلا ہوگا مجرم قرار پائے گا۔ شرک اصل تعریف یہ ہے کہ جو خدا کے سوا کسی ہستی میں ایسے صفت و کو مانا جائے جو خدا ہی کیلئے مخصوص ہے آپ دل پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کیا قرآن میں صاف صاف نہیں کہا گیا کہ لایعلم الغیب اِلّاھو (خدا کے سوا کوئی علم غیب نہیں جانتا) کیا یہ وصف خدا کے سوا بھی کسی کا ہوسکتا ہے کہ واسطے اور ذریعے کے بغیر ہر جگہ سے ہر جگہ کی آواز سن لے اور مدد بھی کر ڈالے۔

طے ہے کہ اس وصف میں تو انبیاءؑ بھی شریک نہیں لہٰذا جب آپ گھر بیٹھے پکارتے ہیں کہ "یا علی مدد" — یا "اے فلاں بزرگ ہم پر فلاں مصیبت نازل ہوئی ہے ہماری مدد فرمایئے" — یا "یاعبدالقادر شیئاً للہ" — تو سوائے اس کے اور کیا مطلب ہوتا ہے کہ ہمارے خیال میں حضرت علیؓ اور حضرت عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت فلاں زندہ ہیں بلکہ عالمِ بالا سے بغیر کسی ٹیلی فون یا لاسلکی یا اور کسی ذریعے کے ہماری پکار فوراً سن لیتے ہیں یا طبیعت چاہ جائے تو مدد بھی کر گذرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اور تمام اہل ایمان کو شرک و بدعت کی نجاست سے بچائے۔ آپ خالی الذہن ہو کر فکر فرمائیں کہ اگر مُردہ بزرگوں کے بارے میں ہمارا یہی عقیدہ ہو کہ وہ عا بالا کی نامعلوم دوری سے بھی ہماری دعائیں سُنتے ہیں اور مدد بھی کرتے ہیں، ت کسی بت پرست کے اس عقیدے میں آخر کیا قباحت ہے کہ اس کے دیوتی دیو دُور دراز سے پکاریں سنتے ہی اور مدد کو پہنچنے کی اہلیت رکھتے۔

انسانیت کا رہبر کامل

یوں تو ہر دور میں بڑے بڑے درجے کے انسان نظر آتے ہیں لیکن انسانیت کے جس بلند مرتبے پر حضورؐ فائز تھے اور کریکٹر کا جو بلند ترین نمونہ آپؐ کی ذات میں موجود تھا وہ ہمیں تاریخ کے کسی دور میں نظر نہیں آتا یہی وجہ ہے کہ جس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ آپؐ نہ صرف اللہ کے نبی تھے بلکہ ہمارے لئے سب سے زیادہ قابل اعتماد بھی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر پوری انسانی تاریخ میں ہمیں ایسا کوئی انسان نظر نہیں آتا جو اتنے بلند کریکٹر کا حامل ہو۔ بلاشبہ آپؐ ہی کی ذات اس بات کی سزاوار ہے کہ اسے انسانیت کا رہبر کامل مانا جائے اگرچہ دوسرے انبیاءؑ بھی انسانیت کے رہبر تھے لیکن اس کا یقین بھی ہمیں حضورؐ ہی کے ذریعے سے آیا ہے دوسری کتابوں میں انہیں جس طرح پیش کیا گیا ہے وہ اس قابل بھی نہیں ہے کہ انہیں ایک معمولی اخلاق کے درجے کا انسان بھی مانا جائے ان پاکیزہ نفوس کی زندگیوں کو انکے ماننے والوں نے بہت سی اخلاقی خرابیوں سے آلودہ کر دیا اب ان کی صحیح زندگی کا ریکارڈ کہیں موجود نہیں ہے اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مکمل ریکارڈ اب بھی انسانیت کے لئے مشع راہ ہے، احادیث کے مجموعے کو دیکھ کر انسا حیران رہ جاتا ہے کہ آپ کی شخصی، نجی او اجتماعی زندگی کا کوئی پہلو بھی ایسا نہیں ہے جو صحابہؓ کی نظروں سے اوجھل ر گیا ہو۔

حضورؐ کی قابل اعتماد سیرت اور کامل ن کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو رہنما مانتا ہے تو بے چارہ اندھ ہے اسے نظر نہیں آتا کہ روشنی کدھر ہے اسے رہنمائی کے لئے ایک بہترین رہنما مل رہا ہے لیکن اس کی بدنصیبی دیکھئے کہ اسے چھوڑ کر ان لوگوں کو رہنما ماننے پر آمادہ ہے جن کے متعلق وہ خود بھی جانتا ہے کہ ان کی زندگی ہزاروں عیبوں سے پُر ہے ہمارا کام حضورؐ کو صرف خراجِ عقیدت ہی پیش کرنا نہیں بلکہ آپؐ کے اسوۂ حسنہ پر عمل بھی کرنا ہے اگر ہم اپنی زندگی میں آپؐ کی رہنمائی کا فائدہ حاصل نہ کریں تو خراجِ عقیدت پیش کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔

تجلی کی ڈاک

مدینہ منورہ میں حاضری کا مقصد

سوال ۱: ضیاء الدین، حیدر آباد

حیدر آباد میں بعض بریلوی حضرات کا دعوٰی یہ ہے کہ دیوبندی لوگ حج کے موقعہ پر مدینہ منورہ میں حاضری مسجد نبوی کی زیارت کی غرض سے دیتے ہیں، اور روضۂ اقدس کی زیارت کو ضمنی زیارت سمجھتے ہیں اور بہت سے دیوبندی روضۂ اقدس کی زیارت کے قائل ہی نہیں؟

آپ سے گذارش ہے کہ صحیح صورتِ حال سے آگاہ کریں۔

جواب:-

علماءِ دیوبند پر علمائے بریلی کی طرف سے بے شمار الزامات لگائے گئے ہیں۔ منجملہ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دیوبندی حضرات مدینہ منورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ مسجد نبوی کی زیارت کرنے کی وجہ سے جاتے ہیں۔

علمائے دیوبند کی غلطی صرف اتنی ہے کہ انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے بعد سب سے بڑا سمجھا ہے، جب کہ بریلوی حضرات کا کارنامہ یہ ہے کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا سے بھی بڑا تصور کرتے ہیں بس یہ ہے اس اختلاف کی بنیاد جس کے نقش ونگار مختلف صورتوں میں ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ کی طرف یہ بات منسوب ہوتی چلی آرہی ہے کہ وہ از خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیار کی بجائے مسجد نبوی کی زیارت کے قائل تھے۔ اس مسلک کو علمائے دیوبند کے سر مڑھ دینا شاطرانہ کذب بیانی کے سوا اور کچھ نہیں، علمائے دیوبند اس بات کے قائل ہیں کہ مدینہ منورہ میں حاضری روضۂ حضور کی زیارت کرنے کی غرض سے ہونی چاہئے۔

علمائے دیوبند کا متفقہ عقیدہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حقیقی جسم کے ساتھ حیات ہیں۔ اور آپ کے روضۂ اقدس پر پہنچکر جو درود وسلام پڑھے جاتے ہیں۔ انہیں آپ براہِ راست سماعت فرماتے ہیں۔

مسجد نبوی کی زیارت بھی ضروری ہے لیکن مدینہ منورہ میں حاضر ہونے کا اصل مقصد روضۂ اقدس کی زیارت کرنا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا ہے۔ جو شخص

یہ دعویٰ کرے کہ علمائے دیوبند روضۂ اقدس کے قائل نہیں یا وہ روضۂ اقدس کی زیارت کو ضمنی عبادت سمجھتے ہیں اس ہی سے دلیل طلب کیجئے تاکہ اسے بغلیں جھانکنے کی زحمت تو اٹھانی پڑے۔

ماتم محرم کی حقیقت

سوال ۲ (ایضاً)

ایامِ محرم میں ماتم کرنا کیسا ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

جواب ۲ :-

اسلام میں کسی کی یاد میں ماتم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام ایک حقائق پسند مذہب ہے وہ حقیقتوں سے راہِ فرار کی نہیں حقیقتوں سے نمٹنے انھیں برداشت کرنے اور ان کا مقابلہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

جس مذہب کا مزاج یہ ہو وہ کسی بھی بڑے آدمی کی وفات پر نوحہ و گریاں کرنے اور ہاؤ ہو کا شور مچانے کی اجازت کیسے دے سکتا ہے؟ اگر اسلام میں اس طرح کے ماتموں کی، کوئی گنجائش ہوتی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یومِ وفات پر ماتم کرنے مذہبی روایات کا اہم ترین جزو قرار پاتا۔ لیکن تاریخ کی ورق گردانی کرکے دیکھ لیجیے کہیں بھی اس طرح کی کوئی عبارت نظر سے نہیں گذرے گی جس میں آنحضور ص کے یوم پیدائش پر جشن منانے اور آپؐ کی یوم وفات پر محفل ماتم منعقد کرنے پر اکسایا گیا ہو۔

اسلام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کے نقشِ قدم پر چلنے کی ترغیب دیتا ہے، اسلام کی نظروں میں ذوات و اشخاص کی اظہارِ قدردانی کا بہترین طریقہ ذوات و اشخاص کی سیرتوں کو اختیار کرنا ہے نہ کہ انکی یادگاری میں جشن و ماتم کی محفلیں سجانا۔

سیدنا امام حسین رضؓ کی یومِ شہادت پر ماتم کرنے والوں میں محدود چند ہی افراد ایسے ملیں گے جو "سیرتِ حسین" میں رنگے ہوئے ہوں ورنہ اکثریت کا عالم یہ ہوگا کہ چہرے پر داڑھی نہیں ___ قلب میں نورانیت نہیں ___ ایمان میں وسعت نہیں ___ نگاہیں اسلام کی رحمت سے محروم دھڑکنیں جذبۂ حقانیت سے عاری۔ اعضاء و جوارح اسلامی وضع قطع سے بے بہرہ ___ لیکن یوم شہادت کا ماتم ہر سال ہوگا۔ اور اہتمام سے ہوگا ___؟

شہادت ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے ___ شہادت کے دن خوشی کے بجائے رونا ان ہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو روحِ اسلام سے ناواقف ہوں۔ نبی کے بعد صدیق اور صدیق کے بعد سب سے بلند و بالا شہید ہی ہوتا ہے۔ اگر اسلام میں جشن و ماتم کی گنجائش ہوتی تو ہم امام حسین رضؓ کے یومِ شہادت پر ماتم کے بجائے جشن کی محفلیں منعقد کرتے ___ اور اس بات پر خوشی کا اظہار کرتے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو حق تعالیٰ نے شہادت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز کیا۔

افسوس ہوتا ہے ان لوگوں پر جو امام حسین رضؓ کو منصبِ جلیل نصیب ہوجانے پر شکر کے سجدوں کے بجائے ناشکری کے آنسو بہاتے ہیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ وہ اسلام کی کوئی اہم خدمت انجام دے رہے ہیں ___ ضمنی طور پر چند باتیں مزید عرض کر دی گئی ورنہ آپ کے مختصر سوال کا مختصر جواب تو صرف یہی ہے کہ اسلام میں کسی بھی شخصیت کے یومِ وفات پر ماتم کرنے کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔

طلاق کا ایک مسئلہ

سوال ۳ محمد شمیم رضا بیگوسرائے

میرے ایک سوال کا جواب ضرور دیدیں۔

زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں۔ لیکن طلاق دیتے وقت گواہ کوئی نہ تھا۔ اب وہ شخص طلاق کا انکار کر رہا ہے۔ اور بیوی کا بحلف بیان یہ ہے کہ وہ تین طلاق دے چکا ہے، ایسی صورت میں کیا طلاق واقع ہوگئی۔ از راہِ کرم اس کا جواب ضرور دیں۔ ممکن ہو تو تجلی میں چھاپ دیں۔

جواب ۳ :-

وقوع طلاق کیلئے فی نفسہٖ گواہی ہونا ضروری نہیں ہے۔ طلاق اگر ...شتہ خلوت میں بھی دیجائے گی، ...بھی واقع ہو جائے گی۔

البتہ اگر خاوند انکار کرے اس ...نے طلاق نہ دی تو پھر ثبوتِ طلاق کے ...لئے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتو...ں کی گواہی ضروری ہوگی — گواہوں میں ...م از کم ایک مرد کا ہونا ضروری ...ہے۔ چار عورتوں کی گواہی بھی اس ...معاملہ میں ناقابلِ اعتبار سمجھی جائے گی۔

لیکن عورت کا حلفیہ بیان یہ ہے کہ ...اس کے خاوند نے اسے صراحتاً تین ...طلاق دے ڈالی ہیں تو اس کے لئے ...ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو مطلقہ ...تصور کرے اس کیلئے اب یہ جائز نہیں ...ہوسکتا کہ وہ اپنی ذات کو اپنے خاوند کے سپرد کر دے — اگر اس نے جذبات ...میں آکر یا خاوند کے بہکانے پھیلانے ...کی وجہ سے اپنی ذات کو خاوند کے ...سپرد کر دیا تو وہ بھی گناہگار ہوگی ...اور خاوند تو ہے ہی گناہگار کیوں کہ ...طلاق دینے کے بعد صاف طور پر انکار ...کر رہا ہے گویا کہ وہ کذبِ مبین کا ...مظاہرہ کر رہا ہے جو بجائے خود ...گناہِ کبیرہ ہے۔

اسلامی قانون کے اجنبی ہو جانے ...کی وجہ سے اس طرح کے مسائل میں ...مسلمان عورتوں کو بڑی چیرہ دستیوں ...کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے — خوفِ خدا اور شرم دنیا سے محروم لوگ اپنی معصوم بیویوں کو معمولی معمولی باتوں پر طلاق دے ڈالتے ہیں اور پھر کسی مصلحت کی وجہ سے طلاق کے منکر ہو جاتے ہیں انہیں لمحہ بھر کے لئے بھی اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ انہیں آخرت کی عدالت میں حاضری دینی ہے جہاں ذرّے ذرّے کا حساب ہونا اور ان لوگوں کی سخت گرفت ہونی ہے جو خدا اور رسول کے قائم کردہ حدود سے تجاوز کرتے ہیں آپ زید کو سمجھائیے کہ وہ خدا کے بنائے قانون کی توہین کرنے سے باز آجائے ورنہ کسی سخت آزمائش میں مبتلا ہو سکتا ہے

تجلی کی ڈاک

کے سلسلہ میں چند گذارشات

- ایک دفعہ میں تین سوالات سے زیادہ ارسال نہ کریں۔
- سوالات خوشخط اور صاف صاف لکھے ہوئے ہوں۔
- بعض حضرات ہندی میں سوالات ارسال کر دیتے ہیں اس سے ہمیں پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔ ہندی داں حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اپنے سوالات کو اُردو زبان میں ترجمہ کرا کر بھیجیں۔
- ضروری نہیں ہوتا کہ سوالات تجلی ہی میں چھپ جائیں صفحات کی قلت اور اشاعت میں تاخیر کی بنا پر اکثر سوالوں کے جوابات ڈاک ہی سے دینے پڑ جاتے ہیں، لیکن صرف ان سوالوں کے جوابات ڈاک سے ارسال کئے جاتے ہیں جن کے ساتھ پتہ لکھے ہوئے لفافے موجود ہوں —
- کافی خط فائل میں ایسے جمع ہو چکے ہیں جن کے ساتھ جوابی خط موجود نہیں تھے کوشش کر رہے ہیں کہ عنقریب تجلی کا کوئی خاص نمبر چھاپ کر یہ سب خطوط اس میں یکجا کر دیں۔ جن حضرات کے سوالات وقتی ہوتے ہیں انہیں تو جوابات فوراً ہی روانہ کر دیئے جاتے ہیں اور بسا اوقات ادارہ ڈاک کے مصارف بھی خود ہی برداشت کر لیتا ہے لیکن مناسب یہی ہے کہ سوالات ارسال کرنے والے حضرات جوابی لفافے ضرور روانہ کر دیا کریں تاکہ ادارہ پر بے وجہ بوجھ نہ پڑے —

مینجر تجلی

شرک کا آغاز کس طرح ہوتا ہے

نیکوں کی باتیں نیک اور پاکوں کی باتیں پاک ہوتی ہیں، صلحاء اور عبادت گذار بندے بلاشبہ اللہ کے مقرب ہوتے ہیں ان میں سب سے بلند وارفع مقام انبیاء علیہم السلام کا ہے اللہ انکی دعائیں قبول فرماتا ہے اور پیام الٰہی و دعوت و تبلیغ و رسالت میں انکی تائید الٰہی ہوتی ہے ان سے خوارق عادات اور معجزے ظاہر ہوتے ہیں، انکی زندگی ممتاز، ان کا طریق عمل پاک، ان کی سیرتیں بے داغ اور دوسروں کیلئے نمونہ ہوتی ہے اسی طرح اولیاء کرام و بزرگانِ دین کا حال ہے عبادت و ریاضت سے ان کے قلوب مصفیٰ زہد و تقوٰے ان کے نفوس مزکی ہوتے ہیں، انکی دعائیں اللہ قبول فرماتا ہے، ان کی بہت سی پیشین گوئیاں سچی ہوتی ہیں ان کے بہت سے کشف سچے ہوتے ہیں، جب لوگ انبیاء علیہم السلام کو معجزات وکرامات دیکھتے ہیں تو ان، لوگوں پر حیرانی و ذہول کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، اور انہیں ایسے برگزیدہ افراد سے حسنِ ظن پیدا ہوجاتا ہے کچھ عرصہ کے بعد رفتہ رفتہ یہ عقیدت و محبت اپنے جلو میں احترام و تقدس کے ہزاروں مراسم وآداب ساتھ لاتی ہے اور کچھ لوگ ایسی برگزیدہ و پاک ہستیوں کو انسان سمجھنا اور عام انسان کی طرح انہیں مخاطب کرنا گستاخی اور سوءِ ادب سمجھتے ہیں یہ جذبۂ احترام تدریجاً، تقدس و عبادت کی شکل اختیار کرلیتا ہے، ان کے معجزات وکشف وکرامات کی حکایات سن کر انہیں یقین ہوجاتا ہے کہ عالم کی تمام مخفی طاقتیں براہِ راست ان کے دستِ تصرف میں ہیں۔ وہ چاہیں تو اپنے عزم وارادہ کی بے پناہ طاقت سے غریب کو امیر اور گدا کو شاہ بنا سکتے ہیں، وہ مُردوں کو زندہ کرسکتے ہیں اور بیماروں کو شفا دے سکتے ہیں اور بے اولادوں کی خالی گودوں کو اولاد سے ہری بھری کر سکتے ہیں، ان کی ہر مراد پوری کرسکتے ہیں، وہ قوائے طبعی اور اسباب مادی کے توسط کے بغیر اپنی مرضی سے سب کچھ کرسکتے ہیں، چونکہ ایسے افراد کو تدبیرِ عالم میں دخیل و مؤثر سمجھا جاتا ہے اس لئے اللہ تعالےٰ کی عبادت اور اس سے تقرب کا ذریعہ ان بندگانِ خدا یا مخلوقاتِ خدا کی پرستش میں مضمر سمجھا جاتا ہے، مشرک اللہ کی عبادت کے منکر نہیں ہوتے بلکہ ان کا عقیدہ ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات اس قدر ارفع اور بلند ہے کہ ان کی عبادت، انکی نیازمندی اور انکی عبدیت کا اخلاص اسکی بارگاہ تک نہیں پہنچ سکتا لہٰذا ان برگزیدہ ہستیوں ہی کے ذریعہ اس کا تقرب حاصل ہوسکتا ہے چنانچہ قرآن کریم نے مشرک کے قول کو اس عقیدۂ باطل کی تردید کے لئے نقل کیا ہے۔

وما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفىٰ

"ہم انکی (معبودانِ باطل) اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں"

ایسے لوگوں کے دلوں میں یہ یقین

ناگزیر ہوتا ہے کہ ان برگزیدہ ہستیوں کو بغیر راضی کئے ہوئے ان کے اعمال قبول نہیں ہو سکتے، نہ انکی دعائیں قبول ہو سکتی ہیں، نہ انکی عبادتیں قبول ہو سکتی ہیں، نہ ان کی مرادیں پوری ہو سکتی ہیں نہ انکی نذریں، کیوں کہ یہ کارگاہِ عالم ان کے نزدیک ایسی شہنشاہیت ہے جس میں ہزاروں چھوٹے چھوٹے بادشاہ ہیں اور ان سب کا ایک شہنشاہ ہے اس شہنشاہ نے اپنے ماتحت بادشاہوں کو خلعتِ ملوکیت سے سرفراز کیا ہے اور انہیں بہت سے اختیارات دیدیئے ہیں اب یہ شہنشاہ کسی فرد کی کوئی درخواست بغیر اپنے ماتحت کی سفارش کے نہیں سنتا۔ لہٰذا انکو راضی رکھنا اور انکی تعظیم بجالانا ضروری ہے ٹھیک اسی طرح مشرکین کا عقیدۂ باطل ہے کہ اللہ کے نیک بندوں نے اپنی ریاضت وعبادت، زہد وتقوے سے اللہ کو راضی کر لیا ہے اور اس نے انہیں خلعتِ الوہیت سے سرفراز کیا ہے اور تدبیر عالم میں وہ براہِ راست دخیل ہے، عالم کی مخفی قوتیں انکے دست تصرف میں ہیں اور نفع نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتے ہیں تدبیر عالم کے ساتھ عبادت کا تصور لازم وملزوم ہے، کیوں کہ جس ہستی کو کو مدبر عالم مانا جاسکے گا، جس کے ہاتھ میں نفع وضرر کی کلید ہوگی اس کی عبادت ناگزیر طور پر کی جاسکے گی شرک کا سرچشمہ یہی باطل عقیدہ ہے شرک کے تمام مظاہر پیدا ہوئے اور زمانہ قبل اسلام میں شرک وکفر عام ہوا یہود ونصاریٰ نے حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کو اسی تقرب ومحبوبیت کی بنا پر اللہ کا بیٹا کہا اور خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسیٰ کو ان کے معجزات اور بن باپ کی پیدائش کی وجہ سے اللہ کا درجہ دیا بلکہ عین اللہ قرار دیا۔ مسلمانوں میں اولیاء اور صوفیاء کرام کے متعلق بعض نام نہاد مسلمانوں میں اسی قسم کا عقیدہ پایا جاتا ہے ان کی قبروں پر اسی عقیدۂ باطل اور غلو محبت کی وجہ سے سجدہ تک کیا جاتا ہے، ان سے مرادیں مانگی جاتی ہیں، خود رسول کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ لوگ بشر نہیں سمجھتے اور بشر کہنے والوں کو گستاخ بےادب اور آدابِ رسالت سے بےخبر کہتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں عالم کی تمام مخفی طاقتیں ہیں۔ اور ایک من چلے شاعر نے تو یہاں کہہ دیا ہے ؎

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے

(معاذ اللہ)

قرآن کریم نے سب سے پہلے توحید کی دعوت دی لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کا اعلان کیا اور تیرہ برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مکی زندگی میں اسی توحید کی تبلیغ فرمائی، اس ساری مدت میں نماز کے سوا کسی دوسرے حکم پر اس تفصیل کے ساتھ قرآن حکیم نے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زور نہیں دیا، ایاک نعبد وایاک نستعین (ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں) کو ہر نماز میں دہرایا اس کو عملاً مسلمانوں کی زندگی کا جز بنایا گیا۔ اور غیر اللہ سے ہر قسم کا غیر مرئی رشتہ توڑ دیا گیا ماسوا اللہ کے ہر ایک کے عجز وضعف اور اللہ کے مقابلے میں اسکی بےچارگی اور درماندگی کی تلقین کی گئی۔ لارافع لمن وضعہ اللہ ولا واضع لمن رفعہ اللہ۔

اللہ جس کو پست کرے اس کو کوئی بلند کرنے والا نہیں اور اللہ جس کو بلند کرے اسے پست کرنے والا نہیں۔

نفع ونقصان راحت وتکلیف، امارت وغربت، خوش حالی وتنگدستی، صحت وبیماری، زندگی وموت کا تعلق صرف قضاء وقدرت سے وابستہ کر کے تمام معبودانِ باطل اور غیر اللہ کے متعلق اس غلط عقیدہ کو مٹا دیا کہ وہ کسی کو بطورِ خود کسی قسم کا نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں۔ یا ان کے ہاتھ میں تدبیر عالم کی مخفی طاقتیں ہیں۔

قبروں پر مسلمانوں کا ایمان کا بھرم
اور اس پر مجاوروں کی وہ ذخیرہ نگاہی

ایک صاحبِ نظر کہ

مفـ ـر کہیں جسے

۱۹۷۲ء کی بات ہے ــــ میں درسگاہ اسلامی تارہ بل میں تیسری جماعت کا طالبعلم تھا۔ لوگوں میں اس درسگاہ کا نام "مودودی سکول" مشہور تھا ــــ اور یہ لفظ مودودی اُس وقت میری سمجھ سے بالاتر تھا۔ ــــ غالباً اس کے ایک سال بعد میں نے "خطبات" کے نام کی ایک چھوٹی سی کتاب دیکھی تھی، اور اسی کتاب کے سرورق میں نے "ابوالاعلیٰ مودودی" کا نام پڑھا تھا اور ــــ اس وقت یہ نام مجھے بالکل الف لیلوی کردار کا سا نام لگا تھا۔

یہ تھا مولانا مودودی رحؒ کے ساتھ میرا پہلا تعارف ــــ وقت گذرتا گیا، مجھ میں کچھ سوچنے سمجھنے کی شدھ بدھ پیدا ہونے لگی ــــ اور آہستہ آہستہ میں ان کی لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کرنے لگا ــــ لیکن مجھے صحیح طور پر معلوم نہیں کہ اُن کے ساتھ ذہنی رشتہ میں نے کب استوار کیا تھا ــــ اور مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ ایسا مضبوط ذہنی رشتہ میں کسی دوسرے شخص کے ساتھ استوار نہیں کر سکا ــــ

یوں تو مولانا مودودی رحؒ کسی درسگاہ کے باقاعدہ فاضل نہ تھے مگر اپنے مطالعہ سے اتنی استعداد کر لی تھی کہ بڑے بڑے علماء و فضلاء ان سے مرعوب رہتے تھے ــــ مولانا نے فتنہ و الحاد کا تعاقب اسلام کے ایک وکیل کی حیثیت سے اس طرح کیا کہ ــــ باطل کو دفاعی پوزیشن اختیار کرنی پڑی۔

مولانا مودودی رحؒ دورِ حاضر کے تمام باطل نظریات پر اچھی خاصی نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے علم و عقل کی، روشنی میں ان نظریات کا آپریشن کر کے انہیں غلط ثابت کیا ــــ بلاشبہ ان کا اشہبِ قلم ایک بڑی مدت تک شمشیرِ برہنہ بن کر حق و استدلال کے نام پر اُگنے والے باطل و خرافات کے جنگلوں کو کاٹتا چھانٹتا چلا گیا۔

اس وقت ــــ جب طرح طرح کی بُرائیاں اس تیزی سے اپنے حجم، تنو اور پھیلاؤ میں اضافہ کر رہی تھیں، جس طرح برسات میں گھاس اُگتی ہے ــــ اسوقت ــــ جب قوم کی حالت ایک ایسے مریض کی سی ہو گئی تھی ــــ جس کے عوارضات فہرست میں روزانہ ایک نئے عارضے کا اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہو ــــ اُن کے قلم نے انگڑائی لی ــــ اور تمام فتنے دَم توڑ گئے۔ مولانا مودودی رحؒ کے علم و تحقیق نے اس طرح اپنا تنور اور چاندنی لٹائی کہ مسلم کے دل و دماغ کی تاریکیاں چھٹنے لگیں۔

باطل ــــ مولانا مودودی رحؒ کی اٹھائی ہوئی تحریک اسلامی کی پکار کو دو دھاری تلوار کی ضربِ کاری سمجھ کر مولانا کے خلاف سازشوں کے تانے بانے تیار کرنے لگا ــــ زمانے کی تیز و تند ہوائیں چلیں، مخالفت کے طوفان آئے ــــ مگر مولانا مودودی عزم و ہمت کا ایک ہمالیہ پہاڑ بن کر اسلام کے موقف پر ڈٹے رہے ــــ

پست قد اور بونے ٹائپ کے لوگ مولانا مودودی رہ کو قطب مینار کی طرح بلند دیکھکر بوکھلا گئے ——— اور مولانا مودودیؒ پر تہمتیں لگائی گئیں، اُن کی عظمت پر خاک اڑائی گئی ——— لیکن ہوا کچھ نہیں کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ آسمان پر تھوکنے والے اپنے ہی چہروں پر ذلت کی سیاہی ملنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ——— آسمان کی رفعت اپنی جگہ برقرار رہتی ہے اور اسے ہمیشہ بلند و برتر ہی رہنا ہے۔

اسلام دشمنوں کی دشمنی مولانا مودودی رہ کے بڑھتے ہوئے قدم روک نہیں سکی ——— مولانا کے زبان و قلم نے بدعات، خرافات اور بدعقیدگی کے سرد خانوں میں رہنے والے لوگوں کے خلاف کھلا جہاد شروع کیا ——— وہ علی الاعلان ان لوگوں کی مزاج پرسی کرتے رہتے جنکی دینی حرارت سرد پڑ چکی تھی ——— مغربی تہذیب اور روسی کمیونزم کے اوندھے اور تاریک غاروں میں گرتے ہوئے لوگوں کو انہوں نے دوٹوک الفاظ میں خبردار کر دیا۔ کہ جن راہوں پر تم سرپٹ دوڑ رہے ہو وہ راہیں غلاظتوں سے لبریز ہیں انپر چل کر تمہیں حق کی خوشبو اور عقیدے کی پاکیزگی نصیب نہیں ہو سکتی ان راہوں پر چل کر تمہیں اس پروردگار کی خوشنودی حاصل نہیں ہو سکتی جس کی خوشنودی حاصل کرنا اس دنیا میں انسان کا سب سے بڑا مقصد ہے دین حق کی خدمت کرتے ہوئے مولانا نے خیال نہیں کیا کہ ——— دنیا انکی تعریف کرتی ہے یا تنقید کی محفلیں سجاتی ہے۔ لوگ واہ واہ کرتے ہیں، یا مذاق اُڑاتے ہیں۔ انہوں نے اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ وقت اُنکی گردن حیات کو پھولوں کے گجرے بخشتا ہے یا طوق و سلاسل ——— بلکہ وہ نتائج سے بے پرواہ ہو کر اسلام کی خدمت کرتے رہے اور ——— لوگوں کو بدستور خدا پرستی، انسان دوستی اور آخرت پسندی کا درس دیتے رہے ان کی تحریروں میں بلا کی کشش تھی ——— بلاشبہ وہ دنیائے تحریر کے سکندر تھے۔

مولانا مودودی رہ کا جسم اس چراغ کی مانند تھا جو خود تو جل جاتا ہے مگر دوسروں کو روشنی عطا کرتا ہے ——— ان کی زندگی کا مقصد ہی اندھیروں سے ٹکرانا تھا ——— جو اندھیرے ہر اُس اُجالے کے حریف ہوتے ہیں جس اُجالے کی موجودگی میں انسانیت اپنا سفر حیات طے کرتی ہے ——— دین کی سربلندی کیلئے ——— مولانا مودودی رہ، اپنوں کی مخالفت اور بیگانوں کی الزام تراشی سہتے رہے اور ——— آخرت کو اپنی منزل بنائے ہوئے راہ حق جیسے سنگلاخ رستے پر ہر طرح کی صعوبتیں اُٹھاتے ہوئے چلتے رہے

ان کی زندگی نے جہاں اور بہت سی تعلیم دی وہاں یہ بھی سبق دیا کہ آدمی کام کرتے وقت صرف اپنے مقصد اور نصب العین پر نظر رکھے ——— اسے اس سے غرض نہیں ہونی چاہیئے کہ دنیا اسکی تعریف کر رہی ہے یا تنقید زمانہ اُنکی کوششوں کی سراہنا کرتا ہے، یا مخالفت لوگ تحسین و آفریں کے پھول برساتے ہیں یا ذلت کے کنکر۔

دنیا کی کم ذوقی اور ناقدری نے سینکڑوں باکمال مفکرین کے رُخ تاباں پر گمراہی کی سیاہ چادریں ڈالدیں ——— مولانا مودودی رہ کے ساتھ ہرگز ہوا مگر ——— یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم اُنکی قدر دانی کا حق ادا نہیں کرسکے اس کے باوجود ——— جب تک دنیا میں علمی کمال اور تاریخی حقائق کا سلسلہ جاری رہے گا آپ کے نام کی گونج بھی سنائی دیتی رہے گی۔

مولانا تو اللہ کو پیارے ہو گئے، لیکن ——— ہم اُنکی عظیم اجتہادی کارناموں کی اہمیت اور عظمت سے منہ موڑ نہیں سکتے ہیں اور حقیقت میں ——— مولانا مودودیؒ کا نام اسلامی مفکرین اور مجتہدین کی صف میں نمایاں جگہ پر لکھا جائے گا۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما!

صحابہ کیا تھے؟

شمس نوید عثمانی

امتِ مسلمہ کیلئے

صحابۂ کرام کے واقعات گنج گرانمایہ کی حیثیت رکھتے جہاں رہنماؤں کی رہنمائی کام نہ کرے وہاں صحابۂ کرام کا طرزِ زندگی نئی نئی راہیں کھولتا ہے۔

پورے قرآن پر عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نہیں کیا ـــــ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو صحابۂ کرام کے سوا کسی نے پوری طرح نہیں اپنایا ـــــ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگ جانے کی وجہ سے صحابۂ کرام کو "رضی اللہ عنہ، ورضوا عنہ" جیسی بشارتیں نصیب ہوتیں۔

صحابۂ کرام کے واقعات نے صرف دلوں کو محظوظ نہیں کیا بلکہ سیرت سازی میں وہ اہم رول ادا کیا ہے کہ جسکی مثال دنیا کی کوئی تاریخ پیش نہیں کر سکتی ـــــ اضطراب افزا فکری لادینی و خدا بیزاری بے عملی و بد کرداری تشکیک و الحاد کے موجودہ پرفتن دور میں صحابۂ کرام کے واقعات کو بار بار پڑھنے کی ضرورت ہے۔ یہی واقعات ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں گو یہ واقعات بجائے خود اپنے اندر عجیب طرح کی حلاوت اور کشش رکھتے ہیں۔ لیکن شمس نوید عثمانی کے موثر قلم نے ان میں جو سوز و گداز بھر دیا ہے وہ بھی بجائے خود دل و دماغ کو جھنجوڑنے اور روح و احساس کو تڑپانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے ـــــ

ہم انتہائی اعتماد کے ساتھ ان واقعات کو قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ انہی واقعات سے ہماری زندگیاں سدھر جائیں۔

(اداریہ)

"عقل" کی عظمت و برتری کو انسانیت نے شاید جو سب سے بڑا خراجِ عقیدت پیش کیا وہ یہ تھا کہ "بیوقوف دوست کے مقابلے میں عقل مند دشمن زیادہ قیمتی ہے۔"

اور ــــ مغیرہؓ بن شعبہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے ایک عقل مند دشمن تھے۔ ایک ایسے زیرک و دانا انسان جو اپنی دانائی اور فراست کو استعمال کرنا بھی خوب جانتے تھے۔ قبیصہ بن جابر نے ان کی ذہانت اور حسن تدبّر کی داد دیتے ہوئے کہا تھا:۔

"اگر کسی شہر کے آٹھ دروازے ہوں اور ان میں سے کسی ایک میں سے بھی ہوشیاری و چالاکی کے بغیر گذرنا دشوار ہو تو مغیرہؓ ان لوگوں میں سے ہیں جو ایک نہیں آٹھوں کے آٹھوں دروازوں سے پار ہو جائیں گے۔"

ان کی اصابت رائے کا یہ عالم تھا کہ جب بھی کسی معاملے میں کوئی رائے پوری طرح قائم کر لیتے تو ہزار الٹ پھیر کے بعد بھی وہی رائے اس معاملے میں صحیح حل کا واحد راستہ ثابت ہوتی تھی ــــ اور خود اعتمادی اس درجے کی تھی کہ اپنی رائے پر پہاڑ کی طرح جم جایا کرتے تھے۔ اس اصابت رائے کا ثبوت اور خود اعتمادی کا جواز یہ تھا کہ انھوں نے بڑی بڑی گتھیاں چٹکی بجاتے سلجھا کر رکھ دی تھیں، اس طرح وہ ایسے صاحب الرائے آدمی تھے جس نے دنیا سے اپنا لوہا منوا لیا تھا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد جب وہ بحرین کے گورنر مقرر ہوئے اور عہدِ فاروقی میں وہاں والوں نے ان پر ایک لاکھ کی رقم میں خیانت کی سازش گھڑ کر عدالت میں پیش کی تو اس لرزہ خیز اور ہوش ربا تہمت پر بدحواس ہونے کے بجائے انھوں نے تہمت کے جواب میں تہمت کی جنگی چال کھیلی اور دشمنوں کا سارا موقف خود ان کے ہاتھوں تہ و بالا کر ڈالا۔ ـ اس الزام کے جواب میں اپنی صفائی کے بجائے انھوں نے عدالت سے کہا:۔

"میں نے ایک نہیں دو لاکھ جمع کئے تھے! ــــ ایک لاکھ کی رقم یہ الزام لگانے والے خود دبا گئے ہیں۔۔۔"

مدعی گروہ نے یہ الفاظ سنے تو اس کا ایک ایک لفظ ان کے ہوش اڑاتا چلا گیا! ــــ لینے کے دینے پڑ گئے! اور ــــ راہ فرار اب صرف یہ باقی رہ گئی کہ یہ خیانت کا الزام ہی سرے سے غلط ثابت ہو جائے تاکہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں ایک ایک لاکھ کی ادائیگی سے نجات حاصل کر سکیں چنانچہ خود سازش کرنے والوں نے تحقیقات کا مطالبہ کیا اور تحقیقات کا یہ نتیجہ نکلوانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ مغیرہ نے کوئی خیانت ہی نہیں کی!! ـ اور جب یہ برأت کی کارروائی پوری ہو گئی تو حضرت عمرؓ جیسے عقل مند نے خود مغیرہؓ ہی سے یہ بات سمجھنے کی کوشش کی کہ صفائی کے بجائے خود الزام کو تقویت پہنچانے کا مقصد آخر کیا تھا؟ ــ مغیرہؓ نے جواب دیا:۔

"دشمنوں نے تہمت لگائی تھی اور اس قدر منظّم کہ نجات و سرخروئی کے تمام دروازے بند کر دیئے تھے۔ لیکن وہ یہ نہ جانتے تھے کہ تہمت کو خود اسی تہمت سے توڑ ڈالنے کا دروازہ کھلا رہ گیا ہے!"

جس مغیرہ کی ذہنی رسائی کا یہ عالم تھا، وہی مغیرہؓ آخر آخر یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہوئے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسولؐ ہیں اور اسلام ہی دینِ حق ہے ــــ وہ مغیرہؓ جو ایک بار کوئی رائے قائم کر لینے کے بعد اس رائے میں ردّ و بدل کرنے کا نام تک نہ جانتے تھے، دس پندرہ سال تک اسلام اور پیغمبرِ اسلامؐ کی مخالفت و مزاحمت کی رائے پر چلنے اور چلانے کے بعد ۵ھ میں اس ٹھوس نتیجے پر کشاں کشاں آ پہنچے کہ ان کی یہ رائے ایک عظیم فکری غلطی تھی اور اسلام اور پیغمبرِ اسلام کا موقف حق و صداقت کا مظہرِ اتم ہے ــــ اور یہ رائے ان کی زندگی کی وہ آخری رائے تھی جس پر وہ عمر بھر ثابت قدم رہے اور اسی راہ پر چل کر ان کا جنازہ قبر تک پہنچا۔

۵ھ میں جو حق ان پر ظاہر ہوا، آخر دس پندرہ سال تک نظروں سے اوجھل کیوں رہا؟ اس کی وجہ شاید اس کے سوا اور کچھ نہ تھی کہ اس باب میں اس سے پہلے وہ اپنی عقل کا صحیح استعمال ہی نہ کر سکے ــــ آبائی عقیدوں کے خلاف

زبردست بغاوت کی جو طاغوت شکن آواز حضرت محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساحرانہ صداقت سے بلند ہوئی تھی اس
نے پہلے ہی قدم پر دوسرے بے شمار بندگانِ باطل کی
طرح مغیرہ بن شعبہ کو بھی غیظ و غضب کا آتش فشاں بنا
چھوڑا تھا ــــ اور یہی وہ آگ ہے جس کی پہلی لپیٹ عقل و
ہوش کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور اس کی چنگاریوں
سے کھیلنے والا فرزانہ چشم زدن میں جنوں کی سرحد تک جا
پہنچتا ہے۔ اس آگ کی دیوانہ ساز حدت میں وہ حق و
صداقت پر مجنونانہ یلغار کرتے رہے ــــ لیکن آخر آگ
سرد ہونے لگی اور لوہا کُند ہوتا چلا گیا ــــ پھر ۵ھ میں
چنگاریوں اور تلواروں کا آتشیں غبار صاف ہوا تو یہ دیکھ
کر ان کی چیخ نکل گئی کہ وہ آدمی سے نہیں خود "خدا" سے لڑ
رہے تھے! ــــ "ظلم" پر نہیں "انصاف" پر وار کر رہے تھے!
اور ــــ

شدید احساسِ گناہ نے ان کے مضبوط دل کو پتے کی
طرح تھرتھرا کر رکھ دیا۔ خدا کی عظمت کے آگے سرِ نیاز اور
محمدؐ کی معصومیت اور دانائی کے آگے دلِ پرشوق جھکتا
چلا گیا ــــ ایمان و عشق کی یہی وہ دلفگار تڑپ تھی جس کی
ایک جھلک حضورؐ کی وفات کے دن اس وقت بے تابانہ
ظاہر ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر قبر میں اتارا
جا رہا تھا ــــ لوگوں نے دیکھا کہ وہاں جہاں محمدؐ کے تمام
چاہنے والے یہ دیکھ کر ہچکیوں سے رو رہے تھے کہ بس اس سے
آگے وہ اس "مقدس جسم" کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں جا سکتے
ــــ وہاں ایک آدمی جذب و جنوں کے عالم میں لرزتا ہانپتا
آگے بڑھا اور پکار اُٹھا:۔

"اے لوگو! ــــ میری ایک قیمتی انگوٹھی اس پاک قبر
میں گر گئی ہے۔ ذرا ٹھہرو! میں اندر جا کر اسکو نکال لاؤں"

صحابیتِ رسولؐ کا پورا پورا کاروانِ کرب و شوق
جہاں مرشدِ کامل کے جسمِ اطہر سے جدا ہونے پر ماہیِ بے آب
کی طرح تڑپ رہا تھا وہاں مغیرہؓ بن شعبہ اس بات پر ایک
دردناک مسرت کی شدت میں رو رہے تھے کہ میں ابھی تک
حضورؐ کی جسمانی شخصیت کے ساتھ ہوں! ــــ آخر
بھی جسمانی جدائی کے شکار ہوئے لیکن یہ احساس عمر بھر
ان کا سرمایۂ حیات بنا رہا کہ:۔

"محمدؐ سے بچھڑنے والوں میں سب سے آخر میں بچھڑنے
والا میں ہوں ــــ میں مغیرہ بن شعبہ ـ!"

جس طرح حضورؐ سے سب سے آخر میں جدا ہونا ہی اس
دن مغیرہ کی سب سے بڑی آرزو تھی اسی طرح موت کے اس
پار حضورؐ سے سب سے پہلے جا ملنے کی تمنا انہیں اس کے بعد
پھر برابر امکانِ شہادت کی طرف کشاں کشاں لیتی چلی گئی۔
یہی وہ شعلۂ شوق تھا جس کا بے پناہ رقص دو بار اس قدر
ہوا جب اسلامی فوج کے نمائندے بن کر وہ ایران
شہنشاہیت میں جرأتِ ایمانی اور عظمتِ فقر
کا مظاہرہ کرنے پہنچے تھے۔ یہی وہ مظاہرہ تھا جو
سیم و زر میں غرق دربار کے اندر گھس کر گوشت اور
ہڈیوں کے اس پہاڑ پر کپکپی دوڑا دی تھی جس کا نام
رستم تھا اور کبر و غرور کے اس دیو پیکر ہاتھی کو حیرت
سے دم بخود کر دیا تھا جس کا نام مردان شاہ تھا۔

قادسیہ کی جنگ کے موقعہ پر وہ رستم کے دربار میں
اسلامی نمائندے بن کر گفتگو کے لئے پہنچے تو خدا کے
اس بندے کو حرص و طمع کے دام میں اسیر کرنے کے
انسان نے اپنی جھوٹی خدائی کی کاوش محل پوری طرح
سجایا تھا ــــ درباری امت سونے چاندی اور
فولاد میں پوری طرح غرق تھی ــــ لیکن سچے خدا کے
بندے نے رستم کے عظیم تاج و تخت اور پہرہ داروں
کی شمشیر بکف قطاروں کو ایک "زہر خند" کے سوا اور
کچھ بھی نہ دیا ــــ اور اس جھوٹی شان و شکوہ کے خرمن
اس وقت تو اس نے بجلی ہی گرا دی جب وہ سیدھا بڑھتا
ہوا اور کارچوبی کے فرش کو روندتا ہوا رستم کے تخت
بغیر اجازت چڑھ گیا۔ پھر جب لوگوں نے اس کو روکنے
کیلئے چیخیں ماریں تو اس نے پُرسکون اور بھاری آواز
میں جواب دیا ــــ "ہم عرب ہیں۔ اور ہمارے یہاں

دستور نہیں کہ ایک شخص "خدا" بن کر بیٹھ جائے اور دوسرے ... اس کی پرستش کیا کریں۔ ہم سب ایک دوسرے کے برابر ہیں۔"

طاغوت کے پجاریوں پر مغیرہؓ کا یہ پہلا وار تھا۔ اخلاقی طاقت کا بے پناہ وار! ۔ یہ وہ حسین وجمیل ایام تھے جب ہر مسلمان طاغوت کے حاشیہ برداروں پر بے پناہ وار کرسکتا تھا۔ اس وقت یہ ہولناک صورت حال کہاں تھی کہ اسلام کتابوں میں رہ گیا ہو اور مسلمان ... میں چلے گئے ہوں! ۔ ابھی رستم کے دربار کو اس وار سے سنبھلنے کا موقع بھی نہ ملا تھا کہ مغیرہؓ نے معقولیت کی تلوار کو بے نیام کرتے ہوئے کہا ۔" اور ۔۔۔ تم نے ہمکو خود بلایا ہے۔ ہم بن بلائے یا اپنی کسی غرض سے یہاں نہیں آئے ہیں۔ پھر تمھارا یہ حسن سلوک کہاں تک تمھیں زیب دیتا ہے؟......"

یہ دونوں تیر ایسے نشانے پر بیٹھے کہ وہ دربار جو اپنی ... کے احساس سے کوہِ آتش فشاں کا نظارہ پیش کئے جا رہا تھا، اس کے صدر نشین رستم کو بندۂ مومن سے معذرت کرنی پڑی۔

"یہ نوکروں کا قصور تھا اے سفیر۔"

لیکن یہ اعلانِ معذرت جس کے لئے رستم مجبور کیا گیا تھا رستم کے کبر وپندار میں خنجر کی طرح پیوست ہو نے لگا تو اس نے اسلامی سفیر کی ظاہری بے سروسامانی کو اسکا نشانہ بنانا اپنا فرض سمجھا! ۔۔ ان کے شکستہ ترکش کے معمولی تیروں کو طنز وحقارت سے دیکھتے اور ایک تیر نکال کر اچھالتے ہوئے اس نے قہقہہ مارا " بھلا ان تنکلوں سے تم کیا تیر چلاؤ گے ... " لیکن وہ یہ طنز کرتے ہوئے اس حقیقت سے بے خبر نہ تھا کہ اس شکستہ ترکش والے کے سینے میں جرأت، غیرت اور ایمان ویقین کے کیسے کیسے شیر افگن ناوک موجود تھے۔۔

"چنگاری کی لو اگرچہ چھوٹی ہو" مغیرہؓ نے طنز کے تیر کو استدلال کی ڈھال پر روکتے ہوئے کہا " مگر پھر بھی وہ تمام تر آگ ہے ۔۔ اور تر آگ!"

" اور تمھاری یہ تلوار ؟ " رستم نے دوسرا داؤ کھیلا "کیا تم نہیں دیکھتے یہ بیچاری کتنی خستہ حال ہے۔"

"تلوار نہیں ۔۔ تلوار کی نیام بوسیدہ ہے" مغیرہؓ نے مرعوب ہوئے بغیر برجستہ کہا " لیکن بوسیدہ نیام میں تلوار کی دھار بوسیدہ نہیں ہے اے باتیں بنانے والے سردار۔"

اور اس محاذ پر بھی رستم نے شکست کھائی تو اصل معاملے کو چھیڑتے ہوئے اپنی قومی عظمت اور عربوں کی تاریخی زبوں حالی کے حوالوں کی آڑ لی " تمھاری خراب حال قوم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ۔۔ تم لاحاصل قسم کی خوش فہمیوں میں پھنس کر اپنی جان کے دشمن نہ بنو گے اور واپس لوٹ جاؤ گے تو ہم تمھاری اس پسپائی پر انعامات کی بارش کر دیں گے۔"

ترغیب اور ترہیب ۔ ڈرانے اور للچانے کا نفسیاتی حملہ دنیائے دنی کی حقیقت سمجھنے والے کے لئے ایک حقیر شے تھا۔ اس کا جواب مغیرہ جیسے مردِ مومن کی طرف سے اس کے سوا اور ہو تا بھی کیا کہ خزانوں اور تلواروں سے لدے ہوئے اس بھرے دربار میں وہ گرجتی ہوئی آواز سے طاغوت کو بھرپور للکار سنائیں ۔۔۔ اور یہی انھوں نے کیا بھی۔

" اگر اسلام کے مقابلے میں اپنے پست وذلیل ہونے کا ثبوت تم جزیہ کی شکل میں دینا نہیں چاہتے تو پھر آخری بات یہ ہے کہ تلوار ہی ہمارے تمھارے درمیان فیصلہ کرےگی"

رستم جیسا دیو ہیکل انسانی پہاڑ جرأت ایمانی کا یہ بھرپور طمانچہ کھاکر بزدلی کی اس گھاٹی میں اوندھے منھ جا گرا جس کا نام گالیوں پر اتر آنا ہے ۔۔۔ آگ بگولہ ہو کر اس نے اپنے ہونٹ کاٹتے اور دانت پیستے ہوئے کہا " آفتاب کی قسم! طلوعِ آفتاب یہ منظر دیکھے گا کہ میں تمھاری فوجوں کو تہ وبالا کر چکا ہوں گا۔"

اور ۔۔۔ مغیرہؓ نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے یہ چیلنج

قبول کرلیا! — اور پھر قادسیہ کی جنگ نے یہ منظر دیکھا کہ خدا کے پجاریوں نے آفتاب اور آگ کے پجاریوں کو شکست اور ہلاکت کے غار میں دفن کردیا ہے۔

دوسری اسلامی نمائندگی کے موقعہ پر جب مغیرہؓ بے خوف وخطر شاہی دربار میں پہنچے تو مردان شاہ نے اپنے ترجمان کے ذریعے عربوں کی تاریخی پس ماندگی کی جی بھر کے تذلیل کرکے مغیرہؓ کو احساسِ کمتری یا احساسِ کبر کے مجروح اشتعال میں دھکیلنا چاہا — اور دونوں پہلوؤں سے مغیرہؓ نے اس کو مات دی!

"تم عرب ہو!" مردان شاہ نے کہا" اور عربوں سے زیادہ بدبخت — فاقہ مست اور نجس قوم دنیا کے سینے پر موجود نہیں ہے۔ میری سپاہ کبھی کا تمہارا فیصلہ کرچکی ہوتی لیکن تم لوگ اس قدر ذلیل ہو کہ ہم اپنے تیروں کو بھی تمہارے ناپاک خون سے آلودہ کرنا پسند نہیں کرتے! — اب بھی اگر تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ تو تمہاری خطا معاف کی جاسکتی ہے ورنہ تمہاری لاشیں میدانِ جنگ میں تڑپتی نظر آئینگی۔"

کیسی اشتعال انگیز اور خوف زدہ کرنے والی تقریر تھی! لیکن مغیرہؓ خوف زدہ تو کیا ہوتے مشتعل ہو جانے کو بھی انھوں نے ایک زبردست کمزوری سمجھا۔ بندگانِ کفر نے ابھی آدمی کے منہ سے خود اپنی بڑائی اور گھمنڈ کی ہاؤ ہو سنی تھی — لیکن مغیرہ نے اپنی بات شروع کرنے سے پہلے اپنے خدا کی حمد وثنائی اور اس رسولؐ کو خراج تحسین دیا جس کے طفیل اہلِ عرب خدا کی آنکھ کا تارا بنے تھے حالانکہ اس سے قبل وہ سارے جہان کی نظروں میں فی الواقع ذلیل تھے۔ کھلے غرور واستکبار کے جواب میں انھوں نے انتہاء حقیقت پسندی اور کمال کی شان یقین کے ساتھ کہا:۔

"بے شک! — جیسا تمہارا خیال ہے ایک زمانے میں ہم قطعی طور پر ایسے ہی تھے! — لیکن — ہمارے رسولؐ نے ہماری کایا پلٹ دی۔ اب ہر طرف ہمارے لئے میدان صاف ہے اور تمہارے تاج وتخت کو چھینے بغیر ہم سب لوگ اسوقت تک نہیں پلٹیں گے جب تک میدانِ جنگ میں ہماری لاشیں سرد نہ ہوجائیں۔"

انسانی طاغوت نے اپنا سر پیٹ لیا! — اس جو چیز بندگانِ خدا کو سب سے بڑی دھمکی کے طور پر دی تھی بندگانِ خدا کی سب سے بڑی آرزو نکلی! —

اور یہ وہ دور نہ تھا جہاں کفر اسلام کے اس دعوے محض لفاظی سمجھنے کا دھوکا کھاسکتا! — جبکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ اسلام وہ خالص عملی تحریک ہے جس نے دنیا کو از سر نو یہ درس دیا کہ یقین وعمل کی بے سروسامان طاقت سے تحریر وتقریر کے لفظی پہاڑوں اور ساز وسامان کے اسلحہ خانوں کو اڑایا جاسکتا ہے! اور پھر بھی اتنے بڑے کارناموں سے مشتِ خاک انسان پر طاقت کا وہ حیوانی نشہ نہیں چڑھ پاتا جو آدمی کو — بڑے بڑے آدمیوں کو یہ بات بھلا دیتا ہے کہ وہ خدا نہیں محض آدمی ہیں جس کا شروع ایک ناپاک ونجس پانی کی بوند تھی اور جس کا انجام سرد لاش ہے!

جنگ پر جنگ ہوئی اور فتح پر فتح کا اضافہ ہوتا گیا — یہاں تک کہ نہاوند کے معرکے میں اسلامی سپاہ کے کمانڈر کو فتح کی عظیم خبر سنائی جارہی تھی اور دم توڑتے ہوئے کمانڈر کو فتح کی عظیم خبر سنائی جارہی تھی۔ خبر سنتے ہوئے اس نے جو آخری الفاظ ادا کئے اس نے دنیا کو یہ حقیقت سمجھادی کہ یہ بھی آخری فتح نہ تھی — آخری تو یہی یقین وعجز ہے کہ فتح کا سہرا خدا کے سر ہے۔

"جنگ کا کیا نتیجہ رہا؟" دم توڑتے ہوئے سپہ سالار نے خدا نے بے چینی کے ساتھ پوچھا:۔

"خدا نے کامیاب کیا" سپاہی نے خبر سنائی۔

"تعریف خدا کی ہے" سپہ سالار کی روح جھوم گئی "جاؤ عمرؓ کو مژدہ پہنچادو۔"

فاتح نے یہ آخری الفاظ ادا کئے اور عظمتِ خداوندی کے قدموں پر دل وزبان کا ایک آخری جاوداں سجدہ گذارتے ہوئے جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

کتابیات:۔

- ابن سعد ج ۲ ق ۲، ص ۷۸ و ۷۷
- مستدرک ج ۳ ص ۲۹۷
- فتوح البلدان بلاذری ۱۳ و ۱۲ و ۳۱۱
- طبری ص ۳ و ۲۶۰۲

میں ایک نعت کہوں

ہوا ہے دل کا تقاضہ کہ ایک نعت کہوں
میں اپنے زخموں کے گلشن سے تازہ پھول چنوں
پھر ان پہ شبنمِ اشکِ سحر گہی چھڑکوں
پھر ان سے شعر کی لڑیاں پرو کے نذر کروں
میں ایک نعت کہوں سوچتا ہوں کیسے کہوں!

میں تیرہ صدیوں کی دوری پہ ہوں کھڑا حیراں
یہ میرا ٹوٹا ہوا دل، یہ دیدۂ گریاں
یہ منفعل سے ارادے، یہ مضمحل ایماں
یہ اپنی نسبتِ عالی، یہ قسمتِ واژوں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

یہ تیرے عشق کے دعوے، یہ جذبۂ بیمار
یہ اپنی گرمیٔ گفتار! پستیٔ کردار!
رواں زبانوں پہ اشعار، کھو گئی تلوار
حسین لفظوں کے انبار، اڑ گیا مضموں
میں ایک نعت کہوں سوچتا ہوں کیسے کہوں!

نہ راہ زن کی سمجھ ہے، نہ رہنما معلوم
نہ سامنے کوئی منزل، نہ راستہ معلوم
یہ کیا مقام ہے، اپنا نہیں پتا معلوم
یہ کیا زمین ہے آخر، یہ کونسا گردوں؟
میں ایک نعت کہوں سوچتا ہوں کیسے کہوں!

اگرچہ بزمِ عقیدت جما کے بیٹھے ہیں
ترے پیام کی شمعیں بجھا کے بیٹھے ہیں
ترے نظام کا خاکہ اڑا کے بیٹھے ہیں
دل و نگاہ پہ طاری فرنگیوں کا فسوں
میں ایک نعت کہوں سوچتا ہوں کیسے کہوں!

پہن کے تاج بھی، غیروں کے ہم غلام رہے
فلک پہ اڑ کے بھی شاہین اسیرِ دام رہے
بنے تھے ساقی، مگر پھر شکستہ جام رہے
نہ کارسازِ خرد ہے، نہ حشر خیزِ جنوں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

فقیہِ شہر کی تقریر، کاٹ میں شمشیر
بہ زیرِ سایۂ محراب شورشِ تکفیر
نکاتِ "فتنۂ احمر" کی دل نشیں تفسیر
ضمیر شرم سے پرداغ! قلب ہے محزوں
میں ایک نعت کہوں سوچتا ہوں کیسے کہوں!

یہاں کہاں سے مجھے رفعتِ خیال ملے
کہاں سے قال کو گم گشتہ رنگِ حال ملے
کہاں سے شعر کو اخلاص کا جمال ملے
حضور! ایک ہی مصرع یہ ہو سکا موزوں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

نعیم صدیقی

ازارشاداتِ شاہ ولی اللہؒ

بے راہرو واعظوں اور عالموں سے خطاب

میں اُن زاہدوں اور عابدوں سے پوچھتا ہوں جو خانقاہوں اور زیارت کدوں میں راہبانہ طور پر بیٹھے دین میں خشکی اور تنگی کی راہیں پیدا کر رہے ہیں — اے مذہب کے بگاڑنے والو! آخر تمہارا حال کیا ہے؟ اچھے بُرے کی تمیز کئے بغیر تم نے اپنے ایمان کو داغدار بنا لیا۔ عوام کو تم غلط حدیثیں اور باطل دلیلیں سُناتے ہو اور مخلوقِ خدا پر اسلامی زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا ہے حالانکہ تمہاری تخلیق اس لئے کی گئی تھی کہ انسانوں کو دشواریوں سے بچا کر آسانیاں بہم پہنچاؤ — تم (اپنی خلوت نشینی اور رہبانیت اور وجد و حال وغیرہ) کیلئے ان لوگوں کو دلیل بناتے ہو جن کے عقل و حواس عشق و محبت کی شدت نے گم کر دیئے تھے حالانکہ یہ باتیں تو ایسی تھیں کہ لپیٹ کر ایک طرف رکھدی جاتیں، تم وسوسوں اور وہموں میں گرفتار ہو گئے اور اس کا نام احتیاط و انتقار رکھ لیا...... میں اہل دولت و ثروت سے کہتا ہوں کہ تم خوفِ خداوندی سے خالی ہو۔ فانی لذتوں کی طلب میں گم ہو کر تم نے زیر دستوں کو بے مہا چھوڑ دیا کہ ایک کو دوسرا کھا جائے، برسرِ عام شرابیں لنڈھائی جا رہی ہیں اور تم نہیں روکتے، زناکاری شراب نوشی اور جوئے کے اڈے عام گذرگاہوں پر بنے ہوئے ہیں اور تم کوئی رُوک تھام نہیں کرتے، اس عظیم الشان ملک میں عرصۂ دراز سے کوئی حدِ شرعی جاری نہیں ہوئی، کمزوروں کو تم سزائیں دیتے ہو اور طاقتوروں کو یونہی چھوڑ دیتے ہو کھانوں کی لذت، عورتوں کے ناز و انداز، ملبوسات کے طمطراق اور مکانوں کی آرائش و تزئین میں تمہارے دل و دماغ کی قوتیں سرتاسر مصروف و غرق ہیں۔ کبھی بھولے سے خدا کا خیال نہیں آتا........

قبر پرستوں سے خطاب

تم لوگ جب حاجتیں طلب کرنے کیلئے اجمیر یا سالارِ مسعود کی قبر یا ایسے ہی دوسرے مقامات پر جاتے ہو تو ایسے سخت گناہ کے مرتکب ہوتے ہو کہ قتل اور زنا کا گناہ بھی اس سے کمتر ہے آخر اس میں خود ساختہ:.. معبودوں کی پرستش میں کیا فرق ہے؟ جو لوگ لات و عزیٰ سے مرادیں مانگتے اور انہیں سجدے کرتے تھے ان کے اور تمہارے افعال میں کوئی تضاد اور اختلاف نہیں ہاں بس یہ ضرور ہے کہ تمہیں تو ہم صرف الفاظ میں کافر کہتے ہیں خاص تمہارے بارے میں شارع علیہ السلام کی خاص نص موجود نہیں مگر اصولی اعتبار سے ہر وہ شخص شکار معصیت ہے جو کسی مُردے کو زندہ تصور کر کے حاجتیں طلب کرے اور مُرادیں مانگے......

پیرزادوں سے خطاب

اے بزرگوں کی اولادو! میں پوچھتا ہوں کیوں تم ان گدیوں پر ڈٹ کر بیٹھے ہو جن پر بیٹھنے کا تم کو حق نہیں؟ کیوں تم نے ٹولیاں، پارٹیاں اور ٹکڑیاں بنالی ہیں کہ جو ہے وہ اپنے الگ راستے اور طریقے پر چل رہا ہے اور خاتم النبین کے بہترین اور جامع طریقے کو چھوڑ دیا ہے ہر ایک تم میں سے دوسروں کو گمراہ اور خود کو ہادی سمجھتا ہے حالانکہ یہ تمہارا پندارِ امامت، یہ دھڑے بندی اور انتشار تو قطعاً گمراہی ہے۔ میں از روئے شریعت ان لوگوں سے سخت ناراض ہوں جو دنیاوی فوائد کے خیال سے لوگوں کو شاگرد و مُرید بناتے ہیں، یا علم دین کے ذریعہ دنیا بٹورنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، یا اس لئے تبلیغ و وعظ کرتے ہیں کہ لوگ انکی طرف دیکھیں اور انکی نفسانی خواہشات پوری ہوں اللہ اور رسول کے احکام کی بجائے اپنا حکم منوانے کے درپے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ راہنما نہیں راہزن ہیں، ہادی نہیں دجال ہیں، جھوٹے ہیں مکار ہیں، لٹیرے ہیں۔

خبردار! اسکی اطاعت نہ کرنا جو تمہیں اللہ اور رسول کے اتباع کی دعوت نہ دے بلکہ اپنی طرف بلائے اور چاہیئے کہ صوفیۂ کرام کے لطائف و رموز کے بارے

مرقد پرستی

یہ سلگتی تربتیں یہ "آستانے" یہ مزار!
یہ چرس پیتے مجاور۔ اونگھتے خدمت گزار
کفر کا اٹھتا دھواں، الحاد کا اڑتا غبار
زہد کے نیلام گھر، تقدیس کے جلتے دیار

سینکڑوں مدفن ہزاروں تعزیئے پوجے گئے
جانے کتنی خانقاہوں کے دیئے پوجے گئے
جانے کتنی "چادروں" کے حاشیئے پوجے گئے
کتنے "پنجے" خیر و برکت کیلئے پوجے گئے

مرقدوں پر سجدہ ریز اندھے پجاری الاماں — خیر و برکت کا صحیفہ طاق میں رکھا دیا
قبر کے مردوں کی یہ دردگاری الاماں — نقشِ ہستی پردۂ اوراق میں رکھا دیا

عصمتوں کی منڈیوں کے بیوپاری دہر میں
سینکڑوں "تکیوں" کی تحویلداری دہر میں
آج بھی الحاد کے سکے ہیں جاری دہر میں
آدمی کا دل ہے ظلمت کی پٹاری دہر میں

ہر لحد اک وقت کا ناسور ہے کس سے کہیں
شیشۂ تقدیس چکنا چور ہے کس سے کہیں
دل یہاں خود اک صلیبِ نور ہے کس سے کہیں
کن اندھیروں میں سحر محصور ہے کس سے کہیں

مرنے والوں سے مُرادیں مانگنے آتے ہیں لوگ — کون سازِ وقت کی آواز سنتا ہے یہاں
کس عقیدت سے جہنم کی طرف جاتے ہیں لوگ — آدمی کا ذہن انگارے ہی چنتا ہے یہاں

پھر زمانہ ایک زنجیرِ کہن دیتا ہوا
وقت پینے کے لئے خونِ چمن دیتا ہوا
آدمی کو پھر ہلاہلِ اہرمن دیتا ہوا
کعبۂ تقدیس کو خونیں کفن دیتا ہوا

دہر دانِ حق مگر کچھ آج بھی بیدار ہیں
کچھ اُجالے رات سے آمادۂ پیکار ہیں
پھر اُفق پر کچھ نمودِ صبح کے آثار ہیں
کچھ نگاہیں اے زمانے نقش بر دیوار ہیں

رکھنے والوں نے ادا اک یاد رکھی کفر کی — پھر چراغ زیست کی ہم لَو بڑھاتے ہیں یہاں
"پیر و مرشد" نے بھی اک بنیاد رکھی کفر کی — انجم و مہتاب بن کے جگمگاتے ہیں یہاں

مرقدوں کے پوجنے والو حرم کا واسطہ — اس نبیؐ پاک کے نقشِ قدم کا واسطہ
انقلابِ چین و روما و عجم کا واسطہ — جاگتی صبحوں کے سیلِ یم بہ یم کا واسطہ

تا کجے یہ دل لگی توحید سے، اسلام سے
صبح کی امید تم کو ہے غروبِ شام سے

مولانا حکیم محمد عبداللہ

اور طوفان اُمڈ آیا

دو پانچ کروڑ سکھ ہوں تو ہم قرآن کریم کے ایک حرف کی بے حرمتی بھی قبول کرنے کو تیار نہیں

[illegible] کے رمضان المبارک کا آخری عشرہ تھا میں فجر کی نماز کے بعد جامع مسجد روڑی میں بیٹھا ہوا تھا کہ چند آدمی گھبرائے ہوئے آئے اور بیان کیا کہ "غضب ہوگیا۔ سننے میں آیا ہے کہ سکھوں کے لڑکوں نے قرآن کریم پھاڑ کر کنویں میں ڈال دیا ہے۔ اس پر مسلمان مشتعل ہو رہے ہیں اور تھانہ والی مسجد میں جمع ہو رہے ہیں۔"

میں فوراً بلا کسی تاخیر کے موقع واردات پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ فی الواقعہ مسلمان مسجد کے صحن میں جمع ہو رہے ہیں۔ میں بھی وہاں پہنچ گیا تو اتنا معلوم ہوا کہ اسی مسجد تھانہ والی میں سے چند روز ہوئے ایک حمائل شریف (جیبی سائز قرآن مجید) چوری ہوئی تھی، اسی کی بے حرمتی ہوئی ہے۔

"بے حرمتی کرنے والے کون ہیں؟" میں نے دریافت کیا، معلوم ہوا پرائمری اسکول کے تین سکھ طالب علم ہیں جو موضع جٹانہ کلاں ریاست پٹیالہ کے رہنے والے ہیں۔

"پرائمری اسکول کے طالب علم" نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے ان کی عمریں دریافت کیں تو معلوم ہوا کہ بالترتیب آٹھ، نو اور بارہ سال ہیں۔ دل کو اس امر کا اسی وقت یقین ہوگیا کہ بے حرمتی غالباً کسی سازش یا کسی عناد کی نیت سے نہیں ہوگی، مگر بہر حال اس سلسلے میں بہت کچھ احتیاط کی ضرورت تھی۔ تھانہ مسجد بالکل سامنے تھا۔ تھانے دار کو بلوایا تو معلوم ہوا کہ تھانیدار ہندو ہیں اور نو وارد ہیں اور اس سانحے کی نوعیت کے پیش نظر گھبرا گئے ہیں اور تھانے کے رجسٹر میں روانگی دکھا کر روپوش ہوگئے ہیں۔ یہ ان کی انتہائی کمزوری تھی جس سے معاملہ اور بھی نازک صورت اختیار کر گیا۔ اب اس آگ کو بجھانے کے لئے سوائے حکمتِ عملی کے پانی کے اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ میں نے دو لڑکوں کو سکول کے ہیڈ ماسٹر کے پاس روانہ کیا کہ وہ فوراً پہنچیں۔ ہیڈ ماسٹر صاحب غالباً بروالہ سیداں کے سید تھے مگر تھے اعصابی قسم کے آدمی گھبرا گئے اور آنے سے انکار کر گئے۔ میں نے دو شخصوں کو پھر روانہ کیا اور کہا کہ اس نازک موقعے پر نہ آنا مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکا دیگا۔ نہ آئیں تو زبردستی لے آئیں۔ چنانچہ ا... حالات میں میر صاحب کو "ولے بر ندش" آنا پڑ گیا۔ میں نے انھیں تسلی دلا کر ان کے

اگردانِ رشید" کے حالات دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ دراصل یہ تینوں طالب علم اس لڑکپن میں ہی چوری کی عادت میں گرفتار ہیں۔ سکول کی لائبریری میں سے ایک بار کتابیں چوری کرنے کے الزام میں استادوں سے پٹ چکے ہیں۔ مسجدوں اور گوردواروں سے جوتیاں بھی چراتے رہتے ہیں۔ یہ حمائل بھی چھوٹے طالب علم نے ایک ہی سمجھ کر چوری کی اور اُسے چھپا کر اپنے گھر جٹانہ کلاں لے جا رہا تھا۔ واضح رہے کہ یہ طالب علم روزانہ سکول سے فارغ ہو کر اپنے گاؤں چلے جایا کرتے تھے جو ہمارے قصبے سے ڈھائی میل کے فاصلے پر تھا۔ وہ جس روز قرآن پاک کو گھر لے جا رہا تھا تو دوسرے دونوں لڑکے بھی ہمراہ تھے۔ بڑے لڑکے نے بغل میں دبائے قرآن مجید کو دیکھ کر کہا کیا ہے؟ اس نے کہا ایک پوتھی ہے کہیں سے ہاتھ لگی ہے۔ اس نے چھین کر دیکھا اور کہا یہ تو مسلمانوں کا قرآن ہے اور تو نے بہت برا کیا، مسلمانوں کو پتہ لگ گیا تو وہ ہمیں مار دیں گے، اگر خیر چاہتا ہے تو....." آگے راہ میں کنواں تھا۔ اس نے کنویں میں ڈال دیا اور آپس میں قسمیں کھائیں کہ اس کا کہیں ذکر تک نہیں کریں گے، مگر چند دن بعد آپس میں کسی مال مسروقہ کی تقسیم میں جھگڑ پڑے اور فریق مخالف نے یہ راز استاذ اور دوسرے لوگوں کے پاس اُگل دیا۔ میں نے یہ حالات سُن کر میر صاحب سے کہہ دیا کہ بچوں کو کہیں رکھو، ایسا نہ ہو کہ کوئی جوشیلا مسلمان ان کو سورگ باش کر دے۔ میرے علم میں اصل حقیقت تو آگئی تھی، مگر میں اس کا اظہار ابھی نہیں کر سکتا تھا۔ کسی قوم کے جذبات کو قابو میں رکھنا آسان بات نہیں ہے۔ بہرحال میں نے اس بات کے یقین آجانے کے بعد کہ یہ سانحہ اتفاقی ہے ارادۃً نہیں ہوا بلکہ یہ فیصلہ کر لیا۔ الصلح خیر۔ لیکن اس کے لئے صبر سے موقعہ کی تلاش کر رہا تھا۔ تھانیدار کے براہ فرار اختیار کرنے کے بعد تھانے کے سامنے مجمع کا کھڑا رہنا ٹھیک نہ تھا۔ میں مجمع کو لے کر بازار کے دروازے کے سامنے سے تالاب کے پختہ گھاٹ کے چبوترے پر آ گیا جہاں پیپل کا سایہ تھا۔ مقام سایہ دار پانی کا کنارہ تھا۔ اس لئے ٹھنڈک تھی تاکہ روزہ داروں کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔ وہاں پہنچنے پر ہندو اور سکھ بھی آنے شروع ہو گئے اور مجمع بڑھتا گیا لیکن اس مجمع میں شرارتی عنصر نہیں تھا سب لوگ افسوس کرتے ہی نظر آتے تھے۔ اتنے میں مجھے خیال آیا کہ اب تک تو محض ہوائی بات ہوتی ہے موقع واردات پر تو جانا چاہیئے لیکن اس طرح اگر پورے مجمع کو وہاں لے گئے اور کنویں میں سے قرآن مجید کے اوراق نکلے تو ممکن ہو سکتا ہے کہ مجمع بے قابو ہو جائے اس لئے مصلحت اسی میں ہے کہ میں خود نہ جاؤں ورنہ مجمع پر کنٹرول نہیں رہ سکے گا۔ میں یہیں رہوں اور دو تین اشخاص کو بھیج دوں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک مسلمان لڑکا کنویں میں اُتار اگیا۔ اس نے احتیاط سے قرآن مجید کے اوراق نکال لئے۔ پورا قرآن مجید نہیں ملا، ممکن ہے حمائل غیر کامل اور بوسیدہ ہو، بہرحال بھیگے ہوئے اوراق کو نکال کر مجمع میں آئے اور میرے سامنے ہتھیلیوں پر رکھ کر مجھے دکھائے۔ اس منظر کو دیکھ کر پورے مجمع پر رقت طاری ہو گئی۔ مسلمان تو مسلمان ہندو بھی رونے لگے۔ میں نے اس صفحے پر نظر کی تو چند آیات سامنے آئیں افسوس ہے کہ وہ آیتیں مجھے یاد نہیں، مگر اتنا یاد ہے کہ اس میں حکم تھا صبر کرو۔ صبر کرنے میں بھلائی ہے۔ میں نے ان آیات کی تلاوت کر کے مجمع کو سُنائی اور پھر اس کا مفہوم بیان کیا اور کہا کہ لڑائی جھگڑے سے قرآن پاک کی ان آیات نے ہمیں روک دیا ہے اب قانونی طور پر ہی اس کا فیصلہ کریں گے۔ اس نازک موقعہ پر قرآن پاک کی ان آیات کا سامنے آنا یقیناً معنی خیز ہے اور قرآنی معجزہ۔

اتنے میں ان سکھ بچوں کے سرپرست آگئے۔ منتیں، معافیاں اور معذرت کرتے ہوئے سامنے آئے۔ میں نے کہا کہ آپ اپنے گاؤں کی پنچایت بلائیں، ہم اپنے شہر کی پنچایت کر کے فیصلہ کرتے ہیں۔

دھوپ زیادہ تیز ہو گئی تھی اور روزہ داروں کو تکلیف ہو رہی تھی میں نے انھیں کہا کہ اب سب اپنے گھروں کو جاؤ

پھر ٹھنڈے وقت میں سوچیں گے شام کے وقت میں جامع مسجد میں موجود تھا کہ موضع جٹانہ کی بہت بڑی پنچایت جس میں وہاں کے تمام ہندو اور سکھ معززین شامل تھے آئے مَیں اس منظر کو کبھی نہیں بھول سکتا کہ ان میں اکثریت نیلی پگڑیوں والے سفید اور سیاہ داڑھیوں والوں کی تھی۔ سب ادباً اور احتراماً ہاتھ جوڑے ہوئے کھڑے تھے اور معافی مانگ رہے تھے مَیں نے جواباً انھیں خوش آمدید کہا اور کہا کہ آپ کا آنا سر آنکھوں پر مجھے اس کا احساس ہے اور مَیں بے حد متاثر ہوں کہ آپ سب لوگ خدا سے ڈرنے والے اور صلح پسند ہیں بہرحال آپ کی آمد اسی نیک ارادے سے ہوئی ہے۔ قصور تین پاپی اور بیوقوف بچوں کا ہے جس کی ذمہ داری آپ لوگوں پر عائد نہیں ہوتی اس لئے جی تو چاہتا ہے کہ میں ابھی آپ کو پوری ذمہ داری سے معافی دے کر اور مطمئن کر کے واپس روانہ کر دوں مگر معاملہ فقط میرا نہیں ہے بلکہ معاملہ پورے علاقے کا ہے۔ اس طرح فقط میرے معاف کر دینے سے یہ آگ ایک بار دب تو جائے گی پھر سلگ کر بھڑک اُٹھے گی اور میرے بجھائے بھی نہیں بجھے گی، میں چاہتا ہوں کہ اس آگ کو حکمت، دانش اور محبت کے پانی سے بجھایا جائے تاکہ دوبارہ سلگ اُٹھنے کا اندیشہ نہ رہے اس لئے میں نے یہ تدبیر سوچی ہے کہ کل صبح تک مَیں مسلمانوں کے بڑے بڑے گاؤں کے دس پندرہ نمائندہ حضرات کو بلوالوں اور صورتِ معاملہ سے آگاہی کر کے پھر دونوں پنچایتوں کے مابین گفتگو کے بعد معاملہ ختم کراؤں۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ تنہا میرے فیصلے پر مسلمان ہی مجھ سے بگڑ جائیں۔

سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ مَیں نے اس موقعہ کو غنیمت تصور کر کے اس شر میں سے ایک خیر کا پہلو نکالنے کے لئے کہا کہ "آپ صرف پانچ منٹ میری باتیں سُن لیں تاکہ آپ کو یہ معلوم ہو سکے کہ یہ حادثہ کوئی معمولی حادثہ نہیں ہے۔"

اس موقع پر میں نے جو تقریر کی اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

"میرے ہندو اور سکھ بھائیو! قرآن پاک اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسلمانوں کی کتاب اور مسلمانوں کے ہی پیغمبر نہیں اگر مسلمان ایسا خیال کرتے ہیں تو وہ غلطی پر ہیں اگر ہندو اور سکھ بھائی ایسا سمجھتے ہیں تو انھوں نے غلط سمجھا ہے۔ قرآن جس طرح مسلمانوں کے لئے کتاب ہدایت ہے اسی طرح تمام دنیا کے لئے بھی رہنمائی کا کام دیتی ہے اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سب دنیا کے لئے ہادی ہیں۔ دیکھئے گورونانک دیوجی کس کشادہ دلی سے اس کا اقرار کرتے ہیں۔

"توارت انجیل زبور ترے پڑھ سن ڈٹھے وید"
"رہے کتیب قرآن ہی کلجگ میں پرمار"

اس کلجگ کے عالم میں رہنمائی کرنے والی کتاب صرف قرآن ہے اور جب گوروجی مکہ معظمہ گئے تو وہاں کے قاضی سے مخاطب ہو کے فرمایا:-

"نانک آکھے رکن دین سچے سعو جواب - صاحب فرمایا لکھیا وچ کتاب - وچ دوزخ ہادیہ اوہ سڑے جو نہ کلمہ پاک - مکروہ نہ ہے دو جڑے روجڑے پنج نماز طلاق

یہاں بھی قرآن پاک کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ ہادیہ دوزخ میں وہ لوگ عذاب بھگتیں گے جو کلمہ نہیں پڑھتے ہوں گے۔ تیسوں روزے نہ رکھتے ہوں گے۔ پانچوں نمازوں کو طلاق دے رکھی ہوگی اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کا اس طرح اعتراف کرتے ہیں:-

"ڈٹھا نور محمدی ڈٹھا نبی رسول - نانک قدرت دیکھ کے خودی گیا سب بھول" ــــ یعنی جب سے نور محمدی کا جلوہ دیکھا ہے نانک اپنی خودی بھول گیا۔ تو میرا اس تقریر سے یہ مطلب ہے کہ قرآن صرف ہمارا نہیں ہے تمہارا بھی ہے جس کو گوروجی اللہ کی کتاب تصور کرتے ہیں۔ اس کی بے حرمتی کا مسئلہ مسلمانوں کا ہی نہیں تمہارا بھی ہے۔"

اس کے بعد انھوں نے کہا کہ کیا آپ ان تینوں بچوں کو

کی ضمانت پر ہمارے سپرد کر سکتے ہیں؟"

میں نے ان میں سے ایک صاحب کی ضمانت پر لے جانے کی اجازت دے دی اور وہ سکول سے لے گئے۔ میں بھی چاہتا تھا کہ وہ اپنے گھر پہنچ جائیں۔ رات کے وقت میں نے اپنے چند رفقاء کے مشورے سے یہ طے کیا کہ اپنے علاقوں کے بڑے بڑے مواضع میں قاصد بھیج کر وہاں کے ائمہ مساجد اور نمبرداروں کو بلوا لیں۔ اس طرح کم سے کم دس پندرہ گاؤں کے نمائندے بلوا کر آنے والی پنچایت سے معافی منگوا دیں گے اور معاملہ رفت گزشت ہو جائے گا۔ اسی خیال کے ماتحت ہمارے ایک عزیز لڑکے محمد حنیف کو موضع علیکا ناگو کا پنہاری وغیرہ میں روانہ کر دیا گیا اور بے صبری سے صبح کا انتظار کرنے لگے۔ رات کو ہجوم افکار سے کسی طرح نیند نہیں آئی۔ کبھی خیال آتا تھا کہ بچے ہوں یا بوڑھے بہرحال قرآن پاک کی بے حرمتی ہوئی ہے اس لئے بس ان لوگوں سے بھڑ جانا چاہیئے۔ یہ سوچے بغیر کہ جو ہوتا ہے ہو جائے خواہ موت تو غیرت قرآنی بر آئے گی۔ مگر یہ خیال زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتا تھا۔ اسلامی عدل اور انصاف سامنے آجاتا تھا۔ غرضیکہ اسی ادھیڑ بن میں صبح کی نماز پڑھ کر موضع علیکا کے راستے کی طرف دیوانہ وار چلا گیا کہ مولوی عبداللطیف صاحب آرہے ہوں گے۔ اُن سے مل کر دریافت کروں کہ میرا یہ فیصلہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ کہیں عدل و انصاف کے پردے میں بزدلی تو کارفرما نہیں ہے شہر سے باہر نکل کر اس مقام پر کھڑا ہو گیا جہاں سرسہ کی شاہراہ سے موضع علیکا کو راستہ نکلتا ہے ابھی اسی مقام پر کھڑے ہوئے تھوڑا سا عرصہ گزرا تھا کہ سرسہ کی طرف سے ڈھول کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی گرد و غبار کا طوفان اٹھتا ہوا نظر آیا۔ میں نے حیرانی سے دیکھا چند منٹ بعد ایک بپھرا ہوا ڈانگوں سے مسلح مجمع نظر پڑا جو ڈھول اور نقارہ بجاتا ہوا کھیتوں کو روندتا ہوا ہماری طرف بڑھ رہا تھا۔

مجمع نے قریب پہنچ کر مجھے دیکھا اور زور سے سلام علیکم کہا۔ میں نے جواب میں وعلیکم السلام کہا۔ یہ موضع ناگو کا کے مسلمان تھے۔ دیہاتی اور جذباتی مسلمانوں کی نفسیات کو ذہن میں رکھ کر میں نے ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جزاک اللہ مسلمان ہوں تو ایسے ہوں۔ غیرت ایمانی ہو تو ایسی ہو۔ قرآن کے ماننے والے ہوں تو ایسے ہوں —— بھائیو! میں سب کو مبارک باد اور خوش آمدید کہتا ہوں۔ مگر مجھے یہ تو بتائیے کہ میں نے تو صرف مولوی صاحب اور نمبردار کو بلوایا تھا۔ آپ اتنے لوگ اور وہ بھی مسلح ہو کر کیوں آگئے؟

وہ کہنے لگے "ہم نے تو یہ سنا تھا کہ مولوی صاحب کو شہید کر دیا گیا ہے اور قرآن پاک کی بے حرمتی کر دی گئی ہے؟"

میں نے کہا "میں تو آپ کے سامنے زندہ اور سلامت موجود ہوں۔ باقی رہا قرآن پاک کا معاملہ وہ عنقریب بیان کرتا ہوں۔ معاملہ کچھ ایسا ہی ہے کہ اس میں قصوروار چھوٹی عمر کے بچے ہیں۔ سارے مولوی جمع ہونے پر قرآن ہی سے فیصلہ چاہیں گے۔ پھر جو فیصلہ قرآن پاک کا ہو گا ہم اس پر عمل کریں گے مجھے بتایا جائے کہ کیا آپ بھی قرآن پاک کے فیصلے کو ماننے کے لئے تیار ہیں؟"

سب نے یک زبان ہو کر کہا "بالکل"!

"اچھا تو پھر یہ لاٹھیاں اور ہتھیار جو لائے ہوئے ہو' ان کو یہاں ڈال دو۔"

اور انھوں نے اس کی پوری پوری تعمیل کی۔

ابھی ان سے ہتھیار رکھوائے ہی تھے کہ دوسری طرف سے ایک طوفان اٹھتا ہوا آیا اور اسی طرح ایک ہجوم ڈھول نقارے کی آواز کے ساتھ کھیتوں کو روندتا ہوا آیا اور وہ لوگ قریب آئے تو معلوم ہوا کہ یہ موضع پنہاری کے مجاہدین ہیں ان سے بھی پہلی سی گفتگو ہوئی اور ان کو بھی غیر مسلح کر کے پاس بٹھا لیا۔

اس دوران میں ہمارے شہر کے ہندوؤں نے بھی اس مجمع کو دیکھا تو شہر میں سناٹا چھا گیا' مسلمان اتنے قلیل تھے

پیسے آٹے میں نمک۔ پورے شہر میں دو صد گھر کے قریب۔ باقی تمام شہر ہندوؤں اور سکھوں سے بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ ہندو سکھ نوجوان کہہ رہے تھے کہ جلد مقابلے کے لئے تیار ہو جاؤ اور ہندو آبادی کو اطلاع دے دو لیکن معمر اور سمجھ دار سب کو تسلی دے رہے تھے کہ مولوی صاحب سے ہمیں پوری امید ہے کہ وہ تصادم نہیں ہونے دے گا تم بے فکر رہو۔

المختصر کتنے ہی گاؤں مسلح ہو کر اور ڈھول بجا کر آتے رہے اور جمع ہوتے رہے۔ جب مجھے تسلی ہو گئی کہ اب سب آچکے ہیں تو اس وقت ان سب سے نفس معاملہ بیان کر کے یہ عرض کر دیا گیا کہ آپ لوگ اپنے اپنے گاؤں سے ایک ایک مولوی اور دو دو نمبردار چھوڑ کر باقی سب لوگ واپس چلے جائیں۔ آپ کو نیت کا ثواب مل گیا۔ رہا قانونی فیصلہ تو وہ دونوں جانب کی پنچائتیں کر لیں گی۔

سامعین نے جواباً کہا کہ ہم تو آپ کے فرمان کے ماتحت واپس جانے کو تیار ہیں مگر آپ خوب سوچ لیں کہ کہیں ایسا نہ ہو ہمارے واپس چلے جانے کے بعد معاملہ بگڑ جائے اور پھر یہ لوگ خدانخواستہ اس افواہ کو سچ کر دیں جسے سن کر ہم لوگ آئے ہیں (یعنی آپ کو شہید کر دیں)

میں نے کہا کہ آپ مجھے اللہ کے حوالے کر دیں اور اطمینان سے واپس لوٹ جائیں۔ میں ان لوگوں کو خوب جانتا ہوں یہ لوگ ہمارے دشمن نہیں ہیں۔

اس پر تقریباً ستر اسی نمائندوں کو چھوڑ کر باقی سب لوگ واپس ہو گئے اور میں نے ان لوگوں کا درختوں کے نیچے ڈیرہ لگوا کر ان میں سے فقط علماء کو ہمراہ لے لیا کہ ان علماء کے مشورے سے ہم قرآنی فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ بمقام مجلس دواخانہ سلیمانی کی بالائی منزل قرار پائی۔

میں نے علماء کرام کے سامنے پوری صورت حال پیش کر کے عرض کیا کہ چونکہ ان نادان بچوں پر نہ تو کوئی تعزیر اسلام نافذ کرتا ہے اور نہ انگریزی قانون، اس لئے اگر آپ لوگ میری رائے میں کوئی وزن محسوس کریں تو ہم یہ معاملہ انھی لوگوں ہندوؤں اور سکھوں کی پنچائت کے سپرد کر دیں۔

سب علماء نے اس پر اتفاق کیا چنانچہ میں نے امیر سنگھ وغیرہ کو بلوا کر یہ کہہ دیا کہ ہماری پنچایت نے یہ معاملہ تمھارے ہی سپرد کر دیا ہے ہر چند وہ اصرار کرتے رہے کہ آپ خود فیصلہ کریں۔ ہم بدل و جان اسے مانیں گے مگر ہم نے انھیں مجبور کر دیا اور وہ یہ اختیارات لیکر اپنی پنچایت میں چلے گئے (غالباً ان کی پنچایت کا اجلاس چند اسیوں کے ڈیرے میں ہوا) وہ سب ایک فیصلے پر پہنچ گئے۔

فیصلہ

مسلمان نمائندے سب خاموش تھے اور درختوں کے سائے میں شہر سے باہر بیٹھے ہوئے اس انتظار میں تھے کہ دیکھئے ہندوؤں اور سکھوں کی پنچایت کیا فیصلہ کرتی ہے، اتنے میں تقریباً سو قدم دور شہر کی جانب سے کچھ لوگ آتے ہوئے نظر آئے مگر وہاں آکر رک گئے۔ اتنی دور سے باتیں تو سنی نہیں جا سکتی تھیں البتہ ان کے حرکات و سکنات سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ آنے میں متردد ہیں۔ اتنے میں ایک آدمی آگے آیا اور بیان کیا کہ بعض لوگ یہاں آنے سے ڈر رہے ہیں، انھیں خطرہ ہے کہ کہیں یہاں آنے پر یکدم حملہ نہ ہو جائے۔ میں نے جواباً تسلی دلائی اور کہا کہ میری ضمانت پر پوری تسلی اور بے فکری سے آجائیں۔ چنانچہ وہ سب آگئے اور اس انداز سے آئے کہ سب نے ہاتھ جوڑ رکھے تھے۔ سب کے آگے ایک معمر سکھ سردار کرم سنگھ تھے (سردار سچا سنگھ ذیلدار حلقہ روڑی کے والد بزرگوار) انھوں نے کہا "ہم نے اس معاملے میں اپنا فیصلہ ان بزرگوں کے سپرد کر دیا ہے انھوں نے جو فیصلہ دیا ہے وہ اب آپ کے سامنے پیش کر دیں گے"

میں نے کہا "سردار صاحب بچے اگرچہ پاپی ہیں مگر بچے ہیں۔ اس لئے ہم ایسا ارادہ نہیں رکھتے اور اسی لئے یہ معاملہ آپ کے سپرد کیا ہے"

کہنے لگے۔ "اچھا تو میرا فیصلہ سن لیں۔ میں نے ان بچوں کے والدین پر پانچ صد روپیہ جرمانہ کیا ہے جو ان سے وصول بھی کر لیا ہے اور وہ یہ حاضر ہے ـــ یہ کہتے ہوئے

دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر رقم رکھ کر میرے آگے کر دی۔
میں نے کہا کہ "آپ کے فیصلے کا بہر حال ہم بھی احترام کرتے ہیں مگر ہم یہ پانچ صد تو کیا پانچ کروڑ بھی ہو تو قرآن کریم کے ایک حرف کے بدلے بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں قرآن پاک کا کوئی مول نہیں ہے۔ ہاں البتہ آپ کے فیصلے کا احترام کرتے ہوئے یہ فیصلہ دیتے ہیں کہ اس روپے کو کسی ایسی جگہ خرچ کرو جو نہ صرف مسلمانوں کے کام آئے بلکہ اس سے تمام قومیں یکساں فائدہ اٹھائیں اور میری دانست میں وہ پیاؤ (سبیل) جو روڑی اور اسٹیشن بڑاگڈھا کے درمیان واقع ہے اور جہاں میلوں تک پانی میسر نہیں ہوتا۔ وہاں اس روپے سے ایک کمرہ تعمیر کر دیا جائے تاکہ آنے جانے والے مسافر پانی پی کر آرام بھی کر سکیں۔

چونکہ اسٹیشن روڑی سے بارہ میل کے فاصلے پر تھا اور سواری کا کوئی معقول انتظام نہیں تھا۔ اس لئے مسافروں کو ایسے آرام دہ اور آرام بخش کمرے کی ضرورت تھی۔ اس فیصلے پر وہ سب لوگ بہت ہی خوش ہوئے اور پھر خود ہی کہنے لگے کہ "مسلمان بھائیو! اب سب مل کر دعا کرو کہ سچا بادشاہ خداوند کریم ہم پر راضی ہو جائے اور ہمارے قصور معاف کرے۔"

چنانچہ ہندو مسلم سکھ سب نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور شکر ادا کیا کہ خدا نے اپنی مہربانی سے ایک بہت بڑے ہونے والے فساد سے بچا لیا۔ یہ دعا مانگ کر سب نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔

اب یہاں ایک بات بتانے کی رہ گئی کہ اس کا فیصلہ صادر کرنے کے لئے کرم سنگھ کو کیوں منتخب کیا گیا حالانکہ ان سے زیادہ سمجھدار اور ان سے زیادہ مؤثر شخص اور بھی موجود تھے، شاید اس کو فیصلہ کرنے والے اور فیصلہ سنانے والے خود بھی نہ جانتے ہوں گے مگر الحمد للہ مجھے اس کا علم ہے۔

اس واقعہ سے سال دو سال پیشتر ایک بار سردار کرم سنگھ میرے پاس ایسی حالت میں آئے کہ ان کے سر پر قرآن مجید رکھا ہوا تھا اور وہ مجھے تلاش کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے کہ "لو میاں صاحب۔ یہ غالباً قرآن مجید ہے آپ اسے اپنے پاس رکھ لیں۔ میں اسے دور سے لایا ہوں۔"

انھوں نے اس کی تفصیل اس طرح بیان کی کہ "میں بھٹنڈہ سے چھوٹی لائن بی۔ بی۔ اینڈ سی آر کے ایک تھرڈ کلاس ڈبے میں سفر کر رہا تھا۔ اس میں چند مسافر موجود تھے اور یہ کلام مجید ایک کھونٹی پر لٹکا ہوا تھا۔ بھٹنڈے سے شیر گڑھ اور راماں منڈی اسٹیشن پر مسافر اترتے گئے حتیٰ کہ کالانوالی منڈی کے اسٹیشن پر اس ڈبے میں میرے سوا کوئی مسافر نہیں رہا۔ میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے آگے آنے والا اسٹیشن شکھ چین المعروف لکڑی والی تھا۔ جہاں مجھے اترنا تھا۔ گاڑی چلی اور پھر میرے اترنے کا اسٹیشن بھی آگیا۔ گاڑی رکی اور مجھے قرآن پاک نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ مجھے یہ خیال شدت سے آیا کہ اس قرآن پاک کو اپنی تحویل میں لینے والا اب اس گاڑی میں کوئی نہیں جس کی تحویل میں تھا وہ بھول گیا اس لئے اب مجھے چاہئے کہ میں اسے اپنے ہمراہ ادب سے لے جاؤں اور میاں صاحب کے سپرد کر دوں۔ چنانچہ میں نے نہایت احتیاط سے سر پر اٹھا لیا۔ تیرہ چودہ میل کا سفر میں نے پیدل کیا ہے کہیں پیشاب وغیرہ کے لئے نہیں رکا کہ ناپاک ہاتھ قرآن پاک کو نہ لگ جائیں۔ اس لئے بس سیدھا آپ کے یہاں چلا آ رہا ہوں۔"

اللہ میاں کو غالباً یہی ادا پسند آئی جو اس سانحے کا فیصلہ بھی انھی سے کرایا۔ حقیقتاً غیر مسلموں میں ان سے زیادہ اہل اور کون ہو سکتا تھا۔ اس موقعے پر بیان کرنے کی ایک بات اور رہ گئی کہ اس مجمع میں مولوی شیر محمد صاحب "سکنہ" ناگوکا نے بھی ٹھیٹھ پنجابی زبان میں ایک مؤثر تقریر کی تھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ "آپ کے فیصلے کے تحت پانچ صد روپیہ جرمانہ وصول کرنا ہمیں صحیح معلوم نہیں ہوتا مگر اس خیال سے کہ شاید جرمانہ اس گناہ کے میل کو صاف کرنے کے لئے صابن کا کام دے سکے۔ ہم اس کو قبول کرتے ہیں۔"

آپ کو یاد ہوگا کہ تھانہ دار جو ہندو تھا یہ شور اٹھنے پر تھانہ میں اپنی دیہات کی روانگی دکھا کر گھر میں جا چھپا تھا،

بقیہ بر صفحہ ۵۸

قرآن میں ہو غوطہ زن ......

تحلیل کی زد میں ہے مسلمان کا ایماں
تعمیر کے پردے میں ہے تخریب کا ساماں

بے دینی و الحاد کا جاری ہے فرماں
ذہنوں سے فراموش ہے اللہ کا پیماں

ہر سمت ہے ... عجب طرح کا ہیجان
بنتے ہیں جو آیاتِ الٰہی کے نگہباں

ان دین پہ ہے بعد کی تکمیل کا بہتان
امڈا ہوا ہے ہلاکت کا وہ طوفان

قرآن سے قرآن سے قرآن سے قرآن
قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان!

اس دور میں ہر شخص ہے غم خوردہ و حیراں
اسلام میں الحاد کے پیوند کی ترغیب

قرآن میں اسلام میں تفریق کے درپے
ابلیس کے احکام کی تبلیغ و اشاعت

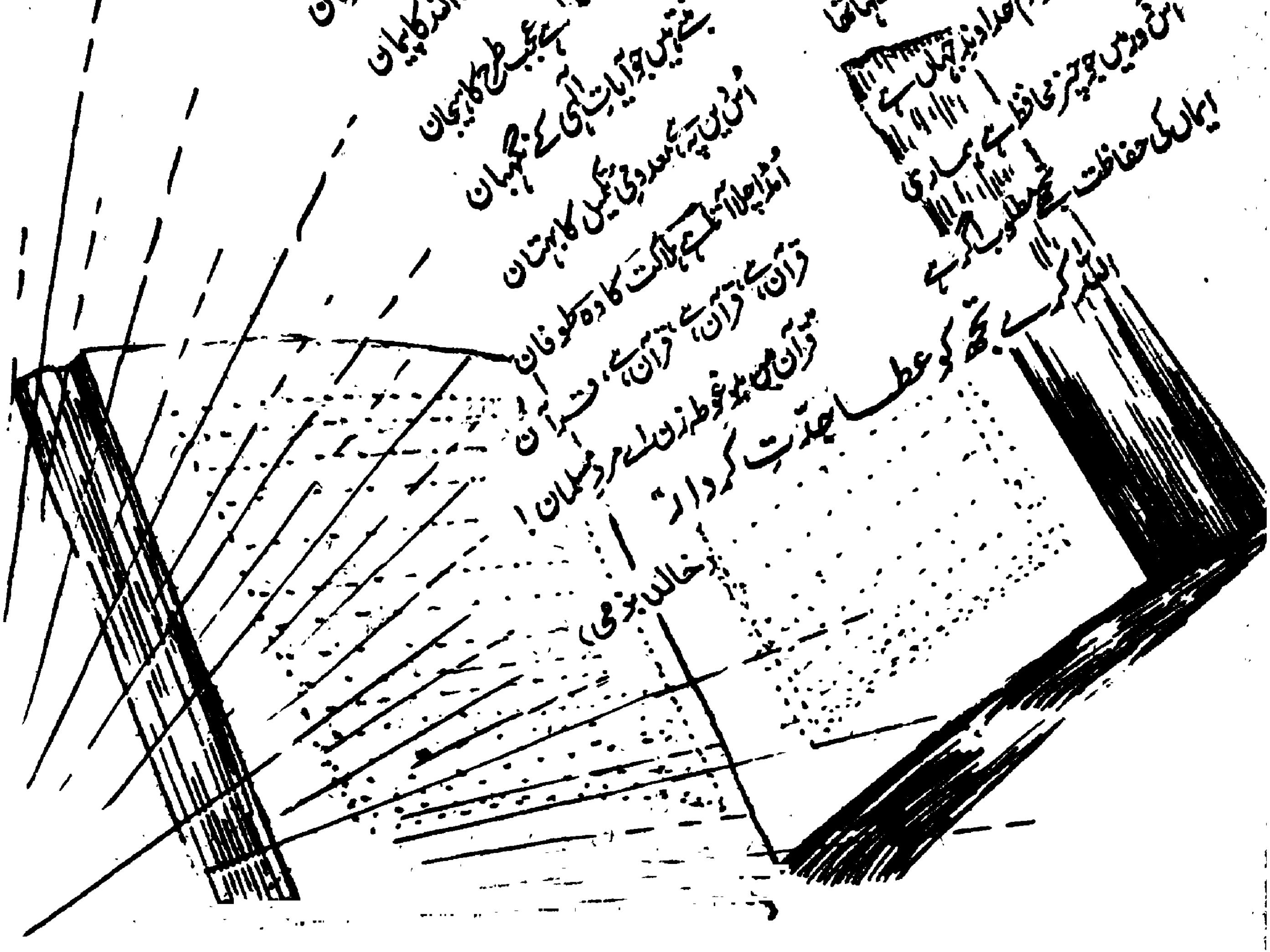
ہر صاحبِ ایماں کا مقدر ہوئی تشویش
پھر وہ بھی ہیں اغیار کے پھندے میں گرفتار

جس دین کو اکملت لکم حق نے کہا تھا
وہ آج فقط شکوۂ مغموم خداوندِ جہاں ہے

اس دور میں جو چیز محافظ ہے ہماری
ایماں کی حفاظت سے جو مطلوب اگر ہے

اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

(خالد عزمی)



گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

عظمت کے مینار

خورشید الزماں

●

سلیمان بن عبد الملک حج بیت اللہ کے مدینہ طیبہ آتا ہے۔ سلطنت کے بڑے بڑے عمائد اور اعیان اُس کے ساتھ ہیں پوچھتا ہے:

"یہاں کوئی ایسے صاحب ہیں جنھوں نے اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحبت سے فیض اٹھایا ہو؟"

"جی ہاں، ایک مردِ صالح ابوحازم اس دورِ سعید کی نشانی باقی رہ گئے ہیں۔" مدینے کا گورنر عرض کرتا ہے۔

سلیمان ابوحازم کو بارگاہِ خلافت میں طلب کرتا ہے۔

"مجھے سلیمان سے کیا غرض؟" ابوحازم خلیفہ کے قاصد کو بے اعتنائی سے کہتے ہیں۔ وہ اپنا سا منہ لے کر واپس آجاتا ہے۔ سلیمان اسے دوبارہ بھیجتا ہے۔

"امیر المؤمنین آپ سے استفادہ چاہتے ہیں۔"

"استفادہ؟" ابوحازم اسی بے نیازی سے کہتے ہیں۔ "ان سے کہو، فقیر کے پاس کیا رکھا ہے؟"

"ہم خود شیخ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔" سلیمان قاصد کا جواب سُن کر کہتا ہے۔

●

سلیمان ابوحازم کی خدمت میں حاضر ہے۔ مشہور محدث امام زہریؒ سلیمان کا ایک مصاحب اس کے ساتھ ہیں۔ دونوں میں گفتگو ہو رہی ہے۔ امام زہری اور مصاحب خاموش بیٹھے سُن رہے ہیں۔

سلیمان: "اے ابوحازم، ہم پر یہ ظلم ناروا کس لئے ہے؟"

ابوحازم: "بخدا، اب سے پہلے نہ میں آپ کو جانتا تھا اور نہ آپ مجھ سے واقف تھے، پھر آپ کیسے کہتے ہیں کہ میں نے ظلم کیا ہے؟"

سلیمان امام زہریؒ کی طرف دیکھ کر کہتا ہے: "شیخ بجا فرماتے ہیں، غلطی میری ہی تھی۔" پھر پوچھتا ہے: "اے ابوحازم، یہ بتایئے ہم لوگ موت سے کیوں ڈرتے ہیں؟"

ابوحازم: "تم لوگوں نے اپنی دنیا آباد کرلی ہے اور آخرت برباد۔ اب آبادی سے ویرانے کی طرف جاتے ہوئے خوف کھاتے ہو۔"

سلیمان: "آپ نے سچ فرمایا۔ اے ابوحازم، اللہ تعالیٰ کے ہاں کل (قیامت کے روز) ہمارے لئے کیا رکھا ہے؟"

ابوحازم: "اپنا عمل کتاب اللہ کی کسوٹی پر پرکھ لو۔"

سلیمان: "اللہ کی کتاب میں یہ رہنمائی کہاں سے ملے گی؟"

ابوحازم: "اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں:

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ

نیکوکار لوگ جنت میں ہوں گے اور بدکار و فاجر جہنم میں جہاں وہ فیصلے کے دن پہنچیں گے اور اس سے بچ کر جانے نہ پائیں گے۔"

سلیمان: "اور اللہ کی رحمت کہاں ملے گی؟"

ابوحازم: "نیکوکار اور مرتبۂ احسان پر فائز لوگوں کی قربت میں۔"

سلیمان کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا ہے۔ خشونت اور شاہانہ جلال کی جگہ نرمی اور عاجزی و فروتنی جھلکنے لگی ہے، آنکھوں میں آنسو بھر آئے ہیں۔ ایک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اور وہ پکار اٹھتا ہے: "ہائے افسوس!" لیکن سنبھل کر کہتا ہے:

"ہم اللہ کے حضور قیامت کے روز کس طرح پیش ہوں گے؟"

ابوحازم: "نیکوکار محسن لوگ اس طرح حاضر ہوں گے جیسے کوئی شخص کئی دن غیر حاضر رہنے کے بعد خوش خوش اپنے اہل و عیال کے پاس آتا ہے اور بدکار لوگ مفرور غلاموں کی طرح اپنے رب کے حضور کشاں کشاں لائے جائیں گے۔"

سلیمان بے قابو ہو جاتا ہے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگتا ہے۔ دل کا غبار دھل جاتا ہے، تو پوچھتا ہے:

"اے ابوحازم، ہم نیکوکاری اور راست بازی کیونکر اختیار کریں؟"

ابوحازم: "لاف زنی چھوڑ دو اور عدل و انصاف اور مروت کو اپنا لو۔"

سلیمان: "وہ کیسے؟"

ابوحازم: "حق کے ساتھ لو اور حق کے ساتھ حقدار کو دو۔"

سلیمان: "بہترین حق کیا ہے؟"

ابوحازم: "کسی ایسے شخص کے سامنے سچی بات کا اظہار جسے لوگ امید اور خوف کی نگاہ سے دیکھتے ہوں۔"

سلیمان: "افضل ترین صدقہ کونسا ہے؟"

ابوحازم: وہ ذراسی شے جو انسان کسی تنگ دست اور حاجت مند کو دے، لیکن اس پر نہ تو احسان کا چھڈار کھے اور نہ اسے دکھ پہنچائے۔"

سلیمان: "کونسی دعا بارگاہِ الٰہی میں جلد قبول ہوتی ہے؟"

ابوحازم: "محسن کی دعا محسنین کے لئے۔"

سلیمان: "اے ابوحازم، سب سے زیادہ خردمند کون ہے؟"

ابوحازم: "وہ شخص جو اللہ کی اطاعت پر قادر ہے، خود بھی حق طاعت ادا کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس راہ کی طرف لے جاتا ہے۔"

سلیمان: "اور احمق ترین انسان کون ہے؟"

ابوحازم: "وہ شخص جو کسی ظالم انسان کا ساتھ دیتا ہے اور اس کی دنیا بنانے کی خاطر اپنی آخرت برباد کر لیتا ہے۔"

سلیمان: "ہماری حکومت کے متعلق آپ کی کیا رائے

ہے ؟

ابو حازم: "میں معافی چاہتا ہوں"۔

سلیمان: "نہیں کچھ تو فرمائیے، مجھے آپ کی نصیحت درکار ہے"۔

ابو حازم: لوگ مسلمانوں کے مشورے اور امت کی مرضی کے بغیر حکومت و اقتدار پر مسلط ہو گئے ہیں، چنانچہ وہ دنیاوی اغراض کی خاطر لوگوں کا خون بہاتے اور من مانی کرتے ہیں"۔

سلیمان کا مصاحب جو ابو حازم کی باتوں سے دل ہی دل میں سخت پیچ و تاب کھا رہا ہے بے ساختہ پکار اٹھتا ہے:

"شیخ، تم نے بڑی ہی بری بات کہی ہے"۔

ابو حازم: اے بڑے مصاحب بخدا تو جھوٹ کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علماء سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے حق کو واشگاف بیان کریں گے اور اسے نہیں چھپائیں گے۔

سلیمان: "اے ابو حازم، کیا آپ ہماری رفاقت پسند کریں گے؟ ہم فیض یاب ہوں گے آپ سے اور آپ ہم سے"۔

ابو حازم: "ہرگز نہیں"۔

سلیمان: "کیوں؟"

ابو حازم: "اللہ کا دامن چھوڑ کر آپ پر بھروسہ کروں تو ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دوہرا عذاب دے گا اور اس کی گرفت سے مجھے کوئی بچا نہ سکے گا"۔

سلیمان: "کوئی ضرورت ہو تو بیان فرمائیے"۔

ابو حازم: میں نے اپنی ضرورتیں اپنے رب کے حوالے کر دی ہیں جو آپ سے کہیں بڑھ کر حاجت مندوں کی احتیاج پوری کرتا ہے۔ وہ مجھے جو کچھ دیتا ہے، میرے لئے کافی ہو رہتا ہے اور جو شے مجھے نہیں دیتا، اس پر میں راضی برضا رہتا ہوں۔ میرے رب کا ارشاد ہے: نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ (ہم نے اُن کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کر دی ہے) پھر کون ہے جو میرے حصے کی روزی میں کمی بیشی کر سکے"۔

سلیمان رو پڑتا ہے اور اتنا روتا ہے کہ ہچکی بندھ جاتی ہے۔ پھر کہتا ہے:

"اے ابو حازم مجھے کوئی وصیت فرمائیے"۔

ابو حازم: "ہاں میں تمہیں وصیت کروں گا، مختصر سی وصیت۔ یہ اقتدار جو تمہارے پاس ہے۔ تمہیں اپنے مرنے والے پیشرو سے ملا ہے اور تمہارے ہاتھ سے اس طرح نکل جانے والا ہے جس طرح تمہارے پیشرو کے ہاتھ سے نکل چکا ہے"۔

سلیمان: "ابو حازم، کچھ اور وصیت فرمائیے"۔

ابو حازم: "اللہ نے آپ کو جن مقامات سے روکا ہے وہاں آپ اسے نظر نہ آئیں اور جہاں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے وہاں سے وہ آپ کو غائب نہ پائے"۔

سلیمان اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اس کے ساتھ ہی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک تھیلی نکالتا ہے اور انھیں دیتے ہوئے کہتا ہے:

"یہ سو دینار ہیں انھیں قبول فرمائیے۔ آئندہ بھی خدمت کرتا رہوں گا"۔

ابو حازم تھیلی کو جھٹک دیتے ہیں جیسے کوئی انگارہ اُڑ کر ہاتھ سے چھو گیا ہو۔ پھر کہتے ہیں:

"جس چیز کو میں آپ کے لئے ناپسند کرتا ہوں، اسے اپنے لئے کیونکر پسند کروں گا۔ پناہ بخدا، کیا آپ کے سوالات محض دل بہلانے کے لئے تھے؟ اور کیا میں نے بخشش کی نیت سے ان کا جواب دیا تھا؟ اگر یہ سو دینار ان باتوں کا معاوضہ ہیں جو میں نے آپ سے کہیں، تو حالتِ اضطرار میں مردار، خون اور سؤر کا گوشت اس سے کہیں زیادہ حلال ہیں۔ اگر مسلمانوں کے مال میں سے مجھے حاجت مند سمجھ کر دے رہے ہیں، تو مجھے ان کی کوئی احتیاج نہیں"۔

ملا ابن العرب مکی

دس نمبر سے صینا تک

کل زوجہ نے دس کا ایک خراب و خستہ سا نوٹ
ی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔
"آٹا، گھی، شکر، چائے، ایندھن کچھ بھی نہیں ہے۔
یہ لے آیئے۔"
میں نے پہلے اس نوٹ کی طرف پھر کہنے والی کے
ے کی طرف تحیّر سے دیکھا تھا پھر خود بخود میرے منہ
نکلا تھا:۔
"پوری منڈی ہی کیوں نہ اُٹھا لاؤں۔ باقی جو
بچے گا اس سے ایک بنگلہ بنوائیں گے اور پھر ہم تم
ں میں بانہیں ڈال کر گایا کریں گے ——— اک بنگلہ بنا
یارا۔ اس میں رہے گا کنبہ سارا۔"
وہ مسکرائی نہیں تھی بلکہ برا سا منہ بنایا تھا ———
ہوفیوں گوفیوں نے آپ کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔
ں کا بھی کوئی وقت ہونا چاہیئے۔"
"تو مجھے پٹواؤ گی کیا ——— لکڑی پانچ روپے من ہے۔
سات روپے کلو۔ شکر ڈھائی روپے ......"

"پرانی بات ہوئی۔ آپ کئی مہینوں سے سودا لائے ہی
نہیں ہیں جو تازہ نرخوں سے باخبر ہوتے۔ لکڑی اب سات
روپے من ہے۔ نقلی گھی دس روپے کلو۔ شکر چار روپے کلو۔"
"پھر تو اس متبرک نوٹ سے کفن ہی خریدا جا سکتا ہے"
"کفن بھی اتنے میں نہیں آئے گا ——— میرے کیش
بکس میں مزید ایک کوڑی بھی نہیں۔"
"آئی سی ——— تنخواہ میں تو ابھی ایک ہفتہ باقی ہے۔
تو کیا ہم پتھر چبائیں گے!؟ ———"
"میں تو بغیر پتھر چبائے بھی دس یا پانچ دن جی سکتی
ہوں مگر آپ سوچیئے اُن جھاڑو ماروں کا کیا ہوگا جنھیں
چائے کے ساتھ انڈے بھی چاہئیں۔ پراٹھے بھی چاہئیں۔"
"جھاڑو ماروں ...... ! یہ بھلا کیا چیز ہوتی ہے؟"
"ماشاء اللہ آپ کے صوفی زعفران۔ خواجہ مسکین۔
حافظ للکار۔ قاری گلفام۔ کونسا منحوس دن ہے جو ان میں
سے کسی نہ کسی کی تشریف دھری نہ رہتی ہو۔ آپ کی بلا سے
باورچی خانے کا جو بھی حال ہو آپ کو حکم چلانے سے مطلب۔

ذرا دو پیالی چائے بنادینا۔ ذرا انڈے بھی اُبال دینا۔ ذرا۔۔"

"بس بس نیک بخت۔ تم سے میں نے پیغام نکاح ہی اُس وقت بھجوایا تھا جب ایک بزرگ نے تمہارے بارے میں بڑے وثوق کے ساتھ یہ بشارت دی تھی کہ بڑی ہی خوش نصیب لڑکی ہے رزق تو اس کے پیچھے دوڑا دوڑا پھرتا ہے۔"

"وہ بزرگ بھی تلوار حسین قسم کے کوئی بزرگ ہونگے۔ بہرحال آپ نوٹ لیجئے اور جو کچھ لاسکتے ہوں لے آیئے ۔"

"خدا کی بندی ـــ یہ غدر سن ستاون سے قبل کا نوٹ تو دکاندار شاید لے گا بھی نہیں۔ اب اکثر تم ایسے ہی نوٹ دینے لگی ہو۔ کیا معاملہ ہے ؟"

"میں اب کم سے کم مہینے بھر کے لئے بھیا کے گھر جارہی ہوں۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی ۔"

"اور میں ہجر کی راتیں کیسے گزاروں گا۔ آجکل تو تارے بھی نہیں۔ بادل ہی بادل منڈلاتے پھرتے ہیں ۔"

"راتوں کو قوالیاں سُنیئے گا۔ دن بھر پیر پھیلا کر سوئیے گا ۔"

قصہ مختصر نوٹ لے کر میں گھر سے نکلا تھا۔ راستے میں ایک شریف النفس قسم کا آدمی پودے فروخت کرتا نظر آیا۔ پھلواری میری کمزوری ہے۔ پھولوں کے پودے لگانا اور روزانہ کچھ نہ کچھ وقت ان کی نگہداشت کے لئے نکالنا۔ اگر ناغہ ہوجائے تو میرا معدہ چوپٹ ہوجاتا ہے۔ گلاب کا ایک بہت ہی خوبصورت پودا اس کے ٹھیلے پر نظر آیا تو قیمت پوچھی۔ کہنے لگا :-

صاحب۔ شوقینوں کے سودے ہیں۔ قیمت بھلا اس کی کیا لگے گی۔ شاہجہاں نے جب شاہی باغ لگوایا تھا تو گلاب کی ایک نایاب قسم آئرلینڈ سے منگائی تھی۔ یہ اسی کی نسل ہے ۔"

میں نے عش عش کرتے ہوئے اسے گھورا ـــ" یار بڑے پہنچے ہوئے ہو۔ تمھیں تو مؤرخ ہونا چاہیئے تھا۔"

"مقدر ہے صاحب۔ گدھوں کو تاج مل رہے ہیں اور گھوڑوں کو بستر بھی نصیب نہیں ۔"

"نقاد بھی ہو۔ اور دو چار جملے ذرا ایسے ہی ۔"

"کل سے روٹی نہیں کھائی ہے جناب ۔ کچھ پکا ہی نہیں ۔ زیادہ بولنے کی سکت کہاں ۔"

"سوری ـــ تو یہ گلاب کتنے کا ہے ؟"

"یہ تو صاحب گملے سمیت بارہ روپے کا مگر آپ دیں گے لے لوں گا ـــ"

"میں بھی تمہارے ہی طبقے سے تعلق رکھتا ہوں ۔ محنت کش یعنی پرولتاری ـــ سمجھتے ہونا ؟"

"پہلے سب کچھ سمجھتا تھا ـــ لینن، مارکس، انجلز سب کو پڑھ رکھا ہے مگر۔ اب تو ساری سمجھ بوجھ معدے میں اتر گئی۔ دل کا مریض ہوں اس لئے محنت مزدوری بھی نہیں کرسکتا ـــ"

"سچ ؟" میں چونکا ـــ" کیا کسی غیر خاندان کی ہے ؟"

"کون ؟ کیا مطلب "

"اب بتاؤ گے بھی ـــ یار وہی جس نے دل کا مرض دیا ہے ـــ"

"چار بچے ہیں میاں صاحب۔ دو چھوٹے بھائی۔ ایک بہن۔ ایک بیوہ خالہ ـــ"

"تو یوں کہو کسی بیوہ کے چکر میں پھنس گئے ہو ـــ"

"کیسی باتیں کررہے ہیں آپ۔ میں اپنی حالت بیان کررہا ہوں۔ بیوی مرگئی۔ زمین کسٹوڈین میں چلی گئی یہ زمانہ۔ اتنا خرچ ـــ"

"معاف کرنا۔ مجھے لفظ دل سے غلط فہمی ہوئی تھی چلو یہ دس رکھو۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے میرے پاس ۔" وہ نوٹ میں نے اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

دراصل میرے دماغ میں یہ بات آئی تھی کہ مطلوبہ اشیاء کی جو میزان زوجہ نے بتائی ہے وہ تو دس روپلی میں مہیا ہونے سے رہی کیوں نہ یہ شاندار گلاب ہی ڈالوں شاہجہاں سے نسبت رکھتا ہے ـــ ہزار جان گرامی فدا بہ این نسبت ۔

گھر پہنچا تو زوجہ نے بڑی قہرمانی نظروں سے استقبال

"دیکھو نیاز بخت۔ پودوں کے معاملے میں میرے (جذب)ات بہت نازک ہیں۔ کوئی ایسا ویسا لفظ نہ کہہ (جائ)یے۔"

وہ چند ثانیے خاموش رہی پھر تیزی سے میری طرف (او)ر پودے کو دیکھنے لگی۔

"یہ تو اعلیٰ قسم کا ہے" وہ دفعتاً خوش ہو کر بولی۔ "(بھ)یا کے یہاں بھی ایسے ہی دو تین ہیں — دس روپے (سے) کم تو نہیں —"

پھر گملا میرے ہاتھ سے لے کر اس نے خود ہی پودے (کو کی)اری میں منتقل کیا اور اس دوران میں اسے بالکل (یاد نہ) آیا کہ ہم لوگ پھر کس رفتار سے چبا سکیں گے۔ میں نے (اسے) غنیمت جانا۔

"ڈارلنگ — صبح مولوی فردوس الحق اور حافظ (خنجر) ناشتے پر آرہے ہیں۔ میں سوچ رہا تھا آخرِ شب خودکشی (کر لو)ں گا۔ صبح کو وہ آئیں گے تو کفن دفن کا خرچ ان سے (وصو)ل کر ہی لو گی۔"

اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا — "بھیا کے روپے میرے پاس امانت رکھے ہیں۔ آپ کے دوست احباب (ج)ہنم میں پہنچا کر رہیں گے۔"

"استغفار پڑھو مائی سوئٹ ڈارلنگ۔ بھائی بہن کا (کس)نے بانٹا — امانت تو غیروں کی ہوتی ہے — کل اسی (قس)م کا جوڑا اور خرید لیں گے۔ دونوں کیاریوں میں ایک (ایک) ہو تو کیا کہنے۔"

"آپ کو خدا جانے کس مٹی سے بنایا گیا ہے — فکر تو (کس)ی بات کی ہوتی ہی نہیں۔ آخر کب تک ایسے گاڑی چلیگی۔"

"کیا خدا کی رزاقی سے ایمان اٹھ گیا — مائی بیوٹی بانو توکل اور قناعت تو تصوف کی جان ہوتی ہے۔"

"مگر آپ کے صوفی احباب تو ان الفاظ کے معنی بھی (شا)ید نہیں جانتے۔"

"زیادتی کر رہی ہو۔ صوفی زعفران ہی کو دیکھ لو۔ چار سال سے مشتری بیگم پر قناعت کیے ہوئے ہیں حالانکہ عرسوں میں کسی بھی سال ایک سے ایک زنانِ عاشقانِ اولیاء کی کمی نہیں ہوتی۔ کوئی قتالۂ عالم ہے۔ کوئی دنبالۂ عالم ہے۔"

"آپ کو شرم آنی چاہیئے میرے آگے اس طرح کی باتیں کرتے۔"

"آ گئی — اسی بات پر صبح ناشتہ ذرا اچھا ہو جائے۔ حافظ خنجر مجھے ایک بڑی شاندار دعوت کھلا چکے ہیں۔"

"یہ سمندر علی صاحب کے لڑکے ہیں کیا؟"

"سمندر علی تو ان کے چچا ہیں۔ والد صاحب کا نام تھا معطر علی۔ بڑا اونچا خاندان ہے۔ ابدال اور قطب وغیرہ تو اس میں دھڑا دھڑ پیدا ہی ہوتے چلے آرہے ہیں۔"

"حافظ خنجر بھی قطب سے کم کیا ہوں گے؟"

"نہ خیر۔ وہ تو ابھی تربیت کے مراحل میں ہیں۔ ہو جائیں گے کھیلتے کھاتے۔"

تو یہ تھا کل کا ماجرا۔ آج صبح پروگرام کے مطابق دونوں بزرگ تشریف لائے۔ بیوی کا موڈ ٹھیک ہی تھا۔ رات ایک بار اور میں نے اسے خوب سمجھایا تھا کہ دیکھو اے جانِ حیات وغیرہ وغیرہ بھیا کے پیسے امانت نہیں ہوا کرتے۔ بھائی اور بہن کا رشتہ لافانی ہے۔ وہ ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں اسے ہمیشہ یاد رکھو۔ وغیرہ ذالک۔ شاید بات اس کے بھیجے میں اتر گئی تھی اسی لئے ناشتہ خاصا پُرتکلف ملا۔

"بھئی خوب پکاتی ہیں تمھاری بیگم —" مولوی فردوس صاحب نے کچھ کھا پی کر داد دی تھی۔

"ماشاءاللہ۔ واقعی ہر آئیٹم نفیس ہے۔" حافظ خنجر نے تائید فرمائی تھی۔

پھر کتنی کتنی پیالیاں چڑھانے کے اور مولوی صاحب نے ایک نیا موضوع چھیڑا تھا۔

"تمھارے پیر پگاڑو بڑا غل چلاتے ہیں جماعت اسلامی کی قصیدہ خوانی میں ۔ کچھ بھی اعتراض کرو پھٹ سے علم کلام کا دروازہ چوپٹ ۔ اب دیکھیں گے کیا جواب دیں گے۔" یہ کہتے ہوئے انھوں نے تھیلے سے کاغذ کا پلندہ سا نکالا اور میرے ہاتھ میں تھما دیا۔

یہ اخبار دعوت کا ۱۵ اگست ۱۹۶۶ء والا آزادی نمبر تھا۔

"یہ میری نظر سے گذر چکا ہے ۔ فرمائیے آپ کیا دکھانا چاہتے ہیں ۔" میں نے پوچھا۔

"تم نے اس کا مطالعہ کیا؟"

"بڑی دلچسپی سے ۔ میں اشتہارات بہت شوق سے پڑھتا ہوں اور اس میں خدا کے فضل سے ان کا اوسط نوے فی صد ہے۔"

"مسخرہ پن نہیں ۔ بات تو ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اشتہارات کا اوسط اتنا ہی ہوگا مگر اس میں کیا اعتراض کا پہلو نظر نہیں آیا۔"

"اعتراض وغیرہ تو آپ جیسے اہلِ علم کا منصب ہے قبلہ ۔ میں جاہل کس شمار قطار میں ہوں ۔ ویسے یہ آپ بھی مانیں گے کہ اخبارات کا بڑا مقصد اشتہارات ہی ہوتے ہیں۔ کم سے کم دعوت کے خاص نمبروں سے تو یہی ثابت ہے پھر مجھے کیا پڑی ہے کہ بڑے مقصد کو چھوڑ کر مضامین وغیرہ کے چکر میں پڑوں ۔ سبحان اللہ کسی بھی پوشیدہ اور پیچیدہ بیماری کا علاج گھر بیٹھے ۔ خط راز میں رہے گا مکمل کر سارا حال لکھیے ۔ اور ایک بار پھر سبحان اللہ زنانہ و مردانہ مخصوص امراض کا لٹریچر مفت منگائیے ۔ بنڈل مارکہ بیڑی ۔ آخری کش تک یکساں لطف۔ نزع کی آخری ہچکی تک اسے برابر پئے جائیے۔ قبر میں بھی ایک بنڈل رکھنا نہ بھولئے ۔"

"تم دوست بکواس اچھی کر لیتے ہو مگر بعض دفعہ لمبی ہو جاتی ہے۔" حافظ خنجر نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔

"لمبی کی بات بھی سنو" مولوی صاحب جلدی سے بولے ۔ "میں نے دعوت کے اس آزادی نمبر کے اور اشتہارات کی لمبائی انچوں میں ناپی ہے ۔ ایک مضمون کے مقابلے میں سوا گیارہ انچ اشتہار کا تناسب

"آپ کے حساب میں کون جیتے گا جناب

مدت سے میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے ۔ اسے بھی حل کیجیے گرانی چھ عشاریہ نو ماہانہ کے حساب سے بڑھ رہی ہے تیسرے مہینے میں یہ رفتار پچھلی رفتار سے بقدر تین اعشاریہ دس بڑھ جاتی ہے تو بتائیے خودکشی کی خاطر ایک ماش خریدنے کے لئے ۱۹۷۰ء میں ایک آدمی کو کیا قیمت ادا کرنی ہوگی ۔"

"جب بھی تمھارے پیر پگاڑو پر کوئی زد آنے لگتی تم اسی طرح فضول بکواس لگا کر بات کو ٹالتے ہو ۔ چلو ان سے ملواؤ ۔ دیکھنا ہے کونسا افلاطونی علم کلام کھود لاتے ہیں ۔"

"بھلا ان کا دعوت سے کیا تعلق ؟"

"بھولے مت بنو ۔ کون ہے جو بیس سالوں سے جماعت اسلامی کی طرفداری میں کتے کی طرح بھونکے جا رہا ہم پوچھیں گے کہ حکومت الٰہیہ اور اقامت دین اور معاشرہ جیسے الفاظ کی جگالی کرنے والی جماعت کا کیا ایسا ہی ہونا چاہیئے ۔"

"فضول ہے ۔ مودودی صاحب تو لاہور میں بیٹھے

"اس پر لعنت بھیجو ۔ مگر نہیں وہ کافر و زندیق اپنے کفر میں پکا ۔ ہم نے اس کا رسالہ دیکھا ہے ۔ کتابیں دیکھی ہیں ۔ مجال ہے ایک انچ بھی کہیں سرکا ہو ۔ ایسے نہیں نکلیں گے ۔ بڑے دل گردے کا آدمی ہے ۔"

"تو پھر آپ یہاں کی جماعت پر معترض کیوں

"یہ جاری تو حکومت الٰہیہ کی عروس غزل کو مدت ہوئی مغلظہ دے چکی ہے ۔ اقامت دین اور تطہیر معاشرہ الفاظ بھی اس کے اپنے نہیں ۔ مودودی کا شیپ ریکارڈ ہیں ۔"

"تمھارے کہنے سے کیا ہوتا ہے ۔ تمھارے

...تے ہیں حقائق کو تسلیم نہیں کرتے۔ اٹھو اسی وقت
...میں۔ ایک ناشتہ وہاں بھی سہی۔"

یہ دونوں مدیر تجلی کے لئے اجنبی نہیں تھے۔ علیک سلیک کے بعد انھوں نے پوچھا۔

"چائے شوق فرمائیں گے؟"

"آپ کی مرضی" مولوی فردوس الحق بولے۔

چائے کے ساتھ سوجی کا حلوہ، اُبلے ہوئے انڈے اور بالائی کی پلیٹ بھی آئی۔ پھر میں تو بمشکل آدھی پیالی چائے پی سکا لیکن دونوں نے دبادب دو دو پیالیاں پی ہیں اور ماکولات بھی صاف کر گئے۔

آخر کار آمدم بر سرِ مطلب کا پھاٹک بھی کھل ہی گیا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا آپ مجھ سے اس سلسلے میں کون سا دہ بحث ہیں۔" مدیر تجلی نے ان کے جارحانہ اشارات سے جزبز ہو کر کہا۔

"آپ جس جماعت کے گن گاتے ہیں کیا اس کا سرکاری آرگن ایسا ہی ہونا چاہیئے؟"

"جواب آپ کے علم میں ہے پھر میں کیا عرض کروں۔"

"یعنی؟" مولوی صاحب نے انھیں گھورا۔

"پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کھودنے والے سادہ نہیں ہوا کرتے۔ اشتہارات پیسہ دیتے ہیں اور پیسہ جس کے پاس ہو وہ پھر کیوں سادہ رہے۔"

"آپ کنایات استعمال نہ فرمائیں۔ بات صاف لفظوں میں ہونی چاہیئے۔"

"اشتہارات مواد پر غالب نہ آنے پائیں یہ ایک عقیدہ اصول ہے۔ اقامتِ دین کی علمبردار جماعت کے سرکاری آرگن تو بڑی چیز ہے۔ ایک خالص دنیادار پرچہ بھی اگر اشتہارات کا پلندہ بن جائے تو اسے بازار جنس قرار دیا جائے گا۔"

"اوہ ۔۔۔ تو جناب آپ کی وکالت کیا ہوئی۔ ۔۔۔ ہم نے تو آج تک آپ کو جماعتِ اسلامی ہی کی وکالت کا جھنڈا اٹھائے دیکھا ہے۔"

"وہ اب بھی میرے ہاتھ میں ہے۔ جماعتِ اسلامی کے کسی اصول اور نظریئے پہ اعتراض فرمایئے میں جواب عرض کروں گا۔"

"یہ جماعت ہی کا تو نقص ہے۔"

"افرادِ جماعت کا کہیئے ۔۔۔ افرادِ امت اگر امراض میں گرفتار ہو جائیں تو اس کا یہ مطلب کہاں ہوا کہ وہ دین بھی مریض ہو گیا جس سے اس امت کا تعلق ہے۔"

مولوی صاحب نے قدرے تحیر سے حافظ خنجر کی طرف دیکھا۔ وہ آنکھیں پھیلائے مدیر تجلی کے روئے نازیبا کو برابر دیکھے جا رہے تھے۔ میں بور ہو رہا تھا کیونکہ ایک تو موضوع ایسا خشک اور واہیات دوسرے یہ بات ابھی ابھی یاد آئی تھی کہ آج تو خواجہ تلقین کے یہاں بڑی دلچسپ میٹنگ ہے جس میں میں بھی مدعو ہوں۔ وقت ناشتے کے فوراً بعد ہی کا متعین ہوا ہے۔ شہر کے ممتاز اربابِ طریقت اس میں جلوہ افروز ہوں گے۔ حاجی منقار، مرزا تفسیر، صوفی بہرام، خواجہ ارمان اور قاری گلبدن جیسے اساطین کا اجتماع تو بجائے خود نوادرات میں سے ہے پھر موضوع اتنا پرکشش کہ خدا کی پناہ۔ دراصل غور اس مسئلہ پر کرنا تھا کہ امریکہ نے چاند پر پہنچ کر جو مرعوبیت عامۃ الناس میں پیدا کر دی ہے اس کا ازالہ کیونکر کیا جائے۔ حافظ فرہاد کا خیال تھا کہ پچھلے اولیاء اللہ نے ہوا میں اڑنے کی جو کرامت بارہا خلقِ خدا کو دکھلائی ہے اسی کی تجدید ہم صوفیائے کرام بھی کریں اور بندگانِ خدا کو دکھلا دیں کہ امریکہ تو اڑنے میں مشینوں کا محتاج ہے مگر ہم اہل اللہ بغیر کسی توسط کے بہ نفسِ نفیس اڑ سکتے ہیں۔ طے یہ کرنا تھا کہ کونسے چار بزرگ اس کرامت کے عالمی مظاہرے کی زحمت گوارا فرما سکتے ہیں۔ چار

اس لئے کہ مغرب مشرق جنوب شمال سب طرف ایک ایک صوفی لمبی اُڑان بھرے تاکہ سارا عالم عش عش کرکے اس نظارہ بے مثال کو دیکھے اور امریکہ مارے شرم کے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ مجھے مدعو اس لئے کیا گیا تھا کہ خود میں نے بھی اُڑنے کی صلاحیت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ کر اس بل بوتے پر دیا تھا کہ عملی ثبوت کی شاید نوبت ہی نہ آئے۔ اتنے بڑے بڑے جبالِ طریقت جہاں مجتمع ہوں گے وہاں یہی طے ہونا کیسے ممکن ہوگا کہ اس اُڑن دستے کی کمان کس کے ہاتھ میں ہو ــــ ہر بزرگ اپنی دانست میں سیادت و قیادت کا سب سے بڑھ کر مستحق تھا اور ہونا بھی چاہئیے۔ کم سے کم تین اکابر کے خیالات تو پوری طرح میرے علم میں تھے۔ وہ سلاسل تصوف کی ساری ہی نسبتوں کے جامع تھے۔ نقشبندی، چشتی، سہروردی وغیرہ وغیرہ ــ بلکہ دس بار وغیرہ وغیرہ۔ کیسے وہ کسی اور کو اپنے سے برتر مان لیتے۔ ان کی دلیل تھی کہ امانات کو ان کے اہل کے سپرد کرنا قرآن کا حکم ہے اور قرآن کی نافرمانی ہم برداشت نہ کر سکیں گے اگر کسی اور کو ہم پر فوقیت دی گئی۔ عین ممکن تھا جملہ شرکاءِ مجلس ان تینوں کی برتری پر متفق ہو جاتے لیکن ان میں سے پھر ایک کا انتخاب کس طرح ہوتا۔ ان میں سے کسی کے لئے بھی یہ بات قابلِ برداشت نہ ہوتی کہ خود اس کے علاوہ کسی کو بھی امتیازی درجہ دیا جائے۔

بہرحال میں بور ہو رہا تھا اور مولوی فردوس الحق ایڈیٹر تجلّی کی کھال کھینچنے کی فکر میں تھے۔

"آپ افراد کی حمایت نہیں کرتے تو مودودی مودودی کی رٹ آپ کے رسالے میں اس قدر کیوں پائی جاتی ہے؟"

"رٹ کی جگہ آپ بکواس کا لفظ بھی استعمال فرمالیں تو میں برا نہیں مانوں گا۔ رٹ میں نہیں لگاتا معترضین لگاتے ہیں اور جواباً مجھے نام دہرانا پڑتا ہے۔"

"پھر تو یہ سوال بھی آپ سے بیکار ہی ہوگا کہ اخبار دعوت میں وہ کونسی خاص بات ہے جس کی وجہ سے اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اقامتِ دین کا داعی اور نقیب۔"

"میں خود ہی کافی دنوں سے اس سوال کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہا ہوں۔ میرا بس چلتا تو کبھی کا اس فقرے کو اس کی پیشانی سے کھرچ چکا ہوتا۔"

"عجیب بات ہے۔ آپ برابر ایسی جماعت کی حمایت کئے چلے جاتے ہیں جو خود آپ کے اعتراف کے مطابق قول و عمل کی دورنگی میں گرفتار ہے۔"

"پھر آپ نے خلطِ مبحث کیا ــــ بندہ پرور دلائل و نظریات کی بات کیجئے۔ کون کیا کرتا ہے اس کا میں ٹھیکیدار نہیں۔ آخر مسلمان بھی تو بالعموم اسلام کا دامن چھوڑے ہوئے ہیں۔ شراب۔ جوا۔ سود۔ چوری۔ بدعت۔ غفلت۔ کون سا عیب ہے جو ان میں سرایت نہیں کر گیا۔ پھر کیا آپ اس شخص کو اعتراض کا نشانہ بنائیں گے جو اسلامی اصول و اقدار کی وکالت کرے۔"

"آپ کم سے کم دعوت کے خلاف تو آواز اٹھائیے۔ بنیادی اختلاف کے باوجود میں اور میرے متعدد احباب دعوت کو عرصہ سے پڑھتے آرہے ہیں کیونکہ اس میں کم سے کم وہ جو خرافات و مکروہات تو نہیں ہوتیں جن سے کوئی بھی مسلم رسالہ بچا ہوا نہیں۔ لیکن اب عرصہ سے اس کے شذرات وغیرہ کچھ ایسے آرہے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا انھیں کیوں پڑھا جائے۔ لاحاصل موضوعات۔ فضول کے عنوان۔ پھیکا اسلوب۔ نہ دنیا نہ نفعِ دین۔ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ یہ کوئی ایسا جریدہ ہے جو اقامتِ دین جیسے نصب العین کا نقیب و داعی ہے۔ سیاست ہی اس درجہ بگھارنی ہو تو دین و دین کی نعمت کیوں اوڑھی جائے۔"

"میں کس کس موضوع پر قلم گھس سکتا ہوں۔ پھر مخالفت کی ضرورت بھی کیا ہے۔ پڑھنے والے خود احساس کرلیں گے۔ آج نہ سہی کل سہی۔"

حافظ شجراب تک چُپ تھے۔ اب تبسم ریز لہجے میں بولے:۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا جناب ــــ ہم لوگوں نے تو سنا تھا آپ بڑے جوشیلے ہیں۔ تجلّی سے بھی اسی کی تائید ہوتی

...آپ ....جی ہاں ....." وہ فرمائشی انداز میں ہنس دیے۔

"...س اور جذبہ زندگی کی جان ہیں خنجر صاحب۔ میں نے ...ن اپنے لہو کو سرد محسوس کیا یقین کر لوں گا کہ دستِ اجل سے زیادہ دور نہیں۔"

"لیکن اِس وقت تو اس کا ثبوت نہیں ملا۔" خنجر صاحب اب بھی متبسم ہی تھے۔

"او ہو۔ تو کیا میں آپ بزرگوں سے کشتی لڑتا۔ استغفراللہ اہل طریقت کی تو بے حد قدر میرے دل میں ہے بشرطیکہ وہ نام نہاد نہ ہوں۔"

"نام نہاد" مولوی فردوس تلملا اٹھے۔ "یہی تو آپ کی بری عادت ہے۔ نیش زنی کرتے ہیں۔"

"آپ کو ناگوار ہوئی میں معافی چاہتا ہوں مگر آپ کا مطلب میں نہیں سمجھا۔"

"طنز و طعن بری چیز ہے اس سے کلیجے چھلنی ہو جاتے ہیں۔"

میں نے طعن نہیں کیا۔ کیا آپ اس سے انکار کر سکینگے کہ نااہلوں نے تصوف کو توہمات و بدعات کا ملغوبہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ کتنے ہی صوفیاء مطلوبہ تصوف سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتے مگر اپنے ناموں کے ساتھ نقشبندی یا چشتی وغیرہ لکھ کر خود فریبی کا اعلان کرتے ہیں۔ خلق خدا کو دھوکا دیتے ہیں۔ دین کی جڑیں کھودتے ہیں۔"

"جڑیں تو مودودی نے کھودی ہیں۔" مولوی صاحب کو مزید غصہ آگیا۔

"آپ اتنی لمبی چھلانگ نہ لگائیں" مدیر تجلی نے ان کے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "ہم ہندوستان میں بیٹھے ہیں اور مودودی پاکستان میں ہے۔ کیسا المیہ ہے کہ کوئی ادھر سے اُدھر نہیں جا سکتا۔"

"وہ تو ہے مگر میں مودودی کی بات کر رہا ہوں۔ اس نے دین کا ستیاناس کر دیا۔ کبھی خارجیوں جیسی باتیں لکھتا ہے کبھی منکرِ حدیث بن جاتا ہے۔ کبھی الحاد کی تائید کرتا ہے۔"

"آپ کیوں غم کھاتے ہیں۔ اس کا حساب آپ سے تو نہ لے گا۔ آنجناب اگر صراطِ مستقیم پر قائم ہیں آپ کی بلا سے مودودی کچھ کرتا پھرے۔"

"مگر آپ تو مودودی کی وکالت کرتے ہیں۔ آپ ہی کب جہنم سے بچ سکیں گے۔ گمراہ کا حامی خود گمراہ ہوتا ہے۔"

"میں جہنم میں جاؤں تو یہ بھی کوئی عجوبہ نہ ہوگا آخر جہنم بھی بھرنے ہی کے لئے ہے۔ آپ کو خدا بچائے۔ پھر آپ کو کیا پروا۔"

"ہمارا جہنم سے بچنا آپ کی دعاؤں کا محتاج نہیں ۔۔۔ ہم کہتے ہیں مودودی کی حمایت سے توبہ کر لیجئے۔ بڑی آگ لگتی ہے۔"

"آگ بھی تو ایک آفاقی حقیقت ہے۔ دیکھئے۔ چولھے نہیں جل سکتے اگر آگ لگنے کی عادت تبدیل کر دے۔"

"یہ مہمل منطق ہے۔ آپ نے میر قطبی پڑھی ہے"

"کیا فائدہ ہوگا ایسے سوالوں سے۔ آپ نے ماشاءاللہ سبھی کچھ پڑھا ہے۔ سند فضیلت رکھتے ہیں مجھ جیسے کچھ جاہل بھی شہر کے کونے کھدرے میں پڑے رہیں تو نہ زمین اپنے محور سے ہٹے گی نہ آسمان شق ہوگا"

"اچھا جناب اب چلیں" حافظ خنجر اُکتا کر بولے "آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ۔ ناگوار خاطر نہ ہو تو کسی دن کھانے کے وقت بھی حاضر ہوں۔"

"میرا ایمان ہے کہ دانے دانے پر مہر ہے۔ آپ جب بھی یہاں شرب و نوش فرمائیں گے میرا کچھ نہ بگڑے گا۔"

ان کے ساتھ میں بھی دُم دبا کر سرکنے والا تھا پاٹ دار آواز میں ٹوکا گیا:۔

"تم انھیں کچھ دور پہنچا کر ابھی لوٹو گے۔"

کڑھتا اور مٹتا میں ان کے ساتھ چلا۔

"بھئی معلوم ہوتا ہے جماعت والوں نے تمہارے
بریگاڑو کی تنخواہ بند کردی ہے" مولوی فردوس باہر
نکل کر مجھ سے بولے ۔

"ہوسکتا ہے ۔ دنیا رنگ رنگیلی ہے ۔" میں نے بیزاری سے جواب دیا۔

"کیا ملتا تھا ؟"

"پانچ ہزار ماہانہ ۔ راوی کا قول ہے ۔ جھوٹ سچ کی ذمہ داری میں نہ لے سکوں گا ۔"

"پھر کون لے گا ؟" حافظ خنجر چہکے ۔

"صوفی بہلول ۔ وہی اصلی راوی ہیں ۔"

"سچ بتاؤ واقعی کیا ملتا تھا ؟" مولوی صاحب نے پکار کر سوال کیا ۔

"میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ۔ چھوڑیئے یہ مسائل
...وف آپ جانیں اور وہ ۔"

پھر میں لوٹ کر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو
...انے لگے :-

"ان لوگوں کو یہاں تم کیوں لائے تھے ؟"

"یہ لوگ خود مجھے کھینچ کر لائے تھے ۔ تباہ کر دیا مردودوں نے ۔ میں تو اس وقت خواجہ تلقین کے دولت کدے پر جاتا ۔ بے حد اہم ٹھنگ ہے ۔"

"تمہارا کوئی بھی پروگرام بے حد سے کم اہم کبھی نہیں ہوتا ۔ اوقات ضائع کرتے پھرتے ہو ۔ آخر کب آدمی بنو گے ؟"

"آدمی کے علاوہ جو چاہے بنوا لیجئے ۔ خدا کی پناہ ۔ آدمی سے بڑا درندہ اس وقت صفحۂ ارض پر کوئی نہیں پایا جاتا ۔"

"بس لٹریچر کی ٹانگ نہ توڑو ۔ میں تمہیں کب کا بتا چکا ہوں کہ تجلی کا ایک شمارہ پورا تمہیں مرتب کرنا ہے ۔
...نسے یا بنک ۔ مگر تمہاری آوارہ گردیوں میں کوئی کمی نہیں
...ر نہیں آتی ۔"

"آپ کے سامنے میں کیا بولوں ۔ ویسے آخرت کا بھی تو سامان کرنا ہی ہے ۔ صوفیاء کی صحبت اسی لئے اختیار کی
ہے ۔"

"چانٹا مار دوں گا ۔ سن تہتر میں مُلّا نمبر نہ نکل س...
یاد رکھو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا ۔"

"مولوی فردوس کے نزدیک تو اب بھی آپ سے برا ...
نہیں ..... گستاخی معاف فرمادیں در اصل دماغ آج ...
ٹھس ہو کر رہ گیا ہے ۔ خون تو نیا پیدا ہوتا ہی نہیں ۔ کھوپڑ...
تازہ خون مانگتی ہے ۔"

"بکواس مت کرو ۔ تین ہی مہینے ہوئے جب تمہار...
مشاہرے میں پچاس کا اضافہ کیا گیا تھا اب کیا روز اضاف...
ہوں گے ۔"

"ان تین مہینوں میں گرانی چھ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتا...
بڑھی ہے ۔ آپ کی بہن آدھا مہینہ گذرتے ہی کہہ دیتی ...
کہ سودا ادھار لاؤ کیش بکس خالی ہوگیا ۔"

"تم اور وہ دونوں اس قابل ہو کہ گردن مار دی جائے
میرا خیال تھا وہ تمہیں آدمی بنا سکے گی مگر تم نے اسے بھی
اپنے ہی رنگ میں رنگ لیا ۔ اب تو مجھے یہ بھی شبہ ہے کہ تم
دونوں سازش کر کر کے مجھ سے جھوٹ بولتے ہو ۔"

"آپ کا کیا بگڑتا ہے ۔ جہنم میں ہم جھوٹے جائیں گے
آپ کے تو اجر ہی میں اضافہ ہوگا ۔"

"تم وہ نالائق ہو کہ شاید جہنم بھی تمہیں قبول نہ کر سکے
جاؤ نکلو ۔"

انداز پھٹکار ہی کا تھا مگر تبسم کی وہ لہر ان سے نہ چھپ
سکی جو ان کے چہرے پر کوندی تھی ۔ میرا غنچۂ دل کھل گیا

"کم سے کم پچاس کا اضافہ اور کر دیجئے ۔ تجلی
ماشاء اللہ ......"

"ہاں ہاں اپنی ماشاء اللہ اپنے پاس ہی رکھو ۔ ...
ہے تم چند لفنگوں کے ساتھ مل کر کسی پرانی قبر پر عرس کا اہتما...
کرنے والے ہو ؟"

"جی نہیں لفنگا کوئی بھی نہیں ۔ صوفی زبرجد ہیں
خواجہ مہتاب ہیں ۔ شاہ زعفران ہیں ۔"

"اور یہ سب اعلیٰ پائے کے صوفی ہیں ۔ ایسے بد بخ...

کی عاقبت برباد کرتا ہے۔ برباد تو خیر وہ پہلے ہی وہ کہیں کا۔"

"تو۔۔۔۔ تو میں آپ کی بہن سے کہہ دوں کہ پچاس سال بعد۔۔۔۔"

"ہرگز نہیں۔ میں تو پچھلا ہی اضافہ مسترد کرنے کی سوچ رہا ہوں۔ اگر شہر میں کسی بھی جگہ نیا عرس ہوا تو تمہاری کھال کھینچ لوں گا ۔۔ جاؤ اب دماغ نہ چاٹو۔ میرے پاس تمہاری طرح فالتو وقت نہیں ہوتا۔"

"اچھا ایک بات بتائیے ۔۔۔ دعوت میں تو حدیثیں بھی چھپتی ہیں۔ آیات کا ترجمہ بھی چھپتا ہے۔ نصیحتیں بھی ہوتی ہیں۔ وزیرِ اعظم اندرا سے لے کر امریکہ کے صدر نکسن اور پاکستان کے صدر بھٹو تک کو ایڈیٹر صاحب بڑے شاندار مشورے بھی پلاتے ہیں پھر بھی آپ دعوت سے خفا ہیں میری ناقص عقل میں یہ بات نہیں آتی ۔"

"تمہاری عقل میں صرف صوفی آتے ہیں۔ عرس و قوالی آتی ہے۔ کسی مسئلہ پر آج تک سنجیدگی سے سوچا ہے تم نے؟"

"کئی بار کوشش کی ہے۔ مگر۔۔۔۔ مذاق نہ سمجھیے معدہ تباہ ہو جاتا ہے۔ جگر میں اینٹھن ہوتی ہے۔ عجیب عجیب خواب نظر آتے ہیں۔"

"اور میں تمہیں عنقریب ایسی سزا دینے والا ہوں اس سے بھی بڑھ کر عجیب خواب نظر آئیں گے ۔۔ بیوقوف آدمی۔ جاؤ بس اگر۔"

"میرا سوال سنجیدہ تھا۔۔۔۔"

"جھکّی ۔۔۔۔ اچھا بتاؤ اقامتِ دین کسے کہتے ہیں؟"

"جی۔۔۔۔ اقامتِ دین۔ یعنی دین کو کھڑا کرنا۔ جیسے زمین کھود کر بجلی کے کھمبے کھڑے کئے جاتے ہیں۔ لوگوں کو اچھی اچھی باتیں بتاتے رہنا بھی اسی کی تمہید ہے۔"

"دوسرے بے شمار پرچے ہیں جن میں یہی سب کچھ آتا ہے۔ پھر کیا فرق رہا ان میں اور دعوت میں ۔۔"

"کم سے کم یہ فرق تو ہے کہ کسی اور دینی پرچے میں اتنے اشتہارات مجھے نصیب نہیں ہوئے۔ یہ بھی مقبولیت کی علامت ہے ۔"

"مقبولیت سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور کسے کہیں گے۔ تناسب بڑی چیز ہے۔ مواد کو ہر حال میں اشتہارات پر غالب رہنا چاہئیے۔"

"چلئے یہ تو خاص نمبروں کا حال ہوا۔ عام شمارے تو اس اعتراض کی زد میں نہیں آتے ۔"

"میں نے کب کہا کہ آتے ہیں ۔۔۔ اصل گفتگو مواد کی نوعیت میں ہے۔ اخبار کی پیشانی سے اگر اقامتِ دین والا جملہ کاٹ کر یہ شعر لکھ دیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام

با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام"

"یہ ایک غیر قومی حرکت ہوگی۔ فارسی تو غیر ملکی بھاشا ہے ۔۔" میں بڑبڑایا۔

اور جملہ پورا ہونے سے قبل ہی بھاگ بھی پڑا۔ ان کے تیور ہی ایسے تھے۔ ویسے یہ مجھے اطمینان ہو گیا تھا کہ پچاس کا تازہ اضافہ ہو کر رہے گا۔ ان کی اداؤں کو مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ کہیں گے مردود دل میں ہوگا میرا پیارا املا۔ لب و لہجے سے اندازہ ہو گیا تھا کہ اضافے کی درخواست سوئیکار کر لی گئی ہے۔ سبحان اللہ سوئیکار۔ جیسے موٹر کار۔ اداکار۔ فنکار وغیرہ وغیرہ۔

ہماری باہمی مفاہمت ہو جانے کے بعد ڈی ایس پی صاحب نے جو کہ ہری سنگھ نلوہ کے خاندان سے تھے، تھانے دار پر سخت بازپرس شروع کی۔ اسے خطرہ ہو گیا کہ مجھے نقصان پہنچے گا تو پھر میری خوشامد شروع کی اور کہا کہ نلوہ صاحب آپ کے کردار سے بہت متأثر ہیں اگر میری سفارش کر دیں تو میرا بھلا ہو سکتا ہے۔ میں نے نلوہ صاحب کے پاس اپنا آدمی بھیجا اور کہا کہ اس فساد کا ہاتھی تو نکل گیا ہے اب تھانیدار صاحب والی دُم پھنسی ہوئی نہ رہنی چاہیئے۔ اس پر انھوں نے اس کی گلو خلاصی کر دی۔